

UNIVERSAL
LIBRARY

OU-234512

UNIVERSAL
LIBRARY

تمهيد الاخلاق

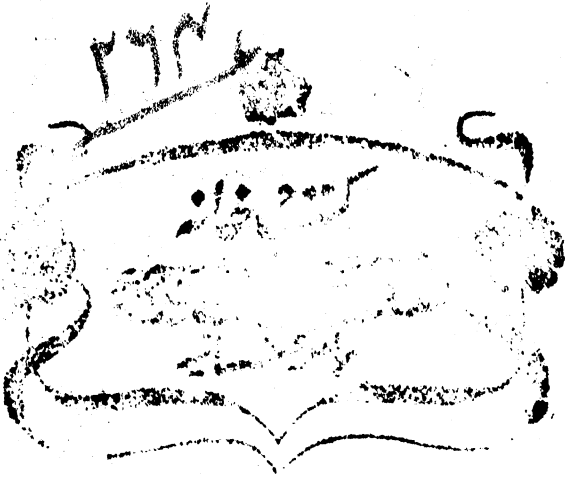
۲۰۵ ۹۱۵

۵ - ۵

تہذیب الاسلامی

صفحات

سید احمد خان



دینکاجہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تہذیبِ بلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم ان کو بتائے دیتے ہیں کہ کج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر رائے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل ابو علی مسکوتیہ خاندن رازی گزرا ہے یہ اسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا عجب قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قستان کے حاکم امیر تامل الدین عبدالرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے حلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف

کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ۔

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ مگر مگر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اور تو اور۔ صرف ابوعلی سینا اور ابوریحان بیرونی اس حکیم کے معصروں میں وہ ایسے بالکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغایرت نہ تھی۔ اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور زائل کی بیان سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابوعلی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پاریدہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو۔ قہقہی بلکہ سوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا ان حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین کورہ بلا کے ایسے مضامین درج نہ کرنا جو قوم کو تاریخی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ۔

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اور ابوعلی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رقبات سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور ہی خواہ ملک کو ہونا چاہیے۔ وہ کون ؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ٹی۔ سی۔ اس خدایا نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھ کر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلیٰ درجہ پر پہنچی رہی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغایرت ہے جو ایمان کو گھرسے۔ یا ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو ان حالات سے اُس کا جی بھرا یا۔ اور ہمہ تن اُسکی

حل مشکلات میں مصروف ہو گیا۔ اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا گیا۔ دل اور دماغ سے۔
 قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک
 سوئٹھی قائم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کر کر شائع کیے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ
 کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور کافی ہوتی
 فلاح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔
 اُس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا۔ اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر ان سب اسباب کا
 موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اس تمام سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ جو قوم دوسری قوم
 کے ماتحت رہ کر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر
 کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا
 پُھر برا بلند کرنا اُس کے مد نظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فلاح قوم
 کی زبان اور ان علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں۔
 اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اس ضرورت کے انصرام
 کا کفیل ہو +

آب اس بزرگوار نے ہندوستان میں اُس آکر چاہا کہ جو تجارت عظیمہ اس لیے چوڑے سفر میں
 حاصل کیے ہیں قوم کو ان سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے۔
 علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر اذبار چھا گیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اُٹھ رہی
 ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُسکی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جنبہ چوڑے کروٹ بدلتی ہے۔ تنہا ایک
 شیریں کلام بلند آواز۔ اُن تھک طبیعت کو اُسپر متحین کیا۔ اسکی سریلی آواز میں وہ غضب کی
 طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی۔ جس گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔
 سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو
 نوح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ مقدس تہذیب الاخلاق۔
 جسکی شاعت کا انتظام درپیش ہے +

آہا!! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مسلمانوں کی محسن معاشرت کا بیڑا اٹھایا +

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا +

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دور کر دیا +
 جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کرنے کو بہتہ جوہ آمادہ ہے +
 جس نے غیر مذہب ٹالوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے +
 جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلحان بنی آدم میں سے جسکی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ
 وابستہ ہے وہ ہی عرب **محمد** صلی علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے +

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب
 بیس برس کی مدت نے اُسکو آؤزنا پتید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو ہم عام کو اُسکی
 خریداری اور نفیس طبائع کو اُسکی گراں باری۔ متعذر۔ غریب آدمی **مٹ** کہاں سے لائے اور امیر آدمی
 اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اُسکی مقتضی ہوئی ہے کہ کل
 اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پائے۔
 ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے :-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر میر نواز جنگ
 کے مضامین قیمت دو روپیہ +

دوسرے حصہ میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے تسی ایس۔ آئی
 کے کل مضامین قیمت تین روپے +

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چرغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم
 کے مضامین قیمت عظیم +

چوتھے حصہ میں نواب انصار جنگ مولوی شتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔
 شمس العلماء مولوی ذکار اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین۔
 قیمت پانچ روپے +

قوم

خ۔ دم

خاکسار فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت
 لاہور۔ بازار کشمیری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حصہ اول

مضامین اہل اقلیتی و تمدنی

تہذیب

اس پرچہ کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی تہذیب قومیں اُن کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و تہذیب قوم کہلاویں۔ سولیزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب کہنے ترجمہ کیا ہے مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں اُس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدن اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جہانی خوبی ہوتی ہے اور ممکن اور وقار اور قدر و منزلت نہ حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔

یہ بات نہایت سچ ہے کہ کسی قوم کے مذہب ہونے میں اس قوم کے مذہب کو بھی
بڑا دخل ہے بے شک بعض مذہب ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مانع ہیں پس اس بات کو دیکھنا
چاہیے کہ کیا مسلمان مذہب بھی ایسا ہی ہے ؟

اس باب میں مختلف رائے ہیں۔ ایک عیسائی معتصب مورخ نے ٹرکی یعنی روم کی سیر کے بعد
اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ ترک جتنا مذہب اسلام کو چھوڑینگے مذہب نہ ہونگے کیونکہ مذہب
اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قومی ہے ؟

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو باطل بادشاہ ہے اس بات کی تحقیقات منظور
ہوئی کہ حقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہے یا نہیں اور چند علماء اور عقلاء اور وزراء کی کونسل اس
امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا افسر فواد پاشا تھا اس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اس کے دو
فقروں کا ترجمہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے ؟

”اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنیوالی اور انسانیت اور
تہذیب اور حمد کی کو کمال کے درجہ پر پہنچانیوالی ہیں مگر بہکوا اپنی بہت سی رسوم و
عادات کو جو اگلے زمانہ میں مفید تھیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہو گئی ہیں چھوڑنا
چاہیے“

اب دونوں رایوں میں سے کسی ایک رائے کا سچ کر کر دیکھا دینا مسلمانوں کے اختیار میں
اگر وہ اپنے عملی کاموں سے مثلاً اور دنیا کی مذہب قوموں کے اپنے تئیں بھی مذہب کر دکھادیں گے
تو فواد پاشا کی رائے کی تصدیق کریں گے ورنہ از خود اس پہلی رائے کی تصدیق ہوگی ؟
ایک اور انگریزی مورخ ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ
ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قرآن کے مسئلوں
اور ہندوستان کی بُت پرستی سے مل کر ان کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہو گیا ہے ؟

ہماری سمجھ میں فواد پاشا کی رائے اور اس پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہے ہم
مسلمانوں میں بہت سے پورے قصہ بیوروں کے اور بہت سی باتیں اور خیالات اور اعتقادات
رومن کیتھولک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا اور بے انتہا
رہیں اور عادات ہندوؤں کی مل گئی ہیں اور دریدے براں بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں ہماری
خط فہمیوں سے پیدا کی ہیں جو حقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مسلمانوں کی

عجیب حالت ہو گئی ہے اور یہی باعث ہے کہ غیر قومیں ہماری اس مہیت مجموعی پر خیال کر کر اُس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اُسکی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں جیسکے ایک انگریزی مورخ نے مفصل ذیل رائے لکھی ہے :

” عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کے جوقا در مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے بلکہ اُسکو ترقی دینے والی ہے اور برخلاف اسکے اسلام اُسکو خراب کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے۔“

پس اب کیا غیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے ایسی حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے مذہب کی نسبت سنیں اور اپنی تہذیب و تربیت اور شائستگی کی طرف متوجہ نہوں ؟

یہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہم فو اور پاشا کی رائے کو جو بڑے بڑے علماء اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہے اختیار کریں اور بخوبی ہوشیار ہو کر نیکوئی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں۔ اور کیونکر ہم میں مل گئیں اور یا کیونکر خود ہم میں پیدا ہو گئیں اور اُن میں جو جو ن سی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں اُن کو ترک کریں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسائل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بمینا کے ہے یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہے ۔

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لیے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہو سکے اُن کے دین دنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو بہ کونہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں اُن کو بخوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں اُن میں ترقی کرنے کی اُن کو زعبت

۱۔ یہ سہ سمجھو کہ اس مصنف کا صرف یہ قول ہی قول ہے بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجودہ ہل اسلام اس کا ثبوت بھی ہے اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بجز رونے کے آدھ کچھ چارہ نہیں۔ اپنی ٹانگ کھولیں اور آپ ہی لاجوں مر بیٹے ۔

واللہ ولی التوفیق

السعی منی ولا تمام من اللہ تعالیٰ - اللہم آمین ثم آمین

رسم و رواج

جو لوگ کہ حسن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں اُن کے لئے کسی ملک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اُسی میں خوش رہتی ہے کیونکہ جن باتوں کی چھٹیوں سے عادت اور سناست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو ایسے معنی یہ ہو جاوے گا کہ بھلائی اور بُرائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے جس چیز کا رواج ہو گیا عادت پڑ گئی وہی اچھی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وہی بُری ہے۔

گمبہ بات صحیح نہیں۔ بھلائی اور بُرائی فی نفسہ مستقل چیز ہے رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا۔ عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اُس کو کہتے ہیں مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہ بُری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی۔ پس ہم کو صرف اپنے ملک اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہیئے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اُسکی اصلیت کا امتحان کرنا چاہیئے تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بدب رسم و رواج کے ہو تو اُسکی بدی خیال میں آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے۔

البتہ یہ کہنا درست ہو گا کہ ہر گاہ کہ میسوب اور غیر میسوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج و عدم رواج پر منحصر ہو گیا ہے تو ہم کس طرح کسلی مر کے رسم و رواج کو اچھا یا بُرا قرار دے سکیں گے۔ بلاشبہ یہ بات کیسے کہ مشکل ہے مگر جبکہ تسلیم کر لیا جاوے کہ بھلائی یا بُرائی فی نفسہ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی حقیقت بھلائی یا بُرائی قرار دینے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ ہو گا۔ پس ہم کو اُس طریقہ کے تلاش کرنے اور اُسی کے مطابق اپنی رسوم و عادات کی بھلائی یا بُرائی قرار دینے کی پیروی کرنی چاہیئے۔

سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات سے

اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچی بات کے سننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس دلی نیکی سے جو خدا تعالیٰ نے انسان کے دل میں رکھی ہے ہر ایک بات کی بھلائی یا بُرائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں +

یہ بات ہم کو اپنی قوم اور اپنے ملک اور دوسری قوم اور دوسرے ملک دونوں کے رسم و رواج کے ساتھ برتنی چاہیئے تاکہ جو رسم و عادت ہم میں بھلی ہے اُس پر تسلیم کریں اور جو ہم میں بُری ہے اُس کے چھوڑنے پر کوشش کریں۔ اور جو رسم و عادت دوسروں میں اچھی ہے اُس کو بلا تعصب اختیار کریں اور جو اُن میں بُری ہے اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں +

جب کہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دنیا کی قوموں میں جو رسوم و عادات مروج ہیں انہوں نے کس طرح اُن قوموں میں رواج پایا ہے تو باوجود مختلف ہونے اُن رسومات و عادات کے اُن کا مبداء اور منشاء متحد معلوم ہوتا ہے +

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو عادات اور رسمیں قوموں میں مروج ہیں اُن کا رواج یا تو ملک کی آب و ہوا کی خاصیت سے ہوا ہے یا اُن اتفاقاً امور سے جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً بضرورت تمدن معاشرت کے پیش آتی گئی ہے یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے مروج ہو گئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اُس کو پیدا کر دیا ہے۔ پس ظاہر ایسی چار سبب ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں رسوم عادات کے مروج ہونے کا مبداء اور منشاء معلوم ہوتے ہیں +

جو رسوم و عادات کہ مقتضائے آب و ہوا کسی ملک میں پائی جاتی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ وہ عادات قدرت اور فطرت نے اُن کو سکھائی ہیں جس طرح ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر صرف اُن کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب آتی رہتا ہے +

مثلاً ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ کشمیر میں اور لندن میں سردی کے سبب ان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہے۔ پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہے مگر اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آگ کے استعمال کے لئے یہ بات بہتر ہے کہ کانات میں ہندسی قواعد سے آگ بنائیں یا آگ کی گرمی سے فائدہ اٹھائیں یا مٹی کی کانگریوں میں آگ جلا کر گردن میں لٹکائے پھر جس سے گوراکو پاسٹ اور سینہ کالا اور بھونڈا ہو جاوے +

طریق تمدن و معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ ہماری قوم عادات میں جو بضرورت تمدن معاشرت مروج ہوئی تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم

اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عاداتوں کے پابند رہیں اور کچھ ترقی نہ کریں تو بلاشبہ بمقابل اُن قوموں کے جنہوں نے ترقی کی ہے ہم ذلیل اور حمار ہوں گے اور مثل جانوروں کے خیال کیئے جاویں گے پھر خواہ اس نام سے ہم بُرا مانیں یا نہ مانیں انصاف کا مقام ہے کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور ماتر بیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شایستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھی ہمارے جیسا ہی طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو ہمارا کیا مقام شکایت ہے ہاں اگر ہمارے غیرت ہے تو ہمارے اس حالت سے نکلنا اور اپنی قوم کو نکالنا چاہیئے ۔

دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب ہمیں اندھے پن سے صرف تقلید بغیر سمجھے ہو جیسے اختیار کی جاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں دوسری قوموں کی رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائی اور ہوشیاری سے کام کریں تو اُس قوم سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس لیے کہ ہمارے رسم سے تو موافقت نہیں ہوتی اور اس سبب سے اُسکی حقیقی بھلائی یا بُرائی پر غور کرنے کا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لائیں بہت اچھا موقع ملتا ہے اُس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاری ہے ہمارے بہت عمدہ مثالیں سینکڑوں برس کے تجربے کی ملتی ہیں جو اُس رسم کے اچھے یا بُرے ہونے کا قطعاً تصدیق کر دیتی ہیں ۔

مگر یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں سبب احتلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور اُن کی بھلائی اور بُرائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہو گئی ہیں جیسے ہندوستان کے مسلمانوں کا بتخصیص حال ہے کہ تمام معاملات زندگی بلکہ بعض امور مذہبی میں بھی ہندوؤں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کر لی ہیں یا کوئی نئی رسم مشابہ اُس قوم کی رسم کے ایجاد کر لی ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہنچا دیں تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ تہذیب ہیں وہ ہمارے نظرتحرارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بنظر تحقیق دیکھیں اور جو بُری ہوں اُن کو چھوڑیں اور جو قابل اصلاح ہوں ان میں اصلاح کریں ۔

جو رسومات کہ سبب ترقی یا تنزل کسی قوم کے پیدا ہوتی ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اُس قوم کی ترقی اور تنزل یا عزت اور ذلت کی نشانی ہوتی ہیں ۔

اس مقام پر ہم نے لفظ ترقی یا تنزل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور تمام قسم کے حالات ترقی و تنزل مراد لیے ہیں خواہ وہ ترقی و تنزل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم و فنون اور طریق معاشرت تمدن سے اور خواہ ملک و دولت و جاہ و شہرت سے ۔

بلاشبہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکی تمام رسمیں اور عادات عیب اور نقصان سے خالی ہوں مگر اتنا فرق بے شک ہے کہ بعضی قوموں میں ایسی ریویات اور عادات جو حقیقت نفس الامری میں بُری ہوں کم ہیں اور بعضی میں زیادہ اور اسی وجہ سے وہ پہلی قوم پچھلی قوم سے اعلیٰ اور معزز ہے اور بعضی ایسی بھی قومیں ہیں جنہوں نے انسان کی حالت ترقی کو نہایت اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے اور اس حالت انسانی کی ترقی نے اُن کے نقصانوں کو چھپا لیا ہے جیسے ایک نہایت عمدہ و نفیس شیریں دریا تھوڑے سے گد لے اور کھاری پانی کو چھپا لیتا ہے یا ایک نہایت لطیف شربت کا بھرا ہوا پیالہ نیبو کی کھٹی دلو بندوں سے زیادہ تر لطیف اور خوشگوار ہو جاتا ہے اور یہی قومیں ہیں جو اب دنیا میں سویلیزڈ یعنی منڈ گئی جاتی ہیں اور حقیقت اس لقب کی مستحق بھی ہیں ۞

میری دلسوزی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ اسی وجہ سے ہے کہ میری دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت سی رسمیں جو حقیقت نفس الامری میں بُری ہیں مروج ہو گئی ہیں جن میں سے ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھی برخلاف ہیں اور انسانیت کے بھی مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت و شائستگی کے بھی برعکس ہیں اور اس لیے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ تعصب اور ضد اور نفسانیت کو چھوڑ کر اُن بُری رسموں اور بدعاتوں کے چھوڑنے پر مائل ہوں اور جیسا کہ اُن کا پاک اور روشن ہزاروں حکمتوں سے بھرا ہوا مذہب ہے اُسی طرح اپنی رسومات معاشرت و تمدن کو بھی عمدہ اور پاک صاف کریں اور جو کچھ نقصانات اُس میں ہیں گو وہ کسی وجہ سے ہوں اُن کو دور کریں ۞

اس تحریر سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے تئیں اُن بدعاتوں سے پاک و متبرک سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں نمونہ عادات حسنہ جانتا ہوں یا خود ان امور میں معتد بننا چاہتا ہوں۔ حاشا و کلام بلکہ میں بھی ایک فرد انھیں افراد میں سے ہوں جن کی اصلاح دلی مقصود ہے بلکہ میرا مقصد صرف متوجہ کرنا اپنے بھائیوں کا اپنی اصلاح حال پر ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ جو لوگ اصلاح حال پر متوجہ ہونگے سب اول اُن کا چیلہ اور اُن کی پیروی کرنے والا میں ہوں گا البتہ مثل مخمور کے خراب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بدتر درجہ کو پہنچنا جانا اور نہ اپنی عزت کا اور نہ قومی عزت کا خیال و پاس رکھنا اور جھوٹی شیخی اور بیجا غرور میں پڑے رہنا مجھ کو پسند نہیں ہے ۞

ہماری قوم کے نیک اور مقدس لوگوں کو کبھی کبھی یہ غلط خیال آتا ہے کہ تہذیب و تربیت معاشرت و

تمدنِ فُردنیادی امور میں جو فہر چند روزہ ہیں اگر اُن میں ناقص ہوئے تو کیا اور کامل ہوئے تو کیا اور اُس میں عزت حاصل کی تو کیا اور ذلیل ہے تو کیا۔ مگر اُن کی اس رائے میں قصور ہے اور اُن کی نیک دلی اور سادہ مزاجی اور تقدیس نے اُن کو اس عام فریبِ غلطی میں ڈالا ہے جو اُنکے خیالات ہیں اُن کی صحت اور اصلیت میں کچھ شبہ نہیں مگر انسان اور متعلق تمدن و معاشرت سے کسی طرح علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ شلوع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تھا کیونکہ قواعدِ قدرتا سے یہ امر غیر ممکن ہے پس اگر ہماری حالت تمدن و معاشرت دلیل اور معیوب حالت پر ہوگی تو اُس سے مسلمانوں کی قوم پر عیب اور ذلت عاید ہوگی اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اُن کے مذہب پر منجر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کسی جاتی ہے کہ مسلمان یعنی وہ گروہ جو مذہب اسلام کا پیرو ہے نہایت دلیل و فوجوار ہے پس اس میں درحقیقت ہمارے افعال و عادات قبیلہ سے اسلام کو اور مسلمانوں کو ذلت ہوتی ہے پس ہماری دانست میں مسلمانوں کی حسن معاشرت و خوبی تمدن اور تہذیب خلاق اور تربیت و شایستگی میں کوشش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو دنیاوی امور سے جس قدر متعلق ہے اُس سے بہت زیادہ سادہ سے علاقہ رکھتا ہے اور جس قدر فائدہ کی اُس سے ہم کو اس دنیا میں توقع ہے اُس سے بہت بڑھ کر اُس دنیا میں ہے جس کو کبھی فنا نہیں ہوتا۔

تقصیب

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اُس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے تعصب کو اپنی زبان سے نکمے مگر اُس کا طریقہ یہ بات جتنا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی سے ہے اُس میں نہیں ہے تعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اُس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اُس کا تعصب اُس کے برخلاف بات کے سننے اور سمجھنے اور اُس پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے تو اُس کے فائدے اور اُس کی نیکی کو چھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اُس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہوکا موقع نہیں ملتا۔

تقصیب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حامل کرنے سے باز رکھتا ہے اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ

انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے مگر صرف تعصب سے اُس کو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ بُرائی میں گرفتار اور بھلائی سے بنیرار رہتا ہے :

مذہبی تعصبات کی نسبت بھی ہم کچھ تھوڑا سا بیان کریں گے مگر اول امور تمدن معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں :

انسان قوا واعد قدرت کے مطابق مدنی الطبع پیدا ہوا ہے وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیا نہیں کر سکتا اُس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے ہاتھ آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر تعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منحرف اور بنیرار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بھراؤن چند لوگوں کے جو اُس کے ہم رائے ہیں مائل نہیں ہوتا :

عقل اور قوا واعد قدرت کا مقتضایہ معلوم ہوتا ہے کہ امور متعلق تمدن معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعات اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں ان کو انسان اختیار کرے مگر تعصب ان سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے :

ہنر اور فن اور علم ایسی عمدہ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلیٰ درجہ تک حاصل کرنا چاہیے مگر تعصب اپنی بدخصالت سے ہر ایک ہنر اور فن اور علم کے اعلیٰ درجہ تک پہنچنے سے محروم رہتا ہے :

وہ ان تمام پچھپا اور مفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل اور ناواقف رہتا ہے اُس کی عقل اور اُس کے دماغ کی قوت محض بیکار ہو جاتی ہے اور جو کچھ اُس میں سمائی ہوئی ہے اُس کے سوا اور کسی بات کے سمجھنے کی اُس میں طاقت اور قوت نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہو جاتا ہے کہ اُس کو کچھ بالطبع آتا ہے اُس کے سوا اور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا :

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شائستگی میں اور کیا جاہ و شہرت اور مال و دولت میں اعلیٰ درجہ سے نہایت پست درجہ مذلت اور خواری کو پہنچ گئی ہیں۔ اور بہت سی قومیں ہیں جنہوں نے اپنی بے تعصبی سے ہر جگہ اور ہر قوم سے اچھی اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنیٰ درجہ سے ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پہنچ گئیں :

مجھ کو اپنے ملک کے بھائیوں پر اس بات کی بدگمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بخصلت میں گرفتار ہیں اور اس سبب ہزاروں قسم کی بھلائیوں کے حامل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کو دکھانے سے محروم اور ذلت اور خواری اور بے علمی اور بے ہنری کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لئے میری خواہش ہے کہ وہ اس بخصلت سے نکلیں اور علم و فضل اور ہنر و کمال کے اعلیٰ درجہ کی عزت تک پہنچیں :

ہم مسلمانوں میں ایک غلطی یہ پڑی ہے کہ بعضی دفعہ ایک غلط فہمی کے جذبہ سے تعصب کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شخص اپنے مذہب میں بڑا متعصب ہو اور تمام شخصوں کو جو اُس مذہب کے نہیں ہیں اور تمام اُن علوم اور فنون کو جو اُس مذہب کے لوگوں میں نہیں ہیں نہایت حقارت سے دیکھے اور بڑا سمجھے اُس شخص کو نہایت قابلِ تعریف اور توصیف کے اور بڑا پختہ اور پکا اپنے مذہب میں سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے جس نے حقیقت میں مسلمانوں کو برا کر دیا ہے :

ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیا اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لیں اگر یہ خیال ہو کہ اُن دنیاوی علوم کے سیکھنے سے ہمارے عقائد مذہبی میں سُستی آتی ہے کیونکہ مذہب ہی اُن دنیاوی علوم کے پڑھنے سے مستثنیہ یا غلط معلوم ہوتے ہیں تو نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان اپنے ایسے روشن و مستحکم سچے مذہب کو ایسا ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں کہ دنیاوی علوم کی ترقی سے اُس کی برہمی کا خیال کرتے ہیں۔ نو ذرا تدبیر نہا۔ مذہبِ ہمام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی علوم کی ترقی ہوتی جاوے گی اُسی قدر اُس کی سچائی زیادہ تر ثابت ہوگی :

اب ہم یہ بات بتاتے ہیں کہ اپنے مذہب میں سُختہ ہونا جُدا بات ہے اور یہ ایک نہایت عمدہ صفت ہے جو کسی اہل مذہب کے لئے ہو سکتی ہے اور تعصب گو کہ وہ مذہبی باتوں میں کیوں نہ ہو نہایت بُرا اور خود مذہب کو نہایت نقصان پہنچانے والا ہے :

غیر متعصب مگر اپنے مذہب میں سُختہ ہمیشہ سچا، دانا و درست اپنے مذہب کا ہوتا ہے اُس کی خوبیوں اور نیکیوں کو پھیلاتا ہے اُس کے اصول کو دلائل و براہین سے ثابت کرتا ہے مخالفوں و معترضوں اور بُرا کہنے والوں کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے اور خود بھی اُس کے دفعیہ پر مستعد ہوتا ہے اور اور لوگوں کو بھی اُس کے دفعیہ کا موقع دیتا ہے :

بر خلاف اس کے متعصب نادان و ست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سرسراہنی نادانی سے اپنے مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پہلی البتہ ایسی بدصلت اختیار کرنے سے جو ہر عقل کے نزدیک نفرت کے قابل ہے اپنے مذہب کے حسن اخلاق اور اس کے نتیجوں کی خوبی پر داغ لگاتا ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیوں کے پھیلنے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے بدلے اُس کا مارج قومی ہوتا ہے۔ اپنے تعصب کے سبب بد اخلاق اور مغرور اور متعسف سخت دل ہو جاتا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک اس آیت کریمہ لو کنت ذفا علیظ القلب لانفضوا من حولک سے مخالفت صیح کرتا ہے :

مذہب میں متعصب شخص دوسروں کے اعتراضوں کو جو اس کے مذہب پر ہیں سُننا یا مشہور ہونا پسند نہیں کرتا اور اس تک صبر نہ آتا کہ اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیق کیے اور بلا جواب دیئے باقی رہ جاویں یہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اُس کے مذہب کو مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ اور اس کے برہم ہو جانے کا خوف ہے پس یہ تمام باتیں مذہب کی دوستی کی نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی فتح یابی اور میدانِ حیات لینے کی ہیں :

غرض کہ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں۔ نہایت بُرا اور بہت خبیاتیوں کا پیدا کرنے والا ہے :

مغرور و شکستہ ہو جانا اور اپنے ہمجنسوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا تعصب کا خاصہ ہوتا ہے :

اُس کے اصول کا مقتضایہ ہوتا ہے کہ تمام دُنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گزین ہو مگر ایسا کر نہیں سکتا اور بھجوری برائیک سے ملتا ہے اور اوپر سے دل سے اُن کا ادب اور اپنی جھوٹی نیماز مندی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اور بدصلت نفاق اور کذب اور دغا بازی اور فیسر و مکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے :

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اُٹھایا ہے مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بد نصیب رہتا ہے :

علم میں اُس کو ترقی نہیں ہوتی سہن و فن میں اُس کو دستگاہ نہیں ہوتی۔ دنیا کے حالات سے

وہ نادان واقف رہتا ہے۔ عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم ہوتا ہے۔ حصول معاش اور دنیاوی عزت اور تمول مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہے۔

اُس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے جو اپنے ریوڑ میں ملا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کے اُوپر مچھنس کیا کر رہے ہیں۔ بلبل کیا چھپاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے۔ بیا کیا بن رہا ہے اور کھٹی کیا چن رہی ہے۔

وہ بجز گڑے پر کی گھانس چرنے کے اُوپر کچھ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے۔ برگس کیا دیکھتی ہے اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہے۔

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں جاتا کوئی نہرو کمال اُس میں نہیں آتا۔ تربیت و شائستگی۔ تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جب کہ وہ مذہبی غلط فہمی کے پردہ میں نہور کرتا ہے تو اُوپر بھی ہم قائل ہوتا ہے کیونکہ مذہب سے اور تعصب سے کچھ تعلق نہیں ہے انسان کے خراب و برباد کرنے کے لیے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کر کر دکھانا ہے۔

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بہت بڑا منصف ہے اور سچا سچائی کا پسند کرنے والا ہے وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہے۔ پس ہم کو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے نچتہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بُری خصلت ہے چھوڑنا چاہیے۔ تمام مہنی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں۔ ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے۔ پس اسی کی ہم کو پیروی چاہیے۔

تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے کہ ”ہر کمالے راز والے“ مگر اس کے معنی اور اس کی وجہ بخوبی سمجھیں نہیں آتی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ ”ہم کو اپنے تئیں درجہ کمال پر پہنچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے“

اور بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اُس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال جاتا ہے +

کامل مطلق جب بذات باری کے اُور کوئی نہیں ہے پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اُس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہے کیونکہ قابلِ ہمو خطا ہونا انسان کی شان سے ہے۔ اگر یہ بات اس طرح پڑھتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ پس اُن تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھ لینا ہماری ٹھیک غلطی اور ہمارے تسنُّل و ادبار کی ٹھیک نشانی ہے +

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خساریوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے +

جو چیزِ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اُس کو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں +
ہم میں ایک استغناء پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اُسکے اور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں +
لوگوں کے اعتراضوں کے سُننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سبب اپنی غلطیوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور جیلِ مرکب میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے اُس کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں +

خدا نے جو بہو عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اُس کو کام میں لاویں اور وہاں پر بھروسہ کر کر اُس کو بیکار کر دیتے ہیں +

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی بہت بُرا نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی عقل اور جو دستِ طبع اور تیزخی ذہن اور طاقت انتقالِ ذہنی اور قوتِ ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اُوروں کی ٹھکاری پر ہماری چال چلتی ہے اور ہم ٹھیک اس مثل کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ ”چارپائے بروکتا بے چند“ +

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اس نقص کو نہایت درجہ پر پہنچا دیا ہے اور جو نقصان دینی اور دنیوی اُس سے ہم نے اٹھائے ہیں اُن کی کچھ انتہا نہیں۔ بھلا دینی باتوں کو اس وقت رہنے دو اور صرف

اس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اُور قوموں نے ان باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اُسی طرح کیوں نہ ترقی کریں ؟

اگر سچہ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اُس کے الہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں۔ بوجہ اُسی کچھ صاحبِ وحی نہ تھا کہ اُس کی طب کے سوا اور کسی کو نہ مانیں جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں کھتے تھے۔ اُنہی پر پابند رہنے کے لیے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالیٰ کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُن کو کیوں نہ دیکھیں ؟

یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس وقت دنیا میں ہمارے سامنے اسکی مثالیں بھی موجود ہیں :

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہنچا ہوا اور ناقابلِ ہمو و خطا سمجھ کر اُن کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُسی کی پیروی پر جمتے رہے اور اُسکی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ ایسا جو کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون و طریقہ معاشرت کے ایسا جو میں کوشش کرتے رہے۔ اب دیکھ لو کہ اُن دونوں میں کیا فرق ہے اور کون ترقی کی حالت میں ہے +

ہندو اور مسلمان وہ قومیں ہیں جو کچھ پل لکیر کو کامل سمجھ کر اُسی کو پیٹتے آتے ہیں۔ انگریز فرنج اور جرمن ایسی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم و ہنر و تربیت و شائستگی میں اپنے دور میں اپنی معاصر قوموں سے مقدم اور اعلیٰ تھیں اور شاید مسلمانوں کو بھی عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لیے بمنزل استاد کے گئے جاتے تھے مگر اُسی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اُسی خوبی نے جو کچھ پل قوموں میں تھی اور اب بھی ہے ٹھیک ٹھیک معاملہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں ایشیائی قوموں سے علم و ہنر و تربیت و شائستگی میں اعلیٰ ہیں۔ پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہیے کہ اپنے دماغ کو اُن بہیودہ اور نونیالات سے جنہوں نے اُن کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے اور اُن کی تمام خوبیوں کو

خیالات فاسد کیے کیچڑ میں لتھڑ پھڑ کر دیا ہے خالی کریں اور علوم اور فنون اور تہذیب و شایستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب و شایستگی میں نقصان جوئے کے سبب سے اُن کی قوم کی کیسی بدنامی ہے اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کی بدولت اُن کو دیئے تھے بُری طرح سے استعمال میں لائے اور اُن کو بد صورت کر دینے سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں۔ کیسے خندہ زن اشارت اور کنایات اُسیہ کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ مذہب اسلام ٹھہراتی ہیں اُن کا ایسا کمنا اور خیال کرنا کچھ بجا نہیں ہے۔ اسلام کوئی مٹی کا ٹپٹلا نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے مسلمانوں کی حالت اور اُن کے چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے سو انہوں نے اسکو ایسا بد صورت بنایا ہے کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تعجب نہیں۔ پس اُب میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب و شایستگی کی درستی میں کوشش کر کر اور اپنے حال اور چال چلن کو درست اور عمدہ کر کر اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھادیں۔

انسان کے خیالات

جہاں اور بہت سے عجائبات قدرت الہی ہیں اُنہی میں سے انسان کے خیالات بھی نہایت عجیب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی مخلوقات ایک ہی سا خیال رکھتی ہے۔ جانوروں کی وہ حرکات اور افعال جو جاندار ہونے کے سبب ہیں اور وہ چیز جو محرک اُن افعال یا حرکات کی بواسطہ یا بلا واسطہ ہے اُس کا کچھ ہی نام رکھو مگر وہ یہی چیز ہے جس کو انسانی حالت میں خیال کہتے ہیں۔

تمام افعال اور حرکات جانوروں کی بلاشبہ ارادی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ متحرک بالارادہ ہیں۔ اُن کی تمام حرکتوں کا باعث بواسطہ یا بلا واسطہ ایک خیال جلب منفعت مادی جیسے غذا اور مسکن وغیرہ یا غیر مادی جیسے فرحت و انبساط اور برباشت یا خیال دفع مضرت مادی و غیر مادی کا ہوتا ہے ہم نہیں پاتے کہ انسان میں اور کوئی چیز اس سے زیادہ ہے بلاشبہ تانافذ پاتے ہیں کہ جانور میں وہ خیالات محدود اور انسان میں نامحدود ہیں۔

مگر تعجب تو یہ کہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر گاہ ایک قسم کے جانداروں میں ایک ہی سے خیالات ہیں اور اُن پر وہ سب ایک ہی ساقین کامل رکھتے ہیں تو تمام انسان بھی باوجودیکہ ایک قسم کے جاندار ہیں

ایک ہی سے خیالات اور ایک ہی ساقین کہیں نہیں کہتے ہیں +
 کبھی سمجھ میں آتا ہے کہ جانوروں کے خیالات محدود ہونے کے سبب متفق ہیں اور انسان کے
 خیالات میں نامحدود ہونے کے سبب وہ صفت نہیں ہے مگر یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اس لیے
 کہ نامحدود ہونے کے لیے مختلف ہونا ضرور نہیں ہے پس انسانوں کے خیالات سے جہاں تک ہم کو
 واقفیت ہو اس قدر عجائبات قدرت الہی سے کم زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور ان خیالات کا صحیح
 ہونا یا غلط صحیح ہونا ہمارے اس فائدہ میں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ در صورت مختلف ہونے کے
 اور بھی زیادہ فائدہ دیتا ہے اس لیے ہم اپنے اس آرٹیکل میں ایک انسان کے خیالات بیان
 کرتے ہیں جن کو وہ اس طرح پر کہتا ہے :

مجھ کو خیال آیا کہ جس قدر آواز جانداروں کو کرنا ہے اتنا ہی مجھ کو بھی کرنا ہے یا اُس سے
 زیادہ +

مگر میرے خیال میں یہ یا کہ انسان کے سوا تمام جاندار مخلوقات کے لیے جن سپندوں کی ضرورت
 ہے ان کے بنانے والے کاریگر نے سب کچھ ان کے ساتھ بنا دی ہیں۔ ان کو ان چیزوں کے ہم
 پہنچانے یا پیدا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ تمام جانوروں کی خوراک بغیر ان کی سعی و تدبیر کے
 پیدا ہوتی ہے۔ سر و ملک کے جانوروں کے لیے نہایت عمدہ پشیندہ کا گرم لباس ان کے بدنوں
 پر پیدا کیا ہے۔ پرند جانوروں کے لیے سیندھ سے بچنے کا باران کوٹا انہی کے بدنوں پر پیدا ہے
 گرم ملک کے جانوروں کے لیے اُسی آب و ہوا کے مناسب ان کا جامہ قطع کیا ہے مگر انسان
 کے لیے کچھ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو یہ سب کچھ خود کرنا ہے +

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان اپنے کاموں کے کرنے کے لیے کسی سے کچھ سیکھنے یا تعلیم پانے
 کے محتاج نہیں ہوتے خود سیکھے سکھائے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ شہد کی کھٹی کو ریش چوسنے کے لیے
 عمدہ کسم ماخروں کی شناخت کوئی نہیں بتاتا اور اپنے گھروں کو ایسی عمدہ تقسیم سے نکالنا
 جس میں ایک بڑا مندرس بھی حیران ہو جاوے کوئی نہیں پڑھاتا۔ بٹے کو ایسا عمدہ اور محفوظ کاشا
 بنانا کوئی نہیں سکھاتا۔ مگر انسان کو بغیر سیکھے کچھ بھی نہیں آتا :

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان کے کام خواہ وہ افعال جوارح سے ہوں یا دوسری قسم سے اور وہ از خود
 ان کو آئے ہوں یا تعلیم سے نہایت محدود ہیں مگر انسان کے ہر قسم کے کام نامحدود ہیں۔ ان سب
 باتوں سے میں نے خیال کیا کہ انسان کو آواز جانوروں سے بہت کچھ زیادہ کرنا ہے :

پھر میں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اور جانوروں سے بھی زیادہ داند بنایا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہے تو کیا چیز اسکو دی ہے جس سے وہ یہ سب چیزیں کر سکتا ہے اور تمام مشکلوں پر فتح پاسکتا ہے۔ اتنے میں میرا دل بول اٹھا کہ عقل ہے۔
 میں یہ بات سنکر سوچ میں گیا کہ کیا یہ بات سچ ہے مگر میں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہ کام نہیں نکل سکتا۔ نہ تو وہ خود یہ کام نکال سکتی ہے اور نہ اُس کے بغیر یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔ یہ تو کسی دوسری چیز حاصل کرنے کو بطور آلہ کے ہے جیسے کہ سونا چاندی ہماری بھوک نہیں کھو سکتا مگر اس چیز کو ہم پہنچا دیتا ہے جو ہماری بھوک کھو دیتی ہے۔
 بہت سی تلاشیں جستجوئیں نے کی اور خیال دوڑایا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے عقل بھی مشغول ہے تو خیال میں آیا کہ وہ چیز علم ہے جس کے معنی دانستن ہیں۔ تب میں سمجھا کہ مجھ کو اور جانوروں سے زیادہ جو کچھ کرنا ہے وہ صرف تمام باتوں کی اصلیت دریافت کرنا ہے۔

میں نے خیال کیا کہ علم اور یقین یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جس چیز کا مجھ کو علم ہوگا بیشک اُس کا یقین بھی ہوگا۔ اور جس کا یقین ہوگا اُس کا علم بھی ہوگا۔ پس میں نے خیال کیا کہ یقین بغیر علم کے اور علم بغیر یقین کے سچا اور پورا نہیں ہے۔
 میں نے اس بات کو بالکل سچ سمجھا اور خیال کیا کہ مثلاً مجھ کو اعداد کے حساب میں تین کا اور دس کا علم ہے اور اس لیے یقین ہے کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اگر کوئی شخص اس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لیے یہ بات کہے کہ میں اس لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہوں اور وہ اسکو سانپ بنا بھی دے تو کچھ عجب نہیں کہ اُس کا ایسا کرنا مجھ کو حیرت میں ڈال دے مگر کسی طرح اس بات کے یقین میں کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں شک نہیں لائے گا۔

میں نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کے مذہب کا یہ ایمانی مسئلہ کہ اقوال باللسان و تصدیق بالقلب بے شک سچا مسئلہ ہے۔ اُس کا پہلا جزو تو دنیاوی باتوں سے متعلق ہے مگر جو اصل مطلب ہے وہ دوسرے جزو میں ہے۔ تصدیق قلبی اور یقین اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر الفاظ تصدیق قلبی زیادہ شان دار اور مطلب کو زیادہ تر دل پر نقش کرنے والے ہیں۔ اس لیے میں نے خیال کیا کہ ایمان بے یقین کے اور یقین بغیر علم کے نہیں ہو سکتا۔

میں نے یہ بھی خیال کیا کہ علم یا یقین جس کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے کہ دس اور تین کی زیادتی و کمی کا یقین ہے تاکہ کسی طرح زائیل نہ ہو سکے کیونکہ اگر وہ کسی طرح زائیل ہو گیا تو وہ حقیقت میں علم یا یقین تھا بلکہ محض آبا و دھوکا تھا ۛ

ان تمام خیالات نے مجھ کو گھیر لیا اور بیس چاروں طرف ڈھونڈنے لگا کہ علم یا یقین بلکہ یوں کہو کہ ایمان حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ۛ

میں نے دیکھا کہ ہزاروں - لاکھوں - کروڑوں آدمی بہت سی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور انکو کچھ بھی شکل نہیں ہوتی - میں کیوں ایسی مشکلات میں پڑا ہوں - بہتر ہے کہ ان لوگوں سے پوچھوں کہ تم نے ان سب باتوں پر کس طرح یقین حاصل کیا ۛ

یہودی نے کہا کہ مجھے اس بات پر یقین کامل ہے کہ خدا ایک ہے اس لیے کہ موسیٰ نے کہا ہے ۛ

عیسائی بولا کہ غلط - خدا تین ہیں - اور مجھ کو اس پر کامل یقین ہے - اس لیے کہ یوحنا نے یوں ہی بتایا ہے ۛ

ایسے اختلاف سے میں اور بھی گھبرا یا میں نے خیال کیا کہ ایک شے کے علم یا یقین میں اختلاف ہے تو وہ یقین ہی نہیں - پھر کیونکر ان کو ایسا مختلف یقین ہوا - جب میں نے غور کیا تو سمجھا کہ انکو تو نہ خدا کے ایک ہونے پر یقین ہے نہ خدا کے تین ہونے پر - بلکہ ان کو تو اس بات پر یقین ہے کہ موسیٰ اور یوحنا نے ایسا کہا ہے ۛ

یہودی بولا کہ موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں - لکڑی کو سانپ بنایا - پھر اُس نے جو کہا اُنہیں کیا شک ہے ۛ

عیسائی بولا کہ عیسیٰ نے مردوں کو جلایا - مارنے سے بھی مرا بلکہ قبر میں اٹھ کر آسمان پر چلا گیا پھر اُس کے خدا ہونے میں کیا شک ہے ۛ

پہلے تو میں شک میں پڑا کہ دلیلیں تو اچھی ہیں - مگر پھر مجھے خیال ہوا کہ ان کو تو خدا سے موسیٰ کے باتیں کرنے پر اور لکڑی کو سانپ بنانے پر اور عیسیٰ کے مردوں کے جلانے پر اور خود جی اٹھنے پر یقین ہے خدا کے ایک یا تین ہونے پر یقین نہیں ۛ

ان سب باتوں کے بعد میں نے یقین کیا کہ علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ صرف عقل ہے جو ان پسندوں کے حاصل کرنے کے لیے آگاہ اور نہایت عمدہ رہنما ہے ۛ

پھر میں نے خیال کیا کہ عقل پر غلطی سے محفوظ رہنے کا کیونکر یقین ہو میں نے اقرار کیا کہ حقیقت میں اُسپر یقین نہیں ہو سکتا۔ مگر جب عقل ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہے تو ایک شخص کی عقل کی غلطی دوسرے شخص کی عقل سے۔ اور ایک شخص کی غلطی دوسرے زمانہ کی غلطوں سے صحیح ہو جاتی ہے۔ مگر جب کہ علم یا یقین یا ایمان کا مدار عقل پر نہ رکھا جاوے تو اُس کا حامل نہ تو کسی زمانہ اور کسی وقت میں بھی ممکن نہیں ہے۔

میرے دل میں شبہ تھا کہ عقل کو جو میں نے سب سے بڑا رہنما سمجھا کیوں سمجھا۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ عقل سے بڑا کوئی اور رہنما ہو جو عقل کو بھی شکست دیدے۔ یہ کو اُس سے واقفیت نہونی اُس کے سدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

مگر میں نے خیال کیا کہ ایسے رہنما کے موجود ہونے کے احتمال سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ اُس کے موجود ہونے کا ہم کو علم اور یقین چاہیئے۔ جب یہ نہیں ہے تو عقل کے سوا اور کوئی رہنما بھی نہیں ہے۔

مجھے خواب کا خیال آیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ سونے کے وقت ہم خواب دیکھتے ہیں اور اُس حالت میں ہم اسکو واقعی اور حسی سمجھتے ہیں۔ اور اُس کے سچے ہونے میں ہم کو کچھ شبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر جب جاگتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ اصلی نہ تھا۔ بلکہ صرف خواب و خیال تھا تو کس وجہ سے ہم کو یقین ہے کہ جو کچھ ہم حالت بیداری میں جانتے اور سمجھتے ہیں وہ دراصل صحیح اور واقعی ہے ممکن ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے اس وقت کی حالت کے مطابق صحیح ہو مگر ایک دوسری حالت پیش آوے جو ہماری بیداری کی حالت کے ساتھ ایسی ہی مناسبت رکھتی ہو جیسی کہ ہماری بیداری کی حالت خواب کے ساتھ ہے اور اُس وقت ہم کو معلوم ہو کہ ہماری حالت بیداری کی حقیقت خواب کی حالت تھی۔

مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ایسی حالت کا احتمال ہمارے یقین کو کافی نہیں۔ ہم کو یقین نہ چاہیئے کہ حقیقت ایسی بھی کوئی حالت ہے اور احتمال اور یقین میں بڑا فرق ہے۔ پھر عقل کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

میں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ درائے عقل کے اور کوئی طریقہ بھی ہو جس سے صورت یا کیفیت روح کی تبدیل ہو جاوے اور وہی تبدیل یا ترقی آدھ حصول علم یا یقین یا ایمان کی ہو اور اس کیفیت میں اور اس پہلی کیفیت میں ایسا ہی فرق ہو جیسا کہ ایک تندرست شخص میں اور اس شخص میں جو صرف

تندرستی کے حال سے واقف ہو فرق ہے +

پھر مجھ کو خیال آیا کہ سندرستی کے حال سے واقف ہونا بغیر تندرست رہے ممکن نہیں اور صورت یا کیفیت روح کی تبدل کی حالت میں اس بات کی تمیز کرنے کے لیے کہ دونوں حالتوں میں سے بیماری کی حالت کون سی ہے۔ کیا چیز وہی تبدل صورت یا کیفیت روح تو اسکی ہمیر ہو نہیں سکتی لامحالہ دوسری چیز چاہیے اور وہ دوسری چیز بجز عقل کے اور کوئی نہیں ہے اس لیے کسی طرف جاؤ اور کہیں سے پھیر کھا کر آؤ علم یا یقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہی پر رہتا ہے +

ان تمام خیالوں نے مجھے یہ ہدایت کی کہ عام لوگوں میں جو یہ سلسلہ ہے کہ ایمان اور مذہب کو عقل سے کچھ علاوہ نہیں ہے یقینی غلط ہے اور جب میں نے مذہب اسلام کو بالکل عقل کے مطابق پایا۔ تو اسکی سچائی پر اور اس سلسلہ کی غلطی پر اور بھی کامل یقین ہوا +

ہمدردی

ہر کوئی اپنی آپ ہمدردی کرتا ہے

کیا دھوکہ کی چیز ہے۔ کیا بھلاوے میں پڑے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت میں مدد کرنا ہمدردی کرنا ہے۔ کیا قدرت کا کوئی کام بیخداہ ہے؟ نہیں۔ گو ہم بہتوں کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ کیا ہم اس فائدے میں شریک نہیں؟ نہیں۔ بیشک واسطہ یا بلا واسطہ در واسطہ شریک ہیں۔ پھر دوسرے کی مدد کرنا کہاں رہا۔ بلکہ اپنی آسائش کے کسی وسیلہ سے اپنی آپ مدد کرنا ہوا۔ اس لیے جو لوگ ہمدردی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنی آپ مدد کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ خود اپنی آسائش کے وسیلہ کو نقصان پہنچاتے ہیں +

ہمدردی کا لفظ ہمارے خیال کو ایسی امداد کی طرف لیجاتا ہے جو رنج و مصیبت کی حالت میں ہو لیکن اگر ہم مصیبت کے لفظ کی اہلی مراد پر غور کریں تو ضرور غلطی میں پڑیں +

عام مفہوم مصیبت کا جو اس لفظ سے ہماری سمجھ میں آتا ہے کوئی مستقل مفہوم نہیں ہے بلکہ ایک نسبتی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ جو چیز کہ ایک کے لیے مصیبت ہو ممکن ہے کہ دوسرے کے لیے نہ ہو۔ وہ عادت اور استعمال سے ایسی مختلف ہو جاتی ہے کہ مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کسی جوش کے

سبب ایسی بدل جاتی ہے کہ بالکل راحت سمجھ میں آتی ہے۔ بیشک یتسام مفہوم نسبتی ہیں اور جو اصلی مفہوم ہے وہ ایسی حالت کا ہونا یا واقع ہونا ہے جو قدرتی فرحت اور راحت کے برخلاف ہو۔

اُس حالت کا ہونا غیب اختیار کی حالتوں کا ہونا ہے اور واقع ہونا اختیاری حالتوں کا۔ مگر پچھلی حالت اگر نتیجہ کی لاعلمی یا نقصانات غیر متعدی کے سبب سے ہے تو مجازاً وہ پہلی ہی ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ مصیبت نہیں بلکہ سزا ہے اور اس لیے اس میں ہمدردی نہیں پس اصلی یا اصلی صحت میں کسی کی مدد کرنا البتہ سچی ہمدردی ہے۔

رحم اور موانست اور ہمدردی شایستگی میں متحد ہوں مگر ہر ایک منشأ مختلف ہے۔ رحم ایک فطرتی نیکی ہے جو مجنس اور غیر مجنس دونوں کے ساتھ برتی جاتی ہے۔ موانست کا اثر صرف مجنسوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ ہمدردی جو عقل کے نتیجوں میں سے ہے ذہنی عقل ہی میں ہو سکتی ہے۔ اور اس لیے صرف انسان ہی میں منحصر ہے۔ پس جس میں ہمدردی نہیں اُسکی انسانیت میں نقصان ہے۔

قدرتی قاعدے کے مطابق ہمدردی کے بقدر تفاوت اپنی آسائش کے وسیلوں کے متفاوت درجے ہیں۔ جس طرح کہ باپ۔ بھائی۔ جو رو۔ بچے۔ پھر اور درجہ بدرجہ کے رشتہ مندر پھر اپنے ملک کے۔ پھر اپنے ہمسایہ ملک کے۔ پھر اس سے دور کے ملک کے باشندے درجہ بدرجہ ہمارے آسائش کے وسیلے ہیں اسی طرح اُس قدر مطلق کی کامل قدرت نے ہمدردی کے رشتہ کی مضبوطی اور استواری کو بھی درجہ بدرجہ بنایا ہے۔ باپ کو بیٹے سے جو جوش ہمدردی ہے وہ پوچھے نہیں۔ اور جو پوتے سے ہے وہ پڑوتے سے نہیں۔ اسی طرح یہ رشتہ جتنا کہ بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے ملک یا اپنے ہمسایہ ملک یا اُس سے دور کے ملک تک پہنچتا ہے تو اور بھی تپتا ہو جاتا ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ ”یہ ایک دھوکہ ہے اور اگر یہ دھوکہ نہیں ہے اور یہ متفاوت درجہ قدرتی ہیں تو انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں کیوں وہ ہمدردی نہیں حقیقت میں یہ صرف ایک خیال ہے جس سے موانست پیدا ہوتی ہے اور وہی باعث ہمدردی ہے۔ نفرت جو اُسکی ضد ہے اس کا بخوبی ثبوت کرتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوتی ہے تو باوجود موجود ہونے قدرتی رشتہ کے کچھ بھی ہمدردی نہیں رہتی۔“

بیشک ایسا یا ایسا سا ہوتا ہے مگر اس میں کچھ غلطی بھی ہے۔ قریب شتہ والا نسبت دُور کے رشتہ والے کے بلکشتہ ہے زیادہ تر غریبیت رکھتا ہے اور اس طرح بعید نسبت بعد کے پھر اگر وہ جزئیت قدرتی ہے تو وہ ہمدردی بھی قدرتی ہے۔ اُن ہوانست اُسکو نہایت تیز کر دیتی ہے اور کبھی ایسی جو قدرتی ہی معلوم ہوتی ہے نفرت اُسکی تیزی کو دباتی ہے اور کبھی ایسا کر دیتی ہے جو بھی ہوئی ہی معلوم ہوتی ہے۔ انجان بیٹے اور ان پچھان باب میں جو وہ چکتی نہیں نہ اس لیے کہ وہ نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ اُن میں انسانیت کا ایک بڑا جز جو علم معنی دانستن ہے وہ نہیں ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ جو ہمدردی اعلیٰ ہے وہ مذمت میں اعلیٰ اور صفت میں ادنیٰ ہے اور جو ادنیٰ ہے وہ مذمت میں ادنیٰ اور صفت میں اعلیٰ ہے۔ اس لیے کہ ایک میں کمونا قدرتی صفت کا اور دوسری میں نصف ہونا قدرتی صفت ہیں۔

قریبوں سے ہمدردی نگرانی نہایت فصاحت قابلِ سزا کے ہے اس لیے کہ قدرت کے نہایت مستحکم قاعدہ کو توڑنا ہے اور کرنی کچھ بڑی صفت نہیں کیونکہ قدرت نے اُسکے کرنے پر مجبور کر رکھا ہے بعیدوں سے ویسی نگرانی کچھ سخت مذمت نہیں اس لیے کہ قدرت کے کسی مستحکم قاعدہ کی خلافی نہیں اور کرنی نہایت عمدہ صفت ہے کیونکہ قدرت کے منشاء کو بدرجائے کامل کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ عمدہ صفت کبھی دعو کہ کھا کر معیوب بھی کر دی جاتی ہے جبکہ پہلی کو ارنے صفت سمجھ کر چھوڑتے ہیں اور دوسری کو اعلیٰ صفت سمجھ کر پکڑتے ہیں۔ مگر پہلی کے چھوڑنے کی بُرائی دوسری کی بھلائی کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ پس سچی ہمدردی وہی ہے جو قدرت کے قانون کے مطابق اور قدرت کے منشاء کی تکمیل کے لیے ہو۔

کیا عمدہ اور سہل طور پر عام علمدآمد کے لائق کر دیا ہے۔ اِس ضمن میں کو بڑی قدرت والے اور معاشرت و تمدن کے زبردست قانون جاننے والے نے جبکہ ہم سے یوں کہا۔ لیس اللہ ان تو لو اوجو حکم قبل المشرق والمغرب والکن البر من امن بالله والیوم الآخر والملئکة

۱۵ نیکی ہی نہیں کہ مُنہ کر داپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیو سے مال اُس کی محبت پر قربت والوں کو ادیتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانعے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں +

والکتاب والتبیین والی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل
والتائلین وفی الرقاب۔ جو عمدہ ترتیب ہمدردی کی اس میں بتائی ہے وہ بالکل قانون قدرت کے
مطابق ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ جس نے قدرت کے قانون کو بنایا ہے اسی نے یہ علی
قانون ہم کو دیا ہے۔ بے شک دونوں کا بانی ایک ہی ہے جس کے فعل اور قول دونوں کا
ایک ہی مقصد ہے ۛ

رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات

ہم اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحویروں سے اخذ کر لکھتے ہیں۔ کیا عمدہ
قول ایک بڑے دانا کا ہے کہ ”انسان کی زندگی کا منشا یہ ہے کہ اُس کے تمام قومی اور جذبات
نہایت روشنائی اور شگفتہ ہوں اور اُن میں باہم نامناسبیت اور تناقض واقع نہ ہو بلکہ سب کا ملکہ ایک
کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ہو۔“ مگر جس قوم میں کہ پورانی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی
اُن رسموں پر نہ چلنے والا طعون اور خفیہ سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشا معلوم ہو جاتا ہے ۛ
ایک اور بڑے دانشمندی کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہاں تک کہ
دوسروں کو ضرر نہ پہنچے ہر انسان کی خوشی اور اُس کا حق ہے۔ پس جہاں کہیں معاشرت کا
قاعدہ جس پر کوئی چلتا ہے خاص اُسکی خصلت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اگلی روایتوں پر یا پورا رانی
رسم و رواج پر مبنی ہے تو وہاں انسانوں کی خوشحالی کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ہے اور جو کہ خوشحالی
ہر فرد بشر کی اور سب نسل لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اس ملک میں جہاں رسموں کی
پابندی ہے وہ جزو بھی ناپید ہوتا ہے ۛ

کسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اور کچھ مطلق نہ کرنا
چاہیے اور نہ کوئی شخص یہ کہے گا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسر کے طریقے اور اپنے کا بار کی ڈالائی
میں اپنی خوشی اور اپنی رائے کے مطابق کوئی بات بھی کرنی نہ چاہیے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو
اُسکی جوانی میں اس طرح سے تسلیم ہونی چاہیے کہ اُس لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ہو چکے
ہیں اُن کے فوائد سے استفادہ ہو اور پھر جب اُسکی عقل پختگی پر پہنچے تو خود اُن کی بھلائی اور
بڑائی کو جانچے ۛ

بے سوچنے اور بے سمجھے رسومات کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں آدمی

کی اُن صفاتوں کی ترقی اور شگفتگی نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ نے ہر آدمی کو جدا جدا اعتبار سے دی ہیں۔ اُن قوتوں کا ہر نام جو کسی چیز کی بھلائی، بُرائی، دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل فہم کو تیز رکھنے، بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی اور بُرائی تیز کرنے میں سہاوت ہوتی ہے، وہ ایسی ہی صورت میں ملے گی جبکہ ہر کمزوری کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ جو شخص کوئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے وہ شخص اُس بات کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل ہوتا ہے اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اُس صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ استعمال میں لائی جاوے اُن قوتوں کو آدمیوں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے ایسے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بند نہیں ہوتی ہے اور کسی قوت کی حاجت نہیں ہے۔

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے زمانہ حال پر نظر کرنے کے لیے اُسکو قوت تحقیق درکار ہوتی ہے اور انجام کار پر غور کرنے کے لیے قوت تجویز اور اُس کا تصنیف کرنے کو قوت استقراء اور بھلا بُلا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے تصنیف کے بعد اُس پر قائم رہنے کے لیے قوت استقلال اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے کے لائق ہیں آدمی مثل ایک کل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرر کر دیا ہے اُسی کو انجام دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اور جن کے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چار طرف پھیلے اور بڑھے۔ پھولے اور پھیلے۔

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی فہم اور اپنی عقل سے کام لیں اور رسم رواج کی پابندی بھی ایک معقول طور پر رکھیں مگر جو عمدہ و مفید ہیں اُن کو اختیار کریں جو قابل اصلاح ہوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُن کی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ اندھوں کی طرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے پیٹے رہیں۔

یہ بات خیال کی جاتی ہے کہ رسوالت کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خواب کاموں اور بُری باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ انسان کی ذات میں جیسے کہ خراب کام کرنے کی قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے روکنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو مستغرق اور

شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذبوں کو پرمردہ اور ضعیف۔ اگر رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پرمردہ نہ ہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اور کسی بات کا ارتکاب نہ ہو۔ ہمارے زمانہ میں شہر شخص اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ تک رسم و رواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنے دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہلو کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے مناسب یا ہماری پسند اور ہماری پسند کے لائق کیا بات ہے یا جو عمدہ صفتیں مجھ میں ہیں ان کا ظہور نہایت عمدگی سے کس طرح پر ممکن ہے اور کونسی بات ان کی ترقی اور گھٹنکی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے ہیں کہ میری حالت اور تہذیب کے کونسی چیز مناسب ہے۔ میرے رتبہ اور قد و رنگ آدمی کس رسم و رواج کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ بیوقوف ہو تو وہ اپنے دل سے اس سے بھی زیادہ بدتر سوال کرتا ہے اور یوں پوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے برتر ہیں اور رتبہ و مقدور میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجالاتے ہیں تاکہ شخص بھی بیسا ہی کر کر انہی کی سی شان میں شامل ہو۔

اس بات سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ اس طرح پر رسومات کو بجالاتے ہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی سے ان رسومات کو اور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح دیکر پسند کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اور کسی بات کی خواہش کرنے کا موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اس لیے طبیعت خود بخود اس طرح رسموں کی پابندی کی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو باتیں ل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں ان میں بھی آدمیوں کے مطابق کام کرنے کا خیال اول ل میں آتا ہے۔ غرض کہ ان کی پسند و ناپسند ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کی ہے۔ وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں اور مذاق اور اعلیٰ ملیت جو رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اس سے ایسی ہی گزیر کی جاتی ہے جیسے کہ جرموں سے یہاں تک کہ اپنی خاص طبیعت کی پیروی نہ کرتے کرتے ان میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی پیروی کریں اور ان کی ذاتی قوتیں بالکل پرمردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکل ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور عموماً اسی طبعزاد رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص ان کی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں اب

غور کرنا چاہیے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟
 رسلوت جو مقرر ہوئی ہیں غالباً اس زمانہ میں جبکہ وہ مقرر ہوئیں مفید تصور کی گئیں ہوں
 گا اس بات پر بعد وسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے
 ان کو مقرر کیا ان کی رائے میں غلطی ہو ان کا تجربہ صحیح نہو یا ان کا تجربہ نہایت محدود اور صرف
 چند اشخاص سے متعلق ہو یا اس تجربہ کا حال صحیح صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اس وقت اور
 اس زمانہ میں مفید ہو آلا حال کے زمانہ میں مفید نہ رہی ہو بلکہ ضرر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قائم
 کی گئی تھی کسی شخص کی وہ حالت نہ ہو غرض کہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہر طرح پر نقصان
 کا باعث ہے۔ اگر کوئی نقصان نہ ہو تو یہ نقصان تو ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور جودت
 طبع اور قوت ایجاد دہل ہو جاتی ہے ؟

یہ بات بے شک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند
 دانا شخصوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اور سبک کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم
 کی پیروی میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسلوت کی پابندی میں اسکی بھلائی و بُرائی و مفید و غیر مفید
 و مناسب حال و مطابق طبع ہونے یا نہ ہونے کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے سمجھے اسکی
 پابندی کی جاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور اس لئے دوسری حالتیں
 جو قومیں ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم و مفقود نہیں ہوتیں آلا پہلی حالت میں معدوم نابود
 ہو جاتی ہیں ؟

رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع و مزارع ہے چنانچہ وہ پابندی ایسی قوت طبعی کے
 جس کے ذریعہ سے نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات نہ کرنے کا قصد کیا جاوے برابر مخالف
 رہتی ہے اور انسان کی تنزل حالت کا اصلی باعث ہوتی ہے ؟

اب اس رائے کو دنیا کی موجود قوموں کے حال سے مقابلہ کرو۔ تمام مشرقی یا ایشیائی ملکوں کا
 حال دیکھو کہ ان ملکوں میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم و رواج پر ہے۔ ان ملکوں میں ہر
 اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی ہے۔ پس اب دیکھو کہ
 مشرقی یا ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا بہت کم اور خراب اور ذلیل
 حال ہے ؟

ان مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کسی زمانہ میں قوت عقل اور جودت طبع اور مادہ ایجاد ضرور

موجود ہوگا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب ہمیں ہیں لیکن کہ اُن کے بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور صنّعی شرت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ سب باتیں انھوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جودت طبع سے ایجاد کی تھیں اور انہی وجوہات سے دنیا کی نہایت بُری اور قوی اور شہور قوموں سے ہو گئے تھے مگر اب اُن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسوالت کی پابندی سے اُن کا مال یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں دلیل ہیں جن کے آبا و اجداد اُس وقت جنگلوں میں آوارہ پڑے پھرتے تھے جس وقت اُن قوموں کے آبا و اجداد عالی شان محلوں میں رہتے تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنواتے تھے اسکا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں اُن قوموں میں رسم کی پابندی قطعی نہ تھی اور جو کسی قدر تھی تو اُس کے کٹا ہی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قائم تھا۔

تواریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اُس کے بعد ترقی مسدود ہو جاتی ہے مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے۔ یہ ہیوقت مسدود ہوتی ہے جبکہ اُس قوم میں سے وہ قوت اٹھ جاتی ہے جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اس زمانہ میں یہی حال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیونکہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گزر گیا اور سنہ زل و زلت و خواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یورپ کی قوموں میں بھی جو اس زمانہ میں ہر قسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہوتی ہیں بہت سی رسمیں ہیں اور اُن رسموں کی نہایت درجہ پابندی ہے تو وہ تو میں کیوں ترقی پر ہیں۔

عین تہضیب سچ ہے اور حقیقت یورپ میں رسموں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہی جیسا کہ اب تک ہوتی رہی ہے تو اُن کو بھی بد نصیبی کا درجہ پیش آدیکھا مگر یورپ میں اور مشرقی ملکوں کی پابندی رسوالت میں ایک بڑا فرق ہے۔ یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اور نئی بات ہونے کو تو مانع ہے مگر رسوالت کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں۔ اگر کوئی شخص عمدہ رسم نکالے اور سب لگ پسند کریں فی الفور پرانی رسم چھوڑ دی جاوے گی اور نئی رسم تیار کر لی جاوے گی اور اس سبب سے اُن لوگوں کے تو اُسے عقلی اور حالت تیز اور قوت بجا

ضائع نہیں ہوتی :

تم دیکھو کہ یہ پوشاک جو انگریزوں کی ہے ان کے باپ دادا کی نہیں ہے بالکل اپنی پوشاک بدل دی ہے۔ ہر درجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اُس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سائل آوروں کی لباس پہنے۔ اس وقت کوئی رسم یورپ میں ایسے درجہ پر نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اُس کے برخلاف مگر اُس سے عمدہ ایجاد کرے اور لوگ اُس پر اتفاق کریں اُس وقت تبدیل نہ ہو سکے اور اسی تبدیلی کے ساتھ ان کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تا وقتیکہ ان کی جگہ بہتر کلیں ایجاد نہ ہو جاویں وہ بدستور رہتی ہیں۔ ملکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں پس یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور نادانیت کا سبب ہے :

البتہ یورپ میں اور بالخصوص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابل تعریف اور لائق خواہش کے ہے اور حقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہو سکتی دوسری بات اُس کی تشنل کا باعث ہوگی بشرطیکہ اُسکی اصلاح نہ ہوتی رہیگی اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو وطن میں جی ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کر رہے ہیں کہ کل قوم کے لوگ یکساں ہو جاویں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں سائل اور قواعد کے تحت حکومت کر دیں اور ان کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کہ اخص خاص لوگوں اور فرقوں کے پائے جلتے ہیں اور جن کے سبب ان کی خاص خاص عاداتیں قائم ہوئی ہیں وہ اب روز بروز ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں۔ انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں کے لوگ اور مختلف ہمایوں کے لوگ اور مختلف پیشہ والے گویا جُدی جُدی دنیا میں رہتے تھے یہ نئی سبک طریقہ اور عادت جُدا جُدا تھی۔ اب وہ سب طریقے اور عاداتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ ہو گئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک محلہ کے رہنے والے ہیں۔ انگلستان میں بہ نسبت سابقہ کے اب بہت زیادہ مروج ہو گیا ہے کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی سٹی میں رہتے ہیں اور ایک ہی چیزیں دیکھتے ہیں اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں باتوں کی خواہش رکھتے ہیں اور یکساں ہی چیزوں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور آزادی ہے۔ اب کو حاصل ہے اور ان حقوق اور آزادیوں کے قائم رکھنے کے ذریعے بھی یکساں ہیں

اور یہ شائبہ اور مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی مشابہت اور مساوات سے اسکو اور زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے کے پابند ہوتے جاتے ہیں۔ اور جو عام ذخیرہ تعاقب اور مسابیل اور رایوں کا موجود ہے اُس پر سب کو رسائی ہوتی ہے۔ آمد و رفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اس سبب سے بھی مشابہت مذکور ترقی پاتی ہے۔ کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے آسائش اور آرام کے وسیلے اور فائدے زیادہ شائع ہوتے ہیں اور ہر قسم کی عالی بہی بلکہ ٹری سے ٹری اولوالعزمی کے کام ایسی حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ شخص اُن کے کرنے کو موجود و مستعد ہوتا ہے کھٹی خاص شخص یا گروہ پر منحصر نہیں رہتا ہے بلکہ اولوالعزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہیں جیسے انگشتان کے تمام لوگوں کی رائیں اور عاداتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات رنج و راحت یکساں ہوتے جاتے ہیں اور بآئینہ ملک و قوم کے معذب ہونے کا اور ترقی پر پہنچنے کا یہی نتیجہ ہے اور ایسا عمدہ نتیجہ ہے کہ اُس سے عمدہ نہیں ہو سکتا +

مگر باوصف اسکے ہم اس نتیجہ کو بشرطیکہ اسکی اصلاح نہ ہوتی رہے باعث تنزل قرار دیتے ہیں تو ضرور ہمسکو کھنا پڑے گا کہ کیوں یہ عمدہ نتیجہ باعث تنزل ہوگا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب سب لوگ ایک طبیعت اور عادات اور خیال کے ہو جاتے ہیں تو اُن کی طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جو نئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عمدہ عمدہ خیالات کے پیدا کرنے اور قواعد معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں زایل اور کمزور ہو جاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ تنزل شروع ہو جاتا ہے +

اس محالہ میں ہم کو ملک چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے چینی بہت لمبی قوم میں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو عقلمند بھی ہیں اور اُس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی میں ان کی قوم میں بہت اچھی اچھی زمین قائم ہو گئیں۔ اور کھلم اُن لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے +

چین کے لوگ اس باب میں مشہور و معروف ہیں کہ جو عمدہ سے عمدہ دانش اور عقل کی باتیں اُن کو حاصل ہیں اُن کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منقش کرنے کے واسطے اور اس بات کے لیے کہ

جن شخصوں کو وہ دشمنی کی باتیں حاصل ہیں اُن کو بڑے بڑے عہدے ملیں نہایت عمدہ طریقے اُن میں رائج ہیں۔ اور وہ طریقہ حقیقت میں بہت ہی عمدہ ہیں بے شک جن لوگوں نے اپنا ایسا دستور قائم رکھا انہوں نے انسان کی ترقی کے اسرار کو پالیا اور اس لیے چاہتے تھے کہ وہ قوم تمام دنیا میں ہمیشہ فاضل رہتی مگر برخلاف اس کے اُن کی حالت سکون پذیر ہو گئی ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر اُن کی کبھی کچھ اور ترقی ہوگی تو بے شک غیر ملکیوں کے لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اس خرابی کا سبب یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور مشابہ ہو گئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت ایک سے ہو گئے اور سب کے سب یکساں قواعد اور مسائل کی پابندی میں پڑ گئے اور اس سبب وہ قومیں جن سے انسان کو روز بروز ترقی ہوتی ہے اُن میں سے معدوم ہو گئیں۔

پس جبکہ ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسومات بھی عمدہ اصول و قواعد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم اتفاقیہ اور کوئی رسم بلا خیال اور قوموں کے اختلاط سے لگئی ہے جس میں ہزاروں نقص اور بُرائیاں ہیں اور پھر ہم اُن رسوموں کے پابند ہوں اور نہ اُن کی بھائی بُرائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھونڈی سے اُنہی کی پیروی کرنے چلے جاویں۔ تو سمجھنا چاہیے کہ ہمارا حال کیا ہو گیا ہے اور آئندہ کیا ہو نیوالا ہے۔

ہماری نوبت چینوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہو گئی ہے اور اُنہم میں خود اتنی طاقت ہیں کہ ہم اپنی ترقی کر سکیں اس لیے ہمارے بھروسے کے کہ دوسری قوم ہمارے ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اور کچھ چارہ نہیں۔ بعد اس کے کہ ہمارے قوائے عقلیہ تحریک میں آجاویں اور پھر قوت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو۔ تب ہم پھر اس قابل ہوں گے کہ خود اپنی ترقی کے لیے کچھ کر سکیں۔

مگر جبکہ ہم دوسری قوموں سے ابراہانِ مصطفیٰؐ کے رُکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا گوہ کیسا ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بسبب اپنے قصب یا دم درواج کی پابندی کے مایوس سمجھیں تو پھر ہر کو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے۔

مگر جو کہ ہلوگ مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اس لیے ہم کو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور تمدنی بسر

کرنے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اُس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحات شرعیہ میں سے ہے یا محرمات شرعیہ میں سے۔ در صورت ثانی بلاشبہ ہکو احتراز کرنا چاہیئے اور در صورت اول بلا لحاظ پابندی رسوم کے اور بلا لحاظ اس بات کے کہ لوگ ہکو برا مانتے ہیں یا بھلا اُس کو اختیار کرنا ضرور ہلا واسطے ترقی قومی کے فرض ہے +
 خدا بہر مسلمانان را برین کار توفیق دہد + امین +

آزادی رائے

ہم اپنے اس آرٹیکل کو ایک بڑے لائق اور قابلِ ماز مال کے فیلسوف کی تحریر سے اخذ کئے ہیں۔ رائے کی آزادی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک انسان اُس پر پورا پورا حق رکھتا ہے۔ فرض کرو کہ تمام آدمی بجز ایک شخص کے کسی بات پر متفق رائے ہیں مگر صرف وہی ایک شخص اُن کے برخلاف رائے رکھتا ہے تو اُن تمام آدمیوں کو اُس ایک شخص کی رائے کو غلط ٹھہرانے کے لئے اُس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہے جتنا کہ اُس ایک شخص کو اُن تمام آدمیوں کی رائے کے غلط ثابت کرنے کا (اگر وہ ثابت کر سکے) استحقاق حاصل ہے کوئی وجہ اس بات کی نہیں ہے کہ پانچ آدمیوں کو تو بمقابلہ پانچ آدمیوں کی رایوں کے غلط ٹھہرانے کا استحقاق ہو اور ایک آدمی کو بمقابلہ نو آدمیوں کے یہ استحقاق نہ ہو رائے کی غلطی آدمیوں کی تعداد کی کچھ بیشی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قوت استدلال پر منحصر ہے جیسے کہ بات ممکن ہے کہ نو آدمیوں کی رائے بمقابلہ ایک شخص کے صحیح ہو ویسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کی رائے بمقابلہ نو کے صحیح ہو +

رایوں کا بت رہنا خواہ بسبب کسی مذہبی خوف کے اور خواہ بسبب اندیشہ برادری قوم کے اور خواہ بدنامی کے قد سے اور یا گورنمنٹ کے ظلم سے نہایت ہی بُری چیز ہے۔ اگر رائے اس قسم کی کوئی چیز ہوتی جس کی قدر و قیمت صرف اُس رائے والے کی ذات ہی سے متعلق اور اُسی میں محصور ہوتی تو رایوں کے بند رہنے سے ایک خاص شخص کا یا معدودے چند کا نقصان متصور ہوتا مگر رایوں کے بند رہنے سے تمام انسانوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور کل انسانوں کو نقصان پہنچتا ہے اور نہ صرف ہر انسانوں کو بلکہ اُن کو بھی جو آئندہ پیدا ہو گئے +

اگرچہ رسم و رواج بھی اُس کے برخلاف رایوں کے اظہار کے لئے ایک بہت قوی مزامعہ کار گنا جاتا ہے لیکن مذہبی خیالات مخالف مذہب رائے کے اظہار اور شتر ہونے کے لئے نہایت

اقولے مزاحم کارہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اُس مخالف رائے کا ظاہر ہونا اُن کو ناپسند ہوا ہے بلکہ اُسی کے ساتھ جوش مذہبی اُسنڈ آتا ہے اور عقل کو سلیم نہیں رکھتا۔ اور اُس حالت میں اُن سے ایسے افعال و اقوال سرزد ہوتے ہیں جو انہیں کے مذہب کو جس کے وہ طرفدار ہیں محضت پہونچاتے ہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ مخالفوں کے اعتراض لا معلوم رہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ سبب پوشیدہ رہنے اُن اعتراضوں کے انہیں کے مذہب کے لوگ اُن کے حل پر متوجہ نہ ہوں اور مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیق کیے اور بلا دفع کیے باقی رہ جاویں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ اُن کی آئندہ نسلیں سبب بلا تحقیق باقی رہ جانے اُن اعتراضوں کے جس وقت اُن اعتراضوں سے واقف ہوں اُس وقت مذہب سے منحرف ہو جاویں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ اُس مذہب کو جس کے وہ پیرو ہیں مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت ہی اندیشہ ہے اگر انہی کے مذہب کا کوئی شخص بغرض حصول اغراض مذکورہ اُن کا پھیلانا چاہیے تو خود اُسکو معترض کی جگہ تصور کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے دوست کو دشمن قرار دیتے ہیں۔

کیا عمدہ رائے اُس فلیسوف کی ہے کہ کسی رائے کے حامیوں کا اُس رائے کے برخلاف رائے کے مشترک ہونے میں مزاحمت کرنے سے خود اُن حامیوں کا بنسبت اُن کے مخالفوں کے زیادہ تر نقصان ہے اس لیے کہ اگر وہ رائے صحیح و درست ہو تو اُسکی مزاحمت سے غلطی کے بدلے صحیح بات حاصل کرنے کا موقع اُن کے ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر وہ غلط ہے تو اس بات کا موقع باقی نہیں رہتا کہ غلطی اور محبت کے مقابلے سے جو سخت کو زیادہ استحکام اور اُسکی بچائی زیادہ تر دلوں پر شور ہوتی ہے اور اُسکی روشنی دلوں میں مٹھ جاتی ہے اس نتیجہ کو حاصل کریں جو فی الحقیقت نہایت عمدہ فائدہ ہے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ عموماً مخالف اور موافق رایوں کا پھیلنا اور منتشر ہونا خواہ وہ اپنی معاملہ سے علاقہ رکھتی ہوں یا دنیوی معاملہ سے نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے دونوں قسم کی رایوں پر جباً جبراً غور کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اُن میں سے کونسی بہتر ہے یا اُن دونوں کی تائید ایسے دلائل سے ہوتی ہے جو جبراً گناہر ایک کے مناسب ہیں۔ ہم کو اس بات کا کبھی یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ جس رائے کی مزاحمت میں یا پسند رہنے میں ہم کو شمش کرتے

ہیں وہ غلط ہی ہے اور اگر یقین بھی ہو کہ وہ غلط ہے تو بھی اُسکی فراحت اور اُس کا انسداد بڑائی سے خالی نہیں ہے *

فرض کرو کہ جس رائے کا بند کرنا ہم چاہتے ہیں حقیقت میں ہائے صحیح و درست اور جو لوگ اُسکی انسداد چاہتے ہیں وہ اُسکی درستی اور صحت سے مُنکر ہیں مگر غور کرنا چاہیے کہ وہ لوگ یعنی اُس رائے کے بند کرنا والے ایسے نہیں ہیں جن سے غلطی اور خطا ہونی ممکن نہ ہو تو اُن کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اُس خاص معاملہ کو تمام انسانوں کے لیے خود فیصلہ کریں اور اُس شخصوں کو اپنی رائے کام میں لانے سے محروم کر دیں کسی مخالف رائے کی سماعت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ ہم اُس کے غلط ہونے کا یقین ہے گویا یہ کہنا ہے کہ ہمارے یقین یقین کامل کا رتبہ رکھتا ہے اور اُس پر بحث و گفتگو کی مانعت کرنا انبیاء سے بھی بڑھ کر اپنا رتبہ ٹھہرانا ہے اور اپنے تئیں ایسا سمجھنا ہے کہ ہم سے سو و خطا کا ہونا ناممکن ہے *

انسانوں کی سمجھ پر بڑا افسوس ہے کہ جس قدر کہ وہ اپنے خیال کو قیاس میں اپنے سے اس مشہور مقولہ کی سند پر کہ ”الانسان مرکب من الخطاء والنسیان“ سو و خطا کا ہونا ممکن سمجھتے ہیں اُس قدر اپنی رایوں اور اپنی باتوں کے علمد راہ میں نہیں سمجھتے اُن کی عملی باتوں سے اُسکی قدر و منزلت نہایت ہی خفیف معلوم ہوتی ہے۔ گو خیال و قیاس میں اُسکی کسی ہی بڑی قدر و منزلت سمجھتے ہوں۔ اگرچہ سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے سو و خطا ہونی ممکن ہے مگر بہت ہی کم آدمی ایسے ہوں گے جو اُس کا خیال رکھنا اور از روئے عمل کے بھی اُسکی احتیاط کرنا ضرور سمجھتے ہوں اور عملی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہوں کہ جس رائے کی صحت کا اُن کو خوب یقین ہے شاید وہ اُسی سو و خطا کی مثال ہو جس کا ہونا وہ اپنے سے ممکن سمجھتے ہیں *

جو لوگ کہ دولت یا منصب اور حکومت یا علم کے سبب غیر محدود تعظیم و ادب کے عادی ہوتے ہیں وہ تمام معاملات میں اپنی رایوں کے صحیح ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے میں سو و خطا ہونے کا احتمال بھی نہیں کرتے اور جو لوگ اُن سے کسی قدر زیادہ خوش نصیب ہیں یعنی وہ کبھی کبھی اپنی رایوں پر اعتراض اور حجت اور تکرار ہوتے ہوئے سُنتے ہیں اور کچھ کچھ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ جب غلطی پر ہوں تو متنبہ ہونے پر اُسکو چھوڑ دیں اور درست بات کو مان لیں اگرچہ اُن کو اپنی ہر ایک رائے کی درستی پر یقین کامل تو نہیں ہوتا مگر اُن

رایوں کی درستی پر ضرور یقین ہوتا ہے جن کو وہ لوگ جو ان کے ارد گرد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جن کی بات کو وہ نہایت ادب و تعظیم کے قابل سمجھتے ہیں ان رایوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شخص جس قدر اپنی ذاتی رائے پر اعتماد نہیں کرتا وہ شخص اسی قدر دنیا کی رائے پر عموماً زیادہ تر اعتماد رکھتا ہے جس کو بعضی اصطلاحوں میں جمہور کی رائے یا جمہور کا مذہب کہا جاتا ہے۔

مگر یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا سے یا جمہور سے کیا مراد ہوتی ہے ہر ایسے شخص کے نزدیک دنیا سے اور جمہور سے وہ چند اشخاص معدود مراد ہوتے ہیں جن سے وہ اعتماد رکھتا ہے یا جن سے وہ ملتا جلتا ہے مثلاً اُسکے دوستوں یا ہم رایوں کا فرق یا اُسکی ذات برادری کے لوگ یا اُس کے درجہ و رتبہ کے لوگ۔ پس اُس کے نزدیک تمام دنیا اور جمہور کے معنی انہی میں ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اس لیے وہ شخص اس رائے کو دنیا کی یا جمہور کی رائے سمجھ کر اُس کی درستی پر زیادہ تر یقین کرتا ہے۔ اس ہئیت مجموعی رائے کا جو اعتماد اور یقین اُس کو نیا دہ ہوتا ہے اور نہ ابھی اُس میں بغزش نہیں آتی۔ اُس کا سبب یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ اُس کے زمانہ سے پہلے اور زمانوں کے اور ملکوں کے۔ اور فرقوں کے اور مذہبوں کے لوگ اُس میں کیا رائے رکھتے تھے اور اب بھی اور ملکوں اور فرقوں اور مذہبوں کے لوگ کیا رائے رکھتے ہیں۔ ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اس بات کی جو ادب ہی کو کہ حقیقت وہ راہ راست پر چلتا ہے اپنی فرضی دنیا یا جمہور کے ذمہ اتنا ہے پس جو کچھ اُسکی رائے یا اُس کا حال ہو کچھ بھی اعتبار اور یقین کے لائق نہیں ہے اصل یہ کہ جن جمہورات سے وہ شخص سبب سلمان خاندان میں پیدا ہونے کے اس وقت بڑا مقدس مسلمان ہے انہی جمہورات سے اگر وہ عیسائی خاندان یا ملک یا بت پرست خاندان یا ملک میں پیدا ہوتا تو وہ بھلا چنگا عیسائی یا بت پرست ہوتا وہ طلق اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ جس طرح کسی شخص کا خطا میں پڑنا ممکن ہے اُسی طرح اُسکی فرضی دنیا اور خیالی جمہور کی تو کیا حقیقت ہے زمانہ کے زمانہ کا اور اُس سے بھی بہت بڑی دنیا کا خطا میں پڑنا ممکن ہے۔ تاریخ سے اور علوم موجودہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایسی ایسی رائیں قائم ہوئیں اور مسلم قرار پائیں جو اُس کے بعد کے زمانہ میں صرف غلط ہی نہیں بلکہ سر اسر لغو و مہمل سمجھی گئیں اور یقیناً اس زمانہ میں بھی بہت سی ایسی رائیں مروج ہوں گی جو کسی آئندہ زمانہ میں اسی طرح مردود اور

۱۰۳
 نامعقول ٹھہریں گی جیسکے بہت سی وہ رائیں جو اگلے زمانہ میں عام طور پر مروج تھیں اور اب مردود ہو گئی ہیں :

۱۔ تسبیہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مخالف رائے کو غلط اور مضحکہ خیز اسکی مزاحمت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مطلب اس بات کا دعویٰ کرنا کہ وہ غلطی سے آزاد ہو رہی ہیں نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اُس فرض کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہے جو اُن پر باوصف قابل سہو و خطا ہونے کے اپنے ایمان اور اپنے یقین کے مطابق عمل کرنے کا ہے اگر لوگ اس وجہ سے اپنی رایوں کے موافق کار بند نہ ہوں کہ شاید وہ غلط ہوں تو کوئی شخص اپنا کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ حتی المقدور اپنی نہایت درست رائیں قائم کریں اور بغور اُن کو قرار دیں اور جب اُن کی درستی کا بخوبی یقین ہو جاوے تو اُس کے مخالف رایوں کے بند کرنے اور مزاحمت کرنے میں کوشش کریں۔ آدمیوں کو اپنی استعداد و قابلیت کو نہایت عمدہ طور سے برتنا چاہیئے یقیناً کل کسی امر میں نہیں ہو سکتا مگر ایسا یقین ہو سکتا ہے جو انسان کے مطالب کے لیے کافی ہو۔ انسان اپنی کارروائی کے لیے اپنی رائے کو درست و صحیح سمجھتے ہیں اور اُن کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور وہ اس سے زیادہ اذکر کوئی بات اُس صورت میں اختیار نہیں کرتے جبکہ وہ خراب آدمیوں کو مانعت کرتے ہیں کہ ایسی رایوں کے شائع کرنے سے جو اُن کے نزدیک فاسد اور مضر ہیں لوگوں کو خراب یا بد اخلاق یا بد مذہب نہ کریں :

۲۔ مخالف رائے کے بند کرنے میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ اُنھوں نے اپنے تئیں قابل سہو و خطا سمجھ کر اپنے ایمان اور اپنے یقین کے موافق عمل کیا ہے بلکہ اُس سے بہت زیادہ کیا جاتا ہے اس بات میں کہ ایک رائے کو اس وجہ سے صحیح سمجھا جاوے کہ اُس پر عمرض حجت کرنے کا ہر طرح پر لوگوں کو موقع دیا گیا اور اُس کی تردید نہ ہو سکی اور اس بات میں کہ ایک رائے کو اس وجہ سے مان لیا گیا کہ اُس کی تردید کی کسی کو اجازت نہیں ہوئی زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ پس مخالف رایوں کی مزاحمت کرنے والے اپنی رائے کو اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ اُسکی تردید نہیں ہو سکی بلکہ اس لیے صحیح ٹھہرتے ہیں کہ اُس کی تردید کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ جس شرط سے ہم بطور جائز اپنی رائے کو علحدہ آمد ہونے کے لیے درست قرار دے سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اس بات کی کامل آزادی ہو کہ وہ اُس رائے کے برخلاف کہیں اور اُسکو غلط ثابت کریں اس کے سوا اذکر کوئی صورت نہیں ہے کہ انسان

جس کے قوائے عقلی اور آفریقی کامل نہیں ہیں۔ اپنے آپ کو راہ راست ہونے کا یقین کر سکے اہل مذاہب جو صرف اپنے معتقد فیہ کی پیروی ہی کو راہ راست سمجھتے ہیں حتیٰ کہ وہ بھی اس بات پر مباحثہ اور اظہار رائے کی اجازت نہ دیں کہ جس طرح پرانے کا علمد آمد اور چال چلن یا اعتقاد اور خیال ہے وہ صحیح طور سے اُن کے معتقد فیہ کی پیروی ہے یا نہیں اُس وقت تک وہ بھی اپنے آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین نہیں کر سکتے۔

انسان کی پچھلی حالتوں کو موجودہ حالتوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں انسانوں کا یہی حال ہے کہ تو میں سے ایک ہی شخص اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دقیق معاملہ پر رائے دے اور ننانوے شخص اس میں رائے دینے کی لیاقت نہیں رکھتے مگر اس ایک آدمی کی رائے کی عمدگی بھی صرف اضافی ہوتی ہے اس لیے کہ اگلے زمانہ کے لوگوں میں اکثر آدمی جو سمجھ بوجھ اور لیاقت میں مشہور تھے ایسی رائیں رکھتے تھے کہ جن کی غلطی اب بخوبی روشن ہو گئی ہے۔ بہت سی ایسی باتیں اُن کو پسندیدہ اور اُن کے علمد آمد تھیں جن کو اب کوئی بھی ٹھیک اور درست نہیں سمجھتا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں ہمیشہ معقول رایوں اور پسندیدہ رایوں کو غلبہ رہتا ہے مگر اس کا سبب بجز انسان کی عقل و فہم کی ایک عمدہ صفت کے جو نہایت ہی پسندیدہ ہے اور کوئی نہیں۔ اور وہ صفت یہ ہے کہ انسان کی غلطیاں اصلاح کی اصلاحیت رکھتی ہیں یعنی انسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کے ذریعہ سے درست کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے پس انسان کی رائے کی تباہ و تاراج اور قدر و منزلت کا حصر اس ایک بات پر ہے کہ جب وہ غلط ہو تو صحیح کی جاسکتی ہے مگر اُس پر اعتماد اُسی وقت کیا جاسکتا ہے جبکہ اُس کے صحیح کرنے کے ذریعے ہمیشہ بتاؤ میں رکھے جاویں۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس آدمی کی رائے حقیقت میں اعتماد کے قابل ہے اُسکی وہ رائے اس قدر و منزلت کو کس وجہ سے پہونچی ہے۔ اسی وجہ سے پہونچی ہے کہ اُس نے ہمیشہ اپنی طبیعت پر اس بات کو گوارا رکھا ہے کہ اُس کی رائے پر نکتہ چنیاں کی جاویں اور اُس نے اپنا طریقہ یہ ٹھہرایا ہے کہ اپنے مخالف کی رائے کو ٹھنڈے دل سے سنا اور اُس میں جو کچھ درست اور واجب تھا اُس سے خود مستفید ہونا اور جو کچھ اُس میں غلط اور نا واجب تھا اُس کو سمجھ لینا اور موقع پر اُس غلطی سے آفریوں کو بھی آگاہ کر دینا ایسا شخص گویا اس بات کو عملی طور پر تسلیم کرتا ہے کہ جس طریقہ سے انسان کسی معاملہ کے کل مدارج کو جان سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُسکی بابت ہر قسم کی رائے کے

لوگوں کی گفتگو کو سُننے اور جن جن طریقوں سے ہر سمجھ اور طریقہ اور طبیعت کے آدمی اُس معاملہ پر نظر کریں اُن سب طریقوں کو سوچے اور سمجھے۔ کسی دانا آدمی نے اپنی دانائی بجز اس طریقہ کے اور کسی طرح پر چال نہیں کی۔ انسان کی عقل و فہم کا خاصہ یہی ہے کہ وہ اس طور کے سوا اور کسی طور سے مذہب اور عقول ہو ہی نہیں سکتی اور صرف اس بات کی مستقل عادت کے سوا کہ اپنی رائے کو اُوروں کی رایوں سے مقابلہ کر کے اُس کی اصلاح و تکمیل کیا کرے اور کوئی بات اُس پر اعتماد کرنے کی وجہ تصور نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس صورت میں اُس شخص نے لوگوں کی اُن تمام باتوں کو جو اُس کے برخلاف کہہ سکتے تھے بخوبی سنا اور تمام مقررہ اصول کے سامنے اپنی رائے کو ڈالا اور بعض اس کے کہ مشکلاتوں اور اعتراضوں کو چھپا دے خود اُسے جُستجو کی اور طر ف سے جو کچھ روشنی ہو چکی اُس کو بند نہیں کیا تو ایسا شخص البتہ اس بات کے خیال کرنے کا استحقاق رکھتا ہے کہ میری رائے ایسے شخص یا اشخاص سے جنہوں نے اپنی رائے کو اس طرح پر مچھپا نہیں کیا بہتر و فائق ہے ۛ

جس شخص کو اپنی رائے پر کسی قدر جبر و سادہ کرنے کی خواہش ہو یا یہ خواہش رکھتا ہو کہ عام لوگ بھی اُس کو تسلیم کریں اُس کا طریقہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو عام جتنہ اور ہر قسم لوگوں کو اعتراضوں کے لیے حاضر کرے اگر نیوٹن صاحب کی حکمت اور رہنمائی اور مسئلہ نقل و حرکت اور رجحان کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا اُسکی صحت اور صداقت پر ایسا پختہ یقین نہ کر سکتی جیسا کہ اب کرتی ہے کیا کچھ مخالفت ہے جو لوگوں نے اُس دانا حکیم کے ساتھ نہیں کی اور کونسی مذہبی لہجہ طعن ہے جو اُس سچے اور سچی رائے رکھنے والے حکیم کو نہیں دگھی مگر غور کرنا چاہیے کہ اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہ ہوا کہ آج تمام دنیا کیا دانا اور کیا نادان کیا حکیم اور کیا متعصب اہل مذہب سب اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور اُسکی کو سچ جانتے ہیں اور مذہبی عقائد سے بھی زیادہ اُسکی سچائی دلوں میں بیٹھی ہے بغیر آزادی رائے کے کسی چیز کی سچائی جہاں تک اُسکی سچائی دریافت ہونی ممکن ہے دریافت نہیں ہو سکتی۔ جن اعتقادوں کو ہم نہایت جائز و درست سمجھتے ہیں اُن کے جواز و درستی کی اور کوئی سند اور بنیاد بجز اس کے نہیں ہو سکتی کہ تمام دنیا کو اختیار دیا جاوے کہ وہ اُن کو بے بنیاد ثابت کریں۔ اگر وہ لوگ ایسا قصد نہ کریں یا کریں اور کامیاب نہ ہوں تو بھی ہم اُن پر یقین کامل رکھنے کے مجاز نہیں ہیں البتہ ایسی اجازت دینے سے ہنہ ایک ایسا نہایت عمدہ ثبوت اُن کی صحت کا حاصل کیا ہے

جو انسانوں کی عقل کی حالت موجودہ سے ممکن تھا کیونکہ ایسی حالت میں سمجھنے کسی ایسی بات سے غفلت نہیں کی جس سے صحیح صحیح بات ہم تک نہ پہنچ سکتی ہو۔ اور اگر امر مذکورہ پر مباحثہ کی اجازت جاری رہے تو ہم امیر کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی بات اُس سے بہتر اور سچ اور صحیح ہے تو وہ اُس وقت ہو جاوے گی جبکہ انسانوں کی عقل و فہم اُس کے دریافت کرنے کے قابل ہوگی۔ اور اس اشارہ میں ہم اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہم راستی اور صداقت کے اس قدر قریب پہنچ گئے ہیں جس قدر کہ ہمارے زمانہ میں ممکن تھا نہ عرض کہ ایک خطا وار وجود جس کو انسان کہتے ہیں اگر کسی امر کی نسبت کسی قدر یقین حاصل کر سکتا ہے تو اُس کا یہی طریقہ ہے جو بیان ہوا اور مسلمان مذہب کا جو ایک مشہور مسئلہ ہے کہ الحق یعلو ولا یجعلی یہ اسکی ایک ادنیٰ تفسیر ہے۔

مگر ایک بہت بڑا دھوکہ ہے جو انسانوں کو اور بعضی فونیکی گونسنٹوں کو بھی آزادی رائے کے بند کرنے پر مائل کرتا ہے اور وہ مسئلہ سود مند کی ہے جس کو غلط اور جھوٹا نام صلاحیت عام کا دیا گیا ہے واللہ درہن قتال۔ عکس نہند نام زنگی کا فور۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی رائے یا مسئلہ یا عقیدہ کی سچائی اور صحت پر بحث کرنے سے اس لیے مانعت کی جاتی ہے کہ گو وہ فی نفسہ کیسا ہی ہو مگر اُس سے عام لوگوں کا پابند رہنا نہایت مفید اور باعث صلاح و فلاح عام لوگوں کا ہے اور فی زمانہ ہندوستان میں اور خصوصاً مسئلہ انوں میں یہ رائے بخت یلچ ہے بلکہ اس گناہ کے کام کو ایک نیک کام تصور کیا جاتا ہے اس رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ مباحثہ اور رایوں کی آزادی بند کرنا اُس مسئلہ یا عقیدہ کی صحت اور سچائی پر منحصر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر مفید ہونے پر منحصر ہے مگر انہیں ہے کہ ایسی رائے رکھنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہی دعوے سابق یعنی اپنے آپ کو ناقابلِ سہو و خطا سمجھنے کا جس سے اُنہوں نے توبہ کی تھی پھر پھر اگر پھر قائم ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ پہلے وہ دعوے ایک بات پر تھا اب وہی دعوے دوسری بات پر ہے۔ یعنی پہلے اُس مسئلہ یا عقیدہ کے سچ ہونے پر تھا اور اب اُسکے مفید عام ہونے پر ہے حالانکہ یہ بات بھی کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ مفید عام ہے اسی قدر بحث و مباحثہ کا محتاج ہے جس قدر کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ محتاج ہے۔

ایسی رائے رکھنے والے اس غلطی پر ایک اور دوسری غلطی یہ کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اسکی صحت اور سچائی پر بحث کی مانعت کی ہے اُس کے مفید عام

ہونے کی بحث پر ممانعت نہیں کی اور یہ نہیں سمجھتے کہ رائے کی صداقت خود اس کے مفید عام ہونے کا ایک جزو ہے ممکن نہیں کہ ہم کسی رائے کے مفید عام ہونے پر بغیر اسکی صحت اور سچائی ثابت کیے بحث کر سکیں۔ اگر ہم یہ بات جانتی چاہتے ہیں کہ آیاتِ سماں بات لوگوں کے حق میں مفید ہے یا نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس بات پر توجہ نہ کریں کہ آیا وہ بات سچ اور صحیح و درست بھی ہے یا نہیں۔ ادنیٰ اور اعلیٰ سب اس بات کو قبول کریں گے کہ کوئی رائے یا مسئلہ یا اعتقاد جو صداقت اور راستی کے برخلاف ہے دراصل کسی کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام مباحثہ جو ہم نے کیا ایسی صورت سے متعلق تھا کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ کو ہم نے غلط اور اس کے برخلاف رائے کو جس کا بند رکھنا لوگ چاہتے تھے صحیح و درست فرض کیا تھا۔ اب اس کے برخلاف شق کو اختیار کرتے ہیں معنی یہ فرض کرتے ہیں کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ صحیح ہے اور اس کے برخلاف رائے جس کا بند کرنا چاہتے ہیں غلط اور نادرست ہے اور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس غلط رائے کا بھی بند کرنا خالی بُرائی اور نقصان سے نہیں ہے۔

ہر ایک شخص کو گو اسکی رائے کیسی ہی زبردست اور مضبوط ہو اور وہ کیسی ہی مشکل اور ناراضامندی سے اپنی رائے کے غلط ہونے کے امکان کو تسلیم کرے یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ اگر اس رائے پر بخوبی تمام اور نہایت بے باکی سے بے دھڑک مباحثہ نہیں ہو سکتا تو وہ ایک مردہ اور مردار رائے قرار دی جاوے گی نہ ایک زندہ اور سچی حقیقت اور وہ کبھی ایسی حق اور سچ بات قرار نہیں پاسکتی جس کا اثر ہمیشہ لوگوں کی طبیعتوں پر رہے۔

گذشتہ اور حال کے زمانہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی دفعہ ظالم گورنمنٹوں نے بھی نہایت سچی اور صحیح بات کی رواج پر کوشش کی۔ الا ان کے ظلم نے اس پر آزادی سے مباحثہ کی اجازت نہیں دی۔ اور بہت سی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ نیک اور تربیت یافتہ گورنمنٹ نے نہایت سچی اور صحیح بات کا رواج دینا چاہا اور لوگوں نے یا تو اس خیال سے کہ ہر ایک مباحثہ اور دلائل کو اس رائے میں کچھ مداخلت نہیں ہے یا کوئی التفات نہیں کرتا از خود مباحثہ کو نہیں اٹھایا یا اپنے وہمی خوت سے یا اراکین گورنمنٹ کی بد مزاجی کے ڈر سے یا انکی خلاف رائے کے کوئی بات نہ کہنی مصلحت وقت سمجھ کر یا یہ خیال کر کر کہ گورنمنٹ کے کسی نے

برخلاف بحث کرنا خیر خواہی نہیں ہے مباحثہ کو ترک کر دیا تو اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوگا اُس تجویز نے کسی کے دلوں میں مطلق اثر نہیں کیا اور ایک مردہ رائے سے زیادہ اُوپر کچھ رتبہ لوگوں کے دلوں میں نہیں پایا۔

یہ بات کہ سچی اور درست رائے بے مباحثہ و دلیل کے بھی طبیعتوں میں بیٹھ جاتی ہے اور گھر کر لیتی ہے ایک خوش اسید مگر غلط آواز ہے۔ دنیا کو دیکھو کہ گروہ کے گروہ ایک دوسرے کی متناقض رائے پر جمے ہوئے ہیں اور وہ متناقض رائیں اُن کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہیں۔ پھر کیا وہ دونوں متناقض رائیں سچی اور صحیح ہیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سی باتیں بے سمجھے اور بغیر دلیل کے اور بغیر مباحثہ کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں مگر اُن کا صحیح و درست ہونا ضرور نہیں۔ سچ میں کئی ایسی اعجازی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ مباحثہ کا اُس کو خوف نہیں۔ سچ رائے بھی اگر بلا دلیل مباحثہ دل میں گھر کر لے تو وہ سچی رائے نہیں کہلاو گی بلکہ تعصب اور جمل مرکب اُس کا مناسب نام ہوگا مگر ایسا طریقہ حق اور سچ بات کے قبول کرنے کا ایک عقل مخاق کے لیے جیسا کہ انسان ہے شایاں نہیں اور نہ یہ طریقہ راستی و حق کے پہچاننے کا ہے بلکہ جو حق بات اس طرح پر قبول کی جاتی ہے وہ ایک خیال فاسد اور باطل ہے اور جن باتوں کو حق فرض کر لیا ہے اُن کا اتفاق قبول کر لینا ہے +

منابت سچ اور بالکل سچ تو یہ بات ہے کہ جس شخص نے جو رائے یا مذہب اختیار کیا ہے وہی شخص اُس کا جوابدہ ہے اُس رائے کے موجب یا اُس مذہب کے پیشوا اور معلم اور مجتہد کچھ اُس کے ذمہ دار نہیں ہیں مگر مسلمانوں نے اس آفتاب سے بھی زیادہ روشن مسئلے آنکھ بند کر لی ہے اور رد من کہتھلا کہنی بت پرست عیسائیوں کا مسئلہ اختیار کیا ہے رد من کہتھلا کہ مذہب میں اُن لوگوں کی جو اُس مذہب پر ایمان رکھتے ہیں دو فرقے قرار دیے گئے ہیں۔ ایک تو وہ جو اُس مذہب کے مسائل کو بعد دلیل و ثبوت کے قبول کرنے کے مجاز ہیں اور دوسرے وہ جن کو صرف اعتماد اور بھروسہ یعنی تقلید سے اُن کا قبول کر لینا چاہیئے۔ اسی قاعدہ کی پیروی سے مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب میں دو فرقے قائم کیے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے مسئلہ کو بعد ثبوت و تحقیقات اور اقامت دلیل تسلیم کیا ہے اور اُن کا نام باختلاف درجات مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب اور مزاحم قرار دیا ہے۔ دوسرا وہ جن کو بے سمجھے بوجھے آنکھ بند کر کر ان کی

پترومی کرنی چاہیے اور اُن کا نام مقلد اور اُس فعل کا نام تقلید قرار دیا ہے اور اس سبب سے مخالف رائے کی فراحت مسلمانوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے اور وہ اسکی نسبت ایک نہایت عمدہ مگر ابلہ فریب تقریر کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کو اُن تمام باتوں کا جاننا نہ ضرور ہے اور نہ ممکن ہے جن کو بڑے بڑے حکیم یا اہل معرفت اور عالم علوم دین جانتے اور سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک عام آدمی ایک ذکی اور دانشمند مخالف کی تمام غلط بیانیوں کو جاننے اور اُن کو غلط ثابت کرے یا تردید کرنے اور غلط ثابت کرنے کے قابل ہو بلکہ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اُن کے جواب دینے کے لائق ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود ہونگے جن کی بدولت مخالف کی کوئی بات بھی با تردید باقی نہ رہی ہوگی۔ پس سیدھی سادی عقل کے آدمیوں کے ایسے یہی کافی ہے کہ اُن باتوں کی اصلیت سمجھا دے اور باقی وجوہات کی ثابت وہ اُوروں کی سند پر بھروسہ کریں اور جبکہ وہ خود اس بات سے واقف ہیں کہ ہم اُن تمام مشکلات کے رفع دفع کرنے کے واسطے کافی علم اور پوری لیاقت نہیں رکھتے ہیں تو اس بات کا یقین کر کر مطمئن ہوتے ہیں کہ جو مشکلات اور اعتراض برپا کیئے گئے ہیں وہ لوگ اُن سب کا جواب دے چکے ہیں یا آئندہ دیں گے جو بڑے بڑے عالم ہیں؟

اس تفسیر کو تسلیم کرنے کے بعد بھی رائے کی آزادی اور مخالف رائے کی فراحت سے جو نقصان ہیں اُس میں کچھ نقصان نہیں لازم آتا کیونکہ اس تفسیر پر جو بھی یہ بات قرار پاتی ہے کہ آدمیوں کو اس بات کا معقول یقین ہونا چاہیے کہ تمام اعتراضوں کا جواب حسب اطمینان دیا گیا ہے اور یہ یقین جب یہی ہو سکتا ہے جب کہ اسپرکٹ و مباحثہ کرنے کی آزادی ہو اور مخالفوں کو اجازت ہو کہ تمام اپنی وجوہات کو جو اُس کے مخالف رکھتے ہیں بیان کریں اور اُس مسئلہ کو غلط ثابت کرنے میں کوئی کوشش باقی نہ چھوڑیں؟

اگر تعلیق کی گرم باز اسی کا جیسیکہ آجکل ہے اور آزادانہ مباحثہ کی فراحت و عدم موجودگی کا نقصان اور بد اثر و صورت یہ تسلیم شدہ مسئلہ یا قرار دادہ رائیں صحیح ہوں اسی قدر ہوتا کہ اُس مسئلہ یا اُن رایوں کی وجوہات معلوم نہیں ہیں تو یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ گو وہ فراحت عقل فہم کے حق میں مضر ہے مگر اخلاق کو تو اُس سے کچھ مضرت نہیں پہنچتی اور نہ اُس مسئلہ کی رایوں کی اُس قدر وسعت ہے کہ اُن سے نہایت عمدہ اثر لوگوں کی خصلتوں پر ہوتا ہے کچھ نقصان ہے مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ اُس سے بہت بڑھ کر نقصان پہنچتا ہے حقیقت یہ ہے کہ مباحثہ اور

آزادی رائے کی عدم موجودگی میں صرف مسئلہ یارایوں کی وجوہات ہی کو لوگ نہیں بھول جاتے بلکہ اکثر اُس مسئلہ یا رائے کے معنی اور مقصود کو بھی بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لفظوں میں وہ مسئلہ یا رائے بیان کی گئی ہے اُن سے کسی رائے یا خیال کا قایم کرنا تک موقوف ہو جاتا ہے یا جو باتیں اُن لفظوں سے ابتداء میں مراد رکھی گئیں تھیں اُن میں سے بہت تھوڑی ہی معلوم رہ جاتی ہیں اور بعض اس کے کہ اُس مسئلہ یا رائے کا اعتقاد ہر دم تر و تازہ اور زندہ یعنی موثر رہے اُس کے صرف چند اوصاف کے لئے حافظہ کی بدولت باقی رہ جاتے ہیں اور اگر اُس کی مراد اور معنی بھی کچھ باقی رہتے ہیں تو صرف اُن کا پوست ہی پوست باقی رہتا ہے اور غرض و اصلیت نابود ہو جاتی ہے۔ اب ذرا انصاف سے مسلمانوں کو اپنا حال دیکھنا چاہیے کہ تمام علوم معقول و منقول میں اسی مزاحمت رائے یا تقلید کی بدولت اُن کا در حقیقت ایسا ہی حال ہو گیا ہے یا نہیں؟

اس زمانہ تک جس قدر کہ انسانوں کو تمام مذہبی عقاید اور اخلاقی امور اور علمی مسائل میں تجربہ ہوا ہے اُس سے امر مذکورہ بالا کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کسی مذہب یا علم یا رائے کے موجد تھے اُن کے زمانہ میں اور اُن کے خاص مریدوں یا شاگردوں کے دلوں میں تو وہ عقاید یا مسائل طرح طرح کے معنیوں اور مرادوں اور خوبیوں سے بھر پور تھے اور اُس کا سبب یہی تھا کہ اُن میں اور اُن کے مخالف رائے والوں میں اس غرض سے بحث و حجت رہتی تھی کہ ایک کو دوسرے کے عقیدہ اور مسئلہ پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہو مگر جب اُسکو کامیابی ہوئی اور بہت لوگوں نے اُس کو مان لیا اور بحث اور حجت بند ہو گئی تو اُس کی ترقی بھی ٹھہر گئی اور وہ اثر جو دلوں میں تھا اُس میں بھی جان بھنی حرکت اور جنبش نہیں رہی ایسی حالت میں خود اُس کے حامیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ مثل سابق کے اپنے مخالفوں کے مقابلہ پر آمادہ نہیں رہتے اور جیسے کہ اُس عقیدہ یا مسئلہ کی پہلے حفاظت کرتے تھے ویسی اب نہیں کرتے بلکہ نہایت جھوٹے غرور اور بیجا استغناء سے سکون اختیار کرتے ہیں اور حتیٰ الامکان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے برخلاف کوئی دلیل نہیں سنتے اور اپنے گروہ کے لوگوں کو بھی کُفر کے فتوؤں کے ڈر اور سے اور جہنم میں جانے کی جھوٹی دہشت دکھانے سے سُننے سے اور اُس پر حجت کرنے سے جہاں تک ہو سکتا ہے باز رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ کہیں علموں کی روشنی جو آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتی ہے اور اعتراضوں کی ہوا اگر وہ

صحیح ہوں تو کیا اُن کے روکے رکھ سکتی ہے اور جب یہ نوبت پہنچ جاتی ہے تو اُس عقیدہ یا مسئلہ کا جن کو اُن کے پیشواؤں نے نہایت محنتوں سے قائم کیا تھا زوال شروع ہوتا ہے اُس وقت تمام مسلم اور مقدس لوگ جو اُس کجخت زمانہ کے پیشوا گئے جاتے ہیں اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ معتقدوں کے دلوں میں اُن عقیدوں کا جن کو اُنھوں نے برائے نام قبول کیا ہے کچھ بھی اثر نہیں پاتے اور باوجودیکہ وہ ظاہر میں اُن عقیدوں اور مسئلوں کو قبول کرتے ہیں مگر اُن کا ایسا اثر کہ اُن کے معتقدوں کا چال چلن اور اخلاق اور عادت اور معاشرت بھی اُن عقیدوں اور مسئلوں کے مطابق ہو مطلق نہیں پاتے۔ مگر افسوس اور نہایت افسوس کہ وہ علم اور مقدس لوگ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ یہ حال جو ہوا ہے جس کی وہ شکایت کرتے ہیں اُنہی کی غنایت جو سببانی کا تو نتیجہ ہے اب میں صاف کہتا ہوں اور نہایت بے کھڑک کہتا ہوں کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس زمانہ کے مسلمانوں کے حال کا ٹھیک ٹھیک آئینہ ہے :

اب اس حالت کے برخلاف حالت کو خیال کرو یعنی جبکہ آزادی رائے کی قائم رہتی ہے جس کے ساتھ مباحثہ کا بھی قائم رہنا لازم و ملزوم ہوتا ہے اور ہر ایک حامی کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کا اپنے عقیدہ یا مسئلہ کی وجہ کو قائم اور غالب رہنے پر بحث کرتا رہتا ہے۔ تو اُس وقت عام لوگ بھی اوسست عقیدہ والے بھی اس بات کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کس بات پر لڑ پھڑ رہے ہیں اور ہمارے عقیدہ اور مسئلہ میں اور دوسروں کے عقیدہ اور مسئلہ میں کیا تفاوت ہے اور ایسی حالت میں ہزاروں ایسے آدمی پائے جاویں گے جنہوں نے اُس عقیدہ یا مسئلہ کے اصول کو بخوبی خیال کیا ہوگا اور ہر ڈھنگ و طریقہ سے اُس کو خوب سمجھ بوجھ لیا ہوگا اور اُس کے عمدہ عمدہ پہلوؤں کو بخوبی جانچ اور تول لیا ہوگا اور اُن کے اخلاق اور اُن کی عادت اور خصلت پر اُس کا ایسا پورا پورا اثر ہوگا کہ جیسا کہ ایسے شخص کی طبیعت پر ہونا ممکن ہے جس میں وہ عقیدہ یا مسئلہ بخوبی رچ بس گیا ہو۔ مگر جبکہ وہ عقیدہ ایک موروثی عقیدہ ہو جاتا ہے اور لوگ باپ دادا یا استاد پیر کی رسم متبرک کے طور پر قبول کرتے ہیں تو وہ تصدیق قلبی نہیں ہوتی طبیعت اُس کو مردہ دلی سے قبول کرتی ہے اور اس لیے طبیعت کا میلان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے بھلا دینے پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ انسان کے باطن سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور صرف اوپر ہی اوپر رہ جاتا ہے اور تمام اخلاق اور عادت

اُس کے برخلاف ہوتے ہیں اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں جیسے کہ اس زمانہ میں اکثر پیش ہوتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ یا مسند طبعیت کے باہر باہر رہتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ دل میں گھر کرے باہر ہی باہر ایسے خراب اور کانٹے دار پست کی مانند لپٹا ہوا ہے جس کے سبب وہ باتیں ظہور میں نہیں آتیں جو انسان کے عمدہ عمدہ اوصاف و صفی سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ اُس سے اس قسم کی قوت ظاہر ہوتی ہے جیسے کانٹے دار ٹھورے کے درخت کی باڑ سے ہوتی ہے کہ وہ نہ خود اُس گھیری ہوئی زمین کو کچھ فائدہ دیتا ہے اور نہ اُوروں کو کُل پھول لیجا کر اُس میں لگانے دیتا ہے اور پھر اس کے کد ل کی زمین کو ہمیشہ خالی اور ویران اور بیکار پڑا رہنے دے اور کچھ نہیں کرتا۔

جوابت بیان ہوئی اُس کی صحت ہر ایک مذہب والا اپنے حال پر غور کرنے سے بخوبی جان سکتا ہے ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب میں کسی نہ کسی کتاب کو مقدس سمجھتا ہے اور بطور قانون مذہب کے تسلیم کرتا ہے مگر باہر یہ بات کہ کتنی کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ شاید ہزاروں میں سے ایک اپنی چال چلن کی جانچ اور اس کے بُرے یا بھلے ہونے کی آزمائش اُس مقدس تسلیم شدہ قانون کے بموجب کرتا ہو بلکہ جس چیز کی سند اور پابندی پر وہ کام کرتے ہیں وہ صرف اپنی قوم یا فرقے یا مذہبی گروہ کا رسم و رواج ہوتا ہے نہ اور کچھ۔ پس حقیقت میں یہ حال ہوتا ہے کہ بحیثیت تو وہ اخلاقی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے جس کی نسبت وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی کے عمل و آمد کے لئے خدائے بنایا ہے یا کم سے کم کسی نہایت نیک اور دانا عاقل ناقابلِ سوچ و خطا شخص نے بنایا ہے اور دوسری طرف اُن رسم و رواج اور معتقد رایوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اُس قوم یا فرقہ یا گروہ میں مروج ہوتی ہیں اور اس پچھلے مجموعہ کی بعض باتیں اُس پہلے مجموعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہیں اور بعض کچھ مطابق اور بعض بالکل برخلاف اور مذہب پر اعتقاد رکھنے والے اُس پہلے مجموعہ کی زبانی تصدیق تو بلاشبہ کرتے ہیں الا اصلی اطاعت اور رفاقت اور پابندی اُس پچھلے مجموعہ کی کرتے ہیں جس پر روزمرہ اُن کا عمل ہوتا ہے اور جس کا ترک کرنا یا اُسکے برخلاف کوئی کام کرنا نہایت ننگ و عار جانتے ہیں۔ پس یہ مفید رہی جو اُس پہلے مجموعہ کے مسائل کی سہولتی جس کو وہ خدا کا بتایا ہوا جانتے تھے اسی بات سے ہو گئی کہ اُس کے مسائل اور معمول پر باہر تہ بن ہو گیا اور اُس سبب انسان کے باطن سے بے تعلق ہو گیا اور پچھلے زندہ عقیدہ کے صرف بطور مُردہ عقیدہ کے لوگوں کے خیال میں رہ گیا۔

اس نتیجہ پر جو بہت بڑا اور نہایت سخت اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور درست علم یا تجربہ حاصل کرنے کے لیے کیا یہ بات ضرور ہے کہ کبھی رایوں میں اتفاق نہ ہو بلکہ ضرور ہے کہ چند آدمی غلطی پر مقرر ہوں تاکہ مباحثہ قائم رہے اور اور لوگ ان کی بدولت حق بات حاصل کر سکیں کیا دنیا میں غلطیوں کا موجود رہنا صحیح رایوں کے حاصل کرنے کے لیے لازماً ہے جبکہ کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کو عموماً تسلیم کر لیا جاوے تو کیا اس کی حقیقت بدل جاتی ہے اور اس کی تاثیر جاتی رہتی ہے اور کیا کسی مسئلہ یا عقیدہ کا اس وقت تک اثر نہیں ہوتا یا لوگ اس کو بخوبی نہیں سمجھتے جب تک کہ کوئی اسپرٹ نہ کرتا رہے جبکہ انسان کسی حق بات کو بالاتفاق قبول کر لیتے ہیں تو کیا اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اب تک یہ خیال کیا گیا ہے کہ علم اور عقل کی ترقی کا عمدہ مقصد اور اعلیٰ نتیجہ یہ ہے کہ تمام انسان اچھی اچھی اور عمدہ عمدہ باتوں میں متفق ہوں اور وہ اتفاق رائے روز بروز زیادہ بڑھتا جاوے پھر کیا علم اور عقل اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ اس کا مقصد اور اس کا نتیجہ حاصل نہ ہو تو سننا گیا تھا کہ ہر بات کا اس کے مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہے مگر یہ نہیں سنا تھا کہ مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہی اس کا زوال ہے۔

مگر میرا مقصد یہ نہیں ہے جو اس اعتراض میں بیان ہوا۔ میں قبول کرتا ہوں کہ بلاشبہ جہتِ انسانوں کی ترقی اور تہذیب ہوگی اسی قدر مختلف فیہ رائیں اور مسئلے اور عقیدے گھٹتے جاویں گے بلکہ آدمیوں کی بہبودی اور بھلائی کا اندازہ بالخصوص انہی حقائق کی تعداد اور مقدار سے ہو سکتا ہے جو غیر متنازع فیہ یا حقائقِ محققہ کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہیں اور اس کے استحکام کے لیے انسانوں کی رایوں کا اجتماع اور اتفاق ضروری شہ طوں میں سے ہے اور وہ اجتماع اور اتفاق جیسا کہ غلط رائے پر ہونا نہایت مضرت ہے ویسا ہی صحیح رائے پر ہونا نہایت مفید ہے مگر جبکہ ہم کو غلط رایوں پر بھی اجتماع اور اتفاق ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ہم کو اس سے بچنے کی فکر و تدبیر سے غافل ہونا نہیں چاہیے اور وہ تدبیر یہی ہے کہ آزادی رائے اور مباحثہ جاری رہے اگر اس تدبیر کے قائم رہنے کا سبب عموماً تسلیم ہو جانے اس مسئلہ یا عقیدہ کے موقع نہ رہے تو ہم کو اس کی جگہ کوئی اور تدبیر قائم کرنی چاہیے۔ سقراط نے اسی تدبیر کے لیے فرضی مباحثہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا جس کو افلاطون نے نہایت خوبی سے اپنے سوال و جواب میں بیان کیا ہے۔

مگر افسوس یہاں ہزار افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اُس تدبیر کے قائم رکھنے کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اُن تدبیروں کو بھی ضائع کر دیا جو سابق میں ایجاد ہوئی تھیں۔ مسلمانوں میں ہر ایک علم کی تحصیل کا مدت سے یہ حال رہ گیا ہے کہ سب کے سب کیا قصہ اور کمائی کی کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گذشتہ کے روزناموں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے اگلے زمانہ کے جغرافیہ کو اور کیا لولی لولی انجی انسان کے بدن کی تشریح کو اور کیا دنیاوی سوسائٹی اور قدیم ریاضی کو اور کیا انسانوں کے اجتہاد یا مسائل دینی کو جس کو علم فقہ کہا جاتا ہے اور کیا علم حلیہ اور تفسیر کو اس ارادہ سے مطلق نہیں پڑھتے کہ ہمواسکی صلیت اور حقیقت معلوم ہو بلکہ صرف یہ ارادہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس کتاب میں لکھا ہے خواہ غلط خواہ صحیح وہ ہم جان لیں۔ اگر مباحثہ کیا جاوے تو نہ اس بات پر کہ وہ اصول جو اُس کتاب میں لکھے ہیں صحیح ہیں یا غلط۔ بلکہ اس بات پر کہ اس کتاب میں یہی بات لکھی ہے یا نہیں۔ اس طریقہ اور عادت نے آزادی رائے کو کھودیا اور اُس سیر کو جس سے غلطی میں پڑنے سے حفاظت تھی توڑ دیا۔ اُن کے تمام علم و فضل غارت ہو گئے۔ اُن کے باپ دادا کی کمائی جس سے توقع تھی کہ اُن کی اولاد فائدہ اٹھاوے گی سب ڈوب گئی۔ اب جو بڑے بڑے عالم فقہ اور دانارہ گئے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے کیا مسائل علمی اور کیا عقاید مذہبی میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ جس شخص سے کسی بات کی حقیقت پوچھو اگر وہ بڑا ہی عالم ہے تو بجز اسکے کہ فلاں شخص نے یہ لکھا ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمام علوم کا مزہ اور تمام عقیدوں کا اثر دل سے جاتا رہا۔ پس آزادی رائے کے قائم نہ رہنے کے یہ عمدہ اثر ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

آزادی رائے کے غیر مفید ہونے کے ثبوت میں یہ بات کثرت پریش کی جاتی ہے کہ آزادی رائے سے جس کے ساتھ مباحثہ لازم و ملزوم ہے کسی رائے کے حق یا سچ ہونیکا فیصلہ ممکن نہیں بلکہ ہر ایک فریق کو اپنی اپنی رائے پر اور زیادہ پختگی اور اصرار ہو جاتا ہے۔ میں بھی استقامت کا اقرار کرتا ہوں اور اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ حقیقت تمام رایوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ خاص شخص فرقوں کی رائیں ہو جاتی ہیں۔ بحث و مباحثہ کی کمال آزادی سے بھی اُس کا کچھ تدارک نہیں ہو سکتا بلکہ اُس سے اور زیادہ ترقی ہوتی جاتی ہے اور حق کی کیفیت ہو جاتی ہے کہ بعض اس کے کہ لوگ اُسکو سمجھیں اور بوجھیں اس وجہ سے اُسکو نہیں سوچتے سمجھتے بلکہ بے سوچے اور سمجھے

نہایت زور شور سے رد کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کا قول ہے جن کو وہ اپنا مخالف جانتے ہیں
 یا اُن سے نفرت رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی خوب جان لینا چاہیے کہ آپس میں رایوں کے اختلاف
 اور مباحثہ سے اُنہی معتصب گرد ہوں کو جن کے باہم بحث ہوتی ہے چنداں فائدہ نہیں ہوتا
 بلکہ اسکا عمدہ اور مفید اثر اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اُس کے دیکھنے سُننے والے ہیں اور جن کی
 طبیعتوں میں وہ جذبہ و حرارت اور خود غرضی اور طرفداری نہیں ہوتی جیسے کہ اُن مخالف فرتوں
 کے حامیوں میں ہوتی ہے اور جبکہ رفتہ رفتہ اُن مقصود کی بھی حرارت کم ہو جاتی ہے تو جو حق
 بات ہے وہ اُس کے صحیح ہونے کا اقرار اپنے دل میں یا اپنے خاص دوستوں میں چپکے چپکے کرنے
 لگتے ہیں گو کہ علانیہ کبھی اُس کا اقرار نہ کریں :

سچ بات پر سخت سے سخت نزاع کا ہونا کچھ بُرائی یا نقصان کی بات نہیں بلکہ اُس کا انسداد بہت
 بڑے نقصان کی بات ہے جبکہ لوگ طرفین کے دلائل سُننے پر مجبور ہوتے ہیں تو ہمیشہ انصاف
 کی اُمید ہوتی ہے۔ مگر جبکہ وہ صرف کجیر فہ بات سُنتے ہیں تو اُس صورت میں غلطیاں سختی بکڑ کر
 تعصب بن جاتی ہیں اور سچ میں بھی سچ کا اثر اُس لیے باقی نہیں رہتا کہ اُس میں مبالغہ ہوتے
 ہوئے وہ خود ایک جھوٹ بن جاتا ہے۔ انصاف کی قوت جو انسان میں ہے وہ اسی وقت بخوبی
 کام میں آتی ہے کہ ہر ایک معاملہ کے دونوں پہلوؤں کے حامی اور معاون تصفیہ کے وقت
 روبرو موجود ہوں اور وہ دونوں ایسے زبردست ہوں کہ اپنے اپنے دلائل اور وجوہات کی عمت
 پر لوگوں کو گویا مجبور کر دیں اور سوائے اسکے اور کوئی صورت حق کے حاصل کرنے کی
 نہیں ہے :

رائے کی آزادی پر ایک اور چیز جسکو لوگ سندھکتے ہیں کبھی کبھی مزاحمت پہنچاتی ہے۔ یہ
 اکثر ہوتا ہے کہ بحث کریو الے اپنی اپنی تقریر کی تائید میں کسی مشہور شخص کے قول کی سند لاتے
 ہیں حالانکہ کسی شخص کی سند پر اپنی رائے کو منحصر رکھنا خود آزادی رائے کے برخلاف چلنا ہے۔ اگر
 ہم کسی کے قول کو صحیح اور سچ سمجھتے ہیں تو اُس کے قول کو پیش کرنا کچھ مفید نہیں ہے بلکہ بلکہ وہ
 ویلیں پیش کرنی چاہئیں جن سے اُس قول کو بہتر سمجھ مانا ہے۔ اگر سقراط و قنطرب نے کوئی
 ایسی بات کہی ہے جو حقیقت صحیح نہیں ہے تو وہ اُن کے کہنے سے صحیح نہیں ہو جانے کی اور
 اگر کسی جاہل نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو وہ اُس لیے کہ کسی جاہل نے کہی ہے غلط نہیں ہو جانے کی
 کیا عمدہ مسئلہ ہے جس پر انسان کو عمل کرنا چاہیے مگر افسوس کہ اُس پر نہایت کم عمل ہوتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے

فانظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

واللہ درہن قال

مرو باید کہ گیر و اندر گوش

ورنوشت است پند بردیوار

خیردایم

غالباً تمام دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی بلاشبہ نیک ہے اور اس لیے اس بات کا ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ نیکی ہوگی۔ انسانوں میں نیک وہی ہوگا جس نے بہت سی نیکیاں کی ہوں گی۔ مگر سب سے زیادہ نیک وہی ہوگا جس نے ایسی نیکیاں کی ہوں جو سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ ہوں۔ مسلمانوں کے عقاید کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نیک ترین بندگان خدا ہیں اور اس لیے ضرور ہے کہ وہ ایسی نیکیوں کے منبع یا مخزن ہوں جو تمام نیکیوں سے اعلیٰ اور افضل ہوں ورنہ ترجیح یا مرجح ہوگی۔ اس لیے ہر ایک انسان کو ایسی نیکی کی جو ہمیشہ رہنے والی ہے تلاش اور جستجو لازم ہے۔

بعضوں نے پُل اور مسجد چاہ و مہمان کے چند روزہ رہنے والی چپیندوں کو خیردایم سمجھا بہت بڑی غلطی کی کیونکہ یہ تمام چیزیں دنیٰ حوادث سے فنا اور معدوم ہونے والی ہیں اب کہاں ہے وہ چاہ یوسفؑ اور کہاں ہے وہ مسجد قصیٰ۔ سب معدوم ہو گئیں اور اسی طرح ہزاروں نہیں گی اور معدوم ہوں گی۔

نہایت فمیدہ اور دقیقہ ریش لوگوں نے خیر و خیرات میں نہ بد و تقویٰ اور عبادت کو خیردایم خیال کیا۔ مگر اسکی صحت بھی مشتبہ ہے۔ تمام اعمال حسنہ آنکھ موندی اور منقطع ہوئے۔ جبکہ انسان موت کی خواب راحت میں تسراحت فرماتا ہے تو تمام اعمال حسنہ کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ زہم کی تسبیح ہمہ تن داندانشک بن کر روتی ہے کہ وہ کیا ہوا جو مجھ کو شمار و طائف سے زندہ رکھتا تھا مصلیٰ محراب مسجد میں چپٹ پڑائے گئے کرتلے کہ وہ کہاں ہے جو اپنی پیشانی سے مجھ میں جان تازہ بخشا تھا۔ منبر فراق و اعطیٰ سے دل شکستہ ہے کہ میرا دعا غطا کہاں ہے۔ ملائکہ مقربین جو اُس کے ذکر و تفل کی مجلس کی خیر و برکت لینے کو آتے تھے اُس کی تلاش میں سرگردان ہیں اور

یکمشت خاک ہزاروں میں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں نہ اپنی کچھ کہتے ہیں اور نہ کسی کی
سُنتے ہیں صرف زبانِ جال اُن میں باقی ہے سودہ یہ کہتی ہے کہ جو ہونا تھا سو ہولیا اور جو کرنا
تھا سو کر لیا ۛ

غرض کہ ہر ایک قسم کی نیکی کو جب خیال کرو گے تو وہ اُسی شخص کی ذات پر منحصر ہوگی اور
اُسکی فنا کے ساتھ ہی منقطع ہوگی اس لیے زہد و تقویٰ عبادت و سخاوت خیرِ دائم نہیں
ہو سکتی ۛ

اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک ٹھیک سمجھا جاوے تو سب زرفاء عام اور انسان کی
بھلائی چاہنے کے اور کوئی نیکی خیرِ دائم نہیں ہے انسان کی بھلائی نہ نیکی کرنے والے کی
موت سے ختم ہوتی ہے اور نہ اُس زمانہ کے انسانوں کے فنا ہونے سے فنا ہوتی ہے بلکہ
نسل در نسل اور پشت در پشت آئندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیامِ دنیا تک قائم رہتی
ہے اور اس لیے صرف وہی ایک نیکی ہے جسکو خیرِ دائم کہہ سکتے ہیں ۛ

یہی نکتہ تھا جس کے سبب خدا تعالیٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دینی کہ برترین بندگانِ خدا نیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن ہیں
اور خیرِ دائم اُن سے باقی رہے پس انسان کی بھلائی میں سعی کرنا انبیاء کا ورثہ لینا ہے اور تمام
نیکیوں میں سے فضل اور اعلیٰ نیکی کا اختیار کرنا۔ پس فلاحِ عام کے کاموں کو عباداتِ دینی
میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل ہی کو عبادت سمجھنا بہت
بڑی غلطی ہے ۛ

یہ خیرِ دائم جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اور بھی زیادہ نیک تو اُس وقت ہو جاتی ہے جبکہ
اُسکی ضرورت ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے اسکی بہت
ضرورت ہے اور اس لیے میری خواہش مسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و
تقویٰ ہی پر تکیہ نہ فرماویں اور صرف ادا کئے زکوٰۃ و قضا کئے دیون ہی پر اقتصار نہ کریں بلکہ تھوڑا سا
وقت اور دو چار دم زلفاء و فلاحِ حال مسلمانان کے لیے بھی نکالیں اور خیرِ دائم کی نیکی کو بھی حاصل
کریں کہ صرف یہی ایک نیکی ہے جو ہمیشہ رہے گی ۛ

کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے

جب کہ ہم کسی قوم کو تہذیب کی طرف مائل کرتے ہیں تو ہم کو ضرور یہ ہے کہ ہم یہ بھی بتا دیں کہ اُس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرنی چاہیے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے جو حالات ہیں اُن کے لحاظ سے ہمارے خیال میں آتا ہے کہ مفصل ذیل چیزیں ہیں جن کی تہذیب پر اُن کو متوجہ ہونا چاہیے :

اولی۔ آزادی رائے۔ مسلمانوں کی رائے اور اُن کے خیالات ہر ایک امر میں تعلیم کرتے کرتے اور ریوٹ کے پابند رہتے رہتے ایسے پست اور پامال ہو گئے ہیں جس کے سبب کسی قسم کی ترقی کی تحریک اُن میں نہیں ہوتی۔ پس جب تک کہ رائے کی آزادی اُن میں پیدا نہ ہوگی اُس وقت تک اُن میں تہذیب نہیں آئے گی :

دوم۔ درست عقاید مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے عقاید مذہبی جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اُنہیں اور جو اُن کے دلوں میں ہیں اور جن کا اُن کو یقین ہے مٹھیا ہوا ہے وہ اُنہیں ہزاروں عقاید شرکیہ اُن کے دلوں میں ہیں پس اُن کی تہذیب کرنا اور اپنے عقاید کو بہت اسلام کے مطابق کرنا اور اسی پر یقین رکھنا تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کی اصل جڑ ہے :

سوم۔ خیالات و افعال مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں صد ما خیال اور توہمات ایسے موجود ہیں جن کو وہ عمدہ افعال مذہبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں حالانکہ اُن کو مذہب اسلام سے کچھ علاوہ نہیں ہے یا تو وہ خود بدعت ہیں یا رسومات و خیالات کُفر و شرک ہیں جو باعث ہمارے نامزد ہونے کے ہیں۔ پس ہم کو مذہب ہونے کے لئے اُن کی تہذیب درکار ہے :

چھارم۔ تدقیق بعض مسائل مذہبی۔ ہمارے مذہب کے بعض صحیح اور اصلی مسائل ایسے ہیں جن کی پوری پوری تحقیق و تدقیق اب تک نہیں ہوئی اور اگرچہ وہ مسائل فی نفسہ صحیح و درست ہیں الا بیان واضح اور تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب علوم عقلیہ کے برخلاف اور تہذیب شایستگی کے مخالف معلوم ہوتے ہیں پس ہم کو اُن کی تشریح و تفسیر میں تہذیب کرنی چاہیے :

پنجم۔ تصحیح بعض مسائل مذہبی۔ ہم کچھ شک نہیں کرتے کہ بعض مسائل ایسے ہی ہیں یوں کہ بعض ایسے مسائل کا ہونا ممکن ہے جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو پس ان کو بحث میں لانا اور ایک امر منفتح ٹھہرانا ہمارے لیے ضرور ہے۔

ان تمام چیزوں کو جو مذہب سے متعلق ہیں بنے تہذیب و شائستگی میں اس لیے داخل کیا ہے کہ قوم کے مذہب ہونے پر مذہب کا بڑا اثر ہوتا ہے پس جس قدر جس قوم کے مذہب میں نقص ہے اتنا ہی اس کی پوری تہذیب میں نقصان ہے۔

ششم۔ تعلیم اطفال۔ مذہب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ تعلیم ہے۔ ہکو زمانہ گزشتہ اور حال پر نظر کر کر ایک ایسا طریقہ تعلیم معین کرنا چاہیے جس سے علوم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم کا اعلیٰ درجہ تک پہنچا جاسکے۔

ہفتم۔ سامان تعلیم۔ ہمارے لیے صرف طریقہ تعلیم معین کرنا ہی کافی نہ ہوگا بلکہ اس کی مدد اور مجموعی ہمت اور فیاضی سے اس کا سامان بھی مہیا کر دینا ضرور ہوگا۔

ہشتم۔ عورتوں کی تعلیم۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ قومی تہذیب و شائستگی کے لیے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضرور ہے۔ پس ہکو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اور ان کو درست کاری سکھانے کے لیے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیے۔

نہم۔ ہنر و فن و حرفہ۔ اپنی قوم میں ہر قسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لیے ایک بہت بڑا جزو ہے۔

یہ تمام باتیں وہ تھیں جو مجموعاً و منفرداً ہر شخص سے اور کل قوم سے علاقہ رکھتی تھیں اب ان باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک شخص کی ذات سے علاقہ رکھتی ہیں۔ مگر ان کا اثر کل قوم پر ہوتا ہے اور ہر ایک میں ان باتوں کے ہونے سے قومی تہذیب و شائستگی قرار پاتی ہے۔

دہم۔ خود غرضی۔ سب سے بڑا عیب ہم میں خود غرضی کا ہے اور یہی مقدم سب قومی ذلت اور نامذہب ہونے کا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ضرور ہے کہ رفاه عام کا جو ش دل میں پیدا کریں اور یقین بنائیں کہ خود غرضی سے تمام قوم کی اور اس کے ساتھ اپنی بھی بربادی ہوگی۔

اس مقام پر ہم کو ایک کہانی یاد آئی۔ انسان کے اعضا میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے

خود غرضی اختیار کی۔ تھوڑی دیر بعد معدہ جھوک کے مار سے بے چین ہوا۔ پانوں نے کہا کہ
 بیٹن کیوں چل کر غذا ہم پہنچاؤں۔ باتوں نے کہا کہ ہم کیوں غذا کو موخہ تک پہنچاویں۔
 آنکھوں نے کہا کہ ہم اُس میں کی بال کھیں کیوں دیکھیں۔ ناک نے کہا کہ غذا کا سٹر اسباب ساند
 ہونا بیٹن کیوں سو گھوں۔ مُنہ نے کہا کہ بیٹن کیوں چبا کر حلق میں نگلوں۔ سب آپ آپ
 چپکے ہو رہے دو ایک دن تو جوں توں گندگئے پھر تو پانوں ٹکڑا کرنے لگے۔ ہاتھ کا پینے
 لگے۔ موخہ ہلانے کی طاقت نہ رہی۔ آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ تب تو سب گھبرائے کہ
 یہ کیا ہوا۔ اُس وقت عقل کے پاس گئے۔ اُس نے کہا کہ خود غرضی نے تمہارا یہ حال کیا ہے
 تم نے جانا کہ دوسرے کے کام سے ہلکوکیا مطلب ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا یہی
 کام تھا۔ اور اُس کا نقصان تمہارا یہی نقصان تھا۔ پس جس قوم کے لوگوں میں خود غرضی ہوتی
 ہے جیسکے ہندوستان کے مسلمانوں میں ہے تو وہ اب آپ اپنے تئیں ہر باد کرتی ہے۔
یا مہدھم۔ عزت اور غمیت۔ غیرت اور عزت یہ دونوں آپس میں ایسی ملی ہوئی
 ہیں کہ کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ جس کو عزت ہے اُس کو غمیت ہے جس کو غمیت ہے اُس کو
 عزت ہے۔ اب مسلمانوں میں ان دونوں چیزوں کی کمی کیا بلکہ وہ معدوم ہو گئی ہیں۔ اگرچہ
 میری اس بات سے لوگ تعجب ہوں گے کہ مسلمان کیونکر ایسے ہیں۔ اگر ابھی اُن کو کوئی گالی
 دے جان نکال لیں۔ مرجائیں۔ پر اپنی شان نہ جلنے دیں۔ شادی مہمانی میں ہرگز ناگٹائی
 نہ ہونے دیں۔ روپیہ قرض لیں اور شادی دھوم سے کریں۔ اگر باوا مر گیا ہے تو اُسکی فاتحہ
 اور چلم کی تودہ بندی میں کبھی دریغ نہ کریں۔ پھر کیونکر اُن کو اپنی عزت یا غمیت کا خیال
 نہیں ہے؟

یہ سب باتیں سچ ہیں مگر یہ سب شیطانی اور جھوٹی عزت اور غیرت ہے جو اصلی اور اخلاقی
 عزت ہے۔ ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں کس کو اس بات کی غیرت ہے کہ ہلکوکئی جھوٹا خیال
 بکمرے۔ کس کو اس بات کا خیال ہے کہ ہم آپس میں اور معمولی باتوں میں بھی سچ کی عزت پر بٹ
 نہ لگائیں۔ کون ہے جو بلحاظ اپنی اخلاقی عزت کے کسی بُرائی کے فعل سے بشرطیکہ اُس میں
 سزا دینے کا اندیشہ نہ ہو بچکار اپنے تئیں معزز نہ رکھنا چاہتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اور
 قوموں میں نقص نہیں ہے مگر بلاشبہ اتنا کہتے ہیں کہ مہذب شایستہ قوموں میں نہ خدا کے در
 سے بلکہ اپنی عزت کے در سے ان باتوں کا بہت خیال ہے۔

دوازدهم۔ ضبط اوقات۔ ہماری قومی تہذیب و شایستگی میں اوقات کے مضبوط نہ ہونے سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔ ہر ایک کو اپنے خاص کاموں میں اپنی خاص اوقات کا اور جو کام عام قوم سے متعلق ہیں ان میں تمام قوم کو یکساں اوقات مضبوط کرنا چاہیے کہ یہ بھی ایک اصل اصول قومی تہذیب و شایستگی کا ہے :

سبزدہم۔ اخلاق۔ بالفعل مدار اخلاق ہم لوگوں میں اس پر رہ گیا ہے کہ جس کسی سے ملے کچھ ہنس کر سلام کیا کچھ محبت کی جھوٹی باتیں بنائیں دو چار میٹھی میٹھی باتیں سنائیں کچھ اپنی جھوٹی نیاز مندی کا اظہار کیا کچھ ان کی جھوٹی تعریف کی آؤ بھگت کی اور دل میں کہا کہ خوب اُتو بنایا۔ جب وہ چلا گیا تو یا تو بڑا کہنے لگے یا جو باتیں کی تھیں ان کا نقش بر آب سا بھی نشان نہ تھا :

یہ سب باتیں انسان کے دل کو اور اُس کے اخلاق کو خراب کر دیتی ہیں بلاشبہ ہر کسے جھاک کر اور خندہ پیشانی سے ملنا چاہیے۔ مگر وہیں تک جہاں تک کہ انسانیت کا مقتضا ہے مگر اُسکو مکاری کی حد تک نہ پہنچنا چاہیے :

چہار دہم۔ صدق مقال۔ یہ تو وہ صفت ہے کہ جو انسان کو قطبِ ابدال کے درجہ سے بھی بڑھا دیتی ہے مگر یہاں ہمارا مطلب دنیاوی باتوں میں سچے پن کا ہے ضرور ہے کہ سب لوگ سچ میں عزت سمجھیں ایک شخص دوسرے کی بات کو سچ سمجھے تاکہ قابل کو قبل کلام اس بات کی غیرت ہو کہ سلح میرے اس قول کو جھوٹ نہ سمجھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے لڑکوں سے خوش طبعی میں کہتے ہیں کہ کیوں جھوٹ بولتا ہے آپس میں ایک دوست دوسرے کو کہتا ہے کہ میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو ان باتوں سے جھوٹ کے عیب اور جھوٹ کے طعنہ کی غیرت دل سے جاتی رہتی ہے جو بڑا سبب ذلت قومی اور نامتدب اور ناشایستہ ہونے قوم کا ہوتی ہے :

پانزدہم۔ دوستوں سے راہ و رسم۔ ہماری راہ و رسم جو دوستوں سے ہے اُس میں بھی نہایت نقص ہیں۔ ہم آپس میں اس طرح پر نہیں ملتے جیسے انسان انسان سے ملتے ہیں بلکہ اس طرح پر ملتے ہیں جیسے حیوان آپس میں ملتے ہیں ان تمام طریقوں اور قاعدوں میں تہذیب کرنی ایک بڑا ضروری ہے :

شانزدہم۔ کلام۔ طرز گفتگو اور سیاق کلام بھی جزو اعظم تہذیب و شایستگی کا ہے

جس کی ہم میں بہت کسر ہے ہمارے کلام میں وہ الفاظ جو مذہبانہ گفتگو میں ہوتے ہیں نہایت کم متعل ہیں اور بس لیئے اُس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔

ہفت دھم۔ لہجہ۔ اسکو بھی تہذیب میں بڑا دخل ہے۔ اکھڑ لہجہ یا اس قسم کی آواز جس سے شبہ ہو کہ آدمی بولتے ہیں یا جانور لڑتے ہیں ناشایستہ ہونے کی نشانی ہے کسی قدر اسپر بھی ہو کہ توجہ درکار ہے۔

ہیئت دھم۔ طریق زندگی۔ یہ تو ہمارا ایسا ابترو خراب ہے کہ ہم بے مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جن کا طریق زندگی ہمارے طریقہ زندگی سے نہایت عمدہ اور اچھا ہے۔

نونا دھم۔ صفائی۔ بدن اور گھر اور لباس سب کی صفائی تہذیب میں داخل ہے۔ انگریزی مثال ہے کہ خدا اور خدا کے بعد صفائی مسلمانوں کے ماں بھی حدیث ہے کہ ”الطھوہا شطر الایمان“ مگر ہم مسلمان بہت کم اس کی طرف متوجہ ہیں۔ صورت دیکھو تو واہ واہ۔ گھر دیکھو تو سبحان اللہ۔ اس لیئے ہو کہ صفائی پر توجہ کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہے۔

بست۔ طرز لباس۔ لباس کی قطع اور وضع درست ہونی بہت بڑی نشانی تربیت یافتہ ہونے کی ہے۔ دیکھ لو کہ تمام دنیا میں جس قدر وحشیانہ پن کم ہوتا گیا اُسی قدر لباس کی درستی ہوتی گئی۔ پس سب کو اپنے لباس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنا چاہیئے کہ کس قسم کی تربیت کے لائق ہے۔

بست ویکم۔ طریق اکل و شرب۔ اگر ہم تعصب نہ کریں اور انصاف سے دیکھیں تو ہمارا طریقہ اکل و شرب ایسا ہے کہ جو قومیں ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہیں جبے ہو کہ کھاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو اُن کو قے آتی ہے۔

بست و دوم۔ تہذیب منزل۔ ہماری تدبیر منزل یعنی انتظام خانہ داری ایسا ابترو خراب ہے جس میں نہایت درجہ کی صلاح و ترقی کی حاجت ہے۔

بست سوم۔ رفاہ عورتوں کی حالت میں۔ غیر قوموں نے ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ جیسا کچھ خیال کیا ہے اور لکھا ہے اُس میں یقینی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں ہیں مگر جو اہلی حالت عورتوں کی بلاشبہ ترقی کے لائق ہے اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت سلی صلاح اور تہذیب کا محتاج ہے۔

بست چہارم۔ کثرت ازدواج۔ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کم ہے مگر کچھ بھی زیادہ ہے اور نہایت نالائقی سے اور خدا و خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف بڑا جانتا ہے ایسی بدخصلت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شہر مندگی و بدنامی ہے :

بست و پنجم۔ غلامی۔ اگرچہ ہندوستان میں انگریزوں کی بدولت غلامی کی بد رسم موقوف ہو گئی ہے مگر ہمارے مذہب و شایستہ ہوئے کے لئے صرف اُس کا موقوف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل میں اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ درحقیقت یہ رسم خلافِ اسلامی مذہب کی تھی اور فی نفسہ خراب و نالائقی تھی اس لئے ہکو اُس پر توجہ کرنے کی ضرورت باقی ہے :

بست و ششم۔ رسومات شادی۔ جو رسومات شادی کی ہم مسلمانوں میں رائج ہیں ایک بھی ان میں سے مذہبِ اسلام کی رسم نہیں ہے اور جیسی نالائقی اور نامذہب وہ رسمیں ہیں شادی ہی اور کوئی رسم اُس سے زیادہ ناشایستہ اور نامذہب ہوگی :

بست و ہفتم۔ رسومات غمی۔ اسی طرح رسومات غمی کا حال ہے کہ برخلاف مذہبِ اسلام کے ہمنے نامذہب و ناشایستہ رسمیں اختیار کر لی ہیں :

خدا رحمت کرے مولوی اسماعیل پر جن کی بدولت بہت سی نامذہب و ناشایستہ رسمیں شادی غمی کی ہم میں سے چھوٹ گئی ہیں مگر اس پر بھی بہت کچھ باقی ہیں جن کی تہذیب پر ہکو متوجہ ہونا چاہیے :

بست و ہشتم۔ ترقی زراعت۔ زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کے حالات کی بہتری قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اُس میں ہکو بہت کچھ کرنا ہے :

بست و نهم۔ تجارت۔ یہ سب آخر جزو ہے قومی ترقی اور تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کا۔ اور ہم مسلمانوں میں سے یہ امر بالکل متروک ہو گیا ہے پس ہکو اپنی قوم میں اُس کا رواج دینا اور عمدہ اصول پر اُس کو قائم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب شایستگی حاصل کرنے کے ہوگا :

یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ تمام دنیا کی چیزوں کی ترقی ہم سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم متوجہ ہوں گے اور تہذیب شایستگی حاصل کرنے پر دل لگا دیں گے تو سب کچھ ہے ہو سکتا ہے :

یہ باتیں ظاہر ہیں بہت سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے ایسا علاوہ کھتی ہیں کہ جب ایک بات میں ترقی شروع ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں از خود ترقی ہوتی جاتی ہے پر کوشش شرط ہے۔ العی منی ولا تمام من اللہ تعالیٰ ۛ

تربیت

اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہو کر ہم ہی پر برتے ہیں تو دنیا سے انسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہو جاویں۔ اور اگر ہم مرے ہوئے لوگوں کی آواز پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال سے کیا کہہ رہے ہیں تو شاید ایک بھی بُرائی دنیا میں نہ رہے۔ مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے کان بہرے ہیں ۛ

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب وقت گزر جاتا ہے تو بہت سی باتوں کا سچا و اٹا ہے کہ افسوس ہم نے یہ نہ کیا اور وہ نہ کیا اور اُس وقت پچھانے سے کیا ہوتا ہے کیونکہ گویا وقت پھر ماتھ نہیں آتا اور لا علاج رنج کا نہایت ہی جانکاہ رنج ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ایسے سخت رنج سے بچنا چاہیں تو اُس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت جانیں۔

غنیمت داں ہمیں دم را کہ حالت

یہ بات جو ہم نے کسی ٹھیک انسان کی طفولیت کی حالت سے نہایت ہی نسبت رکھتی ہے اس لئے کہ جو عمر اور وقت تربیت کا ہے جب وہ گزر جاتا ہے تو بجز لا علاج رنج بچانے کے اور کچھ نہیں ہوتا اور پھر اُن کا تربیت یافتہ رہنا مثل کالی گھٹا کے ہمپر ٹکنا ہے اور ہمپر برستا ہے اور کسی کے گھر کو بہا دیتا ہے اور کسی کے خانان کو جلا دیتا ہے ۛ

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادلات ہوتا رہتا ہے اور بجز انسان کے ایسی اور کوئی چیز نہیں ہے جسکو اُس تبادلات میں کچھ دخل ہو اگرچہ انسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اُس میں اتنی قدرت ہے کہ بہت سی چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو میں کر کر اُس قدرتی تبادلات میں شریک ہو انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو تھوڑا بہت کا رخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے وہی ایسا ذی عقل اور ذی شعور مخلوق ہے کہ دنیا کی آئندہ کی رفتار کو روک سکتا ہے یا ترقی کر سکتا ہے یا تیر و خراب

حالت میں اُل سکتا ہے ۛ

یہ اقتدار اس ناکامل اور فانی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کے تربیت یا ماتریت رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ایسا تو کسی حسی پسینہ خا ہر نہیں ہوتا جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اُن کی بھولی بھالی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پالتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد اُن میں دیکھتے ہیں تو ہم کو خدا کی کامل قدرت کا نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اُس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیزیں ہیں اُس کے بعد ایک زمانہ تک وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے اُن کی عقل و فہم کی ترقی ہوتی ہے اور ہماری تعلیم اور تربیت اُن میں اثر کرتی ہے اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے سے اُن میں عمدہ عمدہ عادتیں اور خصلتیں بٹھ جاتی ہیں اور یا بُری بُری نظیروں کے دیکھنے سے شروع ہی سے اُن میں بد عادتیں اور خراب خصلتیں پڑ جاتی ہیں بہر حال لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہے اور جو کچھ کہ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے نیک یا بد حاصل کیا ہو اُس کا اثر دنیا میں رہ جاتا ہے ۛ

لڑکپن کے زمانہ میں جو عمر کے سات برس سے پندرہ برس تک ہے وہی ایسا زمانہ زندگی کا ہے جس میں آئندہ کی بہبودی کے لیے زیادہ تر کوشش ہو سکتی ہے اُس زمانہ میں لڑکوں کا دل چرپنہ کا متلاشی رہتا ہے حافظہ تیز ہوتا ہے قوت غور مضبوط ہوتی ہے اچھی عادتوں کا دیکھنا اور عمدہ عمدہ نظیروں سے تربیت پانا جسکو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں نہایت ہی موثر ہوتا ہے۔ یہ زمانہ لڑکوں کے لیے ذہنی و عقلی اور اخلاقی تشہیم زیری کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہے اور اُس کے تخم کو جس میں آئندہ نہایت عمدہ عمدہ پھول پھول پیدا ہوں گے بہت جلد اُگا دیتا ہے لیکن اگر اُس زمانہ میں تربیت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر کار عادت طبیعت سے مل جاتی ہے اور طبیعت ثانی کہلاتی ہے جس کا بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے ۛ

ایک نہایت لائق شخص کا حکیمانہ قول ہے کہ ”لڑکپن کی طبیعت کتنی بُرے امراہم کی چیز ہے کہ آئندہ کی بھلائی یا بُرائی اُسی کی احتیاط و غیر احتیاط یا پختہ سے جو لڑکوں کے مربیوں کی طرف سے ہوتی ہے۔“ پس جو لوگ کہ قومی تربیت یا قومی ترقی کے فوائد میں اُن کا سب سے

بڑا کام ہی ہے کہ لڑکوں کی تربیت کے لیے عمدہ انتظام کریں جن سے بہکواہینہ کی ہوسودی کی توقع ہے ورنہ ہم پر ہی مثل صادق آوے گی کہ میاں کہیں بڑھے طوطے بھی پڑھے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تربیت اطفال کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے اور بڑا سبب اُن کی حالت کے تباہ ہونے اور اولاد کے نالایق رہنے یا آوارہ ہو جانے کا یہی ہے۔ ہم اُن حالتوں کا ذکر نہیں کرتے جن میں اطفال آوارہ اور خراب ہو جاتے ہیں کیونکہ اُسکو تو سب بڑا جانتے ہیں بلکہ ہم اُس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس میں غلطی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد نے خوبت بہت پائی ہے غلطی اس لیے ہے کہ حقیقت میں وہ تربیت عمدہ تربیت نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اُن کو کچھ لیاقت نہیں آتی اور اُن کے دل میں اخلاقی فیضی اور طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی نہیں ہوتی۔ تمام قوا جو اُن میں خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں سب پژمرہ اور ناکارہ رہ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن میں وہ قوا جن سے انسان اپنے کسی زمانہ عمر میں نام آور اور دل چلا اور عالی حوصلہ غیرت والا ہوتا ہے باقی نہیں رہتے۔

مسلمانوں میں اگر کسی شخص کی اولاد عوام الناس کے لونڈوں میں کھیل کود سے بچے اور اپنے ہی بچوں میں رہے اور اپنے یا اپنے ہمسرہ خاندان کی صحبت اٹھائے اور روزانہ بٹھینا اور ٹھیک کر سلام کرنا یا عین کو ٹھیک اُس کے مخرج سے نکال کر سلام و علیک کرنا اور ماتھے جوڑ کر مزاج شریف پوچھنا سیکھ جاوے تو نہایت سعادت مند اور تربیت یافتہ گنا جاتا ہے اور جب اُس کے ساتھ اُسکو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو اور کسی میاں جی یا ملا سے پڑھنا بھی ہو تو وہ تو تربیت کے کنگورہ پر پہنچا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اگر بخت و اتفاق سے اُس نے دو چار کتابیں زیادہ پڑھ لیں اور صد رشمس باز غم پڑھنے لگے تو پھر تو با واجان بچھو لے بھی نہیں سہاتے اور لڑکے کامیاں مولوی اور میاں فاضل محمد کے سوا اُور کوئی نام ہی نہیں لیتے اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ چند قصبات مذہبی نے اُن کا کلا گھونٹا اور نماز پڑھ کر ماتھے پر سیاہ گٹا ڈال لیا اور دو چار فقہ حدیث کی کتابیں پڑھ لیں اور مسئلہ مسائل بھگارتے لگے پھر تو وہ عرش سے بھی آگے بڑھ گئے اور شبلی و ضحیٰ کو بھی پڑھانے لگے۔

مکرم صفت اتنا ہی جتنا کہ بیان ہوا کافی نہیں ہے بلکہ مفید تربیت ہونے کے لیے اور بہت کچھ ہونا چاہیے پس اگر غور سے دیکھا جاوے اور انصاف کیا جاوے تو یہ تربیت کچھ تربیت نہیں ہے ایسی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں کے خیالات مثل جانوروں کے خیالات کے محدود

ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی ترقی کا مادہ اُن میں نہیں رہتا اُن کی حرکات مودبانہ صرف ایسے بندر کی سی حرکات ہوتی ہیں جس کو سلام کہنا اور ادب سے بیٹھنا اور کھڑے رہنا سکھایا ہو اُن حرکات میں اُن اخلاقی اوصاف کا جن سے از خود حرکات انسانی بلا تصنع قدرتی ادب و اخلاق کے مقتضی پر ہوتی ہیں کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ انسان میں جو ایک مہذب دلیری اور مودب بہادری اور مدوح خودداری ہونی چاہیے جسکو مختصر لفظ غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے ادب سکھانے سے باقی نہیں رہتی اُسکی طبیعت بوجہ اس کے کہ بلند ہونے پر مائل ہو پست ہونے پر رجوع کرتی ہے جس کا بد اثر اُسکی آئندہ عمر میں ظاہر ہوتا ہے پڑھنا لکھنا آجانے سے اور منطقی یا فلسفی ہو جانے سے کامل تربیت خیال نہ کر لینی چاہیے قطع نظر اسکے کہ علوم مفید کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتے صرف پڑھ لکھ لینے سے تربیت کامل نہیں ہو جاتی بہت سے پڑھے لکھے ایسے موجود ہیں جو بلحاظ تربیت کے محض ایک کندہ ناتراش ہونے سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس تربیت کامل کے لیے جیسا کہ علوم مفیدہ کا پڑھنا شرط ہے جیسا ہی اسکے ساتھ لڑکے کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت پر بسر ہونا ضرور ہے جس سے روز بروز اُسکے خیالات کو وسوسہ ہوتی جاوے اُس کی اُمنگ بڑھتی جاوے اُس کے قوا شگفتہ و شاداب رہیں غریب جو ایک بٹا جو ہر انسان کا ہے اور بُرائیوں سے بچانے کے لیے نہایت عمدہ اور سچا محافظ ہے ہمیشہ ترقی پر رہے۔ ظاہری اخلاق اور مودبانہ حرکات اور اپرشل روغن قاز کے نہ لگائے جاویں بلکہ مثل حشر پشیر کے خود اند سے نکلیں۔ نماز و روزہ اور کتب مذہبی کا پڑھنا فی نفسہ نہایت عمدہ چیز ہے مگر جب اُس کی تعلیم ایسے بد طریقے سے ہوتی ہے جیسے کہ مسلمانوں میں مروج ہے اُس سے بجز اسکے کہ بد تعصبات بڑھ جاویں اور بوجہ نیکی اور نیک لی کے صفات ذمیرہ ترقی پکڑیں اور مثل کانٹے دار سخت پست کے دل کو گھیر لیں جس میں نیکی اور رحم اور رقت اور ہمدردی سچائی اور راست بازی مطلق اثر کرنے نہ پائے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا ایسا تربیت یافتہ شخص بجائے اسکے کہ فخر اسلام ہونا تنگ اسلام ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو جہاں اپنی اولاد کی تعلیم کی فکر ہونی چاہیے اُسی کے ساتھ اس بات کی بھی بہت بڑی فکر لازم ہے کہ زمانہ تربیت اور تحصیل علم میں لڑکوں کی زندگی بسر کرنے کی کیا تدبیر کرنی چاہیے جس سے مفاد مذکورہ پنجوب ترین وجوہ حاصل ہوں +

کچھ خفا ہونے کی بات نہیں ہے ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہیے کہ مذہبی تعلیم اور پند و نصائح کا

اثر خفّیہ پر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہش پر بھی اُس کا اثر ہو اور اس لیے راست باز اور مستقیم اور پرہیزگار عالی مرتبت متعقل مزاج اور رنج و مصیبت میں ثابت قدم ہونے کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ لڑکوں کا دل اور اُن کی طبیعت ان صفات پر بخوبی حاوی ہو جائے ورنہ تمام پسند و نسیاخ اور نماز و روزہ نقش بر آب ہوتا ہے اور نہایت جلد سببیں فتور آجاتا ہے اور تمام زندگی کی اُسیدیں اور ہبودیاں جاتی رہتی ہیں اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ اُن سے کہا گیا ہے تجھے نہیں دیا کہ فلانی چیز حقیقت عمدہ ہے اور ہر چیز کی قدر صرف اُسکی عمدگی ہی پر منحصر ہے +

اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کا فرض مقدم اُن کے بابا پر ہے مگر حبیبی تعلیم کہ مطلوب ہے وہ بغیر اس کے کہ تمام قوم آپس میں متفق ہو کر اُسکو قائم نہ کرے ممکن نہیں ہے اور اس لیے وہ فرض تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ ایسے سامان تعلیم کے موجود نہ ہونے سے تمام قوم گنہگار اور شرمسار ہے اور اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اب لوگ ہوشیار ہوں گے اور اس فرض کفایہ کے پورا کرنے پر جو سبب ضرورت و حاجت شدید کے رتبہ میں فرض عین سے زیادہ بڑھ گیا ہے توجہ فرماویں گے۔ واللہ ولی التوفیق وهو حبیبی ونعم الرفیق +

غلامی

آزادی اور غلامی آپس میں ایسی تقیض ہیں کہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے نہ دونوں کا اتقاق اور اس لیے یہ دونوں داخل مرضی پروردگار نہیں ہو سکتیں ورنہ خود پروردگار کی مرضی میں تناقض لازم آویگا جو اُسکی حکمت بانو کے شایاں نہیں ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگی یا یوں کہو کہ قانون قدرت دو تقیضوں کا متقاضی نہیں ہو سکتا اور اس لیے اُن میں سے ایک ہی مقتضائے قانون قدرت ہوگی +

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے اُسکو تمام قوائے ظاہری و باطنی دیئے گئے ہیں۔ اُن کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔ تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور اُن کے انجام کی سوچ اُسکو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے اُسکی فطرت

ایسی ہے کہ اپنے لیے آپ تمام چیزیں ہٹا کر لینے کے لیے حاجت مند ہے پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس پتے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ تپلا خود اپنا آپ مانگ رہے ہے۔

صانع نے یہ تمام قوے جو انسان کو عطا فرمائے ہیں اُن سے اُس کی مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام قوی انسان میں اس طرح پرشگفتہ و شاداب رہیں کہ اعتدال سے خارج نہ ہونے پاویں اور ایک دوسرے کی تعیض نہ ہو جاویں۔ انسان کی ذاتی محنت اُسی کے لیے سود مند ہو۔ غلامی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوے جو محض شگفتہ و زور تازہ رہنے کے لیے ضروری بلکہ محض معطل و بیکار ہو جانے ہیں اُسکی محنت اُسکی سود مندی کے لیے نہیں رہتی۔ پس کسی طرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہو سکتی۔

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا ہے اور جس کا نام لوگ روح لیتے ہیں مگر اُس کی حقیقت کچھ نہیں بتا سکتے ایسی شریف چیز ہے کہ کسی کی مملوک ہونے کی لیاقت ہی نہیں کھنٹی کیا نتائج قانون قدرت یا خدا کی روح یا امر رب کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے؟ کیا ہم سی ہی ایک مخلوق ہماری ملکیت میں آ سکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ پس صاف عیاں ہے کہ غلامی اُس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔ تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا ہوئے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ زندگی اور آزادی اور خوشی حاصل کرنے میں یکساں اور غیر قابل انتقال استحقاق رکھتے ہیں۔

مگر انسان کی بد بختی سے کوئی نسل اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ غلامی کی مصیبت انسانوں میں نہ رہی ہو۔ بہت عقلمند اور دانا اور حکیم گذرے۔ بہت سے صاحب شریعت گذرے مگر ہر ایک کے اُذر کسی نے اس قانون قدرت کے مخالف کا کچھ تدارک نہ کیا۔ یسوی صلوٰۃ اللہ علیہ نے اسکو جائز ہی رکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ یونانی حکیموں نے اذروئے اصول خلاق کے حالت غلامی کی نسبت کوئی اعتراض ہی نہیں سمجھا۔ ارسطو باوصف اس دانا کی کہ سمجھا کہ خود خدا نے انسان کو آزادی اور غلامی میں تقسیم کیا ہے وہ سمجھتا تھا کہ جن لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے وہ ایک قسم سی جُدا ہے۔ اول تو یہ سمجھ ہی اُس بڑے حکیم کی جو ہر طرح ہمارے ادب کے لائق ہے غلط تھی اور سوائے اسکے اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلامی کسی خاص قوم پر مخصوص نہیں ہو سکتی۔ فلاطون

اُس سے بھی زیادہ غلطی میں گرا۔ جب اُس نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ ہونے چاہئیں زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اُس ایک فیاض شخص کا اصول منقرض جس نے آئینہ کی غلامی کی جڑ کو کاٹا اور غلاموں کی حالت کو سنوارا اور جہاں تک ممکن ہو اُن کو آزادی کا صلعت پہنایا۔ ایسا غفلت میں پڑا کہ بہت ہی کم اُس پر خیال ہوا۔ پس ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مضمون کی اصلیت پر بموجب مذہب اسلام کے کچھ تحقیق و تدقیق کریں مگر قبل اس کے ہم چاہتے ہیں کہ اس آرٹیکل میں غلامی کا کچھ مختصر حال بیان کریں کہ کس کس طرح پر اور کن کن قوموں میں رائج تھی اور کیسی کیسی بے رحمیاں اُن کی نسبت ہوتی تھیں۔

غلامی کا رواج ایسا پُرانا معلوم ہوتا ہے جس کا زمانہ انسان کی یاد سے باہر ہے۔ غالباً تو اس کے دنیا کے شروع ہی سے غلامی پیدا ہوئی تھی۔ اصلیت شروع غلامی کی صرف یہی پائی جاتی ہے کہ وحشی قوموں نے اپنے قیدیوں کو بجائے مار ڈالنے کے غلامی کی حالت میں رکھنا زیادہ مفید سمجھا اور اس سبب دو طریق غلامی کے رائج ہوئے۔ ایک وہ جو لڑائی میں لوگ قیدی ہوتے تھے اور طریقہ طریق جائز اور بے عیب اور گویا قانوناً جائز سمجھا جاتا تھا۔ تمام قوموں نے اپنی تہذیب شائستگی کے زمانہ میں بھی اُسکو صحیح سمجھا تھا۔ دوسرے وہ قیدی جو دغا و فریب سے یا زد و سی سے قید جاتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی ویسا ہی طریقہ برتا جاتا تھا جیسا کہ جائز غلاموں کے ساتھ۔ اُس کے بعد رفتہ رفتہ اور متعدد طریقے غلامی کے مختلف قوموں میں پیدا ہوتے گئے۔

تمام مشرقی قومیں جن کا حال اب کو معلوم ہے غلام رکھتی تھیں۔ یہودیوں کے ہاں غلامی قانوناً جائز تھی۔ ایرانی بھی بموجب اپنے قانون کے غلام رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں صرف دوسری ہی قوم کے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی غلام بناتے تھے۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ مجلس مقروض اپنے تئیں بطور غلام کے بیچا لے لے لے لے۔ چور بطور غلام کے رہتے تھے۔ البتہ نسبت غیر قوم کے غلاموں کے اُن کی نسبت قانون فی الجملہ نرم تھا سات برس بعد بمقام غلام آزاد ہو جاتے تھے اور ہر چار سو برس عام طور پر بمقام غلام آزاد کیے جاتے تھے۔

یونانیوں میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی۔ وہاں ایک قوم وہاں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھی جو اپنے آفاقی زمین کاشت کر کر اُس کو لگان بنی تھی اور لڑائی کے وقت اپنے

آقا کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایک قسم غلاموں کی یونان میں ایسی بھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے ملک میں فروخت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ اپنے عیال و اطفال سے جدا کی جاتی تھی بلکہ صحیح جاہل و پیداکر لئے کے بھی قابل سمجھی جاتی تھی اور وحشی غلام جو بذریعہ خرید حاصل ہوتے تھے وہ تو مثل اور جاہلوں کے تھے کہ جب اور جہاں چاہو چپ ڈالو۔ ان سے محنت مزدوری کر دینی جاتی تھی۔ کانیں کھدوائی جاتی تھیں اور ان کی اجرت اور منفعت ان کے آقا ہیہتے تھے۔ ان غلاموں کی جواداد ہوتی تھی وہ بھی غلام ہوتی تھی۔ تھریشیا کے لوگوں کی ایسی بد بختی تھی کہ خود اپنی اولاد کو بیچتے تھے۔ ایتھنز میں غلاموں کی حالت اور ملکوں سے اچھی تھی یہاں تک کہ قول ہے کہ بمقابلہ اور ملکوں کی آزادیوں کے ایتھنز کی غلامی کی حالت اچھی ہے۔ رومیوں میں بھی غلامی تھی۔ مگر ان کی سمجھ سب سے عمدہ تھی۔ رومی عقیدت سمجھتے تھے کہ خدا کا نام سب کو آزاد بنایا ہے اور غلامی قانون خالق کے برخلاف ہے مگر صرف ملکی قانون کے مطابق وہ غلامی کو جائز رکھتے تھے اور اس لیے ان لوگوں کو جو رومی میں قید ہوتے تھے اور ان آزاد شخصوں کو جو خود اپنے آپ کو بیچ ڈالتے تھے غلام سمجھتے تھے۔ آقا کا اختیار غلام کو مار ڈالنے یا قتل کرنے کا نامحدود تھا۔ ضعیف و ناکارہ غلام ٹائیبر کے جزیرہ میں فائدہ بخشی کرتے کرتے مر جانے کے لیے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ سلطنت کے قوانین نے ان بی رحمیوں کی کسی قدر روک تھام کی تھی۔ یہ قانون تھا کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بلا سبب قتل کر دالے تو اس کے ساتھ ساتھ پھانسی پیش آیا جاوے کہ گویا اس نے دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالا ہے۔ اگر کوئی آقا اپنے غلام پر بہت سخت بے رعیاں کیا کرتا تھا تو آقا اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسکو بیچ ڈالے۔ گلاڈیس کے قانون کے مطابق غلام کا مار ڈالنا بمنزلہ قتل کے متصور ہوتا تھا۔ غلام جب بیچے جاتے تھے تو ماں باپ لڑکے بھائی بہن جدا نہ کیے جاتے تھے۔ غلاموں کو شادی کرنے کا احتیاء نہ تھا اور ان کے اور ان کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دینا جرم تھا۔ ان کے آزاد کرنے کے بھی بہت سے طریقے تھے جو از روئے قانون کے معین اور محدود کیے گئے تھے۔

رومیوں کے ہاں ابتدا میں غلام بہت کم تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کی بہت کثرت ہو گئی تھی۔ کُل کاشتکاری غلاموں کے ذریعے ہوتی تھی سلطنت جمہوری کے زمانہ میں جو روم میں تھی ذمی مقدار لوگ نہایت کثرت سے غلام رکھتے تھے اور جس قدر زیادہ غلام ہوں اسی قدر شرف و شوکت

زیادہ تصور ہوتی تھی۔ ایک شخص کے پاس دو سو غلاموں کا ہونا ایسی بات نہ تھی کہ لوگ اسکو معمولی بات سے کچھ زیادہ سمجھیں۔

ابتداء میں غلام کوئی جائیداد پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ جو کچھ وہ پیدا کرتا تھا سب کچھ اُس کے ہتھالی ملک ہوتا تھا لیکن جب غلام تجارت کے کاموں میں مصروف ہونے لگے تو کچھ حصہ منافع میں سے اُن کا خاص سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور بعض دفعہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جب وہ سرمایہ اس قدر روپیہ تک پہنچ جاوے گا تو غلام آزاد ہو جاوے گا۔

ہندوؤں میں بھی دھرم شاستر کے بموجب غلامی جائز تھی اور مفصل ذیل صورتوں میں ایک انسان دوسرے انسان کا غلام ہو جاتا تھا۔ لڑائی میں قید ہونے سے۔ خود اپنے تئیں کسی کا غلام ببعض روپیہ کے یا قحط سالی میں ببعض نان و نفقہ دینے کے یا اور کسی سبب بنادینے سے۔ ببعض زر قرضہ یا کسی جرم کی سزا میں غلام ہو جانے سے۔ ماں باپ کا اپنی اولاد کو بیچ دینے سے۔ اولاد غلاموں کی بھی غلام ہوتی تھی۔ غلاموں کا بیچ اور ہبہ کے ذریعہ سے انتقال ہوتا تھا اور روز انتقال سے منتقل لیس کی غلامی میں آ جاتا تھا۔

دھرم شاستر کی رو سے غلام مثل مویشی کے اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اور اُسکو حقیر نام مہنی دوپائی مویشی دیا گیا ہے۔ دھرم شاستر میں کوئی حکم غلام کی نسبت ایسا نہیں ہے جس کے ذریعہ سے وہ جرم آقا کے تشدد و بد سلوکی سے محفوظ رہے اور نہ اُس میں آقا کے اختیار کی جو اُسکو غلام پر ہو کچھ تصریح ہے۔

کوئی حق ملکیت دھرم شاستر کی رو سے غلام کو حاصل نہیں ہے۔ اُس کا مال مکسوبہ بھی اُس کا حق نہیں ہے۔ دھرم شاستر میں بجز آقا کی خوشی کے اور کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے غلام کو آزادی حاصل ہو سکے۔ الا اگر اُس نے آقا کی جان بچائی ہو تو وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی آزادی کی درخواست کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اگر آقا سے لڑائی کے اولاد پیدا ہو اور کوئی صحیح النسب اولاد نہ ہو تو دونوں آزاد ہو جاتے ہیں یا جو سبب غلامی کا ہے وہ نہ رہے تو غلام آزاد ہوتا ہے۔

ایک دوسری قسم غلاموں کی دھرم شاستر کے بموجب عبید الارض ہیں یعنی جو کاشت اراضی سے تعلق حق موروثی کا رکھتے ہیں اس قسم کے غلاموں سے احکام جائیداد غیر منقولہ کے متعلق ہیں یعنی اُن غلاموں پر جو کاشتکاری کے کام کے لئے ہوں باپ اور بیٹے کو یکساں

اختیار حاصل ہے۔

مذہب اسلام کے پیروں کا بلاشبہ حق تھا کہ وہ غلامی کا نام نشان دنیا میں باقی رکھنے اور غلاموں کی آزادی کا فرمان جیسا کہ اصول مذہب اسلام سے پایا جاتا ہے دنیا میں جاری کرتے مگر افسوس ہے کہ وہ سب سے زیادہ اندھیرے میں پڑے اور باوجودیکہ اس زمانہ میں تمام ملک روشن ہو گئے ہیں مگر اسلامی عملداریاں اب تک اسی تاریکی اور اندھیرے میں ہیں۔

اگرچہ عیسائی مذہب نے کچھ بھلائی غلاموں کے حق میں نہیں کی تھی مگر بلاشبہ عیسائیوں نے ان کے حال پر رحم کیا اور یہ نیکی اور بلند نامی انھوں ہی نے حاصل کی جہتیں غلاموں کے رفتہ رفتہ آزاد ہو جانے میں بڑی کوشش کی۔ عیسائیوں ہی نے ان آقاؤں کو جو اپنے غلاموں کو بے اطلاع حاکم مار ڈالتے تھے ملعون قرار دیا مگر اس زمانہ میں یہ آفت ترک نہ سکی اور وحشی حملہ کرنے والے بہت سے غلام اپنے ساتھ لائے جو اکثر سلیوینن قیدی تھے اور جس سے انگریزی لفظ سلیو بمعنی غلام نکلا ہے۔ تھوڑے زمانہ بعد تمام یورپ میں ایک قسم کی غلامی مروج تھی جو سرف کے نام سے کہلاتی تھی۔ سلیو اور سرف میں یہ فرق تھا کہ سلیو کو آفات و سختی بھی کر سکتا تھا مگر سرف جسے سرف معین کام لینے کا حق رکھتا تھا۔

جبکہ نئی دنیا یعنی امریکہ دریافت ہوئی تو عیسائی قوموں میں غلامی کے معاملہ کی بڑی گرم بڑائی ہوئی۔ امریکہ کے قدیم باشندے کمزور تھے اور جن شکل اور محنت کے کاموں کی وہ حاجت مانتے اس کے قابل نہ تھے۔ اس لیے پورچگینز والوں نے جن کے قبضہ میں بہت بڑا حصہ افریقہ کا تھا وہاں سے حبشیوں کو لیجا نا شروع کیا۔ لاس سیس صاحب پیپا کے بشپ نے امریکہ کے باشندوں کو لائق محنت کانوں کے کھودنے کے نہ دیکھ کر کنگ چارلس بادشاہ انگلنڈ سے درخواست کی کہ ان کے بدلے حبشی غلام کام کرنے کو دیئے جاویں کیونکہ وہ مضبوط اور توانا ہیں چنانچہ اس بادشاہ نے شائد میں حبشی غلاموں کے لائے جانے کا حکم دیا۔ انگریزوں میں یہ پہلے جس نے غلاموں کی تجارت شروع کی وہ سر جان ہاکنس تھے جن کا نام غلامی کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا جاوے گا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں انہیں بہت سے لوگ ان کے ساتھ غلاموں کی تجارت میں شریک ہو گئے۔ انگلستان نے شائد سے نفایت شائد کے تین لاکھ غلام افریقہ سے حاصل کیئے اور اس کے بعد نفایت شائد صرف چالیس چھ لاکھ دس ہزار غلام

میں نے تجارت غلاموں کی ایسی بے رحمی سے ہوتی تھی جس کا حال سن کر تعجب آتا ہے۔ جہاز میں نہایت بے اعتنائی سے شامل کمبریوں اور بیہوشوں کے بھرے جاتے تھے اور امریکہ پہنچنے کے بعد بھی کچھ ان کی حفاظت نہ ہوتی تھی مگر جہاں انگریزوں کی عملداری تھی وہاں غلاموں کی حالت کسی قدر بہتر تھی ان کی فریادوں کے لیے عدالتیں مقرر تھیں۔ عورتوں کو کوڑے مارنے کی باطل ممانعت تھی مگر یہ بات پوچھنے کے قابل ہے کہ جس زمانہ میں امریکہ میں جہاں انگریزی عملداری تھی قوانین مذکورہ بالا غلاموں کی نسبت جاری تھے۔ اُس زمانہ میں انگریزوں کی نسبت غلامی کے کیا قانون تھا۔ اُسی زمانہ یعنی ۱۷۸۷ء میں مقدمہ غلامی سمی سرسٹنٹ جج ہولٹ ان میں چلا آیا تھا پیش ہوا۔ اُس میں یہ تجویز ہوئی کہ انگریزی زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی غلام آزاد ہو جاتا ہے گو کہ بعد واپس جائے اُس غلام کے غلامی کے ملک میں اُس کا آقا پھر اس پر دعویٰ کر سکتا ہے۔

حکومت میں ایک سیر سے انگریز دوست نے مجھ سے کہا کہ صرف ہماری قوم ہی کو آزادی کا حق نہیں ہے بلکہ ہماری زمین کو بھی یہ افتخار ہے اس لیے کہ جو شخص ہماری زمین پر قدم رکھتا ہے گو وہ کسی غلام ہی کیوں نہ ہو اُسی قیمت سے آزاد ہے۔ اُس کے اس کہنے نے میرے دل پر نہایت اثر کیا اور میں نے کہا کہ بلاشبہ مکہ اور تنحاری زمین کو یہ بڑی عزت ہے جو خدا نے دی ہے۔

اُسی زمانہ میں جیمز اونیکے ل اور انسان کی بھلائی چاہنے والے لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ غلاموں کی تجارت کی موقوفی پر کوشش کرنی چاہیے چنانچہ ۱۷۸۷ء میں ایک سو ساٹھ واسطے موقوفی غلاموں کی تجارت کے لندن میں قائم ہوئی۔ اُس کے ابتدائی ممبر ڈبلیو ڈولون صاحب اور طامسن کلرک صاحب اور گریونل شارپ صاحب تھے جنکی نیکی نامی ہمیشہ یاد رہیگی۔ اس معاملہ میں سب سے زیادہ پرجوش اور نہایت مستعدی سے رائے دینے والے اور گفتگو کرنے والے ولیم ولبر فور صاحب تھے جن کی تائید ولیم پت وزیر مملکت کی جانب سے ہمیشہ ہوتی تھی۔ غرض کہ شدہ شدہ ان انسان کی بھلائی چاہنے والوں کی بدولت فوراً ۱۷۸۸ء میں مملکت انگلستان نے حکم دیا کہ بذریعہ کمیٹی بریوی کونسل نسبت تجارت غلاموں کے تحقیقات کیا جائے اور ایک قانون بنایا گیا جس سے جہازیں بے انتہا غلاموں کے بھرنے کی کچھ صلاح ہوئی بڑی قیمت پر یہ ہوئی کہ ولبر فور صاحب نے جو سودہ قانون کا اس طلب سے بنایا تھا کہ

آئینہ و سے تجارت غلاموں کی موقوف ہو وہ سودہ سالہ ع میں کم ہو گیا۔ اسی اثنا میں گریزوں سے بچ پر فتح پائی اور غلاموں کی تجارت نے پھر افزائش پکڑی۔ مگر شہ ۱۸۰۶ء میں کونسل سے ایک حکم مشعر استیلاع تجارت اُن فتوحہ نوآبادیوں میں جاری ہوا اور پھر شہ ۱۸۰۶ء میں ایک قانون بنایا گیا کہ انگریزی رعایا کسی طرح غلاموں کی تجارت میں شریک نہ ہو اور اسی سال شرفا کس صاحب نے ایک رزلویشن ہو س آفٹ کامنز میں پیش کیا اور وہ جاری بھی ہو گیا کہ آئینہ سے کہیئے غلاموں کی تجارت موقوف ہو۔ لارڈ گرینول صاحب کی تحریک سے ہو س آف لارڈ نے اُس رزلویشن کو منظور کیا اور انگلڈ نے اس فیاضانہ اور چھانہ بلکہ انسانیت کے کلام میں بلند نامی حاصل کی۔

اُس کے بعد دوسرے ہی سال میں یعنی سنہ ۱۸۰۷ء میں لارڈ مالک صاحب نے جو بعد کو آرل گرے ہوئے ایک سودہ قانون ہو س آفٹ کامنز میں پیش کیا کہ یکم جنوری شہ ۱۸۰۸ء کے بعد غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف ہو۔ دونوں ہو س آفٹ کامنز اور ہو س آف لارڈ نے اس قانون کو پسند کیا اور پچیسویں مارچ شہ ۱۸۰۸ء کو اُس قانون کی نسبت شاہی منظوری حاصل ہوئی۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ جس ٹکڑہ زمین پر ایسے فیاض اور عالی مرتبت لوگ رہتے تھے جنہوں نے اس رسم بد کی موقوفی پر بے انتہا کوششیں کیں اُن کمبینہ طبیعت کے لوگ بھی موجود تھے اور انھوں نے غلاموں کی تجارت کو نہ چھوڑا اور اسپین اور پورٹو گیک کے جھنڈوں کی آڑ میں اُن کی تجارت کرتے تھے اور پھر شہ ۱۸۰۸ء سے غلام جہازوں میں بھرنے لگے اور جب کوئی جہاز اُن کی تلاشی کو جاتا تو حبشی غلاموں کو جہاز پر سے دریا میں پھینک دیتے تھے اور جو حین ہر کہ اُس قانون میں غلاموں کی خرید و فروخت کرنے پر تھا وہ اس رسم بد کے بند کرنے کو کافی نہ تھا اس لئے فیاض دل اور انسان دوست بلکہ انسانیت منجم مشر بروہم صاحب نے شہ ۱۸۰۸ء میں ایک سودہ قانون پیش کیا جو بالاتفاق سب کے منظور ہو گیا اور جس میں یہ بات قرار پائی کہ تجارت غلاموں کی جرم کبیرہ ہے جس کی سزا چوہ برس کی قید مع جلا وطنی یا تین برس سے پانچ برس تک کی قید مرثقت شادہ دی جاوے گی۔

شہ ۱۸۰۸ء میں ایک انڈا ایکٹ جاری ہوا جس میں غلاموں کی تجارت بحری ڈوکیٹی قرار پایا جو نہایت سنگین جرم ہے اور پھر شہ ۱۸۰۸ء میں اُسکی ترمیم ایک ضابطہ نو جداری کے نفاذ سے ہوئی

اور تجارت غلامی کی سزا جس دوام مع جلا وطنی قرار دی گئی ۛ

ان بڑی کوششوں کے بعد انگریزوں کی عہداری میں سے غلاموں کی تجارت اٹھ گئی اور اسی کے ساتھ امریکہ کے یونیٹڈ اسٹیٹ سے بھی موقوف ہوئی اور رفتہ رفتہ جنوبی امریکہ کی جمہوری سلطنت مقام و نزول و چلی و بونس ایرز اور سویٹین اور ڈنمارک اور نائنڈس بھی موقوف ہوئی۔ انگریزوں کی اس فیاضی کو دیکھ کر یورپ کی اور سلطنتوں کو بھی اس بد تجارت کے اٹھانے کی ترغیب ہوئی اور اس کے لیے قانون بنائے گئے اور عہد نامے کیے گئے چنانچہ ۱۸۵۵ء و ۱۸۵۶ء میں پورچوگیز اور اسپین کی سلطنت نے بھی اسپرانیسی رضا مندی ظاہر کی اور ۱۸۶۲ء میں بریزل نے قبول کیا کہ بعد ۱۸۵۰ء کے اگر غلاموں کی تجارت اس ملک میں ہو تو ڈکستنی بحری کا جرم سمجھا جاوے اور ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۲ء میں جو عہد نامہ فرانس سے ہوا اور جس کو قریباً کل یورپ کی بحری سلطنتوں نے منظور کر لیا اس سے استحقاق مند ری میں جہازوں کی تلاشی کا واسطے بند کرنے غلامی کی تجارت کے حائل ہو اور پھر کنٹینٹل عہد نامہ کے مطابق جو ۱۸۵۲ء میں ہوا اس عہد نامہ کو یورپ کی پانچ اعلیٰ سلطنتوں میں وسست دی گئی پھر آسٹریا کے عہد نامہ سے جو ۱۸۶۲ء میں یونیٹڈ اسٹیٹ سے ہوا کچھ فوج مشترکہ افریقہ کے کنارہ پر واسطے سو قونی تجارت غلاموں کے قائم ہوئی پھر ۱۸۵۰ء میں فوج مشترکہ انگلستان اور فرانس کو استحقاق تلاشی غلامان حاصل ہوا ۛ

فیاض اور عالیجوصلہ اور نیکی ل انگریزوں کو یہ خیال بھی تھا کہ موجودہ غلام بھی آزاد کیلے جاویں۔ اس بات کے لیے سوسائٹیاں بھی بنیں اور ہوس آف کامنز میں بحث بھی ہوا کی۔ آخر کار ۱۸۳۳ء میں سٹراسٹینلی صاحب نے جو اس زمانہ میں نو آبادیوں کے وزیر تھے غلاموں کی آزادی کے لیے قانون کا مسودہ پیش کیا اور ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز میں منظور ہوا اور ۲۸ - اگست ۱۸۳۳ء کو بادشاہی منظوری حاصل ہوئی اور بیس کروڑ پونڈ یعنی دو پدم روپے غلاموں کے مالکوں کو بطور معاوضہ نقد مان دیا گیا۔ مگر خیال کرنا چاہیے کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا یہ روپیہ اسی ملک کی رعایا نے دیا تھا جس ملک کو ہم کہتے ہیں کہ تہذیب شائستگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا ۱۸۴۸ء میں فرینچ نے بھی اپنے حبشی غلاموں کو آزاد کر دیا اور ۱۸۶۳ء میں برطانیہ کے غلام آزاد ہوئے اور شمالی اور جنوبی امریکہ میں جو لڑائی غلاموں کی آزادی کے لیے ہوئی وہ ابھی تک دنیا کی آنکھوں سے مخونیں ہوئی ہے ۛ

انگریزوں کی کوششیں جو غلامی کے بند کرنے میں ہوئیں ان کے ہم دل سے شاخاں
 میں اور اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی انگلش گورنمنٹ نے غلاموں کی
 تجارت بالکل موقوف کر دی اور برہہ فروشی بھی بند ہوئی مگر ہم دل سے گورنمنٹ کی کارروائی کی
 جو ہندوستان میں غلامی کی نسبت ہوئی ہے شاخاں نہیں ہیں۔ ہیکوٹن غالب ہے کہ
 ہندوستان میں درمیان ہندوستانی غلاماریوں کے برہہ فروشی جاری ہے اور گورنمنٹ
 کچھ کافی تدبیر اس کے لیے نہیں کرتی۔ بعض دفعہ ہیکوٹن انگریزی غلاماری میں برہہ فروشی
 ہونے یا لونڈی اور غلام لانے کا شبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ کم سببوں کے ہاں نئی نئی پوپل
 کا اور ہجڑوں کے ہاں نئے نئے چلیوں کا اور نوابوں کے ہاں نئے نئے خواجہ سرلوں کا
 آنا سنتے ہیں ہم دل سے کہتے ہیں کہ ان سب باتوں کا گناہ اب تک انگریزی گورنمنٹ کے
 سر پر ہے موجودہ قانون ان امور ات کے تدارک کے لیے کافی نہیں ہیں مگر امید ہے کہ کسی دن یہ
 رسم بد ہندوستان سے بالکل موقوف ہوگی۔

یہ سب تو ہم نے کہا مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمان گورنمنٹوں نے اس باب میں کیا عہد
 کیا ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں دین و دنیا دونوں کا خیر ان مسلمان گورنمنٹوں
 کو نصیب ہے۔ اب جب مسلمان گورنمنٹوں کے آؤ کہیں غلاموں کی تجارت جاری نہیں
 ہے ہم نے جو دین و دنیا دونوں کا خیر ان مسلمان گورنمنٹوں کی نسبت منسوب کیا اسکی وجہ
 یہ ہے کہ مذہب اسلام کے مطابق غلاموں کی تجارت اور برہہ فروشی جائز نہیں ہے۔ اب تک
 یہ گناہ ہے اور دوسرا گناہ عظیم یہ ہے کہ غیر قومیں اسلام پر طعنہ مارتی ہیں اور حقارت کی نظر سے
 دیکھتی ہیں کیونکہ وہ ان مسلمان گورنمنٹوں کے افعال سے یہ غلط نتیجہ نکالتی ہیں کہ مسلمان مذہب
 میں یہ باتیں جائز ہیں۔ سلطان روم نے درباب بند کرنے تجارت غلاموں کے کوشش
 کی ہے اور جہاں تک کراں کی غلاماری یورپ کے ٹکڑے میں ہے وہاں بھی قدرہ کوشش
 ٹوٹ بھی ہوئی ہے مگر اس کے سوا کچھ کارگر نہیں ہوئی۔ کیا افسوس اور شرمندگی کی بات ہے جب
 یہ کہا جاتا ہے کہ عربیں گائے بیل کی مانند نہایت بے رحمی سے لونڈی غلام بازار میں بکتے
 ہیں۔ دیکھو غلط اوام مذہبی میں پڑنا اور بیجا رسم کی تقلید کرنا انسان کو ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ
 سلطان سے ایسی قسم بیج کا جس کے ناجائز اور خلاف شرع ہونے پر علماء اور قصات پای تخت
 نے فتویٰ بھی دیا ہے کچھ انتظام نہیں ہو سکتا اور اس فعل ناشائستہ سے ہمیں جو ذلت اور

تخارت اور وحشی اور نصف وحشی کا لقب ہے۔ وہ تو خود ہی ظاہر ہے۔ پس مسلمان گوشتوں کو اس فعل کے سبب ہماری ملامت کرنا اور ضرر الدنیا والاخرۃ کہنا کچھ خلاف نہیں ہے۔ مگر مصر کا حال سن کر ہمارا دل تھوڑا سا خوش ہوتا ہے۔ ولیم مورڈسل صاحب جو نہایت نامی گرامی ہیں اپنے روزنامہ میں اسماعیل پاشا خدیو مصر کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے اس نیکی کے حاصل کرنے اور رسم بد کے موقوف کرنے میں بڑی کوشش کی ہے اور کسی قدر کامیاب بھی ہوا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو ہم بھی دل سے اسماعیل پاشا کی خیر مناتے ہیں اور دعا دیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں مگر ہم نے جو ٹھنڈے دل سے یہ دعا دی اُس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خود مصر میں دیکھا ہے کہ حبشی غلام خواجہ سرانہایت کثرت سے ہیں اور خود اسماعیل پاشا کے محل میں موجود ہیں۔ پس یہ کیا خدا کی دوہری لعنت یعنی ایک غلامی اور دوسرے خود کرنا مصر والوں کی سیاہ روی اور پورے وحشی ہونے کے لیے کم ہے۔ افسوس کہ ان ناخدا تر مسلمانوں نے اپنے افعال قبیحہ سے کیسے روشن مذہب سلام کو بدنام کیا ہے اور وعبہ لگایا ہے۔ سبحان اللہ جو فعل مغض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھا اُسی قسم کے لوگ یعنی خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اور خانہ کعبہ پر تعین کیئے گئے ہیں اور یہ بیٹے کے پھوٹے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ہیں اور اُس کے مخالف کو لاندہب یا کر شان بتاتے ہیں۔ فاعقبہ وایا اولی الاَبصار۔

اگرچہ مسٹر سل صاحب کی کتاب متعلق غلامی مصر پر چھ کر ہمارا دل خوش ہوا مگر جس لفظ نے ہمارے دل کو نہایت رنجیدہ کیا اُس کا بیان کرنا بھی بہکود ضرر ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں انھوں نے اسماعیل پاشا کے اس نیک کام کی تعریف لکھی ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے برخلاف اپنے مذہب ایمان کے یہ نیک کام کیا ہے۔ اس تحریر پر ہم کچھ مسٹر سل صاحب سے ناراض نہیں ہوئے انھوں نے ٹھیک لکھا ہے مگر ان کا فرض مسلمانوں سے ناراض ہوئے جنہوں نے اپنے افعال ناشائستہ کو ایسے طور پر رواج دیا ہے جس کے سبب غیر قویں اُن افعال کو مذہبی اور ایمانی افعال سمجھتی ہیں اور مذہب اسلام کو تخارت سے دیکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ تہذیب اور شایستگی اور انسانیت مذہب اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ پس ہم نے یہ مضمون ہی لکھ لیا ہے تاکہ ہم دکھائیں کہ مذہب اسلام نے غلاموں اور غلامی کی نسبت کیا کیا ہے اور کس طرح رحم اور انسانیت اور تہذیب کو اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم دوسرے

اُنکل میں جو غلامی لکھینگے اُس میں سب اسلام کے مطابق مضمون غلامی پر بحث کریں گے اور اسلام کی روشنی (مگر نہ زید و عمر کی) دنیا کی آنکھ میں دکھادیں گے۔ من اور دوست سید ارم و دیگران زید و عمر و راہ

عورتوں کے حقوق

تربیت یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مجھاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں بے اختیار توفیق کے مساوی ہیں اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جاوے۔ اگر تمثیلاً کہا جاوے کہ عورت انسان کے نیچے بمنزلہ بانیں تھکے ہے اور مرد بمنزلہ بانیں تھکے۔ یا قدر و قیمت میں عورت بمنزلہ سولہ آنے کے ہے اور مرد بمنزلہ روپیہ کے۔ تو بھی اس پر راضی نہیں ہوتے۔ بالآخر ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و قیمت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے اور اُن کے حقوق اور اُن کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اُس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہے۔ انگلند جو عورتوں کی آزادی کی بڑی حامی کار ہے جب اُس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لایعقل اور لاشے سمجھا ہے + انگلند کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے تبدیل ہو جاتی ہے +

وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لیے وہ کسی ستاویز کی جو اُس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو وہ مردہ وار نہیں ہو سکتی + جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائیداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے قبضہ شوہر آ جاتی ہے +

جو جائیداد کہ عورت کو وراثتاً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اُس سب پر اُس کا شوہر ماحین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وہی اُس کا محال لیتا ہے +

وہ مثل لایعقل شخص کے نہ کسی پر دعویٰ کر سکتی ہے اور نہ اُس پر کوئی دعویٰ رجوع کر سکتا

ہے +

وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کر سکتی +

وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لیے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی +

۱۸۷۰ء میں پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جائیداد کا ایک بل پیش ہوا تھا اُس میں صرف یہ بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جس کے ذریعہ سے بعد شادی کے عورت اپنی جائیداد سے محروم ہو جاتی ہے منسوخ کیا جاوے +

آزویل سٹرسل گنی ممبر پارلیمنٹ نے یہ مسودہ قانون کا پیش کیا تھا اُس وقت اُنھوں نے نہایت لطیف بات یہ کہی تھی کہ حال کے قانون کے بموجب جو کچھ جائیداد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہے اور بعد شادی ملتی ہے اور جو کچھ کہ وہ اپنی محنت و لیاقت سے کماتی ہے بعد شادی کے وہ اُس کا نہیں رہتا۔ سب پر شوہر مالک ہو جاتا ہے۔ پس شادی کا اثر اُس عورت پر ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی جرم قابلِ ضبطی جائیداد کا اثر ہوتا ہے +

اس گفتگو پر تمام ممبرانِ کانسٹیبل ٹرا۔ اور کانسٹیبل ممبروں نے آزویل سٹرسل گنی کی تائید کی پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہ حال ہے اور غالباً کوئی قانون اس سے زیادہ خراب اور خستہ رساں اور نا انصاف نہ ہوگا +

ذکرِ مسلمانی قانون کا نسبت عورتوں کے

اب خیال کرو کہ مسلمانی قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہے اور مردوں کے برابر اُن کے حقوق اور اختیار تسلیم کیے گئے ہیں +

حالتِ نابالغی میں جس طرح مرد اُسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابلِ معاہدہ متصور ہے الا بعد بلوغ وہ بالکل مثلِ مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہے +

جس طرح مرد اُسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہے جس طرح کہ مرد کی بے رضامندی نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہو سکتا +

وہ اپنی تمام ذاتی جائیداد کی خود مالک اور مختار ہے اور ہر طرح اُس میں تصرف کر سکتا اُسکو اختیارِ کامل حاصل ہے +

وہ مثلِ مرد کے ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اُسکی فات اور اُسکی جائیداد اُن معاہدوں اور دستاویزوں کی بابت جو ابده ہے جو اُس نے تحریر کی ہوں +

جو جائیداد قبل شادی اور بعد شادی اُس کی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اُسکی مالک ہے اور خود اُس کے حاصل کی لینے والی ہے ۛ
 وہ مثل مرد کے دعویٰ بھی کر سکتی ہے اور اُسپر بھی دعویٰ ہو سکتا ہے ۛ
 وہ اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے اور جو چاہے اُسکو بیچ کرتی ہے وہ مثل مرد کے ہر قسم کی جائیداد کو ہبہ اور وصیت اور وقف کر سکتی ہے ۛ
 وہ رشتہ داروں اور شوہر کی جائیداد میں سے بہ ترتیب وراثت و رشتہ پاسکتی ہے ۛ
 وہ تمام مذہبی نیکیوں کو جو مرد حاصل کر سکتا ہے حاصل کر سکتی ہے ۛ
 وہ تمام گناہوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں وہی سزائیں پاسکتی ہے جو مرد پاسکتا ہے ۛ

کوئی قید خاص عورت پر بجز اُس کے جو خود اُس نے بسبب معاہدہ نکاح کے اپنے پر قبول کی ہیں یا اُس تفاوت تسر عورت میں جو نیچر یعنی قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے بنایا ہے ایسی نہیں ہے جو مرد پر نہ ہو۔ یہ حقیقت میں مذہب اسلام میں جس طرح کہ عورت و مرد کو برابر سمجھا ہے ویسا ہی نہ کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی قوم کے قانون میں ہے ۛ
 مگر تعجب اور کمال تعجب اس بات میں ہے کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کی عورتوں کی جو حالت ہے اُسپر بہت کچھ نام رکھتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک کی عورتوں کی حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کی عورتوں کی حالت سے بدرجہ ما بہتر ہے حالانکہ معاملہ بالعکس ہونا چاہیے تھا ۛ

عورتوں کی حالت کی بہتری جو تربیت یافتہ ملکوں میں ہم نے تسلیم کی ہے اُس میں کچھ یہی خیال ہم نے بے پردگی کی آزادی کا نہیں کیا ہے کیونکہ ہماری رائے میں ہندوستان میں اس باب میں جس قدر کہ تفریط ہے اُس قدر تربیت یافتہ ملکوں میں افراط ہے اور جو حد کہ شرع نے مقرر کی ہے اور جہاں تک کہ انسان اُس پر غور کر سکتا ہے اور اپنی عقل کو کام میں لاسکتا ہے بلاشبہ اُسی حد نہایت درست اور ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام پر جو بہک بحث ہے وہ صرف مردوں کے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور تواضع اور خاطر داری اور محبت اور پاس خاطر اور اُن کی آسائش اور آرام اور خوشی اور فرصت کی طرف متوجہ ہونا اور انکو ہر طرح پر خوش رکھنا اور بوجہ اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گزار تصور کریں اُن کو اپنا

انہیں درجلیس اور پنج وراحت کا شریک اور اپنے کو اُن کی اور اُن کو اپنی باعث مسرت اور تقویت کے سمجھنے پر بحث ہے۔ بلاشبہ جہاں تک کہ یہ معلوم ہے تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھ یہ تمام مراتب بخوبی برتے جاتے ہیں اور مسلمان ملکوں میں ایسے نہیں برتے جاتے اور ہندوستان میں تو ایسی نالایقی اور خاک اڑتی ہے کہ نعوذ باللہ منہا۔

جو لوگ کہ ان خرابیوں کو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں یقینی اُن کی غلطی ہے بلکہ ہندوستان میں جس قدر کہ عورتوں کی حالت میں تنزل ہے صرف اُسکا باعث احکام مذہب اسلام کی بخوبی پابندی نہ کرنا ہے۔ اگر اُن کی پابندی کیجاوے تو بلاشبہ یہ تمام خرابیاں دور ہو جاویں۔ محمد ابراہیم باعث اس کا اُن سولیز دینی نامذہب ہونا مسلمانوں کا ہے۔ مذہب قوموں نے باوجودیکہ اُن کے مابں کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت ہی ناقص اور خراب تھا اپنی عورتوں کی حالت کو نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچایا ہے اور مسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کا مذہبی قانون نسبت عورتوں کے اور اُن کی حالت کی بہتری کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا مگر اُنھوں نے اپنے نامذہب ہونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتوں کے ساتھ اختیار کیا ہے جس کے سبب تمام قومیں اُن کی حالت پر نہستی ہیں اور ہماری ذاتی بُرائیوں کے سبب اس وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے الا ماشاء اللہ اس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہیں اب یہ نمانہ نہیں ہے کہ ہم ان باتوں کی غیرت نہ کریں اور اپنے چال چلن کو درست نہ کریں اور جیسا کہ مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے چال چلن سے اُسکی روشنی کا ثبوت لوگوں کو نہ دکھاویں۔

طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا دولت اُن کی صوم و رعاہ اور اُن کے طریقہ زندگی اور کچھ کچھ اُن کے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہے۔ تمام قوموں میں بہت سی رسمیں و حشیانہ اور نافرینیت یافتہ زمانہ کی ابتدا چلی آتی ہیں۔ مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُن رسموں کو تراش خلاص کرایا کر لیا ہے کہ انہیں حشیانہ بن مطلق نہیں رہا بلکہ نہایت فصاحت و دلکشی ہو گئی ہیں اور نافرینیت یافتہ قومیں اب تک بہت شور و حشیانہ طور سے اُن کو برستی تھیں اور ایسی ہیے پہلی قومیں کچھلی کو دولت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بمقتضائے آب و ہوا ہر ایک ملک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ و مختار آئینز تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلیٰ درجہ کی ترقی اور شائستگی پر پہنچا دیا اور ناتربیت یافتہ قومیں اُسی جہالت میں پُری رہیں اور اس لئے پہلی قوموں کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہیں ۛ

یہ امر بھی بہت واقع ہوا ہے کہ بسبب نہ ہونے فن و ہنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہو گیا ہے چنانچہ جس قدر فن و ہنر و صنعت کا رسمی نکلتی آئی اُسی قدر تربیت یافتہ قوموں نے ساز و سامان سے اپنے طریقہ زندگی کو آراستہ کر لیا اور جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل ناتربیت یافتہ رہیں ۛ

طریقہ زندگی سے قوموں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر ہم چند مثالوں سے اُسکو اور زیادہ واضح کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کنجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہے اور نہایت میلہ بدن اور نجس ہاتھ پاؤں رکھتی ہے اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہے۔ غذا بھی اُن کی نہایت کثیف ہے اور طرز کھانے کا بھی ایسا بُرا ہے جسے دیکھ کر گھمن آتی ہے۔ پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذیل سے ہونے کے سبب ہماری آنکھ میں کیسی ذلیل و خوار معلوم ہوتی ہے ۛ

اب اُن قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چارجن کا لباس اور طریق زندگی کنجروں سے بدرجہا اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں ویسے ذلیل نہیں ہیں چاروں کی بہ نسبت عالم عرب گواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بدرجہا نہایت عمدہ و اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں چنداں ذلیل نہیں ہم کبھی اُن کے گھر بھی جاتے ہیں۔ اُن کے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں۔ اُن کے گھر کی پتی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں۔ اور کچھ نفرت نہیں کرتے ۛ

علامہ ابن کے تین قومیں اُردو ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مہذب و مہذب تربیت یافتہ و شایستہ سمجھتی ہیں ۛ

ہندو و مسلمان۔ انگریز ہیں تینوں قوموں کا جو طریق لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اٹھنے بیٹھنے کی عادت ہے اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بخوبی واقف ہیں۔ مگر

اس میں کچھ ترک نہیں کہ ان تینوں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلیٰ ہے وہ قوم باقی دو قوموں کو ایسا ہی ذلیل اور ناتربیت یافتہ اور قابل نفرت کے سمجھتی ہے جیسے کہ ہم اپنے سے ادنیٰ قوموں کو سمجھتے ہیں :

مسلمان اپنی دانست میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و شوکت کرتے ہیں اور اپنے دستِ خوانوں کو انواعِ انواعِ طرح کے لذیذ کھانوں سے اور خوب صورت و خوبصورت سونے اور چاندی اور چینی اور بلوریں برتنوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر جو قوم کہ اُن سے بھی زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی ہے وہ اُن کو استغارت اور ذلت سے دیکھتی ہے :

جو لوگ کہ مچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری کاٹے چمچے بدلتے جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اُن کو نہایت نفرت اور کراہیت آتی ہے :

ترکوں نے اگرچہ اپنا طریقہ بدل لیا ہے مگر مصر میں عورتیں اب تک نجی میز پر کھانا رکھ کر اور ہاتھ سے کھاتی ہیں تھوڑے دن ہوئے کہ پرنس آف ویلز یعنی ولیم و سولہ سلطنت انگلستان سوپرنس آف ویلز یعنی ولیم و سولہ یکم کے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ اسماعیل پاشا خدیو مصر کی اُن نے پرنس آف ویلز یعنی ولیم و سولہ یکم کی مجلسِ رائے زنانہ میں دعوت کی اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پرنس آف ویلز کے ساتھ آرمیل مسس ولیم گری صاحبہ بھی بطور مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں۔ انھوں نے وہاں سے واپس کر سفر کا حال لکھا ہے چنانچہ جو کچھ انھوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہے اُسکا انتخاب ہم اس مقام لکھتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہے ہمارے کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہے :

مسس صاحبہ مدد و صاحبہ اس طرح لکھتی ہیں کہ ”کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک گول میز بچھی ہوئی تھی۔ فرش سے ایک فٹ اونچی اور ایک بڑا خوان معلوم ہوتا تھا اُس کے گرد گیسے بچھے ہوئے تھے۔ ہم سب لتی پالتی مار کو میز کے گرد گیسوں پر بٹھائے۔ خدیو مصر کی اُن کی واپس پرنس آف ویلز بھییں اور پھر سب بیگمات درجہ بدرجہ بھییں :

سب پہلے ایک باب میں مرغ کا شوربا اور چانول یعنی خشک آیا اور پی کے چمچے ملے۔ مگر نہ

چھری تھی نہ کانا تھا۔ اُس کے بعد بڑا ملن آیا اور دفو دفو میں قسم کے کھانے آئے جو ماتوں سے اور انگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے ۛ

جس قدر مجھ کو اس سے نفرت ہوئی اور پھر بری آ آ کرتے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ کھانے میں انگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھ کر اور انگلیوں سے توڑ کر کھانے سے ایسی نفرت اور گھن آتی تھی کہ میں نے ایک آدھ دفو تو کھانے سے انکار کر دیا مگر جو سیکم کر میرے پاس مٹھی ہوئی تھیں اُنھوں نے جانا کہ میں شر ماتی ہوں تو ہر دفو کھانا اپنے ہاتھ سے لیکر میری رکابی میں رکھ دیتی تھیں اور ایک فوشور دے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے کھدی اور سیراجی ملتا جانا تھا کھانے پر شراب مطلق نہ تھی۔ انتہی مخلصاً ۛ

میں گرسے صاحبہ کا جو یہ حال ہوا بلاشبہ زیادہ اُس کا سبب یہ تھا کہ اس طرح پر کھانہ کی اُن کو عادت نہ تھی مگر انصاف سے ہم کو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیے کہ چھری اور چمچ سے کھانا اور ہر قسم کے کھانے کے لیے جدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ عمدگی و صفائی اور نفاست رکھتا ہے ۛ

یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہاتھ سے کھانا سنون ہے اور اُس کو حقیر سمجھنا کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ ہم اس آئے کی صحت و سقم کی بحث سے قطع نظر کر کر اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی ادھی پیروی کرنا باعث ذلت ہے اگر مسلمان یہ بھی گوارا کریں کہ مرغین کھانے جس سے ہاتھ اور مونہ بھر جاتا ہے اور یہی اربعہ باعث نفرت اور گھن آنے کا ہوتا ہے چھوڑ دیں اور جو کہے بن چھپنے اُن کی سوکھی رولی لکری یا کھجور سے کھالیا کریں تو اُن بزرگوں کی پوری پوری پیروی ہوگی اور اُس وقت میں کوئی بھی ہاتھ سے کھانے پر نفرت نہ کریگا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کھانے تو ہر دین فرعون اور طریق کھانے کا ہو سنونی ۛ

ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اُس نے ہم کو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُن کو استعمال کریں اور عملی طور پر اُس کا شکو بجا لادیں اور جبکہ ہم یہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم ہنظر نگار و غرور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور ادائے شکر ولی نعم استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو غیر قوموں کی نگاہ میں جو ذلت ہے اُس سے نکالتے ہیں جس میں اسلام کی بھی عزت ہے تو اُس وقت تو ہم مچھ اور چھری کانٹے سے کھانا مندوبات اور استجابت سے کم نہیں سمجھنے کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما الاعمال بالنیات ۛ

تعلیم و تربیت

ایک صنف کی ایک بات کو ہم اپنی طرز پر اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔
 تعلیم اور تربیت کو ہم منی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جدا جدا دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ انسان
 میں ہے اسکو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اسکو کسی کام کے لائق کرنا اس کا تربیت
 کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں ان کو تحریک دینا اور شگفتہ
 شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اسکو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اسکی تربیت ہے۔
 انسان کو تعلیم دینا حقیقت کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کے
 دل کی سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرچی چشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قوی
 کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اس کے
 لیے سامان کامیا کرنا اور اس سے کام کا لینا ہے جیسے جہاز طیارہ ہونے کے بعد اسپر بوجہ
 لانا اور حوض بنانے کے بعد اس میں پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانہ ضرور
 نہیں ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو اور اس کے دل کو تربیت کر سکتے کرتے موندھا مگ بھردو۔
 مگر اس سے دل کی سرچی سوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ اندرونی قوی کو حرکت
 دیئے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی اس لیے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت
 تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بری۔ یہی ٹھیک ٹھیک حال ہم مسلمانوں کے عاموں اور
 تربیت یافتہ لوگوں کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی ہے اور تعلیم کچھ نہیں۔ ظاہر میں دیکھو تو
 طمطراق بہت کچھ مگر حب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہیں۔ بھاری بھر کم تو عمامہ و دستار جبہ
 اور گرتہ سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قوی کی شگفتگی دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ نہایت
 عمدہ قول ہے کہ کتابوں کا پڑھا دینا تو تعلیم کا نہایت اونٹ اور سب سے زیادہ حقیر جزو ہے بلکہ
 اس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس میں اندرونی قوی کی تحریک اور شگفتگی نہ ہو جس قدر
 دل کے قوے کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں ایسے اور کسی چیز سے نہیں ہوتے۔ ہم اپنے ماں
 کے عالموں کا حال بالکل یہی دیکھتے ہیں کہ ان کے روحانی قوی بالکل نیست و نابود
 ہو جاتے ہیں اور صرف زبانی بلبلیک یا مکہ وغرور اور اپنے آپ کو بے مثل و نظیر قابل ادب
 سمجھنے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ زندہ ہوتے ہیں مگر دلی اور روحانی قوی کی شگفتگی کے

اعتبار سے بالکل مردار ہوتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور جس قدر عمدہ کتابیں افراط سے بہم پہنچیں ان کو اور زیادہ پڑھتے ہیں اور ان سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایسے پیل کی مانند بچاتے ہیں جو برابر چرتا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی میں رہنے کی خواہش کرتا ہے پس کتابیں پڑھ لینے سے انسانیت نہیں آ جاتی بلکہ وہ کتابی علم خود ان پر بوجھ ہوتا ہے ۛ

اس تعزیر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ جو ہر نازل میں ہی ہے کہ ہم نے اپنے دل کو اور اپنے اندرونی قویٰ کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہیں وہ بھی بعض اسکے کہ روحانی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے ان کو پھر مردہ بلکہ مردہ کر دیتا ہے اور ہمارے قویٰ کو جو حقیقت سرچشمے تمام نیکیوں کے ہیں بالکل کمزور اور ناکارہ کر دیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات میں کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ہم کو اپنے پر رحم کرنا چاہیئے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیئے جو اندرونی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کی ستونوں کو کھول کر سر جی حشر سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو ۛ

کاہلی

یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کاہلی سے محنت نہ کرنا کام کاج محنت مزدوری میں جپتی نہ کرنا اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں سستی کرنا کاہلی ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے ۛ ہاتھ پاؤں کی محنت اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لئے نہایت ضروری ہے اور روٹی پیدا کرنا اور پیٹ بھرنا ایک ایسی چیز ہے کہ مجبور ہی اس کے لئے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کاہلی چھوڑی جاتی ہے اور ایسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کرنیوالے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کاہل ہوتے ہیں۔ محنت کرنا اور محنت سخت کاموں میں ہر روز لگے رہنا گویا ان کی طبیعت ثانی ہو جاتی ہے مگر جن لوگوں کو ان باتوں کی حاجت نہیں ہے وہ اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ کر بڑے کاہل اور بالکل میواں صفت ہو جاتے ہیں ۛ

یہ سچ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے میں ترقی بھی کرتے ہیں اور ہزار پڑھے لکھوں میں سے شاید ایک کو ایسا موقع ملتا ہو گا کہ اپنی تعلیم کو اور اپنی عقل کو ضرورتاً کام میں لاوے لیکن اگر

انسان اُن عارضی ضرورتوں کا منتظر ہے اور اپنے دلی قویٰ کو بیکار ڈالنے سے تو وہ نہایت محنت کا بل اور وحشی ہو جاتا ہے۔ انسان بھی مثل اُور میوانوں کے ایک حیوان ہے اور جبکہ اُس کے دلی قویٰ کی تحریک سُست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ اپنی حیوانی خصلت میں پڑ جاتا ہے اور جسمانی باتوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسانی صفت کو کھو کر پورا حیوان بن جاتا ہے پس ایک انسان پر لازم ہے کہ اپنے اندر دنی قویٰ کو زندہ رکھنے کی کوشش میں ہے اور اُن کو بیکار نہ چھوڑے *

ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کو مناسب ہو اور اُسکے حاصل کرنے میں اُسکو چنداں محنت و مشقت کرنی نہ پڑے جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں ملکبوں اور لاخراج داروں کا حال تھا اور وہ اپنے دلی قویٰ کو بھی بیکار ڈال دے تو اُس کا حال کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُسکے عام شوق و حشیانہ باتوں کی طرف راہیں ہوتے جاویں گے۔ شراب پینا اور مزیدار کھانا اُسکو پسند ہوگا۔ قمار بازی اور تماشہ بینی کا عادی ہوگا اور یہی سب باتیں اُس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ پوٹا بدسلوکی و وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضع دار وحشی ہوتا ہے۔ شراب پی کر پنگ پر پڑے رہنا اور بچوان کے دھوئیں اڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے اور جنگل کے ریت پر پڑے رہنا اور ناریل میں تمباکو کے دھوئیں اڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے۔ پس بچوان اور ناریل اور بھپونے اور ریت کے فرق سے کچھ مشابہت میں جو ان دونوں میں ہے کمی نہیں ہوتی *

ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے لیے ایسے کام بہت کم ہیں جن میں اُن کو قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے اور برخلاف اس کے اُور ولایتوں میں اور خصوصاً انگلستان میں اُن کے لوگوں کے لیے ایسے موقع بہت ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگر انگریزوں کو بھی کوشش اور محنت کی ضرورت اور اُس کا شوق نہ ہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پننے کی حالت کو پہنچ جاویں گے مگر ہم اپنے ہم وطنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو بہو اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لائے گا مرقع نہیں ملے۔ اس کا بھی سبب یہی ہے کہ ہمارے کاہلی اختیار کی ہے یعنی اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دیا ہے۔ اگر بہو قوائے قلبی اور قوت عقلی کے کام میں لائے گا موقع نہیں ہے تو بہو اسی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ موقع کیونکر حاصل ہو اگر اُس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے

تو اسی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ قصور کو نہ مکر نہ رفع ہو۔ غرض کہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑا رہنا نہ چاہیے کسی کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے تاکہ ہلکا اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور استعدادی رہے اور جب تک کہ ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑا رکھنا نہ چھوڑے گا اُس وقت تک ہلکا اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے نہایت حکیمانہ قول ہے کہ۔

بیکار رہا سب کچھ کیا کر ؟ گر کر نہ سکے تو کچھ کساکر

طریقہ تناول طعام

ضد افہانیت انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ کسی چھٹی بات کو ضد سے نہ ماننا اور انکی نیک و بد پر غور نہ کرنا حقیقت انسان کا کام نہیں ہے ؟
اس وقت ہلکا نہ انگلیزوں کی طرح چھری کانٹے سے میز کرسی لگا کر کھانے پر بحث ہے اور نہ ہلکا نہ کوں کی تقلید کی ہوس ہے بلکہ ہلکا نہایت سیدھی طرح سے کھانے کے طریق پر غور کرتی ہے اور بلا تبدیل وضع جس قدر کہ اُس کے نقصان رفع ہو سکتے ہیں اُسی پر بحث کرنے سے غرض ہے ؟

ہندو جو کہ میں چھوٹی چھوٹی پیالیوں یا تیشتریوں یا پتلوں میں تھوڑا تھوڑا سبب قسم کا کھانا چُن کر آگے رکھ لیتے ہیں اور ہر ایک میں سے کچھ کچھ کھاتے جاتے ہیں اور جو بچھا ہے۔ وہ اُنسی برتن میں دھرا رہتا ہے جس میں اُنھوں نے کھا یا تھکا اور اس سبب کھانے کے وقت اُن کے سامنے چھوٹے برتن اور نیم خورہ کھانا سبب دھرا رہتا ہے اور کھا چکنے کے بعد وہ سب اُٹھ جاتا ہے ؟

ہندوستان میں مسلمانوں کے کھانا کھانے کا بھی یہی طریق ہے جو ہندوؤں کا ہے صرف توافیق ہے کہ ہندو جو کہ میں بیٹھتے ہیں مسلمان دسترخوان بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ جس طرح ہندو سب طرح کا کھانا ایک ساتھ اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قابوں اور کبابوں اور غریبوں اور تیشتریوں اور پیالوں میں سب طرح کا کھانا اور سب قسم کی روٹی اور ہر طرح کے کباب اور فیرفی کے خانچے اور بورانی کے پیالے اور چار مرتبہ کی پیالیاں سیتلا کے پوجا پے کی طرح سب اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اور اُس ایک دسترخوان پر کوئی تو فیرفی مگر شہادت کی انگلی سے اور

کوئی دست بخیر چاروں انگلیوں سے چاٹ رہا ہے۔ کوئی پلاؤ میں اُردی کا سالن ملا ہوا کھا رہا ہے۔ کسی نے سالن ملا ہوا پلاؤ کھا کر نان ابی سے لقمہ اچھا مبارک پونچھ کر روٹی کو سالن میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کیا ہے۔ کسی نے پورانی کے پیالے کو مونہ سے لگا سٹریا بٹرا دیا یہ کھکر دانت بڑی تیز ہے اُوہ اُوہ کرنا شروع کیا ہے۔ تمام جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا اور چوڑی ہوئی ہڈیاں اور روٹی کے ٹکڑے اور سالن میں کی نکالی ہوئی مکھیاں سب آگے رکھی ہوئی ہیں۔ اس عرصہ میں جو شخص پہلے کھا چکا ہے اُس نے ہاتھ دھونا کہنکار کہنکار کر گلا صاف کرنا اور پسینے سے دانت رگڑنے اور زبان پر دو انگلیاں رگڑ رگڑ کر زبان صاف کرنا شروع کیا ہے اور اُوپر بے تکلف بیٹھے کھانا نوش فرماتے ہیں نہ اُن ہاتھ مونہ دھونے والوں کو خیال ہے کہ ہم کھانا کھانے والوں کے قریب کیسی حرکات ناشائستہ کرتے ہیں اور نہ کھانا کھانہ والوں کو اُن لوگوں کی کریمہ آواز سننے اور زرد زرد ہلدی کے ملے ہوئے رنگ کا لعاب نکلنے اور بگم کے لوتھڑے تھوہ کر کر چلیپی یا تاش میں تھوک دینے اور بتا سے کی طرح اُس کے پانی پر تیرتے پھرنے کی پرواہ ہے۔ نعوذ باللہ منہما۔

انگریز جس طرح کھانا کھاتے ہیں وہ سب پر روشن ہے اور اُس کا بیان بھی کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ ہمارے نیک متبع سنت ہموطن اُس پر تو حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کا چھرا مارینگے۔

عرب میں کھانا کھلانے کا یہ دستور ہے کہ ایک چوکی پر چھوٹا سا خوان بچھایا جاتا ہے اور ایک برتن میں ایک قسم کا کھانا آتا ہے اور جو لوگ چوکی کے گرد بیٹھتے ہیں وہ سب اُس میں کھانا شروع کرتے ہیں۔ چند نعمہ کھانے پر وہ برتن اٹھ جاتا ہے اور دوسری قسم کا کھانا دوسرے میں آتا ہے اور چند نعمہ کے بعد وہ بھی اٹھ جاتا ہے اور اسی طرح آتا جاتا رہتا ہے۔ اس طرح ہر کھانے میں یہ فائدہ ہے کہ جھوٹے برتن اور جھوٹا کھانا سامنے نہیں رہتا۔

مگر جو خلی بن ہندوستان کے مسلمانوں میں کھانے کی مجلس میں ہوتا ہے نعوذ باللہ منہما کسی ملک کے کھانے کی مجلس میں نہیں ہوتا۔ پس نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی ہندو نفسانیت سے اس فحشے پن میں پڑے ہیں اور اُسکی درستی و تہذیب پر ستوجہ نہیں۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ میز کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کھاؤ یا عرب کی طرح چھوٹی چوکی پر ایک خوان بچھاؤ بلکہ شوق سے بسم اللہ و شتر خوان پر کھانا تناول فرماؤ۔

گو بہت سی سُنن ہی کے ادا کی فکر نہ ہو زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے ہی کی سُنّت عادی کی پروی
 کرو مگر ہائے خدایہ غلی بن چھوڑو اور سب طرح وضع پر کھانا کھانے میں جہاں تک صلاح و
 صفائی ہو سکے اُسکو اختیار کرو۔ صفائی و پاکیزگی اختیار کرنا تو شریعت میں ممنوع نہیں ہے +
 مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب تک کسی کام کے لیے کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہیں
 ہوتا اور سنجی اُسکی پابندی نہیں کی جاتی اُس وقت تک وہ چلتا نہیں۔ اور جب وہ قاعدہ عہد
 ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ از خود اُس کا رواج ہو جاتا ہے اور سب لوگ اُسکو کرنے لگتے ہیں اور چند عرصہ
 اُسی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ طبیعت ثانی گنی جاتی ہے +

پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ طریقہ تناول طعام کے کچھ قواعد سوچے جاویں اور یہی طریقہ جو
 دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا ہے اسی میں ایسی اصلاح کی جاوے جسکو لوگ موردِ طعن من
 تشبہہ بقوم بھی نہ کریں اور اس غلی پن سے نجات پاویں۔ چنانچہ ہم نے اس باب میں کچھ
 قواعد تجویز کیے ہیں اور ہم اُن کو آئندہ کسی پرچہ میں لکھینگے +

سمجھ

یعنی تمیز جس سے بھلائی برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے

میرا یہ خیال ہے کہ اگر انسانوں کے دلوں کو چیر کر اُن کا حال دیکھا جاوے تو وہ نا اواز و نادان
 دونوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا ہی سافرق نکالے گا۔ دونوں کے دلوں میں ہمیشہ بہت سے غم
 اور بیہودہ خیال آتے ہیں۔ بے شمار دوسرے دونوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں مگر اُن دونوں
 میں ہی فرق ہوتا ہے کہ دانا آدمی اُن میں سے انتخاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کون سے خیالات
 ایسے ہیں جن کو گفتگو میں لانا چاہیے اور کون سے ایسے ہیں جن کو چھپوڑ دینا چاہیے۔ نادان
 آدمی ایسا نہیں کرتا۔ اور جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے بے سوچے سمجھے منہ سے بکتا جاتا
 ہے دشمن آدمی بھی دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں نادان کی مانند ہوتا ہے۔ جو
 اُسکے دل میں آتا ہے بے تردد دوست سے کہتا ہے گویا اُسکو خیالات ہی ایک بلند آواز میں

آتے ہیں +

پشلی صاحب کا یہ قول ہے کہ انسان کو دشمن کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھنا چاہیے کہ
اُسکو دوست بنا لینے کا موقع رہے اور دوست سے اس طرح برتاؤ کرنا چاہیے کہ اگر کبھی وہ
دشمن ہو جاوے تو اُسکے شر سے بچنے کی جگہ رہے۔ اس قول کی پہلے بات جو دشمن کے ساتھ
برتاؤ کی ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے۔ مگر کچھلی بات جو دوست کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ کچھ
اچھی نہیں۔ اُس میں سمجھ کی کچھ بھی بات نہیں ہے بلکہ بڑی ہکاری ہے۔ ایسے برتاؤ سے
انسان زندگی کی بہت بڑی خوشی سے محروم رہتا ہے اپنے دلی دوستوں سے بھی دل
کی بات نہیں کہہ سکتا۔ یہ سچ ہے کہ بعضی خود دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور دوست کے
بھید کو کھول دیتے ہیں مگر دنیا انہی کو دغا باز اور بُرا کہتی ہے اور دوست پر بھروسہ کرنا
کو تانجہ نہیں کہتی۔ ہاں البتہ دوستوں کے منتخب کرنے میں بڑی سمجھ چاہیے +

سمجھ صرف باتوں ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے کاموں سے بھی متعلق ہے اور گویا
ہماری زندگی میں ہمارے تمام کاموں کی رہنما اور ہمارے لئے ہمارے قادر مطلق خدا کی نایب
ہے۔ انسان میں بہت سی بڑی عمدہ عمدہ صفتیں ہیں مگر سمجھ سب سے زیادہ مفید ہے۔ سمجھ
ہی کے سبب آؤ تمام صفتوں کی قدر ہوتی ہے سمجھ ہی کے سبب سے وہ تمام صفتیں اپنے
اپنے موقع پر کام آتی ہیں۔ سمجھ ہی کے سبب سے وہ شخص جہاں وہ صفتیں ہیں اُن صفتوں کے
فائدہ اٹھاتا ہے۔ سمجھ بغیر علم اور عقل دونوں چیز ہیں۔ بھلائی برائی دکھائی دیتی ہے باوجودیکہ
انسان میں نہایت عمدہ عمدہ نصلیتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ بغیر اُن کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے
اور نقصان پر نقصان اٹھاتا ہے۔ سمجھ ہونے سے صرف اُنہی چیزوں کا جو اُس میں ہیں مالک
نہیں ہوتا بلکہ دوسروں میں جو خوبیاں ہیں اُن کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ سمجھ دار گویا جس سے
گفتگو کرتا ہے اُس کی لیاقت کو بھی جان لیتا ہے اور اُسی کی لیاقت کے موافق گفتگو
کرتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں اور جماعتوں کی مجلسوں کے حالات پر
غور کریں تو ہر صاف معلوم ہو گا کہ ہر ایک مجلس میں نہ کسی عقلمندی کی گفتگو کو غلبہ ہوتا ہے اور نہ
کسی بے باور اور دیر کی گفتگو کو۔ بلکہ ہر مجلس کی گفتگو سب پر غالب ہوتی ہے جس کو سمجھ ہے
اور جو اہل مجلس کی لیاقتوں کو اور جہالت کو مہملہ سمجھتی ہے اُس میں تمیز کر سکتا ہے
جس شخص کو بڑی سی بڑی لیاقت حاصل ہو سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت غوی اور زبردست

پر اندھے آدمی کی مانند ہے جو سبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور و قوت سے کچھ نہیں لے سکتا ہے۔ گویا ایسے شخص کو دنیا میں اُور سطح کے کمال حاصل ہوں۔ مگر سمجھ نہ ہو تو وہ دنیا میں کسی کام کا نہیں۔ برخلاف اُسکے اگر اُسکی سمجھ پوری ہو اور صرف اسی ایک صفت میں اُسکو کمال ہو اور باقی اوصاف متوسط درجہ کے رکھتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔

سمجھ جس طرح کہ انسان کے لیے ایک بہت بڑا کمال ہے اُسی طرح مکر اُس کے حق میں بہت بڑا وبال ہے۔ نیک دل کی منتہائے خوبی سمجھ ہے اور بد دل کی منتہائے بدی۔ مگر لوگوں کہو کہ وہ نیک دل کے لیے معراج ہے اور یہ بد دل کے لیے کمال۔ سمجھ نہایت عمدہ اور نیک مقصد پیدا کرتی ہے اور اُن کے حاصل ہونے کو نہایت عمدہ عمدہ اور تعریف کے قابل فدیے قائم کرتی ہے مگر مکر میں صرف خود غرضی ہوتی ہے۔ سمجھ مثل ایک روشن آنکھ کے ہے جس میں بے انتہا وسعت ہے اور تمام دنیا کو اور دور دور کی چیزوں کو۔ آسمانوں کو اور آسمانوں کے ستاروں کو بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ مگر مثل ایک کوتاہ نظر آنکھ کے ہے جو پاس پاس کی ناچیز چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور دور کی چیزیں گو وہ کیسی ہی عمدہ اور روشن ہوں اُسے نظر نہیں آتیں۔ سمجھ جس قدر ظاہر ہوتی جاتی ہے اُس قدر انسان کا اختیار اور اعتبار بڑھتا جاتا ہے مگر مکر کاٹ کی ہنڈیا کی مانند ہے کہ جب ایک دفو کھل گیا تو پھر اُسکی قوت اور عزت باطل جاتی رہتی ہے۔ پھر انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو کام کہ وہ ایسی حالت میں کر سکتا جبکہ لوگ اُسکو ایک سیدھا سادھا بھولا بھالا آدمی سمجھتے۔ اب وہ کام بھی وہ نہیں کر سکتا۔ سمجھ عقل کے لیے کمال ہے اور ہمارے کاموں کے لیے رہنما۔ مگر ایک قوت ہے جو صرف حال ہی کے فائدوں کو دیکھتی ہے۔ سمجھ نہایت عقلمند اور نیک دیموں میں پائی جاتی ہے۔ مگر اکثر جانوروں میں اور اُن لوگوں میں جو جانوروں کی مانند یا اُن سے کچھ بہتر ہوتے ہیں پایا جاتا ہے۔ سمجھ نفس الامر میں ایک نہایت خوبصورت دلکش چیز ہے اور مکر گویا اُسکی بگاڑی ہوئی نقل ہے۔ سمجھ والے آدمی کی طبیعت ہمیشہ زمانہ حال اور استقبال دونوں پر لگی رہتی جو باتیں کہ زمانہ دراز کے بعد ہونیوالی ہیں اور جو اب ہر ہی ہیں دونوں کو دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سچ و خوشی جو دوسری زندگی یعنی قیامت میں ہونیوالی ہے وہ بیشک ہوگی۔ گو اُس کا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ وہ اُس کے دور ہونے کے سبب سے اس لیے اُسکو حقیر نہیں سمجھتا کہ دوسری زندگی اپنی قیامت کی

تکلیف و راحت لکھ پاس آتی جاتی ہے اور اسی طرح سے بچ و خوشی دیونگی جیسے کہ زیادہ حال میں بچ و خوشی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ نہایت غور و فکر سے اُن خوشیوں کے ماتھے آنے کے لیے کوشش کرتا ہے جو قدرت نے اُسکے لیے بنائی ہیں اور جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے خیال کو ہر کام کے انجام تک دوڑاتا ہے اور اُس کے حال و مال کے نتیجوں پر غور کرتا ہے اور اس فانی دنیا کے تھوڑے سے نفع اور فائدہ کو اگر حقیقت وہ نفع اور فائدہ اُس کی سچی عاقبت کے خیال کے مخالف ہو چھوڑ دیتا ہے۔ غرض کہ اُسکی تمام تدبیریں عمدہ ہوتی ہیں اُس کا رویہ ایسے شخص کی مانند ہوتا ہے جو اپنا فائدہ بھی سمجھتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا مناسب طریقہ بھی جانتا ہے۔ سمجھ جکومتیں نے اِس شخصوں میں بطور ایک نیکی اور کمال کے بیان کیا ہے وہ صرف دنیا ہی کے کاموں کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ وہ صرف اِس فانی انسان کے لیے ہی رہنا نہیں ہے بلکہ اِس اصلی نافرانی انسان کے لیے بھی جو ہم میں بولتا ہے رہتا ہے۔ بعض مصنف اسی کو عقل کہتے ہیں اور بعض سمجھ یعنی تمیز جس سے اچھی دُبری اور بھلائی و بُرائی میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہی پسند سب سے بُری ہے اس کے فائدے بے انتہا ہیں اور پھر اس کا ماتھے نہایت ہی آسان ہے *

ایک مصنف کا قول ہے کہ سمجھ ہی ایسی رونق کی چیر ہے جسکو بھی زوال نہیں جو اُسکو چاہے ہیں آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ جو اُسکو ڈھونڈتے ہیں وہ آسانی سے پاتے ہیں۔ اُسکی تلاش میں اُن کو بہت دُور جانا نہیں پڑتا کیونکہ وہ اُسکو اپنے ہی دروازہ پر پاتے ہیں اُس کا خیال رکھنا ہی اُس میں کمال حاصل کرنا ہے۔ جو کوئی اُسپر خیال رکھتا ہے اُسی دم جست و جُو سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتی ہے اور جو اُسکے لائق ہیں اُن کو رستہ ہی میں ملتی ہے اور پھر کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی *

افسوس کہ ہماری قوم میں سب کچھ ہے پر یہی نہیں *

تعلیم

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چنگبر سے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اُس میں ماتھے نہیں لگاتا اُس کا دھونڈلا اور کھر دراپن دُور نہیں کرتا

اُسکو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اُسکو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اُس وقت تک اُس کے جو ہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اُس کی خوش نمائشیں اور دلربا رنگتیں اور خوبصورت خوبصورت بل بُٹے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اُسپر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اُس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اُس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں ۛ

ارسطو نے تعلیم کے اثر کو محکم صورتوں کے بنانے کی تشبیہ میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ مومنی صورت ایک پتھر کے ڈھوئے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر صورت بنانے کا ہنر صرف فضول چیزوں کو اُس میں سے گھڑ دیتا ہے۔ صورت تو پتھر ہی میں ہوتی ہے مگر آذر صرف اُسکو نمود کر دیتا ہے۔ جو نسبت کہ صورت گھڑنے والے کو اُس پتھر کے ڈھوئے سے ہے وہی نسبت تعلیم کو انسان کی روح سے ہے۔ بڑے بڑے حکیم اور عالم۔ ولی و ابدال۔ نیک و عقلمند۔ بہادر و نامور ایک گنوار آدمی کی ہی صورت میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں مگر اُن کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب میں جاہل اور وحشی قوموں کے حالات پڑھتا ہوں تو اُن نیکیوں سے جو اُن میں ہیں مگر ناشایستہ اور اُس لیری اور جرأت سے جو اُن میں ہے مگر خوفناک اور اُس عقلال سے جو اُن میں ہے مگر بڑیکہ اور اُس دانائی اور عقلمندی سے جو اُن میں ہے مگر جانوروں کے سے مکر و فریب سے ملی ہوئی اور اُس سبتر قناعت سے جو اُن میں ہے اور گویا نا اُمیدیاں ہی اُن کی اُمیدیں ہیں نہایت خوش ہوتا ہوں۔ سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش مختلف طرح پر کام کرتے ہیں اور جس قدر کہ ہمیش عقل کی ہدایت اُن کو ہوتی ہے اور جس قدر کہ عقل اُن جوشوں کو درست کرتی ہے اُسی قدر مختلف طور پر اُن سے کام ہوتے ہیں۔ امریکا کے حبشی غلاموں کا جسم یہ حال سُنتے ہیں۔ کہ اپنے آقا کے مرنے پر یا ایک کام پر سے چھڑ کر دوسرے کام میں لگانے پر جنگلوں کے درختوں میں لٹک کر اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلکر سستی ہو جاتی ہے تو کون شخص ہے جو اُن کی وفاداری اور محبت کی ترویج نہ کرے گا گو کہ کیسے ہی ناشایستہ اور نامتذب طور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی جاہل اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمن عمن باتیں پائی جاتی ہیں گو وہ وحشی ہے

ہی کی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن اگر اُن کی مناسب طور سے اور عمدہ تعلیم سے درستی
کیجاوے تو وہی وحشیانہ نیکیاں کس قدر ترقی پاسکتی ہیں اور کیسے کیسے عمدہ کام اور مذہب
وشائستہ نیکیاں اُن سے پیدا ہو سکتی ہیں +

مجھ کو اسی بات کا رنج ہے کہ میں اپنی قوم میں ہزاروں نیکیاں دیکھتا ہوں پر شائستہ
اُن میں نہایت دلیری اور مجرأت پاتا ہوں۔ پر خوفناک۔ اُن میں نہایت قوی استقلال
دیکھتا ہوں پر بے ڈھنگا۔ اُن کو نہایت دانا اور عقلمند پاتا ہوں پر اکثر کمر و فریب اور زور
سے ملے ہوئے۔ اُن میں صبر و قناعت بھی اعلیٰ درجہ کی ہے مگر غیر مفید اور بے موقع۔
پس میرا دل جلتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہی اُن کی عمدہ صنعتیں عمدہ تعلیم و تربیت
سے آراستہ ہو جاویں تو دین اور دنیا دونوں کے لیے کیسی کچھ مفید ہوں +

میری یہی خواہش ہے کہ اس قسم کی تحریرات سے نیکی کو ترقی دوں گو میری یہ خواہش
پوری نہ ہو۔ مگر میں اس خیال سے تو بہت خوش ہوں کہ میں ہر سیدہ روز میں انسان کے
دل کی درستی میں کچھ کچھ مدد کرتا رہتا ہوں +

وحشیانہ نیکی

انسان وحشیانہ طور پر ایک نیک کام کرتا ہے اور جو کہ وہ اصل میں نیک ہوتا ہے لوگوں
کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اُس وحشیانہ پسے کی بُرائی جس وحشیانہ پن سے وہ کم ہوا لکھوں
سے چھپ جاتی ہے۔ مگر عمدہ تعلیم میں یہ اثر ہے کہ اُن وحشیانہ حرکتوں کو چھوڑا دیتی ہے
اور صرف نیکی ہی نیکی رہ جاتی ہے +

نقل ہے کہ ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جو ان نوعمر۔ اور اپنی قسم کے
لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں اُن دونوں کے جانی دوستی اور دلی محبت
تھی۔ اسی شخص کے پاس ایک حبشن نوعمر لڑکی بھی تھی جو اُس قوم میں نہایت ہی خوبصورت
سمجھی جاتی تھی۔ اتفاقاً وہ دونوں جوان لڑکے اُسپر عاشق ہو گئے اور دونوں نے اُسکو شادی
کا پیغام دیا جو کہ وہ دونوں نہایت خوبصورت بھی تھے اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور
ہم عمر بھی تھے۔ وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو راضی تھی مگر اُس نے یہ
کہا کہ تم دونوں دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ

شادی ہو۔ دونوں لڑکے دل جان سے اُس پر عاشق تھے۔ عشق اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اُس سے شادی کر لے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی اُن میں ایسی چمکی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور بغیر آپس کی خوشی کے دونوں میں کسی کو شادی کر لینا پسند نہ تھا۔ آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا وہ چاہتا تھا کہ کبیر غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ میں فتح پاؤں مگر کوئی جیت نہ سکا۔ دونوں برابر رہے۔ تب وہ دونوں لڑکے اپنی معشوقہ کو ایک دن جھگڑ میں لگے اور دونوں نے اُس کو چھری مار کر مار ڈالا اور جب اُس کا خون بہنے لگا تو دونوں اُسے چائے لگے۔ دونوں نے مُردہ لاش کو خوب گلے لگایا اور دلی محبت سے اُس کے دغریب گالوں کا بے گناہ بوسہ لیا اور پھر اُس کی لاش کے گرد بٹھیک روئے اور پیٹنے لگے خوب بات تم کیا۔ خوب چھاتی پٹی اور پھر دونوں نے اپنے تئیں بھی مار ڈالا۔ اس عجیب واقعہ سے انسان کے دل کے جوشوں کی جو تعلیم و تربیت سے شاید نہیں ہو، میں عجیب غریب حالتیں معلوم ہوتی ہیں جو واقعہ کہیں نے ابھی بیان کیا وہ حیرت اور گناہ سے بالکل بھرا ہوا ہے تو بھی ایسے نیک دل اور دلی ایمان داری سے سرزد ہوا ہے کہ اگر اُس کی عمدہ طور سے تعلیم و تربیت ہوتی تو اُس سے نہایت عمدہ عمدہ نتیجے حاصل ہوتے۔

انسان کا ایسے ملک میں پیدا ہونا یا وہاں جا کر رہنا اور تربیت پانا جہاں تعلیم و تربیت کا چرچا ہو اور علم و شایستگی پھیلی ہوئی ہو نہایت خوش قسمتی کی بات ہے۔ گو اُن ملکوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اُن حبشی لڑکوں سے کچھ بہتر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو تعلیم و تربیت کے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور مختلف درجہ کا اُس میں کمال رکھتے ہیں۔

شاید ملک کی مثال صورت بنانے والے سنگ تراش کے کارخانہ کی ہی ہے کہ جب آدمی وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ابھی تو کوئی پتھر اُسی طرح ڈھونے کا ڈھوا ہی رکھا ہوا ہے اور کسی میں صرف ابھی ٹانگیں ہی بنی ہیں اور کسی میں ہاتھ پاؤں سو نہ سب کچھ مگر ابھی انگلیں ہیں اور کسی میں انسان کے تمام اعضاء درستی سے بن چکے ہیں مگر صاف ہونے اور جلا ہونے باقی ہیں۔ اور کوئی صورت نہایت خوبصورت اور دلربا بالکل بن کر تیار ہو چکی ہے۔ اُس وقت انسان کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پتھر کا ڈھوا کہاں تک ترقی پا سکتا ہے اور ہر ایک اُن کے صورت سوائے شاذ و نادر کے آذر سے بت تراش کے ہاتھ سے نہایت

خوبصورت یا قریب قریب خوبصورت کے ہو سکتی ہے :

نامتدب ملک کی مثال منڈے پہاڑوں کی سی ہے جہاں بجز پتھر کے ڈھوؤں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان کو یہ خیال ہو کہ وہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے اور اُس میں کیا چیز نہیں ہے جو وہ اب تک آنکھ پتھر کی مانند ہے : جو نیکیاں خود اُس میں ہیں اُن سے بھی وہ ناواقف ہے کیونکہ وہ نیکیاں شل پتھر کے ڈھوئے کے اُس کے جگر میں چھپی ہوئی ہیں اور بے تعلیم و تربیت کے وہ ظاہر نہیں ہو سکتیں :

یہی خیالات مجھ کو اس بات پر براغیظ کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کو مہذب قوم سے ملنے اور شایستہ ملک میں جانے کی ترغیب کرتا ہوں اور اس خیال سے ہمیشہ رنج میں رہتا ہوں کہ ہماری قوم میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ بھی نامہذب ہیں۔ دنیاوی برتاؤ آپس کا ملاپ۔ دوستوں کی دوستی۔ دینداروں کی دینداری۔ امیروں کی امیری نہایت ناشایستہ اور نامہذب طور سے واقع ہوئی ہے اگر وہ عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاوے تو انسان کے لئے اس زندگی میں اور انیوالی زندگی میں دونوں میں نہایت ہی مفید ہو :

امید

دنیا بامید قائم ہے

موجودہ حالت گو وہ کیسی ہی اچھی یا بُری ہو انسان کے دل کے شغل کو کافی نہیں ہوتی۔ رنج و خوشی۔ محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں اس لئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے تپلے کو اپنے ماتھے سے اور اپنی ہی مانند بنایا۔ اُس میں چند اور قوتیں ہی ہیں جن کے سبب دل کے لئے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ وہ وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیا اور موجود رہتا ہے۔ اُنھیں قوتوں کے زریعہ سے گزری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آئندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے :

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد کرتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے۔ جب کوئی موجود چیز ہلکھول کے لئے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بلالاتی ہے اور اُسی کے ذکر یا خیال سے

ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھاس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکنا ہے تو ایک کونے میں بیٹھ کر پھر اُسی کو پیٹ میں نکال کر چبائے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے شغل کو بلا لاتی ہے اسی طرح ایک اور قوت ہے جو آئندہ ہونی والی باتوں کے خیال میں ل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و بیم یا خوف در جا ہے۔ انہی دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آئندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونی والی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے اندھیرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتی ہیں کہ ابھی ہر ہی میں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یا رنج اٹھانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب نہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ اور ہر طرف سے امن الملک الیوم کی آواز آتی ہوگی ابھی خیال کر لیتے ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ میں اس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں۔ ہماری خوشیاں اس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عمدہ اور دل خوش کن چیزوں کا اُن کے ہونے سے پہلے مزہ اٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بد مزہ ہوتی۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ ”ہم کو تمام عمدہ چیزوں کے حامل ہونے کی اُمید رکھنی چاہیے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا بہکودے نہ سکے“۔

فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ ”تمنا را عیب نیست“ ایک طرف نے کہا کہ دنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا تم کو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اُس نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مریں کیونکہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہ ہو اور مجھ کو اُمید ہے کہ شاید وہ شخص میں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج ہم سے مٹاتی ہے۔ اگر ہم کو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی ایک بچان چیز کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی۔ اُمید اُس میں حرکت پیدا

کرتی ہے۔ اُمید ہی کے سبب انسان میںنجیدگی اور بُرودباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔ گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے۔ ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے۔ محنت پر رغبت لاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ اُمید سے ایک اُوپر بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے۔ اور اُسی میں محو نہیں ہو جاتے۔ سیزر نے جب اپنا تمام مال اسبابِ اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لئے کیا رکھا۔ اُس نے کہا کہ اُمید۔ اُس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اُس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔

اگلے زمانہ کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی بُرا سمجھتے تھے۔ نقل ہے کہ خدا نے انسان کے پاس ایک صندوق بھیجا۔ جب اُس کو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں۔ اُمید بھی اُسی صندوق میں تھی وہ نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چپٹ رہی اور صندوق چھپی میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے۔ پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصاً جبکہ اُمید ایک عمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو۔ اور ایسی چیز کی ہو جو اُمید کر نیوالے کو حقیقت میں خوش کر سکتی ہو۔ اس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوش حال آدمی کے لئے بھی زمانہ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

نیں یہ سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عمدہ عمدہ چیزوں کی بہت سی اُمیدیں ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہموں پورا پورا خوش کر سکتی ہیں۔ دینی چیزوں کی اُمیدیں نبوی چیزوں کی اُمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی یہی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اس قسم کی اُمیدوں کا خیال ہی ہموں پورا پورا خوش رکھتا ہے۔ بلاشبہ اُمید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُس پر سب تو ضرور آ جاتا ہے۔ مگر مذہبی اُمیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں۔ تکلیف کی حالت میں دل کو تسکین دیتی ہیں بلکہ اُس کو اس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس اُمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی اُمید گویا مرہ کو زندہ کویتی ہے اور اُس کے دل کو غایت درجہ کی خوشی بخشی ہے۔ انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور

روح اُس بڑی چیز کے ہلکے لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخر کار اس اُسید کی خوشی میں اس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اُس سے بل جا دیگی۔
حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اس مضمون کا گیت گایا تھا۔

میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں۔ وہ میری دائیں طرف ہے اسی لیے میں گھبراتا نہیں۔ میرا دل خوش ہے۔ میرا گوشت بھی اسی اُسید میں رہیگا کہ تو میری روح کو جہنم میں ڈالے۔ تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھیگا۔ تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلائیگا۔ تیری ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے۔ تیری ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے۔ آمین۔“

اخلاق

مسٹر اڈیس کا قول ہے کہ مذہب کے دو حصہ ہو سکتے ہیں۔ ایک اعتقادات۔ دوسرا عملیات۔ مسٹر اڈیس کی غرض اعتقادات سے صرف وہ مسائل ہیں جو وحی سے معلوم ہوئے ہیں اور جو عقل سے یا کارخانہ قدرت پر غور کرنے سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مگر حکموں کے اس بیان سے کسی قدر اختلاف ہے۔ ہم اعتقادات اُن مسائل کو کہتے ہیں جن کا ہونا عقل و نیچر یعنی کارخانہ قدرت کے اصول پر ناممکن نہیں ہے۔ الہم اُن دونوں کی بنا پر اُن کے ہونے کا یقین نہیں کر سکتے تھے۔ وحی نے صرف اُن کے ہونے پر حجب وہ ہوں حکموں کا یقین دلا دیا ہے اُن کا ہونا بتلایا ہے۔ ہم نے اس مقام پر صرف تردید کو اس لیے استعمال کیا ہے کہ ہمارے اس بات میں شبہ ہے کہ اُن مسائل پر جن کو ہم نے اعتقادات میں داخل کیا ہے یقین لانا جزو ایمان ہے یا نہیں۔ عملیات میں مسٹر اڈیس نے اُن مسائل کو داخل کیا ہے جن کو عقل و نیچر کے مطابق مذہب نے بھی ہدایت کی ہے۔ پس وہ پہلے حصہ کا نام عقاید رکھتے ہیں اور دوسرے حصہ کا نام اسباق۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم شہ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اعتقادات پر اس قدر خیال کرتے ہیں کہ اخلاق کو بالکل بھول جاتے ہیں اور بعض اخلاق پر ایسے متوجہ ہوتے ہیں کہ اعتقادات کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ صاحب کمال آدمی کو ان دونوں میں سے کسی بات میں تقاض رہنا چاہیے۔ جو لوگ اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر ایک سے کیا کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ دل سے ہمارے اس

بیان کی تصدیق کرئیے ۛ

افسوس ہے کہ اس مقام پر بھی مجھ کو سٹرڈین سے کچھ عقواسا اختلاف ہے۔ پچھلا حصہ اُن کے اس مضمون کا نہایت صحیح ہے مگر پہلے حصہ میں کچھ غلطی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعتقادات میں اور عملیات میں جس کو سٹرڈین اخلاق کہتے ہیں کچھ علاوہ نہیں ہے۔ انسان اعتقادات پر کتنا ہی زیادہ خیال کرے اُس کے اخلاق میں کچھ تفاوت نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اخلاق پر کیسا ہی متوجہ ہو اُس کے اعتقادات میں کچھ نقصان نہیں آ سکتا کیونکہ یہ دونوں کلام دو جدا جدا آلوں اور دو جدا جدا اشخاصوں سے متعلق ہیں۔ پہلا ہمارے دل یا ہماری روح اور خدا سے۔

دوسرا ہماری ظاہری حرکات اور جذبات اور انسان سے ۛ

پھر وہ لکھتے ہیں کہ گوند مذہب اخلاق اور اعتقاد پر منقسم ہے اور اُن دونوں میں خاص خاص خیال ہیں مگر اخلاق کو اعتقاد پر اکثر باتوں میں ترجیح ہے ۛ

(۱) کیونکہ اخلاق کی اکثر باتیں نہایت صحیح اور بہت مضبوط ہیں یہاں تک کہ اگر اعتقاد بالکل قائم نہ رہے تب بھی وہ باتیں (یعنی اخلاق کے مسائل) بدستور قائم رہتی ہیں ۛ

(۲) جس شخص میں اخلاق ہے اور اعتقاد نہیں وہ شخص بہ نسبت اُس شخص کے جس میں اعتقاد ہے اور اخلاق نہیں انسان کے لیے دنیا میں بہت زیادہ بہتری کر سکتا ہے۔ اور میں اس قدر آفر زیادہ کہتا ہوں کہ انسان کے لیے دین اور دنیا دونوں میں بہت زیادہ بھلائی کر سکتا ہے ۛ

(۳) اخلاق انسان کی فطرت کو زیادہ کمال بخشتا ہے کیونکہ اُس سے دل کو قرار و آسودگی ہوتی ہے۔ دل کے جذبات اعتدال پر رہتے ہیں اور ہر ایک انسان کی خوشی کو ترقی ہوتی ہے ۛ

(۴) اخلاق میں ایک نہایت زیادہ فائدہ اعتقاد سے یہ ہے کہ اگر وہ ٹھیک ٹھیک ہوں تو تمام دنیا کی مذہب تو میں اخلاق کے بڑے بڑے اصولوں میں متفق ہوتی ہیں گو کہ عقاید میں وہ کیسی ہی مختلف ہوں ۛ

(۵) کفر سے بھی بد اخلاقی زیادہ بدتر ہے یا اس مطلب کو یوں کہو کہ اکثر لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک نیک چلن نہایت جاہل وحشی جس کو خدا کی باتوں کی کچھ خبر بھی نہیں ہو سکتی بجا سزا دیا جاتا ہے مگر بد چلن معتقد آدمی بجا سزا نہیں پاسکتا ۛ

(۶) اعتقاد کی خوبی اسی میں ہے کہ اس کا اثر اخلاق پر ہوتا ہے۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ اعتقاد کی معنی خدا کے دیئے ہوئے مذہب پر ایمان رکھنے کی خوبیاں کیا ہیں تو کیا ہم اس بات کی صحت جو ہم نے ابھی بیان کی بخوبی معلوم ہو جاوے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مذہب کی خوبیاں ان باتوں میں ہیں جن کو نیکیتیں بیان کرتا ہوں +

۱۔ اخلاق کی باتوں کو سمجھنا اعدائے کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا +

۲۔ نیک اخلاق پر عمل کرنے کے لیے نئے نئے اور قوی قوی اعتراض کو ہم پہنچانا +

۳۔ خدا کی نسبت عمدہ خیالات پیدا کرنا اور اپنے ہمجنسوں میں اچھا برتاؤ کرنا جس سے آپس میں محبت زیادہ ہو اور خود انسان نپے تپے حالت کو کیا بلحاظ اپنے نچر کی خوبی کے اور کیا بلحاظ اس کی برتری کے بخوبی سمجھے +

۴۔ بُرائی کی بُرائیوں کو ظاہر کرنا +

۵۔ سخاوت کے لیے نیک اخلاق کو عام درجہ پر بٹھانا +

مذہب کی خوبیوں کا یہ ایک مختصر بیان ہے مگر جو لوگ اس قسم کے مباحثوں میں مشغول رہتے ہیں وہ نہایت آسانی سے ان خیالوں میں ترقی دے سکتے ہیں اور مفید نتیجے ان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ان سب باتوں کا ظاہر نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اخلاق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا جب تک اخلاق کو عیسائی مذہب کا سہارا نہ ہو۔ یہ قول مشرٹن کا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی اعتقاد یا کوئی مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا جس کا نتیجہ اخلاق کی حمد کی نہ ہو۔ پس اخلاق کو کسی مذہب کا کچھ سہارا دینا نہیں ہے بلکہ مذہب یا اعتقاد کے سچ سمجھنے کو اخلاق کا سہارا دینا ہے +

مشرٹن اور بھی دو ایک اصول قائم کرتے ہیں جو اس گفتگو سے علاوہ رکھتے ہیں +
(۱) وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسی بات کو اعتقاد کی جڑ نہ قرار دینا چاہیے جس سے اخلاق کو

تسلیم اور ترقی نہ ہوتی ہو +

(۲) کوئی اعتقاد صحیح بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا جس سے اخلاق خراب یا ان میں تنزل

ہوتا ہو +

یہ دو اصول مشرٹن کے ایسے عمدہ ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص جس کے دل کی ہاتھ مدھنے اندیشی نہ کی ہو ان سے انکار نہیں ہو سکتا +

اس کے بعد سٹراڈسین انہیں اصلوں پر ایک اور مسئلہ متفرع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام مشتبہ مقاموں میں مکہ نہایت غور کرنی چاہیے اگر بالفرض وہ غلط ہو تو اُس سے کیا کیا نتیجے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایمان کے مضبوط کرنے اور خیالی ثواب حاصل کرنے کی مانگ میں لوگوں کو تکلیف دینا۔ لوگوں کے دلوں میں رنج اور نفرت۔ غصہ اور سخت عداوت پیدا کرنا اور جس چیز پر اُن کو اعتقاد نہیں ہے بربادستی اُن سے قبول کروانا۔ ایسے جذبات میں ہم اسی پر پس نہیں کرتے بلکہ ان سب باتوں کے سوا ہم اُن کو دنیا کے ناپید اور خوشی سے بھی محروم کرتے ہیں۔ اُن کے جسم کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی دولت کو خراب کرتے ہیں۔ اُن کی ناموریوں کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کو برباد کرتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو تلخ کر دالتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخر کار اُن کو مار ڈالتے ہیں۔ پس جب کسی مسئلہ سے ایسے نتیجے نکلیں تو مجھ کو اُس مسئلہ کے مشکوک ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا جیسے کہ علم حساب میں دو اور دو چار ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا پس ایسے مسئلہ کو اپنے مذہب کی بنیاد نہیں ٹھہرا سکتا اور نہ اُس پر عمل کر سکتا ہوں +

اس قسم کے معاملات میں ہم صریح اپنے مجتہدوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جس مسئلہ سے ہم ایسا کہتے ہیں بلاشبہ وہ مشکوک اور قابل اعتراض ہے۔ اخلاق اُس سے بالکل خراب ہو جاتے ہیں +

یہ مضمون سٹراڈسین کا غالباً عیسائی مذہب کے اُس نامہ پر اشارہ ہے جبکہ روسن کیتھاک اور پروٹسٹنٹ فرقہ میں دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اور مرد اور عورت دونوں مذہب نامہ پر آگ میں جلانے جاتے تھے اور نہایت بد بخت خوں ریزیاں جو درحقیقت کرشناچی کے بالکل برخلاف تھیں ہر سہی تھیں +

لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسا ہی نوعِ خوار اسن اور اخلاق کے برخلاف جہاد کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ مسئلہ درحقیقت ایسا ہی ہو جیسا کہ بعض یا اکثر حقیقت تک نہ پہنچنے والے یا خود غرض لوگوں نے سمجھا ہے یا اکثر ظلم و مکار مسلمان حکمرانوں نے برتا ہے تو اُسکے اخلاق کے برخلاف ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے بلکہ جو حقیقت جہاد کی درحقیقت مذہب اسلام کی رو سے ہے وہ اخلاق کے برخلاف نہیں ہے۔ اس میں کسی قسم کا جبر یا کسی کے مذہب کو مجبور ٹھہرانا یا مذہب کے لیے کسی کا خون بہانا مطلق نہیں ہے۔ وہ صرف نیشنل لاپرینی اُس قانون پر جو مختلف قوموں کو آپس میں برتا

چاہتے مبنی ہے اور جو کل مذہب ہی مذہب توہوں میں جاری ہے +
 اس مسئلہ کا ذکر کرنے اپنی متعدد تصنیفات میں کیا ہے اور اُمید ہے کہ کبھی اس مضمون پر
 کوئی تحریر اس پرچہ میں بھی چھاپینگے +
 مسٹر اڈین اپنے اس مضمون کو کسی مصنف کے نہایت عمدہ اور دل میں اثر کرنے والے
 کلام پر ختم کرتے ہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے۔ ”آپس میں نفرت پیدا کرنے کو تو ہمارے لیے مذہب
 کافی ہے۔ مگر ایک دوسرے میں محبت پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں۔“
 میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو برتاؤ مذہبوں کا اس زمانہ میں ہے وہ ایسا ہی ہے اور
 مسلمانوں کا برتاؤ سب سے زیادہ برا ہے۔ مگر سچے مذہب کا یعنی اسلام کا سچا مسئلہ یہ ہے
 کہ ”خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا“ پس جو کوئی اس مسئلہ کے برخلاف ہے
 وہ غلطی پر ہے +

ریا

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کُچھ اور باطن کُچھ ہوتا ہے۔ دنیا دار اور رند
 مشرب آدمی جس قدر کہ دراصل وہ بدیہی اُس سے زیادہ اپنے تئیں بہناتے ہیں۔ دینداری
 کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ بہتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو مانتے ہیں۔
 وہ تو دینداری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماش مبنی اور
 بچ پنے کی باتوں کی جن کو دراصل انہوں نے کیا بھی نہیں گپیں اور ڈالتے ہیں۔ اویہ حضرت
 بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور شی
 کی او جمل شکار کھیلتے ہیں۔ تئیں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں بُرے نہیں ہیں
 مگر ایک اور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علاحدہ ہیں اور انہیں کا کچھ
 ذکر نہیں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کی بناوٹ ایک اور ہی عجیب قسم کی ہے۔ وہ اپنی
 بناوٹ سے دنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ میں پڑتے ہیں۔
 وہ بناوٹ خود اُن سے انہیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے جس قدر کہ درحقیقت وہ نیک
 ہیں اُن سے زیادہ اُن کو نیک جلتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے
 یا ان بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس عبادتوں نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اُن سے

پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے کہ کوئی اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھ کو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر دے جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں مگر ان کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کتنی نصیحت کے محتاج ہیں۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں بچ سکیں اور جن کے کوئی عیب بھی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں +

عام قاعدہ تو اس کے لئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو ان مذہبی اصولوں سے جو ہماری ہدایت کے لئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اس پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں۔ جس نے یہ فرمایا کہ انا بشر مثلكم روی حی الی انما الہکم اللہ واحد اور جو اس درجہ کمال تک پہنچا جہاں تک انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ اور جسکی زندگی ہماری زندگی کے لئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنے والوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے بڑا ماڈل اور بہت بڑا دانائے استاد ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا۔ اور کچھ زمانہ کے گزرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت ان واقعات کی جو گندے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر بس اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مسئلہ براہ پر لے آتے ہیں +

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن کچھ کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب ان کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عیب رکھتے ہیں کہ اسکو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے ان کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم ان کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اسکے دشمن کچھ خوب ٹھوٹتا ہے اور کوئی نہ کرنے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے جھوٹی بات کہہ رہا ہو مگر اکثر اس کی کچھ کچھ اصلیت ہوتی ہے +

تا نباشد چیز کے مردم نگونہ چسبنا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لئے بھوکا اپنے دشمن کا زیادہ احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ کچھ ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے بھوکا وہی نتیجہ ملے گا جو ایک شفیق استاد سے ملنا چاہیے تھا۔

دشمن جو عیب سچ یا غلط ہم میں لگتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ مگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں سرچ ہے کہ دشمن از دوست ناصح تراست ایس جزمکونی نہ گوید و ایس عزمدی بخند پلوتا کہ کادشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ دشمن جو بھوکا بد نام کرتے ہیں اُس سے بھوکا ہاری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چل میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو بھوکا اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا چاہیے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر بھوکا یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنی والے ہماری تعریف کرتے ہیں وہ اہل ہم میں کس تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا چال چل ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت میں پسند آکر اپنے تئیں بہت برا سمجھنے لگتے ہیں ان کو اپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں مانتے۔

بھوکا یہی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر حقیقت اُس کی نیکی مشتبہ ہے زیادہ امر کرنا نہیں چاہیے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت رکھنی چاہیے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک ل ہیں اور جس طرح ہم نیکی کی بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک ل سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی سمجھنا چاہیے

کہ ان اختلاف کرنے والوں نے صرف آنادھی رائے اور اُس دلی نیکی سے جس کے حشر و چکی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ یا پابندی رسم و رواج اور تعصب اور تعلید نے ان کے دل کو پھیرا ہے کیونکہ اگر یہ چھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بیقدر ہو جاتی ہے ۔

جہاں جھکو دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں جھکو نہایت ہوشیاری اور بہت خبردار بھی ہے کام کرنا چاہیئے ۔ حد سے زیادہ سرگرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے کے لوگوں کو بُرا اور حقیر سمجھنا ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ وہ فی نفسہ نہایت ہی بُری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہوں ۔ مگر اس پر بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لئے نہایت مشہور ہیں مگر نہایت لغو و زمرے شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھ کر اپنے دلوں میں اُسکی جڑ گاڑ دی ہے ۔ نیز اس بات کا اتوار کرتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو ۔

ایسی طرح ہموان کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں ہمارا ذہنی غلبہ ہے ۔ ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف سے پھیر جاتی ہے اور اُس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔ اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ بُرائیاں اور لاعلم عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں ۔ جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذباتوں کی بھی ترغیب ہو اُس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہوگی ۔

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹھونکنا اور دل کے تاریک جنبہوں کو دھونڈنا ہمارے لئے اُس سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں ہے ۔ اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھانی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے ۔ جس میں کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا ہمارے دل کو جانچے گا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ اتنا نہیں ۔ تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ماہے بے گلی ماہ نہیں ہمارے بانی اسلام نے جب جھکو دھوکا کھایا ہے کہ خدا ہر جگہ

اول اول یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی آپ خوشامد کرتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ ہی آپ اپنی خوشامد کر اپنے دل کو خوش کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اوروں کی خوشامد ہم میں اثر کرنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو خود ہم کو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے پھر بھی محبت ہم سے باغی ہو جاتی ہے اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے اور جو محبت و مہربانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں اور وہی تہری محبت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ اُن خوشامدیوں پر مہربانی کرنا نہایت حق اور انصاف ہے جو ہماری باتوں کو ایسا سمجھتے ہیں اور اُن کی اس قدر قدر کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دل ایسا نرم ہو جاتا ہے اور اس قسم کے پھسلاو سے اور فریب میں آ جاتا ہے تو ہماری عقل خوشامدیوں کے مکر و فریب سے اندھی ہو جاتی ہے اور وہ مکر و فریب ہماری ہر طبیعت پر بالکل غالب آ جاتا ہے۔

لیکن اگر شخص کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ خوشامد کا شوق کیسے نالایق اور کمینہ سببوں سے پیدا ہوتا ہے تو یقینی خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی ویسا ہی لایق اور کمینہ متصور ہونے لگیگا۔ جبکہ ہر کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں ہے یا ہم ایسے بنا چاہتے ہیں جیسے کہ حقیقت ہم میں نہیں ہے تب ہم اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کرتے ہیں جو اوروں کے اوصاف اور اوروں کی خوبیاں ہم میں لگانے لگتے ہیں۔ گو سبب اس کمینہ شوق کے اُس خوشامدی کی باتیں ہم کو اچھی لگتی ہوں مگر حقیقت وہ ہم کو ایسی ہی تدریب ہیں جیسے کہ دوسروں کے کپڑے جو ہمارے بدن پر کسی طرح ٹھیک نہیں۔ اس بات سے کہ ہم اپنی حقیقت کو چھوڑ کر دوسرے کے اوصاف اپنے میں سمجھنے لگیں۔ یہ بات نہایت عمدہ ہے کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ مچ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعض جھوٹی نقل بننے کے خود ایک چھٹی اصل ہو جاویں کیونکہ ہر قسم کی طبیعتیں جو انسان رکھتے ہیں اپنے اپنے موقع پر مفید ہو سکتی ہیں۔ ایک تینہ مزاج اور مت چالاک آدمی اپنے موقع پر ایسا ہی مفید ہوتا ہے جیسے کہ ایک روتی صورت کا چپ چاپ آدمی اپنے موقع پر۔

خود می جو انسان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چپ چاپ سوئی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد اُس کو جگاتی اور ابھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اُس میں چھوڑے پن کی کافی مہارت پیدا کر دیتی ہے۔ مگر یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح خوشامد ایک بدتر چیز ہے اسی طرح مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب ہے۔ ہر قسم کے شاعر

دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کہ اُن شاعر سے اُن لوگوں کا نام باقی رہتا ہے جن کی وہ تعریف کرتے ہیں اور شاعری کی خوبی سے خود اُن شاعروں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے۔ نول شخص خوش ہوتے ہیں۔ ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اُس لیاقت کو تیز کرنے کے سبب سے۔ مگر لیاقت شاعری کی یہ ہے کہ وہ نہایت بڑے استاد مصور کی مانند ہو کہ وہ سہل صورت اور رنگ اور خال خط کو بھی قائم رکھتا ہے اور پھر بھی تصویر ایسی بناتا ہے کہ خوش نامعلوم ہو۔

ایشیا کے شاعروں میں ایک بڑا نقص یہی ہے کہ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جی تعریف کرتے ہیں اُس کے اوصاف ایسے جھوٹے اور ناممکن بیان کرتے ہیں جن کے سبب سے وہ تعریف تعریف نہیں رہتی بلکہ فرضی خیالات ہو جاتے ہیں۔

ناموری کی مثال نہایت عمدہ خوشبو کی ہے جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری واجب تعریف ہوتی ہے تو اُس کا دیا ہی اثر ہوتا ہے جیسے عمدہ خوشبو کا۔ مگر جب کسی کمزور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ فیاضی: می کو بدنامی اور نیک نامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو سنا بہ عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے جیسے غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ عوام کے درجہ سے اوپر ہیں اُنہی لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسے تھرمیٹر میں مٹی حصہ موم کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو صاف اور سبک اوپر ہوتا ہے۔

گذرا ہوزنا

برس کی خستہ کو ایک بڑھا اپنے اندھیرے گھر میں ایسا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈروانی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی ٹرپ ٹرپ کر ڈرکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے چلتی ہے۔ دل کا پتلا ہے اور دم کھیرتا ہے۔ بدعا نہایت غمگین ہے۔ مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ کیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کوٹک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے کچلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ باتوں سے ڈھکے ہوئے موٹھ پر آنکھوں سے آنسو بھی ہی چلے جاتے ہیں۔

بچھلا زمانہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُسکو یاد آتا ہے جیسا اُسکو

کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپہ شرنی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھراں باپ۔ بھائی بہن اُسکو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بچل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُسکو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ علمین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا۔ اُسے وقت اُسے وقت مائے گذرے ہوئے زمانے۔ افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا؟

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن۔ سیلی آنکھیں۔ مرنی کی ٹری سے دانت۔ اُمنگ میں بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔ اُس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانے میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ ”اُہ ابھی بہت وقت ہے۔“ اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُسکو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اُس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے طیارہ رہتا۔ آہ وقت گزر گیا۔ آہ وقت گزر گیا۔ اب بچپانے کیا ہوتا ہے افسوس میں نے آپ اپنے میں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ”ابھی وقت بہت ہے؟“

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل بھٹا جاتا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹھنڈے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلا کر بولا۔ ”اُسے اُسے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔“

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن۔ دوست آشنا یاد آئے۔ جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اُسکو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے یہ کہتی ہوئی کہ اُسے بیجا وقت گزر گیا باپ کا نورانی چہرہ اُسکے سامنے ہے اور اُس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیجا ہم تمہارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے بھائی بہن دانش میں انگلی دیئے ہوئے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ٹری جاری ہے دوست آشنا بے غم علمین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟

ایسی حالت میں اُسکو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ - بھائی - بہن - دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا۔ باپ کو ناراض کرنا۔ بھائی بہن سے بے مروت رہنا۔ دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا۔ اور اُس پر ان گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اٹھتا تھا کہ "مائے وقت نکل گیا مائے وقت نکل گیا۔ اب کیونکر اس کا بدلہ ہو؟"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اور ٹکراتا لڑتا کھڑکی تک پہنچا۔ اُسکو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اُسکی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں اسکو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں کہ وہ جوانی ہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جو بن نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جو شش اُس نے اپنی اُس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا۔ نمازیں پڑھنی۔ حج کرنا۔ زکوٰۃ دینی۔ بھوکوں کو کھلانا۔ مسجدیں اور گنوں میں بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی اپنے پیروں کو جن سے محبت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا۔ مگر دل کی بقراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں۔ مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈ ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ گنوں میں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُسکی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے اُس کا دل پھر گھبراتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سو بھی۔ اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اٹھا "مائے وقت مائے وقت میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا؟"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی ختم لگی ہے۔ گھٹا کھل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہیں۔ اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لئے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُسکو آسمان کی برج میں ایک روشنی دکھائی دی اور اُس میں ایک خوبصورت دُہن نظر آئی۔ اُس نے ٹٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا جوں جوں وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک

ماضی و ناظر ہے ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریاکاری کی بُرائی بھوتلا دی جس سے انسان دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور خود اپنے آپ کو ہی فریب میں ڈالتا ہے۔ داؤد نے بھی اپنی مُناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے جہاں اُس نے کہا ہے۔ کہ اے خدا مجھ کو جانچ۔ میرے دل کی تہ کو ڈھونڈ۔ میرے خیالوں کو دیکھ۔ مجھ کو ٹٹول۔ مجھ کو بخوبی پرکھ۔ کہ مجھ میں کس بُرائی نے راہ کی ہے اور مجھ کو ایسی راہ پر لپٹل جو ہمیشہ کو قیام رہے۔

ہندوؤں میں ترقی تہذیب

یہ ایک نہایت عمدہ قول ایک بڑے فلاسفہ کا ہے کہ زمانہ سب سے بڑا فارمغینی مصلح

امورات ہے :

ہندوؤں کا حال دیکھ کر ہمارے دل کی تصدیق ہوتی ہے۔ انہی دنوں میں ہر سہین ہمارے صاحبِ بیگم کے بیٹے کی شادی ہر سہین ہمارا جے پور کے ہاں ہوئی ہے وہ اور اُن کے احباب جے پور بیاہنے کو گئے تھے۔ اور چند رُسیاں بنارس بھی اُن کے ساتھ تھے جب سب لوگ شادی کر کر واپس آئے تو دو صاحبوں نے جو نہایت عالیخاندان رئیس ہیں مجھ سے دعوت کا یہ حال بیان کیا کہ وہاں کئی سو راجپوت نے جو نہایت عمدہ قوم کے ہیں اور جن میں ہمارا جے پور و ہمارا جے ویجے نگرام بھی شامل تھے اس طرح پرکھی رسوئی کھائی۔ کہ ایک نہایت پر تکلف مکان فرشِ فردش سے آراستہ تھا شطرنجی اور نہایت عمدہ دھوئی ہوئی سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ اور اُس پر بہت بڑی لہنی خوبصورت ہالگنی کی میز لگی ہوئی تھی اور ہر چار طرف گرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تمام راجپوت اپنی پوشاک۔ دستار و قبا پہنے ہوئے اور پانوں میں جوتیاں پہنے ہوئے۔ ہتیار لگائے ہوئے سب گرسیوں پر اُن بیٹھے۔ میز پر سب کے سامنے انواع و اقسام کا کھانا چٹا گیا جب میں اُل بھات بھی تھا اور سب نے بے تکلف ایک میز پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا :

زیادہ تعجب یہ ہے کہ چونکہ اُن بھی کچھ تہذیب تھی۔ کچھ رسوئی بھی چل کر بہت دور فاصلہ سے آتی تھی اور سب راجپوت بلا صدمہ کھاتے تھے :

اس بات کے سُنے سے البتہ ہکونافوس ہے کہ میر پرچائے نفیس نفیس بہتوں کے بتوں کی کار کیا
تھیں جس کو ہندی میں پتل کہتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز تھی جو اُس زمانہ کو یاد دلاتی تھی جبکہ
دنیا کی قوموں کو برتن بنانے کا فن نہیں آتا تھا۔ مگر ہکو امید کرنی چاہیے کہ ہمارے ہندو بھائی
اپنے دھرم کو قائم رکھ کر بہت جلد تہذیب و شائستگی میں ترقی کرینگے +

حقیقت ہمارے لئے اور خصوص میرے لئے یہ بات نہایت خوشی کی ہے اس لئے کہ میں
ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں سویلریشن کی ترقی موقیام اُن کے
تہذیب کے نہیں ہو سکتی۔ مگر اس حال کے سُنے سے جو بے پوریں ہو مجھے یقین ہو گیا کہ
میرا یہ خیال غلط تھا اور میں اپنے اس خیال کے غلط نکلنے سے بے انتہا خوش ہوا ہوں
اور خود اپنے کو آپ مبارکبادی دیتا ہوں +

میری یہ سمجھ ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مسلمان ہیں۔ اگر ایک قوم نئے ترقی کی
اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا بلکہ اُس کی مثال ایک
کاٹرے آدمی کی سی ہوگی۔ لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے
نام کو بھی عزت ہوگی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کانٹری اور بڑھی بال بکھری و انت ٹوٹی
بیوہ کہلاوے ایک نہایت خوبصورت پیاری دلہن بن جاوے گی +
اور خدا تو ایسا ہی کر۔ امین +

مخالفت

دشمنی اور عداوت۔ حسد اور رنجش اور ناراضی کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو خود
اُس شخص میں کینہ عادتیں اور زہل اخلاق پیدا کرتا ہے اور بوض اس کے کہ وہ اپنے مخالف
کو کچھ نقصان پہنچاوے خود اپنا آپ نقصان کرتا ہے۔ اس انسانی جذبہ کو ہم مخالفت کہتے
ہیں +

دشمنی اور عداوت کا منشا اکثر تکلاف حقوق کے سبب سے ہوتا ہے۔ زن یا زر زمین یا
خون اُس جذبہ کے جوش میں آنے کے باعث ہوتے ہیں +
حسد کا منشا صرف وہ اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں جو محمود میں ہیں اور حاسدان کا خواہاں ہے
مگر وہ اُس میں نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں +

رجش و زاراضی اکثر باہمی معاشرت میں خلل واقع ہونے سے ہوتی ہے +
مگر ان سب کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو بغیر ان سببوں کے جوش میں آتا ہے
اُس کا منشاء نہ زرو زمین و زن کی دشمنی ہوتی ہے اور نہ مخالف کے اوصاف حمیدہ کی خواہش
ہوتی ہے کیونکہ شخص اپنے مخالف کے اوصاف حمیدہ کو اوصاف حمیدہ ہی نہیں تصور کرتا اور
باہمی معاشرت کا خلل اُس کا باعث ہوتا ہے اس لئے کہ اکثر ان دونوں میں ملاقات اور
واقفیت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا منشاء صرف یہ ہوتا ہے کہ اُسکی مخالف رائے یا عقل و سمجھ
دوسرے فریق کی رائے اور سمجھ سے مخالف ہوتی ہے +

یہ جذبہ مخالفت قریباً کل انسانوں میں پایا جاتا ہے مگر مذہب اور تربیت یافتہ اور نیک دل
آدمیوں میں اُس کا ظہور اُدھر طرح پر ہوتا ہے اور نامذہب اور ناتربیت یافتہ بد ذات آدمیوں میں
اُس کا ظہور دوسری طرح پر ہوتا ہے۔ پہلا اُس مخالفت سے ہر قسم کے فائدے اٹھاتا ہے اور
دوسرا ان فائدوں سے بھی محروم رہتا ہے اور دنیا میں خود اپنے تئیں بد طبیعت اور کذاب
نامہ ثبت کرتا ہے +

دنیا میں یہ بات قریباً ناممکن ہے کہ تمام لوگ ایک رائے پر گروہ کیسی ہی صحیح و سچ ہو متفق
ہو جائیں پس ضرور ہے کہ آپس میں اختلاف رائے ہو۔ نیک آدمی اپنے مخالف کی رائے کو نہایت
نیکٹلی سے سوچتا ہے اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اگر اُس میں کوئی اچھی بات ہو تو اُس کو
چُن لوں اور اگر مجھ میں کوئی غلطی ہو تو اُسکو صحیح کر لوں اور جب ایسی کوئی بات اُس میں نہیں پاتا
تو اپنے مخالف کی غلطیوں کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور ان غلطیوں کو اس طرح پر بتاتا
ہے جیسے ایک لُسنور دوست بتاتا ہے کہ میں کہیں طبیعت کو تروتازہ کرنے کے لئے نہایت
دلچسپ ظرافت بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی کوئی لطیفہ بھی بول اٹھتا ہے اور باوجود مخالفت کے
ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے +

کینہ طبیعت اور نامذہب ناشائستہ آدمی یہ رستہ نہیں چلتا۔ وہ بات کی حق و قبح کی طرف
توجہ نہیں دیتا بلکہ اپنے مخالف کے عیوب ذاتی سے بحث کرنے لگتا ہے سخت کلامی۔ دشت گئی
سب و شتم اپنا پیشہ کر لیتا ہے۔ اپنے مخالف کے عیوب واقعی جی کے بیان پر بس نہیں کرتا
بلکہ ہر قسم کے بہتان اُس پر لگاتا ہے۔ اور جھوٹی جھوٹی باتیں اُسکی طرف منسوب کرتا ہے اور خود
سور و لعنت اللہ علیہا کا ذہان بناتا ہے۔ اس راہ چلنے سے اور جھوٹ اہتمام کرنے سے اور

لعنت خدا کا مورد بننے سے اُس کا مطلب اپنے مخالف کو بدنام کرنا اور عام لوگوں میں جو اُس کے مخالف کے حال سے واقف نہیں ہیں راضی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مگر حقیقت اُس کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا اور بعض اس کے کہ اُس کا مخالف بدنام ہو خود وہی زیادہ رسوا اور بدنام ہوتا ہے اس لیے کہ جب اُس مخالف کی بُرائی جو اُس نے براہ کذب و اتہام اُس کی نسبت منسوب کی ہے مشہور ہوتی ہے۔ تو کوئی تو اُس کو سچ سمجھتا ہے اور بہت لوگ اُس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں اور جب اُس کی کچھ اصل نہیں پاتے تو بعض اُس کے مخالف کے خود اُسی کذاب پر لعنت اور تھوہ تھوہ کرتے ہیں اور بقول شخصے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی قلعی کھل جاتی ہے اور وہ جھوٹا بدگو خود اُسی گڑھے میں گرتا ہے جو اُس نے اپنے مخالف کے لیے کھودا تھا۔ پس انسان کو چاہیے کہ اپنے مخالف سے بھی مخالفت کرنے میں سچائی اور راست بازی نیکی اور نیک دلی کو کام میں لاوے کہ یہی طریقہ اپنے مخالف پر فتح پانے کا ہے ورنہ بعض اپنے مخالف کے خود اپنے میں آپ رسوا کرنا ہے +

ہم کو بُرا فہم ہے کہ ہمارے مخالف اس بچلے طریقہ پر ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ ہم کو اپنی مخالفت کا کیا اپنے پر اہتمام کرنے کا یا اپنی بدنامی کا کچھ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس بات کا فہم ہے کہ انجام کو ہمارے مخالف ہی رسوا و بدنام ہوتے ہیں۔ اور دنیا اُنہی کو دروغ گو و کذاب قرار دیتی ہے۔ اگر اُن کو ہمارے حال پر رحم نہیں ہے تو خود اُن کو اپنے حال پر رحم کرنا چاہیے۔
مَرْہَا تَقْبِلْ مَنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِیْمُ +

خوشامد

دل کی جس قدر بیماریاں ہیں اُن میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے۔ جس وقت کہ انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو دوبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو اُس وقت انسان مرض مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جبکہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اُس کے دل میں ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راک اور خوش آئند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا لگا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چمکنے کی جگہ اُس میں ہو جاتی ہے +

کہ وہ اُس کے بہت پاس لگی۔ وہ اُس کے صُحُجِ جال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور
 محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی بنی ہوں۔
 اُس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں ہے۔ نہایت آسان پر بہت
 مشکل۔ جو کوئی خدا کے فرض اُس بدوسی کی طرح جس نے کہا کہ ”واللہ لا انزید ولا انقص“
 ادا کر انسان کی بھلائی اور اُس کی بہتری میں سعی کرے اُس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی
 چیز ہمیشہ بننے والی نہیں ہے۔ انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہیگا۔ پس جو بھلائی کر انسان
 کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اُسی
 تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی موت اُن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند
 روز میں فنا ہو جاتی ہیں مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی
 روح ہوں۔ جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم
 کی بھلائی میں تو دل جان مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دہسن غائب ہو گئی اور بڑھا پھر اپنی
 جگہ ابھیٹھا۔

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی بچپن برس کی عمر میں کوئی
 کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اُس کے تمام کام
 ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیئے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی
 نظر سے کیئے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سوچ کر وہ اُس دلفریب دلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھ کر
 آئندہ کرنے کی بھی کچھ اُمید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بیقرار ہو کر چلا اُٹھا
 ”مائے وقت مائے وقت۔ کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں۔ مائے میں دشن نہرا دینا میں
 دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری اور بیہوش
 ہو گیا۔

مختواری دیر نہ گزری تھی کہ اُس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اُسکی
 پیاری ماں اُس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اُسکو گلے لگا کر اُس کی بی بی۔ اُس کا باپ اُسکو
 دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اُس کے گرد آکھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا
 کیوں برس کے برس دن روتا ہے کیوں تو بیقرار ہے کس لیے تیری چھلی بندہ گئی ہے

اٹھ موٹھ ماتھ دھو کپڑے پہن۔ نوروز کی خوشی منا۔ تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُکر اُسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس شیان بڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجھ سے کہا۔
 یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ ”او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں کبھی اُس بڈھے کی طرح نہ پچھاؤں گا اور ضرور اُس دُلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا او خدا تو میری مدد کر۔ امین“

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنوں۔ اور اے میری قوم کے بچے۔ اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ خیر و نفع میں اُس بڈھے کی طرح نہ پچھاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ امین“

بحث و تکرار

جب کہتے آپس میں بل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز لُن کئے تھنوں سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جبر اکھٹا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے تھان نکلنے شروع ہوتی ہے۔ پھر باچھیں چر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے۔ ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ مُٹھ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چٹ جلتے ہیں۔ اسکا ماتھ اُس کے گلے میں اور اُسکی ٹانگ اُسکی کمر میں۔ اُس کا کان اُس کے مُٹھ میں اور اسکا ٹینٹھا اُس کے جبرے میں۔ اُس نے اُس کو کاٹا اور اس نے اُس کو پچھا کر بھنبوڑا۔ جو کمزور ہوا مُردہ بکر بھاگ نکلا۔

نامتدب آدمیوں کی مجلس میں بھی اُس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر لیا پس بل بیٹھے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرے بولتا ہے۔ وہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے وہ تم کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔

دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیرہری چڑھ جاتی ہے۔ رخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈاؤنی ہو جاتی ہیں۔ باجھیں چڑھ جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اڑنے لگتا ہے۔ باجھوں تک کف بھڑکتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ جھوں۔ ماتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ عنیف عنیف آوازیں نکلتی لگتی ہیں۔ آستین چڑھا ماتھ پھیلا۔ اُسکی گردن اُس کے ماتھ میں اور اُسکی دُاڑھی اُسکی ٹھی میں لپا ڈوکی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر چھوڑ دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوتا تو کمزور نے پٹ کو کپڑے جھاڑتے سر پھلاتے اپنی راہ لی جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُس قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرض ہو کر رہ جاتی ہے کہیں توں نکار تک نوبت آ جاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اوزناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و فکر کرنے سے پرہیز کرے ۛ

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ ہی کوئی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیلکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی۔ محبت اور دوستی کو ماتھ سے دینا چاہیے ۛ

پس اے میرے عزیز مہوطنو۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ماتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اُدھ بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ اظہار رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوش بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین فیوض بات کا اُلٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہیں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اُس پر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ منہ ہی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اُس دو تین فیوض بات پر

تمہارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمہارا مطلب باتوں کی اس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا مشتبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسی کہ دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے ؟

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے سے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب تکو کہ تقریر پسنی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد کن ہو اسکو ختم کرو اور آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مہوطن اپنی بات پر غور کریں کہ ان کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے ؟

امید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمہاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی معنوں کی چوٹی۔ اے پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش میل بوٹو۔ تم نسبت ہمارے پاس کئے رختوں اور سرخ چھتییوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لیے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہمکو زیادہ خوش کرنے والی ہے ؟

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمو آئندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دور و صوب کرے تو خیر تک اسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ؟

او نورانی چہرہ والے یقین کی انکیلوتی خوبصورت بیٹی۔ امید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری صیبت کے وقتوں میں ہمو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمکو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی شکل شکل گھٹایاں ہم طے کرتے ہیں۔
 تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے
 لیے نام آوری۔ نام آوری کے لیے بہادری۔ بہادری کے لیے فیاضی۔ فیاضی کے لیے
 محبت۔ محبت کے لیے نیکی۔ نیکی کے لیے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری
 نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں +

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُسکو چھوڑا
 اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید
 ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسنے والے کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس
 ذات سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کد فرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا +
 اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ماتھے سے مصیبت اٹھائی اور پارسیٹ
 سہی۔ تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا
 جاتا تھا اور بجز ناپوسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی
 کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جو دی پہاڑ کی مبارک چوٹی
 کو عزت ہے + زیور کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی
 جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاداب اور
 سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک
 رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے دیران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے
 باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وناں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحسان
 جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے
 خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دودھ سا زمانہ کی خیالی
 خوشیاں سب موجود ہوتی ہیں +

دیکھ نادان بے بس بچہ گوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھند سے میں
 لگی ہوئی ہے اور اُس گوارہ کی ڈوبی بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ماتھے کام میں درد دل بچے میں ہے
 اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے اپنے باپ کی

مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ - اے میرے دل کی کونسل سورہ - بڑھاد پھل پھل
 تجھ پر کبھی غمراں آنے پاوے - تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے - کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو
 نہ آوے - کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے - سورہ میرے بچے سورہ -
 تیری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ - تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ
 روشن ہوگا - تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی - تیری شہرت تیری لیاقت -
 تیری محبت جو تہ سے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دینگے - تیری ہنسی ہمارے اندھیرے
 کھرکا اوجالا ہوگی - تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دوز کریں گی - تیری آواز ہمارے لیے
 خوش آئند راگنیاں ہوگی - سورہ میرے بچے سورہ - اے ہماری اُمیدوں کے پودے سو
 بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے - تم ہماری بچان لاش پاس
 کھڑے ہو گے - تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولیں گے - تم روو گے - اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے - اے میرے
 پیارے روئے دلے - تم ہمارے ڈھیر پر اگر ہماری روح کو خوش کرو گے - آہ ہم نہ ہونگے اور
 تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے - اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت
 یاد کرو گے - آہ ہلکویں رنج ہے کہ اس وقت ہماری محبت یاد اگر کر تم رنجیدہ ہو گے - سورہ میرے
 بچے سورہ - سورہ میرے بالے سورہ +

یہ اُمید کی خوشیاں اُن کو اُس وقت تھیں جبکہ بچہ غوغاں بھی نہیں کر سکتا تھا - مگر جب وہ
 فدا اور بڑا ہوا اور مصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں ماں کہنا سیکھا اُنکی
 پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی - آنسوؤں سے اپنی ماں
 کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا - پھر کتب سے اُسکو سرکار پڑا - رات کو اپنی ماں کے
 سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزہ دل سے سُنانے لگا - اور جبکہ وہ تاروں کی چھانوں میں اٹھکر
 اتنے موندھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نمازیں کھڑا ہونے لگا - اور اپنے بے گناہ دل
 بے گناہ زبان سے سب سے یا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اُڑ کر قلعہ زیادہ
 ہو گئیں - اُس کے ماں باپ اُس مصوم سینے سے سچی مہر دی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں ماں باپ کی
 پیاری اُمید تو یہی ہے جو مہر سے سجدہ تک اُسے ساتھ رہتی ہے +

دیکھو وہ بڑھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے - اُس کا پیارا بیٹا بیٹوں کے
 ریوڑ میں سے غائب ہو گیا ہے - وہ اُسکو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا - یا بوس ہے پر اُمید

نہیں ٹوٹی۔ لہو جھرا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے پر مٹنے سے نا اُمید نہیں۔ فاقوں سے خشک ہے۔ غم سے زار و زار ہے۔ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک اُمید ہے جس نے اُسکو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے۔

دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے۔ اُس کا سوچ کا سا چکنے والا چہرہ زیرو ہے۔ بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے۔ بڑے باپ کا غم اُس کی روح کو صدر پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل کو ٹھکین رکھتی ہے۔ قید خانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی خیال اُسکو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے۔ مگر اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید۔ تجھی میں اُس کی خوشی ہے۔

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے۔ کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ ہزاروں خطرے پیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے۔ لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سُجبان کا عالم ہوتا ہے۔ دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرات ہوتی ہے۔ اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے۔ اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُسکی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسائے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے۔ اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اسے بہادروں کی قوت بازو۔ اور اسے بہادری کی اُٹ۔ تیرے ہی سبب سے فتح دی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔ اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نمک کی آواز سُنتا ہے۔

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے۔ دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے۔ اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے گاؤں بیگانوں سے ملتا ہے۔ ہر ایک کی اُل حال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے۔ مشکل کے وقت ایک بڑی ماہوسی سے مدد مانگتا ہے۔ جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنہیں کو دشمن پاتا ہے۔ شہری وحشی

بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتوؤں کا ڈر دکھاتے ہیں۔ بھائی بند عزیز اقرار سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں:

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں

بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگراں لں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہ کر بہت سی اہم ردی کرتے ہیں۔ پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اسے بیقرار دلوں کی راحت اور اسے شکستہ خاطرہ کی تقویت۔ تو ہی ہم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے او ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے پیارے مدد کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہماری دل کی تسلی رہے۔

اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹٹھانا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ہے۔ مانتہ پائوں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ مونہ پر مردنی چھاتی ہے۔ ہوا آہو میں پانی پانی میں۔ ٹٹی ٹٹی میں طنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے سے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اُس وقت اُس زرو چہرے اور آہستہ آہستہ ہلے ہوئے ہوٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دیبا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے تیری صدا کا گون میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی امید ہوتی ہے۔

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے اُس لازوال آنیوالی خوشی کی امید تمام دنیاوی ریخوں اور جہانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے۔

ادھار آئی آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہکو ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں سورج کی کرن اور زمانہ کی لہر بھی نہیں پہنچتی تیری راہ تین چیزوں سے ملے ہوتی ہے۔ ایمان کے

توشہ اور اُمید کے مادی اور موت کی سواری سے مگر ان سب میں جبکہ سب سے زیادہ قوت ہے۔
ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام اُمید ہے +

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی گھنٹی گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی۔ مگر میں جانتا ہوں
کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں
کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف
آنے والے زمانہ کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی
میں نہایت ہشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے +

بقدر ہر سکوں راحت ہو دیگر تفاوت را
دویدن رفتن استاد نشستن خفتن مژدن

محبیبانی

اور

محبیبانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو اکیلی سی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی میں
بٹھا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع
ہے۔ پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رو سے کافروں سے صرف وہی
دوستی ممنوع ہے جو من حیث الدین ہو اور اسکے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان
کو دوسرے انسان سے ہو سکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ
دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیوں کر کر سکتے ہیں +

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی امر میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں
حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلیٰ و اعلیٰ
عالم و جاہل اس میں تمیز کرتا ہے +

فرض کرو کہ کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اُس سے
کیوں محبت رکھتے ہو وہ اسکا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا بڑا محسن ہے۔ اُس نے بڑے مشکل شکل

وقتوں میں مجھ پر احسان کیے ہیں تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے۔ بیماری کی حالت میں میری تیمارداری کی ہے۔ دوا دار و علاج معالجہ میں بڑی کوشش کی ہے۔

یا وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں۔ دن رات آپس میں اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے۔ روز روز کی ملاقات۔ بات چیت۔ ہنسی۔ مذاق۔ دل لگی مزاج کی باہمی موافقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہو گئی ہے۔

یا وہ ہر کتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اُس کو بدرجہ غایت کمال ہے۔ اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے دلی محبت اور جانی دوستی ہو گئی ہے۔

یا اُس کا سبب وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے۔ اُس کے حسنِ جمال نے میرے دل میں ایسی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کر دیا ہے۔

پھر ہم اُس سے دوسرا سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگانِ بین میں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ ہاں کیوں نہیں۔

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سو برس پہلے گزر چکے ہیں اُنھوں نے کوئی تم پر احسان نہیں کیا۔ کسی مشکل کے وقت میں تمھارے کام نہیں آئے۔ کبھی تنگی کے وقت

تم کو کچھ نہیں دیا۔ کبھی تمھاری تیمارداری نہیں کی۔ کبھی تمھاری دوا دارین علاج معالجہ میں کوشش نہیں کی۔ کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے۔ کبھی ساتھ اٹھے بیٹھے۔ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت

ہوئی۔ کبھی ہنسی مذاق ہوا۔ نہ باہم مزاجی موافقت ہوئی۔ جس فن کا تم کو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ نہ تم نے اُن کو دیکھا کہ اُن کے حسنِ جمال نے تم کو فریفتہ کر لیا ہو۔ پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو۔

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہو کر اور لالہ ہونے لگا کہ فریفتہ بھری آواز سے جواب دیتا ہے کہ میاں وہ بزرگانِ بین تھے۔ خدا کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے۔ وہ دینداری میں یگانہ وقت تھے خدا پرستی

اور زہد و تقویٰ و عبادت میں یگانہ تھے۔ ایمان کامل اُن کو نصیب تھا۔ دین میں سب کے سردار تھے۔ اس لیے اُن سے محبت رکھتے ہیں۔

اب میں بتانا ہوں کہ یہ کبھی محبت۔ محبت من حیث الدین ہے جبکہ میں حبِ ایمانی کہتا ہوں۔ اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً منوع اور حرام بلکہ کفر ہے اور پہلی محبت

جس کو میں حسب انسانی کہتا ہوں شرعاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداهت تفرقہ و تمیز موجود ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بمقتضائے فطرت انسانی ایک کو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود معدوم ہونے اُن تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الٰہین تھی۔ اب کوئی شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی محبت میں تمیز نہیں کر سکتا۔

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل سچ ہے۔ بلکہ تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور برتنی چاہیے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حسب انسانی کے درجہ پر ہو نہ حسب الٰہی کے کیونکہ حسب الٰہی بلکہ اتحاد مذہب بلکہ بلا اتحاد مشرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہو ہمارے سچے مذہبِ امام نے کی ہے۔ وَلِلّٰہِ دِہْنُ قَالِہٖ

ماقتہ سکنر و دارا نخواستہ ایم

ازما بجز حکایت مہر و وفا میرس

سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا ہے؟ اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے؟ کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرت انسان کی فطرت میں اس کو پیدا کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ کیا یہ کوئی اصطلاح ہے جس کو لوگوں نے ایجاد کیا ہے؟ یا ایسی چیز ہے کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں کا اس کا تعلق ہے۔ قانون قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لئے انسان نے حالات پر مہم نظر کرنی چاہیے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہریوں میں۔ سب میں اس کا نشان ملیگا۔ گو اس کی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں۔ آلاسب کی جڑ ایک ہی ہوگی۔

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند۔ یا یوں کہو کہ چمپسیہ کو اچھا ٹھہرتا ہے اور چمپسیہ کو بُرا۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اُس بُری چیز کی حالت کو اچھی حالت سے تبدیل کر لے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز

سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کی ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شے نہیں کہ یہ سیلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے +

سولزیشن یا تہذیب کپیٹ انسان کی طبیعت کے مائل ہونے کے دو اصول ٹھہرے۔ اچھا بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب حلقی اور خلقی۔ ملکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرنے میں۔ یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور دخل تہذیب جانتی ہے۔ دوسری قوم اُسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر رہتا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں۔ سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لیے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اُس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔ مگر جبکہ مختلف گروہ ہیں مختلف مقامات میں رہتی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کر سکے +

ملکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بود و باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ فکر اور خیال اور دماغ سے۔ اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہرتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ سب کر سکتے ہیں جن کے سبب اچھے اور بُرے کا خیال دل میں مٹھتا ہے +

اچھے اور بُرے کی جگہ میں اور لفظ کا استعمال کروں گا۔ یعنی پسند اور نا پسند۔ انگریزی میں ایک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں شامل ہوتا ہے۔ ہمارے زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں جیسے کہ مزایا مذاق۔ گروہ استعمال میں ایسے خاص ہو گئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع

معنی خیال میں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ ”پسند“ کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح معنی ہونا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے۔

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم طبعیات سے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجیب ہے کہ آئندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے ل سے دیکھیں جیسے ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے سے مگر موڈ ل سے دیکھتے ہیں۔

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بُرجی حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے۔ خلقی ہوں یا مادی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ تکلیف سے بچنے اور آسائش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زرد و جواہر۔ یا قوت الماس سے نہایت نفیس نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے۔ تا تربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پونہوں سے اپنی آرائش کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرائش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ تا تربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے پھلے ہوئے سنہری پوست۔ اور مرد کے سے رنگ کی باریک اور خوش نما گھاس میں گوندھ کر اپنے تئیں آراستہ کرتی ہیں۔ تا تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے۔ تا تربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستی پر مصروف ہیں۔ شاہی کلمات۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ تا تربیت یافتہ قوموں کے مجھونپڑے اور اُن کے رہنے کے کھونپے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈے۔ زمین میں کھودی ہوئی مکھنیں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی پسینوں۔ تمدن کے قاعدے۔ عیش و عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارا کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی تا تربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے۔ تا تربیت یافتہ قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں لی جوشوں اور

اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ جو قوتی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔ مگر تا تربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی ادا اور ادا کی بھرت۔ اُس کا گھٹاؤ اور اُس کا بڑھاؤ۔ اُس کا ٹھہراؤ اور اُسکی اوچ۔ بافتوں کا بھاؤ اور پائوں کی دھمک۔ زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر تا تربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں لی جوش کی موجیں ہیں۔ وہ لہی اور تال۔ رگ و رگنی کو نہیں جانتے۔ مگر دل کی لہر اُن کی لہی۔ اور دل کی پھر ٹک اُن کا تال ہے۔ اُن کا غول باندھ کر کھڑا ہونا۔ طبعی حرکت کے ساتھ اُچھلنا۔ دل کی بیتابی سے جھلنا اور پھر جوش میں اُکسیدھا ہونا۔ گونا گت اور فن خدیا گری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی ضرورت تصور ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور اُن کو عمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ تم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اُس کا تعلق عقلی اور ادبی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف رجوع۔ یا افنی درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف تحریک ہو سکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی تعلق ہے۔ پس سولز نیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے فعال اور ادبی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے سبب کو ڈھونڈنا اور اُن کو ایک سلسلہ میں لانا خلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی غولی اور فطرتی عہدگی پر پہنچانا۔ اور اُن سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اُس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور جسمانی خوبی۔ اور اعلیٰ تکمیل۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور حقیقت یہی پچھلی ایک بات ہے جس سے دشمنانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے +

اس تہذیب کے حاصل ہونے کے بقول مشر ایچ۔ ٹی۔ بیکل صاحب چار اصول ہیں +
 اوّل۔ جو چیزیں ہم کو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہم کو معلوم نہیں ہوتا۔ اُن کے سببوں و قواعدوں کو دریافت کرنا۔ اور اُن کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اسیں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی +

دوم۔ تحقیقات سے پہلے جس کا خیال پیدا ہونا چاہیے۔ جس سے ابتدا میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُسکی استقامت ہوتی ہے +

سوم۔ جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں۔ اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم۔ مگر اخلاق کی باتیں نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں۔ اور

اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے؟

چھٹکلام :- اس تحریک کا بڑا دشمن جو حقیقت سولائشیں کا بھی سخت دشمن ہے۔ یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امور کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو۔ تب تک انسان کے گردہ کی ترقی نہیں ہو سکتی یعنی سلطنت رکھایا کو یہ سکھلا دے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور مذہب سکھلا دے کہ کس بات پر یقین کرنا چاہیئے؟

پچھلی بات میں مسٹر بکل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہکو بتا دے کہ ہکو کیا کیا کرنا چاہیئے۔ انسان کی ترقی اور تہذیب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں۔ بلکہ تمام ایشیا میں اور ترکی اور ارمینیا میں بھی خاشاکی اور اتہاذی ہے۔ اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے غارت اور برباد کیا ہے۔ اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً گورنٹ سے ناراض رکھتا ہے۔ پس جب تک یہ خیال جاوے گا۔ اور یہ خیال آدینکا کہ ہم خود چیں کہ ہکو اپنے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ اُس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ حشمت۔ نہ عزت ہوگی نہ منزلت۔ اور نہ تہذیب ہوگی اور نہ شائستگی۔ مگر دو سمرانہ جملہ جو مذہب سے تعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط۔ یعنی غلط مذہب بلاشبہ تہذیب کا بڑا مانع ہے۔ اور اگر سچے مذہب میں غلط خیالات اور بیجا تعصبات اور مسائل اُجھادیہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ علماء اور اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ فرقہ و تمیز نہ رہے۔ جیسکے مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے۔ تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب کا مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے۔ الا سچا مذہب جیسا کہ ٹھیٹ مذہب اسلام ہے وہ کبھی باج ترقی انسان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور تہذیب و شائستگی کے کام و نواں متحد ہوتے ہیں؟

والسلام علی من اتبع الهدی

کاشنس

کاشنس نس۔ یعنی وہ قوت ممیزہ جو خدا نے

ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو

نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان

کے لیے سچی مادی اور اصلی پیغمبر ہے

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس زمانہ کے آزاد منش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ کیا کاشنس نس کوئی ایک مجدا قوت ہے جو انسان میں جداگانہ اُس کی ہدایت کے لیے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیں۔ تو اُس سے کوئی نتیجہ سچی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کاشنس نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو بُرائی سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت انسان کی طبیعت کی ہے اور اس کی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اُس کا نام ہے +

مگر فی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لیے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے یکساں رہنما ہو یہی جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اُس کی تمام انسان نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جملنے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو۔ مگر کاشنس انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ نقیض باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچی ہدایتیں نہیں ہو سکتیں +

اس شبہ کی نسبت کہ اُن متناقض کاشنسوں میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہوگا۔

ہر طاس نکلنے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں ہم پوچھیں گے کہ وہ کونسی چیز ہے جو کچھ اور غلط یا سچی اور جھوٹی کائنات میں تمیز کرنی ہے؟

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک انسان فی نفس ایک جداگانہ مخلوق ہے۔ اور ہر ایک کا پیغمبر یعنی اس کا کائنات خود اس کے ساتھ ہے۔ اور اس لیے مجموعی اتحاد کائنات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہوگا۔ کیونکہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کائنات میں حقیقت ایک جداگانہ مخلوق قوت۔ انسان کی رہنمائی کے لیے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول شریک کے ”بحث ختم ہو گئی“

علاوہ اسکے۔ جبکہ ہر ایک کا کائنات اس کا رہنما پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کائنات میں اختلاف و تناقض کا وجود بالیقین پایا گیا۔ تو ان دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نفی میں ہیں۔ ضرور ماننا پڑے گا۔ شاید ان کا تناقض نسبت یا حیثیت کی مدد سے رفع کیا جادے گا۔ اور یوں کہا جادے گا کہ عام دین کا ہادیوں کی صورت کو پوجنا اس لیے نیک ہے کہ اس کا کائنات اس کو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود و غزونی کا ٹھنڈا کسٹھنڈا کے ٹٹ کو توڑنا اس لیے نیک ہے کہ اس کا کائنات اس کو نیک بتاتا ہے۔ تو اس کے یہی ہوں گے کہ دنیا میں حقیقت نیک و بد کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلمان ہو یا ہندو۔ بدھست ہو یا جہو۔ اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا۔ باقی رہا دہریہ۔ وہ بھی اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بالفرض اگر ثواب و عقاب ایک شے معدوم ہو تو بھی خود دہریہ اس دنیا میں ہنگامی باتیں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور انہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک و بد سے یا منع و جائز سے تعبیر کرتے ہیں؟

قطع نظر اسکے۔ اگر ایک شخص کا کائنات ہی حال ہی حالت پر رہتا تو صحیح عقیدہ ہو سکتا کہ اس کا پیغمبر اس میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے۔ صحت کے بڑے۔ معلومات کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے یا بالکل بدلتا رہتا ہے۔ مسلمان کا عیسائی ہونے پر عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی کا برہمن ہونے پر۔ برہمن کا دھرمیہ ہونے پر کائنات بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی چابی پر نہیں کال رکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ انسان کا کائنات

اُس کا پیغمبر اور سچا رہنما نہیں ہو سکتا۔ بقول مسٹر بکل صاحب کے کہ اگر بعض باتوں میں کائنات ہکودھو کا دیتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اور باتوں میں دھوکا نہ لگا۔ پس مسیح اور غلط کائنات میں تمیز کرنے کو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم و ضرور ہے۔ یا اس مطلب کو یوں ادا کرو۔ کہ ہمارے لئے کئی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کائنات یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور ہمنزلہ سچے پیغمبر کے ہو۔

اس بیان سے جو ظاہر بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کچھ وچچ اُس میں کچھ نہیں ہے۔ اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کائنات فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتداء کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حذاتہ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کر لے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی کائنات انسان کا محافظ اور انسان کا رہنما ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں جان کائنات کا استعمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم مادی یا محافظ یا لگنا ہوں کا بخشنائے والا کہتے ہیں اور جس کو ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہاں ہماری ملاوٹ اسی کائنات سے ہے۔ اب ہم کو اُس چیز کی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کائنات کو ہونا چاہیئے یا جس سے ہماری طبیعت کی ایسی حالت ہو جاوے کہ وہ ہکودھو کہ نہ دے +

ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو

جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُسکو بھی اور حیوانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے۔ پیتا ہے۔ مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو ہم پہنچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی ہی کرتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اور چیز بھی پاتے ہیں جو آف حیوانات میں نہیں ہے وہ کیا ہے؟ سمجھو و فرکو۔ اور خیال اور اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں اتنا کچھ بھی پیدا کر سکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔ یا یوں کہو کہ بغیر اُس میں نہ تھی +

یہ ترقی یا اوصاف کی نیابتی دو چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ مادی سے اور غیر مادی سے پہلی سے اس مقام پر پہلو غرض نہیں ہے۔ دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاقہ رکھتی ہے۔ آسانی کے لئے ہم اُس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں۔ پس صحیح اخلاق یا مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لئے ہے۔ اور اس صفت سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جو اُسکو دھوکا نہیں دیتی۔

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی مخرج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُسکی تحت ہمیشہ مشتبہ ہے اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکا نہ دینے کا یقین نہیں کسی کا یہ کہنا کہ میں جو اخلاق یا مذہب کھاتا ہوں وہ اُسی مخرج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین کے قابل نہیں کسی ایسی بات کا کہ وہ کھانا۔ بشرطیکہ حقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے یا اُس وقت کے موجودہ گروہ کی سمجھ سے باہر ہو۔ اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں۔ بہت سی چیزیں ہمارے لوگ کھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ حالانکہ وہ دکھانے والے خود قابل ہیں کہ انہیں کچھ کرات نہیں۔ پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیے جس کے بانی کی طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہ ہو۔ اور وہ چیز بجز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں۔ اُس کے قانون قدرت اپنے سچے ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں۔ وہ ایسے متحکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں۔ وہ چھوٹے سے پشون بھی ایسے ہی متحکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پٹریں ہیں۔ پس یہی ایک مخرج ہے جس سے ہم اپنے میں ایسے اخلاق پیدا کر سکتے ہیں جن سے ہمارا کائنات یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے جو ہمارے کبھی دھوکا نہ دے۔

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُسکو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے تو اُس کے تعلق کے لئے بجز قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصد ویسی ہے اُس کی فطرت اور اُس کے قانون قدرت پر غور اور فکر کیاوے۔ اور جبکہ تمام چیزیں جو کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ مادی ہوں یا غیر مادی اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اُس کی طبیعت اور اُس کی اُمتیں غیر مادی صفت کی ترقی جس کا نام ہم نے اخلاق یا مذہب رکھا ہے۔ سب کے سب اُس قانون قدرت میں داخل ہیں۔ پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کر سکتا ہے جو انسان کے لئے

اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی جو حالت ہو وہی اسی حالت ہے جو ہکو دھوکا نہ دے۔

انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لئے
جو کبھی دھوکہ نہ دے مادی کا ہونا ضرور ہے جس کو
ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول
کہتے ہیں

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہو سکتے ہیں۔ مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک معتد بہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقائق پر پہنچ نہیں سکتے۔ اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ محدود سے چند کے سوا نہیں ہو سکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اس لیے تاکہ اُس قدر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے مادی پیدا کیے جاویں جن میں خلقی مہیا مادہ دیا گیا ہو جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو۔ وہ شخص جس میں خدا نے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کسی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ اگلوں کی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ہندو برونکتاب کے اُس ترقی تک پہنچتا ہے۔ اور پھر بھی متبہ رہتا ہے کہ پہنچایا نہیں مگر دوسرے شخص کی وہ ترقی کسی نہیں ہوتی۔ بلکہ وحشی ہوتی ہے۔ اُسکی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اس لیے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہو کہ دین سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں قہریت پڑتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو علین مرضی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے۔

اُس القار کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں محی اور لہام اور روح فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں :

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اور بھی فرق ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بندہ کسب کے حامل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی معلومات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کنایات اور اشارات موضوعہ میں ضبط کرے۔ مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ اور اس تفرقہ سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا۔ اور ہدایت عام کے منصب پر کھڑا ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ اور یہ پچھلا شخص اُنہی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کر دیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے۔ اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا اسی لیے ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے ایسے مادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب عام ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں :

یہ بات جو ہم نے بیان کی کچھ خاص اخلاق ہی کے معلوموں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تمام علوم و فنون کے معلوموں کا یہ حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالیٰ ایسا ملکہ رکھ دیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم و فنون کے معلم ہیں اور یہ پیغمبر اور معلم انسانی یا مخلوق اور مدبر انسانی روح کے :

ہماری اُس تقسیم سے لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جس شخص کو اُس کا ملکہ دیا گیا ہو وہ توفیق پر پیغمبر ہوگا۔ اور جس میں اُس کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگر پیغمبر نہ ہوگا مگر اُن اخلاق کو دریافت کر سکیگا جو پیغمبر بتاتے ہیں۔ گو کہ ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک جو تقریر ہماری ہے۔ اُس سے اس نتیجہ کا نکلنا بہت تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اُنہی دو تفرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بندہ الکتاب کے اُس ترقی تک پہنچنا مستحب رہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لائق نہیں ہوتا جو اصلی منصب مادی یا پیغمبر کا ہے :

ہماریہ اصول نہایت بجا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اُس میں مکتف ہوا ہے پس

جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو۔ ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و متنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ کتاب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو یا لینا نہ منافی ہدایت کے ہے نہ منافی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکماء کے بالکل مطابق اقوال اصول انبیاء کے پائے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیاء کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ہوتی ہے۔ ہاں۔ ان نازک معاملوں میں تدبیر کار ہے۔

اگر ایسے مادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق

کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دیئے کہ اعتقاد۔ مگر اُس کو تو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس مادی کی ہدایت سننے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلام یا جزو اصول قوانین قدرت پر گاہی پائی ہے۔ وہ تو مجھ واسطی کی بات سننے ہی پر کھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس مدجہ تک پہنچنے کی قدرت نہ تھی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھائے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس مادی کی باتوں کو سننے میں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر اُن میں فطرتی سدھاوت اور سچائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کہ نہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچ لگتی ہے اور وہ اُسکی تصدیق کرتے ہیں۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غور یا شرم یا نفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُن پر ایمان نہیں لائے۔ اور یہ لوگ ٹھیک ابو جہل کے بھائی ہیں۔

پانچویں لوگ ہیں جن کو اصلیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ جانتے ہیں۔ اور اُس مادی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی سدھاوت سے سیدھی راہ پر ہیں۔

اپنی سفاہت سے ٹیڑھی راہ پر۔ واللہ یدہی من یشاء الی صراط مستقیم۔
 پس ان فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا
 دوسرے فرقہ میں داخل ہیں۔ اور ان کو ہم اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس مادی کی نصیحتوں
 کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کریں گے۔ اور بقدر اس زمانہ کے علم و عقل و تجربہ کے ان دونوں کے
 اصولوں کو تلاش کریں گے جو ابتداء یا بعد سمجھنے و سمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ اگر مطابقت
 پائی گئی تو یقین کریں گے کہ بلاشبہ وہ مادی ہے۔ اور وہ اسی مخزن سے ہدایت کرنے پر مامور ہے
 جو ہمارا اور اس مادی کا دونوں کا بنانے والا ہے۔

ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا
 جس نے نہ کسی معجزہ کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے پیچھے سے باہر ہے بلکہ
 یہ کہا کہ میں تو تم کو نصیحت کرنیوالا ہوں۔ بُری باتوں سے بچانا اور اچھی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔
 پس یہی بزرگی محمد صلعم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ قل اللہ
 تعالیٰ علی لسان نبیہ صلعم "انما انا نذیر مبین"۔ "انا بشر مثکم یوحی الی انما
 الہکم اللہ واحد"۔

اس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آوے گی کہ اس فرقہ پیغم کی نجات یا دکات کا کیا
 حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیاء کے آنے
 کی ضرورت اور ان کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر
 کرتے ہیں۔

کیا ایسی حالت میں ختم رسالت ہو سکتی ہے؟

ہاں۔ بلاشبہ۔ مگر شکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں آ
 دیتے ہیں۔ اس کو خیال نہیں ہوتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے مستعمل ہوا ہے۔
 فرض کرو کہ ایک صند و قچہ تھا اور اس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت
 لوگ کہتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اسکی خوشبو سے اور نشانہوں سے سمجھاتے تھے۔
 بہت لوگ کہتے تھے بہت زمانے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے وہ صند و قچہ کھول کر کتب
 وہ پھول نکال دیا۔ سب نے اسے کہا کہ اب تو حد ہو گئی۔ یعنی یہ بات ختم ہو گئی۔ اس کے کیا معنی

ہیں؟ کیا یہ سنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس سند و قچہ کو نہیں کھولنے کا۔ اور وہ پھول کسی کو نہیں دکھانے کا؟ یہ مطلب سمجھنا تو محض یہ قوفی کی بات ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت کرنا کہ اس سند و قچہ میں پھول ہے ختم ہو گیا۔ یا انتہا کو پہنچ گیا۔ اب اس سے زیادہ کوئی نہیں کھولتا پس یہی سنی ختم رسالت کے ہیں +

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ حد یا انتہا اسکی ہے۔ اور اسی لیے وہ خاتم ہیں۔ اب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو۔ مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے۔ ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان الہی کا خاتمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اولیاء امتی کا نبیاء و بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تاقیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر نبوت کا خاتمہ ہو گیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے ثبات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ہاں یہ بات دیکھنی باقی رہی کہ محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے +

اس امر کی نسبت تقریر تو بہت لمبی ہے۔ مگر میں اُسکو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر بجائے خود تحقیق و ثابت ہو چکا ہے کہ یقین خدا کی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے۔ یاد و سرخی ان میں ہیں کہو کہ باعث نجات اخروی ہے۔ اس مسئلہ کو اس مقام پر مسلم قرار دیتا ہوں اور اسکا اُسپر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پس اب بس کہو یہ دیکھنا چاہیے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین پہنچ کیا گیا +

ہم کو یہ بتایا کہ وہ ہستی مطلق یا علۃ العلل و احد فی الذات ہے۔ وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب اُسکو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قابل ہیں۔ پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بڑی بات (اگرچہ فی نفسہ بڑی ہے) نہ تھی +

اُسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی بتایا کہ وہ ہستی مطلق صفات میں بھی واحد ہے۔ یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب ادیان ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں۔ الا ایک آدھ مذہب ایسا بھی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا +

تیسری بات جو ہمارے پیہر نے ہم کو بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے یعنی وہ الٰہ تذل

اور ان ارکان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لیے ہے وہ کسی دوسرے کے لیے نہ کرنا۔ یہ وہ بھید تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اور جس بغیر حقیقت اگر توحید ناقص تھی تو پوری بھی نہ تھی۔ پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات - وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر مکمل ہو گیا اور خدا نے کہہ دیا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و مرضیت لکم الاسلام دیناً" اور اسی کے ساتھ حقیقت نبوت بھی یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہو گئی جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے۔ پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کریں گے یا کرتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرینگے بلاشبہ مسلمان اور پورے موجد ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام ہے۔ اور ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے۔ مگر حقیقت وہ مسلمان اور بڑے سچے مسئلہ اسلام کا پیرو ہے۔ اُن - اس عقیدہ پر شک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسئلہ کو سیکھ کر اور اُس پر یقین لا کر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے۔ تو وہ مسلمان تو خواہ مخواہ ہی ہے۔ مگر ناشکر مسلمان ہے۔ کیا عمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں کہ مسلمان ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمد للہ۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری کے کبھی صحیح صفات کمال کے قائل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بری ہیں وہ اسلام کے شکر گزار ہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اُس سچے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر بھی ایمان کہیں جس کے سبب سے اس وحدانیت کامل کو ہم نے پایا ہے۔

اللہم صلی علی النبی الطہری * شفیع الوری فی یوم بعث و محمدی

اپنی مدد آپ

خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا ہوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ ہوش بہت سے محضوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی

مضبوطی کی بڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لیے یا کسی گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو پہلی چمک دکھانسان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں۔ خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہیں (یامد بہی اور لائڈ ہی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اسے میرے سموطن بھائیو۔ کیا تمھارا یہ حال نہیں ہے ؟

ایشیائی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیائی کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا درجہ سب سے اعلیٰ اور نہایت پیش بہا سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ ایک شخص فرض کرو کہ وہ لندن میں ایئر لینڈ کی طر سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں ہو جائے۔ یا کلکتہ میں وائسرائے اور گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کر سکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے گو وہ کیسی ہی مایاندری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود اُس کے چال چلن پر۔ اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا اثر پیدا کر سکتا ہے۔ ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قوائی تکمیل اور اپنی شخصی حالت کی ترقی کر سکتا ہے +

یہ بات روز بروز روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض نسبت مثبت اور عمل ہونے کے زیادہ تر منفی اور مانع ہے۔ اور وہ فرض مانع اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا

علماء و دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حظ اٹھا سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اُسنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُجبار نہ لے والا کیوں نہ ہو سست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو کفایت شعار۔ شراب خوار کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعار سی نفس کشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عمدہ عادتوں۔ عمدہ چال چلن۔ عمدہ برتاؤ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلیٰ اعلیٰ درجہ حاصل کرنے سے +

پُرانے لوگوں کا مقولہ ہے کہ ”الناس علیٰ دین ملوکھم“ اگر اس مقولہ میں ”الناس“ سے چند خاص آدمی مراد لیئے جاویں۔ جو بادشاہ کے متبصر ہوتے ہیں۔ تو تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یسہنی لیئے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سازنگ بدلتی جاتی ہے۔ نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شائستگی میں گے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے سمجھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب شائستگی میں پچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی دھڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھینچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہ حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اُس زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھینچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پچھے کھینچ لاتی ہے +

یہ ایک سچے قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اُسی کے موافق اُس کے قانون اور اُسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پینال میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و نارسیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی احمق حکومت کرنی پڑتی ہے +

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کبھی ملک کی خوبی و عمدگی اور قند و منزلت نسبت بہاں کی

گورنمنٹ کے عہدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن - اخلاق و عادت - تہذیب و شایستگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک قوم کی تہذیب و حقیقت اُن مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے۔ جن سے وہ قوم بنی ہے +
 قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت - شخصی عزت - شخصی پابنداری - شخصی مہر و دی کا۔ اسی طرح قومی منزل مجموعہ ہے شخصی سستی - شخصی بے عزتی - شخصی بے ایمانی - شخصی خود غرضی کا اور شخصی بُہائوں کا۔ تہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی - یا باہمی شہرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ حقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں بیرونی کوشش سے ان بُہائوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں۔ تو یہ بُرائیاں کسی اور نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جائیں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے +

اے سیکرٹریز مہوطنو۔ اگر یہ رائے صحیح ہے۔ تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی مہر و دی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمہاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پرچہ ہو۔ تاکہ تم بھی ایک سبز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا۔ بات چیت کا۔ وضع و لباس کا۔ سیر و کشتی اشغال کا تمہاری اولاد کے لئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن - اخلاق و عادت نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا +

جبکہ شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔ تو اس بات کی اُمید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے۔ کس قدر افسوس بکھار دانی کی بات ہے۔ وہ شخص حقیقت غلام نہیں ہے۔ جس کو ایک خدا ناترس نے جو اُس کا ظالم تھا کھلایا جاتا ہے خرید لیا ہے۔ یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ حقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بد اخلاقی - خود غرضی - جہالت اور شرارت کا مطیع - اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں بستلا اور قومی مہر و دی سے بے پرواہ ہے۔ وہ تو میں جو اس طرح دل میں غلام ہیں۔ وہ بیرونی زوروں سے یعنی عہدہ گورنمنٹ یا عہدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ ولی حالت دور نہ ہو۔ اہل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عہدہ انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی مستقل اور برآوردیں لے کے قابل تہذیب و اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی عجیب تبدیلیاں

گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں۔ وہ تبدیلیاں فائوس خیال سے کچھ زیادہ تر نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں بھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جب تک تو کچھ بھی نہیں؟
 مستقل اور مضبوط آزادی۔ سچی عزت۔ اصلی ترقی۔ شخصی چال چلن کے عمدہ نمونہ۔
 اور وہی شخصی چال چلن معاشرت و تمدن کا محافظ۔ اور وہی شخصی چال چلن۔ قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے۔ جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا انا حکیم گذرا ہے۔ اس کا قول ہے کہ ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر اسکی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو بادیستی ہے قوت دہی شے اس کے لیے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے۔ پھر اس شے کو جن نام سے چاہو پکارو۔ اس مقولہ پر میں اس قدر زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا بگنی ہے وہاں کسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قائم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اسے مسلمان بھائیو۔ کیا تمہاری ہی حالت نہیں ہے؟ تمہنے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تمہرے حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟ تمہاری آزادی کے محفوظ رکھنے کا تم کو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟ بیچ بیچ بیچ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہلوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خطر ملے۔ گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز ہمارے لیے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو مادی اور رہنما بنایا جاوے۔ تو تمام قوم کی ملی آنادی کو برباد کر دے۔ اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے۔ اور اس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں۔ جیسے کہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز کچھمی کی پوجا کرتے ہیں۔ اہ۔ بے انتہا دولت رکھتے ہیں۔ انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لائق بنے جاتے ہیں نہ بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط۔ جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ بیتی کرنا ہے۔ جس وقت لوگ سکوا چھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاوینگے۔ تو پھر خطر کو ڈھونڈنا محبول جاوینگے۔ اور مل پر بھروسہ۔ اور اپنی مدد آپ۔ یہ دونوں اصول

ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو۔

قومی انتظام یا عہدہ قوانین کے اجراء کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے۔ سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈارگن نے ڈبلن کی نمائش گاہ دستکاری میں کہا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آئرلینڈ کا تھا۔

اُس نے کہا کہ جس وقت میرا آزادی کا لفظ سُنا ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے شندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیے بہت سی باتیں سُنتے آئے ہیں۔ مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت۔ ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر نہیں رہتی۔ اگر ہم محنت کیے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہمو کوئی موقع یا آئینہ کی توقعی قوم اپنی بہتری کے لیے نہیں ہے۔ استقلال اور محنت۔ کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی دلولہ اور محنت سے کام کیے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ غمخوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عہدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاوے گی۔

انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاج محنت کر نیوالوں۔ زمین کے جوتنے والوں۔ سکاؤں کے کھودنے والوں۔ نئی نئی باتوں کے ایجاد کر نیوالوں۔ مخفی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں۔ آلات جبر تھیل سے کام لینے والوں۔ اور ہر قسم پیشہ کرنے والوں۔ ہنرمندوں۔ شاعروں۔ حکیموں۔ فیلسوفوں۔ ملکی منتظموں۔ انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔ اور اسکو ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ ان عہدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شایستگی کی عمارت کے معمار ہیں۔ لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس مذہب و اخلاق پر بے باجا نیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے پرکھوں کی ہشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی۔ اور وہ جائیداد ہم کو اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مشغلہ مار سہ گنج اسکی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہم کو اس لیے دی گئی ہے کہ اسکو ترقی دیں۔ اور ترقی پاتے

رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں۔ گھر کے رہنے سہنے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرنے میں۔ صراف کی دوکان کرنے میں۔ ہل جوتے میں۔ کپڑا بننے کے کارخانہ میں۔ کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کیئے۔ لوگوں میں صرف اُسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے۔

یہ پچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے۔ عمل۔ چال۔ چلن۔ تعلیم۔ نفسی۔ نفس کشی۔ شخصی خوبی۔ قومی مضبوطی۔ قومی عزت ملتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور زندگی کے کاربائے کرنے۔ اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنادیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بینک کا نہایت عمدہ قول ہے کہ ”علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے۔ اور شاہ آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر مسترز اور قابل ادب بناتا ہے۔“

کیا یہی وجہ جو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے بچے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرسۃ العلوم میں عالموں اور شرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں ؟

ٹیمز

از اے گریٹ رفارمر

یعنی

زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی نالباس پہنتے ہیں اور مینروکری پر بیٹھ کر پھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ اور سلطان روم مینی بادشاہ عربین شریفین جن کا خطبہ کہ ”مصلحت“

کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر روضہ مطہرہ علیٰ صابجاہما الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ و پتلون و ترکش کوٹ و لال پھندے دار ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ جناب شریف مکہ عبدالقدیر بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں۔ پیر کے ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دولت مند سوداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان دنوں پیر میں تشریف لائے ہیں اتنے وقت وہ مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ہاں مہمان رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے سجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ چھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی ماہر چرچ ان کے ہاں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکھ لی ہے اور فریچ مینی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہو گئی۔ ع

جو کفر از کعبہ بر سینہ گجیا ماند مسلمان

کیا ہمارا تہذیب الاخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے ؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ انھوں نے بھی فریچ زبان پڑھنی و سیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ہاں کے بڑے بڑے سرداروں کو تمغے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں ہے ؟ نہیں میں قبول کیا سلطان زنجبار تو بڑے پکتے صنفی ہیں تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ آئیے کہ حقیقت کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بنائی یا رکھنی ناجائز نہیں ہے ؟

ایک مصور نے شکر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ لگا کر اتنی ہی پسند انسان میں ہوں جتنی کہ میں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اس نے قسم کھائی اور کہا ”میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپھاڑا۔ نہ دل و جگر۔ نہ معدہ نہ حارہ۔ نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان سب پسندوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی صنفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا“

جب مصور سے کہا گیا کہ قیامت میں خدا کیسے گا کہ اس میں جان ڈالے تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب مدحت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اس سے کہا گیا کہ خدایت

کی تصویر منع نہیں تب اس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اسکو بڑھا اور پھیل پھول لگا۔ تو بتیں کیا کروں گا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھیل پھول لگانے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصدور بولا۔ کہ نا صاحب میں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر لکیریں کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھیل پھول لگانے کو کہوے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصویر بنانا جاندار کی ہویا بیجان کی۔ بالکل ممنوع ہے +

کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتویٰ دیدیا ہے۔ کہ تمہوں میں نقش تصویر ناجائز نہیں ہے؟

نامذہب ملک

اور

نامذہب گورنمنٹ

ملک جب نامذہب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں نامذہبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ نامذہب ہوتی ہے تو کبھی کسی قدر تہذیب ملک میں ہوتی جاتی ہے +

ملک کا نامذہب ہونا تو اس ملک کے باشندوں کا نامذہب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مذہب ملک ہیں۔ تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کج ہونا مذہب یا نیم وحشی ملک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامذہب یا نیم وحشی کہنے جاتے ہیں +

مگر ہم کو غور کرنا چاہیے کہ گورنمنٹ کا نامذہب ہونا کیا چیز ہے اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں ان کے نامذہب ہونے کا کیا سبب ہے +

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے ان کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال جائیداد سے متعلق ہوں خواہ کسب پیشہ و معاش سے خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے

اور آزادی زندگی سے اُن کی محافظ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچنے دے
 کمزور متحی کو غیر مستحق زور اور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے
 پورا پورا مستمع ہو ۛ

اور اُس کا مذہب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرایض کے پورا کرنے کو قوانین اُسکی سلطنت
 میں جاری ہوں۔ ہر شخص اُس نے سے اعلیٰ تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین
 کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں۔
 اور اُسکے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بالاحاطہ مرتبہ اُن
 قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامذہب و
 ماتریت یافتہ کہلاتی ہے اور اُسکے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی مال کی۔ دولت کی
 قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی ۛ

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمان سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان سلطنت اُس
 دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مذہب گورنمنٹ کا اطلاق ہو سکے۔ یا اُس کا ملک اور اُسکی
 رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا
 اپنے مال ذات پر بالکلیہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور متحی کو غیر مستحق زور اور کا اندیشہ نہ ہو ۛ
 ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن
 احکام کا سمجھتی ہے جسکو اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی
 دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس طریقہ پر
 کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا ۛ
 یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ درحقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ
 پیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے
 یاغل پر بلا دریافت سبب کے اعتماد دلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی خلافی
 سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُسکے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال
 ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ ہرنج اور درہندوق کا استعمال
 جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو تنگ و چست و ردی پہنانا درست ہے یا نہیں۔ جزیرہ عرب میں
 ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت

کے خواہاں ہوتے ہیں +

ایسا ملک در ایسی قوم ہمیشہ تنزل کی حالت میں رہتی ہے۔ تہذیب شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہیں جاتی۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا۔ ہر شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا متنعم حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے +

کل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہی حال ہے۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمان گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ترکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنت ترکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُنہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے +

کوئی سال من کا اُس میں نہیں گزرتا۔ کبھی کریٹ میں فساد ہے اور کبھی شام میں۔ کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں۔ زمانہ موجودہ میں ادھر ہرزہ گرد ناغی ہو رہا ہے اور ادھر سروریا۔ کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسا آزاد حکمران جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے۔ جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ ڈگریات کے اجراء میں۔ مظلوم کو اُس کا حق پہنچانے میں قادر نہیں ہیں۔ جج جو قاضی کہلاتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلیٰ اہل خاندان کے رعب میں۔ یا کسی با وقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں۔ اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال ہیں۔ اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے۔ کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو پورا پورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں ہے۔ ملک تنزل میں ہے۔ تجارت اتر حالت میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے۔ چاندی۔ تانبے۔ لوہے ٹین کی کوئی لکھائی کی کانیں بھری پڑی ہیں۔ مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی۔ کچھ ہی تجارت ترقی نہیں ہوتی۔ تمام ملک کی آمدنی دوسرے ملک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا تہیادوں کی خرید میں چلی جاتی ہے۔ قرضہ پر گزران ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا۔ غیر ملکوں کی

رعایا سے بہت خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمام ایسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے۔ و انتہا علم مامورین کے مجملہ کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں کا بھی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ توب کا ایکسا حال ہے۔ ہاں بعض مسلمان ریاستوں نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بعد تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایسی پاکستانیں اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ٹونس اور مصر۔

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامراء ستید فیروز الدین وزیر ٹونس نے اُن مقدمات کے انفضال کے لئے جو سلطنت بیاجیم کے رہنے والوں میں باہم سیان میں اور ٹونس کی رعایا کے میان ہیں۔ ایک جڈا گانہ محکمہ مقرر کیا تھا جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلے جج ہو۔ اور ایک اور جج ٹونس کا۔ اور ایک جج بیاجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کیئے کہ ایسا کرنے کے لئے کوئی مذہبی سند نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر روشن ضمیر سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ تعلق نہیں ہے۔

پٹیا لاخبار بسند الجوائب مکتوب سناتا ہے کہ خدیو مصر اسماعیل پاشا نے بھی یہ منظور کی حضرت سلطان روم سلطان عبدالعزیز خاں خلد اللہ ملکہ کے سببی قسم کے محکمے مقرر کیئے ہیں چنانچہ اُس اخبار میں اُن کے تقریر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں ایسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعوے ہوتے تھے اُنکے فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریتا غیر۔ تو مدعی اس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اپنے دعویٰ کو اُس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اسکی اپیل کیا چاہے تو اسکو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے ملکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر مصری مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارہ مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا۔

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن خیر سلطنتوں سے عہد نامے ہیں اُنکے

حقوق میں داخل تھا۔ اس صورت میں جو جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے ان کی حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی۔ اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ خدیوہ کے ذہن میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چنانچہ خدیوہ مدوح آٹھ برس سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت انصاف ہو۔ چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور آفیسلٹنوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم ہے اس کوشش کا یہ ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسب مراد خدیوہ مصر میں محکمے قائم ہو گئے۔ ایک خاص مصر میں۔ دوسرا اسکندریہ میں۔ تیسرا اسماعیلیہ میں +

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں۔ اور افسر کل دیسی ہیں۔ اور کینڈیدیہ میں جو محکمہ قائم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے۔ اسی وجہ سے اسکندریہ میں اس کی کل رسمیں ادا ہوتی ہیں +

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہوں گے۔ مگر اس وجہ سے کہ ان کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے۔ اور ان کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر ہی کے ذمہ ہے۔ اور ان کی ٹوپی ترکی ہوگی۔ اور لباس عثمانی ہوگا۔ اس وجہ سے وہ پردیسی سمجھے جائیں گے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائیں گے۔ پس یہ کئے بالکل مصری محکمے ہوں گے۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو محکمے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے ایر ہوئے ان پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا۔ علےٰ نذا جو دعویٰ پردیسیوں (یعنی باہمی سلطنت رائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دائر ہوں گے۔ ان میں بھی اسی طرح انصاف ہوگا۔ اور انہی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا۔ پس اب اور آئندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے سننے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو۔ جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ہیں۔ اور جو محکمہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فائدہ اٹھائیں گے اس لئے سب سے نیک کام سے خوش ہیں +

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دو شنبہ کے دن جلدی اقل کی چوبیس اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر محتانیہ تجارت مصر نے راس التین نامی شہر حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے جموں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایا

حاکم غمیٹھہ۔ نہایت مسبانی اور عزت تہ کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پھر اپنے ساتھ راس السبتین کے دربار سی کمرے میں لے گئے۔ اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی۔ اور منصور پاشا اور اسٹیل صدیق پاشا۔ اور بعض اور اُمراء دولت مصر پہلے سے موجود تھے۔ جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر صاحبوں سمیت دربار سی کمرے میں فوق افروز ہوئے۔ اور یہ ہئیت مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب ہو کر زبان فرنجی میں مندرجہ ذیل تقریر کی:-

تقریر خدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحبِ کت حاکم حضرت سلطانِ عظمیٰ یعنی سلطانِ روم کی بداد اور ان سلطنتوں کی ہواقت سے جو ہم سے رابطہ دوستی رکھتی ہیں۔ مجھے امور عدالت کی بناءً صلاح اور نئے محکموں کے اجرا کی اجازت حاصل ہوئی ہے۔

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں اپنے گرد ذی عزت حجبوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل اور انصاف ان کے ہاتھ میں کمالِ امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے۔ تم لوگوں کی روشن عقلیں۔ اس کمال کے تمام فائیدوں کی ذمہ دار ہیں۔ تم لوگوں کی تجویز مسلمہ اور ناطق اور معتبر۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہونگی۔

انشاء اللہ بات دنیا میں مشہور ہوگی۔ اور تواریخ مصر میں لکھی جائیگی۔ اور زمانہ حال کے نئے تمدن کے اُترے کا نقطہ مرکز ٹھہرے گی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے بابرِ عظیم آئندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا۔

جب یقتہ خیر ختم ہو چکی تو اہل دربار نے تھوڑی ہر سکوت کیا اور پھر اظہارِ سرور اور ادائے شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام حجبوں کی طرف سے نیابتاً زبان فرنجی میں مندرجہ ذیل تقریر کی:-

جناب عالی۔ میں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ جیہیت وزیرِ حقانہ حجبوں کی طرف سے نیابتاً حضور کو مبارکباد دوں۔ کہ اس قاعدے کے مقرر ہونے۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا۔ میں حضور سے اُمید دار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور شکر قبول فرمائیں۔

مجھے اُمید ہے کہ یزج لوگ حضور کے اعتماد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آئندہ فائدوں کے لیے دل جان سے کوشش کریں گے۔ کیونکہ عدل انصاف جو ان لوگوں کا کام ہے اس کے یہی پھنی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔

حضور کے فہاں بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت امینت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائض جیسا کہ چاہیے ادا کریں گے۔ اور آثارِ حسنہ کے پھیلاؤ میں نہایت موثر مدد دیں گے۔ اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہوں گے کہ ان کے نامی ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں۔

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ اور آئندہ سرسبزگی سے علاقہ رکھتا ہے۔ یقینی ٹہری بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بہ نظیر یادگار ہے۔

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کل صیغوں کے وزراء اور مسبران مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسرانِ بری و بحری۔ اور حکام مالک اور تاجرانِ معتبر اور افسرانِ بینک نے درجہ بدرجہ جنابِ خدیو کی حضور میں مبارکباد دی۔ اور شکر ادا کیا۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی۔

ڈیڑ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علی الترتیب روبرو استادہ ہو کر ان محکموں کے کھلنے کی مبارکباد دی۔ اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاقاً اور ایمید سے حضور نے صیغہ عدالت میں حقولِ اصلاح کی۔ اور عادی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو۔

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریفِ پاشا نے فرنج میں اسپیج کی۔

دنیا میں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب امورِ دنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند معظّم باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے۔ اور گودہ دنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بیشک ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر مبنی ہے۔ اور ہمارے دُورِ مقبول کا قبول کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتهوا اس پر دلیلِ کامل ہے۔ اور قرب

زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عمل درآمد کیا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عند خلفاء تک بھی باقی رہا جنہوں نے حدیث و سنت کی تیس برس۔ اور پھر سپردِ روبرو۔ اور دعویٰ شفع کے لیے حدیث و سنت ایک مہینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا۔ جسکی کوئی سند یا اجازت مذہب میں تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیا منسیا ہو گیا۔ لگے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہاں ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سپرد کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیے فکر کرتے کہ اُسکو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ مخواہ کھینچ تان کر اوتا و بیات و استدلال و دراز کار کر کر کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے۔ جس کو خود انھیں نے قائم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ اُن علماء کے اقوال و استدلال رفتہ رفتہ مدون ہو گئے۔ جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہو گئیں۔ اُن زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء کے اقوال بطور سند کے تصدق ہو گئے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب سلام سمجھا گیا۔ اور شرع اُس کا نام ہو گیا۔ اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا۔ اور جو تھا بھلا اُس میں معلوم ہوئے اُس سے اسلام میں انھوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے اگر بالفرض تمام اجتہادات و استدلال حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہو جاوے تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے اُترا۔ ویسا ہی پاک صاف ہے۔ اس طریق سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلاشبہ ہوا کہ سُلمانی فقہ ایسی عمدہ اور موجبِ مدلل ہو گئی کہ کسی قوم میں ایسی عمدہ فقہ نہیں۔ مگر مفصلہ ذیل نقصان بھی پیدا ہوئے۔ اول یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسلک جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی امور سے بھی تعلق ہے۔ اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے یہ کہ جو سائل علمائے اپنے اجتہاد و قیاس سے و لحاظ حالات و وقت و عادت اہل زمانہ یا راجع ملک قرار دیئے تھے اگر وہ سائل رتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین سبب اسلام کے سائل قرار پائے۔ ہوائے مغیرہ خدا صلعم کے آفتاب سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا۔ تیسرے یہ کہ اب اُن سائل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوا جو

فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اُس کے برخلاف کرنا ہوتا ہے۔ یہ کہ جب یہ خیال جاکر مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہو کہ اُس کو خدا کا دیا ہوا مانا جاوے۔ اور جیسے اکا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہو کہ اُس کو کافی اور کامل سمجھا جاوے۔ اس خیال نے اس بات پر ائیل کیا کہ کتب فقہیہ اسطے سیاست ملکیہ کے باطل کافی ہیں۔ اور اب ہیکوینٹول کوڈ کی ضرورت ہے نہ ہینول پر سیر کی۔ نہ کرمیل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کرمیل پر سیر کی۔ نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ تریڈ کوڈ کی۔ حالانکہ کتب موجودہ فقہیہ ان میں سے ایک کے لیے بھی کافی نہیں ہیں۔

ان تمام نقصوں نے کل سلطنت اُسے اسلامیہ کو ڈوب دیا اور غارت و برباد کر دیا۔ اور جو رہی سہی میں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے۔ بڑے ذہین تھے۔ بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے۔ مگر جو کچھ کہ انھوں نے دنیاوی امور کی نسبت کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑے فہم تھے۔ مگر زمانہ روز۔

خط و کتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط و کتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔ جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط و کتابت کے طریقہ میں بھی بہت سی فضولی و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں ہیں۔ اسلام کی عمدہ اور پر اثر باتوں کو بے اثر اور کھیل بنا دیتی ہیں۔

جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اُس میں ایک بہت لمبا چوڑا القاب و آداب پاتے ہیں اُن بدلوں میں صرف شاعرانہ الفاظ و صفت مکتوب لیر کے ہوتے ہیں جو حقیقت مکتوب الیر میں نہیں ہیں۔ حالانکہ القاب میں یا تو بیگانہ وار (اگر مکتوب الیر بیگانہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیے جو خطاب کا شعر اور مخاطب کرنے کے لیے کافی ہو۔ یا اُس دلی تعلق یا ارب کو ظاہر کرنا جو حقیقت کاتب کو مکتوب الیر سے ہو۔

آداب معلوم نہیں کیا نوعیت ہے۔ اشیاء کے امراء و اربادشاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو سہ کمر میں وہ بمنزلہ ہمارے غلاموں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے شین ملایا ہی سمجھتے

تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی ملاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اُس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب سے آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط و کتابت کے لئے زیبا نہیں ہے فنونِ بے معنی وقت ضایع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے اُلی مطالب علی الخصوص اُس زورِ باجوش سے جو دل میں ہے اور انہیں ہو سکتے۔ قوم کے دل میں جو ایک غلامانہ انفعال پُرا ہوا ہے وہ دور نہیں ہو سکتا۔ ہم کو اُمید ہے کہ ہمارے اس رنکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُس کو نظر انداز نہ کریں گے +

اُس کے بعد نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت بتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی غلط اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُس کو مقدم طالب بنانے سے کیا مطلب ہے۔ اس رسم نے ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرزِ تحریر میں کچھ فرق و امتیاز نہیں رہا ہے۔ خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں اُن کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر سمجھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ میں بھی اس سے زیادہ چکنے چیرے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط و کتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالتِ مفارقت میں محبت و اخلاص کے از یاد کا زریعہ ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے +

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اور مذہبی طرہ لگایا ہے کوئی خط بسم اللہ الرحمن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر ”بسم اللہ“ ”محمد لا“ ”حامدا“ ”مصلیا“ ”مسما“ لکھتے ہیں۔ لفاظوں پر ”انشار اللہ تعالیٰ“ ”بہونہ تعالیٰ“ ”بسمہ و کمال اللہ“ تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق عمل اعمال کی طرف مائل ہے وہ لفاظی پر ”حوالہ قطمیر“ بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خط ضرور مکتوبِ الٰہی تک پہنچے گا۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن کشتہ خط اذیہ اسی پہنچتے ہیں جو اس سے بھی ادنیٰ خیال کے لوگ ہیں۔ لفاظی پر جو ہر ہر دیگر ان لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص اُن کے خط کو کھول کر نہ پڑھ لے +

ہم کو نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس الفاظ و معنایں کو ایک دلی بلی

کی بات بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دینداری اور خدا پرستی اور نہایت ہی اتحاد اور
ٹھیک سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و معانی
کی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے اسی قسم کے برتاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت
اُن کے دل میں نہیں رہی جو عرض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خضوع
اور شمع پیدا ہو سختی اور قساوت پیدا ہوتی ہے +

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ
کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان تھا رسے دل میں آتا ہے جس طرح اور لفظ شوق
و محنت و سست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ میں نے غلط
کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا۔
کسی کو سخت و سست لکھنے میں بھی ل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت
خدا کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ ہنسنے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شطرنج کا تماشا دیکھ رہے
ہیں اور خط پر حامداً لکھ رہے ہیں۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا۔ وہ پیادہ مرا پھر
میسر۔ وال لکھی اور کہا وہ کشت۔ اتنے میں لف لکھا اور بولے وہ مات۔ غور کرو کہ اس طرح پر
مذہبی مقدس الفاظ کا برتاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے ؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر خفا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں
اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھ رہے ہیں۔ ایک گالی پر
بسم اللہ اور دوسری پر حامداً اور تیسری پر مصلیاً لکھا جا رہا ہے +

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام نیادی
منہرقات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو
ایماناً۔ اخلاقاً۔ شرعاً ممنوع و حرام ہیں۔ بعض خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم
مطلع فرمائید۔ لفظ دیگر کی تشریح ہم نہیں گے صرف مو کوئی کا یہ شعر پڑھ دیتے +

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبراں

گفتہ آید در حدیث دیگر اں

پھر کیا ایسی سنت تحریری بجالانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو رند مشربوں کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ ہے۔ مشاہدہ سے۔ عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور بطور مذہبی تقدس کے اُسکو نہیں بڑھا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ انصاف سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح پلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ دو باتیں کہیں اور اللہ اللہ کہہ کر دانے اِدھر کے اُدھر کر دیئے تین لغویات مونہ سے نکالیں اور اللہ تم صلّیٰ پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ انگلیوں کو وہ مشق ہو گئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اِدھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے بڑاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی حضور و خضرِ دل میں پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے بڑاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بذاتِ کُنا دو نو برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُس کا۔

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُسکی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمان و اخلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعلِ ظاہری ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو۔ مگر صرف قلم سے لفافہ کے سرے پر انشاء اللہ لکھ دینا چہ معنی دارد۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسہ کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا بنانے سے کیا مطلب ہے؟

میرے ایک دوست نے (جو اس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق مہربان ایک رسم موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیتے ہیں جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیا۔ پس اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی کثرتِ نصاب ہو سکتی ہے؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثلِ اُور رسمی باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفافے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا احمق مذہب ہے جو یہ خیال بتاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خالق نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صاحبِ مذہب تو احمق نہیں ہے مگر لکھنے والے احمق ہیں۔

بعض دوست سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمان کی نشانی ہے۔ مگر ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے ماتھے پر قشقہ لگا کر اور گلے میں زنا رڈال کر مسلمان بھی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

جناب رسول خدا صاعم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامی انہی مضامین کے تھے اور انہی مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط و کتابت کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب و گستاخ ہے اور کچھ بھی قدر و منزلت نہ سنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم روتے ہیں کہ مسلمان مذہب کی طرح نہیں برتتے بلکہ اس کا کھیل بناتے ہیں۔

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو اُنھوں نے یہودیت سمجھی تھی اور اُنکے ماں کے علماء و فقہاء جو ربی اور قومین کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ اُنہوں نے بھی اپنے ماں دو فرقہ قائم کیے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سُنیوں میں اہل حدیث اور وہابی اور شیعوں میں اخباری دوسرا فردوسی۔ جیسا کہ سُنیوں میں فقہی اور شیعوں میں اصولی۔ دونوں فرقے ذرا ذرا اسی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اسی کو کمال مینداری جانتے تھے۔ اس بات کی بڑی جستیا کرتے تھے کہ بکرا اس قدر انگشت بینی چھری سے تین رگڑوں میں ذبح ہو۔ مگر اس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ آیا کہاں سے تھا توریت کو بے طہارت چھونے اور بے لہان جلانے کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اُس میں لکھا گیا ہے کچھ پردہ نہ تھی۔ مکان پر۔ مراسلوں پر۔ چھپاتی پر آیات توریت کے حروف مقطعات کا نقش لگانا نہایت ایمان اور اتقا کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی مینہ میں بھری ہوئی تھی اُس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی حال عینہ ہمارے زمانہ کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عامر۔ برج کی صورت کا عامر۔ عرب والوں کے حامی طرح کا عامر سر پر باندھے۔ شلہ کئی انگل کا چھوٹے اُس کی تحقیق کیے اور ٹھیک گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک ملنگھن پٹیکارے قمیص مینون پہنے۔ اُسپر صدری عربی لٹکائے۔ اور اُس پر عجائے کسرنانی جس کو بعضی کتابوں میں خسروانی منسوب الی کیخسرو کا فر بادشاہ فارس لکھا ہے زیب تن کیے۔ مسجد یا خانقاہ یا کسی حدیث اسلامی میں تشریف رکھتے ہیں۔ بیٹے نہایت سادہ سیدھا دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض للہیت

اور خالص بے تکلفی جتانے کو پہنچے ہوئے پھرتے ہیں۔ مگر پوچھو تو سہی کہ تمہارے دل
 بھی کسی لباس پر تکلف یا ملبوس سا وہ سے آراستہ ہیں جس کے سوا کہ اتنی ہنسی ہو۔ اور
 ڈارسی اتنی مٹھی۔ پیجاہر اتنا اونچا ہو اور گرتے آنا نیچا۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے
 کہ جو کچھ ہم کریں وہ سب ثواب اور جو کچھ دوسرا کرے وہ سب عذاب۔ قل اتخذتم عند اللہ
 عہدا فان یخلف اللہ عہدہ ام تقولون علی اللہ ملا تعلّمون؟

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم کو شایستہ ہونا چاہیے۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور
 دین کے کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیے۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا

اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب

والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیے۔ دنیاوی باتوں کے

خطوط پر بسم اللہ نہ لکھنی درحقیقت اللہ کے نام

کا ادب کرنا ہے۔ لغاف پر انشاء اللہ کی

چڑیا نہ بنانی دراصل خدا

پر بھروسہ کرنا ہے۔

واللہ المستعان

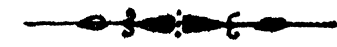
علیہ التکلیف

+



حصہ دوم

مضامین مذہبی و علمی



مذہب اور عام تعلیم

تعلیم کا عام رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن

ہے

انسان کے خیالات جو آئندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر باج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو درحقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا منتزل لوازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی لغو خیالات اور بد تصورات مل جاتے ہیں جیسے وہ دوسرا ہی انسان کی ترقی کا باج ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ لغو اور مہمل رسومات ملکی اور قومی کا اُس میں غلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اب مسلمانوں کا حال ہے تب وہ ستم قاتل ہوتا ہے۔

اس مقام پر پہلو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب کے یہ بیان

ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاوے گا۔

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی طرح ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلاشبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناقابل اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہوں مثلاً اُسی قدر انسانیت کو ترقی ہے۔

اس طرح کے رفع کرنے کے لیے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی۔ ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل سرفوت کی جاوے جو باہمی اختلاف اور تنابین کا باعث ہے اور سب لوگ متفق ہو کر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف بیچ اور فائدہ مند ہے۔ اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لائق آدمی شامل تھے مگر ان کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہوگی اس لیے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی ابھی سیکڑوں برس تک توقع نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور علوم کی تعلیم اُس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اُس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ دیا بلکہ دُور دُور کی قوموں اور دُور دُور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فائدوں سے سپنا احسانہ بنایا اور آئندہ نسلوں کی تعلیم کے لیے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قائم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں کا پیسہ خرچ ہو گیا۔ تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا۔ اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنا اصلی مقصد وہ مذہبی خیالات ہوتا تو اُس کا ہزارواں حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہنچتی بلکہ اُس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اُسکی تائید نہ کرتا۔

اس طریقہ کی سہی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اُس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدنی معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اُس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی۔ تعصبات بہت کھٹ گئے

متصانہ بہت سی ارسیں موقوف ہو گئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُسید ہے کہ وہ بھی دور ہونگی اور ہر
انسان کی انسانیت کا متقاضی ہے وہ پورا ہو گا۔

اب مسلمانوں کے حالات پر غور کرو۔ کہ وہ لوگ تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے۔ فلسفہ کے بڑے
دوست تھے۔ طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے۔
اور اُن سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں
اور دارالعلوم کے لئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہنچتی تھی جس کے سبب وہ تعلیم قائم تھی
حالانکہ انہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لاندہب بلکہ مذہبی خیالات کے
دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لئے مدد اور سامان ہم پہنچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی۔
اس بات کی تصدیق کے لئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دونامی یونیورسٹیاں
قوٹہ اور بنڈا کی گورنمنٹیں ہیں مگر کچھ بھی اس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا اُن پچھلی
باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ عزیز یہ نہیں
اسباب اور وجوہات سے قائم تھا جس کے پڑھے ہوئے اب بھی چند لوگ زندہ موجود ہوں گے
غرض ہماری ان سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر
کوشش کرتے ہیں اُن کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد
میں بغیر شمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہو گا اور نہ دنیا میں کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے
جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہو ا ہو۔

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں دُوبی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان
میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا
کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے۔

مگر بھونایت انصاف سے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور
ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس باب
میں بالکل بری ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود اُن
سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں
کر سکتی تھی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر ناظرِ فدا طریقہ تعلیم کا اور
مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان

کی تعلیم مگر گورنمنٹ نے کی ہے وہ دونوں کی مثل اند بے نظیر ہیں اور غالباً اس وقت دنیا کے پردہ پر اسکا نظیر موجود نہیں ہے
مگر یہ بھی جو عام تعلیم کی ترقی کا مانع ہے اس کا رنج کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ یہ کہہ سکتی تھی کہ اپنے تئیں
مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کر سکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یکسی
خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے +

پس مسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے توجہ نا امید ہونا چاہیے۔ ایک
عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی
مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں۔ اور ان دونوں باتوں سے ناامید ہو کر غور کرنا چاہیے کہ اب
کیا تدبیر جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور ان میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور
اعلیٰ اعلیٰ اور ہر قسم کے مفید علوم کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قائم ہو۔ بہت شخص اسکا
جواب لے سکیگا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد
نماہ ہوں اور یہ جو ہندی مثل مشہور ہے کہ جٹھ کے بھروسے پیٹ اُسکی عار نہ اٹھا دیں بلکہ آپ
کام مہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پکڑیں +

یہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مستعد ورنہ نہیں بالکل غلط ہے۔ البتہ
یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اٹھانے والے نہیں ہیں اور ماں بیشک محنت بھی کم
ہوگئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے +

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکل گورنمنٹ کے ذمہ تھا۔ شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے
جو کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قائم تھے جو ان کے مدرسوں یا
بانوں کو بطور غرض دنیا کے ان کے قیام رکھنے کو روپیہ دیتی تھی۔ کیا شاہ عبدالعزیز صاحب کا
مدد اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ بغیر لوگوں کی نذر دنیا دینے کے جس کو حال کی زبان
میں چندہ یا سبکدش یا ڈونیشن کہتے ہیں قائم رہ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد
ہو کر ترقی تعلیم کے لیے سی کرنی چاہیے اور پھر وہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپ میں قائم
کرنے چاہئیں۔ اس طرح ہر تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے
کچھ توقع نہیں ہے +

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جو پورہ علی گڑھ و دیوبند و دہلی
و کانپور کے مدرسوں کو بھول نہیں گئے ہیں مگر جس طرح وہ قائم ہوئے اور جس طرح پرانے کارروائی

اٹھ موٹھ ماتھ دھو کپٹے رہیں۔ نوروز کی خوشی منا۔ تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڑھا ہو گیا تھا اس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُکر اُسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجھ سے کہا۔
یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے گود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ ”اویسی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں کبھی اُس بڈھے کی طرح نہ پچتاؤں گا اور ضرور اُس دُلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ اؤ خدا اؤ خدا تو میری مدد کر۔ امین“

پس اسے میرے پیارے نوجوان ہوطنوں۔ اور اسے میری قوم کے بچے۔ اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تا کہ خیر و نیت میں اُس بڈھے کی طرح نہ پچتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ امین“

بحث دیگر

جب کہتے آپس میں بل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز اُن کے تھنوں سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جبر اکھٹا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے ~~تھن~~ نکلنے شروع ہوتی ہے۔ پھر بائیں چکر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے۔ ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ مُٹھ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف داز کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چٹ جاتے ہیں۔ اسکا ماتھ اُس کے گلے میں اور اُسکی ٹانگ اُسکی کمر میں۔ اُسکے کان اس کے مُٹھ میں اور اسکا ٹیٹھا اُس کے جبرے میں۔ اس نے اُس کو کاٹا اور اُس نے اس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا۔ جو کمزور ہوا مُٹھ دبا کر بھاگ نکلا۔

نامتدب آسوں کی مجلس میں بھی ایسی ہی طرح پرتکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کے آپس میں بیٹھے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے۔ عادیوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے وہ تم کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔

دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈاؤنی ہو جاتی ہیں۔ باجھیں چڑھ جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اڑنے لگتا ہے۔ باجھوں تک کف بھراتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ بھوں۔ ماتھ عجیب عجیب حرکتیں کرتے لگتی ہیں۔ عینف عینف آوازیں نکلنے لگتی ہیں۔ آستین چڑھا ماتھ پھیلا۔ اسکی گردن اس کے ماتھ میں اور اسکی ڈاڑھی اسکی ٹھھی میں لپاڑو کی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر چھوڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہوا تو کمزور نے پٹ کو کپڑے جھاڑتے سر سھلاتے اپنی راہ لی + جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرض ہو کر رہ جاتی ہے کہیں توں نکار تک نوبت آ جاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و فکر کرنے سے پرہیز کرے +

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اس کے پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیلکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی۔ محبت اور دوستی کو ماتھ سے دینا نہ چاہیے +

پس سے میرے عزیز مہوطنو۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ماتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ۔ ہر رکھ جو سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوش بھی نہ پائی جاوے۔ تردید کی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین خوب بات کا اٹل پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اس پر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ منہ ہی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلانا کہ اس دوستی میں کوئی شک نہیں

تمہارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمہارا مطلب باتوں کی اس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا مشتبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دنوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز جیسی کہ دوستی مانگنے سے جاتی رہتی ہے ؟

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑا اور تکرار اور مباحثہ کو آنے سے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب تکو کہ تقریر لہجہ ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد گن ہو اسکو ختم کرو اور آپس میں منہی خوشی غماق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مہوطن اس بات پر غور کریں کہ ان کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے ؟

امید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمہاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی مہوند لی چٹو۔ اے پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش ہیل بوٹو۔ تم نسبت ہمارے پاس کئے وقتوں اور سیر کھیتوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لئے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہمکو زیادہ خوش کرنے والی ہے ؟

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمو آئندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دور دور پکڑے تو نیچر تک اسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ؟

اور نورانی چہرہ والے یقین کی ایک دورتی خوبصورت بیٹی۔ امید۔ یہ خدا کی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہمو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی شکل شکل گھٹائیاں ہم طے کرتے ہیں۔
تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے
لئے نام آوری۔ نام آوری کے لئے بہادری۔ بہادری کے لئے فیاضی۔ فیاضی کے لئے
محبت۔ محبت کے لئے نیکی۔ نیکی کے لئے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری
نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں +

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُسکو چھوڑا
اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید
ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسنے والے کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس
ذات سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا +
اُس نیکی نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ماتھے سے مصیبت اٹھائی اور پارسیٹ
سی۔ تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا
جاتا تھا اور بحرِ مایوسی کے اندر کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی
کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جو دی پہاڑ کی مبارک چوٹی
کو عزت ہے + زمینوں کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چرنچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی
جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاوواب اور
سر سبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک
بچ میں اُسودگی ہے۔ عقل کے دیران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے
باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحسان
جانوروں کے راگ ہستی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے
خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تلم فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دورداز زمانہ کی خیالی
خوشیاں سب موجود ہوتی ہیں +

دیکھ نادان بے بس بچہ گوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زندہ اس اپنے دھند سے میں
لگی ہوئی ہے اور اُس گوارہ کی ڈوبی بھی ٹپاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کلام میں اور دل بچے میں ہے
اور زبان سے اُس کو ہوں لوری دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے اپنے باپ کی

مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ۔ اے میرے دل کی کونسل سورہ۔ بڑھا اوجھل بھول
 قہر پر کبھی نعران اُسے پاوے۔ تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ چھوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو
 نہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔
 تیری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ۔ تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ
 روشن ہوگا۔ تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی۔ تیری شہرت تیری لیاقت۔
 تیری محبت جو تو مجھ سے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دینگے۔ تیری جیسی ہمارے اندھیرے
 کھرکا اوجالا ہوگی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دوز کریں گی۔ تیری آواز ہمارے لئے
 خوش آئند راگیاں ہوگی۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے ہماری امیدوں کے پودے سو۔
 بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے۔ تم ہماری بیجان لاش پاس
 کھڑے ہو گے۔ تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولیں گے۔ تم روؤ گے۔ اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے۔ اے میرے
 پیارے روئے والے۔ تم ہمارے ڈھیر پر اگر ہماری روح کو خوش کرو گے۔ آہ ہم نہ ہونگے اور
 تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے۔ اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت
 یاد کرو گے۔ آہ ہکو ہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہو گے۔ سورہ میرے
 بچے سورہ۔ سورہ میرے بالے سورہ۔

یہ اُمید کی خوشیاں اُن کو اُس وقت تھیں جبکہ بچہ غوغاں میں نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ
 فدا اور بڑا ہوا اور مصوم سنہی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور آٹا ماں کھنا سیکھا اُسکی
 پیاری آواز ادھو سے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی۔ آنسوؤں سے اپنی ماں
 کی آتش محبت کو بھر کاٹنے کے قابل ہوا۔ پھر کتب سے اُسکو سر دکا پڑا رات کو اپنی ماں کے
 سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزہ دل سے سُننے لگا۔ اور جبکہ وہ تاروں کی چھانٹوں میں اٹھکر
 اقمہ موندہ دھوکرا اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا۔ اور اپنے بے گناہ دل
 بے گناہ زبان سے سوے یا خیال سے خدا کا نام پکارتے لگا تو اُمید کی خوشیاں اُس کو کتنی زیادہ
 ہو گئیں۔ اُس کے ماں باپ اُس مصوم سینہ سے سچی جہد دی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں۔ ماں ہاکی
 پیاری اُمید تو یہی ہے جو مہر سے سخت ٹٹا رہے ساتھ بہتی ہے۔

دیکھو وہ بڑھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔ اُس کا پیارا بیٹا بھڑوں کے
 پوڑیوں سے غائب ہو گیا ہے۔ وہ اُسکو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا۔ باپوس ہے پر اُمید

نہیں ٹوٹی۔ لہو بھلا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے ناامید نہیں۔ فاقوں سے خشک ہے۔ غم سے زار و زار ہے۔ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک امید ہے جس نے اُسکو دُسل کی امید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے۔

دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے گنوں میں سات ترخانوں میں بند ہے۔ اُس کا سوچ کا سا چکنے والا چہرہ زہد ہے۔ بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے مٹے سے باپ کا غم اُس کی روح کو صدر پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل کو غلین رکھتی ہے۔ قید خانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی خیال اُسکو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے۔ مگر اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید۔ تجھی میں اُس کی خوشی ہے۔

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے۔ کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ ہزاروں خطرے پیش ہیں مگر سب میں تقویتِ تجھی سے ہے۔ لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سُربان کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرات ہوتی ہے۔ اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ اُنکھ اٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے۔ اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُسکی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتش پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے۔ اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اسے بہادروں کی قوت بازو۔ اور اسے بہادری کی طاقت۔ تیرے ہی سبب سے فتح نہی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔ اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی ہنسنے کی آواز سُنتا ہے۔

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے۔ دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے۔ اُن کی تلاش میں دھرم دھار کا سفر اختیار کرتا ہے۔ گلوں بریگانون سے ملتا ہے۔ ہر ایک کی اہل حال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے۔ مشکل کے وقت ایک بڑی مایوسی سے مدد مانگتا ہے۔ جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنہیں کو دشمن پاتا ہے۔ شہری وحشی

بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں۔ بھائی بند
عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں :-

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں

بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر بانٹیں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہ کر۔ بہت سی اہمہ روی
کرتے ہیں۔ پر کوٹھی کھٹلے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی
پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اسے بیقرار دلوں کی راحت اور اسے شکستہ خاطرہ کی تقویت۔ تو ہی ہم
ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے ل کی تسلی ہے تو ہی ہماری ٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری
ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے
او ہمارے ل کی عزیز اور ہمارے پیارے مہدی کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہماری ل کی
تسلی رہے۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹٹھانا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب
لب بام ہوتا ہے۔ اتنے پائوں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ موٹھ پر مردنی چھاتی
ہے۔ ہوا ہوا میں پانی پانی میں۔ مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے سے
وہ ٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اُس وقت اُس زرو چہرے اور آہستہ آہستہ ہٹے ہوئے ہوٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی
آنکھوں اور غفلت کے دیبا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ
دکھائی دیتا ہے تیری صدا کاں میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے
اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی امید ہوتی ہے۔

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسم بہار کی آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے
اُس لازوال آنیوالی خوشی کی امید تمام دنیاوی رنجوں اور جہانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ اور
غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک
چیز ہے۔

اور ہر آنی ٹکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہر کوئی ہمیشہ رہتا ہے۔ جہاں سوچ کی
کرن اور نہانہ کی لہر بھی نہیں پہنچتی۔ تیری ماہ تین چیزوں سے ملے ہوتی ہے۔ ایمان کے

توشہ اور اُمید کے مادی اور موت کی سوادہی سے مکران سب میں جبکہ سب سے زیادہ قوت ہے
ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام اُمید ہے +

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی گھنٹی گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی۔ مگر میں جانتا ہوں
کیرتی بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں
کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف
آنے والے زمانہ کی اُمید میں نہایت بردباری ہے اور پنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی
میں نہایت ہشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے +

بقدر ہر سکوں راحت ہو دیگر تفاوت را
دویدن رفتن استادشستن خفتن مژدن

محبیبانی

اور

محبیبانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو اکیلی سی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی میں
بجھادیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع
ہے۔ پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رو سے کافروں سے صرف وہی
دوستی ممنوع ہے جو من حیث الدین ہو اور اسکے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان
کو دوسرے انسان سے ہو سکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ
دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیوں کر کر سکتے ہیں +

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی امر میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں
حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلیٰ و ادنیٰ
عالم و جاہل اس میں تمیز کرتا ہے +

فرض کرو کہ کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اُس سے
کیوں محبت رکھتے ہو وہ اسکا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا بھائی محسن ہے اُس نے بڑے شکل شکل

وقتوں میں مجھ پر احسان کیے ہیں۔ تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے۔ بیماری کی حالت میں سیری تیار داری کی ہے۔ دعا دار و علاج معالجہ میں بڑی کوشش کی ہے۔

یاد وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں۔ دن رات آپس میں اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے۔ روز روز کی ملاقات۔ بات چیت۔ ہنسی۔ مذاق۔ دل لگی مزاج کی باہمی موافقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہو گئی ہے۔

یاد وہ یہ کہتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اُس کو بدبھج غایت کمال ہے۔ اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے دلی محبت اور جانی دوستی ہو گئی ہے۔

یا اُس کا سبب وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے۔ اُس کے حسن و جمال نے میرے دل میں ایسی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کر دیا ہے۔

پھر ہم اُس سے دوسرا سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگانہ بین ہیں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ ہاں کیوں نہیں۔

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سو برس پہلے گزر چکے ہیں اُنھوں نے کوئی تم پر احسان نہیں کیا۔ کسی مشکل کے وقت میں تمھارے کام نہیں آئے۔ کبھی تنگی کے وقت

تم کو کچھ نہیں دیا۔ کبھی تمھاری تیار داری نہیں کی۔ کبھی تمھاری دوا و دمن علاج معالجہ میں کوشش نہیں کی۔ کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے۔ کبھی ساتھ اُٹھے بیٹھے نہ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت

ہوئی نہ کبھی ہنسی مذاق ہوا۔ نہ باہم مزاج موافقت ہوئی۔ جس فن کا تم کو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ نہ تم نے اُن کو دیکھا کہ اُن کے حسن و جمال نے تم کو فریغہ کر لیا ہو۔ پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو۔

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہو کر اولال ہوندا کہ غصہ بھری آواز سے جواب دیتا ہے کہ میاں وہ بزرگانہ بین تھے۔ خدا کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے۔ وہ دینداری میں یگانہ وقت تھے خیر پرستی اور ہد و تقویٰ و عبادت میں یگانہ تھے۔ ایمان کامل اُن کو نصیب تھا۔ دین میں سب کے سردار

تھے۔ اس لیے اُن سے محبت رکھتے ہیں۔

اب میں بتانا ہوں کہ یہ پہلی محبت۔ محبت من حیث الدین ہے جبکہ دین حسابی و مادی کہتا ہوں۔ اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً ممنوع اور حرام بلکہ گنہگار ہے اور پہلی محبت

جس کو میں حب انسانی کہتا ہوں شرعاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداهت تفرقہ و
تیز موجود ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بتقصائے فطرت انسانی
ایک نو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود وسوسہ ہونے اُن
تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الدین تھی۔ اب کون شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی
محبت میں تیز نہیں کر سکتا ؟

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے
یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل
سچ ہے۔ بلکہ تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور
برتنی چاہیے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حب انسانی کے درجہ پر ہونہ حسبِ ایمانی کے کیونکہ حب
ایمانی بلا اتحاد مذہب بلکہ بلا اتحاد مشرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہمارے
سچے مذہبِ اسلام نے کی ہے۔ وَلِلّٰہِ دِہْرُہِیْنَ قَال ۛ

ماقتہ سکندر و دارا نخواستہ ایم

ازما بجز حکایت مہر و قاسم پس

سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا ہے؟ اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے؟
کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرت نے انسان کی فطرت میں اس کو پیدا کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ کیا کوئی اصطلاح
ہے جس کو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مقرر کیا ہے؟ یا ایسی چیز ہے کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں کا اس کا
تعلق ہے۔ قانون قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لئے انسان نے حالات پر
مکمل نظر کرنی چاہیے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہریوں میں۔
سب میں اس کا نشان ملیگا۔ گو اس کی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں۔ آلاسب کی جڑ ایک
ہی ہوگی ۛ

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو
نا پسند۔ یا یوں کہو کہ چھپی سبز کو اچھا ٹھہرتا ہے اور چھپی سبز کو بُرا۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف
مائل ہے کہ اُس بُری چیز کی حالت کو اسی حالت سے تبدیل کر لے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز

سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کی ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شے نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے۔

سولزیشن یا تہذیب کی طیف انسان کی طبیعت کے ماٹل ہونے کے دو اصول ٹھہرے! اچھا بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب خلقی اور خلقی۔ ملکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے۔ دوسری قوم اسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر رہتا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں۔ سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور ایسی لئے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک ہی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اُس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔ مگر جبکہ مختلف گروہیں مختلف مقامات میں رہتی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کر سکے۔

ملکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بد و بد باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ غفلت اور خیال اور دماغ سے۔ اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہرتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ سب کر سکتے ہیں جن کے سبب اچھے اور بُرے کا خیال دل میں بیٹھتا ہے۔

اچھے اور بُرے کی جگہ میں اور لفظ کا استعمال کروں گا۔ یعنی پسند اور ناپسند۔ انگریزی میں لیک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں متل ہوتا ہے۔ ہمارے زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں جیسے کھرا یا مذاق۔ مگر وہ استعمال میں ایسے خاص ہو گئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع

معنی خیال میں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ پسند کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح پہنا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے۔

خیال کی برستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم طبعیات سے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجیب ہے کہ آئندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے ل سے دیکھیں جیسے ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے مگر مودب ل سے دیکھتے ہیں۔

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بری حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے۔ خلقی ہوں یا مادی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ تکلیف سے بچنے اور آسائش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زرو جواہر۔ یا قوت الماس سے نہایت نفیس نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے۔ تا تربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پونہوں سے اپنی آرایش کا سامان ہم ہو چاتی ہے۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ تا تربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے چھلے ہوئے سنہری پوست۔ اور مزد کے سے رنگ کی لریک اور خوش نما گھاس میں گوندھ کر لپٹے تئیں آرتے کرتی ہیں۔ تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستگی خیال ہے۔ تا تربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستگی پر مصروف ہیں۔ شاہی کفایت۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ تا تربیت یافتہ قوموں کے جھونپڑے اور اُن کے رہنے کے گھونپے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈے۔ زمین میں کھودی ہوئی کھوپڑیاں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی پسینیں۔ تمدن کے قاعدے۔ عیش عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارات کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی تا تربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے۔ تا تربیت یافتہ قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور دماغی جوشوں اور

اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ سوچتی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔ مگر تا تربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی ادا اور آواز کی بھرت۔ اُس کا گھٹاؤ اور اُس کا بڑھاؤ۔ اُس کا ٹھنڈاؤ اور اُسکی اوج۔ ناقصوں کا بھاؤ اور پائوں کی دھمک۔ زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر تا تربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں لی جوش کی موجیں ہیں۔ وہ لہی اورتال۔ راگ و لگنی کو نہیں جانتے۔ مگر دل کی لہر ان کی لہی۔ اور دل کی پھٹک ان کا تال ہے۔ ان کا غول باندھ کر کھڑا ہونا۔ طبعی حرکت کے ساتھ اُچھلنا۔ دل کی بیتابی سے جھلنا اور پھر جوش میں اگر سیدھا ہو جانا۔ گوزرکت اور فن خنیاگری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی ضرورت تصور ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور ان کو عمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ ہم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اُس کا تعلق عقلی اور مادی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف رجوع۔ یا افنی درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف تحریک ہو سکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی تعلق ہے۔ پس سولز نیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے اسباب کو ڈھونڈنا اور ان کو ایک سلسلہ میں لانا مخلوق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی حمدگی پر پہنچانا۔ اور ان سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اُس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور جسمانی خوبی۔ اور اہلی تکبیر۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور حقیقت یہی پچھلی ایک بات ہے جس سے وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے۔

اس تہذیب کے اصل ہونے کے بقول مشر ایچ۔ ٹی۔ بیکل صاحب چار اصول ہیں۔
 اول۔ جو چیزیں بہک و دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب بہک و معلوم نہیں ہوتا ان کے سببوں اور قاعدوں کو دریافت کرنا۔ اور ان کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اس میں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی۔

دوم۔ تحقیقات سے پہلے جستجو کا خیال پیدا ہونا چاہیے۔ جس سے ابتداء میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُسکی استعانت ہوتی ہے۔

سوم۔ جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں۔ اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم۔ مگر اخلاق کی باتیں نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں۔ اور

اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے۔
 چھٹکلم۔ اس تحریک کا بڑا دشمن۔ جو حقیقت مولریش کا بھی سخت دشمن ہے۔ یہ خیال
 ہے کہ جب تک زندگی کے امور ات کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو۔ تب تک انسان
 کے گردہ کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلا دے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور مذہب
 یہ سکھلا دے کہ اس بات پر یقین کرنا چاہیئے۔

پچھلی بات میں مشر بل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا
 یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہکو بتا دے کہ ہکو کیا کرنا چاہیئے۔ انسان کی ترقی اور مذہب کا نہایت
 قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں۔ بلکہ تمام ایشیا میں اور ترکی اور اریحٹ میں بھی شائستگی
 اور اتہذیبی ہے۔ اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے
 غارت اور برباد کیا ہے۔ اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً
 گورنٹ سے ناراض رکھتا ہے۔ پس جب تک یہ خیال جاوے گا۔ اور یہ خیال آدینکا ہم خود چوس
 کہ ہکو اپنے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ اُس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ عسرت۔
 نہ عزت ہوگی نہ منزلت۔ اور نہ مذہب ہوگی اور نہ شائستگی۔ مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ
 کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط۔ یعنی غلط مذہب بلاشبہ مذہب کا بڑا مانع ہے۔ اور اگر سچے مذہب
 میں غلط خیالات اور بجا تعصبات اور مسائل جنہادیہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ عملاً اور
 اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ فرقہ و تمیز نہ رہے۔ جیسکہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے
 اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے۔ تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب
 کا مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے۔ آلاںچا مذہب جیسا کہ ٹھیٹ مذہب اسلام ہے وہ کبھی
 باج ترقی انسان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور مذہب و شائستگی کے کام دونوں
 متحد ہوتے ہیں۔

والسلام علی من اتبع الهدی

کاشنس

کاشنس نس۔ یعنی وہ قوت ممیزہ جو خدا نے
ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو
نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان
کے لیے سچی مادی اور اصلی پیغمبر ہے

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس مذہب کے آزاد منش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے
والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت
بڑا موضوع کا ہے۔ کیا کاشنس نس کوئی ایک جُدا قوت ہے جو انسان میں جُدا گانہ اُس کی ہدایت
کے لیے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیں۔ تو اُس سے
کوئی نتیجہ سچی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کاشنس نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو بُرائی
سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت
انسان کی طبیعت کی ہے اور اُسکی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ
تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اُس کا نام ہے +

مگر فی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لیے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ
تمام انسانوں کے لیے یکساں رہنما ہو یعنی جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اُسکی تمام انسان
نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جملنے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو۔ مگر کاشنس
انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ تفریق باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچی
ہدایتیں نہیں پہنکتیں +

اس تشبیہ کی نسبت کہ ان متناقض کاشنسون میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہوگا۔

ہنر طمس کل نے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں ہم پوچھیں گے کہ وہ کونسی چیز ہے جو صحیح اور غلط یا اچھی اور بھولی کائنات میں تمیز کرنی ہے؟

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک انسان فی نفس ایک جداگانہ مخلوق ہے۔ اور ہر ایک کا پیغمبر یعنی اس کا کائنات خود اس کے ساتھ ہے۔ اور اس لیے مجموعی اتحاد کائنات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہوگا۔ کیونکہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کائنات میں حقیقت ایک جداگانہ مخلوق قوت۔ انسان کی رہنمائی کے لیے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول مشر کل کے ”بحث ختم ہو گئی“

علامہ اسکے۔ جبکہ ہر ایک کا کائنات اس کا رہنا پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کائنات میں اختلاف و تناقض وجود بالیقین پایا گیا۔ تو ان دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نفی میں۔ ضرور ماننا پڑے گا۔ شاید ان کا تناقض نسبت یا حیثیت کی مدد سے رفع کیا جادے گا۔ اور یوں کہا جادے گا کہ عام دین کا مہادیوی صورت کو پوجنا اس لیے نیک ہے کہ اس کا کائنات اس کو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود و غزونی کا ٹھونٹا کے بت کو توڑنا اس لیے نیک ہے کہ اس کا کائنات اس کو نیک بتاتا ہے۔ تو اس کے یہ منی ہوں گے کہ دنیا میں درحقیقت نیک و بد کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلمان ہو یا ہندو۔ بدھست ہو یا برہمن۔ اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا۔ باقی ما دہر یہ۔ وہ بھی اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ باغرض اگر ثواب عقاب ایک شے معدوم ہو تو بھی خود دہر جی اس دنیا میں بھوکو تائیں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور انہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک و بد سے یا ممنوع و جائز سے تعبیر کرتے ہیں۔

قطع نظر اسکے۔ اگر ایک شخص کل کائنات میں ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو صحیح عقیدہ ہو سکتا کہ اس کا پیغمبر اس میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے۔ صحت کے اثر سے۔ معلومات کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے یا بالکل بدلتا رہتا ہے۔ مسلمان کا عیسائی ہونے پر۔ عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی کا برہمن ہونے پر۔ برہمن کا دھرم ہونے پر کائنات بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی چٹائی پر نقیبہ کمال رکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ انسان کا کائنات

اُس کا پیغمبر اور سچا رہنما نہیں ہو سکتا۔ بقول شریک صاحب کے کہ اگر بعض باتوں میں کائناتیں
ہم کو دھوکا دیتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اور باتوں میں دھوکا نہ دے گا۔ پس صحیح اور غلط
کائناتیں میں تمیز کرنے کو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم و ضرور ہے۔ یا اس مطلب کو یوں ادا کرو۔ کہ
ہمارے لئے کئی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کائناتیں یعنی ہماری
طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور بنیاد بننے والی چیز بن کر رہے ہو۔

اس بیان سے جو ظاہر بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کچھ وپیچ اُس میں کچھ نہیں ہے۔ اتنی
بات ثابت ہوتی ہے کہ کائناتیں فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتدا کسی مذہب کا
اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حذاتہ رہنا ہونے کے مستحق ہے۔ ناں بلابشہ
جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر
ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کر لے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی
کائناتیں انسان کا محافظ اور انسان کا رہنما ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں جان کائناتیں کا
استمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم مادی یا محافظ یا گناہوں کا بخشائے والا کہتے ہیں اور جس کو
ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہاں ہماری مراد اسی کائناتیں سے ہے۔
اب ہم کو اُس چیز کی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کائناتیں کو ہونا چاہیئے
یا جس سے ہماری طبیعت کی سچی حالت ہو جاوے کہ وہ ہم کو دھوکہ نہ دے +

ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو

جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُس کو بھی اور حیوانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے۔ پیتا
ہے۔ مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو ہم پہنچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی یہی کرتے
ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اور چیز بھی پاتے ہیں جو آفہ حیوانات میں نہیں ہے
وہ کیا ہے؟ سمجھاؤ فکر۔ اور خیال اور اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں
ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں ایک کچھ بھی پیدا
کر سکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یا یوں کہو کہ انسان اُس میں نہ تھی

یہ ترقی یا اوصاف کی بنیاد پر دو چیزوں سے علاوہ رکھتی ہے۔ مادی سے اور غیر مادی سے پہلی سے اس مقام پر کچھ غرض نہیں ہے۔ دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاوہ رکھتی ہے۔ آسانی کے لیے ہم اُس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں۔ پس صحیح اخلاق یا مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لیے ہے۔ اور اسی صفت سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جو اُسکو دھوکا نہیں دیتی۔

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی مخرج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُسکی صحت ہمیشہ مشتبہ ہے اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکا نہ دینے کا یقین نہیں کسی کا یہ کہنا کہ میں جو اخلاق یا مذہب کھاتا ہوں وہ اُسی مخرج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین کے قابل نہیں کسی ایسی بات کا کہ وہ کھانا۔ بشرطیکہ درحقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے یا اُس وقت کے موجودہ گردہ کی سمجھ سے باہر ہو۔ اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں۔ بہت سی چیزیں ہو کر لوگ دکھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ حالانکہ وہ دکھانے والے خود قابل ہیں کہ انہیں کچھ کرات نہیں۔ پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیے جس کے بانی کی طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہ ہو۔ اور وہ چیز بحز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں۔ اُس کے قانون قدرت اپنے سچے ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں۔ وہ ایسے حکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں۔ وہ چھوٹے سے بڑے ہیں بھی ایسے ہی حکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پاڑ میں ہیں۔ پس یہی ایک مخرج ہے جس سے ہم اپنے میں ایسے اخلاق پیدا کر سکتے ہیں جن سے ہمارا کائنات یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے جو کچھ کبھی دھوکا نہ دے۔

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُسکو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے تو اُس کے تعلق کے لیے بحز قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصد وہی ہے کہ اُس کی فطرت اور اُس کے قانون قدرت پر غور اور فکر کیاوے۔ اور جبکہ تمام چیزیں کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ مادی ہوں یا غیر مادی اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اُس کی طبیعت اور اُس کی اُس غیر مادی صفت کی ترقی جس کا نام ہم نے اخلاق یا مذہب رکھا ہے۔ سب کے سب اُس قانون قدرت میں داخل ہیں۔ پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کر سکتا ہے جو انسان کے لیے

اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی جو حالت ہو وہی اسی حالت ہے جو ہکو دھوکہ نہ دے۔

انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لئے
جو کبھی دھوکہ نہ دے بادی کا ہونا ضرور ہے جس کو
ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول
کہتے ہیں

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہو سکتے ہیں مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک معتد بہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقائق پر پہنچ نہیں سکتے۔ اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ معدود سے چند کے سوا نہیں ہو سکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں و پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اس لیے تاکہ اُس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے دی پیدا کیے جاویں جن میں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو۔ وہ شخص جس میں خدا نے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کسی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ اگلوں کی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مذہب و انساب کے اُس ترقی تک پہنچتا ہے۔ اور پھر بھی متبہ رہتا ہے کہ پودہ نہ پایا نہیں مگر وہ سرے شخص کی وہ ترقی کسی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ بھی ہوتی ہے۔ اُسکی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اس لیے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہہ دیں سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں ہی بات پڑتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو علین رضی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے۔

اُس اعتبار کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں معنی اولہام اور روح فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں :

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اور بھی فرق ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بندہ یکسب کے حاصل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی معلومات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کنایات اور اشارات موضوعہ میں ضبط کرے۔ مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ اور اس فقرہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا۔ اور ہدایت عام کے منصب پر کھڑا ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ اور یہ پچھلا شخص اُنہی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کر دیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے۔ اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا۔ اسی ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے ایسے مادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب علم ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں :

یہ بات جو ہم نے بیان کی کچھ حاصل خلاق ہی کے معلموں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تمام علوم و فنون کے معلموں کا یہ حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالیٰ ایسا ملکہ رکھ دیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم و فنون کے معلم ہیں اور یہ پیغمبر اور معلم انسانی یا خلاق اور مدبر انسانی روح کے :

ہماری اس تقریر سے لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جس شخص کو اُس کا ملکہ ترقی کا ملکہ دیا گیا ہو وہ تو ضرور پیغمبر ہوگا۔ اور جس میں اُس کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگر پیغمبر نہ ہو گا مگر اُن اخلاق کو دریافت کر سکیگا جو پیغمبر بتاتے ہیں۔ گو کہ ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک جو تقریر ہماری ہے۔ اُس سے اس نتیجہ کا نکلنا بہکوسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اُنہی دو تفرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بندہ یہ کتاب کے اُس ترقی تک پہنچنا مشتبہ رہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لائق نہیں ہوتا جو اسی منصب مادی یا پیغمبر کا ہے :

ہماریہ اصول نہایت سچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اُس میں سچا مکلف ہوا ہے پس

جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو۔ ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و متنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ کتاب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو پالینا نہ منافی ہدایت کے ہے نہ منافی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکماء کے بالکل مطابق اقوال و اصول انبیاء کے پاس گئے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیاء کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ہوتی ہے۔ ہاں۔ ان نازک معاملوں میں تدبیر و کار ہے۔

اگر ایسے مادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق

کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دیئے کہ اعتقاد۔ مگر میں اُس کو تو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس مادی کی ہدایت سننے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلام یا جزو اصول قوانین قدرت پر آگاہی پائی ہے۔ وہ تو مجھ کو اس مادی کی بات سننے ہی پر کھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس درجہ تک پہنچنے کی قدرت نہ تھی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھائے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس مادی کی باتوں کو سننے میں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر اُن میں فطرتی صداقت اور سچائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کہ نہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچی لگتی ہے اور وہ اسکی تصدیق کرتے ہیں۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غور یا شرم یا نفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ لوگ ٹھیک ابوہل کے بھائی ہیں۔

پانچویں لوگ ہیں جن کو اصلیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ مانتے ہیں۔ اور اُس مادی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی صداقت سے سیدھی راہ پر ہیں اور

اپنی سفاہت سے ٹیڑھی راہ پر۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔
 پس ان فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا
 دوسرے فرقے میں داخل ہیں۔ اور ان کو ہم اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اُس آدمی کی نصیحتوں
 کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کریں گے۔ اور بقدر اُس زمانہ کے علم و عقل و تجربہ کے اُن دونوں کے
 اصولوں کو تلاش کریں گے جو ابتداء یا بعد بخینہ و سمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ اگر مطابقت
 پائی گئی تو یقین کریں گے کہ بلاشبہ وہ مادی ہے۔ اور وہ اُسی مخزن سے ہدایت کرنے پر مامور ہے
 جو ہمارا اور اُس مادی کا دونوں کا بنانے والا ہے۔

ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پمیر محمد رسول اللہ صلم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا
 جس نے نہ کسی معجزہ کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے خیبر سے باہر ہے بلکہ
 یہ کہا کہ میں تو تم کو نصیحت کرنیوالا ہوں۔ بُری باتوں سے بچانا اور اچھی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔
 پس یہی بزرگی محمد صلم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بالی انت وامی یا رسول اللہ قل اللہ
 تعالیٰ علی لسان نبیہ صلعم "امنا انانذیر مبین"۔ "انا بشر مثکم یوحی الی انما
 الہکم اللہ واحدا"

اس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آوے گی کہ اس فرقہ پنجم کی نجات یا دکات کا کیا
 حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیاء کے آنے
 کی ضرورت اور ان کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر
 کرتے ہیں۔

کیا ایسی حالت میں ختم رسالت ہو سکتی ہے؟

ہاں۔ بلاشبہ۔ مگر شکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں ڈال
 دیتے ہیں۔ اُس کو خیال نہیں رہتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے مستعمل ہوا ہے۔
 فرض کرو کہ ایک صندوقچہ تھا اور اُس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت
 لوگ کہتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اسکی خوشبو سے اور نشانیوں سے سمجھاتے تھے۔
 بہت لوگ کہتے تھے بہت زمانے تھے۔ ایک شخص آیا اور اُس نے وہ صندوقچہ کھول کر سب
 وہ پھول نکال دیے۔ سب اُلٹے کہ اب تو حد ہو گئی۔ یعنی یہ بات ختم ہو گئی۔ اب اس کے کیا معنی

ہیں؟ کیا یہ سنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس سند و قچہ کو نہیں کھولنے کا۔ اور وہ پھول ہی کو نہیں دکھانے کا؟ یہ طلب سمجھنا تو محض بیوقوفی کی بات ہے۔ بلکہ طلب یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت کرنا کہ اس سند و قچہ میں پھول ہے ختم ہو گیا۔ یا انتہا کو پہنچ گیا۔ اب اس سے زیادہ کوئی نہیں کھولتا۔ پس یہی سنی ختم رسالت کے ہیں۔

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ حد یا انتہا اسکی ہے۔ اور اسی لئے وہ خاتم ہیں۔ اب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو۔ مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے۔ ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان الہی کا خاتمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اولیاء امتی کا نبیاء و بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تاقیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر نبوت کا خاتمہ ہو گیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے ثبوت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ہاں یہ بات دیکھنی باقی رہی کہ محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے؟

اس امر کی نسبت تقریر تو بہت لمبی ہے۔ مگر میں اُسکو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر سچائے خود تحقیق و ثابت ہو چکا ہے کہ یقین خدا کی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے۔ یاد و سرخی بان میں ہیں کہ وہ باعث نجات اخروی ہے۔ اس مسئلہ کو اس مقام پر مسلم قرار دیتا ہوں اور اسکا اسپرٹ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پس اب ہسکویہ دیکھنا چاہیے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین سچ کیا گیا؟

ہسکویہ بتایا کہ وہ ہستی مطلق یا علتہ اعلیٰ واحد فی الذات ہے۔ وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب اُسکو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قائل ہیں۔ پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بڑی بات (اگرچہ فی نفسہ بڑی ہے) نہ تھی؟

اُسی کے ساتھ ہسکویہ بھی بتایا کہ وہ ہستی مطلق صفات میں بھی واحد ہے۔ یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب ادیان ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں۔ الا ایک وحدہ مذہب ایسا بھی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا۔

تیسری بات جو ہمارے چیمبر نے ہسکویہ بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے یعنی وہ الٰہ کا تذلل

اور ان ارکان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لیے ہے وہ کسی دوسرے کے لیے نہ کرنا۔ یہ وہ بصیرت تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اور جس بغیر حقیقت اگر توحید ناقص تھی تو پوری بھی نہ تھی۔ پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات - وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر مکمل ہو گیا اور خدا نے کہہ دیا ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً“ اور اسی کے ساتھ حقیقت نبوت بھی یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہو گئی جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے۔ پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کریں گے یا کرتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرینگے بلاشبہ مسلمان اور پورے موحّد ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام ہے۔ اور ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے۔ مگر حقیقت وہ مسلمان اور بڑے سچے مسئلہ اسلام کا پیرو ہے۔ ہاں۔ اس قدر بیشک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسئلہ کو سیکھ کر اور اُس پر یقین لاکر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے۔ تو وہ مسلمان تو خواہ مخواہ ہی ہے۔ مگر ناشکر مسلمان ہے۔ کیا عمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں کہ مسلمان ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمد للہ۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری کے مجموعہ صفات کمال کے قائل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بری ہیں وہ اسلام کے شکر گزار ہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اُس سچے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر بھی ایمان لکھیں جس کے سبب سے اس وحدانیت کامل کو ہم نے پایا ہے۔

اللہم صلی علی النبی الطہری • شفیع الوری فی یوم بعث و محمدی

اپنی مدد آپ

خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اقداروں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی

مضبوطی کی بڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لیے یا کسی گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جو شل اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو اصلی چمک دیک انسان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں۔ خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہیں (یام بدیہی اور لائڈی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جلتے ہیں۔ اسے میرے مہوطن بھائیو۔ کیا تمھارا یہ حال نہیں ہے ؟

ایشیائی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیائے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا درجہ سب سے اعلیٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ لیکن شخص فرض کرو کہ وہ لندن میں ایئر لینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں ہو جائے۔ یا کلکتہ میں وائسرائے اور گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کر سکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے گو وہ کیسی ہی باايماناری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود اُس کے چال چلن پر۔ اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا اثر پیدا کر سکتا ہے۔ ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قوائی کھیل اور اپنی شخصیات کی ترقی کر سکتا ہے +

یہ بات رند برنڈر روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض نسبت مثبت اور عمل ہونے کے زیادہ تر منفی اور مانع ہے۔ اور وہ فرض غلبان اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا

عہد آزادی دشمنی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حقدار بن سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُبھارنے والا کیوں نہ ہو سست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو لغایت شمار۔ شراب خور کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعاری نفس کشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عمدہ عادتوں۔ عمدہ چال چلن۔ عمدہ برتاؤ کو کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلیٰ اعلیٰ درجہ حاصل کرنے سے ۛ

پڑنے لوگوں کا مقولہ ہے کہ ”الناس علیٰ دین ملوکہم“ اگر اس قول میں ”الناس“ سے چند خاص آدمی مراد لیے جاویں۔ جو بادشاہ کے متبصر ہوتے ہیں۔ تو تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یسینی لیے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سازگ بدلتی جاتی ہے۔ نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شائستگی میں گے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب شائستگی میں پیچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی دھڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھینچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کا یہ حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اور زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھینچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لاتی ہے ۛ

یہ ایک عجیب کا قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اُسی کے ہوتی اُس کے قانون اور اُسی کے مناسب طرز گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پینال میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و نارتبیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اگھر حکومت کرنی پڑتی ہے ۛ

تمام تجویزوں سے ثابت ہوا ہے کہ کبھی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت نسبت بہاں کی

گورنمنٹ کے عہدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن - اخلاق و عادات - تہذیب و شایستگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک قوم کی تہذیب و حقیقت اُن مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے جن سے وہ قوم بنی ہے +

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت - شخصی عزت - شخصی ایمانداری - شخصی مہر و دی کا۔ اسی طرح قومی منزل مجموعہ ہے شخصی سستی - شخصی بے عزتی - شخصی بے ایمانی - شخصی خود غرضی کا اور شخصی بُرائیوں کا۔ نا تہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی - یا باہمی شرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ حقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے اُن بُرائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں۔ تو یہ بُرائیاں کسی اور نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے +

اے سیکرٹری عزیز مہوطنو۔ اگر یہ رائے صحیح ہے۔ تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی مہر و دی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عہدہ ہو۔ تاکہ تم بھی ایک سبز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا۔ بات چیت کا۔ وضع و لباس کا۔ سیرنگ کا۔ شغل اشغال کا تمھاری اولاد کے لئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن - اخلاق و عادات نکلی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا +

جبکہ شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔ تو اس بات کی اُمید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے۔ کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے۔ وہ شخص حقیقت غلام نہیں ہے۔ جس کو ایک خدا نا ترس نے جو اُس کا ظالم تھا کھلایا جاتا ہے خرید لیا ہے۔ یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ حقیقت وہ شخص اصل غلام ہے جو بد اخلاقی - خود غرضی - جہالت اور شرارت کا مطیع۔ اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں بستلا اور قومی مہر و دی سے بے پرواہ ہے۔ وہ تو میں جو اس طرح دل میں غلام ہیں۔ وہ بیرونی زوروں سے یعنی عہدہ گورنمنٹ یا عہدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو۔ اہل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عہدہ انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی مستقل اور برآؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی بھی تبدیلیاں

گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں۔ وہ تبدیلیاں فائز خیال سے کچھ زیادہ تر نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں بھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جب بیکھو تو کچھ بھی نہیں ہے۔

مستقل اور مضبوط آزادی۔ سچی عزت۔ اصلی ترقی۔ شخصی چال چلن کے عمدہ نمونہ پر منحصر۔ اور وہی شخصی چال چلن معاشرت و تمدن کا محافظ۔ اور وہی شخصی چال چلن۔ قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے۔ جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانا حکیم گذرا ہے۔ اس کا قول ہے کہ ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر اُسکی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو برباد دیتی ہے حقیقت وہی شے اُس کے لیے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے۔ پھر اُس شے کو جس نام سے چاہو پکارو۔ اس مقولہ پر میں اس قدر زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا بگنی ہے وہاں کسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قائم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اسے مسلمان بھائیو۔ کیا تمہاری یہی حالت نہیں ہے؟ تم نے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تمہارے حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟ تمہاری آزادی کے محفوظ رکھنے کا تم کو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟ بیچ بیچ بیچ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت پہلوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خطرہ ہے۔ گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سیکام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہر چیز ہمارے لیے کی جاوے اہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو مادی اور رہنما بنایا جاوے۔ تو تمام قوم کی ملی آزادی کو برباد کر دے۔ اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے۔ اور اُس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں۔ جیسیکہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز کچھمی کی پوجا کرتے ہیں۔ اور بے انتہاد دولت رکھتے ہیں۔ انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لائق بنے جاتے ہیں اور بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط۔ جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی اپنے کرنا ہے۔ جس وقت لوگ سکوا چھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاوینگے۔ تو پھر خضر کو ڈھونڈنا مجبوری ہو جائیگی۔ اور اس پر بھروسہ۔ اور اپنی مدد آپ۔ یہ دونوں اصول

ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو۔

قومی انتظام یا عہدہ قوانین کے اجراء کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے۔ سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈارگن نے ڈبلن کی نمائش گاہ دستکاری میں لکھا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آئرلینڈ کا تھا۔

اُس نے کہا کہ جس وقت میں آزادی کا لفظ سُنتا ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے شندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیے بہت سی باتیں سُنتے آئے ہیں۔ مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت۔ ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے۔ یقین کرنا ہوں کہ اگر ہم محنت کیے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہمو کوئی موقع یا آئینہ کی ترقی ہم اپنی بہتری کے لیے نہیں ہے۔ استعمال اور محنت۔ کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی دلولہ اور محنت سے کام کیے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ غمخوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عہدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاوے گی۔

انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنا والوں۔ زمین کے جوتے والوں۔ کانوں کے کھودنے والوں۔ نیئی نیئی باتوں کے ایجاد کرنا والوں۔ مخفی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں۔ آلات جبرئیل سے کام لینے والوں۔ اور ہر کے پیشہ کرنے والوں۔ ہنرمندوں۔ شاعروں۔ حکیموں۔ فیلسوفوں۔ ملکی منتظموں۔ انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔ اور اُسکو ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ ان عہدہ کاریگروں سے جو تہذیب شایستگی کی عمارت کے معامہ میں لگا کر ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس انداز پر لادے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے پرکھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی۔ اور وہ جائیداد ہم کو اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل وارث گنج اسکی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہم کو اس لیے دی گئی ہے کہ اُسکو ترقی دیں۔ اور ترقی پاتے

حالت میں۔ آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑ جاویں مگر افسوس صدہنہ افسوس کہ ہماری قوم نے ان پرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا *

انگریزوں کو جو دنیا کے اس دور میں اس قدر ترقی ہوئی۔ اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ ان کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی محنت اُسپر گواہ عادل ہے۔ یہی سلسلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچا پیمانہ رہا ہے *

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلیٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گرد ہوں ہیں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کا نذرانہ کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جہازوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں۔ لیکن فوجاۃ اُن کو زیادہ تر انہیں مستی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن تہذیب و شائستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قوی اثر ہوا ہے جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں *

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُس کے زمانہ میں اور آئندہ زمانہ میں اُس کے ملک اُسکی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن کو معلوم نہیں ہوتا مگر اُس شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے۔ اور آئندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے *

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور تہاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرسۃ العلوم کی تعلیم اسی عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے تہاؤ کے علم کا۔ جبکہ انگریزی میں "لیف ایجوکیشن" کہتے ہیں۔ انسان پر۔ قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب مدرسہ مدرسۃ العلوم کا علم طاق میں۔ یا صندوق میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی ٹبے کے کتب خانہ میں

رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں۔ گھر کے رہنے سننے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرنے میں۔ صراف کی دوکان کرنے میں۔ ہل جوتنے میں۔ کپڑا بننے کے کارخانہ میں۔ کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کیئے۔ لوگوں میں صرف اُسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے۔

یہ کچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی کچھلے علم سے۔ عمل۔ چال چلن۔ تعلیم نفسی۔ نفس کشی۔ شخصی خوبی قیومی مضبوطی۔ قومی عزت مل جاتی ہے۔ یہی کچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور زندگی کے کاربائے کرنے۔ اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ ”علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے۔ اور شائے آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر مسترز اور قابل ادب بناتا ہے۔“

کیا یہی وجہ جو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بزمجبتوں سے علیحدہ مدرسۃ العلوم میں عالموں اور شرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں ؟

ٹیمز

از اے گریٹ رفارمر

یعنی

زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی نالباس پہنتے ہیں اور مینز وکریسی پر بیٹھ کر چھری کاٹنے سے کھاتے ہیں۔ اور سلطان روم یعنی بادشاہ عربین شریفین جن کا خطبہ کاغذ

کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر روضہ مطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ و پتلون و ترکش کوٹ و لال پھندے دار ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے۔ کہ جناب شریف مکہ عبدالقدیر بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں۔ پیر کے ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دو تہذیب سواداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان نوں پیر میں تشریف لائے ہیں۔ اتنے وقت وہ مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ہاں مہمان رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے بجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ چھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی باورچی اُن کے ہاں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکھ لی ہے اور فرنگی یعنی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہو گئی۔ ع

چو کفر از کعبہ پریند گجاند مسلمان

کیا ہمارا تہذیب الاخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ اُنھوں نے بھی فرنگی زبان پڑھنی و سیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ہاں کے بڑے بڑے سرداروں کو تمنغے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں رہی؟ نہیں میں تجھول گیا۔ سلطان زنجبار تو بڑے پکتے حنفی ہیں۔ تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ ایسے کہ حنفیوں کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اُس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بلانی یا رکھنی ناجائز نہیں ہے۔

ایک مصور نے شکر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ مگر اُتنی ہی پسند انسان میں ہوں جتنی کرتیں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اُس نے قسم کھائی اور کہا "میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپڑا۔ نہ دل و جگر۔ نہ معدہ نہ ہڈی۔ نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان حسب پسندوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی حنفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا۔"

جب مصور سے کہا گیا۔ کہ قیامت میں خدا کیسے گا کہ اب اس میں جان ڈال تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب مدغت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اُس سے کہا گیا کہ نہ

کی تصویر منع نہیں تب اُس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اسکو بڑھا اور پھیل پھول لگا۔ تو تیس کیا کروں گا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھیل پھول لگائے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصوٰر بولا۔ کہ ناصاحب میں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر لکیریں کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھیل پھول لگانے کو کہوے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصویر بنانا جاندار کی ہویا بجان کی۔ بالکل ممنوع ہے +

کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتویٰ دیدیا ہے۔ کہ تمہوں میں نقش تصویر ناجائز نہیں ہے؟

نامذہب ملک

اور

نامذہب گورنمنٹ

ملک جب نامذہب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں نامذہبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ نامذہب ہوتی ہے تو کشتی کسی قدر مذہب ملک میں ہوتی جاتی ہے +
ملک کا نامذہب ہونا تو اُس ملک کے باشندوں کا نامذہب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مذہب ملک ہیں۔ تو اُسکے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کو جو نامذہب یا نیم وحشی ملک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامذہب یا نیم وحشی کہنے جاتے ہیں +

مگر یہ کہو غور کرنا چاہیے کہ گورنمنٹ کا نامذہب ہونا کیا چیز ہے اور سلامتی گورنمنٹیں جس قدر ہیں ان کے نامذہب ہونے کا کیا سبب ہے +

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے ان کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائیداد سے متعلق ہوں خواہ کسب پیشہ و معاش سے خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے

اور آزادی زندگی سے اُن کی محافظ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچنے دے
 کمزور متحق کو غیر مستحق زور اور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے
 پورا پورا مستمع ہو ۞

اور اُس کا مذہب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرائض کے پورا کرنے کو تو انہیں اُسکی سلطنت
 میں جاری ہوں۔ ہر شخص اُس سے اعلا تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین
 کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں۔
 اور اُسکے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بالاجاۃ مرتبہ اُن
 قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنمنٹ میں یہ خیریں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامذہب و
 نامرتبیت یافتہ کہلاتی ہے اور اُسکے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی۔ مال کی۔ دولت کی
 قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی ۞

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمان سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان سلطنت اُس
 دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مذہب گورنمنٹ کا اطلاق ہو سکے۔ یا اُس کا ملک اور اُسکی
 رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا
 اپنے مال و ذات پر بالکل تباہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور متحق کو غیر مستحق زور اور کا اندیشہ نہ ہو ۞
 ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن
 احکام کا سمجھتی ہے جسکا اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی
 دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس طریقہ پر
 کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا ۞
 یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ حقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ
 پیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے
 یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتماد کلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی خلاف
 سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُسکے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال
 ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ ہرنج اور درہندوق کا استعمال
 جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو تنگ و چست وردی پہنانا درست ہے یا نہیں۔ جزیرہ عرب میں
 ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی حالت

کے خواہاں ہوتے ہیں +

ایسا ملک در ایسی قوم ہمیشہ منزل کی حالت میں رہتی ہے۔ تہذیب شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہ پھیلی۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا۔ ہر شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا متاع حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے +

کل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہ حال ہے۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمان گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ترکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنت ترکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُنہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے +

کوئی سال امن کا اُس میں نہیں گزرتا۔ کبھی کریٹ میں فساد ہے اور کبھی شام میں۔ کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں۔ زمانہ موجودہ میں اُدھر ہرزہ کی گونا گونا بنی ہوئی ہے اور اُدھر سروریا۔ کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسا آزاد حکمران جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے۔ جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ ڈگریات کے اجراء میں۔ مظلوم کو اُس کا حق پہنچانے میں قادر نہیں ہیں۔ حج جو قاضی کہلاتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلیٰ اہل خاندان کے رعب میں۔ یا کسی با وقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں۔ اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال میں۔ اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے۔ کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو پورا پورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں ہے۔ ملک متزلزل میں ہے۔ تجارت ابتر حالت میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کلام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے۔ چاندی۔ تانبے۔ لوہے ٹین کی کوئی کمی نہیں ہے۔ مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی۔ کچھ کمپنی کی تجارت تنقی نہیں ہوتی۔ تمام ملک کی آمدنی دوسرے ملک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا تیاروں کی خرید میں چلی جاتی ہے۔ قرضہ پر گزارا ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا۔ غیر ملکیوں کی

رعایا سے بہت خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمام ایسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے۔ و انتہا علم با موشنیکم کے مجملہ کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ توب کا ایکسا حال ہے۔ ہاں بعض مسلمان ریاستوں نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بقدر تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایسی پاکستان اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ٹونس اور مصر۔

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامراء ستید خیر الدین وزیر ٹونس نے ان مقدمات کے انفضال کے لئے جو سلطنت بیاجیم کے رہنے والوں میں باہم کیا ان میں اور ٹونس کی رعایا کے درمیان ہے۔ ایک جڈا گانہ محکمہ مقرر کیا تھا جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلان جج ہو۔ اور ایک اور جج ٹونس کا۔ اور ایک جج بیاجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کیئے کہ ایسا کرنے کے لئے کوئی مذہبی سند نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر و مشنیر خوب سمجھتا تھا کہ امور دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ تعلق نہیں ہے۔

پہلا اخبار برسند الجواب ہکو نمبر سنا ہے کہ خدیو مصر اسماعیل پاشا نے بھی یہ منظور ہی حضرت سلطان روم سلطان عبدالعزیز خاں خلد اللہ ملکہ کے سببی قسم کے محکمہ مقرر کیئے ہیں چنانچہ اس اخبار میں ان کے تقریر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں ایسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعویٰ ہوتے تھے ان کے فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریت غیر تو مدعی اس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اپنے دعویٰ کو اس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اسکی اپیل کیا چاہے تو اسکو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے ملکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر مصری مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارہ مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا۔

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن غیر سلطنتوں سے عہد نامے ہیں ان کے

حقوق میں داخل تھا۔ اس صورت میں جو جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے ان کی حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی۔ اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ خدیوہ کے ذہن میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چنانچہ خدیوہ مدوح آٹھ برس سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت انصاف ہو۔ چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور آفدہ سلطنتوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم ہے اس کوشش کا یہ ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسب مراد خدیوہ مصر میں محکمے قائم ہو گئے۔ ایک خاص مصر میں۔ دوسرا اسکندریہ میں۔ تیسرا اسماعیلیہ میں +

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں۔ اور افسر کل دیسی ہیں۔ اور کسٹ درجہ میں جو محکمہ قائم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے۔ اسی وجہ سے کسٹ درجہ میں اس کی کل رسمیں ادا ہوتی ہیں +

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہوں گے۔ مگر اس وجہ سے کہ ان کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے۔ اور ان کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر ہی کے ذمہ ہے۔ اور ان کی ٹوپی ترکی ہوگی۔ اور لباس عثمانی ہوگا۔ اس وجہ سے وہ پردیسی سمجھے جائیں گے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائیں گے۔ پس یہ محکمے بالکل مصری محکمے ہوں گے۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو محکمے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے ایر ہو گئے ان پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا۔ علےٰ انذا جو دعویٰ پردیسیوں (یعنی جابا سلطنت رائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دایر ہوں گے۔ ان میں بھی اسی طرح انصاف ہوگا۔ اور انہی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا۔ پس اب اور آئندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے سینے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو۔ جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ہیں۔ اور جو کہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فائدہ اٹھائیں گے اس لیے سب اس نیک کام سے خوش ہیں +

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دو شنبہ کے دن جمادی اولیٰ کی چوبیس اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر حقانیہ تجارت مصر نے راس التین نامی شہر حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے جموں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایا

مالک حمیت پتھر۔ نہایت مسیانی اور عزت نژد کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پھر اپنے ساتھ راس التین کے دربار سی کمرے میں لے گئے۔ اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی۔ اور منصور پاشا اور اہل صدیق پاشا۔ اور بعض اور اُمراء دولت مصر پہلے سے موجود تھے۔ جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر صاحبوں سمیت دربار سی کمرے میں نونق اور زہوئے اور بہ ہیت مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب ہو کر زبان فرنج میں مندرجہ ذیل تقریر کی :-

تقریر خدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحب کت حاکم حضرت سلفا بن عظیم (یعنی سلطان روم) کی مدد اور اُن سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطہ دوستی رکھتی ہیں۔ مجھے امور عدالت کی بنیاد صلاح اور نئے محکموں کے اجرا کی اجازت حاصل ہوئی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں اپنے گرد و بی عزت حجبوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے۔ تم لوگوں کی روشن عقلیں۔ اس کمال کے تمام فائیدوں کی ذمہ دار ہیں۔ تم لوگوں کی تجویزیں مسلم اور ناطق اور معتبر۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہونگی۔ انتشار و تبدیلات دنیا میں مشہور ہوگی۔ اور تواریخ مصر میں لکھی جائیگی۔ اور زمانہ حال کے نئے تمدن کے لیے یہ کاغذ مرکز مٹھرے گی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے یام عظیم آئندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا۔ جب یقتیر ختم ہو چکی تو اہل دربار نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر اظہار سرور اور ادائے شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام حجبوں کی طرف سے نیابتاً زبان فرنج میں مندرجہ ذیل تقریر کی :-

جناب عالی۔ میں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ جیثیت وزیرِ حقانیہ حجبوں کی طرف سے نیابتاً حضور کو مبارکباد دوں۔ کہ اس قافلہ کے مقرب ہونے۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا۔ میں حضور سے اُمید دار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور شکریہ قبول فرمائیں۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ نوجوان لوگ حضور کے اعتماد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آئندہ فائدوں کے لیے دل و جان سے کوشش کریں گے۔ کیونکہ عدل انصاف جو ان لوگوں کا کام ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔

حضور کے فہم بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت اہمیت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائض جیسا کہ چاہیے ادا کریں گے۔ اور آثارِ حسنہ کے پھیلنے میں نہایت موثر مدد دیں گے۔ اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہوں گے کہ ان کے کام میں ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں۔

اس واقعہ کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنتِ مصر کی حالیہ اور آئندہ سرسبزگی سے علاقہ رکتا ہے۔ یکتی بڑی بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بے نظیر یادگار ہے۔

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کل صیغوں کے وزراء اور مسبرانِ مجلسِ خاص (پروپیگنڈا) اور افسرانِ بحری و بحری۔ اور حکامِ مالک اور تاجرانِ معتبر اور افسرانِ بنک نے درجہ بدرجہ جنابِ خدیو کی حضور میں مبارکباد دی۔ اور شکر ادا کیا۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسمِ افتتاحِ نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی۔

ڈیڑ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علی الترتیب روبرو استادہ ہو کر ان محکموں کے کھلنے کی مبارکباد دی۔ اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاقاً اہمائیہ سے حضور نے صیغہ عدالت میں بقول اصلاح کی۔ اور عادی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملکِ مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو۔

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریفِ پاشا نے فریج میں سیچ کی۔

دنیا میں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب اور دنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند عقلم باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے۔ اور گودہ دنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بیشک ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر مبنی ہے۔ اور ہمارے دواں مقبول کا قبول کہ ما انکم من امر دینکم فخذوه وما انکم من غیرہ فانتھوا اس پر عمل کا مل ہے۔ اور قرب

زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عمل درآمد رہا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عند خلفاء تک بھی باقی رہا۔ جنہوں نے حدیث و سنت مقدسات کی تیس برس۔ اور پھر سپندرہ برس۔ اور دعویٰ شیعہ کے لیے حدیث و سنت ایک مبینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ماتھے میں رکھنا تجویز کیا۔ جبکہ کوئی سند یا اجازت مذہب میں تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیا نسیا ہو گیا۔

اگلے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جن تک ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیے فکر کرتے کہ اُس کو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ نخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلال دور از کار کر کر کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے۔ جس کو خود انھیں نے قائم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ اُن علماء کے اقوال و استدلالات رفتہ رفتہ مدون ہو گئے۔ جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہو گئیں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء کے اقوال بطور سند کے تصور ہو گئے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب سلام سمجھا گیا۔ اور شرع اُس کا نام ہو گیا۔ اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا۔ اور جو تھا پھر اُس میں معلوم ہوئے اُس سے اسلام میں انھوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے اگر بالفرض تمام اجتہادات و استدلالات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہو جاوے تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے اُترا۔ ویسا ہی پاک صاف ہے۔

اس طریق سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلاشبہ ہوا کہ سُلمانی فقہ ایسی عمدہ اور سوجہ و مدلل ہو گئی کہ کسی قوم میں ایسی عمدہ فقہ نہیں۔ مگر مفصل ذیل نقصان بھی پیدا ہوئے۔

اول یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسلک جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی امور سے بھی تعلق ہے۔ اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے یہ کہ جو مسائل علمائے اپنے اجتہاد و قیاس سے دلچانا حالات و وقت و عادت اہل زمانہ یا راجع ملک و دہ دیئے تھے اگر وہ مسائل رتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسائل قرار پائے اور سوائے غیر خدا مسلم کے اُفت بہت سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا۔

تیسرے یہ کہ اب اُن مسائل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوا جو

فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اُس کے برخلاف کرنا۔
 چوتھے یہ کہ جب یہ خیال جا کہ مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہو کہ اُس کو خدا کا
 دیا ہوا مانا جاوے۔ اور جب اُکا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہو کہ اُس کو کافی اور کامل سمجھا جاوے۔
 اس خیال نے اس بات پر اُبل گیا کہ کتب فقہیہ اسطے سیاست ملکیہ کے باطل کافی ہیں۔ اور
 آج ہیکہ نہ بنوں کوڈ کی ضرورت ہے نہ بنوں پر سبجری۔ نہ کرنیل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کرنیل بر سبجری
 کی۔ نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ تریڈ کوڈ کی۔ حالانکہ کتب موجودہ فقہیہ ان میں سے ایک کے
 لیے بھی کافی نہیں ہیں۔

ان تمام نقصوں نے کل سلطنت اُسے اسلامیہ کو ڈبو دیا اور غارت و برباد کر دیا۔ اور جو رہی
 سہی میں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے۔ بڑے
 ذہین تھے۔ بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے۔ مگر جو کچھ اُنھوں نے دنیاوی امور کی نسبت
 کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں
 سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑے فہم تھے۔ مگر زمانہ روز۔

خط و کتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط و کتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔
 جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط و کتابت
 کے طریقہ میں بھی بہت سی فضولی و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں بہت
 اسلام کی عمدہ اور پر اثر باتوں کو بے اثر اور کیل بنا دیتی ہیں۔
 جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اُس میں ایک بہت لمبا چوڑا القاب و آداب پاتے ہیں اُن
 بدلوں میں صرف شاعرانہ الفاظ ثناء صفت مکتوب الیہ کے ہوتے ہیں جو حقیقت مکتوب الیہ
 میں نہیں ہیں۔ حالانکہ القاب میں یا تو بیگانہ وار (اگر مکتوب الیہ بیگانہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیے
 جو خطاب کا شمر اور مخاطب کرنے کے لیے کافی ہو۔ یا اُس دلی تعلق یا ادب کو ظاہر کرتا ہو جو حقیقت
 کا تب کو مکتوب الیہ سے ہو۔

آداب معلوم نہیں کیا نوعیت ہے۔ ایشیا کے امراء و امداد شاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو ہے
 کمتر ہیں وہ بمنزلہ ہمارے خلاصوں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے تئیں نمایاں سمجھتے

تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی ملاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اُس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب سے آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط و کتابت کے لیے زیبا نہیں ہے فضول بے معنی وقت ضائع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے ملی مطالب علی الخصوص اُس زور یا جوش سے جو دل میں ہے اور انہیں ہو سکتے۔ قوم کے دل میں جو ایک غلامانہ انفعال پڑا ہوا ہے وہ دور نہیں ہو سکتا۔ ہکو اُمید ہے کہ ہمارے اس رنکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُسکو نظر انداز نہ کریں گے +

اُس کے بعد نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت بتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُسکو تنقید طالب بنانے سے کیا مطلب ہے۔ اس سم نے ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرز تحریر میں کچھ فرق و امتیاز نہیں رہا ہے۔ خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں اُن کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر سمجھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ بیش بھی اس سے زیادہ چکے چیرے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط و کتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالت مفارقت میں محبت و اخلاص کے ازدیاد کا ذریعہ ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے +

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اور مذہبی طرہ لگایا ہے کوئی خطاب بسم اللہ الرحمن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر ”بسم اللہ“ ”محمد لا“ ”حامدا“ ”مصلیا“ ”مسالما“ لکھتے ہیں۔ لفاظوں پر ”انشار اللہ تعالیٰ“ ”بعونہ تعالیٰ“ ”بمسندہ کمال کہ“ تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق عمل اعمال کی طرف مائل ہے وہ لفاظ پر ”حوالہ قطمیر“ بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خضر و مکتوب الیہ تک پہنچے گا۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن کشتِ خط اور اسی بھلتے ہیں جو اس سے بھی ادنیٰ خیال کے لوگ ہیں۔ لفاظوں پر چوتہر بردگی ان لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص اُن کے خط کو کھول کر نہ پڑھ لے +

ہم کو نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس لفاظ و مضامین کو ایک دلیلی

کی بات بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دینداری اور خدا پرستی اور نہایت ہی افتاد اور
 ٹھیک سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و معانی
 کی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے اسی قسم کے بڑاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت
 اُن کے دل میں نہیں رہی جو عرض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خضوع
 اور خشوع پیدا ہو جنتی اور قساوت پیدا ہوتی ہے +

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ
 کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان متھارے دل میں آتا ہے جس طرح اور لفظ شوقیہ
 و محنت و سست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ بتیں نے غلط
 کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا۔
 کسی کو محنت و سست لکھنے میں بھی دل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت
 خدا کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ ہنسے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شطرنج کا تماشا دیکھ رہے
 ہیں اور خط پر حامداً لکھ رہے ہیں۔ ع۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا۔ وہ پیادہ مرا پھر
 میم۔ دال لکھی اور کہا وہ کشت۔ اتنے میں الف لکھا اور بولے وہ مات۔ غور کرو کہ اس طرح پر
 مذہبی مقدس الفاظ کا بڑاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے ؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر خفا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں
 اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھ رہے ہیں۔ ایک گالی پر
 بسم اللہ اور دوسری پر حامداً اور تیسری پر مصلیاً لکھا جا رہا ہے +

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام نیادی
 مزخرفات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو
 ایماناً۔ اخلاقاً۔ شرعاً ممنوع و حرام ہیں۔ بعض خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم
 مطلع فرمائیںد لفظ دیگر کی تشریح ہم نہیں گے صرف مو کوئی کا یہ شعر پڑھ دیجئے +

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبراں

گفتہ آید در حدیث دیگر اراں

+ پھر کیا ایسی سنت تحریری بجالانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی

ہے +

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو زند مشربوں کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ ہے۔ شاہدہ سے۔ عقل سے۔ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور بطور مذہبی تقدس کے اُسکو نہیں بڑا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ نصیحت سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح پلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ دو باتیں کہیں اور اللہ اللہ کہہ کر دانے اِدھر کے اُدھر کر دیئے تین لغویات مومنہ سے نکالیں اور اللہ تم صل پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ انگلیوں کو وہ مشق ہو گئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اِدھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے بڑاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی خضوع و خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے بڑاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بذات کہنا دونو برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُس کا۔

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُسکی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمان اخلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعل ظہری ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو۔ مگر صرف قلم سے لفافہ کے سرے پر انشاء اللہ لکھ دینا چہ معنی دارد۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسہ کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا بنانے سے کیا مطلب ہے؟

میرے ایک دوست نے (جو اس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق ہر ان ایک رسم موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیتے ہیں جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیا۔ پس اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی کبریتیں نصیب ہو سکتی ہیں؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثل اُدھر رسمی باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفافے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا احمق مذہب ہے جو یہ خیال بتلاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خائف نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صاحب مذہب تو احمق نہیں ہے مگر لکھنے والے احمق ہیں۔

بعض دوست سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمان کی نشانی ہے۔ مگر ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے ماتھے پر قشقہ لگا کر اور گلے میں زنا زوال کر مسلمان بھی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

جناب رسول خدا اصاحم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامی انہی مضامین کے تھے اور انہی مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط و کتابت کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب و گستاخ ہے اور کچھ بھی قدر و منزلت نہ سنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم روتے ہیں کہ مسلمان مذہب کی طرح نہیں برتتے بلکہ اس کا کھیل بناتے ہیں۔

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو انھوں نے یہودیت سمجھی تھی اور انکے ہاں کے علماء و فقہاء جو ربی اور قومہن کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے ہاں دو فرقہ قائم کیے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سنیوں میں اہل حدیث اور دہابی اور شیعوں میں اخباری دو سنیوں میں فقہی اور شیعوں میں اصولی۔ دونوں فرقے ذرا ذرا سی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اسی کو کمال دینداری جانتے تھے۔ اس بات کی بڑی جست و جاہ کرتے تھے کہ بکرا اس قدر انگشت بینی پھیری سے تین رگڑوں میں ذبح ہو۔ مگر اس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ آیا کہاں سے تھا تو ریت کو بے طہارت چھونے اور بے لوبان جلانے کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اس میں لکھا کیا ہے کچھ پرواہ نہ تھی۔ مکان پر۔ مراسلوں پر۔ چھاتی پر آیات تورات کے حروف مقطعات کا نقش لگانا نہایت ایمان اور اتقاء کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی مینہ میں بھری ہوئی تھی اس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی حال چینہ ہمارے زمانہ کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عامر۔ برج کی صورت کا عامر۔ عرب والوں کے حملہ کی طرح کا عامر سر پر باندھے۔ شلہ کی انگلی کا چھوٹے اس کی تحقیق کیے اور ٹھیک گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک منگھن پٹیکارے قمیص میں بنون پہنے۔ اُسپر صدی عربی لٹکائے۔ اور اس پر بجائے کسرتانی جس کو بعضی کتابوں میں خسروانی منسوب آلی کی خسرو کا فر بادشاہ فارس لکھا ہے زیب تن کیے۔ مسجد یا خانقاہ یا کسی مسجد اسلامی میں تشریف رکھتے ہیں۔ یعنی نہایت سادہ سیدھا دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض للہیت

اور خالص بے تکلفی بنانے کو پہنچے ہوئے پھرتے ہیں مگر پوچھو تو سہی کہ تمہارے دل
 بھی کسی لباس پر تکلف یا ملبوس سادہ سے آراستہ ہیں جس کے لئے کہ مسواک اتنی لمبی ہو۔ اور
 ڈاڑھی اتنی منٹھی۔ پیجامہ اتنا اونچا ہو اور گرتہ اتنا نیچا۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے
 کہ جو کچھ ہم کریں وہ سب ثواب اور جو کچھ دوسرے کرے وہ سب عذاب۔ قل اتخذتم عند اللہ
 عہدا فان ین خلف اللہ عہدہ ام تقولون علی اللہ ملا تعلمون؟

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم کو شایستہ ہونا چاہیئے۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور
 دین کے کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیئے۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا

اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب

والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیئے۔ دنیاوی باتوں کے

خطوط پر بسم اللہ نہ لکھنی درحقیقت اللہ کے نام

کا ادب کرنا ہے۔ لغافہ پر انشاء اللہ کی

چڑیا نہ بنانی دراصل خدا

پر بھروسہ کرنا ہے۔

واللہ المستعان

علیہ التکلیف

+



حصہ دوم

مضامین مذہبی و علمی

مذہب اور عام تعلیم

تعلیم کا عام رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن

ہے۔

انسان کے خیالات جو آئندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر اراج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو حقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا منزل لازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی لغو خیالات اور بدعتیں مل جاتے ہیں جو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا مانع ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ لغو اور حمل رسومات ملکی اور قومی کاغذ میں غلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اُن مسلمانوں کا حال ہے تب وہ ستم قاتل ہوتا ہے۔

اس مقام پر یہ کہو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف ایسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب کے یہ بیان

ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاوے گا۔

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی طرح ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلاشبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناقابل اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہوں اسی قدر انسانیت کو ترقی ہے۔

اس طرح کے رفع کرنے کے لیے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی۔ ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل موقوف کیا جائے جو باہمی اختلاف اور تباہی کا باعث ہے اور سب لوگ متفق ہو کر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سچ اور فائدہ مند ہے۔ اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لائق آدمی شامل تھے مگر ان کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہوگی اس لیے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی بھی سیکڑوں برس تک توقع نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور علوم کی تعلیم اس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ دیا بلکہ دُور دُور کی قوموں اور دُور دُور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فائدوں سے اپنا احسانمند بنایا اور آئندہ نسلوں کی تعلیم کے لیے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قائم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں کا یہ خرچ ہو گیا۔ تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا۔ اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنا اصلی مقصد وہ مذہبی خیالات ہوتا تو اس کا ہزارواں حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہنچتی بلکہ اس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اس کی تائید نہ کرتا۔

اس طریقہ کی سعی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی۔ تعصبات بہت گھٹ گئے

شعبانہ بہت سی رسمیں موقوف ہو گئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُمید ہے کہ وہ بھی دور ہو چکی اور جو انسان کی انسانیت کا متقاضی ہے وہ پورا ہو گا۔

اب مسلمانوں کے حالات پر غور کرو۔ کہ وہ لوگ تلم علوم میں تعلیم پاتے تھے فلسفہ کے بڑے دوست تھے۔ طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے۔ اور اُن سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں اور دارالعلوموں کے لئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہنچتی تھی جس کے سبب وہ تعلیم قائم تھی حالانکہ انہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لاد مذہب بلکہ مذہبی خیالات کے دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لئے مدد اور سامان ہم پہنچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی۔ اس بات کی تصدیق کے لئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دونامی یونیورسٹیاں قوطب اور بنگال کی گورنمنٹیں ہیں مگر پھر بھی اس اقد کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا اُن پچھلی باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ عزیزہ نہیں اسباب اور وجوہات سے قائم تھا جس کے پڑھے ہوئے اب بھی چند لوگ زندہ موجود ہوں گے غرض ہماری ان سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر کوشش کرتے ہیں اُن کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد میں غیر مشمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہو گا اور نہ دنیا میں کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے جس میں عام تعلیم کا رواج بلا مشمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو۔

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں وہی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے۔

مگر یہ نہایت انصاف سے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس باب میں بالکل بری ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود اُن سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں کر سکتی تھی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر فدا و طریقہ تعلیم کا اور مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان

کی تعلیم گورنمنٹ نے کی ہے وہ دونوں مثل اہل بے نظیر اور غائب اس وقت دنیا کے پردہ پر اسکا نظیر موجود نہیں ہے
 گما سپر بھی جو عالم تعلیم کی ترقی کا مانع ہے اس کا رنج کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ کر سکتی تھی کہ اپنے تئیں
 مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کر سکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یا کسی
 خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے +

پس مسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے تونا امید ہونا چاہیے۔ ایک
 عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی
 مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں۔ اور ان دونوں باتوں سے ناامید ہو کر غور کرنا چاہیے کہ اب
 کیا تدبیر جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور ان میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور
 اعلیٰ اعلیٰ اور ہر قسم کے مفید علوم کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قائم ہو۔ بہر حال اسکا
 جواب دیکھنا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد
 بنادہ ہوں اور یہ جو مذہبی مثل مشہور ہے کہ جٹھ کے بھروسے پیٹ اُسکی عار نہ اٹھا دیں بلکہ آپ
 کام مہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پڑیں +

یہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مقدر نہیں بالکل غلط ہے۔ البتہ
 یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اٹھانے والے نہیں ہیں اور ان بیشک ہمت بھی کم
 ہو گئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے +

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکل گورنمنٹ کے ذمہ تھا۔ شاید دو ایک مدرسے ہی ہونگے
 جو کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قائم تھے جو ان کے مدرسوں یا
 بانسوں کو بطور نذر و نیاز کے ان کے قیام رکھنے کو رو پڑتی تھی۔ کیا شاہ عبدالعزیز صاحب کا
 مدد اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ بنیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان
 میں چندہ یا سبکدوشن یا ڈونیشن کہتے ہیں قیام رکھ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد
 ہو کر ترقی تعلیم کے لئے سی کرنی چاہیے اور پھر وہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قیام
 کرنے چاہئیں۔ اس طرح تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے
 کچھ توقع نہیں ہے +

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جو پنہرو علی گڑھ و دیوبند و دہلی
 و کانپور کے مدرسوں کو مجبور نہیں گئے ہیں مگر میں طرز پر وہ قائم ہوئے اور جس طرح پانچ گار روٹائی

ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں اور اُس سے مسلمانوں کی بھلائی کی کچھ توقع نہیں۔ ہم اس بات سے خوش نہیں ہو سکتے کہ کسی جگہ چالیس طالب علم ریشائیل اور دھڑ دھڑ پور پچھم کے مع جمع ہو گئے اور صدرہ دشمنان زخم پڑھنے لگے کیونکہ سلسلہ وار تعلیم کی اور اُن نو عمر بچوں کے سلسلہ تعلیم کے قیام کرنے کی ضرورت ہے جو ہونا ہونے کو ہیں اور جس سے ہمارے ملک کی ترقی اور ہماری قوم کی عزت متصور ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ دو چار ملاں کسی جگہ پڑھانے کو مقرر کر دیے جاو اور وہ وہی پرانی کرکھائی کتابیں دو چار دس پانچ آدمیوں کی پڑھانے لگیں بلکہ بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اول مفید و مفیدہ ذہنی علم اور ذہنی عقل لوگ جمع ہوں اور بعد بحث و گفتگو کے یہ بات قرار دیں کہ اب سلسلہ تعلیم بنو حالات نانہ اور بلحاظ علوم و فنون جدیدہ کے کس طرح پر قیام ہونا چاہیے اور ہماری پورانی دقیا نو سی تعلیم کے سلسلہ میں کیا کیا تبدیل اور ترمیم کرنی چاہیے۔ ہمارا سلسلہ تعلیم کا بلحاظ مقاصد مذہبی کس طرح پر قیام ہو اور بلحاظ مطالب ذہنی کے کس طرح جاری کیا جاوے اور جب کوئی طریقہ تجویز ہو لے اُس وقت اُس کے جوا پر ہر ضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں سعی و کوشش کریں۔

ہر ضلع میں کم سے کم ایسا ایک مدرسہ قائم کرنا چاہیے جس سے ہر قسم کے مطالب اور مقاصد پورے ہوں کیونکہ تمام لوگوں کے ایک ہی مقاصد نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص مولوی۔ محدث و فقیہ بننا چاہے تو مولوی بننے کا بھی اُس میں موقع موجود ہو۔ اگر کوئی شخص بڑا ریاضی داں بننا چاہے تو وہ بھی اپنا مقصد اُس میں حاصل کر سکے۔ اور اگر کوئی شخص علوم و زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور عمدہ مائے جلید گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاہے وہ بھی کر سکے۔ جب ایسا انتظام اور سلسلہ قائم ہو جاوے گا تب مسلمانوں کی تربیت اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ہوتی ہے۔

اس طرح کے سلسلہ تعلیم قائم کرنے میں اگرچہ بہت سا روپیہ چاہیے لیکن روپیہ جمع ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگوں کا دل اور ارادہ اور بہت چاہیے۔ ہر ضلع میں جس قدر مسلمان آباد ہیں اگر ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا روپیہ بھی دو دو ایک ایک بلکہ آٹھ آٹھ آنے دے تو ہر ضلع میں ہفتہ روپیہ جمع ہو جاتا ہے کہ ان تمام مطالب کے لیے ایک نہایت عمدہ مستقل مدرسہ قائم ہو سکتا ہے صرف لوگوں کا ارادہ کرنا اور اس کام کے انجام کرنے پر دل سے کوشش کرنا شرط ہے۔

دین اور دنیا کا رشتہ

نجات ابدی جو نتیجہ سچے مذہب یا سچے دین کا ہے وہ دنیا کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ ایک شخص جس نے تمام عمر عسرت و تنگی میں بسر کی ہو اور لباس برہنگی کے سوا اور کوئی لباس زیب تن نہ کیا ہو اور بناس تپ کے سوا جو کے بن چھینے آٹے کی روٹی بھی نصیب ہوئی ہو وہ بھی سچے مذہب کی بدولت نجات ابدی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس شخص نے لاکھوں کروڑوں روپیہ بطور جائیداد اور خرچ کیئے ہوں۔ اور محمودی و تن زیب زیب تن کیا ہو اور محلوں میں سویا ہو اور باغوں کی ٹھنڈی ہوا میں پھرا ہو۔ پر تیشال عربی گھوڑوں پر چڑھا ہو وہ بھی سچے دین و مذہب کی بدولت نجات ابدی پاسکتا ہے۔ ہم دنیا میں بے انتہا مذاہب مختلفہ کے لوگ دیکھتے ہیں جن میں بلاشبہ کوئی سچے اصول پر اور کوئی غلط بنیاد اور جھوٹے اصول پر مبنی ہوگا۔ اور ہر مذہب کے لوگوں میں تنگی و فراخی۔ دولت و غلسی کو پاتے ہیں۔ اس لئے یقین کرتے ہیں کہ دنیا کسی کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس مضمون پر یقین کرنے کے لئے حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا حال جاننا کافی ہے جو علانیہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سے فقہ کے مقابلہ میں فرماتے تھے کہ ”واللہ صاحب المال کافر“ مگر دنیا اور دین سے ایسا مستحکم رشتہ ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ جس طرح کہ بچختی سے کبھی دنیا۔ دین کو غارت بھی کر دیتی ہے اسی طرح خوش قسمتی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

پراگندہ روزی پراگندہ دل

اب ان عقلی باتوں کو جانے دو۔ اس پر تو یقینی سب مسلمان یقین کرتے ہوئے کہ کسی بندہ پر خدا کا غضب دنیاوی امور کے سبب نہیں ہوتا بلکہ دینی قصور اور نافرمانی اور گناہ و معصیت کے سبب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا دار جزا نہیں ہے۔ اور جو گناہ اور معصیت بندوں کی ہے اس کی سزا کے لئے دنیا نہیں۔ با اینہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے دینی تقصیرات پر یہودیوں کے ساتھ دنیا میں کیا سزا دیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَضَرَبَ عَلَيْهِمُ الدَّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاوَا الْغَضَبَ مِنْ اللَّهِ ذَالِكُ بَأْنِهِمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَالِكُ بِمَا عَصَوْا كَانُوا يَعْتَدُونَ۔

پس اگر دنیا کو دین کے ساتھ کوئی مستحکم رشتہ نہ تھا تو خدا تعالیٰ نے بچا سے

یہودیوں کو دنیا میں ذلیل اور سبکین کیوں کیا؟

اُب دوسری طرح پر غور کرو اور ایک خیالی دنیا بناؤ اور یہ تصور کرو کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نہ رہے۔ سب بغلس اور نان شبینہ کو محتاج ہوں (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اُن بد عقلیوں اور بد نصیبوں کو نصیب ہو گا) سبب جو زمانہ حال میں اُن کے خطوط پیشانی سے پڑھی جاتی ہیں عنقریب ہونی والا ہے) اور در ہر بھیک مانگتے پھر میں ان کی اولاد جاہل اور نالایق پورا اور بد معاش ہو۔ واعظین کو جو محض ریاکاری اور مکاری سے دنیا کاتے پڑے پھرتے ہیں کوئی ٹکا دینے والا یا حرام کا لقمہ تر کھلانے والا نہ رہے۔ جناب حضرت پیر جی صاحب جو لوگوں کو مدد کر کر اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ اُن پر مقرر کرتے ہیں اور ہر سال اُس کی تحصیل میں مصروف ہیں اُن کو کوئی دینے والا نہ رہے۔ یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدرائے مفسرین یا غفہ طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ اُن کو کوئی چار پیسے کو نوکر رکھنے والا نہ رہے جیسا کہ اب بھی بیٹا ل موجود ہے کہ اچھے اچھے مولوی ٹکے ٹکے کو مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں بوجھتا تو اُس وقت دین کا کیا حال ہو گا؟

گمراہ کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہیے کہ پیٹ ایسی چیز ہے کہ دین رہے یا جاو خدا ملے یا نہ ملے اُس کو بھڑنا چاہیے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو پیٹ بھرنے کی تو کچھ فکر کرنی چاہیے گی۔ اور فکر کیا ہوگی اُس کا خیال بڑے دینداروں کی نسبت تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے گھر چھپتیری ڈھورے ہیں۔ کسی جنگل میں گھانس تحصیل رہے ہیں۔ کسی سپاڑ پر کڑیا چن رہے ہوں گے۔ کسی کا گھوڑا اُتل رہے ہوں۔ اور جو ایسے بچے دیندار نہیں ہیں۔ اُن کی نسبت کچھ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کیا کریں گے۔ معلوم نہیں کہ اُن سے جلیانے اور جزائر نوآباد بھریں گے یا یتیم خانے اور کلیسیا رونق پاویں گے۔ پس ایسی حالت میں خیال کرنا چاہیے کہ دین اسلام کی کیا شان ہوگی اور اُس وقت ہم سلام کریں گے اور پوچھیں گے کہ کیوں جناب قبلہ و کعبہ ہم جو مسلمانوں میں دنیوی ترقی و تہذیب و تربیت و شایستگی میں کوشش کرتے تھے وہ ہمارا امر معاش میں منہمک ہونا اور ترغیب دینا اور امر مواد کی طرف سے بالکل نہول یا غفلت کا پردہ ڈالنا تھا یا یہ کام خاص خدا کا اور بالکل دین کا اور سراسر مواد کا تھا؟

خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کو عین حکمت بنایا ہے۔ اُسکی بھلائی چاہنے والے کو ضرور ہے

کہ وہ بھی حکیم ہو۔ نہ مکار اور دغا باز۔ اور حکیم کا یہ کام ہے کہ جو مرض پکھتا ہے اُسکی دوا کرتا ہے
 اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ امور معاش و تمدن میں حسن معاشرت اور علم
 کی اتبری و غربابی کے سبب روز بروز خراب و ذلیل و حقیر و برباد ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ دُور
 و مولوی اور پیر جی خدا اور مکمل کے دشمن اُن کو روز بروز برباد و تباہ کرتے جاتے ہیں پس ایسی
 حالت میں کہ ہم بخوبی یقین کرتے ہیں کہ وہ عیسائی مسلمان یقینی اپنے مذہب پر پختہ ہیں۔ خدا
 کو ایک جانتے ہیں۔ رسول کو برحق سمجھتے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ فرض جانتے ہیں۔
 ایک ایک جولا بھی ضروری نماز روزے کے مسئلے جانتا ہے۔ یا ہر طرح پر اُس کے جاننے کا
 سامان یا موقع موجود ہے۔ مذہب اسلام کے دوستدار کا یہ کام ہے کہ اپنے تئیں پیر جی یا
 حضرت صاحب یا مولوی صاحب کہلانے اور دغا بازی سے دنیا کمانے کے لیے اُنہی باتوں
 کا جن کی ضرورت نہیں ہے بیٹھا ہوا وعظ کما کرے۔ یا جن کی ضرورت و حقیقت مسلمانوں
 کو اور خود اسلام کو ہے اُسکی تدبیر اور کوشش کرے ۛ

افسوس خدا مانتے نہیں آتا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہیں
 ہیں۔ ورنہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے سامنے لیجاتا۔ اور کہتا او خدا اور اے جناب
 رسول خدا تم مجھ میں اور ابراہیم میں محاکمہ کرو اور بتاؤ کہ کون بھلا اور ستار ہے۔ میں گنہگار
 یا یہ دیندار۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اگر خدا سچ ہے اور قیامت درست ہے تو یہ بحر کہ ہونا ہے
 لیکن با اینہما اگر کوئی مبالغہ پر آمادہ ہو تو میں مبالغہ کو موجود ہوں ۛ

تعجب کی بات ہے کہ اس بات پر کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو علوم دینی
 قائم رہیں۔ علوم دنیاوی جو مفید و بکار آد ہیں اُن کا رواج اور ترقی ہو۔ لوگ معاش سے
 فائز و البال ہوں۔ اکل حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھ آویں۔ حسن معاشرت میں جو نقص ہیں
 وہ رفع ہوں۔ جن بد رسموں اور خرابیوں سے خیر قومیں مسلمانوں کو اور اسلام کو حقیر و
 ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں۔ جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی
 ترقی کے مانع ہیں وہ دُور کیے جاویں۔ ان تمام باتوں کو محض مینداری اور حُب قومی سے نہ
 سمجھنا اور نہ ملک دنیا کا الزام دینا پس طرح خدا کے نزدیک درست ہوگا ۛ

باقی رہا اختلاف بعض مسائل میں وہ ایک جدا بات ہے۔ میں جس مسئلہ کو حق اور سچ سمجھتا ہوں
 بلا خوف اُسکو کرتا ہوں بقول شخصے۔ "از خدا شرم دار و دشمن ندار" اُن مسائل میں سے جب

کوئی مسئلہ کسی صاحب کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہو گا مجھ کو اُس کا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لمحہ کی بھی خدانے چاہا تو دیر نہ ہوگی۔ واللہ ولی التوفیق ✽
 یہ امور جو جنس لئے لکھے۔ مجھ کو لکھنے زیبا نہ تھے۔ مگر مجبور سی جو کچھ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اُس کا عام طرح پر ظاہر کرنا ضرورت تھا اس لئے دو چار حرف اُسی سختی سے جو میرے دل میں ہے لکھے گئے ہیں تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اُس پر غور کریں ✽

طبقات علوم الدین

ہم خیال کرتے ہیں کہ ابنِ نافع میں جو مسلمان بعض مسائل مذہبی کی تدقیقات کو دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں اور اس تدقیق کو خلاف جمہور اور خرقِ اجماع سمجھتے ہیں۔ غالباً اُس کا سبب یہ ہے کہ وہ علومِ دین کے طبقات سے واقف نہیں ہیں اس لئے مناسب ہے کہ کچھ اُن کا ذکر کیا جاوے ✽

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب محبۃ اللہ بالآخر میں طبقاتِ علومِ الدین کی تفصیل اس طرح پر بیان کی ہے ✽
طبقہ اول۔ حدیثوں کے پہچاننے کا علم کہ کونسی صحیح ہے اور کونسی ضعیف۔ اور کونسی معتبر ہے اور کون سی نامعتبر۔ چنانچہ اس کام کو علماءِ محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا اور حدیث کی کتابیں اُس میں تالیف کیں ✽

طبقہ دوم۔ کلامِ الہی اور اُن حدیثوں کے معنی بیان کرنے کا علم کہ مطابق محاورہ اور استعمالِ زبانِ عرب کے اس کے کیا معنی ہیں۔ چنانچہ اس کام کو علماءِ علمِ ادب نے اختیار کیا ✽
طبقہ سوم۔ کلامِ الہی اور حدیثوں کے معنوں کو بطور اصطلاحات شرعیہ قرار دینے اور اُن سے احکامِ شرعیہ کے نکالنے اور ایک حکم سے دوسرے پر قیاس کرنے اور اشارات و کنایات عبارت سے حکم نکالنے اور ناخِ منسوخ قرار دینے اور راجحِ مرجوح ٹھہرانے کا علم۔ چنانچہ اس کام کو فقہانے اختیار کیا ✽

طبقہ چہارم۔ مذہبِ اسلام کے اسرار جاننے کا علم اور یہ وہ علم ہے جس میں سب اسلام میں جو کچھ ہے اُس کی حقیقت اور اصلیت اور جو حکمت کہ شارع نے اُس میں رکھی ہے وہ بیان کی جاتی ہے ✽

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہی علم ہے جس سے آدمی پکا مسلمان ہوتا ہے اور اُس کا ایمان
 مثل ایسے شخص کے کامل یقین کے پختہ ہو جاتا ہے جس کو کسی نہایت سچے شخص نے یہ بات
 کہی ہو کہ سنکھیا نہ ہر قاتل ہے۔ اُسکے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے اور اُس شخص نے بسبب اُس
 قابل کی سچائی اور معتبری کے اُسکی تصدیق کی اور پھر قواعد علم حکمت سے یہ بات بھی جانی کہ
 زہر میں حرارت اور یوست بے انتہا ہے اور وہ دونوں خاصیتیں انسان کے مزاج کے برخلاف
 ہیں اور اس لیے اُسکو مار ڈالتی ہیں اور اس بات کے جاننے سے اُس کا یقین اُس قابل پر اور اُس کی
 بات پر اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ پس اسرار دین کے علم کا یہی نتیجہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان
 کو ایسا پختہ کر دیتا ہے کہ کسی طرح ڈگمگا ہی نہیں سکتا +

شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام عالموں نے فقہ کولب لباب علوم دین کا سمجھا ہے
 مگر اُن کے نزدیک علم اسرار دین ہی سب کا ستر لاج ہے۔ پھر وہ قسیمہ بیان کرتے ہیں کہ یہی
 علم اس لائق ہے کہ بعد اداائے فرائض کے آدمی اسی علم میں اپنی تمام اوقات عزیز صرف کرے اور
 ذخیرہ آخرت لیا جاوے +

شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جبکہ اس قسم کے مطالب پر لوگ غور کرتے آئے ہیں اور سائل
 اور مطالب نکالتے رہے ہیں تو اب علم اسرار دین پر گفتگو کرنا اور بحث کرنا خرق اجماع ہی نہیں
 رہا میں کہتا ہوں کہ خرق اجماع کیسا۔ اب اس پر بحث کرنا فرض عین ہو گیا ہے +
 حال یہ ہے کہ جو حالت کہ انسان کی روح سے متعلق ہیں اور جو انکشافات کہ انسان کی روح پر
 ہوتے ہیں اور اعمال صالح اور غیر صالح سے جو کیفیت انسان کی روح میں پیدا ہوتی ہے اور جو حال
 کہ اُس پر بعد موت کے طاری ہوتے ہیں جس کو محاذ کہتے ہیں وہ بدوں تشیل کے انسان کے
 خیال میں نہیں آسکتے کیونکہ جو چیز کہ ہماری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی نہ ہم اُسکو چھو سکتے ہیں تو
 اُس کا خیال ہمارے دل میں بجز ایسی چیزوں کی تشیل کے جن کو ہم جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں
 اور کسی طرح پر نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر عذاب قبر میں گنہگاروں کی نسبت سانپوں کا چمٹنا اور
 کاٹنا بیان کیا جاوے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت سچ مچ کے یہ سانپ جن کو ہم
 دنیا میں دیکھتے ہیں مردے کو چمٹ جاتے ہیں بلکہ جو کیفیت کہ گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی
 ہے اُس کا حال انسانوں میں اُس رنج و تکلیف و مایوسی کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا
 میں سانپوں کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے۔ عام لوگ اور کٹ ملاؤں کو واقعی سانپ سمجھتے

ہیں اور عارف باللہ اسکی حقیقت اور اصلیت پر پے لیا جاتے ہیں اور اسی اصلیت کے جاننے اور بیان کرنے کو علم اسرار دین کہتے ہیں اور یہ وہی علم ہے جس سے انسان کا ایمان تصدیق کے درجہ سے بھی بڑھ کر علم الیقین اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے +
 اگلے زمانہ میں علماء کی یہ رائے تھی کہ علم اسرار دین کو عام لوگوں میں پھیلانے سے جو کچھ سمجھ سے باہر ہے کچھ فائدہ نہیں بلکہ اُن کی تصدیق کو تشکیک میں ڈالنا ہے۔ مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ حال کے زمانہ میں ہر چار طرف علوم کی ترقی بہت زیادہ ہو گئی اور اُسکی شعا عین تمام دنیا میں پھیل گئیں اور پھیلتی جاتی ہیں اور پھیلتی جا دیں گی۔ بعض ملکوں میں تو عام و عوام اور خاص و خواص سب کے خیالات کو وسعت ہو گئی اور بعض ملکوں میں شاید ابھی عوام کے خیالات کو وسعت نہ ہوئی ہو الا عام کے خیالات کو تو ضرور وسعت ہو گئی ہے۔ اور اس لیے اب دین کی تشکیلی باتوں کا بیان کرنا کافی نہیں رہا بلکہ اسرار دین کے علانیہ بیان کرنے کا وقت ہے۔ اور جو بات کہ اگلے زمانہ میں کسی عالم کے دو چار شاگرد شہید جانتے تھے اُسکو عموماً ہر ایک کو بتلانا چاہیے تاکہ حقایق مسائل اور اسرار دین سے لوگ واقف ہو کر اپنے مذہب کی سچائی پر مطمئن ہوں اور کٹ ملاؤں کے اس فتویٰ کفر سے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو حیز جدا گانہ میں ماننے سے نص قرآنی کا انکار کیا کچھ ڈر نہ انہیں چاہیے۔ اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سر تاج امام حجتہ الاسلام غزالی رہیں اور سب کے بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں اُن کی نسبت بھی ان کٹ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب بہت سے گھر کے فتوے دیئے ہیں۔ اُن فتوؤں سے اُن کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ مگر ان کٹ ملاؤں کی مہنڈیا میں جو تھا وہی اُن کے چھوٹے میں نکل آیا +

اس علم یعنی علم اسرار دین میں حیات العلوم امام حجتہ الاسلام غزالی جو کی اور حجتہ الباقیہ شاہ ولی اللہ صاحب کی نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر زمانہ حال کے مطابق اُن کو بھی کامل نہ سمجھنا چاہیے اس لیے کہ اس زمانہ میں بہت سی چیزیں اب معلوم یا مروج ہوئی ہیں جو اُس زمانہ میں نہ تھیں اور یہ کہ طرز تحریر و طریق تقریر اور مناسط استدلال اور طریقہ امراء اس زمانہ میں نئے طور پر شروع ہوا ہے جو اُن زمانوں میں نہ تھا۔ اور یہ کہ حال کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کو بہ نسبت اُس زمانہ کے بہت زیادہ وسعت ہو گئی ہے۔ اور یہ کہ اُن کتابوں میں بہت باتیں بر بنیاد امورات مسلمہ مذہبی بیان کی گئی ہیں جو صرف معتقدین اسلام کے لیے بلاشبہ مفید ہیں۔ مگر بلحاظ شان و قدر و منزلت

اُس علم کے اُس کے بیان کا ایسا عام ہونا چاہیے جو معتدین اور غیر معتدین سب کے لیے مفید اور برابر موثر ہو۔ پس وہ مطالب اس لائق ہیں کہ اُن کو حال کے پیرایہ تقریر کے موافق از سر نو بیان کیا جاوے۔ مگر یہ کام اُسی سے ہو سکتا ہے جس پر خدا کی مہربانی ہوئی ہو۔ اور اُس کے دل کو نہر ایمان سے منور کیا ہو اور کچھ حصہ علم لدنی سے عطا فرمایا ہو وان من عظم نعم الله على ان اتانى منه حظا وجعل لى منه نصيبا وما انفك اعترف بتقصيرى و ابرء وما ابرء نفسى ان النفس لا مارة بالسوء +

عبادت

تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ اگر صرف اس کا خیال نہی کیا جاتا تو چند اُس شکل نہ تھی۔ دقت یہ ہے کہ قانون قدرت کے مطابق جو نیکیاں اور عبادتیں ہیں اُن کو نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں سمجھتے +

اس مطلب کے ثابت کرنے کو ہمارے لیے ارشاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی اہدافی ہے اور اُس کے بعد کسی دوسرے کے قول و فعل کی سند کی حاجت نہیں +

عن انس قال جاء ثلثة رهط الى ازواج النبي صلعم يسألون عن عبادة النبي فلما اخبروا بها كانهم تقالوها فقالوا اين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم وقد غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر فقال احدهم اما انا فاصلي الليل ابداء قل لاخر انا اصوم النهار ابداء وانا فطر وقال لاخر انا اعتزل النساء فلا تزوج ابداء فجاء النبي صلعم اليهم فقال لستم الذين قلتم كذا وكذا والله اني لا خشاكم الله واتقاكم له لكنني اصوم وافطر واصلي وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني متفق عليه بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عرب کی تین قوموں کے کچھ لوگ پیغمبر خدا صلعم کی ازواجِ مطہرات کے پاس حضرت صلعم کی عبادت کا حال دریافت کرنے کو آئے۔ جب اُن کو بتایا گیا تو انھوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہنے لگے کہ کجا ہم اور کجا پیغمبر صاحب۔ اُن کو بہت سی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کو تو اللہ تعالیٰ نے اگلے کچھ لگے گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات

نماز پڑھا کر نیگے۔ اور دوسروں نے کہا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کر نیگے اور کبھی روزہ نہ چھوڑے گا۔
 اوروں نے کہا کہ ہم عورتوں کے پاس نہ جاویں گے اور کبھی نہ روزہ کر نیگے۔ اتنے میں جناب
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں جو خدا کی قسم میں تم سے
 زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اُس کے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں
 تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور
 عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پھر جو کوئی میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے ساتھیوں
 میں سے نہیں ہے۔

یہ حدیث ہم مسلمانوں کے لیے بہت بڑی سند اس بات کی ہے کہ اصلی اور سچی عبادت
 وہی ہے جو قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہے۔ تمام قومے جو خدا تعالیٰ نے انسان
 میں پیدا کیے ہیں وہ اس لیے پیدا نہیں کیے کہ وہ بیکار کر دیئے جاویں بلکہ اس لیے پیدا
 ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جائیں۔ شریعت جو مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے
 کوئی نئی بات نہیں پیدا کی بلکہ صرف اُن قوی کے کام میں لانے کے طریقہ کو بتایا ہے جس
 جملہ قوی اعتدال پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرا بیکار اور پروردہ
 نہ ہو جاوے۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس نکتہ کو سمجھتے ہیں بلکہ اُس طریقہ کو جسکو ہمارے
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت قرار دیا ہے اور جسکو ہندی زبان میں جوگی یا جوگ کہتے ہیں کمال
 عبادت اور منتہائے زہد و تقویٰ قرار دیتے ہیں۔

فرائض جو مذہب اسلام میں ہیں اُن کا ادا کرنا بلاشبہ باعث نجات ابدی ہے عن ابی ہریرۃ
 قال اتی اعرابی الشیبی صلعم فقال دلنی علی عمل اذا علمتہ دخلت الجنة قال
 تعبد الله ولا تشرك به شیئا وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ وتؤدی الزکوٰۃ المفروضۃ
 وتصوم رمضان قال والذي نفسي بیدہ لا ازید علی هذا شیئا ولا انقص منه
 فلما ولی قال الشیبی صلعم من سرہ ان ینظر الی رجل من اهل الجنة الی هذا
 متفق علیہ۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دہقان عرب پیغمبر خدا صلی
 اللہ علیہ وسلم آیا۔ اور کہا کہ مجھ کو ایسی بات بتائیے کہ اگر میں اُسکو کیا کروں تو بہشت میں جاؤں۔ آپ نے
 فرمایا کہ خدا ہی کی عبادت کیا کرو اور کسی دوسرے کو اُسکی عبادت میں مت ملاؤ اور فرض نمازیں

پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر اور رمضان کے روزے رکھا کر۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ تو میں اس میں کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو اُن حضرت مسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے ۛ

غرض کہ ادا کئے فرائض بلاشبہ اصلی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص تکلف پر فرض ہے مگر ہم اس مقام پر فرائض کے سوا جو اور عبادتیں ہیں اُن سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور ان میں بھی اس بات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ عبادتیں عبادتیں نہیں ہیں بلکہ اس بات سے بحث منظور ہے کہ عبادت کو انہی میں منحصر سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ کہ بعضی دفعہ بسبب تبدل حالت کے ادنیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہو جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت اس درجہ کی نہیں ہوتی۔ اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہی ایک حکمت بالذات ہے جس سے تمام قوانین قدرت قائم رہتے ہیں۔ اٹا افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کو اس حکمت بالغہ پر خیال نہیں ہے ۛ

ہمارے زمانہ کے مسلمان بھائیوں نے سوائے فرائض کے باقی عبادتوں کو صرف نماز روزہ و تلاوت قرآن مجید اور خیالی ترک دنیا اور درسِ یس علوم دینیہ اور اورادِ ماثورہ یا وظائفِ مقررہ پیران ہی میں منحصر کر رکھا ہے حالانکہ انہی پر اُن کا انحصار محض غلط ہے۔ بلکہ اُن میں سے بعض ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جو قانونِ قدرت کے برخلاف ہیں اور اس لئے مقصود و شارع نہیں ہیں۔ اور بہت سی ایسی متردک میں جو بسبب تغیر و تبدل حالت کے ان سے بھی مقدم اور اعلیٰ ہیں۔ اب ہم اپنے اس مطلب کو چند مثالوں کے بیان کرنے سے زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں ۛ

ہلم۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ علمی عبادت صرف علوم دینیہ ہی کے پڑھنے پر منحصر ہے۔ اور اُس کے سوا کسی علم کا پڑھنا یا پڑھانا یا اُس پر دوسرے خرچ کرنا داخل عبادت نہیں اور ایسی ایسے ثواب بھی نہیں اُن میں بیشل مشہور چلی آتی ہے کہ ر علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث ۛ ہر کہ خواند غیر ازین گرد و خبیث مگر یہ خیال اُن کا محض غلط ہے اور اسی سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا منزل ہے اور جس کے ساتھ خود علم دین بھی مہدوم ہوتا جاتا ہے ۛ

جاننا چاہیے کہ علم کے معنی دانستن کے ہیں۔ علوم دینیہ کا صرف جاننا کچھ عبادت ہے

اور نہ کچھ ثواب۔ البتہ وہ اُس وقت عبادت یا ثواب ہو سکتا ہے جبکہ اُسکو امور دینی کے کام میں لائے کی نیت سے پڑھا جاوے پس مدار عبادت اور ثواب تحصیل علوم دینیہ کا نیت پر منحصر نہ نفس علم پر۔ یہی حال تمام باقی علوم کا ہے۔ تمام علوم جن کو علوم دنیوی کہتے ہیں واسطے ترقی اور استحکام اور تعلی علوم دینی کے ضروری ہیں گو ان کا پڑھنا فی نفسہ عبادت نہ ہو۔ جیسا کہ علوم دینیہ کا پڑھنا بھی فی نفسہ عبادت نہ تھا۔ مگر جب کہ وہ اس نیت سے پڑھے جاویں یا پڑھائے جاویں کہ علوم دینیہ کے لئے مثل آلہ کے ہیں تو ان کا پڑھنا یا پڑھانا ویسا ہی عبادت ہے جیسا کہ علوم دینیہ کا تھا۔ پس ایک کو عبادت سمجھنا اور دوسرے کو نہ سمجھنا کیسی غلطی ہے +

علاوہ اس کے وہ علوم بھی جن کو ہم علوم دنیوی کہتے ہیں اگر ان کی تعلیم نیک طرح پر ہو تو باعث ترقی ایمان اور سبب محبت اور ترقی معرفت ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے ہوتے ہیں۔ امام غزالی صاحب حیار العلوم میں جہاں خدا تعالیٰ کی محبت کے اسباب کو بیان فرماتے ہیں سمجھتے ہیں کہ قوت معرفت سبب قوت محبت ہے اور بات خدا تعالیٰ کی صفات اور ملکوت سموات وارض پر دھیان لگانے سے ہوتی ہے اس لئے کہ کوئی ذرۃ آسمان زمین سے ایسا نہیں ہے جو اس کی حکمتوں اور عجیب نشانیوں سے خالی ہو۔ جس ذرۃ پر نظر کیا وہ اسکی قدرت کاملہ پر شہادت دیتا ہے اور جس برگ درخت پر نظر کیا وہ اسکی حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ کوئی دانہ زمین سے نہیں اگتا کہ اپنے اگانے والے کی توحید پر نہ زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اسکی قدرت کاملہ پر نہ ہر طرح سے شہادت نہ دیتا ہو۔ جس درخت پر نظر کیا جاوے ہر ورق اس کا اندازہ شانہ کی وحدانیت کا مظہر ہے۔ اور جس ورق پر غور سے خیال کیا جاوے اس کی معرفت کا مظہر ہے اور ان سب باتوں کا علم باعث ایمان کامل اُس قدر مطلق ہے جس کی عبادت کرنا عین مسلمانوں کا ایمان ہے۔ پس تمام علوم دینی اس اعتبار سے علوم دینیہ سے کم نہیں ہیں +

جس وقت کہ ہم علم یا ضعی ٹرپہ کہ خدا تعالیٰ کی اس قدرت کاملہ سے واقف ہوتے ہیں جو خلق آسمان و زمین و کوکب سیارہ و ثوابت میں کام آئی ہے اور کتنے بڑے بڑے کرات کو کیسی ہر جہت سے معلق پھرتے دیکھتے ہیں اور اس کی عجیب حکمت کو دریافت کرتے ہیں تو کس طرح ہمکو وجود مصلحت اور اسکی قدرت کاملہ پر یقین ہوتا ہے +

جس وقت کہ ہم علم ارض عیسیٰ جیالوجی پڑھتے ہیں اور ان عجائبات سے واقف ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے صرف اس کرہ خاک میں بنائے ہیں جو دن رات ہمارے پاؤں کے تلے روند جاتا ہے تو ہلکو کیسا استحکم اُس خدایٰ پر یقین ہوتا ہے ؟

علم نباتات اور علم حیوانات سے جب ہم کو واقفیت ہوتی ہے تو پھولوں کی پنکھڑیوں کی رنگ آمیزی اور پتوں کی پچکاری ہی ہلکو اُس حکیم مطلق کی حکمت کاملہ پر یقین کامل دلاتی ہے ۔

اسی طرح تمام علوم کیا علم آب اور کیا علم ہوا اور کیا علم برقیات اور کیا علم برق و مقناطیس کے سب ہماری معرفت کو قوت اور ہمارے ایمان کو خدائے واحد پر پختہ اور مستحکم کرتے ہیں ۔ اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں ۔ پس اگر اس اعتبار سے ہم ان علوم کو بھی علوم دینیہ کے شامل سمجھیں تو کچھ بعید نہیں ؟

بعض علمائے علم معقول اور علم کلام دونوں کا پڑھنا ناجائز سمجھتا تھا اور بعضوں نے اُسکے برخلاف اُن کو ضروری ٹھہرایا تھا ۔ ہم اُسکے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث سے مد گذر کر کہتے ہیں کہ وہ علم معقول جس پر علمائے انکار کیا صرف یونانی حکیموں کے عقلی تمکے تھے وہ اپنی عقل ناقصہ سے خدا کی ذات و صفات سے بحث کرتے تھے جس کا الہیات اُنھوں نے نام رکھا تھا وہ علوم اُن کے ساتھ گئے ۔ اب جو نئے علوم پیدا ہوئے اور جو انگریزوں کی ہدایت ہندوستان میں آئے وہ علوم صرف عقلی نہیں ہیں ۔ نہ الہیات سے علاوہ رکھتے ہیں ۔ وہ تو اشیاء موجودہ کے حقائق کے علوم ہیں جن سے ہر ایک شے جس کو ہم دیکھتے ہیں اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے ۔ پس ان علوم کو اُس قدیم یونانی معقولات پر قیاس کرنا کتنی بڑی غلطی کی بات ہے ۔ وہ علم تو ہماری عقلوں کو گمراہ کرنے والے تھے اور یہ علم حقیقت اشیاء کے بتانے والے اور خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین دلانے والے ہیں ؟

بعضے کٹ تلایہ کہتے ہیں کہ ان علوم میں بھی جو حقیقت بعض اشیاء کی ثابت کی گئی ہے وہ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور اس لیے ان علوم سے بھی عقاید اور مسائل اسلام نفی جان آنے کا احتمال ہے مگر ایسی بات پر بجز افسوس اور نفرت کے کیا کہا جاسکتا ہے ۔ ایسے شخص کا مطلب یہ ہے کہ نو ذاب مذہب اسلام حقیقت کے برخلاف ہے ۔ ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا چاہیے کہ یا تو وہ مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا یا اُس کو مذہب اسلام کے سچے پہنچنے پر

کامل یقین نہیں ہے۔

اب ہم اس خیال کو عبادت صرف علوم دینیہ ہی کا پڑھنا اور پڑھانا ہے دوسری طرح پر
 بل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان میں وہ تمام قوتیں پیدا کیں ہیں جن سے وہ علم دین
 اور وہ علوم جن کو دنیاوی علوم کہتے ہیں دونوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ پس ان دونوں
 قوتوں کو ہمیں کام میں لانا چاہیے تاکہ ہم نے خالق کی مرضی کے مطابق کام کیا ہونہ یہ کہ ایک کو
 شگفتہ و شاداب اور دوسرے کو مظلوم بیکار کر دیں کیونکہ یہ امر قانون قدرت کے برخلاف ہے
 اور اس لئے نیکی نہیں ہو سکتا۔ اور جب نیکی نہیں ہو سکتا تو عبادت بھی نہیں ہو سکتا۔
 بالآخر بات ضرور ہے کہ ہم ان دونوں قوتوں کو صدا اعتدال پر رہنے دیں اور ایک کو دوسرے
 سے مغلوب نہ کر دیں۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو ہمارا مذہب ایسا عمدہ دیا ہے جو ہماری معاد اور معاش دونوں کو
 قانون قدرت کے مطابق اصلاح کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے۔ جس طرح کہ ہم اس بات
 کو خیال کر سکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دنیوی کی تحصیل کیا کریں تو دین کا کیا حال ہوگا
 اسی طرح اگر تمام لوگ صرف علوم دینی ہی پڑھا کریں تو ہماری دنیا کا جس کی اصلاح شریعت سے
 خارج نہیں ہے کیا حال ہوگا بلکہ علوم دنیاوی کے معدوم ہونے سے دین اور علوم دینی دونوں
 کے معدوم ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دونوں قسم کے علوم کی ترویج
 پر سعی و کوشش کریں اور ایک کو دوسرے کا آئینہ جھکر دونوں کو پڑھنا اور پڑھانا داخل
 عبادت بنائیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکل حلال کا پیدا کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اسکے لئے اسباب
 و سامان اور ذریعے اور وسیلے ہم پہنچانے بلاشبہ ثواب اور داخل عبادت ہونگے۔ دنیوی علوم
 بلاشبہ حلال کے لئے نہایت عمدہ ذریعے اور وسیلے ہیں۔ پس مسلمانوں کے لئے ان ذریعوں کا
 ہتھیکرنا بلاشک و شبہ بہت بڑی نیکی اور عمدہ ثواب تصور کیا جاوے گا اور اس لئے عصبیک
 عبادت ہوگا۔

زہد و ریاضت۔ ایک بڑی غلطی جس میں مسلمان پڑے ہیں وہ یہ ہے کہ انھوں نے
 زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے
 پر منحصر سمجھا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا ایسا کرنا اور صدا اعتدال سے گزرنے کا جو قانون قدرت

برخلاف ہے مقصود شلوع ہے یا نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت صحیح ٹکڑس کے سوا اور
 ایک باتوں کو عبادت نہ سمجھا جو ان سے بھی بہت زیادہ مفید ہیں بہت بڑی غلطی ہے +
 نہ دنیایت جہاں تک کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کرے بلاشبہ نیکی عبادت ہے۔ مگر عافلاح
 پر کوشش کرنا اور ایسے امور پر کوشش کرنا جو اپنے ہم مذہبوں کے دینی اور دنیوی حال اور
 مال کی بھلائی و بہتری کے ہوں اس سے بہت زیادہ تر مفید ہیں۔ نہ دنیایت ایک بخیل نیکی
 ہے جو صرف اپنی ذات کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک کوٹھری
 میں بیٹھ کر کھانا کھاوے اور صرف اپنا پیٹ بھر لے۔ عام فلاح چاہنے والا جو اس کام میں نہ
 ریاضت کرتا ہے اس کی مثال عاتق کی سخاوت کی سی ہے جو ہزاروں آدمیوں کو کھانا کھاتا ہے
 پس کسی بڑی غلطی ہے جو تن پروری کو تو عبادت سمجھا جاوے اور اصلی فیاضی اور سخاوت اور
 ہمدردی کو عبادت نہ سمجھا جاوے +

علاوہ اس کے درجہ ثواب عبادت تبدیل حالات سے بالکل بدل جاتا ہے۔ فرض کرو اگر
 کسی مقام میں پانی کا قحط ہو تو اس جگہ بیٹھ کر نفل پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے یا ذکر و شغل
 کی ضرب لگانا زیادہ ثواب کی بات ہے یا کندھے پر پانی لانا اور لوگوں کو پلانا یا نہ ثواب ہے
 پس جو حالت کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی ہے اگر ان کی بہتری پر سی کی جاوے تو نفل رات
 کے جاگنے کی ریاضت سے بلاشبہ اید ثواب ہے۔ انصاف سے دیکھو کہ اگر میری صاحب مریدوں کے
 حلوائانڈے لینے کے بدلے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کچھ جمع کریں اور جناب مولوی صاحب
 و قبلہ جو منبر پر بیٹھ کر دنیا کے بیچ اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں۔ مگر عین غیہ
 گول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹ بات لبا کر کہ اور ایک عجیب شتر غمزہ سے اٹھا کر عجیب
 مبارک میں رکھ دیتے ہیں اگر کسی بلیہ کو دنیا پاک دنیا یعنی زند کو مسلمانوں کی تعلیم میں دنیوی نہ سہی
 دینی ہی تعلیم میں صرف کریں تو کیسا کچھ ثواب کمائیں۔ پس جھوٹ سڑ کی عبادت اور دکھاوے
 کی ریاضت جس سے انسان کا دل موصوف نرم ہونے کے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے ہری
 سمجھیں تو کچھ کلام کی نہیں ہے +

ترک دنیا۔ ایک اور جھوٹا اور غلط خیال یہ ہے کہ ترک دنیا عبادت ہے۔ یہ ایک ایسا
 غلط اور جھوٹا قول ہے کہ اس سے زیادہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا ترک کرنا جس طرح کہ لوگ سمجھتے
 ہیں غیر ممکن ہے۔ البتہ جس طرح شارع نے فرمایا ہے اور ترک دنیا سے جو اس نے مراد لی ہے وہ

بالکل صحیح اور نہایت درست اور بالکل قانونی رت کے مطابق ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کے خیال کے مطابق شارع والی ترک دنیا عین شقاوت اور کمال مینداری ہے۔ نوز بائقہ منہا۔ دنیا ہمارے لیے پیدا ہوئی ہے اور ہم دنیا کے لیے۔ پھر ہم اسکو اُس طرح پر جس طرح کہ چاہیں دنیا ترک کرنے والے ترک کرنے کو کہتے ہیں کیونکہ ترک کر سکتے ہیں۔ ہاں جس طرح کہ شارع نے دنیا کا ترک کرنا بتایا ہے اُس طرح پر ترک کرنا سچا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دنیا کو اس طرح پر پڑیں جس طرح کہ شارع نے بتایا ہے۔ نہ اپنے جذبات نفسانی کی مرضی پر۔ اور اسکو اس طرح پر کام میں لادیں جس طرح قانون قدرت نے ہکو سکھایا ہے نہ اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق +

لندن میں ایک یورپی مذہب میرا دوست تھا۔ اسکو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اور اُن کی وعظ و نصیحت کو جو انجیلوں میں مندرج ہیں ملنا ہوں۔ نہایت تعجب تھا۔ لندن میں مستند ہے کہ اتوار کے دن تمام دوکانیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور اگر ایک دن پہلے نہ خرید لیں تو کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ملتی۔ ایک نو وہ دوست اتوار کے دن کھانے کے وقت مجھ سے ملنے آیا اور میرا تمام کھانے کی چیز چنی ہوئی دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگا کہ آج یہ حسبِ پسند آپ کو کیونکر میسر ہوئی ہیں۔ میں نے کہا کہ ہفتہ کے دن سب کچھ لے رکھا تھا۔ وہ ہنس کر بولا کہ خوب ہوا جو آپ نے حضرت مسیح کے اس قول پر کہ اس بات کی فکر مت کرو کہ کل کیا کھاؤ گے "عمل نہیں کیا۔ ورنہ آج بھوکے رہ جاتے۔ میں نے ہنس کر یہ کہا کہ میں طلبِ کمال نہیں۔ پس جو مسلمان کہ خلاف قانون قدرت ترک دنیا کا وعظ فرماتے ہیں وہ اسی طرح سے اپنے مذہب کی مصلحت مانتے ہیں اور غور کر کے دیکھو تو وہ خود جو کچھ کرتے ہیں دنیا ہی کمانے کو کرتے ہیں پس یہ بات سمجھنا کہ امورِ دنیا میں مصروف ہونا عبادت نہیں ہے عین غلطی ہے۔ ہاں اسکو قانون قدرت کے برخلاف استعمال میں لانا شقاوت اور اس کے مطابق برتاؤ میں لانا عین عبادت ہے +

کُتبِ احادیث

کسی مسلمان طریقہ عادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ احوال انسان کو برقی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں جو کہ اب تمام حدیثیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے ہکو دیکھنا چاہیے کہ علماء متقدمین و متاخرین نے کتب حدیث کی لحاظ اعتبار و عدم اعتبار کے کس طرح تقسیم کی ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب کہ علماء متاخرین میں جامع سلف اور معتدائے خلف تھے۔ انہوں نے نہایت عمدہ طرح پر کتب حدیث کی تفصیل بیان کی ہے۔ اُسی کو ہم بھی اس مقام پر بیان کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ کتب احادیث باعتبار صحت و شہرت اور قبول کے کئی درجہ پر ہیں۔ صحت کے معنی انہوں نے یہ لکھے ہیں کہ مصنف نے احادیث صحاح میں لکھی ہوں اور اس کے سوا جو حدیث لکھی ہو اس کا نقص بھی اُسی کے ساتھ لکھ دیا ہو۔

شہرت کے اُنہوں نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہر زمانہ میں اہل حدیث اُسکو پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور اُس کی ہر ایک چیز بیان میں آگئی ہو۔

قبول سے وہ مراد لیتے ہیں کہ علمائے حدیث نے اُس کتاب کو مستبر و مستند سمجھا ہو اور کسی اُس سے انکار نہ کیا ہو۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں باتوں میں سب سے اول درجہ کی تین کتابیں ہیں۔ مؤطا امام شیعہ بخاری صحیح مسلم۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ انہی میں بعض حدیثیں بعض سے زیادہ تمسح ہیں۔

ان کتابوں کے بعد دوسرے درجہ میں اُنہوں نے۔ جامع ترمذی۔ سنن ابو داؤد۔ سنن نسائی کو قرار دیا ہے۔

وہ انہی چھ کتابوں کو صحیح کہتے ہیں لیکن اکثروں نے مؤطا کو صحیح میں سے خارج رکھا ہے اور ابن ماجہ کو داخل کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ بھی قول ہے کہ مسند امام احمد بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہونے کے لائق ہے مگر اُس میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں۔

تیسرے درجہ میں اُنہوں نے ان کتابوں کو شمار کیا ہے۔ مسند شافعی۔ سنن ابن ماجہ۔ ترمذی۔ مسند ابو یعلیٰ موصلی۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید۔ مسند ابو داؤد طحاوی۔ مسند دارقطنی۔ صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم۔ کتب بیہقی۔ کتب طحاوی۔ تصانیف طبرانی۔

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان کتابوں کے مصنف عالم متبحر تھے لیکن ان میں ابھی بُری بیانات تک موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں۔

چوتھے درجہ میں انھوں نے ان کتابوں کو گنا ہے۔ کتاب المغنا لابن حبان تصانیف لکھی۔
 کتاب المغنا للعقلی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف ابن مردویہ۔ تصانیف خطیب۔
 تصانیف ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر۔ فردوس دلی۔ تباہ تصانیف فردوس دلی۔ تصانیف
 ابی نعیم۔ تصانیف جوزفانی۔ تصانیف ابن عساکر۔ تصانیف ابوالشیخ۔ تصانیف ابن نجار۔
 وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں محض ناسمہ ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات میں
 یا کسی مل کے جواز میں ان کتابوں سے سند لی جاوے۔ عمدات جوشاہ صاحب نے لکھی
 ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسائل و نوادر کا مادہ یہی کتابیں ہیں اور
 اس قدر میں اور بکتا ہوں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تمام تصنیفات انہی ناسمہ
 کتابوں پر مبنی ہیں *

اسی بیان کے ساتھ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ وضعی مبنی بنائی
 ہوئی حدیثوں کے پہچانے کی یہ صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ تاریخی واقعہ کے برخلاف ہو۔ دوسرے
 یہ کہ صرف کسی دشمن نے روایت کی ہو۔ تیسرے یہ کہ ایسی بات کہی ہو کہ جس کا جاننا اور
 ادا کرنا سب پر فرض ہو مگر صرف وہی ایک شخص روایت کرتا ہو۔ چوتھے یہ کہ قرینہ حالیہ اس کے
 جھوٹے ہونے پر دلالت کرے۔ پانچویں یہ کہ عقل اور قواعد شرع کے برخلاف ہو۔ چھٹے
 یہ کہ ایک قصہ مذکور ہو کہ اگر حقیقت وہ ہوا ہوتا تو ہزاروں آدمی اُسکو دیکھتے۔ مگر اُس کو صرف
 وہی شخص بیان کرتا ہے۔ ساتویں یہ کہ الفاظ خلاف محاورہ اور مضنون ناسعقول ہو۔ آٹھویں
 یہ کہ چھوٹے سے گناہ میں نہایت سخت عذاب یا چھوٹے سے نیک کام میں بہت زیادہ
 ثواب کا ہونا بیان ہوا ہو۔ نویں یہ کہ چھوٹے چھوٹے کاموں پر حج عمرہ کے ثواب ملنے کا بیان
 ہو۔ دسویں یہ کہ کسی کو مثل انبیاء کے مستحق ثواب کا کسی کام میں بیان کیا ہو۔ گیارہویں یہ کہ
 حدیث بیان کرنا لے نے اُس کے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہو *

بعد اسی کے شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مختلف سببوں سے
 جھوٹی حدیثیں بنالی ہیں۔ بعضوں نے اس خیال سے کہ لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے و تلاوت
 کرنے کا شوق پیدا ہو ہر ایک سورۃ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں۔ بے دینوں نے اسلام
 کی ہنسی اڑانے کو مضامین و نواز قیاس کی حدیثیں مشہور کر دیں۔ مشہور ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں
 میں صحیح اہل زندہ کی بنائی ہوئی مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک فرقہ کے متعصب نے اپنی تائید یا

دوسرے کی تذلیل کے لئے حدیثیں بنالی ہیں۔ وہ غلط کہنے والوں نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے گڑھ بن لی ہیں۔ اور بعضی فحشہ اولیاء امتد بھی اس خرابی میں پڑ گئے ہیں کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہی۔ پس مثل حدیث سمیع کے بیان کر دی بعض لوگوں نے بزرگوں در عالموں سے کوئی بات سُنی اور اُسکو یہ سمجھ گئے کہ یہ حدیث ہے اور مثل حدیث کے مشہور ہو گئی۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے اقوال بطور حدیث مشہور ہیں پس صرف حدیث کا نام سن کر گھبرانا اور توہمات مذہبی میں پڑ جانا نہیں چاہیے۔ بلکہ اول اُس حدیث کی تحقیقات اور تفتیش کرنی چاہیے کہ وہ کیسی حدیث ہے اور کس قدر اعتبار رکھتی ہے۔ پھر حسب سبب طرح امتحان میں لپی نکلے اور معلوم ہو کہ درحقیقت یہ پوری اور کچھ صحیح حدیث ہے۔ اُسکو مراد انھوں پر رکھے۔ ورنہ دُود کی مکھی کی طرح اُسکو نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول ہے کہ حدیث بے سند گوزشتراست "اگر ہم مسلمان ہی خواہ بے سند باتوں کو اپنے مذہب میں شامل کریں اور پوچھ اور وہابیات قصتوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے مذہبی قصہ اور الہامی واقعات سمجھنے لگیں تو ہمارا مذہب ہنسی ٹھٹھا ہو جاوے گا۔ اور لون کے گھر سے بھی زیادہ ناپائدار اور بکڑی کے جال سے بھی زیادہ بودا بن جاویگا۔ علماء متقدمین نے نہایت سختی سے بطور ایک دشمن کے حدیثوں کا تھکا کر نے میں کوشش کی ہے۔ پس یہ بات کہ حدیث بے سند یا ضعیف یا مشتبہ کو حدیث نہ سمجھا جاوے اور مذہبی باتوں میں اُسے داخل نہ کیا جاوے بے دینی کی بات نہیں ہے بلکہ نہایت ایمان داری اور اسلام کی ثری دوستی کا کام ہے۔ +

احادیث غیر معتمد

اسلام کا ادب و اُرس کی دوستی اور کمال یا نذر ہی اس بات میں ہے کہ حدیثوں کی تنقیح کیا جائے اور جس میں زبردستی شک ہو اُسے دُود کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دے۔ حدیث کی تنقیح نہ کرنا اور ہر حدیث کو سمجھنا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہایت بے ادبی اور اسلام کی دشمنی ہے۔ پس سچی دوستی اور حقیقی ادب یہی ہے کہ غیر کے کلام کو اپنے نبی پاک کے کلام سے علیحدہ کر دے۔ حضرت علامہ محمد بن عبداللہ بن فیروز آبادی نے جو اکابر علماء حدیث سے ہیں سفر السعاده کے خلائق میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ ان باتوں کی نسبت بہت سی حدیثیں باطل ہیں۔ اولیٰ میں اُن سے کچھ بھی صحیح اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہیں چنانچہ اُسی صحت

ہم بھی لکھتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسی سی مشہور حدیثوں کو علمائے معتبر قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے۔ پس جو حدیثیں کہ معتبر نہیں ہیں اُن کو نہ ماننا عین دینداری ہے۔ چنانچہ مفصل ذیل باتیں اُس کتاب میں مندرج ہیں:

(۱) ایمان کے بیان میں جو حدیثیں ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹنا اور بڑھتا ہے۔ یا نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اُن میں سے کوئی حدیث بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں:

(۲) مرجیہ اور قدریہ اور جمہیریہ کی نسبت جس قدر حدیثیں ہیں کئی بھی اُن میں سے صحیح نہیں ہے:

(۳) اس باب میں کہ کلام اللہ قدیم غیر مخلوق ہے بہت حدیثیں ہیں مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں ہے صحابہ و تابعین کے اقوال ہیں:

(۴) ملائکہ پیدا ایش میں اور حضرت جبریل کے پروں کے قطروں سے فرشتوں کے پیدا ہونے میں کئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۵) محمد اور احمد نام رکھنے کی خوبی اور بزرگی میں یا اُس کی مانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۶) عقل کی اصلیت اور اُسکی فضیلت کے بیان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۷) خضر و الیاس کی عمر اور اُس کی درازی کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۸) علم کے باب میں اور اس میں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۹) علم کے چھپانے کی بُرائی میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۱۰) قرآن اور سورتوں کی خاص خاص فضیلتوں میں جس قدر حدیثیں ہیں سوائے چند کے ان میں سے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۱۱) حضرت ابوبکر کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور مغتربات سے ہیں:

(۱۲) حضرت علی کے فضائل میں مجزبات کی حدیث کے اور کوئی ثابت نہیں:

(۱۳) معاویہ کے فضائل میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۱۴) امام ابوحنیفہ اور شافعی کی بزرگی یا بُرائی میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور

مغتری ہیں:

(۱۵) بیت المقدس اور صخرہ اور عسقلان اور قزوين اور اندلس اور دمشق کی فضیلت میں کوئی

صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۱۶) فلتین پانی جب ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ بعضے اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں بعضے

غیر صحیح۔ مگر اکابر اہل حدیث نے اپنی تصنیفات میں اس حدیث کو بیان کیا ہے (بہرگز نزدیک پانی کے باب میں صحیح حدیث صرف ایک ہے۔ الماء طاهر وطھوہ الخ)۔

(۱۷) دُھوپ سے گرم ہوئے پانی کے مکروہ ہونے کی نسبت بھی کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۱۸) وضو کے بعد مات پانوں کا پانی پونچھ لینے کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۱۹) ڈاڑھی کے خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۲۰) نبیذ سے وضو کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۱) عورت کو چھونے سے وضو کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۲) مردہ کو غسل دینے کے بعد غُسل کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۳) حمام میں جانے سے منع ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۴) اس باب میں کہ بسم اللہ ہر سجدہ کی آیت ہے اور نماز میں اسکو پکار کر پڑھنا چاہیے کوئی

حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۲۵) اس باب میں کہ امام ضامن ہے اور مؤذن مومن ہے اور سجد کے ہمایوں پہنے

والے کی نماز بغیر سجد کے نہیں ہوتی اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۲۶) جس شخص پر قضا نمازیں ہوں اُس کی نماز نہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۷) سفر میں پوری نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے گناہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۲۸) فجر کی نماز اور وتر میں تہنوت پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۹) مسجد میں جنازہ کی غار نہ پڑھنے میں اور گستاخ جنازہ میں رفع یدین کرنے میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۰) اس باب میں کہ نماز کوئی چیز قطع نہیں کرتی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۱) اور اس باب میں کہ طلب کر دو تم خیر کو رحم دلوں اور خندہ رو گوں سے کوئی صحیح

حدیث نہیں ہے۔

(۲۲) اور اس باب میں کہ مالداروں کا غریا کی حاجت برآری سے پہلو تہی کرنا موجب

زوالِ نعمت ہے اور احسان کرنے میں ثواب ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۲۳) صلوٰۃ التبیح اور صلوٰۃ رغایب اور صلوٰۃ نصف شعبان و نصف رجب صلوٰۃ

ایمان اور صلوٰۃ لیلۃ المعراج و لیلۃ القدر اور صلوٰۃ ہر شب جب شعبان و رمضان کے باب میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۴) گننے کی اور شہد کی اور ترکاری کی زکوٰۃ کے باب میں کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۲۵) روزِ عاشورہ کے فضائل اور اعمال کے باب میں سوائے روزہ کے مستحب ہونے

کے اور رجب کے روزہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اسی طرح جو حدیثیں

صفت اور خضاب اور سر میں تیل ڈالنے اور سر مر لگانے کی اور دانہ اُبالنے کی فضیلت میں

آئی ہیں سب موقوف ہیں۔

(۲۶) بچنے لگانے سے روزہ جاتے رہنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۲۷) اس باب میں کہ جو تہود رکھ کر حج نہ کرے وہ یہودی ہو کر مرگیا یا عیسائی کوئی حدیث

صحیح نہیں ہے۔

(۲۸) جس قرض میں نفع ہو وہ سود ہے اس باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

ہے۔

(۲۹) چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا منع ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۳۰) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فارسی میں کلام کرنے میں یا فارسی زبان بولنے کے مکروہ ہونے میں

کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۳۱) دُعا مانگ کر دونوں ہاتھوں کو مونہ پر ملنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۳۲) سفیرِ مرغ اور مندی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۴۳) اس باب میں کہ ولدا لآلہ تاجنت میں نہ جاوے گا کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۴۴) اس باب میں کہ اجل حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۴۵) اس باب میں کہ قیاس حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۴۶) اس باب میں کہ قیامت کی نشانیاں فلاں فلاں مہینوں میں ظاہر ہوں گی اور دو تہ برس بعد سے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

یہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفر السعادت میں اور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں۔ اس قلیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ جب تک حدیث کی صحت بخوبی پرانہ لیاوے اُس وقت تک اُس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہیے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں خلل آتا ہے اور صرف اس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسہ کرنا محض بیجا ہے گوکہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو +

اعترافِ ادبی باللہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

میں نہایت سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانے والا کوئی ہے اور اُسی کو ہم کہتے ہیں اللہ۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اُس کا ہونا فردی ہے اور اُس کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام صفات کمال انکی ذات میں موجود ہیں۔ اُس کا سا کوئی نہیں نہ ہونے میں۔ کیونکہ ہونا اسکی ذات ہے۔ اور نہ کسی صفت میں کیونکہ اسکی تمام صفتیں ہی اسکی ذات ہے۔ وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ سنتا ہے نہ کسی سننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے اور تمام صیوبوں سے بے عیب۔ یہ نیک ہے کہ بے عیب ذات خدا کی ہے۔ بالکل اُسپر ٹھیک ہے۔ تمام مخلوقات کا وہی خالق ہے اور تمام مخلوقات کا وہی عالم ہے۔ سب ممکن چیزوں پر قادر ہے۔ الٰہی العالیم ہے۔ دانہ بینا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مشابہ ہے۔ اور نہ اُس کا کوئی مصاحب اور مددگار اور نہ اسکی مانند

کوئی ہے اور نہ اُس کا کوئی شریک۔ نہ وجوب وجود میں۔ اور نہ استحقاق عبادت میں۔ اور نہ پیدا کرنے میں اور نہ صلاح و تدبیر بنانے میں۔ پس اُس کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت یعنی اظہار اپنے تذلل اور اُسکی غایت الغایت تعظیم کا مستحق نہیں ہے۔ پس ہمارے تذلل کا اور جو طریقہ اُسکی تعظیم کا ٹھہرایا گیا ہو اُس طریقہ کی تعظیم کا استحقاق اُس کے سوا دوسرے کو نہیں ہے۔

وہی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے۔ وہی بلاؤں کو مالتا ہے اور وہی خوشیوں کو لاتا ہے مگر یہ سب باتیں اپنے قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے۔ اُس کا قانون قدرت کبھی ٹوٹتا نہیں۔ وہ ہر طرح کے قانون قدرت کے بنائے پر قادر ہے مگر جو قانون قدرت کہ اُس نے بنا دیا۔ پھر اُسکے برخلاف کچھ ہوتا نہیں ہے۔

قدرت کے قانون بنانے میں کسی سبب کا مخرج نہیں بلایع السموات والارض و اذا قضی امر فانما یقول له کن فیکون۔ امر کے لفظ سے وہی قانون قدرت مراد ہے جبکو بغیر کسی سبب کے صرف کُن کے لفظ سے یعنی ارادہ سے جو مقتضائے کمال ہے بتا دیتا ہے۔

وہ کسی میں سنا نہیں اور نہ کسی میں ملتا ہے۔ اُس میں تعدد و حدوث آہی نہیں سکتا۔ نہ اُس کی ذات میں اور نہ اُسکی صفات میں اُس کا تعلق متعلقات سے بھی حادث نہیں ہے بلکہ ظہور متعلقات سے اُن کے وقتوں میں وہم حدوث اور خیال تعدد ہوتا ہے۔ مگر اُس میں نہ حدوث ہے اور نہ کسی طرح کا تعدد ہے۔

وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ کسی محدود جگہ میں ہے نہ کسی خاص جگہ میں ہے نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہے یا وہاں ہے۔ نہ اُس میں حرکت ہے اور نہ اُس پر سکون کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی نسبت کسی جگہ سے آنا اور کسی جگہ میں جانا بولا جاسکتا ہے۔ اُس کے لیے کوئی طرف و سمت متعین نہیں۔ ایما تو لو افشہ وجہہ اللہ۔ اُس کا عرش پر ہونا صرف انسانوں کو اُسکی برائی کا خیال لانا ہے نہ اُس کا عرش پر یا اوپر کی سمت پر ہونا۔ اوپر تو ایک اضافی سمت ہے جو ہماری اوپر کی سمت ہے وہ کئی سروں کے نیچے کی سمت ہے مگر عرش پر ہونے سے ہر ایک کھل پر وحشی سے لیکر مذہبی فسفی تک کے دل پر اُسکی برائی کا خیال آتا ہے۔ رنے کے بعد مومنین موعدین اُس کو دیکھیں گے۔ وہ ایک ایسا روحانی انکشاف ہو گا جو عقلی تصدیق سے جیسے کہ اس دنیا میں ہم رکھتے ہیں بدرجہا بڑھکر جو جس کی نسبت عرف عام میں

آنکھوں سے دیکھنا کہا جاتا ہے مگر اُس دیت کے لیے نہ مست ہوگی نہ یہ بصر نہ صورت ہوگی نہ شکل - نہ رنگ ہوگا نہ کوئی ڈھنگ - نہ مقابلہ ہوگا نہ آئنا سامنا محض ہوگا مقام ہوگا +

کفر و معاصی کا بھی اُسی قانون قدرت کے موافق وہی خالق ہے - مگر اُس نے اپنے قانون قدرت سے انسان کو ایسا بنایا ہے جس میں اُن سے بچنے کی قدرت رکھی ہے - اس لیے اگر خدا اُن کا خالق ہے مگر خود انسان اپنی قدرت و اختیار سے اُن کا کاسب ہے گو کہ مجازاً قانون قدرت کا سب کا بھی خدا ہی پر اطلاق ہو سکے مگر اُس کو نہ کفر و معاصی سے کچھ نقصان ہے اور نہ عبادت کی حاجت +

اُس کے تمام کام ہر حکمت ہیں - جو کچھ کہ اُس سے ہوا وہ سب نیک ہے - کما قیل -
آنچه از پرده خفا بمنصہ ظهور جلوه گراست ہمہ نیکو است +

پیرا گفت خطا در تلم صنع زلفت
آفرین بر نطف پاک خطا پوشش باد

پس جو ر و ظلم کی نسبت اُس کی طرف نہیں ہو سکتی - وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے - عدل و حکمت کے لیے ہر ایک کو اُسی کے حال میں دیکھنا چاہیے نہ نسبتاً - کیونکہ عدل و حکمت نسبتی چیز نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لیے بمنزلہ اُس کے خاصہ کے ہے جس کی تعریف میں آیا ہے - ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ +

اُس کے سوا کوئی حاکم نہیں - مگر اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اندھا و صونڈی سے لغو و بے فائدہ احکام جاری کرنے لگے - پس یہ اعتقاد رکھنا کہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب یا عقاب ہو نا صرف خدا کے حکم اور اُس کے امر و نہی کے سبب سے ہے محض لغو اعتقاد ہے بلکہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا اُسی قانون قدرت پر مبنی ہے اور خدا کے احکام اُسی قانون قدرت کا بیان ہے پس اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کے حسن و قبح کو ابتدا ہی عقل انسان کی دریافت کر لیتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ بعد از اخبار من الہی عن اللہ تعالیٰ - اُن کے حسن و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہے +

فهذا اعتقادي بالله الواحد لا احد الا الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً
احد وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال لا اله الا الله مستيقناً بها قلبه
دخل الجنة فانما من اهل الجنة انشاء الله تعالى بحرمه سيدنا محمد خاتم النبيين

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم اکثر کثیرا +

اقسام حدیث

انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور صحت و شہرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اُس کے مسائل مذہبی کی نتیجہ پر موقوف ہے۔ اور اہم مذہبی کی تاریخی انسان کے دل کو سیاہ اور اُس کے دماغ اور عقل کو گندا و خراب کر دیتی ہے۔ اس لیے جو لوگ کہ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب و شایستگی پر بحث کرتے ہیں۔ اُن کو ایسے مسائل مذہبی سے بحث کرنا جو غلطی سے اُن چیزوں کے مانع خیال کیے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے +

منجملہ انہی مانع کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا ناقصہ حدیثوں پر مبنی ہوتی ہے مسلمانوں میں یہ ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اُس سے انکار کرنا کفر یا خوفِ مصیبت ہے۔ مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سنیں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اول اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں اور حقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے یا نہیں +

غالباً لوگ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گزر گیا اور جو کچھ کہ اگلے علماء تحقیق کر کر لکھ گئے ہیں وہی احادیث محققہ ہیں۔ اب ہمارے لیے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اُسکو صحیح لکھا ہے +

ہمارا بھی طلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے بلکہ ہم انہی حدیثوں کی نسبت جو کتب حدیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیث حقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے اور کون ہی اُن کی نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کی ہے تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کے کلام کو دوسرے شخص کے کلام سے بالکل جدا کر لیں۔ پس اسی مراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علماء نے حدیث نے بیان کی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان اقسام کی جتنی حدیثیں ہیں اُن میں سے کسی پر اس بات کا یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ حقیقت پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے بلکہ بعض قسموں کی نسبت تو یقین ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیث نہیں ہے اور بعض قسمیں مشتبہ ہیں۔ لیکن یہ کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہیں اور لیکن ہے کہ انہوں۔ چنانچہ اقسام مذکورہ یہ ہیں +

اوّل حدیث بالمعنی - تمام علماء اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ روایت احادیث کی بلفظ نہیں ہے بلکہ بالمعنی ہے۔ یعنی احادیث مرویہ کے لفظ بعینہ وہ لفظ نہیں ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ بلکہ راویوں نے اُن کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے اور بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی ایسی ہی ہیں اور اسی طرح پر روایت ہوئی ہیں۔ پس ہم اُس کے ہر لفظ کو صاحب وحی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے بلکہ صحابی و تابعی کی طرف بھی بالعموم نسبت نہیں کر سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ الفاظ سب سے اخیر راوی کے ہوں جس نے بخاری یا مسلم یا اور کسی سے روایت کی بلکہ کیا عجب ہے کہ بعض مقام پر خود بخاری یا دوسرے مصنف جامع حدیث کے لفظ ہوں؟

اس کی تصدیق خود بخاری کی بہت سی حدیثوں کے آپس میں مقابلہ کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ اس مقام پر پیشیلا ہم دو حدیثوں کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں :

حدیث اول - حدثنا بشر بن خالد قال اخبرنا محمد بن شعبة عن سليمان عن ابي وايل - قال ابو موسى لعبد الله بن مسعود اذا لم يجد الماء لا يصلي قال عبد الله نعم ان لم اجد الماء شهر لم اصل لو رخصت لهما في هذا كان اذا وجد احد هما البرد (احدكم البرد) قال هكذا يعني تيمم وصلي قال قلت فاین قول عمار لهما قال اني لم ارمع فنع بقول عمار :

حدیث دوم - حدثنا عمر بن حفص قال ثنا ابي قال ثنا الامام شقيق بن سلمة قال كنت عند عبد الله وابي موسى فقال له ابو موسى ارأيت يا ابا عبد الرحمن اذا اجنب فلم يجد ماء كيف يصنع فقال عبد الله لا يصلي حتى يجد الماء فقال ابو موسى فكيف تصنع بقول عمار حين قال له النبي صلى الله عليه وسلم كان يكفيك قال الم تر عبد الله يقنع بذلك منه فقال ابو موسى قد عنامن قول عمار كيف تصنع بهذا الاية فما دري عبد الله ما يقول فقال انما لو رخصنا لهما في هذا لا وشك اذا برء على احدهم الماء ان يدعه وتيمم فقلت لشقيق فاما كره عبد الله لهذا فقال نعم :

دونوں حدیثوں میں وہ گفتگو مذکور ہے جو در باب تیمم کے ابو موسیٰ اور عبد اللہ ابن مسعود میں ہوئی تھی۔ پہلی حدیث میں تو مجملہ بیان ہوا ہے کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا

کہ کیا جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو جب اُسکو پانی نہ ملے تو وہ نماز نہ پڑھے۔ عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں اگر مجھ کو مہینہ بھر پانی نہ ملے تو میں نماز نہ پڑھوں۔ اگر میں اُن کو تیمم کی اجازت دوں تو اُس وقت دوں کہ کسی کو سردی ہو گئی ہو۔ کہا کہ ایسا یعنی تیمم کیا و نماز پڑھی۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ میں نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا کہ پھر وہ کیا بات ہوئی جو عمار نے عمر سے کہی تھی۔ عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ عمر عمار کی بات سے راضی نہیں ہوئے تھے۔ دوسری حدیث میں اسی واقعہ کو دوسری تقریر سے بیان کیا ہے۔ کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ بن مسعود سے کہا کہ تم کیا خیال کرتے ہو۔ اے عبد الرحمن کے باپ کہ جب کسی کو نہانے کی حاجت ہو جاوے اور اُس کو پانی نہ ملے تو کیا کرے تب عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ نماز نہ پڑھے جبکہ پانی نہ ملے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ تو آپ عمار کے قول کو کیا کریں گے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تھا کہ تیمم ہی تجھ کو کافی تھا۔ عبد اللہ نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عمر اُن سے اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم عمار کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ قرآن کی آیت میں (جس میں تیمم کا حکم ہے) کیا کریں گے۔ پھر عبد اللہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں۔ پھر کہا کہ جب ہم اُن کو تیمم کی اجازت دیں کہ پانی کسی کو سردی پہنچاوے کہ اُسکو چھوڑ دے اور تیمم کر لے۔

اب دیکھو کہ ایک ہی حدیث ہے اور ایک ہی مطلب ہے جس کو ایک راوی نے ایک تقریر سے اور دوسرے راوی نے دوسری تقریر سے بیان کیا ہے اور اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حدیث کی روایت بلفظ نہیں ہوتی تھی بلکہ بالمعنی ہوتی تھی۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قدر احکام احادیث کے لفظوں سے بخصوصیت الفاظ یا بوجہ تقدیم و تاخیر الفاظ یا بوجہ خاصیت ابواب وغیرہ از روئے قواعد صرف و نحو و معانی و بیان نکلے جاتے ہیں وہ سب حکام اجتہادی ہیں جو علماء نے الفاظ موجودہ سے نکلے ہیں مگر امکان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصود نہ ہو پس اس قسم کے تمام احکام منصوص نہیں ہو سکتے بلکہ اجتہادی ہیں یحتمل الخطاء والصواب۔

دوم۔ حکم مرفوع۔ یعنی حقیقت حدیث مرفوعہ تو وہ ہوتی ہے کہ جس میں بالتصريح یہ بات کہی گئی ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا خود کیا ہے یا آپ کے سامنے ہوا ہے لیکن اگر کسی حدیث میں یہ بات تصریح نہ بیان ہوئی ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی نے کوئی ایسی بات

کسی ہویا کی ہو کہ عقل اور اجتہاد سے اُس کو کچھ تعلق نہ ہو بلکہ منقولات میں سے ہو۔ مثلاً قیامت کا حال یا آئندہ کی خبر یا کوئی صحابی یا تابعی یوں کہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کرتے تھے یا اس طرح پر کرنا سنت ہے تو یہ حدیث بھی در حکم مرفوع ہے۔ اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث سے یہ بھی احتمال ہے کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت مراد ہو۔

مگر میں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ رائے علماء و متقدمین کی جو نسبت اُس حدیث کے ہے جسکو در حکم مرفوع قرار دیا ہے۔ کوئی منصوص یا منقول بات نہیں ہے بلکہ اُن علماء کی رائے ہے اور وہ بھی صرف اُنکل اور اندازہ سے لکھی گئی ہے مگر ایسی حدیث کو در حکم مرفوع قرار دینا محض غلط اور بلاشبہ رائے کی غلطی ہے اس لیے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی قیامت کی نسبت اور آئندہ کی خبروں میں بہت سی روایتیں زبان زد تحصیل اور یہودیوں کے ہاں کی روایتوں کے ذکر کرنے کی خود پیغمبر خدا صلعم نے اجازت دی تھی۔ پس ممکن ہے کہ وہ بیان صحابی یا تابعی کا کوئی روایت روایات یہود سے ہونہ قول خیر صلعم کا اور صرف اس بات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کیا کرتے تھے اُس فعل کے سنت ہونے پر بھی یقین نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ سنت ہو اور ممکن ہے کہ ایسا فعل ہو جو اُس زمانہ میں جس زمانہ کا ذکر راوی نے کیا ہو جب رسم زمانہ جاہلیت کے ہوتا آیا ہو اور سنت اُس کے برخلاف ہو عرض کہ ایسی حالت میں یقین کلی اس بات پر کہ وہ بلاشبہ قول یا فعل رسول ہی ہے نہیں ہو سکتا۔

سوم موقوف۔ یعنی ایسی حدیث جس میں قول یا فعل یا تقریر صحابی کا بیان ہو اور جناب رسول خدا صلعم کی طرف نسبت نہ کیا گیا ہو۔

چھٹا م مقطوع۔ یعنی وہ حدیث جو تابعی تک پہنچ کر رہ جاوے اور اُس سے اوپر نہ بڑھے۔

پنجمہ معلق۔ یعنی وہ حدیث جس کے کل راوی یا مبادی سند سے کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں۔

ششم۔ مرسل یا منقطع یعنی وہ حدیث جس کی اخیر سند میں تابعی کے بعد راوی کا نام نہ لیا ہو مثلاً تابعی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے اور کسی صحابی کا درمیان میں نام نہ لے۔

ہفتم متصل۔ یعنی وہ حدیث جس کے راویوں سے ہر مسیاب کے راوی چھوٹ گئے ہوں۔

پہلے ان پانچوں قسموں کی حدیثوں میں سے کسی حدیث پر یقین نہیں ہو سکتا کہ بلاشبہ

وہ قول یا فعل یا تقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ؟

علمائے سابقین نے جو کچھ ان کی نسبت بیان کیا ہے وہ سب ان کی رائے اور ان کی سمجھ
بلا کسی منتقل سند کے ہے۔ فرض کیا جاوے کہ ظن غالب ان کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا
مہلک اس پر یقین نہیں ہو سکتا ؟

منجانب اقسام مذکورہ بالا کے حدیث معلق پر جو صحیح بخاری کے ہر باب کے شروع میں درج گونے
گفتگو کی ہے۔ علمائے سابقین کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ سب
صحیح ہیں اور بمنزلہ حدیث معضل کے ہیں یعنی بمنزلہ ایسی حدیث کے جس کا کوئی راوی نہ چھوٹا ہو
اس لیے کہ بخاری نے استہدام کیا ہے کہ سوائے حدیث صحیح کے اور کوئی حدیث اپنی کتاب
میں لاوے ؟

نہیں کہتا ہوں کہ یہ رائے بسبب حسن ظن کے نسبت بخاری کے قرار پائی ہے پس تعلیقات
بخاری کا بمنزلہ حدیث معضل کے قرار دینا صرف حسن ظن ہوا ان یقینی و مشتاکان مینما ؟

اسی طرح حدیث مرسل کی نسبت بحث ہوئی ہے۔ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل کو
حدیث نبوی قرار دینے میں توقف چاہیے یعنی نہ تو اس کو کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے
کہہ سکتے ہیں کہ نہیں ہے۔ یعنی اس میں شک ہے ممکن ہے کہ حدیث نبوی ہو اور ممکن
ہے کہ نہ ہو۔ یعنی اس کے حدیث نبوی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ایک تابعی دوسرے
تابعی سے بھی روایت کیا کرتا تھا اور جو راوی چھوٹ گیا ہے معلوم نہیں کہ توہ ہے یا نہیں اور یہ
رائے بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ؟

مگر حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک کے نزدیک وہ حدیث بالکل مقبول ہے۔ وہ یہ بات
فرماتے ہیں کہ تابعی نے جو اوپر کا راوی چھوڑ دیا تو اس کو اس حدیث کی صحت پر کامل یقین ہوگا
ورنہ وہ اس کو غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت منسوب نہ کرتا ؟

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں مگر حدیث مرسل کی تقویت مذکور کسی طرح پر بھی ہو سکے تو وہ
حدیث قابل قبول ہے ؟

حضرت امام احمد بن حنبل کی رائے اس میں یحییٰ نہیں ہے۔ ایک قول ان کا ہے کہ ایسی حدیث
قبول کیا جاوے۔ ایک قول ہے کہ توقف کیا جاوے ؟

بہر حال جو لوگ کہ حدیث مرسل کو قابل قبول ٹھہراتے ہیں ان کی رائے کی بنا صرف حسن ظن پر

ہے مگر کسی کو جزم اور یقین اس بات پر نہیں ہو سکتا کہ بلا شک وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی ہے۔
 ہشتم مدلس یعنی وہ حدیث جس کی روایت میں اُس شخص کا نام جس سے راوی نے حدیث
 سنی چھوڑ کر اُس سے اوپر گئے راوی کا نام ایسے طور پر لیا جاوے جس سے شبہ پڑے کہ اُس راوی
 نے اُسی سے یہ حدیث سنی ہے۔

ایسی حدیث کی نسبت علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر وہ راوی ثقیل اور نیک ہے اور کوئی شخص فاسد
 اس میں نہیں رکھتا تو وہ حدیث قبول کرنے کے لائق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث کے قبول کرنے کا مدد ابھی صرف جن جن پر پھٹا مگر اس بات کا
 ثبوت یا یقین کہ یہ حدیث بیشک رسول مقبول صلعم کی ہے حاصل نہیں ہوتا۔

نہم مضطر۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی کو راویوں کے نام یا حدیث کی عبارت
 بہ ترتیب یاد نہ رہی ہو۔

دھم مدح۔ وہ حدیث ہے جس میں راوی نے کسی مطلب کے لئے اپنی عبارت
 بھی ملا دی ہو۔

ایسی حدیثوں پر کبھی یقین نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیثیں ہیں کیونکہ ترتیب کی دستی اور
 عبارت: اید اگر حذف ہی کیجاوے تو بھی یہ بات یقین کے لائق نہیں ہے کہ بقیہ الفاظ بے کم و کاست
 بلاشبہ رسول مقبول صلعم کے فرمائے ہوئے ہیں۔

یا نہ دھم معنعن۔ یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے عن فلاں عن فلاں کر کر بیان
 کیا ہو۔

یہ ایک ایسی قسم کی حدیث ہے جس سے تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں
 بہت زیادہ غور کرنے کے لائق ہیں۔

واضح ہو کہ علمائے حدیث میں حدیث کی روایت میں چار لفظ مستعمل ہیں۔ حدیثنا۔ اخبرنا۔
 انبانا۔ یتینوں لفظ حب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے راوی نے اوپر کئے راوی

سے یہ حدیث سنی یا سیکھی ہے مگر چوتھا لفظ۔ عن۔ کا مشتق لفظ ہے۔ اس لفظ سے دونوں
 احوال ہیں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سنی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ

اُس سے نہ سنی ہو بلکہ جس سے سنی ہو اُس کا نام چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام
 لے دیا ہو۔

ہیں اس بات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہے اختلاف ہے۔ شاید اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اُس میں کوئی راوی ایسا ہو جو کسی غرض فاسد سے اُس راوی کا نام چھپایا کرتا ہو جس سے درحقیقت اُس نے حدیث سنی ہے تب تو یہ حدیث معتبر نہ ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو معتبر ہوگی۔ اُس کے بعد علماء میں اختلاف ہے بعض عالموں کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ جس شخص نے بلفظ عن کسی سے روایت کی ہے اُن دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا اُن کو موقع بھی ہونا بات ہو چنانچہ بخاری کا مذہب یہی ہے مگر مسلم ان باتوں کو قبل نہیں کرتا اور کسی شرط کو ضروری نہیں سمجھتا۔

بہر حال ہر کو ان مذہبوں میں بحث نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جس حدیث میں بلفظ عن روایت ہوئی ہے اُس میں برابر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک راویوں کے نہ ہونے کا احتمال ہے اور اسی سبب یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ ہو۔ جن لوگوں نے کہ مختلف شرطوں کے ساتھ اُسکو حدیث نبوی سمجھا ہے صرف قیاس و تخمین و حسن ظن کے سبب سمجھا ہے۔ کوئی ثبوت یا کوئی نص اُس پر اُن کے پاس نہیں ہے۔ پس ایسی حدیث پر جزم و یقین اس بات کا کہ بلاشبہ وہ حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے نہیں ہو سکتا۔

دواؤد حمزہ مؤمن۔ یعنی وہ حدیث جس میں کسی راوی نے ان کے لفظ سے روایت کی ہو اور اس کا حال بھی مجنب نہ رہا ہے جیسکے عن کے لفظ سے روایت کا ہے۔

علاوہ اس کے بھی اور بہت سی قسمیں حدیثوں کی ہیں جو اعتبار اور درجہ روات اور معنوں حدیث وغیرہ علاوہ رکھتی ہیں۔ مگر ہم اُن کا اس مقام پر ذکر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ باقی اقسام حدیثوں کی جن میں کچھ نقصان ہے وہ تو ناقص اور نامعتبر ہی ہیں۔ ہم اُن حدیثوں پر بحث کرنی چاہتے ہیں جن میں اُس قسم کا نقصان نہیں ہے۔ اور پھر اُن پر اس بات کا کتبہ ہے کہ آیا درحقیقت وہ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں۔ پس یہ بارہ قسمیں احادیث صحیح کی جو ہم نے بیان کیں ایسی ہی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہیگا کہ اُن میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے۔ الا اُن میں سے کسی کا بھی یقین حدیث نبوی نہ ثابت نہیں ہے۔

علماء متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قائم کی ہے وہ صرف اُن کی رائے ہے۔
 کئی حدیث یا حکم سن جانب شریع اُس پر نہیں ہے۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک
 ممکن ہے ہم بھی اُن راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن اُن کی
 طرف رکھیں۔ مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور خود کچھ بھی خیال نہ کریں۔ بلکہ ہر سال
 فرض ہے کہ ہم اُن حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرنے کے لیے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس
 وہ اصول یہ ہیں :

اول۔ ہم کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں۔ اگر ہو
 تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے جیسکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
 نے حدیث سماع مسموع کی حدیث نبوی ہونے سے سبب مخالفت قرآن کے انکار کیا۔
 باوجودیکہ صحابی اُس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت صدر رسول مقبول صلعم
 سے گذر چکا تھا :

دوم۔ اُس حدیث میں اشیا موجودہ میں سے کسی شے کی حقیقت الہام سے بطور واقع کے
 بیان کی ہو نہ بطور عرف عام کے اور وہ بیان حقیقت اُس موجودہ شے کی حقیقت کے برخلاف
 ہو تو وہ حدیث۔ حدیث نبوی نہیں ہے :

سوم۔ اُس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاوہ رکھتا ہے اور
 تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ تو ہم اُس حدیث کو ہرگز بطور حدیث نبوی تسلیم
 نہیں کرنے کے :

چھٹام۔ اُس حدیث میں ایسا واقعہ حتیٰ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقعہ ہوتا تو ہزاروں آدمی
 اُس کو دیکھتے مگر اُس کا ہونا صرف اُسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں تو اُس حدیث کو بھی
 ہم حدیث نبوی نہیں قرار دینے کے :

پنچم۔ اُس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاوہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا
 سب کو ضرور تھا مگر اُس سے صرف اُسی حدیث کے راوی واقف تھے نہ اور کوئی تو وہ حدیث
 بھی حدیث نبوی نہیں ہو سکتی :

ششم۔ اُس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصول مذہب اسلام کے ہو جو
 متبرعہ حدیثوں سے ثابت ہو چکے ہیں تو اُس حدیث کو بھی حدیث نبوی قرار نہیں دیکھتے :

تھفتم۔ اُس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور جب تک کہ اُن کا الہام سے بیان ہونا نہ ثابت ہو تو وہ تسلیم کرنے کے لائق نہ ہوں۔ پس جبکہ ایسے عجائبات اس قسم کی حدیثوں میں مذکور ہوں جن کا اوپر ذکر ہوا تو اُن حدیثوں کو بھی حدیث نبوی میں داخل نہیں کر سکتے اس لیے کہ سبب اُن نقصوں اور احمالوں کے جو اس قسم کی حدیثوں میں ہیں اور جن کا اوپر بیان ہوا اُن عجائبات کا الہام سے بیان ہونا اور جناب رسول خدا صلعم کا اُن عجائبات کو بیان کرنا ثابت نہیں ہوتا اور جبکہ اُن کا الہام سے بیان ہونا ثابت نہیں ہے تو اُس حدیث کو جس میں وہ عجائبات ہیں حدیث نبوی بھی قرار نہیں دے سکتے۔

اسی قسم میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جن میں تھوڑے سے ٹل پر بڑے بڑے ثوابوں کا اور جنت میں محلوں کے بننے کا یا ادنیٰ سے گناہ میں سخت سخت عذابوں کا ذکر ہوا ہے۔ اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب احادیث میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں مندرج ہے حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیے بلکہ اُن اصول منعگانہ سے اُن کا امتحان کرنا لازم ہے۔ اگر اُس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری تھی اُس وقت اُسکی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ظن غالب کہنا چاہیے کیونکہ اس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اُس حدیث کی روایت ہے اس قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونیکا ثبوت نہیں ہے اُس حدیث کو بالجمود اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے۔

تعلیم مذہبی

ابو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدید کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقائد مذہبی میں سُست ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کو لٹو بھٹو لگتے ہیں۔ اور لاندہب ہو جاتے ہیں۔ اور اسی سبب مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے۔

مسلمانوں پر کیا موقوفہ ہے۔ انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال میں اُنھیں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نسبت لکھی ہے یہ فقرہ مندرج فرمایا ہے۔

ہو کوئی نوجوان خواہ ہندو خواہ مسلمان ایسا نہیں ہے جو ہمارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے جدا افتاد ہونا دیکھے۔ ایشیائے شاداب اور تروتازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں جو شل برف کے ہے تو سو کہہ کر لکڑی مچا رہے ہیں۔ آتنا و صدقنا۔ یہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا بالکل سچ اور تمامہ سچ ہے +

اب مسلمانوں کو بھی ایسی فکر پڑی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت تو روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے اور غریب انگریزی پڑھے اب گزارہ نہیں ہو سکتا مگر وہ مذہب کو بھی عزیز سمجھتے ہیں اور اُسکو ماتہ سے جاتا ہوا دیکھ کر بالکل بغیر اور بے چین ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہوئے منہ سے ہیں اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں کہ میاں اگر تمھارا مذہب ایسا ہی بودا تھا تو جانے دو۔ ایسی بودی چیز یہی تو کیا اور گئی تو کیا۔ مگر جب کوئی ہماری چٹکی چکی آواز سن لیتا ہے تو ہم پر غارتا ہے کہ کیا ہمارا مذہب کمزور ہے۔ مگر دل میں کہتا ہے کہ بات تو سچ کہی ہے۔ بودا تو ہے کہ راسی انگریزی پڑھنے سے گھسا جاتا ہے +

بڑے بڑے علم و شمشل قدوس عالموں نے بہت غور کے بعد یہ تجویز کی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جاوے اور کتب مذہبی عقاید اور فقہ و اصول فقہ و حدیث و علم کلام بھی انگریزی کے ساتھ پڑھائی جاویں تاکہ عقاید مذہبی سمجھتے و درست رہیں اور علوم غریبیہ کے ریلے میں یہ نہ جاویں +

مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ محققانہ تعلیم مذہبی اصول فقہ و تعمیر پر بلاشبہ مانع نقصان عقاید و عقائد کے ہوگی مگر تقصیر عارف ہو۔ یہ اندھی تقلید ہی تعلیم مذہبی تو مانع نقصان عقاید نہیں ہو سکتی اور یہ کتب مذہبیہ تو لاندہی کا علاج کر نہیں سکتیں بلکہ اگر یہ کتابیں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے ساتھ پڑھائی جاویں گی تو اور زیادہ لاندہی اور بد اعتقاد ہی پھیلے گی اس لئے کہ سوائے قرآن مجید کے جس قدر کتب مذہبیہ اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں۔ کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عظیم الشان غلطی موجود نہ ہو اور جس نے اسلام کی سچی اور حسین سیدھی سادھی حقیقت کو وہمی اور خیالی نہ بنا دیا ہو +

جن مقدس لوگوں نے موجودہ مذہبی تعلیم کو اس لاندہی کا علاج سمجھا ہے انھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ میں فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں شائع ہوا تو بڑے زور و شور سے زندہ و الحاد نے رواج پایا مگر اُس زمانہ کے عالموں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ عقاید مذہبی کی تعلیم کو شامل کر دیا جس کے سبب سے

وہ زندہ دیکھا جا رہا ہے

مگر میری یہ عرض ہے کہ اگر اُس مانہ میں ایسا ہو ابھی ہو تو حال کے زانیہ میں اُن کتابوں سے اُس نتیجہ کی امید رکھنا قیاس مع الفارق ہے جس زانیہ میں کہ فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں رائج ہوا اور اُس زانیہ میں جو کتب مذہبیہ تھیں اُن کو بھی اُس وقت کے عالموں نے اُس زندہ اور الحاد کے روکنے کو کافی نہ سمجھا تھا اور اس لیے اُنھوں نے نئی نئی کتابیں علم کلام کی تصنیف کی تھیں اور اُن کتابوں میں اُنھوں نے زندہ والحاد دُور کرنے کے لیے دو اصول قرار دیئے تھے یعنی یا تو اُن مسائل فلسفہ یونانیہ کی جو عقاید مذہبی کے برخلاف تھے غلطی ثابت کر دیتے تھے یا مسائل مذہبی کی تطبیق مسائل فلسفہ سے کر دیتے تھے مگر اب میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو کتب مذہبی اب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتی ہیں اُن میں سے کون سی کتاب ہے جس میں فلسفہ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کی تردید یا تطبیق مسائل مذہبیہ سے کی ہو۔

وجود سموات سبع کی ابطال پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس کتاب میں لکھی ہے اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت دُور ری آفتاب پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس سے جا کر پوچھیں عناصر اربع کا غلط ہونا جو اب ثابت ہو گیا۔ اُس کا کیا علاج کریں۔ آئیہ کریمہ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلنا نطفۃ فی قرار مکیں ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا المضعۃ فخلقنا المضعۃ عظاما فکسونا العظام لحما کی جو تفسیر عالموں نے لکھی ہے فن تشریح کی رو سے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے توپلوں میں بھرے ہوئے نطفہ سے لیکر بچہ کے پیدا ہونے تک کے تغیرات کو دیکھتے ہیں جو مفسرین کی تفسیروں کی غلطی کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں۔ خدا کی بات اور اُس کا کام ایک ہونا چاہیے۔ مسئلہ تمام دنیا نے تسلیم کر لیا ہے۔ پھر اُس کی تصدیق مذہب اسلام کی کس کتاب میں دھونڈیں اور کس ملاں و اخوند سے جا کر پوچھیں جب کوئی بات بھی اُن میں سے موجودہ کتب مذہبیہ میں نہیں ہے تو اُن سے لامذہبی جو فلسفہ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ سے ہوتی ہے کیونکر رفع ہوگی۔ یہ باتیں نہایت صاف اور روشن ہیں۔ اُن کو ظاہر میں ماننا دوسری بات ہے۔ مگر کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنے دل میں ان باتوں کو سچ نہ جانتا ہوگا۔ پس ایسی حالت میں ان کتابوں کا نہ پڑھنا اُن کے پڑھنے سے بڑا درد بہت ہے۔ مسلمان ہونے اور بہشت میں جانے کو خدا کو ایک و پیغمبر کو حق جاننا کافی ہے

حکام نماز پڑھ لینے رفہ مکہ وینا بس ہے۔ ان سیر مفید کتابوں کے پڑھنے سے کیا حاصل ہے؟
ہاں اگر مسلمان مرد میدان میں اور اپنے مذہب کو تپا سمجھتے ہیں تو بے دھڑک میدان میں کریں
اور جو کچھ ان کے بزرگوں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ کیا تھا وہ فلسفہ مغربیہ اور علوم معقودہ جدیدہ کے
ساتھ کریں تب البتہ ان کا پڑھنا پڑھانا مفید ہوگا ورنہ اپنے مومخ میاں سمجھو کہہ لینے سے کچھ
فائدہ نہیں۔

مجتہد

مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور تپا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے کوئی زمانہ
مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ ان کا یہ مسئلہ کہ مات المفتی مات الفتوی صحیح نہیں ہو سکتا
مگر تاخرین اہل سنت و جماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہو گیا اور اب کوئی
مجتہد نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تک ان کو اس میں شبہ ہے کہ نفوذ باتہ منہا شل خاتم النبیین کے
خاتم المجتہدین کون ہے کسی نے نیکو اور کسی نے عمرو کو بتلایا۔ ہے۔

مگر بہکوا بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا
ضرور ہے اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب سبھی باندیا کا
فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید و ارثی رسول اللہ کی جلد دوم میں رقم فرماتے
ہیں کہ ”بغوی در تہذیب و امام الحرمین در نہایہ و رافع در شرح و جزیہ و اعز الدین عبدالسلام در غایۃ
و نووی در شرح مہذب و ابو عمر بن صلاح در کتاب ادب الفتی و بدر الدین زرکشی در کتاب بحر تہذیب
کرہ اند کہ علم دو قسم است۔ فرض علی الاعیان و فرض علی میل الکفایۃ و فرض کفایۃ آنست کہ کسے بربہ
اجتہاد برسد و از احد او مقلدین بر آید پس اگر در ہر را حیبہ یکے یا دو یاں معنی قائم شوند فرض ساقط و الا
بہ عاصی شوند۔ و حاملہ بامر ہم باں رفتہ اند کہ جائز نیست خلوزان از مجتہد لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم
لا ینال طایفۃ من امتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ و نہ کشی گفتہ است کہ ایں قول
مخصوص بہ حاملہ نیست بلکہ جاءہ از اصحاب نبی شافعیہ ہاں تصریح کردہ اند۔ و ابن عرفان علما ہاں لکبہ
گفتہ قال شیخنا ابن عبدالسلام لا یخلو الزمان عن مجتہد۔ و امام الحرمین گفتہ کہ اختلاف
کردہ اند اولین در آنکہ عصر سے انا عصر عدد مجتہدین از مبلغ تو اتر کم می شود یا نہ جمعے منع کردہ و جسے
جائز و ہشتہ۔

پس ان تمام اقوال سے ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے پس کسی ٹبری غلطی اہل سنت و جماعت کی ہے کہ اجتہاد کو ختم اور مجتہد کو معدوم مانتے ہیں +

اس غلطی اعتقاد نے ہم مسلمانوں کے دین دنیا میں نہایت نقصان پہونچایا ہے اس لیے ہم کو ضرور ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑیں اور سہرات کی تحقیق پرستہد ہوں خواہ وہ بات دین کی ہو یا دنیا کی۔ غور کرنا چاہیے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہم کو پیش آتی ہیں پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد موجود نہ ہونگے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو ان کے زمانہ میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیونکر پوچھیں گے۔ پس ہمارے لیے بھی مجتہد العصر والزمان کا ہونا ضرور ہے +

آدم کی گزشتہ

تم کون ہو اور تمھارا نام کیا ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں مگر میرا نام آدمؑ ہے تمہیں کیا گذری میں نے اپنے تئیں اسی دنیا میں پایا مگر نہ جانا کہ کس طرح بنا اور کس نے بنایا۔ میں نے اور بھی بہت سے چرند و پرند کیڑے و مکوڑے دنیا میں دیکھے تھے سمجھا کہ جس طرح یہ بنے ہونگے اُسی طرح میں بھی بنا ہوں گا +

مگر میں دیکھتا تھا کہ وہ سب تو ایک سا کام کرتے جاتے ہیں اور کسی اُذبات کا ارادہ بھی نہیں کرتے مگر میرے دل میں بہت سے خیالات تھے کہ کبھی دل چاہتا تھا کہ یہ کر دوں کبھی دل چاہتا تھا کہ وہ کروں۔ کبھی کہتا تھا کہ یہ کیا ہے کبھی کہتا تھا وہ کیا ہے۔ دل گھبراتا تھا اور اُن چرند و پرند کے پاس جھپٹتا تھا۔ کسی کو اپنا سانہ پاتا تھا اور دل نہ لگتا تھا۔ تنہائی میرے دل کو گھبراتی تھی اور اُس بقراری سے یہ بات دل میں آتی تھی کہ میرے لیے میری ہی کچھ اُذر چیز چاہیے +

ایک دن میں نے اپنے بائیں پہلو کے پاس ایک اپنی ہی صورت کی چیز میٹھی ہوئی دیکھی دل بہت خوش ہوا۔ بے قصد باچھیں گھلنے لگیں معل بھی دھکڑکڑ کرنے لگا۔ اور اُسی کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ بھی میرے پاس میٹھنے سے نہایت خوش معلوم ہوتی تھی اور پیار می پاری لگا ہوں سے مجھے دیکھتی تھی اور مسکراتی تھی۔ آخر میں بقرار ہو گیا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے اُس سے پوچھا کہ بتا تم کون ہو اور تمھارا کیا نام ہے۔ وہ بولی کہ بھائی یہ تو میں نہیں

مانتی کہیں کون ہوں۔ جو تم ہو وہی نہیں ہوں مگر میرا نام حوالہ ہے۔ میں بہت خوش ہوا اذتالیان
سجا کر خوب چھللا اور خوب کُودا۔ اور اوپر کو دیکھ دیکھ کر لگ بھگ جیستی اور بڑے قادر مطلق کا خیال لگ کر
خوب گیت گائے اور نہایت دُوق و شوق سے یوں چلایا :

اُو اُو ارے اُو ارے اُو ارے وہ جو ہے۔ ارے وہ جو ہے۔ ارے وہ جو رہیگا۔
ارے وہ جو رہیگا۔ ارے وہ جو تو ہی ہے۔ ارے وہ جو تو ہی ہے۔ میری شکر لے۔ اُس
انجان جانب کار نے میرا شکر کیا۔ اب تم اُسی برکت کے پھل پھول ہوو
اجی دادا جان۔ یہ تو تمہنے حال کی کہی۔ ہم تو اُس سے بھی پھلی پوچھتے ہیں۔ میرے پیار
وہ تو ہمارے ہوش اور سمجھ پہلے کی بات ہے۔ مگر اُس کی کچھ نشانیاں ہم پاتے ہیں اور
خدا نے اپنی قدرت سے جو کچھ ہم میں بنایا ہے اُسی سے وہ پھلا حال سمجھ سکتے ہیں اگر تم کو
اُس کے جاننے کا شوق ہے تو سُنو :

تمام زمین پر بسنے والی چیزیں زمین سے پیدا ہوئی ہیں گو اُسکی آئندہ نسل چلنے کا کوئی قاعدہ
بنایا ہو مگر سب سے پہلی فو صرف اُس کی قدرت سے بنی۔ اُس نے کہا کہ ہر وہ ہو گئی پس
اسی طرح نیز بھی زمین سے پیدا ہو گیا۔ پلا اور رہا اور بڑا ہوا۔ مگر جب زمین سے نکلا تھا
تو ایسا نہ تھا جیسا اب ہوں۔ رفتہ رفتہ ہکویہ صورت ملی ہے اگر تم میری وہ ہیئت دیکھو جو
زمین سے نکلی تھی تو نہایت تعجب کرو۔ بال سے بھی باریک اور رائی کے دانے سے بھی
چھوٹا بھنگا تھا اور اُسی میں حُسن و جمال و عقل و کمال سب چھپا ہوا تھا جیسے جمید درخت کے تمام
پھل پھول۔ ٹہنی پتے چھپے ہوتے ہیں۔ یہ اُس صانع کی قدرت ہے جو ایسی ضعیف و ناچیز چیز کو
ایسا کیا ہے جس کے حُسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں۔ فرادوسر بھڑتا ہے۔ زلیخا ! تھو
کاشی ہے۔ جنوں بھر اگل جاتا ہے۔ اپنے تقدس و کمال سے فرشتوں پر فوق ایچا پتا ہے اور
اپنے آپ سے اپنے صانع کو پہچانتا ہے اور پھر اُس کی مرضی اور خوشی کے بیان کر سیکو اور وہ
کے لیے واعظ بنتا ہے :

تمام قومیں حیوانی اور انسانی۔ ملکی و شیطانی اُس میں تھیں۔ اور سب اسکی اطاعت و فرمانبرداری
میں مقرر تھیں۔ جس جس کام پر وہ مامور تھیں اُن کو کر رہی تھیں اور اپنے کام میں فراموشی بھی خطا
نہیں کرتی تھیں۔ مگر ایک قوت نہایت قوی اور سرکش تھی۔ وہ میری کوئی خدمت نہیں کرتی تھی
بلکہ طرح طرح کے جذبات کو جو غصہ اور غضب اور بغض و کینہ۔ عداوت و دشمنی۔ قتل و خون ریزی

چوری و زنا کاری کے منشاء ہیں تحریک ترقی رہتی تھی۔ اُس کے گوتھوں سے یس نے جان لیا تھا کہ وہ میری بڑی دشمن ہے۔ اسی پر فتح پانا میرا بڑا کام ہے۔ مگر وہ بھی جتنا تھی کبیں تیری دشمنی کبھی نہیں چھوڑنے کی۔ جہاں باؤں کی اپنا کام کروں گی۔ اور جس طرف سے قابو پاؤنگی ماروں گی۔

وہ قوت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دشمن تو ایسی سخت تھی لیکن اگر وہ نہ ہوتی تو ایک اور چیز ہم میں ہوتی جو انسان کے کمال کی بھی بڑی باعث ہے۔ اور اُس کے وبال کی بھی وہی باعث ہے اور ایسی سبب وہ قوت کبھی سخت دشمن کھائی دیتی تھی اور کبھی دوست سمجھ میں آتی تھی۔ مگر میری اطاعت میں کبھی نہ تھی۔

خدا نے ایک ایسی مرکب پسینہ کو جو مختلف قوتوں کا مجموعہ تھی یعنی مجھ کو ایک جگہ ڈال دیا جہاں نہ مجھ کو کھوک تھی نہ پیاس نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی نہ کپڑا پہننے کی حاجت ہوتی تھی۔ میں رفتہ رفتہ بڑا ہوتا جاتا تھا اور تمام قوتیں جو مجھ میں تھیں میرے کام آتی تھیں۔ ایک قوت مجھ میں تھی مگر میرے کام میں نہ تھی۔ نہ میں اُسکو کام میں لاتا تھا۔ جب میں بڑا ہوا اور سن تیز کو پہنچا تو اسی دشمن قوت نے مجھ کو بتایا کہ اُس سے بھی کام لے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب میں اُس سے کام لوں گا تب بھی سببت میں پھنسنوں گا۔ مگر اُس قوت سے کام لینا کمال کا بھی سبب تھا۔ اس لیے اُس دشمن قوت نے بہ کیا کہ اگر اُس سے کام لے گا تو فرشتہ ہو جاوے گا اور کبھی فنا نہ ہووے گا۔ وہ قوت میری ہی تو تھی اور میں اُسکو کام میں لانے کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ میں اُسکو کام میں لایا اور اسی وقت میرے عیب مجھ پر کھل گئے۔ میں نے جانا کہ میں تو ایک نہایت ناچیز ہستی ہوں بے شک مجھ میں فرشتہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی قوت ہے مگر اُس کے ساتھ بڑا قوی دشمن بھی لگا ہوا ہے۔ اُس سے بچنا نہایت مشکل ہے۔ میں اپنے عیبوں کے چھپانے کی فکر میں تھا۔ اور خدا نے لکھا کہ اگر خبردار اب تو اپنا مالک ہو۔ دوست دشمن سے واقف ہو۔ اب جب تک زمین پر رہنا ہے نیک و بد کو سمجھ اور اپنا کام کر۔ میں نہایت حیران ہوا کہ کیا کام کروں اور کس طرح پرچلوں۔ پھر میں سمجھا کہ خدا کی نشانیاں اور خدا کی ہدایتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ انہی کو سمجھو اور انہی کو مانو۔ انہی کی ہدایت پر چلو اور دشمنوں سے بچنا پاد۔ مگر یہ سمجھ میں آتا تھا کہ گزشتہ بدی کا کیا علاج ہو۔ بہت غور کے بعد سمجھا کہ کسی دوسرے سے اُس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کا علاج خود مجھ میں ہے۔ جو چیز مجھ میں طیر سی ہو گئی ہے اسی کا سیدھا کرنا اُس کا علاج ہے۔ تب

میں نے خدا سے کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ فَتَابَ عَلَيْنَا إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ پھر تو خدا نے مجھ کو ایسا ترغیب دیا کہ زمین پر اپنا نایب کر دیا اور فرشتے غل ہی مچاتے رہے۔

و اما جان آپ کی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہ آئیں اور ہم نہ سمجھے کہ کس قوی کا محبوب خدا ہے نہ کو بنایا تھا۔ وہ کیا قوی تھے جو تمہارے مطیع و فرماں بردار بھی تھے۔ وہ کیا قوت تھی جو ہر کسب و کار میں نافرماں بردار تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو دشمن بھی تھی اور دوست بھی دکھائی دیتی تھی۔ اسی نے وبال میں ڈالا اور اسی نے کمال کا رستہ بتایا۔ یہ سب باتیں تو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر اور کسی طرح پر آپ گفتگو کریں اور ہم کو سمجھا سکیں تو آپ کی نہایت شفقت و عنایت ہوگی۔

آدمؑ نے کہا کہ تمہاری اور تمام دنیا کی سمجھ میں آجانے کے لائق تو اسی بات کو مٹاؤ اور محمدؐ نے بہت اچھی مثال سے بتایا ہے۔ انھوں نے ملکی قوی کا نام فرشتہ رکھا ہے اور اس شمن میں قوت کا نام شیطان اور اس قوت کا نام جو تجھ میں تھی پر میرے کام میں تھی دعت اور اس وقت یا حالت کا نام جب نہیں اس قوت کو کام میں لانے کے لائق ہوا اس دعت کا مزا چکھنا رکھا ہے اور اس شکل عقدہ کو اینٹ شیلوں سے حل کر کریں بیان کیا ہے۔

خدا نے سڑی ہوئی کھڑے جو آگ میں پکے ہوئے کی مانند گرم ہو رہی تھی آدمؑ کو اور اس کی جوڑی حواؑ کو پیدا کیا پھر ان کو اس صعد پر جو ہے بنایا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سرکشی کی اور خدا کے حکم کو نانا اور سجدہ نہ کیا۔ خدا نے اس کو پوچھا کہ تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ اُس نے کہا کہ میں آدمؑ سے فضل میں ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔ خدا نے کہا کہ جاؤ اور ہو تو فرشتوں میں ہونے کے لائق نہیں۔ اُس نے کہا تو مجھ کو قیامت تک ایسا ہی رہنے دو۔ تم ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا ہی ہوں گا۔ خدا نے کہا دوڑو اسے مردود۔ جو لوگ نیری تابعداری کریں گے ان سے دوزخ بھر دوں گا۔

پھر خدا نے ہم کو سمجھایا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے اُس سے خبر و درہنا۔ پھر ہم کو بہشت میں کھاناں ہم کو نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ دھوپ لگتی تھی اور نہ کپڑے کی حاجت تھی۔ خدا نے کہا کہ اس میں سے جو کچھ چاہو کھاؤ مگر ایک درخت کو بتلایا کہ اُس کے پاس تک مت جانا۔ اگر جاؤ گے تو اپنے لیے خود پھر کر دو گے۔

مگر شیطان نے ہمکو بہکایا اور کہا کہ میں تمکو ہمیشگی کا اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کا دعوت بتاؤں۔ اُس نے وہی دخت بتلایا جس سے خدا نے منع کیا تھا۔ اور کہا کہ کسی بڑائی کے سبب سے منع نہیں کیا بلکہ اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتہ اور ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور قیاس کھا کر کہا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ ہم اُس کے بہکائے میں آ گئے اور اُس دخت میں سے کھا لیا ایک پر وہ نادانی کا جو ہمپر تھا کھاتے ہی اُٹھ گیا عیب و صواب معلوم ہونے لگا۔ اپنا رنگ چمن ہمکو شرمانے لگا۔ دخت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ اتنے میں خدا اللہ کا را کہ کیوں اس دخت کے کھانے سے میں نے تمکو منع نہ کیا تھا اور تمکو نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا بچا دشمن ہے۔ چلو یہاں سے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ چند مدت تک زمین پر رہو گے۔ اُسی میں مریو گے اُسی میں مرو گے اُسی سے نکلو گے۔

پھر خدا کے بتانے سے اپنے قصور کی معافی اس طرح پر خدا سے چاہی کہ اے ہمارے خدا مجھے اپنے پر آپ غلام کیا اور اگر تو صاف نہ کرے گا اور ہم مگر گناہ تو ہم آنت میں رہیں گے۔ خدا نے صاف کیا اور یہ بتایا کہ تمہارے پاس میری طاقت آدھ گی۔ جو کوئی اُسکی تابعداری کرے گا اُسکو کچھ ڈرنہ ہوگا جو میری نشانوں کو نہ مانے گا وہ دوزخ میں جا دیگا اور ہمیشہ اُسی میں رہے گا۔

پھر خدا نے آدم کو زمین پر اپنا نائب بنایا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایسے شخص کو زمین کی نیابت دیگا جو اُس میں فساد کرے اور خون بہا دے اور ہم تو تیری پاکیزگی سے تعجب کو یاد کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ میں سب کچھ جانتا ہوں جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

پھر خدا نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتائے اور فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تیری دوامی ہے جو کچھ تو نے بتا دیا ہم تو اُس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ پھر آدم سے کہا کہ تم ان کے نام بتاؤ۔ آدم نے سب کے نام بتا دیے۔ خدا نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ آسمان زمین میں کی جھپی ہوئی باتیں اور جو کچھ تم علانیہ یا خفیہ کرتے ہو سب کو جانتا ہوں۔

و اما جان یہ باتیں تو صاف صاف ہماری سمجھ میں آئیں۔ ہم سمجھے کہ خدا نے ہمکو پیدا کیا اور ہمکو فرشتوں پر بھی عزت دی۔ اور ہمارے دشمن شیطان کو بھی جس بتلایا مگر ہم اُسکے فریب میں آ گئے اور خدا کے حکم کے برخلاف کام کیا اور خود اپنے فعل سے گنہگار ہو گئے اور جب اپنے گناہ کا

اقرار کیا اور معافی چاہی تو خدا نے معاف کر دیا اور ہکوزمین پر اپنا نایب کر دیا اور بارے میں ہدایت بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پھر اگر ہم اسکی ہدایت پر چلیں گے اپنا بھلا کریں گے اگر اُس پر نہ چلیں گے خود اپنے لئے کانٹے بوئیں گے۔ مگر اس میں بھی کئی باتیں پوچھنی ہیں۔
آپ نے یہ کیا فسر لایا کہ خدا نے آدم و حوا کو پہلے پیدا کیا۔ پھر اُن کو اس صورت پر جو اب ہے بنایا۔

بیٹا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اُس میں تصانیف لکھا ہے کہ ولقد خلقناکم ثم صورناکم یعنی خدا نے تمکو پیدا کیا پھر تمھاری صورتیں بنائیں۔ اصل یہ ہے کہ انسان نطفہ میں نہایت باریک جھنکے کی مانند پیدا ہوتا ہے پھر اسکی صورت بنتی ہے۔ یہی بات خدا نے بھی کہی اور ہمیشہ یونہی ہوتا ہے۔

دانا جان یہ تو عجیب بات آپ نے بتائی۔ ہم نے تو کبھی سُنی بھی نہ تھی۔ قرآن میں تو عجیب عجیب قدرتی باتیں لکھی ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں نہ تھیں۔ اب جس قدر حقائق موجودات کھلتی جاتی ہیں قرآن کی حقیقت سمجھ میں آتی جاتی ہے۔ بیشک یہ خدا کا کلام ہے۔
مگر آپ یہ تو فرمائیے کہ جن قوتوں سے خدا نے ہمکو بنایا اور جو ہم ہی میں موجود تھیں اُنہی میں سے کسی کو فرشتہ اور کسی کو شیطان اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ ہم سے علیحدہ دوسری چیزیں نہیں جن میں سے کوئی ہماری فواہ بردار تھی اور کوئی ہماری دشمن اور اگر حقیقت وہ ہم ہی میں تھیں تو اس طرح پر کیوں بیان ہوئیں؟

بیٹا ابھی میں نے تم سے بیان کیا کہ انسان عجیب مختلف قوتوں سے بنا ہوا ہے کہ باوصف مرکب ہونے کے ہر ایک قوت جدا جدا کام کرتی ہے۔ مگر تمھاری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور جب اس زمانہ میں ہی تم اُسکو نہ سمجھ سکے تو موسیٰ کے اور اُس سے بھی پہلے کے زمانہ میں کون سمجھ سکتا تھا اس لئے خدا نے اُس مطلب کو ایسے لفظوں میں بیان کیا کہ سینا کے جنگل میں پھرنے والوں اور عرب کے ریگستان کے رہنے والوں سے لیکر سقراط اور بقراط کے درجوں تک کے لوگ سمجھ لیں۔

تمام دنیا کے خیال میں ہے کہ مرکب چیز جب متعدد چیزوں سے ملتی ہے تو ایک خاص مزاج پیدا کر لیتی ہے۔ اُس کے ہر فرد کا مزاج اپنی پہلی حالت پر باقی نہیں رہتا بلکہ دنوں سے بل ٹاکر ایک قسم کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر گرم پانی میں تم ٹھنڈا پانی ملاتے ہو تو اُسکی سردی اور اُسکی گرمی ملکر اُسکو کنکنا کر دیتی ہے
یہ بھی نہیں ہوتا کہ دونوں میں اور سرد پانی کی سردی بدستور سرد اور گرم پانی کی گرمی بدستور
گرم رہے۔

بہت سی گرم و سرد خشک تر و دھواؤں سے ملا کر ایک عجوبہ بناؤ۔ اُن دواؤں میں سے کسی
ایک کا بھی مزاج اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہنے کا بلکہ سب سے مل ملا کر اُس عجوبہ مرکب کا
لیکٹ خاص مزاج پیدا ہو جاوے گا۔ مگر انسان ایک عجیب عجوبہ مرکب ہے۔ مختلف قویٰ سے مرکب
ہے۔ اور وہی اُس کے وجود کے اوزنیز باہم ایک دوسرے قوت کے بقا کے سبب ہیں۔ مگر
اندرونی قویٰ میں سے ایک قوت انسان میں سے قوت ہو تو دوسری قوت بھی باقی نہیں رہتی
اور باوجودیکہ یہ سب قویٰ ایسے آپس میں ملے ہوئے ہیں جیسے دودھ میں پانی اُس پر بھی سب
اپنے اپنے جدا جدا مزاج پر قائم ہیں اور اپنا اپنا جدا جدا کام کر رہے ہیں۔ پس اس ترکیب انسانی
کو سمجھانے کے لئے تمام نبیوں نے مثیلی زبان اختیار کی اور جس طرح کہ اُن قویٰ کے جدا جدا
کام تھے اسی طرح اُن کو علیحدہ علیحدہ اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ الگ الگ ایک دوسرے
کے مقابل جدا جدا چیزیں ہیں۔

دادا جان یہ بات تو ہماری سمجھ میں بالکل آگئی اور اس بیان سے ایک اور عقدہ حل ہو گیا
کہ بعضی روایتوں میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رحم میں فرشتہ انسان کی صورت بناتا ہے اس سے
بھی وہی قوت مصورہ مراد ہے جو خدا نے اُس میں رکھی ہے۔

مگر یہ بات بھی بتا دیجئے کہ اُن ملکی قویٰ کے سجدہ کرنے اور اُس ایک قوت کی سرکشی کرنے سے
کیا مطلب ہے۔

بیٹا یہ تو بہت صاف بات ہے تم خود اپنے آپ کو دیکھو تمام قوتیں جس جس مطلب کے لئے
تمہارے میں پیدا ہوئی ہیں سب تمہاری تابع ہیں جس وقت تم کسی ایسی قوت کو تحریک دینا
چاہتے ہو جو نیکی کی مخرج ہے فی الفور تحریک میں آتی ہے اور تم سے نیکی اور نیکلی۔ رحم و محبت
ہمدردی۔ وفا شعار خدائے مہربان کے سامنے نڈل نہور میں آتا ہے اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام
قویٰ جو ان چیزوں کے منشاء ہیں تمکو سجدہ کر رہے ہیں معنی تمہارے مطیع و فواں بردار ہیں
بخلاف اسکے اُس قوت کو دیکھو جو بدی اور گناہ کا مخرج ہے۔ تم اُن افعال کو جو اُس قوت سے
پیدا ہوتے ہیں مجاہدانہ ہو اور اُن کے نہ کرنے کا ارادہ بھی کرتے ہو اور پھر کرتے بھی جاتے ہو

جھوٹ کو بُرا سمجھتے ہو اور چاہتے ہو کہ نہ بولیں مگر بولتے جاتے ہو غصہ کو بُرا جانتے ہو اور ہر چیز چاہتے ہو کہ روکیں پر کرتے جاتے ہو زنا جو سب سے بُرھکر بدی ہے اُسکو کر کرنا دم ہوتے ہو خود اپنے پرکاپت کرتے ہو۔ سرٹپتے ہو۔ موٹھ پر طمانچے مارتے ہو۔ اور پکا ارادہ کرتے ہو کہ پھر کرینگے اور پھر کرتے ہو۔ غرض کہ اُس قوت پر جو تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ خیال کرو اور دیکھ لو کہ کیسی سرکش اور تمہاری نافرمانی دہرے۔ آہ بیٹا تم انسان اُسی وقت ہو گے جب اُس سخت دشمن پر فتح پاؤ گے۔

دادا جان یہ باتیں تو تم نے ایسی بتائیں کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بالکل سچ ہے اور انسان پر ہی گزرتا ہے۔ جب ہم اپنی بدیوں پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مخالف قوت شیطان کیسی ہم پر غالب ہے تو ہم کو اپنی زندگی پر افسوس آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ کاش ہم پیدا نہ ہوئے ہوتے۔

مگر ہم نہایت ادب اور عاجزی سے ایک بات اور پوچھنی چاہتے ہیں کہ شیطان نے خدا سے کیا بات کہی کہ ”تم ہی نے مجھے بھکایا ہے میں بھی انسان کو بھکتا رہوں گا“ یہ تو غلط معلوم ہوتی ہے۔ بھلا خدا نے شیطان کو کاہکیو بھکایا ہو گا۔ کیا خدا شیطان کا شیطان تھا اور اگر خود خدا نے ایسا کیا تو پھر اُسکو سجدہ کا کیوں حکم دیا۔

نمود باتند۔ نمود باتند۔ بیٹا تو بہ کرو تو بہ کرو۔ گالوں پر طمانچے مارو۔ کیسی کُفر کی باتیں تم نے کہیں۔ یہ غلط نہیں ہے بالکل سچ ہے۔ قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے قال فما اغویتني لاقعدن لهم صراطك المستقیم یعنی شیطان نے خدا سے کہا کہ اس سبب کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں بھی اُن کی بات مارنے کے لئے تیری سیدھی راہ میں بھٹیوں گا۔

مگر غور کرو اور سمجھو کہ اس کا مطلب کیا ہے اور کس بات کا اشارہ ہے۔ سمجھو کہ وہ سرکش قوت خود خدا نے بنائی ہے اور اُس سرکشی کی قوت خود خدا نے اُس میں رکھی ہے۔ پس ان لفظوں سے کہ تو نے ہی مجھ کو بھکایا ہے اسی بات کا اشارہ ہے کہ اُس قوت کا خالق اور اُس قوت کو قوت دینے والا بھی اُسی ہی ایک خدا ہے اور یہی اُس کا بھکانا ہے۔ اگر خدا نے انسان میں ایسے بھی قوی رکھے ہیں جو اسکو زیر اور طمع کر سکتے ہیں اور یہی حکم دینا ہے کہ آدم کو سجدہ کر پس ان دونوں صفتوں کو عام فہم کرنے کو خدا نے تمثیلی زبان سے یوں بتایا کہ خدا نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر مینی ایسے بھی اسباب بنا دیے ہیں کہ وہ انسان کا طمع ہو سکتا ہے۔ دیکھو ایو شے تمہارے

کیا اسکو طبع کیا پھریں کہا کہ اُس نے سرکشی کی اور خدا کا حکم نمانا یہی وہ قوت ایسی سرکش ہے کہ طبع ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک موقع پر ہم گنا سے بچتے ہیں اور دوسرے موقع پر گناہ میں پڑتے ہیں۔ اگر نہیں پڑتے تو ہم کو اُس دشمن کو ہر وقت و ہر دم دبائے رہنا اور باندھے رکھنا تو ضرور پڑتا ہے اور وہ ہر دم جھوٹا اور ہم پر حملہ کرنا تو ضرور چاہتا ہے۔ پس اس حقیقت کو انبیوں کی زبان نکلیسی عہدہ طرح پر حکم اور نافروانی کی اصطلاح میں بیان کیا ہے۔ صلوات اللہ علیہم معین +

دادا جان جو کچھ تم نے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ خدا ہی نے تمکو بتایا ہے کیونکہ آج تک کسی انسان نے تو ایسے حقائق و معارف بیان نہیں کئے جس سے دل کو تسکین ہو۔ آپ ہی پر خدا نے اپنا فضل کیا ہے جو آپ کے دل سے ایسے حقائق و معارف نکلتے ہیں۔ اب تو ہمیں پوچھتے بھی شرم آتی ہے مگر دھپار باتیں تو اُڑتا دیکھئے +

بیٹا۔ تم کچھ شرم مت کرو۔ پوچھتے جاؤ۔ خدا کی بات میں کونچہ غلطی ہو ہی نہیں سکتی ہاں ممکن ہے کہ میری بات یا میری سمجھ میں غلطی ہو جاوے۔ میں بھی انسان ہوں۔ جس طرح تم غلطی میں پڑ سکتے ہو میں بھی پڑ سکتا ہوں۔ میرے اُسی قدر کلام میں غلطی نہیں ہوتی جس قدر کہ مجھ کو وحی آتی ہے۔ یہ سب باتیں میں نے وحی سے نہیں کہیں بلکہ خود اپنے میں اور تم میں دیکھ دیکھ کر کہی ہیں اور ہر شخص ان باتوں کو اگر اسکو خدا دیکھنے کے لائق آئے وہ دے خود دیکھ سکتا ہے +

دادا جان خدا نے یہ کیا کہا کہ میں نے شیطان کو آگ سے پیدا کیا اور پہلے فرشتوں میں تھا پھر مردود کر دیا۔ وہ تو ایک قوت خود ہم میں ہے +

بیٹا تمام قوائے انسانی پر جس میں وہ سرکش قوت یعنی خلعتی فرشتوں کا اطلاق کیا گیا اور جب اُس ایک قوت کا سرکش ہوتا بتایا گیا تو اُسکو ان میں سے علیحدہ کر کے شیطان بتایا پس یہی اُس کا مردود ہونا اور فرشتوں میں سے نکالا جانا ہے +

اب تم خود اپنے میں غور کرو کہ تمہارے قوسے کی ترکیب میں ایک قسم کی حرارت ہے جسکو کوئی حرارت غریزی اور کوئی مادہ الکٹریٹی کہتا ہے۔ اُس تمام حرارت کا سرچش وہ قوت ہے جسکو قوت سرکش یا شیطان بتایا ہے۔ پس وہ قوت سب سے اوپر ہے اور باقی قوتیں اُس سے نیچے شیطان کا یہ کہنا کہ خلعتی من نار و خلعتہ من طین بالکل ٹھیک اور مطابق واقع کے ہے۔ یہ مولوی صاحب جو سمجھتے ہیں کہ ان کی روٹی پکانے کے چمچے کی آگ سے شیطان بنا یا ہے یہ ان کی نادانی ہے +

بھلا داداجان جس درخت کے کھانے سے خدا نے منع کیا تھا وہ کیا قوت تھی۔ اور اُس کا کھانا یا استعمال میں لانا کیا حالت تھی ؟

بیٹا وہ قوت عقل و علم ہے۔ کیونکہ علم کے لیے عقل کا ہونا بھی لازم ہے اور جب انسان اُس حد کو پہنچتا ہے کہ اُس قوت کو استعمال میں لانے کے قابل ہو جاوے۔ اُس حالت کا نام انبیاء کی زبان میں شجر منوعہ کا کھانا چکھنا ہے اور زبانِ شریعہ میں اُس کا مکلف ہونا اور زبانِ حکماء میں اُس کا بالغ ہونا ہے ۔

داداجان یہاں تو بڑی ہی شکل پیش آئی۔ اس لیے کہ انسان کا چھپنے سے بڑا ہونا اور عقل و تہذیب کی حالت تک پہنچنا ایک ضروری اور لازمی بات ہے۔ اگر انسان زندہ ہے تو خواہ مخواہ اُس حالت تک پہنچتا ہے پھر خدا کا اُس درخت کے کھانے سے منع کرنے کا اور انسان کا اُس کو کھالینے کا اور خدا کی نافرمانی کر کر گنہگار ہونے کا کیا مطلب ہے ؟

بیٹا تم نے نہایت عمدہ بات کہی۔ تمہاری عقلندی سے میں بہت خوش ہوا۔ جو کچھ تم نے کہا یہ سب سچ ہے۔ مگر اس مقام پر ایک نہایت عمدہ اور مشکل مسئلہ جبر و قدر کا نہایت خوبی اور سہل تمثیل سے حل کیا گیا ہے ۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسان بالکل مجبور ہے خواہ مخواہ اُس کو وہی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو اُس کے لیے مقرر ہو چکی ہیں اور بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ خود مختار اور اپنے تمام افعال پر قادر ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے بعض خیال کرتے ہیں کہ نہ مجبور ہے نہ قادر ہے بلکہ ہر دو اختیار ہے جیسے ایک مچھلی والے نے ایک بادشاہ کو مچھلی نذر کرتے وقت اس خیال سے کہا تھا اس کا جوڑنا مانگے کہا تھا کہ یہ مچھلی مختل ہے۔ اس تمام پر خدا تعالیٰ کو یہ بات بتلانی تھی کہ جو قوی کہ انسان کو خدا نے دی ہے وہ خود اُن کا مالک و مختار ہے اور اُن سب کو خود کام میں لاسکتا ہے پس خدا کس نے منع کرنے اور انسان کا اُس کے کھالینے سے انسان کا اُن قوی پر جو اُس کو دیے گئے ہیں قادر ہونا اور اُن کے استعمال کی خود قدرت رکھنا بتایا گیا ہے اور جو کہ اُس حالت تک پہنچتا اور عقل و تہذیب حاصل کرنا انسان پر گناہ ہونے کا سبب ہے اس لیے خدا نے فرما دیا کہ اُس حالت پر پہنچنے کے بعد آدم گنہگار ہوا۔

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آمد و دھیں دیر خسرا بآبادم

السعيد من سعد في بطن امه والاشقي من شقي في بطن امه نہایت صحیح اور سچا قول ہے۔ جو کچھ اس وقت تم انسان کی حالت دیکھتے ہو اچھی یا بُری یہاں تک کہ نبیوں کی نبوت اور عابدوں کی عبادت۔ زاہدوں کا زہد۔ مشوقوں کا حُسن۔ عاشقوں کا عشق۔ شاعروں کی شاعری۔ فاسقوں کا فسق۔ کافروں کا کفر۔ یہ سب نہ اپنی ماں کے پیٹ میں سے لیکر نکلے ہیں پس نبی کو نبوت اور عابد کو عبادت اور زاہدوں کو زہد۔ مشوقوں کو حُسن۔ عاشقوں کو عشق۔ شاعروں کو شاعری۔ فاسقوں کو فسق۔ کافروں کو کفر لازمی اور ضروری ہے کہ بے ہوشی سے رہ ہی نہیں سکتا۔ جو شخص جو کچھ اپنی ماں کے پیٹ سے لایا ہے وہ اُسی کو گاتا ہے ۛ

انبیاء یوں فرماتے ہیں کہ انا نبی و آدم بین الماء والطين ۛ

سعدایوں کہتے ہیں کہ انا سعيد و آدم بین الماء والطين ۛ

اشقیاء کا یہ قول ہے کہ انا شقي و آدم بین الماء والطين ۛ

اور ہمارا یہ قول ہے کہ انا احمد و آدم بین الماء والطين ۛ

مگر نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قویٰ خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لٹا رہے اگر قوائے بھمیہ سپر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور تو اُن کمزور قویٰ کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لٹا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جس کو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جس کو شیع نے ان عمدہ لغفوں میں کہ المائب من الذنب کمن لا ذنب له بیان فرمایا ہے۔ پس مشکل اور باریک مسئلہ تھا جو اس انسان اور عام قہم تشیل میں خدا نے فرمایا ۛ

۱۰۔ اجان خدا کا شکر ہے کہ ہم بھی ان تعالٰیٰ و معارف کا آپ کی زبان مبارک سے سنا اپنی ماں کے پیٹ سے لیکر نکلے تھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کا زمین پر نایب کرنا اور فرشتوں کا مکرر کرنا اور خدا کا آدم کو سب سے کمزور نام لکھنا کیا معنی ہیں ۛ

بہتان میں موجود ہے۔ انسان موجود ہے۔ دیکھ لو کہ زمین کی تمام مخلوقات ہیں زمین کی بادشاہت اور خدا کی نیابت کس کو ہے۔ کیسے فرشتے کیسی تکرار۔ یہ تو خطابیات کی قسم سے بیان ہے قویٰ جس قدر کہیں ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جس کے لئے وہ مخلوق ہیں کایصون الله ما امروہ و یفعلون ما یؤمرون مگر انسان ہی ایسی مخلوق ہے کہ وہ نیکی بھی کر سکتا ہے اور بدی بھی پس

خدا نے اس مقام پر انسان کی حقیقت بیان کر دی کہ وہ کیسے کیسے سخت گناہوں کے کرنے پر قادر ہے مگر اسی کو نایب کرنے کی وجہ کو بھی بتایا کہ وہ قابلِ تعلیم ہے اور اُسکی غلطیاں اصلاح کے قابل ہیں۔ اور وہ ایسے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر سکتا ہے جہاں فرشتوں کا بھی مقدور نہیں کیونکہ اُن میں جو بات ہے اُس سے زیادہ ترقی کی قوت اُن میں نہیں ہے۔ قلوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام اس طرح پر نہیں سکھائے تھے جس طرح کہ انا پتے کو سکھاتی ہے بلکہ تمام چیزوں کا سکھانا وہ ملکہ علم انسان میں ودیعت کرنا ہے جس سے آج ہم بقدر اپنی طاقت کے خدا کی خدائی کے کارخانوں پر فکر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اُسکو جانتے ہیں۔

تم خود اپنے حال پر خیال کرو کہ تم میاں جی سے یا مولانا صاحب سے پڑھتے ہو اور فضیلت کی دستار مبارک سر پر باندھ لیتے ہو۔ کیا میاں جی صاحب یا جناب مولانا صاحب تمکو سب کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ایک ملکہ تم میں چل رہا ہے جس سے تمام عالم کہلاتے ہو۔ پس خدا جو اُس ملکہ کا تم میں پیدا کرنے والا ہے اگر یوں کہے کہ وہ علمِ اَدَمَ لا سماء کلاھا تو کون جی اس میں شکلات ہے۔

بھلا دادا جان یہ تو ہوا مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ یہ نام سکھانے سے کیا مطلب؟

اے بیٹا۔ یہی تو خدائی کا بھید ہے۔ خدا بڑا استاد ہے۔ پچھلا داؤں ہمیشہ اٹھا رکھتا ہے۔ اس لفظ میں یہ ہے کہ خدا نے انسان کو حقیقتِ اشیا کچھ نہیں بتلائی انسان سب کچھ بتلا سکتا ہے مگر حقیقتِ اشیا نہیں بتلا سکتا پس حقیقت نہیں بتلا سکتا تو جو کچھ وہ بتلاتا ہے صرف سارے نہیں نہ حقائق۔ اسی لئے خدا نے فرمایا وحلم ادم لا سماء کلاھا۔

دادا جان آپ نے تو یہ ایسی بات کہی کہ دل میں کھب گئی۔ اب تو بالکل دل کو تسلی ہو گئی مگر ایک شب پھر دل میں اٹھا کہ خدا نے ایک یہاں قصہ بیان کیا یہ حقیقت میں واقع نہ ہوا تھا مگر ادب کچھ نہیں کہیں مگر دل میں تو ہم ضرور کہیں گے کہ عجیب یا فرضی قصہ ہے۔

استغفر اللہ۔ کیا حماقت کی بات تم نے اس وقت کی جو کوئی اس بیان کو قصہ یا حکایت سمجھے وہ خود نادان ہے۔ یہ قصہ ہے نہ حکایت ہے۔ بلکہ خدا نے اصلی حالاتِ فطرتِ انسانی کو جسے اس زمانہ کے حکماء و فیچر کہتے ہیں خود انسان کی فطرت کی زبان سے بیان کیا ہے جو ایک نہایت عمدہ

اور فیصیح اور بہتر طریقہ بیان کا ہے جو لوگ اس سے ہدایت پانے کا دل رکھتے ہیں ہدایت پاتے ہیں۔ جو نہیں رکھتے وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ۔ یضل بہ کثیراً و یهدی بہ کثیراً +

پس تمام عبادت اور تمام شکر اور تمام انسانیت یہی ہے کہ انسان اپنے تمام قوتے کو جو خدا نے اُس کو دیئے ہیں کام میں لاتا رہے اور اُسی طرح پر کام میں لاوے جس طرح کہ اُن کا کام میں لانا اُن کے صانع کی مرضی ہو اور اُس مرضی کے انسان پر ظاہر ہونے کا خدا تعالیٰ نے ان لفظوں سے وعدہ کیا ہے۔ اھبطوا منها جميعاً فاما یا تیتکم منی ہدی فمن تبع ہدای فلا خوف علیہم ولا هم یحزنون + قال الذین کفروا و کذبوا بایلتنا اولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون +

خط

نوشتہ سید احمد

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب

محبتی مہدی رہیں نے آپ کا مضمون جس کا عنوان ”سوال و جواب“ ہے دیکھا اور اُس طرح بے قصد دل سے اُٹھنے والے شوق سے وجد کیا جس طرح کہ آدم نے انجان جانب کار خدا کی بات پر وجد کیا تھا۔ زندہ باشی و جانمن باشی۔ آمین۔ مگر میں ایک بات پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ آپ نے ناول الفاظ قرآن مجید کی اُن کے مدلول ظاہری سے یا اُن مدلولات سے جو لوگوں نے اپنے خیال میں اُن الفاظ کا مدلول ٹھہرا رکھا ہے مگر اُس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں ہے۔ پانچ حالتوں میں جائز رکھی ہے یا لایا بس یہ تصور کیا ہے یا اُس تاویل کو انکار جزو قرآن قرار نہیں دیا اور یہ باطل حق اور سچ ہے آمنا و صدقنا۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ”اگر الفاظ اور کلمات کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی امر موجودہ واقعہ سے ہوتی ہو تو ظاہری

معنی مراد نہ لیے جاویں گے۔ اور دوسرے مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ”اسما موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح ان کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب سنت سے ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوام ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو تو ان اسماء سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا مجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے جائز ہے یا انکار جزو قرآن سے نہیں ہے۔“ جزاك الله في الدارين خيرا۔

اب خیال کرو کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ یا نام آیا ہے۔ مگر اس کی حقیقت و ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی۔ یہودیوں نے اور مشرکین عرب نے اس کی ایک صورت و حقیقت اپنے ذہن میں سمجھ رکھی تھی اور بعض قوموں نے ظلمت و نور کو اور بعضوں نے اھمرن و یزدان کو شیطان اور خدا سمجھ رکھا تھا اور علیٰ ہذا القیاس ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خیالات کے موافق شیطان کی ایک حقیقت سمجھ رکھی تھی یا قرار دی تھی۔ قرآن مجید میں یہ نام تو آیا مگر اس کی حقیقت یا ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی۔

البتہ ہم اس کی کچھ صفات قرآن مجید اور بعض احادیث سے پاتے ہیں۔ بڑی صفت اس کی جو بزرگ ذاتیات کے ہے اور جس سے گویا اس کی حقیقت یا ماہیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف مغوی اہم ہی نہیں تھا بلکہ وہ تاقیامت مغوی للانسان علیٰ العصیۃ ہے۔ کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ قال فجعزناک لا غوینہم اجمعین اور یہ کہ وہ ہمارے بدن میں ہمارے غن کے ساتھ پھرتا ہے کما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان یجری من الانسان مجری الدم اور یہ کہ وہ ہم میں اور ہماری نماز میں خواہ نماز کا وجود موجود فی الخارج سمجھو یا نہ سمجھو اہل ہو جاتا ہے۔ کما روی عنہ صلعم الشیطان حال بینی و بین صلاتی پس یہی اوصاف حمیدہ ان بزرگ ذات کے ہیں جو ہم کو شارع نے بتائے ہیں۔

اب ہم اس کا کرتے ہیں کہ مثل اہل حبت کے لفظ شیطان سے ایک وجود مستقل موجود فی الخارج مبدئیں کہہ دو کہ حتیٰ المقدور ہم سے اس کے معنی کا موجود مستقل موجود فی الخارج سمجھنا چاہیے لیکن اس کو سمجھنے کے لیے غور ہے کہ حقیقت اس کا ایسا وجود نہ ہو کہ اس کے لیے اسے وجود کا ثبوت قطعی اور قوی ہو جائے کہ نہ کہ فرام سے جو خارجی تسلیم کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اگر اس کا وجود خارجی ثابت نہ ہو سکیگا تو لا محالہ وجود خیالی یا عقلی یا تشبیہی قرار دینا پڑے گا جیسا کہ آپ نے اصول محققہ پنجگانہ میں قرار دیا ہے۔

اَب ان صفات شیطانیہ کا جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبرؐ بتلائی ہیں ہم اپنے میں اثر تو پاتے ہیں مگر کسی وجود خارجی کو نہیں پاتے۔ دن رات ہموشیطان بہکاتا ہے اور گناہوں میں بھینساتا ہے۔ مگر کوئی وجود خارجی محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہم بالیقین پاتے ہیں کہ خود ہم ہی میں ایک قوت ہے جو ہم کو سیدھے رستے پر پھیرتی ہے۔ ہم کو بے انتہا ترغیبوں سے بہکاتی ہے شیطان سمجھ کر اُسکی ڈاڑھی بکڑ لیتے ہیں اور زور سے طمانچہ مارتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی ہی سید ڈاڑھی اپنے ہاتھ میں اور اپنا ہی گال لعل دیکھتے ہیں +

پس اگر ہم شیطان کے لفظ سے وجود خارجی مراد لیں تو نہ تو مراد لے سکتے ہیں اس لیے کہ اُس کے وجود خارجی کا ثبوت واجب ہے حالانکہ کچھ ثبوت نہیں اور نیز امور موجودہ واقعہ کے برخلاف ہے کیونکہ اُسکی صفات مخصوصہ کا اثر ہم کسی دوسرے وجود سے نہیں پاتے بلکہ خود اپنے آپ میں پاتے ہیں اور نیز یہ کتاب سنت سے اُس کے وجود خارجی کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اوہام و ظنون سے لوگوں نے اُس کا وجود خارجی ٹھہرایا ہے۔ اس لیے واجب ہے کہ نخبہ لاقسام وجود کے سوائے وجود خارجی کے اور کسی قسم کا وجود شیطان کا سمجھا جاوے۔
فتدبر والسلام +

خط

نوشتہ احمدیہ

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

پیارے مہدی۔ افسوس! اپنے مجھ کو بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا جوہ ابھی جانی کے تہذیب لاء خلق میں چھپا کچھ جواب نہ دیا۔ یہ نہ کھلا کہ میں خطاب کے لائق نہ تھا یا میرا خط لاجواب تھا +

میرے پیارے مہدی۔ میں آپ کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جو خراب اثر مشرقی طریقہ تعلیم کا

انسان کے دل اور طبیعت پر ہوتا ہے اُس سے آپ کبھی ایمن نہ رہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ نبی آخر الزماں
صلوٰہ کو اجماع رکھنے میں کیا حکمت تھی۔ یہی حکمت تھی کہ نبی آخر فیض جو اندرونی چشموں کا جاری
رہتا ہے اُسکو کوئی بیرونی چیز مزاحم نہ ہو اور جو کچھ باہر نکلے خاص بے سیل ہو۔ پس آپ ہمیشہ
نیچر کے سرچشمہ کے جاری رکھنے پر توجہ رکھیں اور جس علم کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ العلم
جواب الالکب اُس کے پیرو ہرگز نہ دیں +

مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل یہ بات کہتا ہو گا کہ لفظ شیطان سے اگر کوئی وجود خارج
میں انسان مراد لیجاوے تو ضرور قرآن مجید کو نفوذ بائد غلط یا خلاف واقع ماننا پڑے گا کیونکہ
حقیقت میں کوئی وجود خارجی بخودی للانسان موجود نہیں ہے +

اور یقینی آپ کا دل اس بات پر بھی گواہی دیتا ہو گا کہ شیطان کے وجود خارجی ہونیکا کوئی
ثبوت موجود نہیں ہے جو لوگ اُس کے قائل ہوئے ہیں اُنہوں نے خود اپنی ہی صورت
آئینہ میں دیکھی ہے +

اور یقینی آپ کا دل اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہو گا کہ جو لوگ شیطان کے وجود خارجی کا
دعوٰی کرتے ہیں اُس کا اثبات انہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن لوگوں کی دلیلوں کو جو اُس کے
وجود خارجی سے منکر ہیں ناقص کہہ دینا اور اُن سے مخالفت کرنا اور اُن کی سمجھ اور فہم پر افسوس
کرنا کافی نہیں ہے +

اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نے جو یہ الفاظ ارتقا فرمائے ہیں کہ ”وجود جسمانی سے شیطان
کے انکار کرنا کفر نہیں ہے گو بڑی غلطی اور نالائی ہے“ آپ کو اس تحریر سے نہایت افسوس ہوا
ہو گا پس یہ ایسی بات کہہ کر دوا کر دیا کہ جس کے بعد افسوس نہ ہو +

اب یہ دوسرا خط میں آچو آدم کے قصہ کی نسبت لکھتا ہوں۔ ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ قرآن مجید
میں لکھا ہے اُس سے بیابحال کسے سوا اور کچھ مراد لیجا سکے یا سمجھی جاسکے +

پہلی سورت قرآن مجید میں لفظ خال کا بہ نسبت خدا اور فرشتوں و شیطان کے آیت ہے کوئی
شخص نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں جگہ لفظ خال کا اپنے حقیقی معنوں میں متعل ہے کیونکہ کوئی شخص
خدا کے قول کو متعل اقوال انسان ہر کب صوت و الفاظ سے یقین نہیں کر سکتا اور غالباً اقوال
فرشتگان و شیطان کے بھی ہر قسم کے نہ ہونگے پس اب لفظ خال سے کوئی اور معنی مراد لو۔ بخود کہ
کرنے منی حقیقی کے جو کچھ کہ آدم و شیطان اور فرشتوں کی نسبت بیان ہوا ہے وہ قصہ اور حکایت

نہیں رہے بلکہ صرف مال بچا دیگا۔ وما هو الا ما الهمني ربی +
 یہ لفظ شجر کا قرآن مجید میں موجود ہے کیا حقیقت میں وہ ایسا ہی درخت تھا جیسا اللہ تعالیٰ
 اور کلو کسان بویا کرتا ہے اور جیسے حقیقی منی لفظ شجر کے ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ غالباً اسکا
 تو آپ قرار کرینگے بلکہ کوئی اور مراد شجر سے لوگے۔ پس ہاں آپ نے لفظ شجر سے اُس کے حقیقی
 معنی یا اللہ اور کلو کا بویا ہوا درخت مراد نہ لیئے تو صرف وہ ایک تشبیل یہ جامہ سے گی۔ وما هو
 الا ما الهمني ربی +

کیا صحیح آپ یہ یقین کرتے ہیں کہ لفظ فبدت لهما سوا ثهما سے حقیقت میں ہی مراد
 ہے کہ نود بابتہ حضرت آدم کی وہ چیز گول گول و لمبی لمبی دیکھائی دینے لگی تھی۔ کیا حقیقت میں
 اُس کے حضرت خٹا کی شرمگاہ مراد ہے مگر ان الفاظ کو آپ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال سمجھتے ہیں
 تو کس قدر سنج اور غم کی بات ہے کہ آپ سا آدمی جو مہدی ہذا الزمان ہو مفسروں اور ترجمانیوں
 کی ایسی بلاوت کی پیروی کرے۔ کیا لفظ "سوءہ" کے اور معنی عرب کی زبان میں نہیں ہیں اور
 کیا یہ لفظ اور معنوں میں متعل نہیں ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اور انی لفظوں کے بعد خدا تعالیٰ
 فرماتا ہے یا بنی ادم قد انزلنا علیکم لباسا یؤاری سوا ثکم و ریشا و لباس التقویٰ
 ذلک خیر ذلک من ایات اللہ لعلہم یدکرون۔ یا بنی ادم لا یفتنکم الشیطان
 کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنہما لباسہما لیرہما سوا ثہما انہ یراکم صو
 و قبیلہ من حیث لا ترونہما نا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون یعنی اللہ تعالیٰ
 سورہ عرف میں فرماتا ہے کہ "اے آدم کے بچے تو تم کو شیطان بہکا دے جس طرح کہ تمہارے باپ
 کو بہشت میں سے (بہکا کر) نکالا چھین لیا اُن سے اُن کا لباس (یعنی لباس تقویٰ) تاکہ دکھاؤ
 اُن کو اُن کی بُرائیاں بے شک وہ اور اُس کا نگہ نہ دیکھتا ہے اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے

یٰ اہل فی القاموس السوءۃ الفرج والفاحشۃ والمخلۃ القبیحۃ۔

فی التفسیر الکبیر بدوۃ العورت کثایتہ عن سقوط الحرمتہ و ذوال الجاہ والمعنٰی ان
 غرض من القاء تلک الوسوسۃ الی آدم ذوال حرمتہ و ذہاب منصبہ۔ الخ
 ۱۔ ای لباس تقویٰ ہما بدلیل قولہ تعالیٰ و لباس التقویٰ ذلک خیر۔
 ۲۔ ای المخلۃ القبیحۃ الی کانت مستورا فیہما +

بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا مربی کیا ہے جو ایمان نہیں لائے۔
پس ان تمام آیتوں کو ملاؤ اور غور کرو کہ یہ سب تشبیہ و استعارہ ہے۔ ان سے معنی حقیقی مراد
نہیں ہیں جیسا کہ اوپر علامہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پس آیت تمثیل ہونے میں کیا باقی رہ گیا وما هو
الا ما الہمنی ربی۔

بھائی ہمدی۔ برائے خدا آپ ذرا انصاف کریں کہ قرآن مجید کے میسنی لینے کہ جب آدم و حوا
نے گیہوں کے درخت کا پھل کھا لیا تو ان کے اعضا مخصوصہ دکھائی دینے لگے۔ قرآن مجید کی
خوبی اور اس کے ادب اور اس کے حکمت سے بھرے ہوئے ہونے پر یقین کرنا ہے یا مینہ
لینے کہ اس قوت کی ترغیب ظاہر کر دیا کہ انسان میں خدا کی نافرمانی کرنے کی بُرائی ہے قرآن کی
مندگی اور اس کی عزت اور اس کا حکمت و معرفت سے بھرا ہوا ہونا یقین کرنا ہے۔ اگر پہلے ہی معنی
سچ ہوں تو مجبوراً ہی سے کہنا پڑے گا کہ ”سخن فہمی عالم بالاحکام شد“ حضرت کو پھکڑا بولنے بھی
نہیں آتے چہ جائے خدائی کجا گیہوں آنا اور کجا اعضائے مخصوصہ کا دکھائی دینا۔ نعوذ باللہ
منہا۔

خدا کی عظمت و شان کو خیال کرو اور پھر قصہ آدم کو دیکھو اور کہو کہ تمہارا دل یقین کرتا ہے کہ
خدا میں اور فرشتوں میں ایسی تکرار اور مناظرہ ہوا ہو جیسا کہ الفاظ ظاہری سے سمجھا جاتا ہے پس
اگر ان الفاظ کے وہی معنی ہوں تو خدا میں اور فرشتوں میں خدائی اور بندگی کا ہیکو ہوئی بھٹیلاؤ
کی تو ٹوٹیں ہیں ہوئی۔ اگر یہ سچ ہو تو ہم کو اپنے نوکروں کی بھی شکایت نہیں ہے کیونکہ خدا کے
نوکر ہمارے نوکروں سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔

اس تمام قصہ سے اگر وہی ظاہر ہی معنی مراد ہوں تو خدا کے علوم و تدبیر و تقدیر اور مغزیہ میں بٹا
لگتا ہے پس اسی اصول سے جو آپ نے قائم کیا ہے کہ ابعالیات میں عدل معنی حقیقی سے ضرور
ہے یہ تمام قصہ تمثیلی رہ جاتا ہے۔ اہلی۔ وما هو الا ما الہمنی ربی۔

اور اگر آپ نے اس بات کا یقین کر لیا ہے کہ (اور بن یقین کرتا ہوں کہ یقین کر لیا ہے) شیطان
کا کوئی وجود خارج عن الانسان نہیں ہے تو تو سرگزشت آدم کی تمثیلی اور بیان حال ہونے میں کچھ کلام ہی
نہ رہیگا۔ وما هو الا ما الہمنی ربی۔

آپ کی تحریک میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ”قرآن مجید میں حنبت اور کدوم اور درخت کے کھلنے اور
ملائی کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ مگر ان کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت

کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے۔ اور پھر اُس کے بعد ارقام فرماتے ہو کہ ”اگر ایسی تاویل نصوص صریحہ کی بجائے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اٹھ جاوے۔ بھائی یہاں ذرا انصاف کرو کہ خود ہی لکھتے ہو کہ ان چیزوں کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی اور پھر اُن کو نصوص صریحہ کہتے ہو جب اُن کی حقیقت ہی نہیں بتائی تو وہ نصوص صریحہ کیونکر ہوئیں۔ فتلہا ۛ

خدا نے تعللے قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے نازل کیا ہے جن میں ہر درجہ علم و عقل و فہم کے لوگ شامل ہیں اور معجزہ قرآن یہ ہے کہ مضامین دقیقہ اور مسائل حکمیہ نیچر ایسے لفظوں میں بیان کیے ہیں کہ ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ اور یکساں روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے ۛ

اس کی تصدیق سرگزشت آدم سے نبوی حاصل ہے۔ انسان کا نیچر جن قوتوں سے بنا ہے اور جو قوتیں بھلائی اور بُرائی کی اُس میں رکھی ہیں اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں پر قادر ہے اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں کے سبب مجبور ہے اُن کا بیان کرنا اور ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ روحانی تربیت کا پہنچانا ایسا مشکل کام تھا جو انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُس نے اُسکو ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اگر عام آدمی سمجھ لیں کہ انسان ایک جود ہے اور شیطان ایک جود علیحدہ ہے جو ہم کو نہیں دکھائی دیتا پر ہم کو وہ دیکھتا ہے اور ہم کو اس طرح چپکے بہکا دیتا ہے کہ ہم نہیں جانتے اور ہلکے گناہوں میں پھنسا دیتا ہے پس ہم کو چاہیے کہ ایک ایسی تسبیح مثل شیطاں کی دم کے لیکر لا حول پڑھتے رہیں اور دل کو اُسکے پھندے میں آنے دیں بلکہ خدا کی فرمانبرداری اور عبادت میں مصروف رہیں تو اس سمجھ سے بھی دُہنی نتیجہ اور روحانی تربیت حاصل ہوگی جس طرح کہ ایک انا نیچرل اسٹ اُس کی حقیقت کو خیال کرے اور سمجھے کہ وہ سب انسان کے نیچر کا بیان ہے جو مثیلی لفظوں میں انسان کے نیچر کی زبانِ حال سے بیان ہوا ہے پس اس طرح سے بیان کرنا ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے مگر بس قدراموس کی بات ہے کہ آپ نے اسکو بدعت لکھا ہے۔ اگر حقیقت اسلام اور اسلامِ دینِ بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ ہدایت کیا ہوگی ۛ

آپ خیال کیجیے کہ علماء سابقین اسلام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کے مطالب کا بیان کرتے تھے کچھ تو اُن کو سبب شدتِ اتقا اور خوفِ محبت کے یہ وہم ہوتا تھا کہ جو کچھ حقیقت سمجھے ہیں شاید وہ حقیقت نہ ہو اور خدا کی ملامت نہ ہو اور اُس کے بیان سے ہم گمراہ رہیں اور کچھ اُن کو خیال تھا کہ اُن باتوں کی حقیقت بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ کم علم اور جاہل جو بکثرت ہیں وہ اپنی لفظوں سے کافی روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اور جو عالم ہیں جیسے امام حجت الاسلام خراسانی وغیرہ

وہ خود اُن کی حقیقت جانتے ہیں اور کافی روحانی تربیت پاتے ہیں ان خیالات سے اُنھوں نے اُنہی الفاظ کو بیان کر دینا مناسب سمجھا جو قرآن مجید میں ہے اور اُن کی مراد کی نسبت کہدیا کہ خدا کو معلوم ہے۔ ہم تو کلام خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو اسکی حقیقت خدا کے علم میں ہو وہی ہمارا ایمان ہے +

مگر اُن کا زمانہ ایسا تھا کہ لاادری کہ کمر اُن کا چھپا چھوٹ گیا مگر ہمارا زمانہ ایسا نہیں ہے۔ تمام علوم کو ہم میں نہ سہی مگر دوسری قوموں میں بدرجہ علما پہنچ گئے اور پہنچتے جاتے ہیں حقائق اشیاء روز بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر کسی شک کے معلوم ہو گئی ہیں وہ درجہ یقین پر پہنچ گئی ہیں۔ پس اس زمانہ میں کسی بات کے مدعی کو دعویٰ کرنا اور پھر لاادری کہدینا کافی نہیں ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اور اُڑانا ہے بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش بیان چاہیے اس لیے جو لوگ دعویٰ اسلام کرتے ہیں اُن کا کسی مسئلہ اسلامی کی نسبت لاادری کہنا خود اپنی حماقت ظاہر کرنا ہے۔ پس اس زمانہ میں ضرور ہے کہ دھوکہ کی ٹیٹی کو اٹھا ڈالا جاوے اور تمام مسائل اسلام کی حقیقت علانیہ بیان کی جاوے تاکہ اسکی روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرار دین سب کو معلوم ہوں اور لوگ یوں کہنے لگیں۔

سَرِّخدا کہ عارف عابد یکس گفت

در حیرت کہ بارہ فروش از گنجاشنید

ایک خط جناب مولوی عبید اللہ صاحب عبیدی کا اسی قصہ آدم کی نسبت میرے پاس آیا ہے۔ اُسکی نقل آپ کے ملاحظہ کے لیے اس میں شامل ہے +

اب کسی فرصت کے وقت تیسرا خط آپ کو عیسائیوں کے گردن مروڑی مرغی کی نسبت لکھوٹکا اور امید ہے کہ آپ مثل ان دونوں خطوں کے اُسکو بھی منصفانہ اور محققانہ تصور فرماویں گے +

خدا آپ کو خوش رکھے اور اپنا محبوب گو کہ ہم رشک کیا کریں۔ والسلام +

عقاید مذہب اسلام

عَقِیْدَةُ اَوَّل

تمام موجودات کا خالق یا اُن کے وجود کا سبب اخیر یا علت اعلیٰ کوئی ہے اور اُسی کا

نام ہے اللہ۔

مذہب اسلام کا سب سے پہلا عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا کوئی خالق ہے۔ یہ سب کچھ جو ہر جہاں ہے اور جس کو ہم کسی طرح جان سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں یا خیال کر سکتے ہیں ایک ایسے سلسلے سے مربوط ہے کہ ایک کا وجود دوسرے پر اور دوسرے کا تیسرے پر منحصر ہے۔ پس ضرور ہے کہ یہ سلسلہ کسی خیر وجود یا علت یا سبب پر منتہی ہو اور جس پر یہ منتہی ہو وہی خالق اور خدا اور رب العالمین ہے۔

اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ جو موجود ہے خود آپ ہی اپنے وجود کی اخیر علت ہے۔ اگر موجودات میں سے ہر چیز اپنے وجود میں کسی دوسرے وجود کی محتاج نہ ہوتی یا کسی کا وجود کسی دوسرے وجود کا معلول نہ ہوتا تو شاید ہم ایسا یقین کر سکتے۔ مگر جبکہ ہر ایک چیز کو کسی علت کا معلول پاتے ہیں تو انہی چیزوں کے مجموعہ کو کس طرح کسی علت اعلیٰ کا معلول نہ سمجھیں؟ تمام چیزیں جو جو حقیقی موجود ہیں نہ متنت ہیں نہ قابل عدم۔ اگر وہ متنت ہوتیں تو موجود کیوں ہوں اور اگر قابل عدم ہوتیں تو کبھی غیر موجود بھی ہوتیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی موجود حقیقی کبھی معدوم نہیں ہوتا صرف عوارض یا صور کا تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہوا پانی بن جاتی ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جو مٹی ہو جاتی ہیں اور پھر مٹی سے عجیب عجیب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ غرض کہ کوئی شے معدوم نہیں ہوتی صرف عوارض یا صورت کا بدل ہوتا رہتا ہے۔ پس اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصی معدوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا۔ وقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ کل من علیہا فان یوقی وجہہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

بلشبائس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ تمام موجودات کے عوارض نوعیہ و شخصی کے معدوم ہونے کے بعد جو وجود ناقابل عدم باقی رہیگا وہ کیا ہے اور وہ ایک ہوگا یا کئی۔ مگر اس بات کے فیصلہ نہ ہونے سے خالق کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس ناقابل عدم موجود کی حقیقت کو یا اسکی وحدت و کثرت کو خالق کے وجود کے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

اگر وہ متعدد ہوں تو ابھی یہ سوال کرنا پڑے گا کہ قبول عوارض کی قوت خود انہی میں ہے یا کسی دوسرے موجود سے ہے۔ خود انہی میں تو ہم اس لئے نہیں مانتے کہ جب ہم تمام موجودات کو جو عوارض نوعیہ و شخصی دیکھتے ہیں تو ایک کو دوسرے کا معاون پاتے ہیں پس ان موجودات کے عوارض نوعیہ

شخصیہ کے معدوم تصور کرنے کے بعد جو متعدد وجود ناقابل عدم باقی رہینگے ضرور وہ بھی ایک دوسرے کے معاون ہوں گے۔ مگر اُن کے ایسا ہونے کے لیے بلا کسی علت مشترک کے کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اُن میں اُس مساوت کی علت مشترک کوئی آذر وجود ہو اور اُسی وجود کو ہم کہتے ہیں اللہ +

اور اگر وہ واحد ہو تو یہ سوال ہو گا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُسی میں ہے یا کوئی دوسرا وجود اُسکی علت ہے۔ اگر اُسی میں ہو تو اُسی کا نام اللہ ہے۔ اور اگر دوسرا وجود اُسکی علت ہو تو اُسی علتہ العلل کا نام اللہ ہے +

کبراء اسلام کی رائے اس میں مختلف رہی ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ اُسی وجود ناقابل عدم میں دونوں قوتیں فعل و انفعال کی اپنی جس کو قوت قبول عوارض کہتے ہیں موجود ہیں اور اسی سبب سے وہ لوگ وحدت وجود کے قابل ہیں اور یوں کہتے ہیں۔

خود کو کوزہ و خود کو کوزہ گرد خود گل کو کوزہ

خود بر سرِ بازارِ خس پدیدار برآمد۔ بشکست و رواں شد

اور بعض کہتے ہیں کہ اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود ہے اور اس سبب سے وہ لوگ وحدت شہود کے قابل ہیں مگر اصل یہ ہے کہ۔

آں بہ تر از خیال و قیاس گمانِ مہم

وز ہر چہ گفتہ اند دشمنیدیم و خواندیم

بہر حال ان دونوں مسئلوں میں کوئی سا مسئلہ صحیح ہو اس اسلامی مسئلہ میں کہ تمام موجودات کا کوئی خالق ہے کسی طرح کا تبدل نہیں آتا +

وحدت شہود کے مسئلہ کو لوگوں نے کفر جانا ہے۔ وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اُس وجود ناقابل عدم کو بھی جس میں اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود مانا ہے ازلی وابدی ماننا پڑے گا جو ٹھیک ٹھیک شرک ہے یا اُن کا مذہب ہے جو خدا اور مادہ دو چیزوں کی ازلی وابدی مانتے ہیں اور بعض اُسی کو ظلمت اور نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ معلول کا وجود علت کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ مگر جب معلول کا وجود علت کے وجود کے سبب ہے تو شرک کہاں با۔ علت ازلی وابدی کا معلول بھی ازلی وابدی ہے۔ ہم بھی جبکہ علت ازلی وابدی کے معلول میں تو ازلی وابدی ہیں۔ ہم بھی ازلی +

وادی ہو۔ ہم بھی انلی وادی ہیں۔

مخلوق شدیم و با خالق گشتیم

جائیکہ خدا بود من ہستم بودیم

پس انہی موجودات کے وجود سے ہم خالق پر یقین کرتے ہیں۔

اس پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو یقین نہیں ہے بلکہ ایک خیال ہے جس کا تجربہ نہیں ہوا اور خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے وہ مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو دونوں داخل ہیں۔ ہم نے اس خیال کا تجربہ نہیں کیا پھر اس کے مطابق واقع ہونے پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے۔

یہ کہنا سچ ہے مگر ہمارے خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہوں۔ بلاشبہ اس قسم کے خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے مطابق واقع کے ہو یا نہ داخل ہے۔ مگر ہمارے خیالات جو دوسری قسم کے ہیں جن کو نہ از خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہے اور نہ وہ اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ ان کو کسی دوسرے حقایق محققہ نے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ سوتے ہیں اور بالکل مطابق واقع کے بعد تجربہ کے۔

جبکہ ہم سنتے ہیں ایک آواز یا دیکھتے ہیں ایک دھواں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ وہاں ہے ایک آواز کرنے والا یا وہاں ہے ایک آگ۔ ہمارا ایسا خیال کہنا بھی ایک خیال ہے مگر اس قسم کا نہیں ہے جو از خود ہماری طبیعت میں آگیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ نے ہم میں پیدا کیا ہو بلکہ ایک ایسا خیال ہے جسکو دوسرے حقایق محققہ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارا ایسا خیال ہمیشہ سوتا ہے ٹھیک اور بعد تجربہ کے بالکل مطابق واقع کے اگر منہ خود اس چیز میں جس نے ہم میں ایسا خیال پیدا کیا ہے غلطی نہ کی ہو۔

جبکہ ہم پاتے ہیں چند چیزوں کو ایک جگہ ترتیب سے رکھا ہوا یا خوبصورت بنا ہوا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ان کا کوئی رکھنے والا یا بنانے والا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں اس تمام موجودات کو ایسی عمدہ ترتیب سے رکھا ہوا اور ایسی حکمت سے بنا ہوا اور ایسی خوبصورتی سے ڈھلا ہوا تو یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ترتیب دینے والا اور بنانے والا ہے۔ جبکہ ہم ایک پتھر کو جوتہ میں ڈال دیا ہے دیکھ کر یقین کرتے ہیں کہ اس کو کسی نے یہاں ڈالا ہے تو ہم کیونکر اس بات پر

یقین نہ کریں کہ ان سب چیزوں کو بھی جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں کسی بڑے دانا کا ریگر نے بنایا ہے اور اسی کاریگر کو ہم کہتے ہیں خدا۔

یہ خیال ہمارا جو خدا کے ہونے پر ہوا ہے اُسکو ایسی چیزوں نے پیدا کیا ہے جو ایک حقیقت ہیں یا یوں کہو کہ جو حقائق محققہ ہیں اور ہم نے اس قسم کے خیال کو ہمیشہ ٹھیک اور بعد تجربہ کے مطابق واقعہ کے پایا ہے اس لیے ہم اس خیال پر بھی یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تجربہ کے بھی جب کبھی کہ ہو یہ ہمارا خیال بالکل مطابق واقعہ کے ہو گا اور اسی لیے ہم اُسکو خیال نہیں کہتے بلکہ یقین کہتے ہیں۔

پس یہ تمام موجودات عام عقل انسانی کے لیے نجوبی اس بات کی رہنمائی کر ان کا کوئی خالق ہے اور اس لیے وجود خالق پر ایمان لانے کا ایسا مسئلہ ہے کہ عام عقل انسانی اُسکو نجوبی سمجھ سکتی ہے اور یہی سبب ہے انسان اُس پر ایمان لانے کو مکلف ہوا ہے۔ اگر یہ مسئلہ عقل انسانی میں آئے کے یا یوں کہو کہ انسان کی سمجھ کے لائق نہ ہوتا تو انسان ہرگز اس مسئلہ پر ایمان لانے کو مکلف نہ کیا جاتا۔ کما قالَ اللہ تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا وَّکُلًّا وَسْعَہَا۔

بائی اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ وجود مصلح کا مسئلہ انسان بغیر سمجھے مان لیں یا اسن جسے اُسکو تسلیم کر لیں کہ پیغمبروں نے فرمایا ہے۔ بلکہ بائی اسلام صاف صاف انہی موجودات کی قیادتوں سے اونچے پر عینی قدرت اور فطرت کے عجائبات کو بتلا بتلا کر اور دکھلا دکھلا کر وجود مصلح پر ایمان لانے کو کہتا ہے۔

کس پیاری اور سچی زبان سے فرمایا ہے کہ ”اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ مکوٹھی سے پیدا کیا۔ پھر لب تم انسان ہو جا جا پھینٹے ہوئے۔“

”اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تھارے لیے تم ہی سا جوٹا پیدا کیا تاکلاس سے دل کو چین رہے اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی پگلاہٹ تم میں رکھی سمجھنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔“

”اُسی کی نشانیوں میں ہے آسمان زمین کا پیدا کرنا تمہاری بولیوں کا تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا اسی بات میں تمام دنیا کے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

”اُسی کی نشانیوں میں سے رات کو تمہارا سوراہا اور دن کو روٹی کے دھندے ہیں۔“

”اُسی کی نشانیوں میں سے بجلی بھی ہے جس میں کوک کا خوف اور مینہ کی طع ہے کہ

پانی برسنے سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے؟
 ”اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے تھمے ہوئے
 ہیں؟“

”اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ سیلی ہوا مینہ آنے کی خوشخبری دیتی ہے؟“
 ”وہی اللہ ہے جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو منہکاتا ہے۔ پھر تمام آسمان میں
 جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔ پھر اُس کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں
 سے بونیاں نکلتی ہیں؟“

”آسمان سے اندازہ کے موافق مینہ برساتا ہے۔ پھر اُس کو زمین میں ٹھہراتا ہے۔ پھر اُس کے
 سبب تمہارے لیے باغوں میں بہت سے میوے اور کھجوریں لے دیا کہ پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے
 ہو پہاڑ میں سے درخت اگاتا ہے جس میں سے تل نکلتا ہے؟“

”تمہارے لیے تو جانوروں میں بھی بڑی نصیحت ہے۔ اُن کی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے
 اُس کو پیٹتے ہو اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو۔ بیٹھے جانور تمہارے کھانے میں آتے ہیں۔
 جانو بھی تم کو اُٹھائے پھرتے ہیں درختیاں بھی تم کو اُٹھا کر لیجاتی ہیں؟“

”زمین پر کس حکمت سے پہاڑ بنائے ہیں تاکہ وہ تلی رہے پھر اُن میں گھاٹیاں بنائی ہیں تاکہ
 رستہ چلنے میں سہج نہ ہو؟“

”اُسی نے بنائی ہے لات اور دن۔ سورج اور چاند جو اپنے اپنے گھیرے میں پھرتے ہیں؟“
 ”تم اُونٹ ہی کو کیوں نہیں دیکھتے کہ کیسے عجیب طور سے بنایا ہے اور آسمان کو کس طرح اونچا
 کیا ہے اور پہاڑوں کو کس طرح پرکار کیا ہے اور زمین کو کس طرح پر بھجایا ہے؟“

”غرض نکلا اسی طرح جا بجا قرآن مجید میں بانی اسلام نے صانع کے وجود پر ایمان لانے کو
 تمام موجودات سے جس کو ہم دیکھتے ہیں استدلال کیا ہے اور کسی جگہ یہ بات نہیں فرمائی کہ تم
 بے سمجھے خدا پر ایمان لے آؤ؟“

”ایک جگہ فرماتا ہے کہ اگر کافروں سے بھی یہ بات پوچھو کہ آسمان زمین کس نے بنایا اور
 چاند و سورج کو کس نے تابعدار کیا تو کہیں گے اللہ نے؟“

”اور اگر اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمان پر سے مینہ برسایا جس سے مری ہوئی زمین کو پھر زندہ
 کیا تو کہیں گے اللہ نے؟“

پس مذہب سلام کا کیا سچا مسئلہ ہے کہ تمام انسانوں کو جنگلی ہوں یا پہاڑی شہری ہوں یا دیہاتی تربیت یافتہ ہوں یا نافر تربیت یافتہ۔ کسی نبی کی اُن کو خبر ہو چکی ہو یا نہ ہو پتہ نہیں ہو۔ کوئی مذہب اُن کو دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ تمام موجودات کا کوئی صانع ہے اور نہی ہے اللہ جل شانہ وجل جلالہ +

عقیدہ دوم

وہ ہستی جس کے ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اُس کے دوسری ہستی

نہیں +

تمام موجودات پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو بادی النظر میں بہکوعجیب مختلف قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسری سے کچھ تعلق نہیں۔ مگر جب بقیہ نظر ڈالتے ہیں اور بنجی سوچتے ہیں اور حقایق قدرت پر بعد رطاقت بشری واقفیت حاصل کرتے ہیں تب سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات آپس میں نہایت مناسبت رکھتی ہے اور سب کی سب ایک راہ پر چلتی ہے ایک دوسری سے ایسی مناسبت ہے کہ اگر ایک چیز بھی موجودات میں سے معدوم ہو جاوے تو اس کو کچھ دھندے میں اُتساہی نقصان آجاوے +

تمام موجودات ایسی تدبیر و حکمت و مناسبت سے موجود ہے جیسے ایک گٹھری یا گل کے مختلف پرنڈے آپس میں مناسبت رکھتے ہیں اور اس سے ہم کو اس بات کی ہدایت ہوتی ہے کہ یہ گورکھ دھند ایک ہی دانا حکیم کا لگا لگا ہوا اور ایک ہی کارِ بگر کا بنایا ہوا ہے۔ اہل عام عقل انسانی میں دلیل سے خدا کی وحدانیت پر اتوار کر سکتی ہے اس لیے اس مسئلہ پر بھی ایمان لانا اُسی طرح ہر ایک انسان پر فرض ہے جس طرح کہ وجود خالق کے مسئلہ پر ایمان لانا فرض تھا +

ماشبہ یہ مسئلہ نسبت پہلے مسئلہ کے کسی قدر زیادہ باریک ہے۔ جو لوگ کہ نیچرل فلاسفہ یعنی علم طبیعیات سے زیادہ واقف ہیں اور جنہوں نے موجودات عالم میں سے بہت سی چیزوں کی بناوٹ اور پیدائش اور پھر اُن کے انقلاب کا بعد رطاقت بشری علم حاصل کیا ہے اُن کا یقین اس مسئلہ پر سب زیادہ پختہ اور متحکم ہے۔ اور اُن سے کم درجہ کے لوگوں کو خود کسی قدر غور و فکر کی حاجت مہتی ہے اور اُس سے اونٹے درجہ کے لوگ دوسرے کی تنبیہ سے مستنبط ہوئے اور کسی سے اُس کا بیان سُنانے کے متعلق ہوتے ہیں مگر یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ عام عقل انسانی کی سمجھ سے باہر ہو

تحقیقات کامل سے خواہ خود سوچنے سے یا کسی کے سمجھانے سے انسان اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر ایمان لانا بوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسانوں پر فرض ہے۔ بانی اسلام نے بھی اس مسئلہ کو کارخانہ قدرت کی دلیل سے سمجھایا ہے اور کسی جگہ بغیر مجھے ایمان لانے کو نہیں فرمایا۔

ایک جگہ فرمایا ہے: ”اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمان و زمین میں ہے اور جو اُس کا ہے ریا اُس کے پاس ہے“ اُسکی اطاعت سے نہ خوف ہوتا ہے اور نہ ٹھکتا ہے۔ رات دن اُسی کی بزرگی یاد کرتا ہے اور ذرا بھی سُستی نہیں کرتا۔ کیا اُنھوں نے زمین کی چیزوں میں سے کسی کو خدا ٹھہرایا ہے۔ اگر آسمان زمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا۔ ایک اور مقام پر بانی اسلام نے اس سے بھی زیادہ فصیح و موثر زبان سے نیچے سے خدا کی وحدانیت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ کس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور کس نے برسیا تھا اُسے اُسے مینہ۔ پھر اُس سے نہایت پُر رونق باغ اُگائے۔ تھو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟

دکس نے زمین کو تھامے رہنے کی جگہ بنایا اور کس نے اُسکے جمپیں نہیں بہائیں اور کس نے اُس پر پہاڑ گاڑے اور کس نے دو سمندر مل کے جمپیں میں کا پرہ پیدا کیا۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟

دکون تھو نہ دھیرے جنگلوں میں اور سمندریں تہہ بتاتا ہے۔ کون مینہ برسنے سے پہلے اپنی موبائی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے اگر تم سچے ہو تو اُسکی دلیل لاؤ۔

پس دیکھو کہ کس طرح بانی اسلام نے توحید کا مسئلہ صرف کارخانہ قدرت کی حکمت اور اُسکی سبقت سمجھ کر انسانوں کو سمجھایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خواہ مخواہ بے سمجھے خدا کو ایک ٹان لوار جبکہ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ ہر ایک انسان اسکو سمجھ سکتا تھا اس لئے بانی اسلام نے تمام انسانوں کو اس مسئلہ پر ایمان لانے کا مکلف کیا اور کہہ دیا کہ تعالیٰ اللہ عما یشہر کون۔

ہاں بیشک ایک شبہ اس پر وارد ہوتا ہے کہ اس تمام کارخانہ قدرت سے جو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ خیال مٹ نہیں سکتا کہ کیا عجب ہے کہ مثل اس کارخانہ قدرت کے کوئی اور کارخانہ قدرت ہو جسکو اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور اُس کارخانہ قدرت کا ایسا ہی کوئی اور مسئلہ ہو۔

علت العلل اور موجود بالذات اعلیٰ و اعلیٰ ہو جیسا کہ اس کا رخاۃ قدرت کا ہے تو پھر توحید خدا کی کس طرح پر ثابت ہوگی؟

ہم اس شبہ کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ ایک خیالی شبہ ہے جو رفع نہیں ہو سکتا مگر اسلام اور ایمان کی بنیاد خیال پر نہیں ہے۔ فلسفہ اور عقلیہ مباحث کو جو حالت فرضیہ غیر وجود سے ہوتی ہیں یقین سے اور ایمان سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مولانا روم نے اس کے حق میں نہایت خوب فرمایا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود

پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یقین کے لئے ضرور ہے کہ مترض اول اس بات کا یقین دلانے کے لئے حقیقت ایسا ہی دوسرا کارخانہ قدرت موجود ہے اور اس وقت کہے کہ خدا کی توحید ثابت نہیں مگر وہی و فرضی باتوں سے خدا کے متحدہ ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مذہب سلام کی رو سے انسان کو صرف ہسی بات کا یقین کہ تمام چیزوں کا جن کو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور جو وجود پذیر ہیں ان سب کا خدا ایک ہی ہے کافی اور وافی ہے اور اس قدر پر انسان مکلف ہے۔ منابر والحمد لله علی ذلک۔

عقیدہ لاسو

متعلق بہ صفات باری جل جلالہ

وہ ہستی جس کو ہم خدا یا علامہ العلل کہتے ہیں نہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے۔ چھونے میں اور خیال میں۔ تو ہم بجز اتنی بات جاننے کے کہ ہے اور کچھ حقیقت اس کی ذات کی نہیں جان سکتے۔ خدا بھی تو اپنی ذات کی حقیقت ہم کو نہیں بتا سکا۔ موسیٰ نے پوچھا کہ فرعون کے پاس تیرا پیغام لیکر جاؤں تو کیا بتاؤں کہ تو کون ہے تو یہی جواب ملا کہ میں وہی ہوں جو ہوں۔ پس حکیم ہم ایک ذات کی حقیقت نہیں جان سکتے تو اس کی صفات کی حقیقت بھی نہیں جان سکتے بلکہ وہ حقیقت اس کو کسی صفت کا محل نہیں قرار دیتے۔

تمام صفات جن کو ہم خیال کر سکتے ہیں وہ سب صفات ہیں جو مجھے بلحاظ ان چیزوں کی حالتوں کے جن کو ہم دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں یا سن سکتے ہیں یا سننے میں یا سمجھتے ہیں یا خدا کیے ہیں مگر جب

وہ ہستی باری ان سب حُسنوں سے اوپر ہے تو ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ وہ صفات اُس میں بھی ہیں یا وہ اُن صفات کا محل بھی ہو سکتی ہے اس لیے تمام صفات جو خدا کی طرف نسبت کی جاتی ہیں اُن کو یوں کہا جاتا ہے کہ وہ صفات تو اُس میں ہیں مگر ویسی نہیں ہیں جیسے کہ ہم جانتے ہیں یعنی جو حقیقت اُن صفات کی ہننے موجودات عالم سے اخذ کر سہجی ہے وہ حقیقت اُن صفات کی نہیں ہے جو اُس میں ہیں اور یہ کہنا ہمارا صاف صاف یہی کہنا ہے کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے +

خدا کو بات پاؤں والا۔ مومنہ والا۔ بولتا۔ چلتا۔ پھرتا۔ سنتا۔ دیکھتا۔ کرتا۔ کرتا۔ جیتا۔ جاگتا۔ خوش ہونی والا۔ خفا ہونی والا۔ سب کچھ کہتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے سے ہاتھ پائوں۔ ہمارا سامونہ۔ ہمارا سا بولنا۔ ہمارا سا چلنا پھرننا۔ ہمارا سنا دیکھنا۔ ہمارا سا کرنا کرنا۔ ہمارا سا جیتنا جاگنا۔ ہمارا سا خوش اور خفا ہونا نہیں ہے۔ مگر جب پوچھو کہ اگر ویسا نہیں ہے تو پھر کیسا ہے تو جواب یہی ہو گا کہ ہم نہیں جانتے۔ بات کا تو بہت اُلٹ پھیر ہو اگر نتیجہ یہی نکلا کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے +

صفات باری کا اُس کی نسبت یقین کرنا اس یقین سے نہیں ہے کہ حقیقت وہ صفات ہیں جس طرح ہم اُن کو جانتے ہیں اُس میں ہیں یا وہ اُن کا محل ہے بلکہ وہ یقین اس وجہ سے ہے کہ ایسی ذات کو جو علتِ اعلیٰ ہے ان صفات کے مشابہ صفتوں کا موصوف یا ان صفات کی مانند قندلوں پر قادر ہونا لازم ہے کیونکہ بغیر اُن کے وہ علتِ اعلیٰ نہیں ہو سکتی جس کا علتِ اعلیٰ ہونا تسلیم کیا جتا +

زندگی اور موت دو صفتیں ہیں جن کے مفہوم کو ہم نے جاندار چیزوں کے حالات سے اخذ کیا ہے پس یہ یقین کر سکتے ہیں کہ اُس زندگی یا موت کا جس کو ہم جانتے ہیں خدا محل ہو جتا ہے یا اینہم ہم اُس کو حیّ الایموت کہتے ہیں۔ دہریوں نے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اُن لفظوں کو جو صفات باری کی نسبت بولے گئے ہیں انہی مفہومات کا دال سمجھ لیا جو انہوں نے موجودات کے حالات سے اخذ کیئے تھے اور پھر اُن صفات کے منکر ہو کر کہنے لگے کہ ہم کیونکر یقین کریں کہ صفتِ قدرت کی یا رحم کی اُس میں ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم کب یقین کرتے ہیں اور ہم کب اُن صفتوں کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس کو محل قرار دیتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جن صفتوں کو ہم جانتے ہیں اسی ہی کچھ اُس علتِ اعلیٰ کی ذات کو لازم ہیں اور اسی لیے اُس کے لازم ذاتی

ہونے پر یقین ہے اور جو کہ ذات اور لوازم ذات عین ذات ہوتے ہیں اس لئے ہم اُسکی صفات کو عین ذات اور اُسکی ذات کو عین صفات قرار دیتے ہیں اور اسی بنا پر یہ ترانہ گاتے ہیں کہ ”انا صفة من صفات اللہ وصفاتہ عینہ فاما عینہ“ اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ ”لبس فی جبتي هو اللہ“ اور جب اور زیادہ کمول کر کنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ ”انا احمد بلا ميم“۔

عشق گرد داست مردی بر سر کار آورد
دند چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد
گر سہی خواہد کہ وصف ذات خود ثابت کند
یک انا الحق گوئی دیگر بر سر دار آورد
یوسف یعقوب را بردن بہ بازارش چو شود
مرد عشقے ہجو احمد را بہ بازار آورد

غرض کہ ہم تمام صفات کو یا بطور ایجاب یا بطور سلب ذات باری کی طرف نسبت کرتے ہیں اُس میں اُن صفات کے ہونے اور نہ ہونے کا بھی یقین کرتے ہیں مگر نہ اس وجہ سے کہ وہ اُن کا محل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہم اُن مفہومات کے من حیث الاطلاق لوازم ذاتی علتہ اعلیٰ کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ بالاسنہ جس طرح ہم اُسکی ذات کی حقیقت کو نہیں جانتے اسی طرح اُسکی صفات کی حقیقت کو بھی نہیں جانتے۔

بانی اسلام نے بھی اُن کی حقیقت کا جاننا ہمارے ایمان کا جزو نہیں قرار دیا بلکہ خود اُس نے اُن کی حقیقت کو کچھ نہیں بتلایا۔ غفور رحیم۔ قادر۔ حی۔ لایموت بتایا اور اس بتانے سے اُسکی ذات کا اُن کا محل ہونا لازم نہ آیا تو ایسا خیال کرنا خود ہماری غلطی ہے۔ خدا کے ساتھ جن مفہوم کو ہم بتاتے ہیں گو اُن کے مفہومات تو موجودات کے حالات سے اخذ کیے ہوئے ہیں مگر خدا کی طرف من حیث الاطلاق نسبت کرتے ہیں بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہیں تاکہ صرف مفہوم ہی مفہوم باقی رہ جاوے اور اسی لئے جب کسی صفت کو کہتے ہیں کہ ہے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی نہیں ہے۔

یہ ایک بحث عام صفات باری کی نسبت تھی اور آئندہ ہم مقررہ ہر ایک صفت کی نسبت خاص خاص بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

خط

از طرف احمدیہ

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نرپور

نسبت طيور منقہ اہل کتاب

میرے عزیز مہدی سینے اپنا وعدہ پورا کرنے میں عین عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کی نسبت آپ کو خط لکھنے میں بہت توقف کیا۔ آپ مجھے معاف کریں۔ اب میں اس معاملہ میں آپ کو خط لکھتا ہوں اور اپنا وعدہ تیسرا خط لکھنے کا پورا کرتا ہوں۔

میں نے آپ کی تحریرات کو اور آپ کے محاکمہ منصفانہ کو جو رسالہ احکام طعام اہل کتاب اور امداد الاحساب پر آپ نے ارقام فرمایا اور نیز ایک نامی رسالہ ذیل الاولام کو جسے میرے قدیم شفیق مولوی محمد علی صاحب نے نہایت خوبی اور متانت سے تحریر فرمایا ہے بغور دیکھا۔ ان تمام تحریروں میں جو باتیں اوپر اوپر کی امداد ہر ادھر کی ہلم ڈولم تحریر ہوئی ہیں ان کی نسبت لکھنا آپ بھی غیر ضروری سمجھتے ہوں گے اور جو اصل بات اس مسئلہ میں ہے اسی کو لکھنا بہتر خیال فرماتے ہوں گے۔ اس لئے میں اس خط کو مثل مباحثہ کرنے والے اور رد و قیاس کرنے والے کے نہیں لکھتا بلکہ صرف اصل مطلب ہی کی تحریر پر قناعت کرتا ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقی حقیقی معاشرہ کا مارج ہو۔ مگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی نہ کھاوے اور اس کو حرام سمجھے چشم مار و شن دوسری رکابی کا کھانا نوش فرماوے ہم بھی اس کو محتاط کہیں گے اور اس کے فعل کو اولیٰ سمجھیں گے۔ ان گھیزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضرور نہیں ہے کہ جو چیز سامنے آوے خواہ نواہ اس کو کھا ہی لے پس ایسی حالت میں اس مسئلہ میں زیادہ بحث کرنی کچھ بھی ضرور نہیں ہے مگر جو کہ یہ بات کسی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص منصوص قرآنی کے برخلاف کیا اور کہا اس لئے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیقات کرنا کہ

پرنہ مخنف کی حرمت بموجب آیت مستدر کے مخصوص قرآنی ہے یا نہیں کافی اور وافی ہوگا +
 میری تحقیق یہ ہے کہ پرنہ مخنف کی حرمت باستدلال آیت مستدر مخصوص قرآنی نہیں ہے
 وہ آیت جس میں مخنف کا ذکر ہے یہ ہے حرمت علیکم المیتۃ ولحم الخنزیر وما اهل
 لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع لاما ذکیم وما ذبح على
 النصب وان تستقسموا بالانزالام ذلکم فسق۔ اب غور کرو کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں
 المنخنقة۔ الموقوذة۔ المتردية۔ النطيحة۔ ان چاروں میں حرف تاء فوقانی موجود ہے
 اور ہکو بموجب محاورہ زبان عرب کے اس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ تے کس قسم کی ہے
 اور جو کہ کسی دوسری آیت قرآن مجید سے قسم تے کا تعین جو کلمہ مخنف میں ہے نہیں پایا اسلئے
 ہکو اپنے اجتہاد سے اس کا تعین کرنا پڑتا ہے پس اب ہم اس تے کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی
 جانور کی حرمت کا مسئلہ اس سے نکالیں اسکی حرمت مخصوصہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تے
 اس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہ ہو +
 مثلاً ہم قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تاء تانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسروں نے
 بھی قرار دیا ہے۔ پس اس حالت میں بموجب محاورہ زبان عرب کے ضرور ہے کہ یہ چاروں لفظ
 صفت ہوں گی موصوف محذوف ہونٹ کے +

اب ہم کو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوف ہونٹ محذوف کون ہے جس کو ہم قرار دیں۔ چار
 جس کو قرار دیں اسکی حرمت نسبت اس آیت سے نکلیگی مگر اس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ
 مخصوصہ کیونکہ ہم نے دو باتوں کو یعنی قسم تے کو اور موصوف محذوف کو نص قرآنی سے نہیں
 بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قایم کیا ہے۔ امام فخر الاسلام رازنی فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف ہونٹ
 محذوف (شاة) ہے کہ وہی شہر کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانوروں چرند و پرند کی
 حرمت کا اس پر قیاس کیا جاتا ہے۔ قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے۔ اس حالت میں اس مرغی کی حرمت
 دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر مخصوص اہلّت سے قرار پایو گی نہ نص قطعی سے +

مگر امام صاحب نے ناحق شاة کو موصوف ہونٹ محذوف مانا ہے۔ ہم ان کو اس سے بھی علیحدہ
 موصوف ہونٹ بتاتے ہیں جن میں تمام مخنفہ جانوروں کی حرمت آجاتی ہے اور بحری کی حرمت پر
 باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہیں رہتی اور وہ موصوف ہونٹ محذوف نفس۔ ہے
 پس فقیر کلام یہ ہوگی کہ حرمت علیکم النفس المنخنقة الخ اور اس میں تمام مخنفہ جانوروں

کی حرمت یہاں تک کہ پھیلی اور ٹنڈی کی بھی داخل ہو جاوے گی اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے تبھی مرغی کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاوے گی نہ نص قطعی سے +

اب ہم اس نئے کوتاہ تائید نہیں قرار دیتے بلکہ تا نقل و تجویل قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب تفسیر ضیاء دی نے قرار دیا ہے اور جو کہ یہ تے صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لیے کسی صوف مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی اور جیسا طلاق منخنة اور تردید وغیرہ کا ہوگا اسکی حرمت اس آیت سے ثابت ہوگی مگر اسکی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف تا کو تا نقل قرار دینے سے ہوگا نہ نص صریح قطعی سے۔ فتدبر +

انبیائے کتساہوں کہ میرے نزدیک ان چاروں کلموں میں تا تا تائید ہے اور موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے بمعنی مویشی یا چوپایہ یا چرند کے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ حرمت علیکم البھیمة المنخنة والبھیمة الموقوذة والبھیمة المتزیدة والبھیمة النطیحة پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں +

خود قرآن مجید سے بوجہات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بہیمہ ہے اقول یہ کہ خود قرآن مجید میں اسی آیت کے قبل شروع سورۃ میں خدا نے فرمایا "احلت علیکم البھیمة الانعام الامایتی علیکم" یعنی حلال ہوئے تمہارے لیے چوپائے مویشی مگر وہ جو آگے بتاویں گے پس اس کے بعد جو حرام جانور با شمارہ صفت مؤنث بتائے وہ خود خدا کے فرمانے سے اسی استثناء کی تفصیل میں جن کی نسبت فرمایا تھا الامایتی علیکم نہ آؤ کسی کی اور موصوف مؤنث محذوف بھی وہی بہیمہ ہے جس کی نسبت اوپر فرمایا تھا کہ احلت علیکم البھیمة الانعام پس اگر انصاف سے بغیر تعصب و بغیر ان خیالات کے جو تقلیداً بغیر تحقیق کے دل میں بیٹھ گئے ہیں دیکھو تو خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے نہ امام ربانی صاحب کی بکری اور نہ ہماری تمہاری لکڑی۔ اب کو شخص خاص ہے جو اپنی دلی سچائی سے اس بات پر کہ اس آیت میں پرند داخل ہیں دلی یقین کرتا ہو گا تو تقلیداً خواہ تعصباً اسکو موصوف سے نہ نکالے گا

دوسرے یہ کہ منجمد صفات چارگانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں اخیر دو صفتوں سحر و معنی اوپر سے گر کر مرجانے اور طرح یعنی ٹرتے میں سینک کی چوٹ سے مرجانے کی صفت کے سوائے بہیمہ یعنی چرند کے پرند میں تحقق ہی نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا۔ وقد۔ یعنی لکڑی سے یا لٹھ سے یا آؤ کسی چہچہے مار ڈالنا۔ اگرچہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے زمانہ کی تاریخ

اور جنگی قوموں کے حالات سے اور غوغا و عرب کے بیابان کے رہنے والوں کی عادات سے وقف
ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح پرشکار ہوتا تھا کہ اُن کو گھیر کر لٹھوں سے
مار ڈالتے تھے نہ پرندگا۔ پس صفت بھی حقیقت مخض بہایم سے ہے نہ پرند سے۔ اب بحث طلب
را خلق یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔ اگر یہ فعل پرند کی نسبت بھی شاید ممکن ہے مگر عرب میں
چوپاؤں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا رواج تھا جس کی حرمت میں یہ ریت نازل ہوئی پس نہایت افسوس
ہے کہ انسان اپنے خیالات کے پھندے میں پڑے اور احکام الہی کے منشا اور مراد کو نہ
سمجھے +

امام شافعی رازی صاحب کبیر میں لکھتے ہیں کہ واعلم ان المنخنقة علی وجہ
منہا ان اهل الجاہلیۃ کانوا یخنقون الشاة فاذا ماتت اكلوها ومنہا ما یخنق
بمحبل الصائد ومنہا ما یدخل راسہا بین عودین فی شجرة فتحنق فتموت ثم یس
اس سان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام آیت میں مذکور ہیں وہ بہیمہ کی نسبت ہیں نہ پرند
کی اس لئے اس آیت سے ظہور منخنق کی حرمت منصوص نہیں ہے البتہ ممکن ہے کہ قیاسی جوہ
اس تقریر پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اس استثناء کی تفصیل ہے جس کا ذکر لاکھا
ما یتلی علیکم میں ہے تو یہ آیت من اولہا الی آخرہا بہیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہوگی
پھر کلمۃ میتۃ - ودم - وما اهل لغیر اللہ - وما اکل السبع - وما ذبح علی النصب سے
کیوں حرمت پرند و پرند کی لجاتی ہے چاہیے کہ وہ بھی مخصوص بہیمۃ الانعام میں +

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے گو محل خاص ہو اسلئے بسبب
اپنے مفہوم عام ہونے کے چند و پرند دونوں کو شامل ہیں۔ برخلاف منخنقة و موقوذة - و
موقودیۃ و نطیحة کے کہ سبب صفت ہونے ایک توصف محذون کے ذراں کا مفہوم عام
ہے اور نہ محل عام ہے اس لئے وہ سوائے جنس متشتمل منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہو سکتی اور
ایسے ظہور منخنقة اہل کتاب کو آیہ کریمہ و طعام الذین ادنوا الکتاب حل لکمر نے ہمارے لئے
حلال کر دیا ہے +

اگرچہ میں نے چاہا تھا کہ جو کچھ اس باب میں میری تحریر کی نسبت لوگوں نے لکھا ہے اور جو
غلط نہیاں میری تحریر کی نسبت کی ہیں یا جو مسامحہ کسی تحریر میں خود مجھ سے ہو ہے اور جو غلط
استدلال توہدیت مقدس سے اس معاملہ میں لوگوں نے کیا ہے اُس سب کو بالتفصیل لکھتا مگر صبا کہ

میں نے ابھی اتنا ہی کیا صرف اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آیت مذکورہ حرمت طہور منفقہ کو شامل نہیں ہے پس اسکو منصوص کنا صحیح نہیں۔ البتہ قیاسی غیر منصوص اعلت ہونا ممکن ہے فن یشاء یسلمہ ومن یشاء لا یسلمہ عیسائی مذہب کے بموجب جیسا کہ ان کے رہبان اوقیس قبل نزول قرآن مجید سے سمجھتے آتے تھے طہور منفقہ حرام نہیں ہیں اور اسکے لائل عیسائی مذہب کی کتب دینیہ میں مندرج ہیں۔ پس جبکہ عیسائی وہ فعل مطابق اپنے مذہب کے کرتے ہیں تو باسئلال وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ہا سے لیے حلال ہے میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیے میرا یہ اجتہاد کافی ہے۔ دوسرا شخص خواہ اسکو صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر آپ سے اتنی بات اور کہنی چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو خوب ٹٹو کہ کہیں یہ تمہارا اختلاف میرے ساتھ اتنی تقلید کا اثر تو نہیں ہے جس سے انسان قبل تحقیق ہر ایک بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ انہی میں اس نیاز نامہ کو ختم کرتا ہوں اور اگر کبھی دل میں آیا تو ابوداؤد کی حدیث کی نسبت بھی آپ کو خط لکھوں گا۔ والسلام +

جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنی

ایک شخص نے انگریزی بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ ایک نیک شخص نے اسکو نہایت برا جانا اور کہا کہ مجھے خوف کے مارے پسینا آگیا پس ہم کہتے ہیں کہ یہی باتیں اوام مذہبی ہیں اور سواس میں داخل ہیں۔ جوتا پہن کر نماز پڑھنی سنت ہے اور اسپر غصہ ہونے کا گمان کرنا وسوسہ میں داخل ہے۔ صرف اتنا دیکھ لینا چاہیے کہ کوئی نجاست ظاہری اس میں لگی ہوئی نہ ہو اور اگر ہو تو اسکو سخت چیز سے یا زمین سے رگڑ ڈالے اور پہن کر نماز پڑھ لے۔ انگریزی جوتہ بہ نسبت ہندوستانی جوتہ کے یا عرب کی نعلین کے بہت زیادہ صاف بہتا ہے اس لیے کہ ان جوتوں کا تمام تھلا زمین پر لگتا ہے اور انگریزی بوٹ کی اٹری بہت اونچی ہوتی ہے اور اس سبب سے بہت کم زمین میں لگتا ہے +

اس امر کی نسبت شیخ امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر عرف ابن قیم نے اپنی کتاب افاتہ اللہ خان فی مصاید الشیطان میں بہت بڑی بحث کی ہے اور اس کتاب کی تلخیص مشام بن یحییٰ شامی نے کی ہے اور اس کا نام تہذیب الشیطان بہ تقریب افاتہ اللہ خان رکھا ہے۔ اس میں بھی وہ تمام بحث نقل کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ مولوی محمد احسن صاحب نے

جو اس غلام کے مولویان نامی ہیں سے ہیں اردو زبان میں کیا ہے اور تہذیب لایا میں اس کا نام رکھا ہے اور اس کے ہجری میں مطبع صدیقی بریلی چھاپہ ہوا ہے چنانچہ ہم اس مقام کو بھنسنے اس جگہ نقل کرتے ہیں +

انہوں نے اپنی کتاب میں بہت وسوسوں کا جو انسان کو مذہبی باتوں میں ہوتے ہیں کر کیا چنانچہ دیکھتے ہیں کہ منجملہ ان کے یہ ہے کہ مونہ اور جوتے کے نیچے جب نجاست لگ جاتی ہے تو اسکو زمین سے رگڑنا مطلقاً کافی ہے اور اسکو پہن کر حدیث صحیح کی رُو سے نماز درست ہے امام احمد نے اسکی تصریح کی ہے اور ان کے محقق یاروں نے اسکو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابوالبکرات کہتے ہیں کہ روایت مطلق رگڑ ڈالنے کی میرے نزدیک صحیح ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ان حضرت صلعم سے راوی ہیں کہ اپنے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہن کر ناپاکی پر کو چلے۔ تو مٹی اس کے واسطے پاک کر نیوالی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنے مونہ سے ناپاکی کو پامال کرے تو مونہ کو پاک کر نیوالی مٹی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابو داؤد نے بیان کیا ہے۔ اور ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی۔ پس اپنی جوتیاں نکالیں۔ لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں نکال دیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا اناریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ جوتیاں نکالیں۔ ہم نے بھی اناریں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریلؑ نے آکر خبر دی کہ ان میں ناپاکی ہے۔ تو جب تم میں سے کوئی مسجد میں آوے تو چاہئے کہ اپنی جوتیوں کو الٹ کر دیکھے۔ اگر ان میں کچھ خبث یعنی ناپاکی ہو تو اسکو زمین سے رگڑے۔ پھر ان سے نماز پڑھے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اسکے معنی جو یہ کہتے ہیں کہ ناپاکی سے غرض مکروہ چیزیں میں مثل زینت وغیرہ پاک اشیاء کے تو یہ تاویل کئی وجہ سے درست نہیں قول تو یہ کہ اس طرح کی چیزیں خبث نہیں کہلاتیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے وقت ان اشیاء کے پہنچنے کا حکم نہیں کیونکہ ان سے نماز نہیں جاتی۔ تیسرے یہ کہ ان کے لئے نماز میں جوتیاں نہیں اتارنی چاہئیں اس لئے کہ یہ کام بے ضرورت ہے ادنیٰ بات ہے کہ مکروہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ روایت دارقطنی کی ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول مقبول صلعم نے یہ فرمایا کہ جبریلؑ نے میرے پاس آکر خبر دی کہ ان میں خون حملہ کا ہے جو بڑی قسم کی گلنی ہوتی ہے اور میں جسے کہ جلتی ایسی جگہ ہے کہ اکثر نجاست اسکو بہت دفعہ پہنچتی ہے تو نزع مہر کے لئے سخت حسینہ سے اس کا کل ڈالنا کافی ہے +

بعد اس کے انھوں نے یہ بات لکھی ہے کہ ”جو تیاں بہن کرناز پڑھنے سے وسوسوں کا دل خوش نہیں ہوتا حالانکہ یہ سنت رسول خدا صلعم اور ان کے اصحاب کی ہے فعل اور حکم دونوں کے اعتبار سے۔ انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آن حضرت صلعم اپنی جوتیوں سے نماز پڑھتے تھے اور شہاد ابن اوس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بیویوں کے خلاف کر دو اپنے موزوں اور جوتوں سے نماز نہیں پڑھتے روایت کیا ہے اسکو ابو داؤد نے“ +

اس تمام تحقیقات سے جواہرِ قیم نے کی ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جوتی پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنا ایک عام عادت تھی۔ مگر اس زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان میں مسلمانوں نے اس بات کو اپنی غلطی سے میوب سمجھ لیا ہے +

مسئلہ چہر اختیار

خط بنام ستید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی

خاں صاحب بہادر خیر خواہ مسلمانان۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور توفیق رفیق الہی ہمیشہ عطا کرے +

ستید محمد حسن نایب تحصیلدار صدر تحصیل الہ آباد بعد اشتیاق و ادائے رسم سنت نبی علیہ السلام عرض عاید کرتا ہے کہ اس عرض کے ساتھ ایک پرچہ جو عدم ثبوت نبوت اور کتاب خدا پر ہے آپ کی خدمت میں اس عرض سے بھیجتا ہوں کہ در دلی کے ساتھ جو عام مسلمانان کی طرف سے آپ کے لئے ہے جو اب لکھ کر مجھے عنایت فرما دیں مگر واضح رہے کہ مختصر صرف وصیت باری تعالیٰ اور اس کے قائل ہونے کا قائل ہے جو کچھ اس کے جواب میں بحث کیا جائیگی من حیث العقل یا نقل کتب تواریخ البرت ہو۔ چونکہ آپ سے بہتر میری دانستہ نہیں ہے جواب اس کا مقول اور شکست نہیں دے سکتا لہذا بھیجتا ہوں۔ معروضہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۸۹ ہجری مطابق ۱۰۔ فروری ۱۹۰۷ء منقہام صدر تحصیل الہ آباد +

سوال

مجھ کو بڑا اعتراض ہے کہ خدا نے نبی و پیغمبر کیوں پیدا کیے اس کے جواب میں اہل غیب

بہت کچھ قول طویل بیان کرینگے مگر شاید اُس طوالت کا نتیجہ یہ نکالینگے کہ نبی صرف اس کام کے واسطے پیدا کیئے گئے ہیں کہ مخلوقات پر خدا کی وحدت ظاہر کریں اور اُنکی عبادت پر آمادہ کریں اور نیک بد کی تمیز بتلا دیں کیونکہ وہ نبی جو ہدایت کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے دوزخ و بہشت بھی پیدا کیئے ہیں۔ جو لوگ خدا کو پہچانتے ہیں سوائے اُس کے دوسرے کو اپنا خالق نہیں جانتے اور اُنسی کی عبادت کرتے ہیں اور بدی سے نفرت اور نیکی سے رغبت کرتے ہیں وہ بہشت میں جاوینگے اور جو اُس کے خلاف کرتے ہیں بہشت میں نہ جاوینگے۔

پس ضرور ہے کہ اگر خدا نے انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ بعد مرنے کے اپنے افعال کی سزا یا جزا پاوے تو یہ ضرور ہے کہ اُس نے انسان کو فعل مختار پیدا کیا ہوگا مگر مسلمانوں کے کلامِ متہ سے تو انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کلامِ اللہ میں شروع آیت سے سورہ بقرہ میں لکھا ہے۔ "ان الذین کفرو اسواء علیہم عانذرتہم لام لم تنذرہم ولا یؤمنون۔ ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم" (سورہ بقرہ) یعنی وہ لوگ جو کافر ہیں اُن کے لیے برابر ہے ترخیصت دے یا نہ دے وہ ایمان نہ لائینگے خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ بڑے عذاب میں پڑینگے۔ من یرہدی اللہ فہو المہتد ومن یضلل فاؤلئک ہم الخسران ولقد ذمنا لہم کثیرا من الجن والانس (سورہ اعراف) یعنی جسے خدا ہدایت کرتا ہے راہ پا دیگا اور جنہیں خدا گمراہ کرتا ہے وہ لوگ ہلاک ہونگے تحقیق کہ ہم نے بہتوں کو جنوں اور انسانوں میں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اب کئی وجوہات سے انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ خدا نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وعدہ کرچکا کہ وہ بڑے عذاب میں پڑینگے۔ دوم یہ کہ اُس نے بخصوص بہت آدمی جن و انس میں سے دوزخ کے لیے پیدا کیئے ہیں تو اُن کے سوائے جو باقی رہے وہ جنتی ہیں اب نبی کیوں پیدا ہوئے جو خوفِ بعدِ مردن تھا وہ طے ہو گیا کہ جن کو خدا نے دوزخ کے لیے بنایا ہے وہ دوزخ میں جاویں گے جن کو بہشت کے لیے وہ بہشت میں اب نبی کیا ہدایت کرینگے۔ تیس کہتا ہوں کہ خدا نے ایک شخص کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اب نبی اُس پر کیا ہدایت کریگا وہ نبی کی ہدایت سے بہشت میں تو جانے سے راہ اگر بہشت میں جاوے گا تو پھر خدا کا وعدہ مجھوٹا ہوا جاتا ہے اور اگر صرف جنتی آدمیوں کے لیے نبی پیدا ہوئے ہیں تو اُن کو نبی کیا ہدایت کرینگے۔ وہ تو قطعی جنت کے واسطے

پیدا ہوئے ہیں جو فعل چاہیں سو کریں اگر وہ کوئی فعل بد کرتے - ہیں اس سبب سے وہ جنت کے لائق نہیں ہے۔ دوزخ کی ان کے لئے ضرورت ہوئی اور کس اُمید پر اپنے نبی کی اطاعت کیلئے کیونکہ اگر اطاعت کریں گے تو بہشت میں جاویں گے۔ مگر کیونکہ دوزخ میں جاویں گے خدا نے تو ہمارے واسطے یہی کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب وہ بہشت و دوزخ کے واسطے مخصوص آدمی پیدا کر چکا تو پھر نبی کو یہ حکم کیوں دیا کہ جو ایمان نہ لائے اُس کو قتل کرو اور گھر بار لوٹ لو۔ اس سے خدا کا ظلم ثابت ہوتا ہے اور جب نبی کو حکم قتل کا فرما دیا گیا تو پھر نبی نے چار چار پانچ پانچ ہزار جزیرہ معین کر کے کافروں کو کیوں چھوڑا اگر حکم خدا یہ جزیرہ لیکر کافروں کو چھڑے گا تو خدا لالچی ٹھہرا روپیہ کے مقابلہ میں ایمان کو کچھ نہ سمجھا اور اگر نبی نے اپنی رائے سے یہ حکم دیا تو خدا کی عدول حکمی کی اُس کی بات کو قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

اب آیات مذکورہ سے خدا کا بڑا ظلم ثابت ہوتا ہے جبکہ اُس نے خود انسان کو مخصوص واسطے بہشت اور دوزخ کے پیدا کیا تو پھر نبی بھیج کر بدستی قتل کروایا۔ گھر لٹوایا۔ اُن کی عورت کو فوج مسلمانان کے ہاتھ سے بے حرمت کروایا ظلم تو اُس نے خلائق پر کروایا دوسرا ظلم اُس نے اپنے نبی پر کیا وہ یہ ہے کہ نبی نے اُسکے حکم سے کافروں کو قتل کیا تھا۔ مگر اُس نے اس خون کا بدلہ نبی سے یوں لیا کہ اُن کے نواسہ امام حسین کو ظالم اور کافروں کے ہاتھ سے جو بھیر ایمان لائے تھے قتل کروایا۔ اُن کی عترت کو در بدر شہر نشہر بے عزت و بے حرمت کروایا۔ پس خدا نے اپنی خلائق کا دوست ہے نہ اپنے دوست کا دوست ہے۔ میں تو یقین نہیں کرتا کہ فیصل خدا کے ہیں۔ خدا کا یہ کام نہیں کہ ایسے ظلم کرے۔ خدا تو واحد ہے اور جیم ہے اُس نے اگر نبی پیدا کیے ہوں گے تو صرف خلائق کی ہدایت کو نہ کہ واسطے ظلم کے۔

سائل
محمد حسن

جواب

مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ سوال نظر تحقیق ایک مسئلہ کے پیش کیا ہے۔ جس کا حل میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کسی نے نہیں کیا جس سے معترض کے دل کو تشفی ہو جاوے۔ مگر قبل تحریر جواب کے دو تین باتیں بطور تمہید کے عرض کیا چاہتا ہوں۔ تمہید اول یہ کہ یہ بات مسلم ہے کہ خدا علل جمیع کائنات کا ہے۔ پس اگر تمام حوادث و

واقعات اور افعال کو جو مخلوقات سے ہوتے ہیں خدا اپنی طرف نسبت کرے اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ میں نے کیا تو یہ نسبت بالکل صحیح و درست ہے اور ایسی حالت میں جبکہ ایک گروہ انسانوں کا یہ سمجھتا ہو کہ خالق خیر و برادر اور خالق شر و اصرار ہے اور ان کا مذہب اُس نیکستان میں بھی پھیل گیا ہو جہاں اُن غلطیوں کا اصلاح کرنیوالا پیدا ہوا ہو تو اس بار کی حقیقت کو کہ تمام چیزوں کی علت اعلیٰ صرف ایک ہی ذات ہے بار بار بیان کرنا اور ہر دم یاد دلانا نہایت ضرور ہے ۔
مگر مجبور اس کہنے سے جو صرف سبب علت اعلیٰ ہونے کے کہا جاتا ہے فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا :

مجھے ایک شخص کو نشانہ لگانا سکھایا۔ اب وہ جس جس کو مارتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے مارا مگر صرف اس کہنے سے یہ بات کہ قاتل کو مقتولین کے قتل پر عینے مجبور بھی کیا تھا۔ لازم نہیں آتی ۔

تمہید دوم۔ وہ علت اعلیٰ اپنے معلومات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جبکہ ہم تقدیر کہتے ہیں یعنی ہمارے تحقیق میں علم باری ہی کا نام تقدیر ہے پس اگر وہ علت اعلیٰ اپنے معلول کی نسبت بسبب اپنے علم واقعی کے یہ کہے کہ مجھے اُسکو ہدایت کی اور مجھے اُسکو گمراہ کیا۔ مجھے اُسکو بہشت کے لیے پیدا کیا اور مجھے اُسکو دوزخ کے لیے بنایا تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اپنی طرف اُن باتوں کو نسبت کرنا تو بسبب علت اعلیٰ ہونے کے ہے اور نتیجوں کو بیان کرنا بسبب اپنے علم واقعی کے ہے۔ مگر اس سے اُس فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ۔

مثلاً فرض کرو کہ ایک نجومی سیا بڑا کمال ہے کہ جو کچھ آئندہ کے احکام بتاتا ہے اُس میں ہر فرقہ نہیں ہوتا۔ اب اُس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مر گیا۔ اُس کا ڈوب کر مرنے کا ضرور ہے اس لیے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نجومی نے اُس شخص کو ڈوبنے پر مجبور کر دیا تھا پس جو علم الہی میں ہے یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا تو ضرور مگر اُس کے کرنے پر خدا کی طرف سے مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم کو اُس کے جاننے میں یا تقدیر کو اُس کے ہونے میں مجبوری ہے۔ پس کسی کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ دوزخی ہے یا جہنمی اُسکو جہنمی و جہنمی ہونے میں کچھ مجبوری نہیں ہے ۔

اس بات سے دھوکا مت کھانا کہ خدا نے یہ کہا کہ مجھے جہنمی کیا یا دوزخی پیدا کیا کیونکہ نسبت اپنی طرف علت اعلیٰ ہونے کے سبب سے ہے اور تمہید اول میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر

فاعل کی مجبوری لازم نہیں ہے :

تمھید سوم - ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اُسکے اعضا کی ترکیب ہی سے ہوتی ہے جس سے اُن افعال کا اُس سے سرزد ہونا ضروری ہوتا ہے پس اُس انسان کی نسبت جو نیک بات کو نہیں مانتا اور اچھی نصیحت کو نہیں سنتا اور بدی میں پڑتا ہے یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ خدا نے اُس کے دل پر مہر کر دی ہے۔ اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اُن کی قسمت میں سخت عذاب ہے اور اُن کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے مگر اس بات سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا :

اُن کی قسمت میں سخت عذاب کا یا اُن کو جہنم کے لیے پیدا ہونا بیان کرنا تو بسبب اُسی علم باری کے ہے جسکو ہم نے تمھید دوم میں ثابت کیا ہے کہ اُس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی مگر آنکھوں پر پردہ ہونے اور دل پر مہر ہونے کے سبب نصیحت کا نہ ماننا ممکن ہے کہ طبعی مجبوری کے سبب ہو مگر اُس سے انسان کسی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا ہے :

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُسکے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قویٰ خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لانا رہے اگر تو اسے بھیمیہ سپر غالب ہیں اور قولائے ملکیہ مکرور۔ تو اُن مکرور قویٰ کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لانا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جسکو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جسکو شلوع نے ان عمدہ لفظوں میں کرالیا :

من الذنوب کمّن کا ذنب لہ بیان فرمایا ہے :

گو ہمارے طبیعت کیسی ہی بدی پر مجبور ہو لیکن خود ہم اپنے آپے میں دو چیزیں پاتے ہیں ایک اُس کام کرنے کا ارادہ جسکو ہم کیا چاہتے ہیں۔ اور ایک وہ دلی سچائی جو ہم کو اُس کام کی بھلائی یا بُرائی بتلاتی ہے جسکو عوام الناس بھی اس تقریر سے بیان کرتے ہیں کہ ”دل بچر جاتا ہے“ انگریزی زبان میں سکنا نام کا نشنہ ہے اور ہم اُسکو ”نور قلب“ کہتے ہیں اور خاص مسلمان مذہب کے محاورہ میں نور ایمان پس ہر ایک انسان کا فرد مسلمان یہ دونوں قوتیں آپس میں رکھتا ہے اور ہم یقینی جانتے ہیں کہ ہم ان دونوں کو کام میں لانے پر قادر و غمد مختار ہیں :

اب اگر ہماری بناوٹ ایسی ہے جس میں تو اسے بھیمیہ سپر غالب ہیں تو ضرور وہ گناہ ہم سے ہوگا پس اگر ہم نے اُس قوت کو جو اُسکی بُرائی کو بتاتی ہے بیکار نہیں چھوڑا تو ہم پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ

سمنے پورا پورا اپنا فرض ادا کیا ہے اور اگر منہ اس نور قلب کو بیکار چھوڑ دیا ہے تو ہم خود اپنے اختیار سے گنہگار اور مستوجب عذاب ہوئے ہیں مگر جو کہ خدا اس بات کو جانتا ہے کہ کون اس نور قلب کو کام میں لاویگا اور کون بیکار چھوڑ دیگا تو قبل وقوع اس واقع کے بلا تشبیہ مثل اس کا مل نجومی کے فرمادیتا ہے کہ ہم نے بہتوں کو جہنم کے لیے اور سید احمد کو بہشت کے لیے پیدا کیا ہے ۔
یہ بھی ہم خود اپنے آپے میں پاتے ہیں کہ گو ہماری جبلت میں تو اُسے بہیمیہ کیسے ہی زور اور پیدا ہوئے ہوں لیکن اگر ہم اس نورانی قوت کو کام میں لائے جاتے ہیں اور افعال ذمیرہ کو برا جاننے جاتے ہیں اور اُن کے کرنے پر دل میں مذمت پاتے ہیں تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ تو اُسے بہیمیہ بالکل کھردر ہو کر اعتدال پر آجاتے ہیں اور اس نورانی قوت کی سلطنت سب پر ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُن تو اُسے بہیمیکہ وہ زور شور نہیں ہوتا یہی نچر کا مسئلہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا ہے ۔

عن ابی ہریرۃ قال جاء عناس من اصحاب رسول الله صلعم الى النبي صلعم فسالوه انا نجد في انفسنا ما يتعاطف احدنا ان يتكلم به قال اوفه وجدتموه قال نعم قال ذلك صريح الايمان رولاہ مسلمہ

مگر جب وہ نورانی قوت بیکار چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ نہایت ہی کمزور رہتی ہے اور کبھی ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا معدوم ہے پس جس چیز پر ہم مجبور ہیں وہ باعث عذاب نہیں بلکہ ترک فعل اختیاری کا معنی نہ کام میں لانا اس نورانی قوت کا باعث عذاب ہے ۔

تمھیں چھارم - میں سمجھتا ہوں اور جو شخص تقلید سے علیحدہ ہو کر خود کریگا یعنی جانیکا اگر اکثر عالموں نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت غلط فہمی کی ہے - قرآن مجید کی دو حالتیں ہیں - ایک حالت اُسکی اسکا قرآن مجید وحی منزل من ائد ہونا ہے - میرا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید بلفظ منزل من اللہ ہے جسکو تین وحی متکو کہتا ہوں پس ہمارا ایمان ہے کہ ہم اُسکے ہر ہر لفظ کو منزل من اللہ سمجھیں - دوسری حالت اُسکی اس کے معنی قرار دینا اور اس سے مطلب اور مراد کا اخذ کرنا ہے - اس حالت میں قرآن مجید مثل ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے تصور ہوتا ہے اہ جس طرح کہ ہم ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے معنی لیتے ہیں اور اس کا مطلب و مراد ٹھہرتے ہیں اُسی طرح بلا تشبیہ قرآن مجید کے بھی معنی لینے اور اس کا مطلب و مراد قرار دینے اور اس وقت کسی طرح کا تفرقہ قرآن مجید و کلام انسانی میں نہ کریں کیونکہ قرآن مجید انسان کی زبان اور اہل عرب کی لہجہ میں نازل ہوا ہے پس اس میں

بمعاذ دیگر حالات کے جو کچھ بزرگی منزل میں اُتر جانے کی ہو سو ہو وہ جدایات ہے مگر اُس کے
سنی قرار دینے اور مطلب و مراد خدا کے لئے میں اُس میں اور انسان کے کلام میں کچھ فرق
نہیں ہے ۛ

ان تہیدات کے بعد میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ان آیات قرآنی سے جن کا آپ نے
اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور نیز مثل اُن کے جو اور آیتیں ہیں اُن سے بھی انسان کا مجبور
ہونا پایا نہیں جاتا ۛ

آیت سورہ بقرہ کا اخیر علیٰ معنی "ولہم عذاب عظیم" تو کافروں کے حال کی پیشین گوئی ہے
جس سے حسب بیان تہید سویم اُن کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا اور پہلے جملے یعنی "ختم اللہ
علیٰ قلوبہم وعلیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارہم غشاوہ" اُن کی جبلت کا حال ہے مگر یہ
حال بشرطیکہ دوسری قوت بیکار نہ چھوڑی جاوے باعث درکات نہیں ۛ

اب بمعاذ تہید چارم اس آیت پر غور فرمائیے اور اُسکو بلا تشبیہ کیا انسان فصیح و بلیغ کا کلام
سمجھئے اور یوں خیال کیجئے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیرہ چھوڑنے اور اخلاق حمیدہ اختیار
کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور وہ شخص اُس کی نصیحتوں پر کان بھی نہیں مھرتا اس حالت کو دیکھ کر
ایک شخص کہتا ہے کہ بدذاتوں نابالوں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نیک بات نہیں سیکھنے کے
اُن کے دل تھکر کے اور اُن کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں پر
مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ۛ

اب جو شخص ان باتوں کو سنیکا کیا سمجھے گا کہ اس شخص نے یا خدا نے اُس بدذات آدمی کے
دل پر مہر لگا کر اور اُس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال کر ناصح کی نصیحت نہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے
کبھی کوئی ایسا نہیں سمجھ سکتا بلکہ ہر کوئی ہی سمجھیکا کہ اس کہنے سے اُس بدذات ماہل آدمی کی نہایت
بدذاتی اور نااہلی کا جتنا اور آؤ لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے ۛ

میری سمجھ میں ایسے کلام انسانی میں کوئی شخص ان الفاظ انشائیہ سے اُن کے حقیقی معنی نہیں
لے سکتا۔ پس خدا تعالیٰ کے اس قسم کے کلام کو جو انسانی بول چال پر ہے زیادہ اُسکی منشاء سے
بُرحاننا اور اُن الفاظ کو جو بطور خطابیات کے واقع ہیں حقیقی انشائیات سمجھنا بڑی
غلطی ہے ۛ

خدا نے اُن پر عہدوں کے لئے اُنہی کی زبان میں قرآن اُتارا ہے۔ پس ہمیشہ قرآن مجید کے

سید سے سید سے صاف صاف معنی لینے چاہئیں اور نکات بعد الوقوع اور کنایات و اشارات و استعارات و دلالات کی قسم کو اُس میں گھسیڑ کر اُسکو کھینچنا اور تانا بانا نہیں چاہیے اس قسم کے معنی قرآن مجید سے نکالنے خیالات شاعرانہ سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتے :

اب آپ سورہ اعراف کی آیتوں - جو آپ کے سوال میں مندرج ہیں بحفاظ فرمائیے کہ اعتدال اور اضلال کی نسبت جو خدا نے اپنی طرف کی ہے وہ اُسی علتِ اعلیٰ ہونے کے سبب سے کی ہے کیونکہ قوت اعتدال اور اضلال دونوں اُسی نے دی ہیں مگر اس نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ معتد اور مضل ہونے پر اس نے مجبور کر دیا ہے :

اگر آپ کو میرا یہ بیان پسند ہوگا تو آپ یقین کرئیے کہ قرآن مجید سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا تو اب نہوت پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا :

ایمان نہ لانے پر قتل کرنے کا اور گھبراہٹ کوٹ لینے کا شریعت میں کہیں حکم نہیں ہے۔ چند روز ہوئے کہ جہاد کے مسئلہ پر پیشِ نجوی بحث کر چکا ہوں اور حقیقت جہاد کو میں نے اپنی کتاب خطبات احمدیہ اور ڈاکٹر حفصہ صاحب کی کتاب کے جواب میں بالتفصیل لکھا ہے آپ اُس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں :

اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت جو آپ نے خدا کا اپنے نبی پر ظلم کرنا یاد کر لیا ہے یہ بات تو کوئی مسلمان کیا شیعہ اور کیا سنی نہیں کہتا اور کسی کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حضرت امام کا فوں کے خون کے بدلے میں شہید ہوئے ہیں :

یہ مسئلہ جو میں نے بیان کیا کسی قدر باریک ہے اور اُس پر غور درکار ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اور نیز اُن لوگ جن کی نگاہ سے میری یہ تحریر گزرے وہ قیل اس کے کہ اس پر رد و قبح کریں ذرا دل لگا کر غور فرما دیں گے :

حدیث تشبیہ

خط

جناب مخدوم مکرم مولانا سید احمد خاں صاحب بہادری - ایس۔ آئی۔ - زید مجدکم
تسلیم کے بعد گفتاؤں میں کہ حدیث شریف میں تشبیہ بقوم فہو منہم کے معانی اور مراد میں
لوگوں کو نہایت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کہ کوئی کچھ کہتا ہے۔ پس اسلئے حصولِ اطمینان

اور تنقیح مراد حدیث کے ضرور ہوا کہ اُس کا مورد تحقیق کیا جائے تاکہ مراد صحیح لفظ تشبہ کی معلوم ہو جائے
لہذا بعد نیاز خدمت عالی میں گزارش ہے کہ ارشاد ہو کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے اور لفظ
تشبہ سے کس میں تشبیہ مقصود ہے۔ زیادہ نیاز و تسلیم +

آپ کا خادم

ح

جواب

یہ حدیث ابو داؤد نے باب ماجاء فی الاقبیۃ میں نقل کی ہے اور اُس کے الفاظ یہ
ہیں "حد شاعثمان بن ابی شیبۃ نا ابوالنضر عبدالرحمن بن ثابت نا حسان بن عطیۃ
عن ابی منیب الجرشى عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من
تشبه بقوم فهو منهم"

اول تو مجھ کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے نہ روایتاً اور نہ درایتاً۔ روایتاً
تو اس لئے ثابت نہیں کہ جو سند اس بات کی بیان ہوئی ہے اُس سے اتصال سند کا ہو لہذا
صلتم تک ثبوت نہیں ہے کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں اُن سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ
حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اور کوئی راوی نہ ہو پس محکمہ سلسلہ روایات غیر ثابت
ہے تو وہ حدیث فی نفسہ ثابت نہیں ہے۔

اور درایتاً ثابت نہ ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ راوی نے مورد حدیث بیان
نہیں کیا اور لفظ تشبہ کا جو حدیث میں واقع ہے مورد حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم
مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس مورد اس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں ہے
اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس حدیث کو ثابت تسلیم کر لیا جاوے تو قیاساً اُس کا مورد
قرار پا سکتا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا +

دوسرے یہ کہ لفظ "قوم" جو اس حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا کسی
قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ ایک انگریز نے ایرانی یا
افغانی لباس پہن کر اپنے تئیں قوم ایران اور قوم چٹان کے مشابہ کر لیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لوگوں
نے اُس کو ایرانی یا چٹان سمجھا مگر پھر اُس سے نتیجہ کیا۔ علیٰ ہذا القیاس ایک ہندوستانی مسلمان
نے عربی یا ایرانی یا چٹانی یا روسی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے تئیں شاہان قوموں کے

بنایا اور لوگوں نے بھی اُسکو اُسی قوم کا سمجھا تو پھر اُس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا ؟
 تیسرے یہ کہ تشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے بلاشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہوتا ہے مگر خود
 رسول خدا صلم نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کتھلک میں جو مروج تھا وہ لباس پہنا ہے
 مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس
 جبۃ رومیۃ ضیقۃ الکمین“ جبہ رومیہ بطور عبا یا چو کے ایک قسم کا لباس ہے تنگ
 آستینوں کا جو اب بھی رومن کتھلک کے پادری پہنتے ہیں اور خاص پادریوں کی پوشاک ہے
 رسول خدا صلم کے زمانہ میں تمام یورپ اور شام میں رومی عباؤں کی سلطنت تھی جو یورپ
 کے تابع تھی اس لیے تمام یورپ کی قوموں کو زبان عرب میں رومی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں
 بھی ہے ”الم غلبت الروم“ اور وہ سب رومن کتھلک تھے اور جبہ رومیہ خاص اُن کی
 پوشاک تھی ۔

بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلم نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے
 جیسا کہ حدیث مغیرہ میں ہے ”فقضاء وعلیہ جبۃ شامیۃ“ (صوفہ ۸۶۳) اور جبہ شامیہ خاص
 یہود کا لباس تھا جو اب تک اُن کے ربیوں کا لباس ہے ۔

مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلم نے خاص آتش پرستوں کا بھی لباس پہنا
 ہے جیسا کہ حدیث عبدالقہر بولی اسما بنت ابی بکر میں ہے ”فاخرجت الی طیارسیۃ کسر وانیۃ“
 (ص ۱۹۰ - جلد ۲) اور یہ وہ جبہ کسر دانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے ۔

پھر جب بخاری کھولتے ہیں تو بسم اللہ کے بعد ہی یہ عبارت پڑھتے ہیں ”کتاب اللباس واللباس
 قول اللہ قل من حم زینت اللہ الی اخرہ لعبادہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلا
 واشربوا والبسوا (اے مطاب لکھ) وتصدقوا فی غیر اسراف ولا منعیلة وقال ابن عباس
 کل ما شئت واللبس ما شئت ما اخطأتک اثنتان سرف و منعیلة“ پس ہم ان روایتوں
 سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے منوع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ تشابہ کو مشابہت زبی و لباس پر
 بھی عمل نہیں کر سکتے ۔

چوتھے یہ کہ تمام مسلمان در صحابہ اور خود جناب رسول خدا صلم اور کفار عرب ایک سا ہی لباس
 پہنتے تھے اور دونوں تو ہیں جو باقتدار مذہب کے دو تھیں بالکل ایک دوسرے کے مشابہتیں
 اور کوئی تفرقہ کفار و اہل اسلام میں تمیز کا قائم نہیں کیا گیا تھا تو پھر من تشبہ بقوم فهو منهم کے

کیا معنی۔ کیا قتل سلیم اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اگر جناب رسول خدا صلعم لندن میں یا جرمن و
ایشیا میں پیدا ہوئے ہوتے تو اُن کا لباس و سیاہی نہو تا جیسا کہ اُن ملکوں کے لوگوں کا ہے
پس تشابہ قومی سے کیا نتیجہ شرعی پیدا ہو سکتا ہے ؟

پانچویں یہ کہ لفظ تشبہ اور منہم خواہ اُن کے کامل معنی مراد لیا یا ناقص در قوم کے معنی تحقیقی بھی
چھوڑ کر اُس کے فرضی معنی یعنی ایک مذہب کے لوگ کو تو بھی حدیث کے معنی درست نہیں
ہو سکتے۔ کیا اپنی مشابہت سے مثلاً دھوتی باندھ لینے سے یا گجی و چرٹ پر چڑھنے سے یا بالکل
پوری ظاہری مشابہت کو لینے سے باوجود اقرار توحید و رسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے حاشا
و کلام۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں طرح پر مردود ہے ؟

با اینہم اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو ہم کو ضرور اسکا مورد تلاش کرنا ہو گا کیونکہ بغیر محدود تحقیق کیے
اور بابہ التشبہ قرار دیئے اس کے معنی قائم نہیں ہو سکتے مگر جو کہ خود حدیث میں ان دونوں میں سے
کوئی بھی مذکور نہیں ہے تو جو کچھ قرار دیا جاوے گا وہ صرف قیاسی ہو گا جو ہر شخص اپنی سمجھ کے
موافق اُس کا مورد یا بابہ التشبہ جو درحقیقت دونوں ایک ہیں قرار دیکے گا ؟

بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے۔ مثلاً زنا پرہنا
یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید یا ختم کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ نہیں
کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اسلیئے
کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص کا **اَللّٰہُ اَکْبَرُ** محمد صول اللہ پر
دل سے یقین رکھتا ہے اُس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اُسکو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اُس
قول پر جس پر ابوہریر کی نجات منحصر تھی اُسکو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے
و لو فی خصوصیات الدین و شعایر الکفر کالزنا و الصلیب و الاعیاد وہ کافر نہیں ہو سکتا
کیا ہم دیوالی و سہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور
بُٹے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جائے
نمود بائند نہا۔ اگر درحقیقت ہا نا مذہب سلام ایسا ہی بودا ہے تو بکو سے کی ماں کب تک خیر منائیگی
ایکٹ ایکٹ ن اُسکو بیچ ہونا ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا جسکو میں آئندہ سے قول کہوں گا کیونکہ میرے نزدیک اس کا
حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔ کوئی صحیح مورد بجز ایک کے وہ بھی قیاساً قرار نہیں پاسکتا اور وہ

مورد موت اثر دھام ہے یعنی جس حالت میں موت اثر دھام واقع ہوا مختلف قوموں کے مردے گڈڑ ہو جاویں تو حکم من تشبہ بقوم فہو منہم کا جاری ہوگا یعنی لاشوں میں جو لاشیں جس قوم کے شبّ ہوگی وہ اسی قوم کی شمار ہوگی اور اس کی تہبیس نہ تو تکفیر اُسی طرح کجاوہی - درمختار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی لاش پہچاننے کی چار علامتیں ہیں - خضاب اور سیاہ لباس اور خلق عانہ اور خنہ پتیں سمجھتا ہوں کہ موت اثر دھام کے جس قدر احکام ہمارے ماں کی کتب فقہ میں مندرج ہیں وہی قول کی بنا پر ہیں پس میری دانست میں یہی مورد اس قول کا اور یہی مراد اس قول کی ہے وبہذا اعتقادی وعلیٰ ہذا علیٰ والسلام +

تفسیر السموات

حررہ العبد المفتقر الی اللہ الصمد السید احمد

ہکویہ بات معلوم نہیں ہے کہ علماء اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہے جس کی بنا قرآن مجید یا حدیث پر جو جہاں تک ہکومعلوم ہے وہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے اختیار کیا تھا وہی بعینہ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی زبان میں ہوئے ہم مسلمانوں تک بھی پھیل گیا۔ جب قرآن مجید کی تفسیر پر لکھی گئیں اور قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہیئت سے علاوہ رکھتا تھا تو ائمہوں نے اُسکی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے اصول پر کی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں سات آسمانوں کا ذکر تھا اور یونانی نو آسمان مانتے تھے تو علماء اسلام نے اُن سات آسمانوں میں عرش و رکوسی کو ملا کر پورے نو کر دیئے۔ پس ہم سمجھتے ہیں کہ علماء اسلام نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اُسی کے اصول کو مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں دخل کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا بل جُل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا گویا مسائل ضروریہ مذہب سے انکار کرنا خیال میں سا گیا۔ پس جس قدر کہ ہکوانکار ہے اُنہی مسائل علم ہیئت یونانیہ سے ہے جن کو علماء اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید میں شامل کیا ہے + یونانی حکیم آسمانوں کا ایک ایسا جسم مانتے ہیں جو نہایت مضبوط و سخت ہے اور وہ ایک مکان کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ مثل گڑھے کے گول اور اندر سے خالی ہے جیسے اندھے کا چھلکا اور دنیا کے چاروں طرف کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام دنیا اُن کے اندر ایسی ہے جیسیکہ اندھے کے

چھلکے میں اُس کے اند کی زردی سفیدی +

وہ کہتے ہیں کہ بچوں بیچ میں زمین اسی طرح پر ہے جیسے انڈے میں انڈے کی زردی اُسکے اوپر پانی ہے مگر جس طرح کہ بعضی دفعہ انڈا اوبالنے میں اُس کی زردی ایک طرف کو ہو جاتی ہے اور سفیدی سے باہر نکل آتی ہے اُسی طرح زمین بھی بیچ میں سے ٹل گئی ہے اور پانی کے ایک طرف نکل آئی ہے جس کے اوپر بیج مسکون یعنی دنیا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ پانی پر مہا ہے اور مہا پر گہ آتش ہے اور گہ آتش پر اول آسمان ہے جس میں چاند ہے۔ پھر دوسرا آسمان ہے جس میں عطارد ہے۔ پھر تیسرا آسمان ہے جس میں زہرا ہے۔ پھر چوتھا آسمان ہے جس میں آفتاب ہے۔ پھر پانچواں آسمان ہے جس میں مریخ ہے۔ پھر چھٹا آسمان ہے جس میں مشتری ہے۔ پھر ساتواں آسمان ہے جس میں زحل ہے۔ پھر آٹھواں آسمان ہے جس میں یہ لاکھوں ثوابت جڑے ہوئے ہیں پھر نواں فلک الافلاک ہے جو سب کو محیط ہے +

وہ بھی کہتے ہیں کہ فلک الافلاک کے اوپر کچھ نہیں ہے یعنی فلک الافلاک کے اوپر مکان کا اطلاق نہیں ہے اور اسی سبب سے وہ نہیں بتاتے کہ فلک الافلاک کی سطح محدب کس کی ماس ہے یعنی اُس کے اوپر کیا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ اُسکی سطح مقعر فلک نہم کی سطح محدب کی ماس ہے اور اسی طرح تمام آسمانوں کی سطح مقعر اُس کے نیچے کے آسمان کی سطح محدب سے مماس ہے اور اسی لئے وہ قائل ہیں کہ زمین سے فلک الافلاک تک کہیں خلا نہیں ہے +

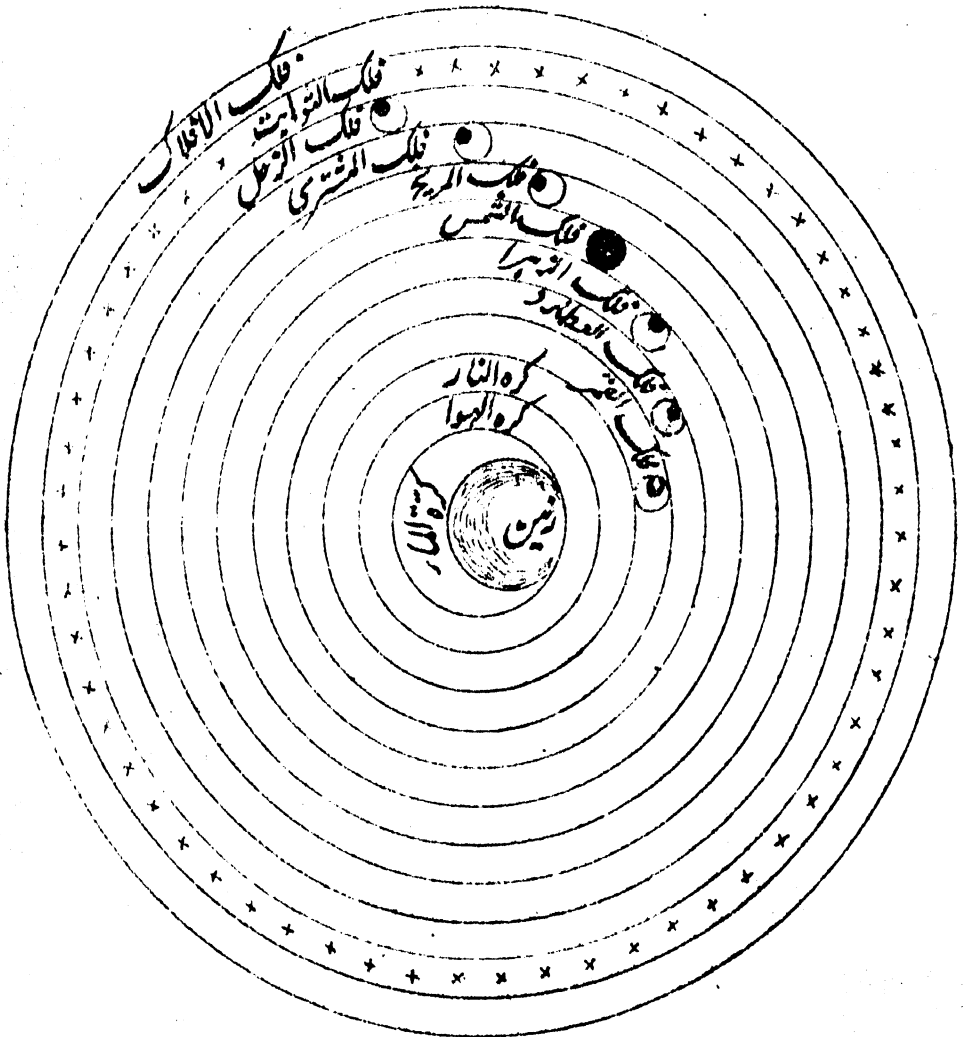
وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ تمام آسمان مگر کوکب کے جو اُن میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرد پھرتے ہیں یعنی زمین اُن میں مثل مرکز کے ہے۔ مگر وہ میں انہی اصولوں کو علماء اسلام نے بھی اختیار کیا ہے اور انہی اصول پر قرآن مجید کے مستردوں نے قرآن کی تفسیر کی گو کہ بعض بعض باتوں میں کچھ اختلاف بھی کیا ہو مگر نظام ہی تسلیم کیا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ جو ایک پرچہ شامل ہے۔ اُس میں جو شکل نمبر اول کی مندرج ہے اُس سے بخوبی تصویر آسمانوں اور ستاروں کی سمجھ میں آسکتی ہے جس طرح کہ یونانی حکیموں نے سفر کی ہے +

آپ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح کہ یونانی حکیموں نے آسمانوں کا مجسم ہوتا تسلیم کیا ہے اور

۱۔ یہ باتیں کہ اس بات کی غرض تھی کہ اس دنیا کے نیچے دوسری دنیا آباد ہے مگر اس کی خبر جوتی تو ایسا خیال نہ کرنے +

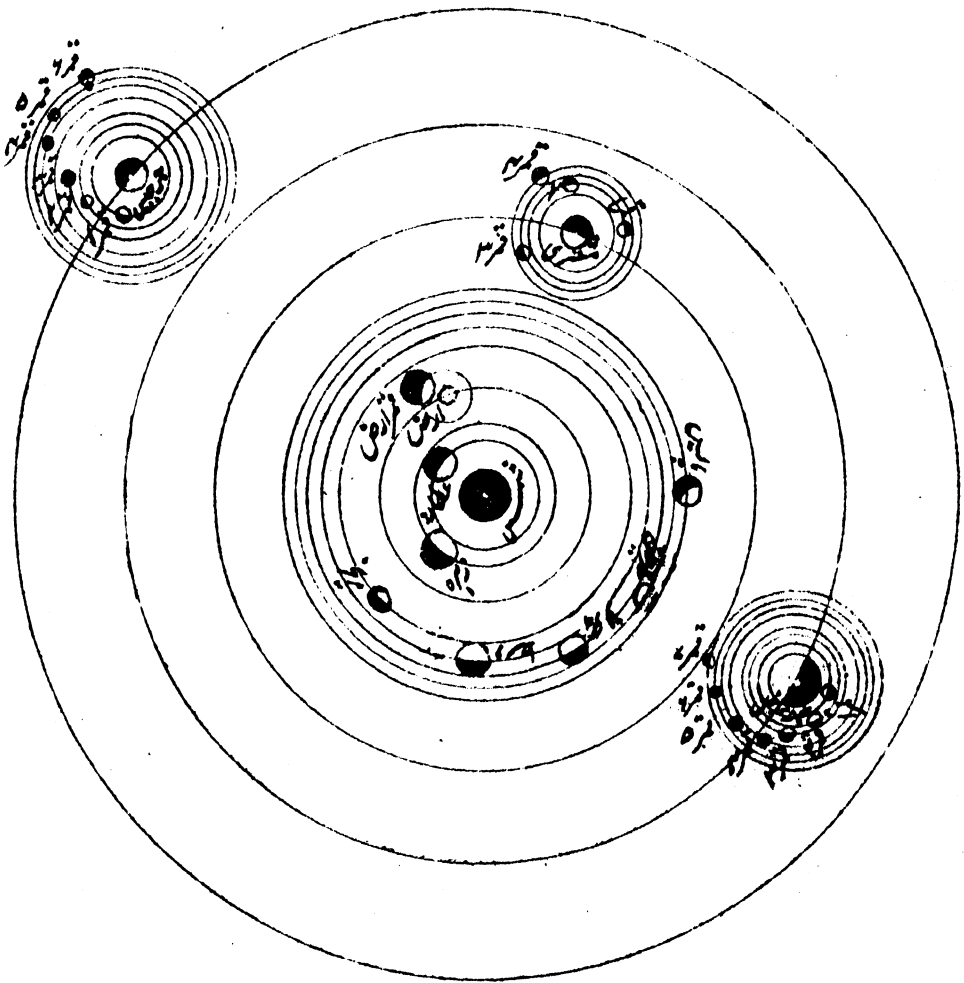
شکل اول

نظام عالم مطابق قیاس یونانیوں کے



شکل دوم

نظام عالم مطابق شاہن بذریعہ دو برہمن



اُن کو مع کوکب زمین کے گرد پھرنا مانا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے اور علماء اسلام نے بڑی غلطی کی ہے جو انہی اصولوں کو اپنے مذہبی سائیل میں ملا دیا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر اسی یونانی علم ہئیت کے مطابق کی ہے کیونکہ وہ بنیاد فاسد علی الفاسد ہے ۔

ہم کو مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے (جو ہمارے نزدیک اور ہر ایک انسان کے نزدیک جو ذرا بھی واقفیت اور عقل رکھتا ہے دلیل قطعی ہے) برخلاف اُسکے ثابت ہوا ہے جو آسمانوں اور کوکب نظام یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اور جسکی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ۔

اولیٰ - ان سات سیاروں کے سوا جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اور جن کے لیے یونانیوں نے سات آسمان مثیل انڈے کے چھلکے کے قرار دیئے تھے اور بھی سیارے بذریعہ دوربین کے دکھائی دیئے ہیں جو اب تعداد میں دس یا گیارہ شمار ہوئے ہیں پس یونانیوں نے جو سات آسمان بتائے تھے اُن کے لیے قرار دیئے تھے وہ بالکل غلط ہو گئے اور علماء اسلام نے جو فقط سبع سموات کی تفسیر میں یہی یونانی حکیموں کے سات آسمان سمجھے تھے یقینی اُن علماء نے غلطی کی تھی کیونکہ کلام الہی بھی خلاف واقع نہیں ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ سبع سموات سے یہ مطلب نہیں ہے جو علماء اسلام نے تفسیروں میں قرار دیا ہے ۔

دویم - مشتری کے گرد چار چاند اور زحل کے گرد سات چاند اور جریس کے گرد نیا سیارہ دکھائی دیا ہے چھ چاند دوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیئے ہیں اور وہ اپنے اپنے سیارہ یعنی مشتری و زحل و جریس کے گرد پھرتے ہیں اور ہم اُن کی گردش کو اپنی آنکھ سے بندھو دوربین کے دیکھتے ہیں پس اگر آسمان ایسے ہی مجسم ہوتے جیسے کہ یونانی حکیم قرار دیتے ہیں اور جیسا کہ علماء اسلام نے غلطی سے قرار دیا ہے تو اُن چاندوں کا گرد اُن ستاروں کے پھرنا ممکن تھا ۔

فرض کرو کہ ایک کوٹھڑی ہے اور غول کبوتروں کا اُس کے اوپر سے اندر گھٹتا ہے اور دھواڑہ سے نکلتا ہے تو ہر شخص قین کرے گا کہ اُس کوٹھڑی پر چھت نہیں ہے یا کبوتروں کے گھسنے کے بعد کھلی ہوئی ہے یا وہ چھت ایسی ہے کہ کبوتروں کے جانے اُسے کو مانع نہیں ہو سکتی ورنہ ممکن نہیں کہ کبوتر اوپر سے کوٹھڑی میں گھستے پس اگر ستارے آسمانوں میں جڑے ہوتے اور آسمان انڈے کے چھلکے کی طرح ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن سیاروں کے چاند بغیر آسمانوں کے توڑے اُن سیاروں کے گرد وقفہ کرتے ۔

سویس - آگے مذکور یونانی حکیموں نے دُم دار ستاروں کو یہ سمجھا تھا کہ آسمان زمین کے جیسے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے رہتے ہیں مگر اب مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے ثابت ہوا ہے کہ

یہ بات غلط تھی وہ بھی بجائے خود ستارے ہیں اور بہت دور چلے جاتے ہیں اور پھر چلے آتے ہیں اور ان کی حرکت ایسی ثبری ہے کہ تمام کو اک اور فلک الافلاک مقررہ حکماء یونان سے بھی اونچے جاتے ہیں اور جو کہ دم دار ستارے بھی متعدد ہیں اس لئے متعدد سمتوں پر حرکت کرتے ہیں پس جس طرح کاجسم آسمانوں کا یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اگر ویسا ہی جسم آسمانوں کا ہوتا تو دُستاروں کا یا اس طرح پر حرکت کرنا ناممکن ہوتا یا ان کی حرکت سے تمام آسمان شیشے کی طرح چمکنا چرہو جاتے +
دُوبین کے ذبیحہ سے دکھائی دیتا ہے کہ کو اک اس طرح ہر واقعہ ہیں جیسا کہ شکل دوم میں بنائے گئے ہیں اور ان کا دُورہ بھی دُوبین کے ذبیحہ سے اُسی طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح کاس شکل میں دائرے کھینچے ہیں پس لب خیال کہو کہ اگر آسمان اس طرح پر مجسم ہوں جیسا کہ حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور ایک کا مقررہ دُورہ سے محض سے تماس ہو تو مشتری اور زحل اور جریس کے چاند کیونکر ان کے گرد پھر سکتے ہیں اور اگر آسمانوں میں فاصلہ بھی مانا جاوے تو یہ ذوات الازتاب یعنی دُستار کے طرح تمام آسمانوں کو توڑ پھوڑ چمکنا چڑ کر کرکڑل جاتے ہیں +

اگر یہ بات کہی جاوے کہ ہم آسمانوں کا جسم ایسا نہیں مانتے جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا ہے بلکہ ہم ایسا لچ لجا اور دُھلم دُھلمانے ہیں جس میں سے سب چیزیں نکل جاتی ہیں جیسے پانی یا ہوا یا اُس سے بھی زیادہ جسم لطیف مگر اس کہنے پر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا جسم ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ اُس پر ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید سے انکار لازم نہ آوے +

ہم اُسکے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت اگر ایسا ہی جسم آسمانوں کا مانا جاوے گا تب بھی مفسرین کی تفسیریں سے تو انکار کرنا پڑے گا کیونکہ سبباً مثلاً اُد کے جو معنی اُنھوں نے قرار دیئے ہیں وہ سیوچ ایسے لچ لچے دُھلم دُھلمے جسم پر صادق نہ آویں گے اور ضرور دوسرے معنی قرار دینے پڑیں گے +

پھر ہم اُن کو دوسری طرح سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید کے سبب سے کسی چیز کو مان لینا اور اُسکی واقعیت پر کسی دلیل کا نہ لاسنا کچھ کام کی بات نہیں ہے۔ جاہل مسلمانوں کا یقین ہمارے یقین سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔ اُن کو تو نہ ہم اس بات کے سمجھانے کی حاجت ہے کہ آسمانوں کا جسم یونانی حکیموں والا جسم ہے یا تو کسی طرح لطیف و العطف لچ لجا اور دُھلم دُھلا لجاں تک گفتگو ہے وہ لکھے پڑھے آدمیوں سے ہے اور مذہب کے سچے ہونے کی دلائل یا دُور ان لوگوں سے متعلق ہیں جو ان مذہب کو نہیں مانتے تھے مگر کسی وجہ سے اس مذہب کو نہیں مانتے تھے یا ان لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے اس مذہب کو مانتے تھے مگر کسی وجہ سے اس مذہب سے پھر گئے ہیں اگر ان دونوں قسموں کے لوگوں کے سامنے آپ فرمائیے کہ

ہم آسمان کا ایسا جسم طیف اس لیے مانتے ہیں کہ قرآن کا انکار لازمہ آدے تو اس کے دل میں
یہ بات کیا اثر کرے گی بلکہ مثل اس شخص کے جس نے آٹاری شاعر کو کہا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور نمود یافتہ
وہ یہی جواب دے گا کہ تسلیم کر دن قرآن چہ ضرور +

علاوہ اسکے نہایت صنف یقین کی بات ہے کہ ہم قرآن مجید کے کسی کلام کی نسبت جس میں واقعات
اور حقایق موجودہ کا ذکر ہو کہیں کہ اس کے واقعی ہونے کا کچھ ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے اسی بناء
کیا فائدہ ہے جس کے واقعی ہونے کا دل میں تو یقین نہ ہو مگر صرف زبان سے اقرار کیا جاوے۔ ہمارا
ایمان تو قرآن مجید پر ایسا مستحکم ہے کہ ہم تمام حقایق موجودہ کو اور قرآن مجید کو مطابق دل سے یقین
کرتے ہیں +

چھٹا دم۔ ہم بذریعہ دور بین کے زہرہ کو اور اس کے سوا اور تاروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ مثل حاذقہ
بدر و ہلال ہوتے ہیں پس اگر وہ تارے آفتاب کے گرد پھرتے نہ ہوتے بلکہ زمین کے گرد پھرتے ہوتے
تو ان کا بدر و ہلال ہو کر ہمو دکھائی دینا غیر ممکن ہوتا۔ یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی
کہ آدیتارے بھی بدر و ہلال ہوتے ہیں +

پنجم۔ ہم بذریعہ دور بین کے اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ عطارد اور زہرہ جب آفتاب کے پاس آتے
ہیں تو کبھی تو وہ آفتاب سے اس طرح چرل جاتے ہیں کہ آفتاب نیچے ہوتا ہے اور وہ اس کے اوپر
ہوتے ہیں اور کبھی آفتاب اوپر ہوتا ہے اور وہ اس کے نیچے ہوتے ہیں اور یہ بات ہونہیں سکتی
جب تک کہ آفتاب بلکن نہ ہو اور تمام سیارات موزمین کے اس کے گرد نہ پھرتے ہوں۔ مگر آفتاب چوتھے
آسمان میں چڑھا ہوا ہوتا اور وہ دونوں اس سے نیچے ہوتے یعنی عطارد و زہرہ کے آسمان میں اور زہرہ تیسرے
آسمان میں اور وہ سب زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو ممکن تھا کہ عطارد و زہرہ کبھی آفتاب کے اوپر آفتاب
سے جا کر ملتے یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس زمانہ میں دور بین ایجاد نہیں ہوئی
تھی مگر اس زمانہ میں ان کا مقررہ علم ہیئت مشاہدہ سے غلط ثابت ہو گیا ہے۔ پس اس سے زیادہ انسان
کی نادانی کیا ہوگی کہ قرآن مجید کی تفسیر ایسے اصول پر کرے جن کی غلطی علانیہ ہو اور ایسے اصول پر تفسیر
کرے کہ کفر سمجھے جو بالکل قاطع کے مطابق ہو +

علاوہ اس کے اور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے نجومی بمنزلہ عین العین بلکہ حق العین کے ثابت ہوتا
ہے کہ یونانیوں نے آسمانوں کا جیسا جسم مانا تھا اور کوکب کو انہیں چڑھا ہوا تسلیم کیا تھا اور یہ جانتے تھے
کہ تمام آسمان مع کوکب کے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں اور زمین ساکن ہے یہ محض غلط افلاک واقع

ہے مگر وہ دلیلیں فی الجملہ شکل میں اور آلات رصدیہ کی واقعہ کاری اور علم طبیعیات کے جاننے پر موقوف ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ عام لوگ جو ان علوم سے محض ناواقف ہیں سمجھ نہیں سکنے کے اس لیے ہم نے ان کو بیان نہیں کیا اور صرف چند موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں جو ہر سمجھدار آدمی کی سمجھ میں آسکتی ہیں خواہ وہ ان علوم سے واقف ہو یا نہ ہو۔

مشاہدہ سے اور تمام دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک سمت میں خواہ اُس میں کوئی جسم لطیف سیال ہو یا نہ ہو تمام کرات جو کواکب دکھائی دیتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں یہ زمین بھی اُنہی کی مانند ایک کرہ ہے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہم رات کو مختلف مقامات میں بہت سے عمارت اُڑا دیتے ہیں اور وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور معلق ٹھہرے ہوئے اور چلتے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں اسی طرح یہ سب کرے کواکب کے مدار پر زمین کے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسعت میں بکھیر دیئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ میں ہیں۔ اُن سب کے رخ میں آفتاب ہے اور وہ سب اُس کے گرد پھرتے ہیں اور نہیں معلوم کہ ایسے ایسے آفتاب اور کتنے ہیں اور کتنے ستارے اُن کے ساتھ ہیں جو اُس کے گرد پھرتے ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور صنعت بے انتہا ہے۔

ہمارے مخالفوں کو اور ہم پر مسئلہ وجود آسمان پر فتویٰ کفر دینے والوں کو ذرا غور سے انصاف کرنا چاہیے کہ خدا کی قدرت اور عظمت اُس کو صرف اس دنیا کا جو اُن کے نزدیک مثل ایک انڈے کے محدود ہے خدا اور خالق ماننے میں ہے یا اُس کو ایسی بے انتہا مخلوق کا خالق اور خدا ماننے میں ہے جسکی انتہا مثل اُسکی قدرت کے بے انتہا ہے جیسی یہ ہماری دنیا ہے جس کے لیے یہ آفتاب ہے اور جس سے بہت سے کواکب سیارے متعلق ہیں اسی طرح آواز بہت سے بے انتہا شمس ہیں جن کا نظام ہی جُدا ہے اور مثل ہماری دنیا کے بلکہ اُس سے بھی زیادہ عجیب بے انتہا نظام شمس ہیں جس کے مجموعہ کو ہم دنیا کہتے ہیں موجود ہیں اور وہ اُن سب خالق اور سب کا ایک خدائے واحد و الجلال ہے جس کا نہ کوئی ند ہے اور نہ کوئی ضد۔ تعجب ہے کہ صرف ایک چڑیا کے انڈے کے برابر چیز کا خدا کو خدا اور خالق جانتا تو اسلام ہو اور اُس کو ایسا قادر مطلق اور بے انتہا مخلوق کا خالق اور اُس سب کا خدا ماننا کفر ہو فہیات ہیہات مثل هذا الاسلام و مرجبا ثم مرجبا مثل هذا الکفر و الله

در من قال۔ مگر مسلمان یہی است کہ واعظ دارد

و اُسے گروہ پس امروز بود فردائے

اِس بابِ شَبَابِ ہِمکو اِس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ جس چیز کا منہ مشاہدہ کیا ہے اور جسکو ہم نے
دلیلِ قطعیٰ بنی مشاہدہ سے واقعی بیان کیا ہے قرآن مجید یا وہ احادیثِ صحیحہ جو بدرجہ یقین یا قریب
بدرجہ یقین یا قریب بظن غالب پہنچی ہیں اور کوئی نقص یا کوئی وجہ اُن کے انکار کی بھی نہیں ہے
وہ تو اُس کی مخالف نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ اُس کی مخالف ہوں تو دو کاموں میں سے ایک کام ضرور
کرنا پڑیگا یا اُس مشاہدہ کو غلط ماننا پڑیگا یا غورِ بابتِ اسلام کو غلط تسلیم کرنا ہوگا مگر میری دانست میں قرآن
اور نہ کوئی حدیثِ صحیح اُس کے برخلاف ہے جس کا ہم منفصل بیان کرتے ہیں +
مگر اُس کے بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بیان کرنی ضرور ہیں کیونکہ وہی ہمارے مول ہیں
جن پر ہمارا بیان مبنی ہوگا +

اَوَّلُ - یہ کہ ہم اِس بات کو تسلیم نہیں کرنے کے کہ ہمارا بیان اِس لیے غلط ہے کہ مفسرین نے اُسکے
برخلاف بیان کیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر اُنہی اصولوں پر کی ہے
جو حکماء دینان نے مقرر کیئے تھے اور جن کی غلطی ہمکو مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے +

دوسرے - یکلہ الفاظ قرآن مجید کے وہی معنی لینے جو اُن ٹپہ اہل عرب اُن کے معنی حقیقی یا مجازی
موافق اپنی بول چال کے سمجھتے تھے نہ وہ معنی کہ کسی علم کے عالموں نے بموجب اپنی اصطلاح کے قرار دیئے
ہیں کیونکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ ”وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ“ +

تیسرے - یہ کہ قرآن مجید لبسان قوم عرب نازل ہوا ہے زبان اہل عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی
زبان اُنہی الفاظ پر محدود ہے جن سے وہ اپنے مافی الضمیر کو تعبیر کرتے ہیں اور انسان کے خیال میں یا
دل میں بھی وہی چیزیں آسکتی ہیں جن کو وہ حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے جان سکتا ہے پس جس چیز
کو یا اُسکی مثل کو سمجھنے نہ کبھی دیکھا ہو نہ چھوا ہو نہ چکھا ہو نہ سونگھا ہو اور نہ ہمارے کان کی قوتِ سامع نے
اُسکا حس کیا اور نہ ہمارے خیال میں آئی ہو اُس کا بیان کسی زبان کے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اُس کے
بیان سے انسان جبکہ وہ کسی قوم کی زبان میں تکلم کرے یقیناً عاجز ہے اور خداوند پاک بھی ایسے لفظ کو
استعمال نہیں فرما سکتا جس کے سمجھنے سے وہی قوم عاجز ہو چکے سمجھانے کے لیے وہ لفظ بولا گیا ہو
خدا کی ماہیت ذات ہم کسی لفظ سے بیان نہیں کر سکتے اور نہ خدا ہوا اپنی ماہیت ذات عربی زبان کے
یا اور کسی زبان کے لفظوں میں بتا سکتا ہے کیونکہ کسی زبان میں کوئی لفظ اُسکی صلیت پر مطلع کرنے
کے لیے نہیں ہے +

اسی طرح جتنی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ نہ ہمارے دل میں ملتی ہیں نہ ہمارے خیال میں اُن کی تعبیر کیئے

کوئی لفظ کسی زبان میں نہیں ہوتا اور جب کوئی شخص اور وہ بھی جو ان چیزوں کو جانتا ہے کسی قوم کی زبان میں ان کو نہیں بیان کر سکتا تو ایسا طرز کلام کام میں لاتا ہے جس سے نتیجہ وہی حاصل ہو جاوے جو اس وقت حاصل ہوتا اگر اُس مطلب کی تعبیر کے لیے کوئی لفظ کسی قوم کی زبان میں ہوتا +

اسکی مثال سمجھو کہ قرآن مجید میں خدا کی نسبت ماتہ کا پائوکل۔ مونہ کا لفظ آیا ہے یہ مینوں لفظ انسان کی زبان میں ایسا خاص شے کی تعبیر کرنے کے لیے ہیں مگر چونکہ خدا کی ذات ہمارے ادراک سے خارج ہے تو ہرگز ان لفظوں کے وہ معنی ہم نہیں لے سکتے جو یہ اور ساق اور وہمہ کے لیتے ہیں بلکہ ان لفظوں کے مفہوم سے ہم ناواقف ہیں البتہ ان لفظوں سے وہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں جو اُس وقت حاصل ہوتا اگر خدا کی ذات کی تعبیر کے لیے کوئی لفظ ہوتے +

پس جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کے الفاظ سے ہر مقام پر وہی معنی لینے اور وہی حقیقت سمجھنے جو عرب کی زبان میں ان کے لیے معنی ہیں یہ ان کی محض غلطی ہے بلکہ الفاظ مستعمل قرآن مجید کے محل کو دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ محل ایسا ہے جو ہمارے ادراک کے محدود احاطہ میں داخل ہے تو بلاشبہ اُس کے ہم وہی معنی لینے جو زبان عرب میں حقیقتاً یا مجازاً سوافق محاورہ زبان عرب کے اُس کے لیے ہیں اور اگر وہ محل ایسا ہے جو ہمارے ادراک سے باہر ہے تو ہم اس لفظ کے حقیقتاً وہ معنی نہیں سمجھنے کے جو انسان کی زبان میں ہیں بلکہ ہم اُس سے صرف اُس نتیجہ کو حاصل کرینگے جو نتیجہ ہو اُس وقت حاصل ہوتا مگر اُس حقیقت کی تعبیر کے لیے کوئی لفظ ہوتا۔ ہذا ما الہمنی ربی والحمد للہ علی ذلک وصلى اللہ علی حبیبہ محمد والہ اجمعین +

چوتھی۔ یہ کہ قرآن مجید اگرچہ خالق کل کائنات کا کلام ہے مگر جو کہ بطریق اعجاز انسان کی زبان میں بولا گیا ہے اس لیے اُس کے معنی اور مراد لینے میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے وہی امور اُس کے لوازم میں شمار کیے جاوینگے جو ایک اعلیٰ درجہ کی زبان عرب میں معتبر ہوں نہ اور کچھ۔ پس جس طرح کہ فصیح و بلیغ انسان اُس میں بول چال کرتے ہیں اور جو طرز ان کی بول چال کا ہوتا ہے اُسی کا لحاظ قرآن مجید میں بھی ہمیشہ رکھنا چاہیے +

ان اصول اربعہ کے سمجھنے کے بعد یہ کو یہ دیکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں سماؤ کا لفظ کن کن معنوں میں آیا ہے اور ان پڑ عرب کس چیز کو اس نام کا سمجھتے تھے +

قاموس میں جو لغت زبان عرب کی کتاب ہے صرف اتنا لکھا ہے کہ "السماء معروف" یعنی آسمان وہ ہے جسکو سب جانتے ہیں پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جسکو سب آسمان جانتے تھے

یا جانتے ہیں جو اس نیلی یا سبز چیز کے جو ہمو دکھائی دیتی ہے اور کسی چیز کو کوئی شخص (بشرطیکہ وہ لوی نہ ہو) نہ آسمان جانتا تھا اور نہ آسمان جانتا ہے یہی نیلی یا سبز چیز جو ہمو دکھائی دیتی ہے سماء کا سسمی سمجھا جاتا ہے +

اس مقام پر میں شرط مذکور بے فائدہ لگائی کیونکہ اگلے بزرگوں اور عالموں کے نزدیک بھی سماء کا سسمی یہی نیلی یا سبز چیز تھی +

ایک بزرگ نے ابی حاتم کی روایت بسند قاسم ابن بزہ ہمارے سامنے پیش کی ہے کہ ”قال لیست السماء مہجعة لکنہا مقبوبة میرا ہا الناس خضراء“ یعنی آسمان مرج نہیں ہے مگر قہ بنایا گیا ہے دیکھتے ہیں اسکو لوگ سبز +

پھر دوسری روایت ثعلبی کی بسند ضحاک پیش کی ہے تفسیر کوہ قاف میں ”انہ جبل محیط بالارض من نمرود خضراء خضرة السماء منه“ یعنی قاف پہاڑ ہے محیط ساتھ زمین کے زمر و سبز ہے سبزی آسمان کی اسی سے ہے +

پھر تیسری روایت ابوالجوزا کی بسند بن عباس پیش کی ہے کہ ”قال ابن عباس قاف جبل من نمرود خضراء محیط بالعالَم فخضرة السماء منها“ یعنی قاف ایک پہاڑ ہے زمر و سبز کا محیط ہے ساتھ عالم کے پس سبزی آسمان کی اُس سے ہے +

اگرچہ ہم ان روایتوں کو نہیں مانتے اور ضعیف بلکہ موضوع سمجھتے ہیں مگر اتنی بات ان سے ضرور پائی جاتی ہے کہ اگلے زمانہ کے لوگ لفظ سماء کا سسمی اسی چیز کو جو نیلی نیلی یا سبز سبز دکھائی دیتی ہے سمجھتے تھے +

خدا تعالیٰ نے بھی آسمان کے ہمو یہی منی بتائے ہیں بلکہ اس طرح بتاتا ہے کہ یہ آسمان ہے اسکو دیکھو +

سورہ ہل انا تک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت والى السماء كيف رفعت“ یعنی پھر کہیں نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اُٹھا کیا گیا ہے۔ پس خدا اسی چیز کے دیکھنے کو جو اونچی اونچی ہمو دکھائی دیتی ہے فرماتا ہے اور اسی کا نام سماء لیتا ہے +

پھر سورہ نحل آیت ۱۸ میں فرمایا ہے ”المریر والی الطیر مسخرات فی جو السماء یعنی کیا نہیں دیکھتے اور اُنے ملے جانوروں کو کہ فرمانبردار کیے گئے ہیں آسمان کی دست میں“ پس ہم اسی نیلی نیلی چیز کی دست میں پرندوں کو اُڑتا ہوا دیکھتے ہیں جس کا نام ہمو دکھانے سماء بتایا ہے +

پھر سورہ روم آیت ۴۴ میں فرمایا ہے ”اللہ الذی یرسل المراح فتخیر سحابا فی بسطہ فی السماء یعنی اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو پھر اٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر پھیلاتا ہے ان کو آسمان میں“ پس ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نیلی نیلی چیز میں ہوا چلتی ہے اور اس میں بادل اٹھتے ہیں اور اسی میں پھیلتے ہیں اور اسی نیلی نیلی چیز کا نام خدا نے ہیکو سما بتلایا ہے +

پھر سورہ صبا آیت ۹ میں فرمایا ہے ”افلہم یر والی ما بین ایدہم وما خلفہم من السماء ولا ارض ان نشاء نخسف بہم الارض او نسقط علیہم کسفا من السماء“ یعنی کیا انھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں“ پس ہمارے چار طرف یہی نیلی چیز جو ہیکو دکھلائی دیتی ہے اور جس طرح کہ ہیکو زمین میں دھنسا جانے کا خیال آتا ہے اسی طرح اس نیلی نیلی چیز کے اوپر سے ٹوٹ پڑنے کا خیال ہوتا ہے اور اسی نیلی چیز کا نام خدا نے سما بتلایا ہے +

پھر سورہ ق آیت ۶ میں فرماتا ہے ”افلہم ینظر والی السماء فوقہم یعنی کیا نہیں دیکھا انھوں نے آسمان کو اپنے اوپر“ پس یہی نیلی چیز ہیکو اوپر دکھائی دیتی ہے اور اسی کا نام خدا نے ہیکو سما بتلایا ہے +

پھر سورہ حج آیت ۶۲ میں فرمایا ہے ”ویمسک السماء ان تقع علی الارض یعنی تمام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے“ پس وہ کیا چیز ہے جو ہیکو زمین پر گرنے سے تمام رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہی نیلی نیلی چیز ہے جس کا نام خدا نے ہیکو آسمان بتلایا ہے +

پس لفظ سما جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ تو اُسی چیز پر بولا گیا ہے جسکو اہل عرب سما سمجھتے تھے۔ ہمارے شفیق جب چاہتے ہیں کہ سما کے معنی کچھ آدہ لیں تو وہ نہایت خفگی سے فرماتے ہیں کہ ”نیلی چھت چنہری اودھن من بیت العنکبوت مثل ہوا و دھان کے کیا سما منصوصہ قرآن ہی ہے اور اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہوا ہے ”انتم اشد خلقا ام السماء بناھا رفع سمکھا“ والسماء بنینا ہا باید۔ وہ یہی آسمان ہے جس کی نسبت فرمایا ہے ”ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناھا للناظرین“ وحقطنھا من کل شیطان رجیم + انا زینا السماء الدنیا لیرینہ الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یتسعون الی الملاء الاعلی + ومن آیات ان تقوم السماء والارض بامرہ + کیا یہ عجب اُن کی ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے یوم

نظری السماء کٹی السجل للکتاب + کیا اسی کی نسبت ہے میسک السماء ان تقم علی المرض +
 و یوم تشق السماء بالغمام + یدوم تعمیر السماء موزلاً + یوم تاتی السماء بدخان مبین +
 اسی کی نسبت فرمایا ہے - تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیها سراجاً و قمرانیدراً
 یہی ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے - وانشقت السماء ففی یوم مثل واهیتہ والملك علی ارجائها
 یوم تلکوت السماء کالاهل + یوما یجعل الوالدان شیباً السماء متفطر مبه + اذ السماء
 فرجت + وفتحت السماء فکانت ابواباً + اذ السماء کشتت + اذ السماء انفطرت +
 اذ السماء انشقت + والسماء ذات البروج + والسماء ذات الرحم +

مگر ہم ادب سے کہتے ہیں کہ حضرت خفا ہونے کی کوئی بات نہیں ہے فرمایا تو اسی کی نسبت ہے
 کیونکہ یہ سب باتیں بقول آپ کے سار کی نسبت ہیں اور اسی پہلی پہلی سب سب چیز کو اہل عرب سنا جانتے
 تھے پھر بعد ہم پر خلی کیا ہے اگر خفا ہونا ہے تو خدا پر خفا ہو جائے کہ اُس نے اس پہلی جھٹ چنبری
 اوھن من بیت العنکبوت پر کیوں ان صفتوں کا اطلاق کیا جو اُس پر صادق نہیں آتیں یا اُسی
 چیز کو ایسا مانئے جس پر یہ صفتیں صادق آجاویں یا ہمارے ساتھ ہو جائے اور ایسے معنی اختیار کیجئے کہ
 خدا پر سے غور باند کذب کا الزام اٹھے +

یا وفا یا خبر وصل تو بامرگ رقیب

بازی چرخ ازیں یک دوسہ کارے بکند

ایک ہمارے شفیق نے نہایت خوشی سے ہکو الزام دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لا وجود السماء
 جسمانیاً + اور اگر یہی قف چنبری مصداق آیات ہو تو اُس کا ہی تو جسم ہے پھر خود تمھارے اقوال سے
 تمھارا قول غلط ثابت ہو گیا +

بلاشبہ الزام ہم پر بہت بڑا الزام ہے جسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر خباب آسمانوں کی یہی جہالت
 منہ میں ہکو کچھ خدر نہیں ہم تو اُس جہالت کے منکر ہیں جس کو حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور
 جس کی تعلید علماء اسلام نے کی ہے گو کہ سبب کسی خاص وجہ کے اُن کی ایک آدھ بات سے اختلاف
 بھی کیا ہو +

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو ہم گمراہوں کی ہدایت کے لیے لکھا ہے
 مقام فرمایا ہے کہ "ہمارا اعتقاد نسبت آسمانوں کے یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو
 بنایا ہے اور ہمارے اوپر ہیں اور خلقت اُن کی ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید اور وہ بے متون

محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں اور شمس و قمر و نجوم کے منایہ ہیں اور شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں اور قابل اشتقاق اور انقطاع ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اس اعتقاد کے منکر کو منکر آیات قرآن سمجھتے ہیں۔

کسی کو منکر آیات کہہ دینا تو بہت آسان بات ہے۔ شخص ایک آیت کے کوئی معنی اپنے نزدیک ٹھہرا کر دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ اس معنی کے نہ ماننے والے کو ہم منکر آیت قرآن سمجھتے ہیں جیسے مثلاً مفسرین کے دو فرقوں میں سے ایک اس بات کا قائل ہے کہ آسمان سقفِ سطح ہے اور اُس کے ستون کوہِ قاف پر کھے ہوئے ہیں اور دوسرا اس بات کا قائل ہے کہ آسمان مثل مرغی کے انڈے کے گول ہے پس اس صورت میں جو فرقہ اس کے سطح ہونے کا قائل ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص آسمان کو مثل انڈے کے اعتقاد کرے وہ منکر قرآن ہے اور جو اسکو انڈے کے مثل کہتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص آسمان کو سطح کہے وہ منکر قرآن ہے حالانکہ یہ دونوں مخالف فرقے اب تک مسلمان مفسروں میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مذاہب بطور تحقیق و اختلاف آرا بڑی بڑی تفسیروں میں نقل کیے جاتے ہیں۔ پس مولوی محمد علی صاحب کے قواعد کے موافق ان میں سے بھی ایک تو ضرور منکر قرآن ہو گا مگر اس سے کسی کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اپنا ہی کچھ نقصان ہے۔

مگر جو کچھ مولوی صاحب نے فرمایا اگرچہ وہ کسی قدر ترمیم کے قابل ہے مگر ہم کو اُس سے انکار بھی نہیں بیشک آسمان ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے۔ اُن پر کیا سو قوف ہے تمام چیزوں کا یہاں تک کہ جناب مولوی صاحب کا بھی بنانے والا خدا ہی ہے دوسرا کوئی نہیں بے شک وہ ہمارے اوپر ہیں مگر یہاں ذرا غلطی ہے کیونکہ وہ ہمارے پاؤں تلے بھی ہیں بے شک وہ ہماری خلقت سے حکم تراور شدید ہیں لیکن اگر لفظ حکم اور شدید سے یہ سمجھا جاوے کہ جیسے تچی مٹی کی دیوار اور ایک رینچہ کی یا اردھات کی دیوار یا جیسے ایک مٹی پڑی ہوئی چھت اور رینچہ کی ڈاٹ لگی ہوئی تو اس سے ہم کو صاف رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے اُن لفظوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بیشک وہ بے ستون محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں یہاں صرف اتنی بات ہے کہ جناب مولوی صاحب کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ قدرت کاملہ کس فیو سے ظاہر ہوئی ہے مگر ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ عالم اسباب میں وہ قدرت اُس قوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہے جس کو ہم جذب کہتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کے کلام میں شاید لفظ ”مرفوع ہیں“ کی جگہ یہاں چاہیے کہ ہر ایک کی نسبت مرفوع دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے بھی ہم کو کچھ انکار نہیں کہ وہ شمس و قمر و نجوم کے منایہ ہیں مگر اتنا کہتے ہیں کہ اُن پر بھی بوج اُن کے متفع ہونے کے

اطلاق ہو سکتا ہے مگر یہ جو مولوی صاحب نے فرمایا کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں یہ گول گول بات ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں اس طرح ہیں جیسے پانی میں مچھلی یا ہوا میں کبوتر تو تو ہم بدل تسلیم کرتے ہیں اور اگر اُن کے اُن میں ہونے سے اس طرح کا ہونا مراد ہے جیسے تختہ میں کیل یا انگوٹھی میں نگینہ تو ہم اُسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک خدا کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے۔ پھر جناب ممدوح ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قابلِ اشتقاق و انفطار کے ہیں۔ ان لفظوں میں جو مولوی صاحب نے فرمائے ہیں قرآن مجید کی بخوبی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر یوں فرماتے کہ اُن پر اشتقاق اور انفطار کا اطلاق ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے تو بالکل صاف ہو جاتا۔ مگر خیر لفظ ادب جناب مولوی صاحب کے ہم اُسی تسلیم کر لینگے +

اب ہم کو یقین ہے کہ جناب مولوی صاحب ہم سے خوش ہو جائیں گے اور اب ہم کو اور ہمارے مسلمان دوستوں کو مفائدہ ملے اور قمر و شمس اور قرآن اور بیدین نہ فرماؤ بیٹے کیونکہ ہمارا اس میں کچھ نقصان نہیں اور سُنت میں جناب مولوی صاحب کی زبان گندی ہوتی ہے مگر ایک جگہ مولوی صاحب نے ہملوگوں کی بات کو مجذوبانہ بڑھ لکھا ہے۔ پس اُن کا ہم نہایت شکر کرتے ہیں کہ انھوں نے ہم کو تکلیفات شرعیہ سے بری کیا ہے مگر ہر نہ معلوم کہ کیوں ملحد و مرتد و بیدین قرار دیتے ہیں مگر باتیں تو مولوی صاحب کی بھی ایسی ہیں کہ ایک کو دوسری سے مناسبت نہیں۔ خدا رحم کرے +

اب یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا اطلاق بمعنی آسمان اسی خلی چنبری چھت پر آیا ہے خواہ وہ ادھن من بیت العنکبوت ہو۔ خواہ اشد من سقف الحديد +

دوسرے معنوں میں سماء کا اطلاق قرآن مجید میں بادلوں پر آیا ہے۔ بیسیوں جگہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ انزل من السماء ماء یعنی اتارا آسمان سے یعنی بادل سے پانی اور کچھ شک نہیں کہ بادل سے مینہ برستا ہے اور اس جگہ سماء کا لفظ بادل معنی ابر پر ہوا لگایا ہے مگر ہمارے شفیق فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کے معنی بدل لینگے اور کہیں گے کہ اس سے من جانب السماء مراد ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ سورہ ہود کی ۴۴۔ آیت کی نسبت کیا فرماؤ گے جہاں خدا نے فرمایا ہے یرسل السماء علیکم ملاء باراً یعنی بھیج دیا آسمان کو مینی ابر کو تم پر رسنے والا۔ پھر ۶۴۔ آیت میں فرمایا ہے وقیل یا ارض ابلیعی ماء ویا سماء اقلعی مینی اور کہا گیا اے زمین نکل جا اپنا پانی اور اے آسمان مینی ابر تم جا۔ تفسیر میں لکھا ہے اقلعت السماء بعد ما مطرت اذا امسکت مینی عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے اقلعت السماء جبکہ برس کر تم جاتا ہے۔ پس اب کوئی شخص اس بات پر شبہ کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا

ابرد بدل پر بھی اطلاق ہوا ہے :

تیسرے جس چیز میں کواکب پھرتے ہیں اس پر لفظ فلک کا بھی اطلاق آیا ہے۔ سورہ انبیاء آیت ۳۴ میں خدا فرماتا ہے ”وہو الذی خلق اللیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلك یسبحون یعنی اور وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو ہر ایک بیچ آسمان کے تیرتے ہیں“ :

پھر سورہ یس آیت ۴۰ میں فرمایا ”لا الشمس یبغی لہا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النہار وکل فی فلك یسبحون یعنی سورج کے لئے لائق نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات پہلے ہو سکتی ہے دن سے اور سب ستارے آسمان میں چلتے ہیں“ اور اہل علم تو آسمان کی جگہ فلک ہی کا لفظ بولتے ہیں جیسے فلک قمر وغیرہ اور فلک کسی ایسے مجسم کو نہیں کہتے جیسے یونانیوں کا آسمان ۔ پوچھتے سموات کی جگہ طہایق کا لفظ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پس ان دونوں لفظوں سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سماء اور فلک اور سموات اور طہایق مراد ہیں بلکہ صرف استدلال اس قدر کہ سماء و سموات کی جگہ ان لفظوں کے بولنے سے پایا جاتا ہے کہ آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانیوں اور ان کی تقلید سے علماء اسلام نے تسلیم کیا ہے ویسا جسم ان کا نہیں ہے :

جناب مولوی محمد علی صاحب نے یا تو ہمارا مطلب نہیں سمجھا یا ہمارا بیان ایسا ناقص کہ جسے عالموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے حرکت کر نیوالے اجسام ہیں۔ پس ضرور ہے کہ مدار انکا طویل و عریض و عمیق ہو ۔ جب یہ امر مہد ہو چکا تو بعد مدار حرکت سیارگان ان لوگوں کی رائے پر جن کے نزدیک خلا محال ہے بلا شک و شبہ جسم ہی ہو گا خواہ جسم لطیف مثل مانی و ہوا کے ہو خواہ کثیف شفاف ایسا جو مانع سیر نہ ہو اور جو لوگ خلا کے امکان کے قائل ہیں ان کے نزدیک ممکن ہے کہ بعد مجرد ہو یا بعد مجسم :

خدا مولوی صاحب کا بھلا کرے ہم تو اسی مدار کو جس کا بھی ذکر کیا سماء و سبع سموات مانتے ہیں اور صرف یونانی حکیموں کے آسمان مجسم سے انکار کرتے ہیں نہ ایسے مدار سے جس کا جناب مولوی صاحب نے ذکر کیا اور اس بات کا کچھ خیال بھی نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ ہے یا ممکن کیونکہ اسکے محال یا ممکن ہونے پر اب تک کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوئی ہے بلکہ بحالت امکان خلا بھی ہم اس مدار کو مخلوق بلکہ ذی الجہات تسلیم کر چکے ہیں اور جناب مولوی صاحب میں اتنا فرق ہے کہ شاید جناب مسدوخ خلا کو غیر مخلوق مانتے ہیں اگر وہ ممکن ہو مگر ہم خلا کو بھی مخلوق مانتے ہیں اور خدا کو سب چیز کا مہیاں تک کہ خلا کا بھی

خالق جانتے ہیں :

تعجب ہے کہ ہم برابر اور اپنی ہر ایک تحریر کے شروع میں کہتے آتے ہیں کہ ہم اُس جہانیت آمیزوں کے منکر ہیں جو یونانی حکیموں نے تسلیم کی ہے اور جسکو علماء اسلام نے یونانیوں کی تقلید کر کے تبدیلِ قلیل تسلیم کیا ہے اور جو مذہب قرار دیا ہے +

ہم علماء اسلام کی اُن لغو باتوں سے انکار کرتے ہیں جن میں انھوں نے یونانیوں کی تقلید سے اور سوسنوع روایتیں منکر آسمان کو ایسا جسم مانا ہے جو ہم میں اور اوپر کی مخلوق میں آڑ ہے اور لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر میں آیہ شفق السماء بالغمام کی تفسیر میں کیا لغو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت لکھی ہے کہ انبیاء کے وقت میں کونے کتروں میں سے فرشتے نازل ہوا کرتے تھے آسمان بدستور چوڑے رہتے تھے مگر جب آسمان بھٹ جاوینگے تو زمین میں اور فرشتوں میں کوئی مائل نہیں رہنے کا پس فرشتے زمین پر اتر آدینگے +

دوسرا قول لکھا ہے کہ آسمان کے اوپر تو فرشتے رہتے ہیں مگر جب وہ بھٹ جا دیگا تو خود بخود اُن کو نیچے اترنا پڑے گا بقول شخصے کہ جب اڑا ہی نہ رہیگا تو بیٹھیں گے کا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے اور ساتوں آسمانوں کا پھٹنا اور وہاں کے فرشتوں کا زمین پر آنا بیان کیا ہے۔ پھر اس فکر میں پڑے ہیں کہ زمین پر سب وہ سائینگے کیونکر۔ پھر اُس کے لئے ایک روایت گھڑی ہے +

پھر حضرت مقاتل کی نسبت ایک روایت گھڑی ہے اور اُس میں توقیامت ہی کر دی ہے اُس میں لکھا ہے کہ اول دنیا کا آسمان بھٹے گا اور اُس آسمان پر جو رہتے ہیں وہ اترینگے اور وہ تمام دنیا کے ٹکڑاں سے زیادہ ہونگے پھر اسی طرح ایک ایک آسمان پھٹا جا دیگا آخر کو کو ربی اور فرشتگان حملۃ العرش اترینگے اور پھر سب سے اخیر خدا تعالیٰ رب العرش العظیم اترینگے کیونکہ وہ تو سب سے اوپر تھے جب سب آسمان بھٹ لیتے تب جناب باری کو اترنے کا راستہ ملا خود باللہ من هذا الا باطیل۔ اگر حقیقت مذہب اسلام ہی ہو تو اُس سے دیو اور پری کے قصے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ جناب مولوی صاحب قلیہ آپ جو ان لغویات کی تائید کرتے ہیں یہ اسلام کی خیر خواہی نہیں بلکہ کمال بدخواہی ہے اور جھوٹی باتوں سے اسلام کا بدنام کرنا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جوں جوں ترقی حکمت شہو یہ اور علوم یقینی کی ہوگی لوگ اسلام سے پھرتے جاوینگے اور اسلام کو آپ لوگوں کی بدولت تو سمجھیں گے اور اُس سب کا گناہ مولوی صاحبوں کی گردن پر ہو گا۔ اسلام کی دوستی یہ ہے کہ نہ صفا کی رعایت کیجئے نہ مقاتل کی صرف

اسلام پر عاشق رہیے اور جس قدر غلط روایتیں اور غلط رائیں اسلام میں مل گئی ہیں جو درحقیقت اسلام کی نہیں ہیں اُن کو اس طرح کمال ڈالیں جیسے کہ دودھ میں سے مکھی اور اسلام کی روشنی دہریہ و لاد مذہب و حکیم پیرو حکمت قدیم و پیر و حکمت جدید سب کو ایسی طرح پر سکھائیے کہ سب دنگ ہو جاویں۔ قلم ہاتھ میں لیکر بے سود باتوں سے کاغذ کو سیاہ کر دینا اور تفسیر القول بمکالایرضیٰ قایلہ کر کے لوگوں کو کافرو طحرد و مرتد کہنا کچھ دینداری کی بات نہیں ہے البتہ جاہلوں میں مٹی بکھر شیخی کرنے کو اور بڑے پکے دیندار کہلانے کو تو بہت عمدہ ہے ہم کیوں پیروی کریں اُن علماء کے قول کی جن کا قول خلاف واقع ثابت ہوا ہے اور کیوں پیروی کریں اُس تفسیر کی جس سے تمام قرآن منوذباتہ غلط اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ہم کسی مفسر کو کسی عالم پر ایمان نہیں لائے جو اُن کی بات کی تصحیح کریں۔ ہم تو خدا پر اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس کے کلام پر ایمان لائے ہیں اور اُس کے عاشق ہیں پس جو شخص یا جو قول ایسا ہے جس سے اُن میں نقص لازم آتا ہے تو اُس کے دشمن ہیں پس نہایت مناسب ہے کہ آپ ہمارے دشمن ہو جائیے مگر اتنا سمجھ لیجیے کہ دوست کے دشمن ہوتے ہو اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ دوست کا دشمن کون ہوتا ہے +

پانچویں۔ سماء کا اطلاق شے مرتفع پر بھی آتا ہے۔ ہمنے اپنے اس قول کی تائید میں امام فخر الدین رازی کا قول نقل کیا تھا کہ السماء عبارة عن کل ما ارتفع۔ اور جناب مولوی محمد علی صاحب نے یہ قول امام صاحب کا بھی نقل فرمایا ہے کہ ان السماء انما سمیت سماء لسموها فکل ما سماک فهو سماء فانزل الماء من السحاب فقد نزل من السماء یعنی آسمان کا نام سماء اسی سبب سے رکھا گیا ہے کہ وہ بلند ہے پہنچ چیز کچھ سے بلند ہے وہ آسمان ہے پس جب نزل ہوا میں نہ داخل ہے تو برسا سماء ہے مگر جناب مولوی صاحب مروج فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی علماء لغت میں سے نہیں ہیں اُن کا قول بیان معانی لغت اور دیگر علوم عربیہ میں متون نہیں +

پھر ارقام فرماتے ہیں کہ امام رازی نے یہ بات بطریق قیاس فی اللغۃ کے فرائی اور چونکہ قیاس فی اللغۃ مقبول نہیں ہے پس یہ قول بھی اُن کا مقبول نہیں ہو سکتا +

خیر سکو اس سے تو بحث نہیں ہے کہ امام فخر الدین رازی کو علوم عربیہ کی لیاقت تھی یا نہیں۔ اگر لیاقت تھی تو بھی دلِ شاد اور آگرنہ تھی تو کچھ مولوی صاحب نے اُن کے حق میں فرمایا ہماری طرف سے بھی بیش باد مگر اس قدر تو شاید جناب مولوی صاحب بھی تسلیم فرماتے ہوئے کہ بطور استوارہ کے مرتفع چیزوں پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے پس اس قدر ہم بھی کہتے ہیں کہ اُن پر بھی سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے +

یہ ہم کہتے ہیں کہ ہر جگہ سماء اور سموات کے معنی اوپر کے یا اوپر کی چیزوں کے لو۔ ہم تو خود سماء کا اطلاق متعدد چیزوں پر اس لئے ثابت کرتے ہیں کہ ان میں سے جو کسی چیز مقتضائے مقام ہو اور سیاق و سباق عبارت سے پائی جاوے وہ مراد لیا جاوے نہ کہ یونانیوں کی تقلید سے ہر جگہ وہی معنی غیر واقعی جسم مراد لیا جاوے جو محض غلط و خلاف واقع ہے +

ہم کو نہ مولوی محمد علی صاحب کا اور نہ اذکر کسی تحریر کا جواب لکھنا مقصود ہے۔ اس مقام پر اتفاقیہ چند باتیں تقریر کے پھیر میں آگئیں۔ پس ہم نے ان کی بہت سی بیجا اور غیر صحیح باتوں سے جو تعرض نہیں کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کو تسلیم کیا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ بے فائدہ اوقات ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے +

اب ہم آئندہ بیان کریں گے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا کوئی آیت قرآن مجید کی جس کے برخلاف نہیں ہے +

اس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سماء کے لفظ کا کن کن معنوں میں اطلاق ہوا ہے اب ہم قرآن مجید کی جملہ آیتوں پر جو سماء سے متعلق ہیں نظر کرتے ہیں اور ان سب کو قسم واد بیان کر کر ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں انہیں معنوں میں سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے نہ ایسے جسم محکم و صلب شفاف بلورین پر جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا ہے اور جن کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے +

قسم اول

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا بادلوں پر اطلاق ہوا ہے +

۱۔ وارسلنا السماء علیہم مدراراً۔ الانعام آیت ۶ +

ترجمہ۔ اور بھیجا تھے بادل کو ان پر ڈیڑھے سے برستا +

۲۔ یسئل السماء علیہم مدراراً۔ صافات آیت ۵۲۔ نوح آیت ۱۰ +

ترجمہ۔ بھیجے بادل تہہ ڈیڑھے سے برستا + سورہ ہود میں جو یہ آیت ہے اس کے

ترجمہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سماء کا ترجمہ ابر کیا ہے اور باقی دو جگہ

مینہ +

۳۔ انزل من السماء ماء۔ البقرہ آیت ۲۰۔ الانعام آیت ۹۹۔ الرعد آیت ۱۸۔ ابراہیم

آیت ۳۷۔ النحل آیت ۱۰۔ طہ آیت ۶۷۔ طہ آیت ۵۵۔ الحج آیت ۶۲۔ المؤمنون آیت ۱۸۔

الملائکہ آیت ۲۵ - الزمر آیت ۲۲ +

ترجمہ - اُتارنا بادل سے پانی +

۱۵ - والذي نزل من السماء ماء بقدر - الزخرف آیت ۱۰ +

ترجمہ - اور جس نے اُتارنا بادل سے پانی اندازہ سے +

۱۶ - وانزلنا من السماء ماء طهورا - الفرقان آیت ۵۰ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہم نے بادل سے پانی پاک کرنیوالا +

۱۷ - ونزلنا من السماء ماء مبارکاً - ق آیت ۹ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہم نے پانی بادل سے برکت والا +

۱۸ - وما انزل الله من السماء من ماء - البقرة آیت ۱۵۹ +

ترجمہ - اور وہ جو اُتارنا اللہ نے بادل سے پانی +

۱۹ - وينزل عليكم من السماء ماء - الانفال آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہے تم پر بادل سے پانی +

۲۰ و ۲۱ - كما انزلناه من السماء - يونس آیت ۲۵ + الکہف آیت ۴۳ +

ترجمہ - مانند پانی کے جسکو اُتارنا ہم نے بادل سے +

۲۲ - فانزلنا من السماء ماء - الحجر آیت ۲۲ +

ترجمہ - پھر اُتارنا ہم نے بادل سے پانی +

۲۳ - وانزل لكم من السماء ماء - النمل آیت ۶۱ +

ترجمہ - اور اُتارنا تمہارے لیے بادل سے پانی +

۲۴ - وانزلنا من السماء ماء - لقمان آیت ۹ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہم نے بادل سے پانی +

۲۵ - ومن آياته يرثكم البرق خوفاً وطمعاً وينزل من السماء ماء - الروم آیت ۲۳ +

ترجمہ - اور اسکی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے تمکو بجلی ڈرانے کو اور بج کر مٹنے کو اور

اُتارنا ہے بادل سے پانی +

۲۶ - اوکضیب من السماء فيه ظلمات ورمعد وبرق - البقرة آیت ۱۸ +

ترجمہ - یا جیسے دھواں عاصفہ بننے کے بادل سے کہ اس میں ہیں اندھیری اور کڑک اور بجلی +

۲۷۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً۔ الْعَنَكِبُوت۔ آیت ۶۴ +

ترجمہ۔ اور اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے اُن کا بار بادل سے پانی +

۲۸۔ وَمَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ الْجَاثِيَةِ آیت ۴ +

ترجمہ۔ اور وہ جو اُن کا اللہ نے بادل سے رزق یعنی مینہ بھر زندہ کیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد +

۲۹۔ ۳۱۔ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ يُونُسُ آیت ۳۲۔ الْمَلَانِكَةُ آیت ۴ +

ترجمہ۔ کون روزی دیتا ہے تم کو بادل سے اور زمین سے + آسمان کے رزق سے بادل کو مینہ برساتا ہے +

۳۲۔ وَيَنْزِلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا۔ الْمَوْمِنُ آیت ۱۳ +

ترجمہ۔ اور اُن کا ہے تمہارے لئے بادل سے رزق یعنی مینہ +

۳۳۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ الذَّارِيَاتُ آیت ۲۲ +

ترجمہ۔ اور بادل میں ہے رزق تمہارا اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ہے + یعنی بادلوں میں مینہ ہوتا ہے جو رزق پیدا ہونے کا اور زمین سے تمام موعودہ برکتوں کے نکلنے کا سبب ہے +

۳۴۔ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَا يُمْسِكُهُمْ۔ الْقَمَرُ آیت ۱۱ +

ترجمہ۔ پھر کھول دیئے ہم نے بادل کے دروازے ڈھیر سے کا پانی ٹپنے سے +

۳۵۔ وَيَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ۔ النُّورُ آیت ۴۳ +

ترجمہ۔ اور ڈالتا ہے بادل کے پہاڑوں سے جہاں میں ہیں ایلے +

۳۶۔ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجَمِ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ الْأَمْوَاقُ۔ ۱۱ و ۱۲ +

ترجمہ۔ قسم ہے پھر نے والے بادل کی قسم ہے زمین اُگانے والے پھوٹاؤ والی کی +

قسم دوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا فضا کے بلند محیط پر اطلاق ہوا ہے۔

۱۔ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحَبْكِ۔ الذَّارِيَاتُ آیت ۷ +

ترجمہ۔ قسم ہے رستوں والی اونچائی کی +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے والسماء ذات الحجب قبل الطریق وعلى هذا فيحتمل ان
ليكون المراد طريق الكواكب وهو ارتقا۔ یعنی تفسیر کبیر میں جبك کے معنی طریق کے معنی
رستوں کے بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ شاید اس سے ستاروں کے رستے اور ان کے چلنے کی
جگہیں مراد ہیں :

اب اس آیت سے دو بات پر استدلال ہے۔ ایک یہ کہ آسمان ستاروں کے چلنے کی جگہ پر بولایا
ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کوئی ایسا جسم سخت اور صلب شفاف بلوریں نہیں ہے جیسا کہ یونانی
حکیموں نے خیال کیا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے بلکہ اُس مکان مرتفع کا جس میں
اجرام یا اجسام کو اکب کے دُورہ کرتے ہیں سما نام ہے۔ ہم اُس سے بحث نہیں کرتے کہ اُس
مکان میں کوئی جسم لطیف جو مانع سیر کو اکب نہ ہو موجود ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے پاس اُسکے موجود
ہونے کے اثبات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی صحت اور صداقت ثابت کرنے
کے لیے ایسے کسی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ در صورت اُسکے موجود ہونے کے
کچھ وقت ہے :

کواکب بہت سے ہیں اور ان کی راہیں بھی بہت سی اور جُدا جُدا ہیں اور ہر ایک مکان کے
دُورہ پر سما کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رستوں والا آسمان تو اُس وقت
آسمان سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص جسم مسلح حکماء یونان مراد نہیں ہو سکتا اور اس لیے اس
آیت میں لفظ سما کا بلند ہی پر اطلاق ہوا ہے جو مکانیت سے خالی نہیں ہے اور جس میں ہزاروں
رستے کو اکب کے دُورہ کے ہیں :

۲۔ هو الذي خلق لكم ما في الارض جميعاً ثم استوى الى السماء فسوفهن سبع
سموات۔ البقرة۔ آیت ۷

قد جمہ۔ وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور
پیدا کیا بلندی کو تو درست کیے متعدد آسمان :

تفسیر کبیر میں لکھا ہے ثم استوى الى السماء اے خلق بعد الارض السماء ولم يجعل
بينهما ازماناً ولم يقصد شيئاً آخر بعد خلق الارض یعنی ثم استوى الى السماء سے
زمین کے بعد سما کے پیدا کرنے کا استعارہ ہے اور ان دونوں کے پیدا کرنے کے چھپ چھپت نہیں
لگی اور نہ زمین کے پیدا کرنے کے بعد اور کسی چیز کا قصد کیا :

اور یہ بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے فان قل قابل فهل يدل التخصيص على سبع سموات
على نفى العدد الزائد قلنا الحق ان تخصيص العدد بالذکر لا يدل على نفى الزايد معنی کیا
سات آسمانوں کی تعداد بیان کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ سات سے زیادہ نہیں ہیں تو ہم جواب
دیئے کہ حق یہ ہے کہ کسی خاص عدد کا بیان کرنا اُس سے زیادہ نہونے پر دلیل نہیں ہے +
انھیں جرات سے کہنے ثم استوی الى السماء کا ترجمہ اور پیدا کیا آسمان معنی بلندی کو
اور سبع کا ترجمہ بعض سات کے متعدد کیا ہے +

علماء متقدمین کو جو یونانی ہیئت کا خیال جا ہوا تھا اس لیے اُن کو اس قسم کی آیتوں کی تفسیر
میں مشکلات پیش آتی ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہم بندوں سے جو اس
زمین پر رہتے ہیں مخاطب ہو کر اُن کے سبب کلام کرتا ہے۔ جبکہ اُس نے ہمارے لیے زمین
اور اُسکی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر کیا تو جو کچھ اُس نے ہم سے اور پیدا کیا تھا وہ ہمارے
لیے سموات ہو گئی اس لیے اول زمین کی چیزوں کا ذکر کیا اور پھر آسمانوں کا +

ہمنے سما کا ترجمہ بلندی کیا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں سما کے لفظ سے
کوئی محل خاص یا کوئی یونانیوں والا خاص صہم مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی ایک آسمان کے سما آسمان
نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ وہ الگ الگ جدا جدا سات آسمان ہیں اس لیے بجز اسکے کہ اس آیت میں
لفظ سما سے بلندی مراد لی جائے اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے اور جب اُسکے معنی بلندی لیے
گئے تو آیت کے معنی صاف ہو گئے کہ خدا نے بلندی کو پیدا کیا اور اُس میں سات یا متعدد آسمان
بنائے +

بلندی ایک فضا یا وسعت محیط ہے جو ہماری سمت الٹاں پر دکھائی دیتی ہے۔ وہ مکانیت سے
خالی نہیں خواہ اُس میں خلا ہو یا نہ ہو مگر جب وہ فضائے مرتفع متعدد نشانوں سے منقسم ہو جاتی ہے تو
اُس کے ہر ٹکڑے پر طبقہ یا ساریا ارتفاع کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ہم یونانی حکیموں کے قول کو
تسلیم نہیں کرتے مگر بطور مثال کے سمجھاتے ہیں کہ جو وسعت اُن کے نزدیک زمین سے فلاب قمر کے
مستقر تک تھی اُسکو اُنھوں نے تین ٹکڑوں میں منقسم کیا تھا جن کو وہ کمرہ ہوا اور کمرہ زمہر اور کمرہ با
سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح اُس وسعت کی تقسیم سموات پر ہوتی ہے یعنی اُس وسعت کے اُس محل کو
جہاں یہ نیلی نیلی چیز چمکو دکھائی دیتی ہے ہم آسمان کہتے ہیں اور اُس محل کو بھی جہاں چاند گردش کرتا
ہے یا اور ستارے مدار و فہر وغیرہ گردش کرتے ہیں ان کو یہ محل جہت ہمارے تفریع میں ہیں انھیں محلوں پر خدا تعالیٰ

سموات کا اطلاق کیا ہے اس بیان کی تصویر اگلی آیت سے بالکل ثابت ہوتی ہے +
 ۳۔ ثم استوی الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعاً او كرهاً قالتا ایتنا
 طائعين ففضا هن سبع سموات فی یومین وادحی فی کل سماء امرها + فصلت
 آیت ۱۱ و ۱۲ +

ترجمہ - اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں تھا یعنی تاریک تھی پھر کہا اُسکو اور زمین کو
 حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے - دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی سے پھر کر دیئے
 سات یا متعدد آسمان دُودن میں اور ڈال یا ہر آسمان میں اُس کا کام +
 جو تقریر کہہنے اور بیان کی اُسی تقریر سے اس آیت میں بھی جو لفظ سماء اول آیا ہے اُس کے
 معنی بھی کسی محل خاص یا جسم خاص کے نہیں ہو سکتے +

دخان سے مفسرین نے تاریکی مراد لی ہے اور یہ بالکل ٹھیک ہے اس لیے کہ بلندی میں قبل ٹھو
 کو اکب بجز تاریکی کے جسکو دخان سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نہیں تھا +

شاہ عبدالقادر صاحب اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ آسمان ایک تھا دھواں سا اُسکو بانٹ کر
 سات کیئے اور ہر ایک کا کارخانہ جدا ٹھہرایا + یہ بالکل تصویر اُسی بیان کی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے
 یعنی یہ تمام فضائے بلند ایک تھی اُسی کو آسمان کہا ہے جبکہ اُس میں اور اور چیزیں پیدا ہوئیں اور اُس
 فضا کی اُن چیزوں سے تقسیم ہو گئی تو اُس کے ٹکڑوں پر سموات کا اطلاق ہونیکا +

دیکھو اگر وہ آسمان کی نیلی شعاع منعکس ہونے سے یہ نیلی چھت ہمکو دکھائی دیتی ہے اور اُس
 فضا کو اپنی اُس حد سے تقسیم کر دیتی ہے اُس محل کو ہم آسمان کہتے ہیں +

چاند اور عطار وغیرہ کو اکب اپنے وجود سے اُس فضا کو تقسیم کر دیتے ہیں جیسے صنوف کا غنچہ زلفا ط
 لگانے سے ہر حصہ محدود ہو جاتا ہے اور پھر اپنے دُورہ سے جو آفتاب کے گرد کرتے ہیں ایک محل کو جو
 بلاشبہ کائنات کا اُس پر اطلاق ہوتا ہے اُس فضا سے علیحدہ کر لیتے ہیں اس لیے اُن کے ہر محل کو بھی
 ہم آسمان کہتے ہیں +

۴۔ فانزلنا علی الذین ظلموا رجلاً من السماء بما كانوا یفسقون - البقرة آیت ۵۶ +
 ترجمہ - پھر اُنارا ہم نے زیادتی کرنے والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے اُن کی
 نافرمانی پر +

۵۔ فارسلنا علیہم رجلاً من السماء بما كانوا یظلمون - الاعراف آیت ۱۶۳ +

ترجمہ۔ پھر بھی چاہئے اُن پر عذاب آسمان سے یعنی معاوضہ اُن کی زیادتی کا +

۶۔ انا منزلون علی اهل هذه القرية رحزا من السماء بما كانوا يفسقون + العنکبوت
آیت ۳۳ +

ترجمہ۔ ہم اُن کو اتار دیا لے ہیں اس سستی والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے بعض اُن کی
بدکاری کے +

۷۔ فامطر علينا حجارة من السماء۔ الانفال آیت ۳۲ +

ترجمہ۔ تو برسایم پھر پتھر آسمان سے +

۸۔ ان تنزل عليهم کتاباً من السماء۔ النساء آیت ۱۵۲ +

ترجمہ۔ اُن پر اُنار لاوے کتاب آسمان سے یعنی اوپر سے +

۹۔ هل يستطيع ربك ان ينزل علينا مائدة من السماء۔ المائدہ آیت ۱۱۲ +

ترجمہ۔ تیرے خدا سے ہو سکتا ہے کہ اُنارے ہم پر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے +

۱۰۔ الهم ربنا انزل علينا مائدة من السماء۔ المائدہ آیت ۱۱۴ +

ترجمہ۔ اے اللہ ہمارے پروردگار اُنار ہم پر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے +

۱۱۔ ويرسل عليها حسبانا من السماء۔ کہف آیت ۳۸ +

ترجمہ۔ اور بھیج دے اُس پر آفت آسمان سے +

۱۲۔ لنزلنا عليهم من السماء ملاءم سواک۔ اسرائیل آیت ۹۷ +

ترجمہ۔ البتہ ہم اُنارے اُن پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لیکر +

۱۳۔ ان نشأنا نزل عليهم من السماء اية + الشعراء آیت ۳ +

ترجمہ۔ اگر ہم چاہیں اُناریں اُن پر آسمان سے ایک نشانی +

۱۴۔ ومن يشرك بالله فکانما خر من السماء۔ الحج آیت ۳۲ +

ترجمہ۔ اور جس نے شریک بتایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے یعنی بلندی سے +

۱۵۔ وما انزلنا علی قومہ من بعدہ من جند من السماء وما کنّا منزلین۔ یس آیت ۲۷ +

ترجمہ۔ اور ہمیں اُنارہیں اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور ہم نہیں

اُنار کرتے +

۱۶۔ لغننا عليهم بركات من السماء والارض + الاعراف آیت ۹۴ +

ترجمہ - تو ہم کھولتے اُن پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی +

۳۵ - ولوفتحناعلیہم باباً من السماء - الحجرات ۱۴ +

ترجمہ - اور اگر ہم کھولیں اُن پر دروازہ آسمان سے +

۳۶ - لا تفتح لہم ابواب السماء - الاعراف آیت ۳۸ +

ترجمہ - کبھی نہ کھلیں گے اُن پر دروازے آسمان کے +

۳۷ - یدبر الامر من السماء الی الارض - السجدة - آیت ۴ +

ترجمہ - تدبیر سے اُتارتا ہے کام کو آسمان سے زمین تک +

۳۸ و ۳۹ - وما ینزل من السماء وما یرج فیہا - سبا آیت ۲ - والحديد آیت ۴ +

ترجمہ - اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اُٹھتا ہے اُس میں +

۴۰ و ۴۱ - اَاٰمَنتم من فی السماء ان ینخسف بکم الارض فاذا ہی تمور ام امنتم من

فی السماء ان یرسل علیکم حاصباً - الملك آیت ۱۶ و ۱۷ +

ترجمہ - کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنساوے تم کو زمین میں پھر دیکھو

وہ لرزتی ہے - کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجی تم پر تھہر رہا

والی ہوا +

۴۲ - ومن یردان یصلہ یجعل صدماً ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السّماء -

الانعام آیت ۱۲۵ +

ترجمہ - اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھٹکا دے کرتا ہے اُس کا سینہ تنگ ہو چکے گویا آسمان

پر پھٹی اور کو اُٹھا جاتا ہے +

۴۳ - تبارک الَّذی جعل فی السّماء بروجا وجعل فیہا سراجاً وقمر اّمنیرا -

الفرقان - آیت ۶۲ +

ترجمہ - بڑی برکت ہے اُسکی جس نے بنائے آسمان میں بُرج اور رکھا اُس میں چراغ

اور چاند روشن +

سارے لفظ سے جو اس آیت میں ہے کوئی خاص محل اور خاص صہم مراد نہیں ہو سکتا بجز

فضائے مرتفع کے کیونکہ بروج اور سورج اور چاند ایک آسمان میں نہیں ہیں بلکہ ایک فضائے مرتفع

میں ہیں +

۴۴۔ ولقد جعلنا فی السماء بروجاً ونزیتها للنّٰظرین۔ الحج آیت ۱۶ +

ترجمہ۔ البتہ بنائے ہم نے آسمان میں بُرج اور نزیر بصورت کیا اُسکو دیکھنے والوں کے لیے +

۴۵۔ والسماء ذات البروج۔ البروج آیت ۱ +

ترجمہ۔ قسم ہے بُرجوں والی اونچائی کی +

مگر چہ اس آیت میں بُرجوں والے آسمان کے معنی بھی لیے جاسکتے ہیں مگر بنا سبت آیت سورۃ الفرقان کے اس جگہ پر بھی فضائے مرتفع کے معنی لیے گئے ہیں +

۴۶۔ فلیمدد بسبب الی السماء۔ الحج آیت ۱۵ +

ترجمہ۔ پھر چاہیے کہ تانی ایک رسی آسمان یعنی اوپر کی طرف۔

شاہ عبدالغفار صاحب نے بھی حاشیہ پر لکھا ہے کہ ”آسمان کو تانے یعنی اُچان کر“ اور شاہ

ولی اللہ صاحب نے بھی ساوا کا ترجمہ جانب بالا کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”پس باید کہ بیاویز دوسرے بجانب بالا“ +

۴۷۔ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء + ابراہیم آیت ۲۹ +

ترجمہ۔ اُسکی جڑ مضبوط ہے۔ اور اُسکی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں +

قسم سوم

وہ آیتیں جن میں لفظ ساوا کا اس نیلی چیز پر جو بہو دکھائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے +

۱۔ ولقد نزیتنا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنا ہارجوماً للشیاطین + الملک آیت ۵ +

ترجمہ۔ اور البتہ خوشنما کیا ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور کیا ہم نے اُسکو سنگساری شیطانوں کے لیے +

۲۔ ونزیتنا السماء الدنیا بمصابیح وحفظاً + فصلت آیت ۱۱ +

ترجمہ۔ اور خوشنما کیا ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور حفاظت میں رکھا +

۳۔ انا نزیتنا السماء الدنیا بزمینۃ الکوالب۔ الصافات آیت ۶ +

ترجمہ۔ البتہ ہم نے خوشنما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوشنمائی سے +

ان آیتوں میں لفظ ”ساوا الدنیا“ کا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہمارے سے نکلا ہے جو اُمّی

مخصّص تھے اور علاوہ اُمّی ہونے کے ایسے ملک اور ایسے لوگوں میں پریشانی تھی جو بالکل اہل حق

اور کسی قسم کے علوم اُن کے ہاں متوج نہ تھے وہ علم طبیعیات کا نام بھی نہیں جانتے تھے تو اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ لفظ وحی والہام سے نکلے ہیں اور جو امر کہ اُن تحقیق ہوا ہے وہ تیرہ برس پیشتر ایک اُمتی نے فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم +

اس نیلی نیلی چیز کو جو ہمو دکھائی دیتی ہے سمار دنیا کتنا ایسا ٹھیک ہے کہ آجکل بھی بڑے بڑے عالم علوم طبی کے اس سے زیادہ عمدہ کوئی لفظ نہیں نکال سکتے۔ ہماری دنیا کے گرد جہر ہم بستے ہیں ہوا محیط ہے۔ بعضوں نے اندازہ کیا ہے کہ اُس کا ارتفاع یا عتیق میتالیس میل کا ہے اور بعضوں نے اس سے بہت زیادہ خیال کیا ہے۔ بہر حال اُس ہوائے محیط میں آفتاب کی نیلی شعاں منعکس ہوتی ہیں اور اس سبب سے نیلی گنبدی چھت ہمو اپنی دنیا کے گرد دکھائی دیتی ہے جو درحقیقت ہماری دنیا کا آسمان ہے۔ پس اس نیلی گنبدی چھت پر سمار دنیا کا اطلاق بالکل حقیقت اور علم کے مطابق ہے۔ افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علماء حکما ریونان کی تقلید کرتے ہیں اور حقایق قرآن پر غور نہیں کرتے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ۔ ولا یطرب ولا یابس الا فی کتاب مبین +

۴۔ وجعلنا السماء سقفا محفوظا۔ الانبیاء آیت ۳۳ +

ترجمہ۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت حفاظت کی گئی +

۵۔ والسقف لمرتفع۔ الطور آیت ۵ +

ترجمہ۔ قہم ہے اونچی چھت کی +

۶۔ والسماء رفعها ووضع المیزان۔ الرحمن آیت ۶ +

ترجمہ۔ اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی اُسکے لیئے ترازو +

۷۔ افلم یروا الی ما بین ایدیہم وما خلفہم من السماء والارض ان نشاء نخسف

بہم الارض او نسقط علیہم کسفا من السماء۔ سبا آیت ۹ +

ترجمہ۔ کیا انھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے

ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر

آسمان سے ٹکڑا ڈالیں +

۸۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت۔ والی السماء کیف رفعت + الغاشیہ آیت ۱۸

ترجمہ۔ پھر کہیں نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا

کیا گیا ہے +

۹۔ والسماء وما بناها۔ الشمس آیت ۵۰

ترجمہ۔ قسم ہے آسمان کی اور جیسا اُسکو بنایا

۱۰۔ افلم ينظروا الى السماء فوقهم كيف بنينها وزينناها وما لها من فروج۔ ق آیت ۶۰

ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر کیسا بننے اُسکو بنایا ہے اور اُسکو خوشنما کیا ہے اور اُس میں کوئی دراز نہیں

۱۱۔ والسماء بنيناها بايد وانا الموسعون۔ الذاریات آیت ۴۷

ترجمہ۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو تاکہ سے مینی اپنی قدرت سے اور ہر کو سب قدرت ہے

۱۲۔ الذي جعل لكم الارض فراشا والسماء بناء۔ البقرہ آیت ۲۰

ترجمہ۔ جس نے بنایا زمین کو تمہارے لیئے بچھونا اور آسمان کو محل

۱۳۔ الله الذي جعل لكم الارض قرارا والسماء بناء۔ المؤمن آیت ۶۶

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے بنایا زمین کو تمہارے لیئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو

محل

۱۴۔ انتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمكها فسوها۔ النازعات ۲۷ و ۲۸

ترجمہ۔ تم خلقت میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان خدا نے بنایا آسمان کو اونچی کی اُسکی چوٹی

پھر درست کیا اُسکو

۱۵۔ ومن آية ان تقوم السماء والارض بامرہ۔ الروم آیت ۲۴

ترجمہ۔ اور خدا کی نشانیوں میں سے ہے اپنی جگہ پر رہنا آسمان اور زمین کا خدا کے

حکم سے

۱۶۔ ويمسك السماء ان تقع على الارض۔ الحج آیت ۶۴

ترجمہ۔ تمام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے

۱۷۔ يوم تشق السماء بالغمام وتنزل الملائكة تنزيلا۔ الفرقان آیت ۲۷

ترجمہ۔ اور جس دن پھٹ جاوے آسمان غمام سے اور اُتارے جاویں فرشتے ایک طرح

کا اُتارنا

۱۸۔ فاذا انشقت السماء فكانت وردة كالدهان۔ الرحمن آیت ۳۷

ترجمہ۔ جب پھٹے گا آسمان تو ہو جاوے گا گلابی تیلیا

۱۹۔ وانشت السماء في يومئذ واهير۔ الحاقہ آیت ۱۶ +

ترجمہ۔ اور پھٹ جاویگا آسمان پھر وہ اُسدن ہوگا کبسا ہوا +

۲۰۔ اذ السماء انشقت۔ انشت آیت ۱ +

ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جاوے +

۲۱۔ فكيف تتقون ان كفرتم يوما يجعل اللدان شيباً السماء منفطرية۔ المنزل آیت ۸ +

ترجمہ۔ پس اگر تم کافر ہوئے تو کیونکر بچو گے اُس دن جس میں پتے بٹھے ہو جاویں گے اور آسمان پھٹ جاویگا +

۲۲۔ اذ السماء انفطرت۔ انفطرت آیت ۱ +

ترجمہ۔ جب آسمان پھوٹ جاوے +

۲۳۔ فاذا النجم طمست واذ السماء فرجت۔ المرسلات آیت ۹ و ۱۰ +

ترجمہ۔ پھر جب تارے مٹائے جاویں اور آسمان بھاڑا جاوے +

۲۴۔ وفتحت السماء فكانت ابواباً۔ النبا آیت ۱۹ +

ترجمہ۔ اور کھول دیا جاوے آسمان پھر ہو جاویں دروازے +

۲۵۔ واذ السماء كسفت۔ کسفت آیت ۱۱ +

ترجمہ۔ اور جب آسمان کا پوست اُتار جاوے +

۲۶۔ يوم تكون السماء كالمهل۔ المعارج آیت ۸ +

ترجمہ۔ جس دن ہوگا آسمان جیسے پگھلا ہوا تانبا +

۲۷۔ قارنق يوم تاتي السماء بدخان مبين۔ الدخان آیت ۹ +

ترجمہ۔ پس انتظار کرو اُس دن کا کہ نکالے آسمان دھواں سب کو معلوم ہوتا +

۲۸۔ المرير والى الطير مسخرات في جوا السماء۔ النحل آیت ۸۱ +

ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھتے اڑنیوالے جانوروں کو کہ فرمانبردار کیے گئے ہیں آسمان کی

وسعت میں +

۲۹۔ الله الذي يرسل الرياح فتثير سحاباً فيبسطه في السماء كيف يشاء۔ الروم آیت ۴۸ +

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہوا میں پھر اُٹھاتی ہیں بادل پھر پھیلاتا ہے اُس کو

آسمان میں جس طرح چاہتا ہے +

۳۰۔ قد نرى قلب وجهك في السماء۔ البقرة آیت ۱۳۹ +

ترجمہ۔ البتہ ہم نے دیکھا پھر تیرے منہ کا آسمان کی طرف +

۳۱۔ ان الله لا يخفى عليه شيء في الارض ولا في السماء۔ ال عمران آیت ۴ +

ترجمہ۔ البتہ خدا پر پوشیدہ نہیں کوئی چیز زمین میں یعنی تحت میں نہ آسمان میں
فرق میں +

۳۲۔ وما يعزب عن ربك من مثقال ذرة في الارض ولا في السماء۔ يونس۔ آیت ۶۲ +

ترجمہ۔ اور غائب نہیں رہتا تیرے پروردگار سے ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں +

۳۳۔ اصلها ثابت و فرعها في السماء۔ ابراهيم آیت ۲۹ +

ترجمہ۔ اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُسکی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں +

۳۴۔ وما يخفى على الله من شيء في الارض ولا في السماء۔ ابراهيم آیت ۴۱ +

ترجمہ۔ اور چھپا نہیں اتنے پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں +

۳۵۔ قال ربني يعلم القول في السماء والارض۔ الانبيا آیت ۴ +

ترجمہ۔ اُس نے کہا میرا پروردگار جانتا ہے ہر بات کو آسمان میں ہو یا زمین میں ہو +

۳۶۔ الم تعلم ان الله يعلم ما في السماء والارض۔ الحج آیت ۶۹ +

ترجمہ۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان میں اور زمین میں +

۳۷۔ وما من غائبة في السماء والارض الا في كتاب مبين۔ النحل آیت ۷۷ +

ترجمہ۔ اور کوئی چیز نہیں جو پوشیدہ ہو آسمان میں اور زمین میں مگر ہے کتاب

روشن میں +

۳۸۔ وما انت بمعجزين في الارض ولا في السماء۔ العنكبوت آیت ۲۱ +

ترجمہ۔ اور نہیں ہو تم ٹھکانے والے زمین میں اور آسمان میں +

۳۹۔ وهو الذي في السماء الله وفي الارض الله۔ الزخرف آیت ۸۲ +

ترجمہ۔ وہی ہے جو آسمان میں عالم ہے اور زمین میں عالم ہے +

۴۰۔ وان يروا كسفا من السماء ساقطا يقولوا سحاب من كوم۔ الطور آیت ۴۴ +

ترجمہ۔ اور اگر دیکھیں ایک ٹکڑا آسمان گرتا ہوا کہیں یہ بدل ہے گاڑھا +

۴۱۔ يوم تمود السماء مورا۔ الطور آیت ۹ +

ترجمہ - جس دن کہ ہل ہلا جاوے آسمان ہل ہلا جانا +

۴۲ - یوم نھول السماء کطی السجل للکتاب - الانبیاء آیت ۱۰۴ +

ترجمہ - جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ +

۴۳ - او یكون لك بدیت من نخر ف او ترقی فی السماء - اسرائیل آیت ۹۵ +

ترجمہ - یا ہر وہ تیرے لیے ایک گھر ستہرا یا چڑھ جاوے تو آسمان میں +

۴۴ - فان الستطعت ان تبغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء - الانعام آیت ۳۵ +

ترجمہ - پھر اگر تجھ سے ہو سکے ڈھونڈ نکالنی کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

آسمان میں +

۴۵ - فاسقط علینا کسفاً من السماء کنت من الصادقین - الشعرا آیت ۱۸۷ +

ترجمہ - پھر اگر ہم پر ایک ٹکڑا آسمان ہیں سے اگر ہے تو سچوں میں سے +

۴۶ - او تسقط السماء کما نزعنا علینا کسفاً - اسرائیل آیت ۹۴ +

ترجمہ - یا اگر اوسے تو آسمان جیسا کہ تو گمان کرتا ہے ہمارے اوپر ٹکڑے ٹکڑے +

۴۷ - وانا لمننا السماء فوجدناھا ملئت حرسا شدیداً وشہباً - الجن آیت ۸ +

ترجمہ - اور البتہ ہم نے چھو لیا آسمان کو پھر پایا ہم نے اُسکو پھرا ہوا سخت چوکیداروں سے

اور شہابوں سے +

۴۸ - فارب السماء والارض انه الحق مثل ما انکم تنطقون - الذاریات آیت ۲۳ +

ترجمہ - سو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی یہ بات ٹھیک ہے ایسی جیسے کہ

تم بولتے ہو +

۴۹ - وجنة عرضها كعرض السماء والارض - الحديد آیت ۲۱ +

ترجمہ - اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا +

۵۰ - وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلاً - ص آیت ۲۶ +

ترجمہ - اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بھی ہیں ہے نکم +

۵۱ - وما خلقنا السماء والارض وما بينهما لاعبین - الانبیاء آیت ۱۶ +

ترجمہ - اور ہم نے پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بھی ہیں ہے

بطور کھلاڑی کے +

۵۲ - فَرَأَيْتُمْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ - الدخان آیت ۲۸ +

ترجمہ - پھر نہ رو یا اُن پر آسمان اور زمین +

۵۳ - وَالسَّمَاءَ وَالطَّارِقَ - الطارق آیت ۱ +

ترجمہ - قسم ہے آسمان کی اور رات کو نکلنے والے کی +

قِسْمِ چہارم

وہ آیتیں جن میں لفظ سموات کا بصیغہ جمع فضائے محیط پر لجا ڈا اُسکے انقسام کے اباد

تعدد میں مطلق ہوا ہے :

۱ - هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ
البقرہ آیت ۲۹ +

ترجمہ - وہ دُہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب

اور پیدا کیا بلندی کو تو درست کیے سات یعنی تعدد آسمان +

۲ و ۳ - ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وِلَايُكِ ائْتِي طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرٌ
فصلت آیت ۱۲ و ۱۱ +

ترجمہ - اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں تھا یہاں تک کہ ایک تھی پھر کہا اُسکو اور

زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی

سے پھر کر دیئے سات یا متعدد آسمان و دُور میں اور ڈال دیا ہر آسمان میں

اُس کا کام +

۴ - نَزَّلْنَا مَنِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - طہ آیت ۳ +

ترجمہ - بھیجا ہے اُس شخص نے جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے +

۵ - اَمِنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - النمل آیت ۶۱ +

ترجمہ - بھلا کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۶ - هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ - الانعام آیت ۷۲ +

ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیے +

۷۔ خلق السموات والارض بالحق۔ النعین آیت ۳۰

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیے

۸۔ المیزان اللہ خلق السموات والارض بالحق۔ ابراہیم آیت ۲۲

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے

۹ و ۱۰۔ وما خلقنا السموات والارض وما بينهما الا بالحق۔ الحجر آیت ۸۵۔ الاحقاف

آیت ۲

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور کچھ کہ ان کے پیچ میں ہے مگر جیسے چاہیے

۱۱۔ خلق السموات والارض بالحق تعالیٰ عما يشء کون۔ النحل آیت ۳

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے اُسکی ذات بلند ہے اُس سے کہ سکا شریک ٹھہرتے ہیں

۱۲۔ خلق الله السموات والارض بالحق ان في ذلك لا اية للمؤمنين۔ العنکبوت

آیت ۲۳

ترجمہ۔ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے بے شک اس میں ایک دلیل ہے نیک دل والوں کو

۱۳۔ وخلق الله السموات والارض بالحق۔ الجاثیہ آیت ۲۱

ترجمہ۔ اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے

۱۴۔ الحمد لله الذي خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور۔ الانعام آیت ۱۰

ترجمہ۔ خدا ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور پیدا کیا اندھیرے کو اور اُجالے کو

۱۵ و ۱۶۔ ان ربكم الله الذي خلق السموات والارض۔ الاعراف آیت ۵۲۔ یونس آیت ۳

ترجمہ۔ بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو

۱۷۔ وهو الذي خلق السموات والارض في ستة ايام وكان عرشه على الماء۔ هود آیت ۶

ترجمہ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا

تخت اُس کی پانی پر

۱۸ - ولقد خلقنا السموات والارض وما بينهما في ستة ايام - ق آیت ۳۷ +

ترجمہ - البتہ پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے چھ دن میں +

۲۰ و ۱۹ - الذي خلق السموات والارض - ابراهيم آیت ۳۷ - الفرقان آیت ۶۰ +

ترجمہ - جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۱ و ۲۲ - خلق السموات والارض - الزمر آیت ۷ - الاحقاف آیت ۳۲ +

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۳ - لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس - المؤمن آیت ۹ +

ترجمہ - البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے آدمیوں کے پیدا کرنے سے +

۲۴ لغایت ۲۶ - في خلق السموات والارض - البقرة آیت ۱۵۹ - آل عمران آیت

۱۸۷ و ۱۸۸ +

ترجمہ - نیچ پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +

۲۷ - يوم خلق السموات والارض - التوبة آیت ۳۶ +

ترجمہ - جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۸ - اولم يروا ان الله الذي خلق السموات والارض قادر على ان يخلق مثلهم

اسرائيل آیت ۱۰۱ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھا تم نے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے

اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند +

۲۹ - ما شهدتم خلق السموات والارض - الكهف آیت ۴۹ +

ترجمہ - میں نے بلایا تھا اُن کو بروقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +

۳۰ لغایت ۳۳ - ولئن سألتهم من خلق السموات والارض - العنكبوت آیت ۶۱ - لقمان

آیت ۲۲ - الزمر آیت ۷ - الزخرف آیت ۸ +

ترجمہ - اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۴ - خلق الله السموات والارض - الروم آیت ۷ +

ترجمہ - اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۵ - هو الذي خلق السموات والارض في ستة ايام - الحديد آیت ۵ +

ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو کچھ دن میں *

۳۶ - اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینہما - السجدۃ - آیت ۳ *

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن میں ہے

۳۷ - ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون - الطور آیت ۳۶ *

ترجمہ - کیا انھوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو - نہیں - پر ایمان نہیں لاتے *

۳۸ - اولیس الذی خلق السموات والارض - یس آیت ۸۱ *

ترجمہ - کیا نہیں ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو *

۳۹ - خلق السموات بغیر عمد ترونها - لقمان آیت ۹ *

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اسکو *

۴۰ - رفع السموات بغیر عمد ترونها - رعد آیت ۲ *

ترجمہ - بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم اسکو *

۴۱ و ۴۲ - ومن آیاتہ خلق السموات والارض - الشوری آیت ۲۸ - الہوم آیت ۲۱ *

ترجمہ - اور اسکی نشانیں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا *

۴۳ - وما خلقنا السموات والارض وما بینہما الا عبین - الدخان آیت ۳۸ *

ترجمہ - اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن کے پیچھے ہے کہلاڑی ہیں *

۴۴ - اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن - الطلاق - آیت ۱۲ *

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو اور زمین کو بھی اُن کی مانند یعنی متعدد *

۴۵ و ۴۶ - الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً وجعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس

سراجاً - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ *

ترجمہ - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں کو تیلے اوپر

اور کیا اُن میں چاند کو نور اور سورج کو روشن چراغ *

۴۷ - الذی خلق سبع سموات طباقاً - الملک آیت ۳ *

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر ۛ

۴۸ و ۴۹۔ رب السموات والارض وما بينهما ان كنته موقنین ۛ الدخان آیت ۛ

الشعراء۔ آیت ۴۴ ۛ

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ۛ

۵۰۔ قل من رب السموات والارض۔ الرعد آیت ۱۷ ۛ

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ۛ

۱۵ لغایت ۳۵۔ رب السموات والارض۔ اسرائیل آیت ۱۰۳ ۛ الکھف آیت ۱۳۔ مريم آیت ۶۶ ۛ

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ۛ

۵۴۔ ربكم السموات والارض الذي فطرهن۔ الانبياء آیت ۵۷ ۛ

ترجمہ۔ تمہارا پروردگار وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے پیدا کیا اُن کو ۛ

۵۵۔ قل من رب السموات السبع ورب العرش العظيم۔ المومنون۔ آیت ۸۸ ۛ

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار سات یا متعدد آسمانوں کا اور پروردگار اُس بڑے تخت کا یعنی اُس بڑی بادشاہت کا ۛ

۵۶ لغایت ۵۹۔ رب السموات والارض وما بينهما۔ الصافات آیت ۵۔ ص آیت ۶۶۔

الدخان آیت ۶۔ النباء آیت ۳۷ ۛ

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے ۛ

۶۰۔ سبحان رب السموات والارض رب العرش عما يصفون۔ الزخرف آیت ۸۲ ۛ

ترجمہ۔ پاک ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار عرش کا اُن باتوں سے جو اُس کو لگاتے ہیں ۛ

۶۱۔ فله الحمد رب السموات ورب الارض رب العالمين۔ الجاثية آیت ۳۵ ۛ

ترجمہ۔ انتہی کے لئے سب تعریفیں ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار

ہے زمین کا پروردگار ہے سارے جہان کا ۛ

۶۲۔ والله ملك السموات والارض وما بينهما۔ المائدہ آیت ۲۱ ۛ

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس
سب کی جو ان میں ہے +

۶۳۔ اللہ ملک السموات والارض وما فیہن۔ المائدہ آیت ۱۲۰ +

ترجمہ۔ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی
جو ان میں ہے +

۶۴۔ اولم ینظر وافی ملکوت السموات والارض۔ الاعراف آیت ۱۸۲ +

ترجمہ۔ کیا غور نہیں کی انھوں نے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت میں +

۶۵۔ وکذلک نرقی ابراہیم ملکوت السموات والارض۔ الانعام آیت ۷۵ +

ترجمہ۔ اور اسی طرح دکھلائی ہم نے ابراہیم کو بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۶۶ لغایت ۸۲۔ ملک السموات والارض۔ المائدہ آیت ۴۲ + التوبہ آیت ۱۱۷ +

الاعراف آیت ۱۵۸ + النور آیت ۲۲ + الفرقان آیت ۲۲ + الشوری آیت ۴۸ +

الزخرف آیت ۸۵ + الجاثیہ آیت ۲۶ + الفتح آیت ۱۲ + الحديد آیت ۲ و ۵ +

البروج آیت ۹ + الزمر آیت ۲۵ + ص آیت ۹ + البقرہ آیت ۱۰۱ + المائدہ آیت ۲۰

ال عمران آیت ۱۸۶ +

ترجمہ۔ بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۸۳ لغایت ۱۲۳۔ ما فی السموات وما فی الارض + البقرہ آیت ۱۱۰ و ۲۵۶ و ۲۸۲ +

ال عمران آیت ۲۷ و ۱۰۵ و ۱۲۲ + النساء آیت ۱۲۵ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۶۸ و ۱۶۹ +

المائدہ آیت ۹۸ + الانعام آیت ۱۲ + یونس آیت ۵۶ و ۶۹ + ابراہیم آیت ۵۲

النحل آیت ۵ و ۴۲ + طہ آیت ۵ + الحج آیت ۶۳ + النور آیت ۶۴ + العنکبوت

آیت ۵۲ + لقمان آیت ۱۹ و ۲۵ + سبا آیت ۳ و ۲۱ + الملایکہ آیت ۴۳ +

الشوری آیت ۲ و ۵۳ + الجاثیہ آیت ۱۲ + الحجرات آیت ۱۶ + النجم آیت ۳۲ +

الحديد آیت ۱ + المجادلہ آیت ۸ + الحشر آیت ۱ و ۲۲ + الصافات آیت ۱ + الجمعہ

آیت ۱ + التغابن آیت ۲ +

ترجمہ۔ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے +

۱۲۴ لغایت ۱۳۶۔ من فی السموات والارض۔ ال عمران آیت ۷۷ + یونس آیت ۶۷

الرعد آیت ۱۶ + الانبیاء آیت ۱۹ + مریم آیت ۹۴ + الحج آیت ۱۸ + المؤمن آیت ۴۱ +
النمل آیت ۶۶ + ۸۹ + الروم آیت ۲۵ + الزمر آیت ۶۸ + الرحمن آیت ۲۹ +
اسرائیل آیت ۵۷ +

ترجمہ - جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں +

۱۳۷ و ۱۳۸ - من السموات والارض - النمل آیت ۷۵ - سباء آیت ۲۳ +

ترجمہ - آسمانوں سے اور زمین سے +

۱۳۹ النہایت ۱۴۹ - فی السموات و فی الارض - الانعام آیت ۲ - الاعراف آیت ۱۸۶ + یونس

آیت ۶ + ۱۹ و ۱۰ + یوسف آیت ۱۰۵ + الروم آیت ۲۶ و ۱۷ + لقمان آیت ۵۱ +

الجاثیہ آیت ۲ و ۳ +

ترجمہ - آسمانوں میں اور زمین میں +

۱۵۰ - انا عرضنا الامانة علی السموات والارض - الاحزاب آیت ۷۲ +

ترجمہ - البتہ ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو +

۱۵۱ - وجنت عرضها السموات والارض - آل عمران آیت ۱۲۷ +

ترجمہ - جنت جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین +

۱۵۲ و ۱۵۳ - ما دامت السموات والارض - ہود آیت ۱۰۹ و ۱۱۰ +

ترجمہ - جب تک رہیں آسمان اور زمین +

۱۵۴ - تسبیح له السموات السبع والارض ومن فیہن - اسرائیل آیت ۲۶ +

ترجمہ - پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں سکوساتوں آسمان اور زمین +

۱۵۵ و ۱۵۶ - ان الله یعلم غیب السموات والارض - الملائکہ آیت ۳۶ + الفتح آیت ۱۸ +

ترجمہ - البتہ اللہ جانتا ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۷ - انی اعلم غیب السموات والارض - البقرہ آیت ۳۱ +

ترجمہ - اہستہ میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۸ النہایت ۱۶۰ - ولله غیب السموات والارض - النحل آیت ۷۹ + الکہف آیت ۲۵ +

ہود آیت ۹ +

ترجمہ - اور اللہ کے لئے ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۶۱ و ۱۶۲۔ ولله میراث السموات والارض۔ ال عمران آیت ۱۰۶۔ الحديد آیت ۱۰۔

ترجمہ۔ اور اللہ وارث ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

۱۶۳۔ ولله خزائن السموات والارض۔ المنافقون آیت ۷۔

ترجمہ۔ اور اللہ کے لیے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے۔

۱۶۴ و ۱۶۵۔ مقاليد السموات والارض۔ الزمر آیت ۶۳۔ الشوری آیت ۱۰۔

ترجمہ۔ کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔

۱۶۶ و ۱۶۷۔ ولله جنود السموات والارض۔ الفتح آیت ۴ و ۵۔

ترجمہ۔ اور اللہ کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔

۱۶۸۔ الله نور السموات والارض۔ النور آیت ۳۵۔

ترجمہ۔ اللہ ہے نور آسمانوں کا اور زمین کا۔

۱۶۹۔ لا يسجد والله الذي يخرج الخبث في السموات والارض۔ النمل آیت ۲۵۔

ترجمہ۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں۔

۱۷۰۔ وكم من ملك في السموات لا تغني شفاعتهم شيئاً۔ النجم آیت ۲۶۔

ترجمہ۔ بہت سے فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی اُن کی سفارش۔

۱۷۱۔ يوم تبدل الارض غير الارض والسموات۔ ابراهيم آیت ۴۹۔

ترجمہ۔ جس دن کہ بدل ہی جاوے یہ زمین زمین کے سوا (یعنی اور کسی چیز سے) اور

بدل دیے جاویں آسمان۔

۱۷۲۔ يا هانم ان لي صرحاً على ابلح لا سباب اسباب السموات فاطلع الى الله

موسیٰ والی لا ظنہ کا ذبا۔ المؤمن آیت ۳۹۔

ترجمہ۔ اے ہانم بنامیرے لیے ایک محل شاید کہ میں پہنچوں رستوں میں ہانم

کے رستوں میں پھر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میری اُگل میں تو وہ

جھوٹا ہے۔

۱۷۳۔ اروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في السموات۔ الاحقاف آیت ۳۔

ترجمہ۔ دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں یا کچھ اُن کو سا جھلے

آسمانوں میں۔

۱۷۴ و ۱۷۵ - بديع السموات والارض - البقرة آیت ۱۱۱ - الانعام آیت ۱۰۱ +

ترجمہ - بغیر نمونہ کے بنائے والا آسمانوں کا اور زمین کا +

۱۷۶ اخیت ۱۸۱ - فاطر السموات والارض - الانعام آیت ۱۴ + یوسف آیت ۱۰۲ + الملائکہ

آیت ۱ + ابراہیم آیت ۱۱ + الزمر آیت ۶۷ + النور آیت ۹ +

ترجمہ - بنائے والا آسمانوں کا اور زمین کا +

۱۸۲ - فطر السموات والارض - الانعام آیت ۷۹ +

ترجمہ - بنایا آسمانوں کو اور زمین کو +

۱۸۳ - اولمیر الذین کفر و ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنہما - الانبیاء

آیت ۳۱ +

ترجمہ - شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے - آیا نیکوکاروں

کو آسمان اور زمین بستہ بودند پس واکردیم این را +

اور حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے - واکردن آسمان و انازل کردن مطراست و واکردن زمین

روانیدن گیاه از وس +

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے - اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان

اور زمین ہونہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا +

اور حاشیہ پر یہ لکھا ہے - ہونہ بند تھے یعنی ایک چیز تھی زمین سے نہریں اور کانیں اور بہرے

بجانت بجمانت کمالے آسمان سے کئی ستارے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدا +

۱۸۴ - ان الله یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد

من بعدا - الملائکہ آیت ۳۹ +

ترجمہ - بیشک اللہ تعالیٰ رکھتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ٹل جانے سے اور اگر ٹل

جاویں تو کوئی نہ تھا مگر اُن کو اُس کے سما +

۱۸۵ - ولواتبع الحق اهلواءهم لفسدت السموات والارض ومن فیہن - المؤمنون

آیت ۷۲ +

ترجمہ - اور اگر خدا چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن کے

پیچھے ہے +

۱۸۶۔ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ - الشُّورَى آیت ۳۰

ترجمہ۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اوپر سے

۱۸۷۔ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا أَكْثَرُ تَكْذَابًا - النُّجُومِ آیت ۳۰

منہ وتنشق الارض وتخر الجبال هدان دعوا للرحمن لئلا يابغي للرحمن

ان يتخذ ولدا - مريم - آیت ۹۲

ترجمہ۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا کیا ہے بے شک نہایت سخت بات کسی ہے جس سے

قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹ جاوے زمین اور گرے پڑیں پہاڑ ٹکڑے

ہو کر خدا کے لیے بیٹا کہنے سے

۱۸۸۔ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ

مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ - الزمر آیت ۶۷

ترجمہ۔ اور نہ قدر کی اُنھوں نے اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور سب

ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان پیٹے ہوں گے

اُس کے داہنے ہاتھ میں

قسم پنجم

وہ آیتیں جن میں لفظ سموات کا مجازاً کو اکب پر اطلاق ہوا ہے جیسے کہ مجازاً ظرف سے

منظروف مراد لی جاتی ہے

۱۔ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طَبَاقًا - المالك آیت ۳

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں یعنی کو اکب کو تلے اوپر

اس آیت کے بعد کی آیتوں میں خدا فرماتا ہے۔ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَافُوتٍ -

یعنی تو نہیں دیکھنے کا خدا کے پیدا کرنے میں کچھ فرق - پھر خدا فرماتا ہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ

تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ یعنی پھر پھر اپنی نگاہ کو کہیں تجھ کو دکھائی دیتی ہے کچھ خرابی

ہے۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ - یعنی پھر پھر

اپنی نگاہ کو دو بار اُٹھ آؤ گی تیرے پاس تیری نگاہ عاجز ہو کر اور تھک کر

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر خدا نے پہلی آیت میں

کیا ہے وہ ایسی چیز ہے کہ انسان اُسکو دیکھ سکتے ہیں لیکن سبع سموات سے کوئی سنی سام نہ ملے
لو خواہ مجسم خواہ محل سیر کو اکب مگر وہ دکھائی نہیں دیتے پس خدا کا یہ فرمان کہ اُن کو دیکھو اور پھر نگاہ کرو
اور پھر نگاہ پھیر کر دیکھو محض لغو اور بے سود ہوگا ۛ

”فارجع البصر“ سے یہی آنکھ کی نگاہ مراد ہے نہ کوئی دوسری چیز چنانچہ امام صاحب بھی
تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ ”فما معنی ثم لرجع الجواب امره بارجع البصر یعنی اس آیت میں نظر
کے پھیرنے کا حکم ہے ۛ

تعجب یہ ہے کہ امام صاحب بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سلوات جن کا ذکر اس آیت میں ہے محسوس
ہونے چاہئیں اور ارقام فرماتے ہیں کہ ”ان المحسوسات علی ان هذه السموات السبع
اجسام مخلوقة علی وجه الاحکام والانتقان“۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ کیونکر حسّیّات کے اجسام
ہونے پر دلالت کرتی ہے حالانکہ وہ تو محسوس نہیں ہیں ۛ

پس ضرور ہے کہ اس جگہ سلوات سے وہ چیزیں مراد ہوں جو مرئی اور محسوس ہیں اور نہ کوئی
اُن کو دیکھتا ہے تاکہ اُن کے پیدا کرنے کی دلیل سے خدا کی عظمت اور اُسکی خالقیت ثابت کیا جاسکے
اور جو کہ سلوات درحقیقت محل سیر کو اکب ہیں تو بمنزلہ طرف کے ہیں اور کو اکب بمنزلہ مظهر و فاعل کے
ہیں اس مقام پر سلوات سے مجازاً کو اکب مراد ہیں۔ بولا گیا ہے طرف اور مراد ہے مظهر و لفظ
سبع اگر معنی حقیقی لیا جاوے تو اُس سے یہ سات کو اکب سیارہ مراد ہونگے جو ہمارے لئے نسبت
اُرد کو اکب کے زیادہ تر عجیب ہیں اور اگر اُس کا استعمال بطور مجاز و عرب بلا تعین عدد سمجھا جاوے
تو اُس سے تمام کو اکب جو ہر کو دکھائی دیتے ہیں مراد ہونگے ۛ

طرف سے مظهر مراد ہونے پر قبیلہ قویہ موجود ہے یعنی اگلی آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ
ایسی اشیاء پر جو مرئی نہیں ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں صادق نہیں آتا اور اس لئے ضرور ہوا ہے
کہ طرف سے مظهر مراد لیا جاوے ۛ

اس مقام پر طرف کو مجازاً بمعنی مظهر و فاعل بیان کرنے میں ایک بڑی عمدگی و باریکی ہے کیونکہ اگر
یوں کہا جاتا کہ۔ ”الذی خلق سبع کو اکب طباقاً“ تو یہ قول صرف نفس کو اکب پر دلالت کرتا حالانکہ
اُن کے حالات اور اُن کے حرکات اور جو انتظام کہ اُن کے حرکات میں ہے وہ نفس کو اکب
سے بھی زیادہ عجیب ہے اور طرف سے جو اُن کا محل سیر ہے اُن پر اشارہ کرتے سے جو عجائبات کہ نفس
کو اکب اور اُن کے حالات میں ہیں وہ سب کے سب یک نخت ذہن میں آجاتے ہیں ۛ

”طباقاً“ کا لفظ صفت ہے سموات کی جس سے کو اکب ہمنے مراد لیے ہیں اُس سے مثل پیاز کے چمکے کے تو برگو ہونا پایا نہیں جاتا۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اُن کا ملا ہوا ہونا تسلیم نہیں کیا بلکہ طباق سے صرف اُن کا اوپر تلے ہونا اور متوازی ہونا مراد ہے۔ ”قال الامام في تفسيره لعل المراد كونها طباقاً كونها متوازية لا انها متاسة“۔ یعنی طباق کے لفظ سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ چٹے ہوئے ہوں بلکہ یہ طلب ہو کہ متوازی ہوں یعنی حرکت میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں +

اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیت سے بخوبی ہوتی ہے جہاں فرمایا ہے ولشمس تجري لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم والقم قد رنا منازل حتى عادكا
العرجون القديم لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار وكل في فلك يسبحون +

یعنی آفتاب چلتا ہے اپنی قرار گاہ میں یہ ٹھہرایا ہوا ہے اُس زبردست جاننے والے کا اور چاند کے لیے اُس نے مقرر کی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر ہو جاتا ہے مانند پرانی ٹہنی کے (یعنی ہال) نہ سورج کر سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی ٹکڑا کرے) اور نہ رات آگے بڑھ سکتی ہے دن سے اور ہر ایک یعنی سورج و چاند و ستارے ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔ پس طباق کے لفظ سے یہی مطلب ہے کہ باوجودیکہ استعد کو اکب ہیں جن کی انتہا نہیں اور سب اپنے اپنے محل سیر میں پھرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتا نہیں +

اسی آیت کی مانند یہ آیت ہے۔ ”وما بيننا فوقكم سبعاً شداًداً وجعلنا سراجاً وهاجاً“ یعنی بنائے ہم نے تمہارے اوپر سات یا ستودہ کو اکب مضبوط اور کیا ہم نے اُن میں سے ایک کو چراغ روشن +

افسوس کہ بعض کا برنے اس آیت کی نسبت مکارہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر سبع سے سات ستارے سمجھو مراد ہوتے تو لفظ سبع کو معرف باللام لانا ضرور تھا۔ اگرچہ تم تو سمجھتے ہیں کہ بحالت شہرت تعریف باللام لانا ضرور نہ مٹی مگر اس کے جواب سے ہم مجبور ہیں اس لیے کہ خدا نے اُورجگہ بھی ایسا ہی فرمایا ہے چنانچہ ”والطود و کتاب مسطوراً فی رق منشور“ میں کتاب مسطورہ کو غیر معرف باللام فرمایا ہے +

امام فخر الدین راز ہی فرماتے ہیں کہ ”ما الحكمته في تنكير الكتاب وتعريف باقي الاشياء

نقول ما یحتمل الخفاء من الامور الملتبسة بامثالها من الاجناس یعرف باللام فیقال
 رايت الامیر ودخلت علی الوزير فاذا بلغ الامیر الشهرة بحيث یومن بالالتباس مع
 شهرته ویرید الواصف وصفه بالعظمة یقول الیوم رايت امیرا ماله نظیر و جالساً و
 علیه سیما الملوک وانت ترید ذلک الامیر المعلوم والسبب فیہ انک بالتشکیر
 تشیر الی انه خرج عن ان یعلم و یعرف بکنه عظمتہ فیکون کقولہ تعالی الحاقه
 ما الحاقه وما ادراک ما الحاقه فاللام وان كانت معرفۃ لکن اخرجها عن المعرفۃ کون
 شدۃ هولها غیر معروف فذلک ہما الطور لیس فی شہرۃ بحيث یومن اللبس
 عند التشکیر وذلک البیت المعمور واما الکتاب الکریم فقد تميز عن سایر الکتاب
 بحیث لا یسبق الی افہام السامعین من الشبی علیہ وسلم لفظ الکتاب لاذلک
 فلما من اللبس وحصلت فایدة التعریف سواء ذکر باللام او لم یذکر قصد الفایدة
 الاخری وھی الذکر بالتشکیر و فی تلک الاشیاء لما لم تحصل فایدة التعریف بالآلة
 التعریف استعمالها و هذا یؤید کون المراد منه القرآن و کذا الک اللوح
 المحفوظ مشہور +

ترجمہ۔ اگر کوئی کہے کیا حکمت ہے بیچ نہ لانے لفظ کتاب کے اور معرف لانے اور چیزوں کے
 پس ہم جواب دیں گے کہ جو چیزیں ختمال رکھتی ہیں کسی قسم کی خفاء کا منہد ان امور کے جو شستہ ہوتے
 ہیں ساتھ اپنی امثال کے اجناس وغیرہ سے تو وہ معرفہ لائی جاتی ہیں چنانچہ یوں بولا جاتا ہے رايت
 الامیر ودخلت علی الوزير یعنی اُس امیر کو اور گیا میں پاس اُس وزیر کے اور جبکہ
 کوئی امیر خاص ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ وقت اطلاق کے وہی سمجھا جاتا ہے اور کسی دوسرے کا شبہ
 نہیں ہوتا اور کوئی شخص اُس مشہور امیر کی کچھ تعریف کرنی چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے الیوم رايت
 امیراً ماله نظیر جالساً و علیہ سیما الملوک یعنی آج میں نے امیر کو بیٹھے دیکھا کاسکی کوئی نظیر
 ہی نہیں ہے اور وہ ملوک نہ شان سے بیٹھا ہوا تھا پس بوجہ شہرت کے کچھ اس کے معرف لانے
 کی ضرورت نہیں ہوتی گوہ حقیقت ارادہ میں امیر خاص ہی ہوتا ہے اور نکتہ اس میں یہ ہوتا ہے
 کہ گویا تشکیر سے تم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہو کہ بسبب شہرت کے وہ اص بات کا محتاج
 نہیں ہے کہ اُسکی کُنہ عظمت کی تعریف کی جاوے پس گویا کہ ہے مثل اس قول اللہ تعالیٰ کے
 الحاقہ ما الحاقہ وما ادراک ما الحاقہ کہ اس کلام میں اگرچہ لفظ لام موجب تعریف ہے لیکن

بسیب کے ہول اور ہشت کے غیر معروف ہونے کے اسکو معروف ہونے کی حالت سے نکال دیا ہے اسی طرح پر طور اگرچہ شہر ہے لیکن اس درجہ شہرت کو نہیں پہونچا کہ التباس کا خوف نہ رہا ہو اور یہی حال بیت المعمور کا ہے بخلاف کتاب کریم کے کہ وہ اپنی امثال میں اس درجہ ممتاز ہے کہ جو لوگ سُنے والے ہیں وہ اس لفظ کے سُنے سے اُسی کو سمجھ لیتے ہیں دوسری کتاب کا شبہ نہیں ہوتا پس جبکہ خوف التباس نہ رہا اور فائدہ تعریف کا شہرت ہی سے حاصل ہو گیا خواہ نام ہو یا نہ ہو تو اس وجہ سے ایک دوسرے فائدہ کا مفید کیا گیا اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اسکو بالتشکیر ذکر کیا اور چونکہ اور اشیا میں بغیر التعلیف کے تو صیغ نہیں آسکتی تھی اس لئے اُن کو معروف باللام بیان کیا اور اس وجہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے اور ایسے ہی لوح محفوظ مشہور ہے :

پس جو کہ کو اکسبج نہایت مشہور تھے بلکہ اُن کو سيارہ خیال کرنے سے لوگ بالخصوص اور دیگر کو اکب سے تمیز کرتے تھے تو ہماری دانست میں خدا نے کچھ غلطی نہیں کی بلکہ معرف باللام لانا ضرور نہ تھا :

پھر وہ فرماتے ہیں کہ تیر جبر غلط ہے (شاید غلط ہو اس لئے کہ ہم مولوی نہیں ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی جہالت اور ہوائے نفسانی سے جعلنا کو متعدی الی المفعولین ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ متعدی الی مفعول واحد ہے :

مگر یہ ارقام نہیں فرمایا کہ اس مقام پر جعلنا کو متعدی الی مفعول واحد قرار دینے کی ان پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے اور کیوں اُس کا متعدی الی المفعولین ہونا ناجائز ٹھہرایا ہے مگر چند ہم سے جاہلوں نے تو جعلنا کو اس مقام پر متعدی الی مفعولین مانا ہے :

تفسیر عالم التنزیل الاکتاہے وجعلنا سراجاً یعنی الشمس وھا جاً مضیاً پس اس نے ایک مفعول سراج کو بمعنی شمس اور دوسرا مفعول وھا جاً کو قرار دیا ہے :

پھر تفسیر ابن عباس کے مصنف نے بھی جہالت کی ہے کہ وجعلنا سراجاً وھا جاً شمساً مضیاً بیان کیا ہے اور جعلنا کو متعدی الی المفعولین مانا ہے :

بے شک خدا نے بھی غلطی کی ہے کہ اوپر سے برابر جعلنا کو متعدی الی المفعولین کتا

چلا آتا تھا۔ الم یخجل۔ الارض۔ مہاداً۔ والجبال۔ اوتاداً۔ وجعلنا۔ نو مکم۔

سبائاً۔ وجعلنا۔ اللیل۔ لباساً۔ وجعلنا۔ النهار۔ معاشاً۔ پھر اخیر میں بھی وجعلنا

کو متعدی الی المفعولین کہدیا کہیں تو متعدی الی المفعول واحد ہوتا اگر حقیقت خدا اس تصور کا تقصیر و درہم بھی اس جعلنا کو اس جاگہ متعدی الی مفعول واحد تسلیم کرینگے۔ سبباً کا مضاف الیہ محذوف بلاشبہ ممکن ہے کہ سموات ہو جیسا کہ تمام مفسروں نے مانا ہے لیکن جو کہ اُن کے ذہن میں یہ تعلید یونانیان جاہل تھا کہ آسمان سات ہیں اور اُن کا جسم شدید صلب بلوریں ہے کہ خرق و التیام سے بھی قابل نہیں اُسی خیال سے انھوں نے سبباً کا مضاف الیہ سموات کو قرار دیا ہے ورنہ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ مضاف الیہ محذوف سموات ہے غایت یہ ہے کہ کوئی قرینہ ہوگا باسناد لال آیت "انتم اشد خلقاً ام السماء بناھا" لیکن یہ استدلال ایسا نہیں ہے کہ باوجود وجود ہونے دوسرے قرینہ کے بھی کوئی اور مضاف الیہ محذوف اُس کا نہ مانا جاوے۔

خدا تعالیٰ نے شروع آیت میں سات کا ذکر کیا اور اُس کے ساتھ سورج کا ذکر فرمایا پس یہ کیسا صاف قرینہ ہے کہ وہ سات وہی ہیں جن میں کا ایک سورج ہے اور سورج اُنہی سات میں کا ایک ہے پس ایسے صاف اور روشن قرینہ سے جو سورج کی مانند چمکتا ہے سبباً کا مضاف الیہ کو اکب اور جعلنا کو متعدی الی المفعولین اور اُس کا مفعول اول احدیہن قرار دیتے ہیں اور جو کہ اُسکے حذف پر صاف قرینہ دلالت کرتا تھا اس لئے اُس کا حذف نہایت وسیع تھا صاف صاف معنی خدا کے کلام کے تو یہی ہیں پھر یونانیوں کے تعلید کر نیوالے چاہیں مانیں چاہیں نہ مانیں۔ واضح ہو کہ اگر ہم اس تمام تقریر سے قطع نظر کریں اور سبباً کا مضاف الیہ سموات ہی تسلیم کریں اور سبع سموات سے بھی سموات ہی مراد لیں اور اشد کے لفظ کو بھی نسبت سموات ہی کے تسلیم کر لیں تو بھی آسمانوں کا جسم یونانیوں کے آسمانوں کا سا جسم یا ویسا جسم جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی قرار دینا چاہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اسکی بحث آگے آوے گی۔

۲ — اولمیروان الله الذي خلق السموات والارض قادر على ان يخلق مثلهم من اهل

آیت ۱۰۱۔

ترجمہ کیا نہیں دیکھاتے کہ جس قدر نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند۔

کیا فائدہ ہے اس آیت سے اور خدا کی قدرت پر کیونکر اتوار ہو سکتا ہے اگر وہ سموات جن کا ہیں ذکر ہے ہمو دکھائی نہیں دیتے بلاشبہ اس مقام میں بھی سموات سے کو اکب مراد ہیں جن کی ہم دیکھتے

ہیں اور خدا کی قدرت کا اقرار کرتے ہیں :

۳۔ الم تر ان الله خلق السموات والارض بالحق - ابراہیم آیت ۲۲ :

ترجمہ - کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو یعنی کو اکب کو اور زمین کو جیسا چاہیے :

اس آیت میں بھی جب تک سموات سے ایسی چیزیں مراد نہ لی جاویں جو حقیقت میں دکھائی دیتی ہوں اُس وقت تک خدا تعالیٰ کی قدرت کے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی :

۴۔ الم تر كيف خلق الله سبع سموات طباقا وجعل القمر فيهن نورا وجعل الشمس

سراجا - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ :

ترجمہ - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں یعنی کو اکب کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور کیا سورج کو چراغ روشن :

اس آیت میں بھی ہکو و سبھی بحث ہے جو پہلی آیت میں کی ہے اور جس طرح اور جس دلیل سے ہم نے سورۃ المکک کی آیت میں سموات سے کو اکب مراد لیئے ہیں اسی طرح اس مقام پر بھی لیتے ہیں شمس و قمر اُن کو اکب کے مغایر نہیں ہیں کیونکہ اس مقام پر لفظ فی سے داخل ہونا شمس و قمر کا اُنہی اعداد سبع میں پایا جاتا ہے - قال الله تبارك وتعالى من لسان ابراہیم علیہ السلام - ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم - یعنی اے ہمارے پروردگار اُن میں ایک رسول اُنہی میں سے النح :

۵۔ الله الذي رفع السموات بغير عمد ترونها ثم استوى على العرش وسخر الشمس والقمر

كل يجرى لاجل مسمى - الرعد آیت ۲ :

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو پھر ٹھہرا عرش پر اور فرماں بردار کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے معینت میں :

۶۔ خلق السموات بغير عمد ترونها - لقمان آیت ۹ :

ترجمہ - پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو :

ان دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنی قدرت کا ملہ اس طرح پر ثابت کرتا ہے کہ اُس نے سموات کو بغیر ستون کے بلند کیا ہے جب تک کہ وہ سموات بغیر ستون کے بلند ہوئے نہ دکھائی دیں اُسوقت تک

اُس قدمت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

پس اس جگہ سموات سے خواہ یونانیوں والے مجسم آسمان مراد لو خواہ تیرہویں صدی کے مولویوں والا خواہ محل سیر کو اکب گر اُن میں سے کوئی بھی مرئی نہیں ہے پس اگر لفظ سموات کو بجائے لفظ سار کے سمجھو اور اُس سے یہ نیلی چھت مراد لو تو تو ہکو کچھ کلام نہیں لیکن اگر اُسکو مبنی جمع قرار دو جیسا کہ ظاہر لفظ میں ہے تو ہم اُس سے بھی کو اکب مراد لینے اُسی لیل سے جس سے کہ پہلی آیتوں میں لیے ہیں تاکہ دلیل پوری ہو جاوے۔

شمس و قمر بھی اُنہی سموات یعنی کو اکب میں داخل ہیں مگر جو کہ وہ بہ نسبت دیگر کو اکب کے زیادہ عظیم الشان ہکو معلوم ہوتے ہیں اور وہ چلتے ہوئے بھی ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں اس لیے اپنے کمال قدرت کو زیادہ تر ظاہر کرنے کو فرمایا کہ وہ بھی خدا کے زما برابر ہیں۔

مولوی مہدی علی صاحب نے جو اپنے آریکل میں عذیر مرئی کی نسبت ایک معتقہ افتکاد کی تھی اُسکی نسبت بعض کا بر نے اپنی تحریر میں مکارہ کیا ہے ہم نے اُسکو نو برد کھیا اور مولوی مہدی علی صاحب کی زبان نے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ ”شعر مرابہ مدرسہ کہ بُرد“۔

علامہ ان آیتوں کے اور بھی آیتیں ہیں جن میں سموات کے لفظ سے کو اکب مراد لینا بہت آسانوں کے زیادہ تر مناسب ہے۔ مگر ہم انہیں آیتوں پر بس کرتے ہیں۔

تحقیق الفاظ آیات

جمہور فلاسفہ اور اصحاب علم ہیئت آسمان کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ ”انہما اجرام صلیبہ لاثقیلہ ولا خفیفة غیر قابلہ للفرق والالتیام والنمود الذبول“۔

یعنی آسمان سخت اجرام ہیں نہ بوجھل ہیں اور نہ ہلکے ہیں پھٹنے اور جڑنے اور بڑھنے اور ٹھٹھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس حقیقت اور ایسے وجود سموات کے ہم بالکل منکر ہیں۔

علامہ معقول اور منقول سار و فلک دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر میں تحت آیت کل فی فلک یسبحون کے فلک اور سار میں کچھ تفرقہ نہیں کیا ہے بلکہ دونوں کو ایک سمجھا ہے پس جو بحث کہ اُنہوں نے فلک کی حقیقت میں کی ہے وہ بحث گویا سار کی اور سموات کی حقیقت میں ہے چنانچہ اُنہوں نے مفصلہ ذیل مذہب نسبت اُس کے نقل کیے ہیں۔

”قال بعضهم الفلك ليس بجسم وانما هو مدار هذه النجوم وهو قول الغمماک
وقال اکثرون هي اجسام تندور النجوم عليها وهذا اقرب الى ظاهر القرآن - ثم
اختلفوا في كيفية فقال بعضهم الفلك موج مکفوف تجري الشمس والقمر والنجوم
فيه وقال الکلبی ماء مجموع تجري فيه الکواکب :

یعنی بعضوں کا قول ہے کہ فلکیہ یعنی آسمان کا کوئی جسم نہیں ہے بلکہ وہ ستاروں کے چکر
کی جگہ ہے اور یہ قول ضحاک کا ہے اور اکثر عالم مغتربہ کہتے ہیں کہ اُن کا جسم ہے اور ستارے اُنکے
اوپر پھرتے ہیں (جیسے گیند پر چوٹی) اور یہی تھی قرآن کے الفاظ کے نہایت قریب میں اسکے
بعد پھر عالموں اور مفسروں نے اس بات میں کہ پھر وہ کیسے ہیں اختلاف کیا ہے بعضوں کا قول ہے
کہ فلک یعنی سارے پانی کا گلبہ ہے سورج اور چاند اور ستارے اُس میں پھرتے ہیں اور کلبی کا یہ قول ہے
کہ پانی جمع ہو گیا ہے اُس میں ستارے بہتے ہیں :

پھر امام صاحب کہتے ہیں کہ ”والحق انه لا سبيل الى معرفة صفات المستويات الا بالخبر
یعنی صحیح یہ ہے کہ آسمانوں کی صفت معلوم کرنے کے لیے مجزوحی کے کوئی راہ نہیں ہے (مشطیکہ
وہی کہ معنی سمجھنے میں غلطی نہ ہو) :

اخیر کو امام صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے ”والذي يدل عليه لفظ القرآن ان تكون
الافلاك واقعة والكواكب تكون جارية فيها كما تسبح السمكة في الماء“ یعنی وہ بات جو
قرآن کے لفظوں سے پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ افلاک یعنی آسمان تو ٹھہرے ہوئے ہوں اور ستارے
اُس میں بہتے ہوں جیسے کہ کھجلی پانی میں تیرتی ہے :

ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ انہیں علماء کے اقوال کے نہایت قریب قریب ہے حقیقت سارا
سموات کی ہم نہیں جانتے مگر یہ بات کہ وہ اجرام صلب ہیں محض غلط ہے اسکو بھی ہم نہیں مانتے کہ وہ
گیند کی طرح ایک جسم ہیں اور ستارے اُن پر پھرتے ہیں جیسے کہ گیند پر چوٹی یا گیند پر اخروٹ اور ان دونوں
باتوں کو اس لیے نہیں مانتے کہ قرآن مجید سے اُن کا ایسا جسم یا اُن کی ایسی حقیقت ثابت نہیں ہوتی :

باقی رہی یہ بات کہ وہ پانی کے گلبہ کی مانند ہیں یا پانی اٹھا ہو گیا ہے یعنی وہ ایسا ایسے جسم
لطیف سیال ہیں جو کواکب کی سیر و حرکت کو مانع نہیں ہیں - اگر کوئی شخص اُن کے ایسے جسم ہونے کا
دعویٰ کرے تو ہم اُسکو اس قدر جواب دیں گے کہ ہونگے گویا ایسے جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کریں گے
وہ وجہ سے - اول اِس لیے کہ ایسے جسم ہونے کے ثبوت کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل

نہیں۔ دوسرے اس لیے یہ کہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس سے نہ ایسے وجود کا
مونا پایا جاتا ہے اور نہ اُس کے تسلیم کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے +

پس علاوہ اُن چیزوں کے جن پر سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے ہم نے سماء کے معنی فضا محیط
کے قرار دیے ہیں اور اُن کے درجات یا طبقات کو جو بسبب حدوث اور وجود دیگر اشیاء کے اُس فضا
محیط میں اوپر تلے یا طبقہ بعد طبقہ پیدا ہو گئے ہیں سموات کہا ہے تو اب ہر مورد ہے کہ ہم اس بات
کو بھی بیان کریں کہ جو معنی ہم نے لفظ سماء یا سموات کے قرار دیئے ہیں یا جن معنوں میں اُن کا اطلاق
ہو نا بیان کیا ہے کوئی لفظ کسی آیت کا آیات قرآن مجید سے اُس کے مخالف نہیں ہے اس
بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہم وجود سموات کے منکر نہیں ہیں کیونکہ اس فضائے محیطہ یا سماء
طبقات کا وجود مخلوق ہے +

قسم اول کی آیتوں میں مبنی جن میں لفظ سماء کا بمعنی ابر و بادل کے اطلاق ہوا ہے کوئی لفظ
ایسا نہیں ہے جو بحث کے قابل ہو اور جس سے اُن معنوں میں شبہ پڑ سکتا ہو۔ ہاں صرف ایک
اخیر کی آیت والسماء ذات الرحیم شاید بحث کے لائق ہو کیونکہ ہمارے زمانہ کے علماء شاید اُسکو
یونانیوں والا آسمان قرار دیکر اُس سے آسمان کی گردش اور زمین کے سکون قرار دینے پر متوجہ ہوں +
مگر تم سمجھتے ہیں کہ مہر مفسرین نے بھی اس آیت میں لفظ سماء سے بادل مراد لی ہے صرف
ابن زید کا ایک قول منقول ہوا ہے جس سے یونانیوں والا آسمان مراد ہو سکتا ہے مگر اُس قول کو
مفسرین نے نہیں مانا +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے ”اما قوله والسماء ذات الرحیم فنقول قال الزجاج الرحیم
المطر لانه یجئ ویتکرر واعلم ان کلام الزجاج وسائر ائمة اللغة صریح فی ان الرحیم
لیس اسما موضوعا للمطر بل سمي رجعا علی سبیل المجاز وحسن هذه المجاز وجوه (۱) احد
قال القفال كانه من ترجیع الصوت وهو عادته ووصل الحروف به فكذا المطر لكونه
عائدا مرة بعد اخرى سمي رجعا (وثانیا) ان العرب كانوا یزعمون ان السحاب یحمل
الماء من بحار الارض ثم یرجعه الی الارض (وثالثا) انهم ارادوا التفاؤل فسموه رجعا
لیرجع (ورابعا) ان المطر یرجع فی كل عام اذا عرفت هذا فنقول للمفسرین اقوال (۱) اهل
قال ابن عباس والسماء ذات الرحیم اى ذات المطر یرجع لمطر بعد مطر وثانیا رجعت السماء
اعطاء الخیر الذی یكون من جهتها خلا بعد حل علی مرور الا زمان ترجع رجعا لیس

تعطیہ مرتہ بعد مرتہ (و ثانیہا) رجم السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جہتہا
حالا بعد مرتہ (و ثالثہا) قل ابن زید ہوا ہما ترد و ترجم شمسہا و قمرہا بعد مغیبہما
والقول ہوا قول :

یعنی ہم کہتے ہیں کہ والسماء ذات الرجم میں جو لفظ رجم کا ہے اُسکے سنی زجاج نے مینہ
کے لیے ہیں کیونکہ مینہ آتا ہے اور پھر پھر آتا ہے۔ یہ بات جان لینی چاہیے کہ زجاج کے اوٹام
لغت کے عالموں کے کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ لفظ رجم مینہ کے لیے نہیں بنایا گیا
ہے یعنی اُس کے لغوی معنی مینہ کے نہیں ہیں بلکہ مجازاً بطور مینہ کے نام کے بولا جاتا ہے اور
مجازاً مینہ کا نام رجم رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں۔ اول یہ کہ نزال کا قول ہے کہ رجم کا لفظ گویا
ترجم الصوت سے لیا ہے جسکو گانے والے گنگری کہتے ہیں اور گنگری آواز کا پھینکا اور اُس سے
عزفوں کا لٹے میں ملانا ہے اور یہی حال مینہ کا ہے پس اُس کے برسنے اور پھر برسنے کے سبب
برج اُس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل عرب سمجھتے تھے کہ بادل زمین کے دریاؤں میں سے
پانی لیجاتے ہیں اور پھر زمین کو پھیر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اُنھوں نے نیک فال کے ارادہ
سے مینہ کا نام رجم رکھا ہے تاکہ پھر اُسے۔ چوتھے یہ کہ مینہ ہر برس پھر آتا ہے۔ اب کہ یہ بات
جان لی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ مفسروں کے کئی قول ہیں۔ اول ابن عباس کا قول ہے کہ والسماء
ذات الرجم کے معنی ہیں۔ ذات المطر یعنی مینہ والا پھر آتا ہے مینہ کو مینہ کے بعد۔ دوسرے یہ کہ
مرجم السماء سے وہ نیکی مراد ہے جو آسمان کی طرف سے بار بار زمانوں کے گزر جانے پر بھی ہوتی
رہتی ہے عرب بولتے ہیں ترجمہ رجاء یعنی اُسکو دیتا ہے بار بار۔ تیسرا ابن زید کا قول ہے وہ
کہتے ہیں کہ آسمان لیجاتا ہے اور پھر آتا ہے اپنے سورج اور چاند کو اُن کے چھپ جانے کے بعد
مگر پہلی بات ٹھیک ہے :

ہاں ہم خود سیاق و سباق کلام خدا پر غور کر سکتے ہیں اُس کے دونوں حملوں کے ملائے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہایت فصاحت اور خوبی سے بادلوں کا اور اُسکے ساتھ زمین کے اُگلنے
کا جو دونوں لازم و ملزوم ہیں بیان کیا ہے پھر چاہو لفظ رجم کے لغوی معنی بلوغ خواہ مجازی معنی دونوں
حالتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے ہم خود بادلوں کو دیکھتے ہیں کہ جاتے آتے ہیں یہاں جتے
ہیں پھر وہاں جا رہے ہیں پھر یہاں آ رہے ہیں زمین کو سیراب کرتے ہیں وہ طرح طرح کے پھل
پھولوں کو اُگاتی ہے :

ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جا بجا نیچر کی خوبی انسان کو بتلاتا ہے اور اُس سے اپنی خدائی کے ثبوت پر دلیل لاتا ہے اور پھر اُس سے انسان کو روحانی نیکی حاصل کرنا سکھاتا ہے فہررب العرش العظیم۔ سبحانہ وتعالیٰ شانہ +

قسم دوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سار کا فضائے محیط پر اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے لائق ہیں +

اول لفظ ”استوی“ جسکو ہم نے اور اُور مفسرین نے بمعنی خلق بیان کیا ہے پس لفظ استواء سے بحث کرنی گویا لفظ خلق سے بحث کرنی ہے اس لیے اس مقام پر اس لفظ سے بحث نہیں کرتے کیونکہ آگے لفظ خلق سے پوری بحث کی جاوے گی +

دوسرے لفظ ”بروج“ کا ہے۔ یہ لفظ تین آیتوں میں آیا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیہا سراجاً وقمرًا منیراً۔ ولقد جعلنا فی السماء بروجاً وزینہا بالنواظر^۱ والسماء ذات البروج مگر یہ لفظ ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہے اور نہ اس لفظ سے آسمان کا ایسا سم جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا تھا اور جس کی تعلید علماء اسلام نے کی ہے ثابت ہوتا ہے + بروج جمع ہے برج کی اور برج مشتق ہے تبرج سے جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ قال الامام فی تفسیرہ ”اشتقاق البرج من التبرج لظہورہ“ +

پس ان آیتوں میں جو بروج کا لفظ آیا ہے مفسرین نے اُس کے تین معنی لیے ہیں۔ اول ابن عباس کی روایت ہے کہ بروج سے مراد کوکب ہیں قال الامام فی تفسیرہ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان البروج ہی الکواکب العظام۔ یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہی بڑے بڑے ستارے بروج ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے ”البروج ہی عظام الکواکب سمیت بروجاً لظہورہا“ یعنی بروج یہی بڑے بڑے ستارے ہیں اُن کا نام بروج اس لیے ہوا کہ وہ ظاہر ہیں۔ لغات قرآن میں لکھا ہے ”والسماء ذات البروج دہی ذات کوکب العظام“ یعنی آسمان بروجوں والے سے بڑے بڑے ستاروں والا مراد ہے پس اگر یہی معنی بروج کے لیے جاویں تو لفظ بروج کا اُن معنوں سے جو ہم نے سار کے لیے ہیں کچھ بھی مخالف نہیں اور نہ ایسے معنی لینے سے یونانیوں کے آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے +

دوسرے معنی بروج کے لیے ہیں منازل قمر یعنی چتر کے یا منازل سیارات کے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ ”اما البروج فی منازل السیارات“ اور دوسری جگہ لکھا ہے ”البروج ہی

منازل القمر۔

تیسرے معنی بروج کے بروج السمان یعنی آسمان کے بروجوں کے لیے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ ”انہا ہی البروج الاثنا عشر وہی مشہورۃ“ اور لغات قرآن میں لکھا ہے ”بروج السماء منازل الشمس والقمر وہی اثنا عشر بدر وجامع وفتا و لها الحمل واخرها الحوت“ مگر حقیقت میں دوسرے اور تیسرے معنی ایک ہیں کچھ ان میں فرق نہیں ہے۔

اب بروج اثنا عشر کی کیفیت بتلانی چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ جو معنی سارے ہمنے بیان کیے ہیں بروج کا لفظ اُس کے منافی ہے یا نہیں۔ جاننا چاہیے کہ ابتدا میں جب اہل تخمیم یا ہسل ہیئت نے اس علم کے مسائل پر غور کیا تو انہوں نے دیکھا کہ آفتاب سال بھر میں نقطہ اعتدال سے طلوع و غروب میں تین مہینہ تک جانب شمال میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب جنوب میل کرتا جاتا ہے اور جب اُس نقطہ پر پہنچ جاتا ہے تو تین مہینہ تک جانب جنوب میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطہ اعتدال رجوع کرتا ہے یہ حال آفتاب کا تمام دنیا میں دکھائی دیتا تھا اور اس سبب سے وہ ستارے جو طریق الشمس میں ہمیشہ پڑتے تھے نسبت اُور ستاروں کے زیادہ معلوم ہو گئے تھے یعنی اہل تخمیم نسبت اُور ستاروں کے اُن سے زیادہ واقف ہو گئے تھے جب اُنہوں نے اُن ستاروں پر غور کیا تو بہت سے ستاروں کو ایک جگہ ایک ایسی ترتیب سے پایا کہ اگر اُن کو نقاط فرض کر کر خطوط وصل کیے جاویں تو ایک صورت اُس میں پیدا ہوتی ہے اور ایسا مجمع ستاروں کا بارہ موقعوں پر اُن کو دکھائی دیا اور ہر ایک مجمع کی حد سے قریب ایک ایک مہینہ میں آفتاب کا گزرتا تھا۔ پس اہل تخمیم نے ستاروں کے اُن بارہ مجموعوں کو بارہ صورتیں قرار دیں جسکے اُن کو اکب میں خطوط وصول کرنے سے پیدا ہوتی تھیں اور ہر ایک صورت کا ایک نام رکھ دیا جو مشہور ہیں اور جو کہ وہ کو اکب کچھ تو اس سبب سے کہ طریق الشمس میں واقع تھے اور کچھ اس سبب سے کہ اُن کے مجموعے سے ایک صورت قرار دی گئی تھی نسبت اور کو اکب کے زیادہ ظاہر اور زیادہ معلوم تھے اُن کے مجمع کا یا اُس صورت کا جو مجمع کو اکب سے خیال کی گئی تھی برج نام رکھا جو مشتق تبرج سے ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ برج نام ہے اُس خاص مجمع کو اکب کا جو اُس فضا کے محیط میں میلان طریق الشمس میں بوضع خاص واقع ہوئے ہیں اس لیے سارے کو ذات البروج کہنا کچھ بھی منافی ہمارے کلام کا نہیں ہے اور والسماء ذات البروج کہنا بالکل ایسا ہے جیسکہ والسماء ذات النجوم کہنا اور بتاریک الذي جعل

فی السماء بروجاً کمنا ایسا ہے جیسکے تبارک الذی جعل فی السماء نجوماً کمنا اور ولقد جعلنا فی السماء بروجاً کمنا ایسا ہی ہے جیسکے ولقد جعلنا فی السماء نجوماً کمنا ۔

بعد اس تقرر کے اہل تخم و اہل بیث یونانیہ کو ایک اور مشکل پیش آئی جس سے انھوں نے صورت بروج کو فلک ہشتم پر اور تقسیم بروج کو فلک نہم پر مانا مگر یہ مسائل علم بیث کے ہیں اُس کی بحث کا یہاں موقع نہیں ہے غرض کہ انہی کو اکب کے مجمع کو جن سے صورت حمل و ثور و جوزا و سرطان وغیرہ کی پیدا ہوتی ہیں اہل عرب بروج کہتے تھے اور ان کا کہنا صحیح تھا پس قرآن مجید میں بھی انھی پر بروج کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے جو ذرا بھی ہمارے بیان کے متافی نہیں ہے اور نہ کسی طرح لفظ بروج کا آسمان کے مجسم جسم صلب بلوری ہونے کا متقاضی ہے ۔

تیسرا قابل بحث کے شاید لفظ ”قال“ ہو جو آیت کریمہ فقال لها والارض تبتاطوعاً او کرھا قالتا اتینا طائعين میں واقع ہے ۔

مگر ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کیا بحث کی جاوے گی شاید یہ بحث ہو کہ ہر گاہ سوار سے فضا کے مرفوع مراد لی ہے اور وہاں کسی لطیف جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا گیا تو خلا لازم آیا اور خلا امر وجودی نہیں ہے بلکہ امر عدمی ہے تو وہ کیونکر قابل امر و لائق اطاعت ہو سکتا ہے ۔

مگر یہ خیال اگر کسی کو ہو تو صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نے محل سیر کو اکب کو سوار قرار دیا ہے اور وہ مکانیت سے خالی نہیں اور مکان خالی عن المادہ امر وجودی ہے امر عدمی نہیں ہے ۔ باقی یہی بحث استعمال لفظ قال کی جو خدا کی طرف سے زمین کی نسبت اور آسمانوں کی نسبت کہا گیا اور سطح زمین اور آسمان کی طرف قال کی نسبت کی گئی یہ ایک جدا بحث ہے جو مآخذ فیہ سے متعلق نہیں ۔

چوتھا لفظ قابل بحث کے ”ابواب“ کا ہے جو آیت کریمہ لا تقفتم لهم ابواب السما میں واقع ہے ۔ اس لفظ سے لوگ خیال کرتے ہونگے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور جب تک آسمان ایسا ہی مجسم ہو جیسکے یونانیوں والا آسمان تو اُس میں دروازے اور کواڑ اور کنڈے فعل کیونکر ہو سکتے ہیں ۔

جن علامہ کے ذہن میں آسمان کا جسم بتقلید یونانیان صلب بلورین جا ہوا تھا انھوں نے تو آسمان میں سچ مچ کے دروازے بنا دیئے ہیں لیکن علامہ محققین نے فتح ابواب سوار سے خیر و برکت مراد لی ہے چنانچہ ان کا قول تفسیر کبیر میں اس طرح پر لکھا ہے ۔ فی قولہ لا تقفتم لهم ابواب السما

اقوال والقول الرابع لا تنزل عليهم البركة والخير وهو ما خوذ من قوله ففتحتنا ابواب السماء بقاء منهم - یعنی اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں اُن میں سے ایک یہ قول ہے کہ لا تفتح لهم ابواب السماء کے یہ معنی ہیں کہ اُن پر یعنی کافروں پر خیر و برکت نہ نازل ہوگی اور یہی معنی ہمارے نزدیک صحیح ہیں جو کسی طرح ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہیں +

سوائے ان الفاظ کے جو مذکور ہوئے اور کوئی لفظ ان آیتوں میں جو قسم دوم میں داخل میں قابل بحث کے نہیں معلوم ہوتا +

قسم سوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سار کا اس نیلی چیز پر جو ہکو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں +

اول لفظ "باب" جو آیت کریمہ "ولو فتحنا عليهم بابا من السماء" واقع ہے اور وہ پوری آیت یوں ہے "ولو فتحنا عليهم بابا من السماء فظلو افياه يعرجون لقالوا انما سكرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون" +

یعنی اور اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازہ آسمان سے اور وہ ایسے ہو جاویں کہ سارے دن اُس میں پڑھتے رہیں تو کہیں گے کہ ہماری ڈھٹ بندی ہوئی ہے نہیں تو ہم پر جادو ہوا +
لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ جب اس آیت میں آسمان کے دروازے کا ذکر ہے اور اُس میں چڑھنے کا بھی بیان ہے تو ضرور آسمان یا سہی مجسم ہے جیسا کہ یونانی بیان کرتے ہیں +

مگر خود اس آیت سے آسمان میں دروازہ ہونے کا علم امکان ثابت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ایک غیر ممکن بات کو فرض کر کر بیان فرماتا ہے کہ اگر آسمان میں دروازہ بھی کھل جاوے اور کافراُس میں چڑھ بھی جا یا کریں تب بھی ایمان نہ لاویں گے اور کہیں گے کہ یا ہماری ڈھٹ بندی کی ہے یا ہم پر جادو کیا ہے پس اس آیت سے ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے نہ یونانیوں کے مقلدوں کا +

خدا تعالیٰ کافروں کے حال میں اکثر غیر ممکن باتوں کی نسبت فرمایا کرتا ہے کہ اگر یہ بھی ہو جائے تب بھی وہ نہ مانیں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے "ان الذين كذبوا باياتنا واستكبروا عنها لا تفتح لهم ابواب السماء ولا يدخلون الجنة حتى يلج الجملة" +

یعنی بے شک جہنم نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا اور اُن کے سامنے گھنڈ کیا ہرگز

نہ کھینکے اُن کے لیے دروازے آسمان کے یعنی اُن کو خیر و برکت نہ ہوگی اور نہ بہشت میں جاوینگے
یہاں تک کہ گھس جاوے اُونٹ سوئی کے ناکے میں ۛ

اُونٹ کا سوئی کے ناکے میں گھس جانا غیر ممکن ہے پس اللہ تعالیٰ کافروں پر خیر و برکت ہونے
اور اُن کا بہشت میں جانا ناممکن ہونا اس طرح سمجھاتا ہے کہ اگر اُونٹ بھی سوئی کے ناکے میں
گھس جاوے تو بھی نہ اُن پر خیر و برکت ہوگی اور نہ وہ بہشت میں جاوینگے ۛ

اسی طرح آیت مانحن فیہ میں فرمایا ہے کہ اگر آسمان میں ایسا دروازہ جس میں آدمی آتے جاتے
ہیں کھولا دیتے اور کافراں میں جانے لگیں جو غیر ممکن ہے تب بھی وہ نہ پائینگے اور کہیں گے کہ
ہم اسی ڈھک بند کی ہے یا ہمیر جاو کیا ہے ۛ

تفسیر کبیر میں لکھا ہے ”اعلم ان هذا الکلام هو المذکور فی سورۃ الانعام فی قوله
ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فاصوہ باید یہہ لقال الذین کفرو ان هذا الاصح
مباین والحاصل ان القوم لما طلبوا نزول الملائکۃ یصرحون بتصدیق الرسول
علیہ السلام فی کونہ رسولاً من عند اللہ تعالیٰ بین اللہ تعالیٰ فی هذه الایۃ ان
بتقدیر ان یحصل هذه المعنی لقال الذین کفرو ان هذا من باب السہو وهو الذین
یظن ان انزالہم ففغن فی الحقیقۃ ترکانراہم“ ۛ

تس حجه۔ جانا چاہیے کہ اس آیت میں یہی بات ہے جو سورہ انعام میں کہی گئی ہے جہاں خدا
نے فرمایا ہے ”اور اگر بھیجیں ہم تیرے پاس کاغذیں لکھا ہوا پھر چھو لیں سکوا اپنے ہاتھ سے تو بھی
جو لوگ منکر ہیں کہیں گے کہ یہ اصل میں کچھ نہیں ہے صرف جادو ہے“ حاصل یہ ہے کہ جب اہل عرب نے
رسول خدا پر رسول اللہ ہونے کا یقین لانے کو فرشتوں کا اترنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا
کہ بوقت دیدار یہ بھی جو جادوے تو بھی جو لوگ منکر ہیں کہیں گے کہ یہ ایک جادو کی قسم میں سے ہے اور جبکو
ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں حقیقت میں ہم نہیں دیکھتے۔ پس جب اس آیت میں آسمان میں دروازہ کا
ہونا اور اُس میں کافروں کا چڑھنا فرشتوں کا اترنا بطور محال کے بیان کیا گیا ہے تو باب کا لفظ سہو
کے اُن معنوں کے جو ہم نے اس آیت میں یا اس قسم سوم میں معنی اس نلی چیز کے جو بہکو سبب انگاس
شوع آفتاب گرہ ہوا میں دیکھائی دیتی ہے لیے ہیں کچھ بھی منافی نہیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ
اس آیت میں جس چیز پر ہم نے سہو کے لفظ کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے بظاہر اُسکی حالت ایسی چلی
چاہیے جس میں دروازہ کھلنے کا اطلاق ہو سکے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نلی چیز جو بہکو سبب انگاس

حالت دکھائی دیتی ہے نہایت صاف بغیر کسی پھوٹاؤ اور ڈرار کے گنبد کی چھت کی مانند نہایت پختہ بنائی ہوئی دیکھائی دیتی ہے اور ہمارے خیال میں ڈاٹ لگا ہوا سا ایک جسم سمائی ہوئی ہے پس اس خیال کے موافق اس جسم خیالی میں دروازہ کھولنے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید بندوں کی زبان اور محاورہ میں نازل کیا ہے پس بندوں کے اس خیالی جسم پر بندوں کے محاصرہ کے موافق دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوا ہے بطور اصل حقیقت کے +

وہ المفعول "سقف" ہے جو آئیر میر وجلنا السماء سقفا محفوظا میں آیا ہے اور والسقف المرفوع میں جو لفظ سقف کا ہے اس سے بھی آسمان مراد ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے سمي السماء سقفا لانها للارض كالسقف للبيت۔ یعنی آسمان کو چھت اس لیے کہا ہے کہ وہ زمین کے سب سے ایسا ہے جیسے گھر کے لیے چھت +

بلاشبہ یہ نیلی نیلی چیز جو ایسی اوپر دکھائی دیتی ہے کہ گویا دنیا کی چھت ہے مگر اس سے یونانیوں کے عقیدوں کو کیا فائدہ ہے اس لیے کہ اس نیلی چیز کو جسے خدا نے سقف محفوظ یا سقف مرفوع کہا ہے یونانی بھی تو وہ آسمان نہیں مانتے جس کے وہ قائل ہیں اور علمائے اسلام بھی ان کی تقلید سے اس نیلی نیلی چیز کو اپنا سلمہ آسمان قرار نہیں دیتے اور قرآن مجید میں جب کو سقف مرفوع و سقف محفوظ کہا ہے وہ تو یہی نیلی نیلی چیز ہے جو تمام دنیا کے لوگوں کو دنیا کی چھت کی مانند دکھائی دیتی ہے اور عرب کے بادیشین جن کی زبان میں قرآن مجید اترتا اُسی کو سقف مرفوع سمجھتے تھے جو آسمان کو یونانی قرار دیتے ہیں اور جن آسمانوں کا یا جس آسمان کا ذکر علمائے اسلام کرتے ہیں وہ کسی نے دیکھا بھی نہیں پھر کیا معلوم کہ وہ دنیا کی چھت ہے یا چھت کی چھت گہری ہے +

علاوہ اس کے سقف کی مثال دینے سے اُسکا ایسے جسم سے مجسم ہونا جیسا کہ یونانی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ لازم آتا ہے یہ نیلی نیلی چیز جو اس طرح پر دنیا کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتی ہے جیسے گھر کو چھت اور ایسی مشابہت سے اُس پر سقف کا اطلاق کیا ہے خواہ وہ اھون من بیت العنکبوت ہو خواہ اشد من سقف الحديد +

تیسرا لفظ "رفع" کا ہے جو آسمان کی نسبت بولا گیا ہے۔ حقیقت یہ نیلی چیز جو ہر دکھائی دیتی ہے اور جب کو آسمان کہتے ہیں شے مرفوع ہے مگر لفظ رفع سے اُسکا وہ ہے یا تانبے کے پتھر کا سا ہونا کیونکہ لازم آتا ہے +

چوتھا لفظ "مکسف" کا ہے جس کے معنی ٹکڑوں یا پارچوں کے ہیں یہ لفظ البتہ بحث کے

قابل ہے مگر اول ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو لفظ سماء کا آیا ہے اُس سے یہی نیلی نیلی چیز جو دکھائی دیتی ہے مراد ہے یا اُور کوئی چیز۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہی مراد ہے کیونکہ سورہ سبا کی آیت میں خدا نے فرمایا ہے ”اولہدروالہی مابین ایدیدہم وما خلفہم من السماء والارض“ اور انسان کے ہر طرف یہی نیلی چیز ہے جسکو آسمان فرمایا ہے اور یہی زمین ہے پھر اس کے آگے جو زمین کے دھناٹے کا اور آسمان سے ٹکرا کر اُڑنے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی اسی زمین کے دھناٹے اور اسی نیلی نیلی چیز کے ٹکرا کر اُڑنے کا ہے اور سب کے نزدیک اس نیلی نیلی چیز کا ایسا جسم نہیں ہے جس سے حقیقتاً ٹکرا کر ناممکن ہو پس جن آیتوں میں ”کسفا“ کا لفظ ہے وہ یونانیوں کے مقلد مولویوں کے لئے کچھ مفید نہیں اور نہ اُس سے یونانیوں والا مجسم آسمان ثابت ہوتا ہے نہ تیرہویں صدی کے مولویوں کا۔

علامہ اس کے اس آیت میں خدا تعالیٰ محسوسات سے اپنی قدرت ثابت کرتا ہے یونانیوں والا مجسم آسمان یا تیرہویں صدی کے مولویوں والا مجسم آسمان محسوس نہیں ہے کیونکہ سوائے اس نیلی چیز کے اور کچھ انسان کو محسوس نہیں ہے پس غیر محسوس شے سے ٹکرا کر اُڑنے کا ذکر کیا اثبات مدعا کو کافی نہیں اس لئے ”کسفا“ کا لفظ نہ ہمارے مطلب کے منافی ہے اور نہ یونانیوں کے مقلدوں کے مفید ہے۔

اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں بندوں کی زبان میں اور انھی کے محاورات کے موافق کلام کرتا ہے اور جبلت کو کسی محسوس چیز سے ہدایت کرتا ہے یا محسوسات سے اپنے کمال قدرت کو ثابت کرتا ہے تو انہی کے خیالات کے موافق اور جس طرح کہ وہ شے محسوس ہے اُسی کے مطابق کلام کرتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایسے حق پر خیالات کی تبدیل اور حقائق اشیاء کے سمجھانے پر متوجہ ہو تو اصلی مقصود روحانی تربیت کا فوت ہو جاوے۔

تمام انسان اس نیلی چیز کو سقف گنبدی سمجھتے تھے جیسے کہ وہ دکھائی دیتی ہے اور ریختہ کی ڈاٹ سے بھی زیادہ مضبوط سمجھتے تھے پس خیال نے مطابق اُن کے خیالات کے اُن کو فٹایا کہ اُمیں ایسی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو اُس چیز میں سے بھی جبکو تم ایسا مستحکم سمجھتے ہو تو تم پر ٹکڑا کر اُدے اور زمین کو باوصف اس قدر عظمت و استحکام کے دھناٹے پس ایسے مقامات پر اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ اُس نیلی چیز کا جسم اس قابل ہے کہ اُس میں سے ٹکڑا ٹوٹ کر گر سکے یا نہیں اور اگر ٹکڑا ٹوٹ کر گرنے کے قابل ہے تو وہ ایسا ہی ٹکڑا ہو گا جیسے چھت میں کی پٹیا یا پتھر

میں کی بٹیا :

علاوہ اس کے ”سار“ سے سماء مانعہ فیہ مراد نہیں ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے ”کسفا
من السماء قر کسفا بالسکون والحرکة وکلاهما جمع کسفة وهي القطعة والسماء السحاب
والظلة“ + + + روي انه حبس عنهم الريح سباحا ووسط عليهم الرمل فاحلوا بانفسهم
لا ينفعهم ظل ولا ماء فاضطروا الى ان سجدوا الى البرية فاطلتم سماعة وجدوا لها
بردا ونسيما فاجتمعوا تحتها فامطرت عليهم نارا فاذا حترقوا یعنی کسفا جمع ہے کسفة
کی جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آسمان سے یا تو بادل مراد ہے یا آوند کوئی چھائی ہوئی چیز
پھر اخیر میں وہ ایک روایت لکھتے ہیں کہ اصحاب ایک نے جو کہا تھا کہ ہم پر آسمان کا ٹکڑا اگر ادو تو اُپر
عذاب اس طرح نازل ہوا کہ سات دن تک ہوا بند رہی اور ریت یا غبار جو آسمان میں چڑھ گیا تھا اُپر
چھل گیا اور اُن سب کا دم گھٹنے لگا نہ اُن کو کوئی سایہ دار چیز فائدہ دیتی تھی اور نہ پانی پھر وہ بمقرر ہوئے
اور جنگل میں نکل جانا چاہا اتنے میں ایک بادل اُن پر چھا گیا اُن کو ٹھنڈک معلوم ہوئی اور ملکی ملکی
ہوا بھی لگی اور سب اُن کے نیچے آن کر جم ہو گئے پھر اُس میں سے اُن پر آگ برسنے لگی پھر سب
جل گئے پس جبکہ سار سے اس مقام پر سماء مانعہ فیہ ہی مراد نہ تو ”کسفا“ کے لفظ سے
سماء مانعہ فیہ کے مجسم ہونے پر کیونکہ استدلال ہو سکتا ہے اور خدا کو عمل عذاب میں یہ بات
فرمانی کہ ہم چاہیں زمین کو دھنسا دیں یا بادل کا ٹکڑا اگر ا دیں یا کافروں کا یہ کہنا کہ اگر تم سچے ہو تو بادل
کا ایک ٹکڑا ہی زمین پر آتا رد کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کچھ اعتراض ہو سکے کیونکہ اگر بادل زمین
پر گر پڑے تو نہایت سخت عذاب سے لوگ برباد ہو جاویں :

علاوہ اس کے مقام تہدید میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اصلی مقصود اُس کا نتیجہ ہوتا ہے زمین
کے دھنسانے اور آسمان کا ٹکڑا اگر اُن سے صرف یہ مقصود ہے کہ خدا اُن کے برباد کرنے پر قادر
ہے پس مقصد کو چھوڑنا اور خواہ مخواہ لفظی بحث کے پیچھے پڑنا تفسیر القول بملا یرضی بہ قائلہ
کرنا ہے اور ایسی علمیت جتانے سے اسلام کو اور قرآن کو بدنام کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ قرآن
اور علم یا قرآن اور حالت موجودات یا قرآن و حقائق اشیا متحد نہیں ہیں اللهم انی اعوذ بک من
مثل هذا العلم فانه حجاب اکبر :

امام غزالی نے فرماتے ہیں کہ ”واما التہدید فبقوله ان نشاء نخسف بهم الارض یعنی
نخجل عیننا فہم ضارہم بالخسف والکسف“ یعنی خدا نے کافروں کو اس کہنے سے تہدید

کی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زمین کو دھنسا دیں یعنی اگر ہم چاہیں تو جو چیز خاص تمہارے مفید ہے تمہارے مضر کر دیں دھنسا کر ٹکڑا کر اور لا شک فی قدرہ +

نکتہ ۴۔ قرآن مجید میں بہت باتیں بطور کنایہ کے فرمائی ہیں اُس سے خاص اُس بات کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ مخاطب کا ذہن اُس سے اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کی طرف منتقل ہو جاوے۔ اسی طرح بعضی نوحہ ایک صورت محسوس کیے بیان کی جاتی ہے کہ جو معنی مراد ہیں اُسکی تصویر مخاطب کے ذہن میں آ جاوے اور اُس سے اُس صورت محسوسہ کا اثبات مقصود نہیں ہوتا پس وہ لوگ سیاق قرآن مجید سے واقف نہیں ہیں جو اُن کنایوں سے یا اُس صورت محسوسہ سے خاص اُسی کا ثبوت مقصود سمجھتے ہیں پس ان آیتوں میں جو "وانسقط علیہم کسفاً من السماء۔ یا۔ فاسقط علینا کسفاً من السماء آیا ہے یہ سمجھنا کہ اس سے آسمان کے دائمی ٹکڑوں کا ثبوت ہوتا ہے نہایت غلطی ہے بلکہ یہ صرف بیان بالکنایہ ہے اور اُس کا لازم مقصود ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر فوز الکبیر میں اتمام فرماتے ہیں کہ کنایت آنست کہ حکمے اثبات کنند وقصد ز ثبوت عین آن باشد بلکہ قصد آنست کہ انتقال کند ذہن مخاطب بلازم آن بلزوم عادی عقلی چنانکہ از عظیم الرامد معنی کثرت ضیافت و ازیدہ مبسوطات معنی سخاوت ادراک می شود و تصور معنی مراد بصورت محسوسہ از ہمیں قبل است و آن بابے است دل و اشعار عرب و خطبایشان قرآن عظیم و سنت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بآن مشحون است و احلب علیہم بخمیک و در جگہ تشبیہ وادہ شد برئیس زنداں چوں یاران خود را واد وید کہ ازیں سو حکم کن واد انسود و وجعلنا من بین اید یہم سداً و من خلفہم سداً۔ و جعلنا فی اعناقہم اغلا لا تشبیہ وادہ شد اغراض ایشان را از تہر آیات یکسے کہ اور اغلول کرده باشند یا بر ہر جہت او سدے بنا کردہ باشند پس اصلاً نمیتوانید و اضمم جناحاً من الہرب یعنی مجموع خاطر شو پر کنندگی نفس بگذار و نظیر اس باب در عرف آنست کہ چون شجاعت کسے را تقریر کنند بشبیلہ اشارہ کنند کہ اس طرف میزند و اس طرف میزند و مقصود مجزئ نعلبہ او بر اہل آفاق بر صفت شجاعت نہ باشد کہ در تمام عمر شمشیر بدست نگرفتہ باشد یا گویند فلاں می گوید کہ در زمین کسی را نمی بینم کہ با من مبارزت تواند کرد یا گویند کہ فلاں خود چہیں میکند و اشارہ کنند بہ جیتی کہ اہل مبارزت در وقت غلبہ بر خصم می کنند کہ اگر این شخص گاہے اس کلمہ تحفہ باشد و اس فعل نکرہ باشد یا گویند فلاں طلق مواخا کردہ است و دست در گلوئی من انداختہ لغیر یا بکشیدہ است۔ انتہی +

پس جہاں کہیں کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ محسوسات کا بطور عرف عام بیان فرماتا ہے اُس سے اُس کے عین کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا ہم بھی کہتے ہیں کہ آسمان گر پڑے آسمان ٹوٹ پڑا یہ ایسی بات ہے کہ اس سے آسمان بھٹ جاوے کیجا بھٹ جاوے مگر کبھی ان الفاظ سے حقیقتاً اُن چیزوں کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کل ہوتا ہے فتاویٰ :

پانچویں لفظ ”الطی“ قابل بحث ہے جس کے مشتقات آیہ کریمہ ”یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب اور آیہ کریمہ ”والتسموات مطویات بیمن یمین میں آئے ہیں :

مگر ان آیتوں سے یہ خیال کرنا کہ آسمان کا غذا کی طرح یا چادر یا رد مال کی مانند ایک جسم ہے جو خدا کے ہاتھ پر لپٹ جاوے گا یا جیسے مکتبوں میں لڑکے مکتوب لپیٹ لیتے ہیں اُس طرح لپٹ جاوے گا ایک بڑی غلطی ہے یہ کلام مجازاً بولا گیا ہے جس سے مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ تمام آسمان وزین جیسے پہلے نیست تھے پھر نیست ہو جاویں گے :

خدا تعالیٰ اول فرماتا ہے کہ ”یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب اور اُسی کے ساتھ فرماتا ہے ”کما بداءنا اقل خلق تعیدہ یعنی یہ فرما کر کہ ہم آسمان کو مکتوب کی مانند لپیٹ لینگے اُسکے مطلب کو بتا دیا کہ جس طرح پہلے پہل پیدا کرنا شروع کیا تھا پھر ویسا ہی کرینگے اور ایسا کرنا اس وقت ہوگا جبکہ یہ سب نیست ہو جاوے گا :

تفسیر میں تحت آیت ”والتسموات مطویات بیمن یمین“ کے بہت طول گفتگو لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب مجاز ہے اور مجازاً واسطے اظہار قدرت و شان خدا تعالیٰ کے بولا گیا ہے :

قال صاحب الکشاف الغرض من هذا الکلام اذا اخذته کما هو بجملة و مجموعہ تصویر عظمتہ والتوقف علی کنہہ جلالہ من غیر ذهاب بالقبضۃ ولا بالیمین الی جہۃ حقیقتہ اوجہ مجاز معنی صاحب تفسیر کشاف کا قول ہے کہ اس کلام سے جبکہ اُس سب کو جمع کر کر تو مقصود اُس سے خدا تعالیٰ کی عظمت کی تصویر بتانا اور اُس کے جلال کی کنہ میں متوقف رہنا ہے بغیر اس بات کے کہ مٹھی اور دائیں ہاتھ سے حقیقت میں مٹھی اور داہن ہاتھ سمجھیں یا مجازاً خیال کریں :

عبارت کے ایک لفظ ”جبراً“ تاویل کا اور حل کلام کا حقیقت سے مجاز پر لکھ کر ارقام فرماتے ہیں

ولا شک ان لفظ القبضۃ والیمین مشعر لہذا الاعضاء والجوارم الان الدلائل العقلیۃ قامت علی امتناع ثبوت الاعضاء والجوارم ولله تعالیٰ فوجب حل هذه الاعضاء

علی وجہ المجاز یعنی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مٹھی اور داماں ہاتھ ان اعضاء اور ہتھوڑوں کو جو ظاہر میں بتاتا ہے مگر عقلی دلیلوں سے ثابت ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اعضاء اور جوارح کا ہونا غیر ممکن ہے اس لیے واجب ہے کہ مٹھی اور داماں ہاتھ جو بیان ہوا ہے اُسکو مجاز پر حل کریں پس جبکہ دونوں چیزیں مجاز پر حل ہوئیں تو مٹھی میں اٹھانا اور ہاتھ پر لپٹنا بھی یقینی مجاز ہو گیا ہے۔

ثم قال صاحب الکشاف وقيل قبضته ملكه ويمينه قدرته وقيل مطويات بيمينه ای مفنیات۔ یعنی صاحب کشف نے کہا ہے کہ مٹھی سے تو ملک خدا مراد ہے اور دائیں ہاتھ سے اُسکی قدرت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں لپٹنے یعنی فنا اور معدوم ہو جانے کے پس لپٹنے کے لفظ سے آسمانوں کا حقیقت میں لپٹنے کے لائق جسم سمجھنا ٹھیک کچھ ملا ہوتا ہے۔

چھٹے الفاظ ”انشقاق وانفراج اور انفطار اور فتح“ اور شان کے ہیں کہ ان کے مشتقات یا تبدیل ابواب قرآن مجید میں آئے ہیں۔ ان الفاظ کی نسبت بھی وہی بحث ہے جو ہم نے بالتفصیل ”کسفا“ کے لفظ کے تحت میں کی ہے یہی نیلی نیلی چیز جسکو سب لوگ آسمان کہتے تھے اور بہانتے تھے اور کہتے ہیں اور جانتے ہیں سب کو ایک جسم چیز اور چھت کی طرح بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ اُسکی حقیقت سے واقف نہ تھے مگر جیسکے وہ دکھائی دیتی تھی اُس قیاس پر اُس کو پھٹنے اور چرنے کے قابل خیال کرنے تھے قرآن مجید جو ٹھیک عرب اول کے محاورہ میں اُترا ہے اُنہی کے خیال اور محاورہ کے موافق وہ الفاظ بولے گئے ہیں اور مقصود اُس سے صرف معدوم ہونا اور فنا ہونا موجودات کا ہے پس کسی طرح یہ الفاظ آسمان کی ایسی حقیقت پر اور ایسے جسم پر جیسا کہ یونانیوں نے تسلیم کیا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی تھی یا جیسا کہ تیرہویں صدی کے سولوی بیان کرنا چاہتے ہیں دلالت نہیں کرتے۔

شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں اسلوب قرآن کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں کہ ”پس اگر برخلاف طور ایشاں (یعنی عرب اول) گفتہ شود بحیرت در مانند و چیزے نا آشنا بگوش ایشاں سید و فہم ایشاں رامشوش سازد“ مگر یہ قاعدہ صرف اسلوب قرآن ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہر بات میں یامر ملحوظ ہے۔

ایک مقام میں بذیل بیان معنی آیت محکم شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ ”اعتبار نہ ہستی

عرب اول ست نہ موشگافان زبان مارا کہ موشگافی بیجا والی است عضال کہ حکم طبعیتہ شاربہ میارند
و معلوم را مہجول اگرچہ یا مہشاہ صاحب نے معنی لغت کی نسبت لکھا ہے مگر ایسا قاعدہ ہے
جو بہت سی چیزوں کے لیے مفید ہے مثلاً جیسکہ عرب سار کا اطلاق اس تیلی چیز پر کیا کرتے تھے
جو ہمو بطور ایک سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہے تو ہمو اُسی پر الٹا کرنا چاہیے اور زیادہ
موشگافی کر کر اور بل کر مکھی کو بھینسا بنانا نہیں چاہیے اسی طرح جبکہ عرب اول اسی تیلی چھت
کو پھٹنے والی اور چرنے والی اور پوست کھینچنے کے لائق خیال کرتے تھے تو اُن الفاظ کو اُنہی کے
خیالات پر مقصور رکھنا چاہیے نہ یہ کہ اُسکے لازم کو اپنی طرف سے اضافہ کر کر اُس تیلی چھت کو ایسا
جسم قرار دیا جاوے جو کا غذا کپڑے کی طرح پھٹ سکے یا پٹ سکے یا کبری کی طرح اُس کا پوست
اُٹا جا سکے اگر غور کیا جاوے تو سبع سموات کا لفظ بھی درحقیقت مثبت تعدد آسمانوں کا نہیں
ہے کیونکہ عرب کے خیال میں تھا کہ سات آسمان ہیں اور جو کہ اُنھوں نے بحر اس تیلی چھت کے
اُور کسی چیز کو نہیں دیکھا تھا اور اُس کو ایک متحکم جسم سمجھتے تھے اور اس لیے اُنھوں نے خیال کیا تھا
کہ ساتوں آسمانوں کا ایسا ہی جسم ہوگا اور پھر اس خیال سے اُن کا تو بر تو ہونا بھی اُن کے فہم میں
جاموا تھا اُنہی کے خیال کے موافق قرآن مجید میں جو عرب اول کی زبان و محاورہ میں نازل ہوا
ہے وہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں اُن کو خواہ مخواہ حقیقت واقعی کا مثبت قرار دینا اسلوب
بدیع قرآن مجید کے برخلاف ہے اگر حقیقت اشیا اُس کے مطابق پائی جاوے جیسا کہ قرآن مجید
میں موافق خیال عرب اول کے بیان ہوا ہے فہو المراد۔ اور اگر بغرض محال اُس کے برخلاف
بیان ہو تو بھی کچھ نقصان یا اعتراض قرآن مجید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عرب اول کی زبان میں
بولایا ہے ہاں جس وقت کہ قرآن مجید یونانی مولویوں اور خیالی فلسفیوں کے ہاتھ آتا ہے اور
ہندی کی چندی اور نکات بعد الوقوع نکالنے پر اپنے علم کو اور بے معنی اعتراضات و بحث کو
غتم کرنے لگتے ہیں اُس وقت قرآن مجید کا حال صاحب کے شعر کا سا ہو جاتا ہے جبکہ اُس نے
کہا تھا کہ ”شعر را مہر رسہ کہ بُرد“ غرض ہماری یہ ہے کہ قرآن مجید کو مثل کلام ایک انسان فصیح و
عرب اول کے خیال کر کر اُس کے الفاظ کے معنی لگائے جاویں نہ مثل فلاسفہ یونان کے کلام کے
ومن لم یعتقد بهذا فقد ضل سوا السبیل

ساتویں لفظ ”اشد واکبر“ قابل بحاظ کے ہیں خدا تعالیٰ موافق خیال عرب اول کے اپنی
قدت کاملہ کو بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانا انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ

مشکل یا سخت تر ہے حالانکہ خدا کے نزدیک نہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ انسان کا اگر
 اس مقام پر انہی کے خیال کے موافق خدا نے فرمایا کہ جس چیز کی خلقت کو تم ایسا مشکل یا سخت
 جانتے ہو تو خدا کو تمہارا پیدا کرنا یا پھر دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اب انصاف سے دیکھا جاوے
 کہ اس طرز کلام سے اشد کے معنی لوہے یا تانبے کے پتر کی مانند جسم کے قرار دینے کیسے ہی سمجھی
 کی بات ہے اور پھر اسکو ایک مسئلہ مستحکم قرار دینا اور اس کے برخلاف کہنے والے کو کافر کہنا خود کفر
 میں گزنا ہے ونعوذ باللہ منہا۔

تفسیر کبیر میں تحت تفسیر آیت کریمہ ائنتم اشد خلقا ام السماء کے لکھا ہے کہ ”انہ
 استدلال علی منکر البعث فقال ائنتم اشد خلقا ام السماء فنبہہم علی امر یعلم
 بالمشاہدۃ وذلك لان خلقۃ الانسان علی صغره وضعفه اذا اضعیف الی خلق السماء
 علی عظمها وعظم احوالہا فبین تعالیٰ ان خلق السماء اعظم واذا کان كذلك فخلقہم
 علی وجہ الاعادۃ لولی ان یکون مقدورا لله تعالیٰ فکیف ینکرہ ذلک ونظیرہ
 قولہ اولیٰ فی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلہم قوله خلق السموات والارض اکبر من خلق الناس
 والمعنی خلقکم بعد الموت اشد ام خلق السماء ای عند کدونی تقدیر کم فان کلا الامرین بالنسبۃ الی قدرۃ اللہ واحد
 یعنی تفسیر کبیر میں ائنتم اشد خلقا ام السماء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ بعثت کے منکر
 تھے ان پر دلیل لانے کے لیے خدا نے فرمایا ہے کہ تمہارا پیدا کرنا مشکل یا سخت تر ہے یا آسمان کا
 پس ان کو ایسی بات سے جس کو وہ علانیہ دیکھتے تھے خبردار کیا کیونکہ جس وقت انسان کی خلقت
 کو جو ضعیف اور صغیر ہے آسمان سے نسبت دی جاوے جو ایسا بڑا ہے اور اس میں بہت بڑی شئی
 حالتیں ہیں تو خدا نے بتایا کہ آسمان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے اور جبکہ یہ بات ہے تو تمہارا پھر پیدا
 کرنا کچھ بڑی بات نہیں تو بدرجہ اولیٰ خدا کی قدرت میں ہوگا پھر کیونکر تم اس کا انکار کرتے ہو۔ اہل
 ایسی مثال ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے آسمان و زمین پیدا کیے کیا اس بات پر قہر
 نہیں ہے کہ انہی کی مانند اور پیدا کرے یا جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ آسمانوں و زمین کا پیدا کرنا
 آدمیوں کے پیدا کرنے سے بڑا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آیا مرنے کے بعد تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے
 یا تمہارے نزدیک آسمانوں کا پیدا کرنا مشکل ہے اگرچہ خدا کی قدرت کے نزدیک تو یہ دونوں
 باتیں یکساں ہیں یعنی کچھ مشکل نہیں ہیں پس اب غور کا مقام ہے کہ لفظ شد سے آسمانوں کا سخت
 جسم ہو یا کیونکر ثابت ہوتا ہے +

اور اگر لفظ اشد سے متکلم و مضبوط کے معنی لیے جاویں تو بھی اُس سے یہ سمجھنا کہ آدمی کے پست سے آسمان کا پوست اور اُس کے جسم سے آسمان کا جسم اور اُس کی ہڈی پہلی سے آسمان کی ہڈی پہلی زیادہ مضبوط اور سخت ہے نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بے شک آسمان اور زمین اور پہاڑ اور درخت کو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پائدار ہیں۔ اسی زمین پر اور اسی آسمان کے تلے ہزاروں لاکھوں نبی اور ولی اور شہداء اور صالحین آئے اور گزر گئے۔ بخند و دارا جشید و فریدون بھی ہوئے اور گزر گئے۔ بہت سے کفر کے فتویٰ دینے والے پیدا ہوئے اور گزر گئے۔ بہت سے مسلمان خدا و رسول پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے کافر بنائے گئے اور گزر گئے ہزاروں کافر و مرتد اور خدا کے وجود کے بھی منکر پیدا ہوئے اور گزر گئے اور ایک دن ہم بھی اور ہمارے کفر کے فتوے دینے والے بھی گزر جائیں گے اور اپنے اپنے اعمال لیکر خدا کے سامنے حاضر ہوں گے والی کا اعلیٰ ما یفعل بی و ما یفعل ہم ولا کنی اور جو رحمت ربی انہ ہوا رحم الراحمین اور باوجود ان سجدات کے آسمان اور زمین بیسے ہی ہیں جیسے کہ تھے تو ضرور کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے اُنتم اشد خلقاً ام السماء مگر اُس سے یہ مراد یعنی کہ ہم مٹی کے ہیں اور آسمان لوہے کا استحقاق صدی کے مولویوں کے سوا جو مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے بھی کفر کا تحفہ لانے والوں کے یار غار ہیں در کس سے ہو سکتا ہے وانا افوض امری و امرکم الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

ساتواں لفظ "امساک" کا ہے خدا نے فرمایا کہ وہی تمام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے کیسی صاف اور سیدھی بات ہے ہم آسمان کو ایک گنبد کی چھت کی مانند دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی ہوئی ہے اور ہم پر گرتی نہیں اسی خیال کے موافق اگر ایک قح عرب اول کہے کہ کسی صاحب قدرت نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تمام رکھا ہے تو اُس کا یہ کہنا بالکل سچ اور صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو خدا کا یہ کہنا بھی کہ مینے آسمان کو زمین پر گرنے سے تمام رکھا ہے صحیح ہے اس قول پر اپنی طرف سے زیادہ حاشیے لگانے کا آسمان پر فرشتے رہتے ہیں اس لیے ضرور ہے کہ وہ سخت و صلب ہوتا کہ فرشتے اُس پر ٹک سکیں اور جبکہ وہ سخت و صلب ٹھہرا تو ضرور ہے کہ اُس کا لوہے کے پتروں کا سا جسم ہو اور جب وہ ایسا ہو تو ضرور ہے کہ جو جبل اور قیل لاکھوں کروڑوں۔ پدموں بے انتہا من کا ہو محض لغو اور واسیات بات

ہے اور قرآن مجید کے اسلوبِ بدیع کے بالکل مخالف ہے ۛ

آٹھواں لفظ ”بنا“ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے کہ میں نے آسمان کو پیدا کیا بلاشبہ وہی خالق ہے بنا کا لفظ اور خالق کا دونوں ہم معنی یا ہم مراد ہیں کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ خدا نے آسمان کو نہیں بنایا بلاشبہ ہمو دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لیے ایک محل ہے جس میں ہزاروں لاکھوں گیارہ اور میگنٹ کی روشنی سے بھی عمدہ روشنی کے مصباح روشن ہیں وہ ایسی خوبصورت ہمو دکھائی دیتی ہیں جیسے بلور کی ٹانڈیوں اور فانوسوں میں میگنٹ کی روشنی ہو رہی ہے پس خیال جو ہمو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے اُسی کو خدا بتاتا ہے کہ میں نے آسمان کو تمہارے لیے محل بنایا ہے کجھ تو میری عبادت کرو۔ میری بھدانیّت کا اقرار کرو۔ میرے رسول کی تابعداری کرو۔ جو کوئی میرا اور میرے رسول کا اقرار کرے اُسکو کافر مت کہو۔ نہ مانو تو جہنم میں جاؤ۔ پس خدا کے کلام کا تو اسبقدر مطلب ہے آگے اُسپر شیئے لگانے اور کہنا کہ جب بنا کا اطلاق ہوا ہے تو ضرور اُسکی بُنیاد کوہ قاف پر پڑی ہوگی اور جب اُسکو محل کہا ہے تو وہ ضرور گنبد کی جھت کی طرح ڈاٹ لگا کر بنایا گیا ہوگا اور اینٹ پتھر کی بگہ بلور کے پتھر لگائے گئے ہونگے یا کانچ کے شیشے کی طرح ڈھانا گیا ہوگا اور کچھ نہیں تو لندن کے کرشن بلیس کی طرح تو ضرور ہوگا محض سجاوہ دانی ہے ۛ

قسم چہارم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور زمین میں لفظ ”سموات“ کا آیا ہے اُن میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں ۛ

اول۔ لفظ ”سموات“ بحث یہ ہے کہ اس لفظ کا ہمیشہ جمع ہی پر اطلاق ہوتا ہے یا مفرد پر بھی تفسیر میں لکھا ہے ”واما قال کانتا رتقا ولم یقل کن رتقا لان السموات لفظ الجمع والمراد به الواحد للدل على الجنس قال لا خفش السموات نوع ولا ارض نوع ومثله ان الله یمسک السموات والارض ان تزولا“ یعنی اللہ صاحب نے کہا ہے کہ آسمانوں اور زمین دونوں کے موٹھ بند تھے یعنی آسمانوں اور زمین دونوں کے یعنی آسمانوں کو ایک کہا اور زمین کو ایک کہا اور یہ نہیں کہا کہ سب آسمانوں کے جو بہت سے ہیں موٹھ بند تھے اور زمین کا موٹھ بند تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سموات جمع کا صیغہ ہے لیکن اس سے ایک بھی مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب آسمانوں کے ایک طرح کا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خفش کا قول ہے کہ سموات ایک نوع ہے اور زمین ایک نوع اور اسی کی مانند خدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہے

آسمانوں کو اور زمین کو کہ وہ دونوں مثل نہ جادیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سموات کے لفظ سے سارے ہی مراد ہوتا ہے اسی طرح سے سارے پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے کہ کُسا ہر جزو سارے ہے۔ کقولہ تعالیٰ **ثُمَّ السَّيِّئَاتِ إِلَى السَّيِّئَاتِ** یہیں سب سے سموات پس اس قسم میں ہم نے جو آیتیں لکھی ہیں ان میں سے بعضی آیتوں کو قسمِ پنجم میں بھی لکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں جو لفظ سموات کا آیا ہے اگر اُس سے سارے ہی مراد لیا جاوے تو وہ آیتیں قسم چہارم میں داخل رہتی ہیں بلکہ قسم سوم میں شامل ہو سکتی ہیں اور اگر اُس سے جمع ہی مراد لیجاوے تو پھر ان کا ٹھکانا جزوِ قسم پنجم کے اوپر نہیں ہو سکتا۔

دو دیگر لفظ "خلق" کا بیان بحث ہے ہر گاہ ہم نے فضائے محیط کو سارے اور اُس کے طبقات کو جو بسبب وجود کو اکب کے یا اور کسی حد ظاہر کے پیدا ہو گئے ہیں سموات کہا اور اس بات کا بھی دعویٰ نہیں کیا کہ اُس میں کوئی جسم سیال اشیری ہے یا نہیں تو گویا ہم نے شے معدوم کو سارے سموات کہا یا ایسی چیز کو سارے سموات کہا جس کا کوئی وجود جسمانی نہیں ہے تو پھر اُس پر خلق کا اطلاق کیونکر صادق آتا ہے۔

مگر یہ تمام خیالات کچھ فہمی سے پیدا ہوتے ہیں سیدھی سمجھ کا آدمی ان خیالات کی غلطی بخوبی سمجھ لیتا ہے۔

اول تو یہ کہنا کہ عدم غیر مخلوق ہے نہایت غلطی ہے۔ عدم محض تو کبھی موجود تھا اور نہ کبھی موجود ہوگا پس ایسی چیز جو کبھی موجود ہی نہیں ہو سکتی اُس کی نسبت یہ کہنا کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق محض نادانی ہے۔ باقی رہا عدم ممکن جبکہ عدم الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ موجود بھی ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو وہ بلاشبہ مخلوق ہے پس جو حقیقت آسمان کی ہم نے بیان کی اُس پر معدوم غیر موجود ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ معدوم الجسم کہہ سکتے ہیں اور شے مخلوق کہنے کے لئے یا جس پر مخلوق ہونے کا اطلاق ہوتا ہے اُس کا مجسم ہونا ضرور نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **خُلِقَ الْمَوْتُ وَالْحَيَاتُ** حالانکہ موت اور حیات کوئی شے جسمانی نہیں ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ **خُلِقَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ** وجعل الظلمات والنور حالانکہ رات ظلمت یعنی عدم النور کا نام ہے اور لیل و نہار یعنی رات دن اور نور و ظلمت دونوں جسمانی نہیں ہیں پس خلق کا لفظ نسبت سموات کے ہمارے کلام کے متنافی نہیں ہے۔

استواء اور خلق دونوں کی مراد واحد ہے قال الامام فی نفسیہ۔ **ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّعَادِ**

کناية عن ايجاد السماء والارض يعني استواء لفظ سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا مراد ہے *

تیسرا لفظ ”رتق وفتق“ قابل بحث ہے جسے اسی آیت کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ تفسیر کے لکھ دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہمارے کلام کے منافی نہیں۔ ہمارے نزدیک تو اس مقام پر سموات بادلوں سے مراد ہے پھر بسبب کثرت و تعدد کے جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اور بڑی تائید اس کی اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی آیت میں خدا فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی اور صداقت اس آیت کی ہر شخص ہمیشہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے بادل اُلتے ہیں اور گھر سے رہتے ہیں اور نہیں رہتے پھر اللہ تعالیٰ اُن کا موندھ کھوتا ہے۔ اُن سے مینہ برستا ہے زمین خشک ہو جاتی ہے کھیتی نہیں رہتی۔ کچھ اُگانے کے قابل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اُس کا موندھ کھوتا ہے سب خیر اُس میں پیدا کرتا ہے اور یہ سب باتیں ہمیشہ تمام لوگ دیکھتے رہتے ہیں بعض علماء اسلام نے یہود کی تقلید سے یہ خیال کیا تھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ آسمان وزمین آپس میں چپٹے ہوئے تھے جیسے بدن پر کھڑی خدانے زمین کی کھڑی کھینچ کر آسمان بنا دیا مگر یہ صرف یہودیوں کا قصہ ہے اُسی کی تقلید سے اُن علماء نے قرآن کی بھی تفسیر کی ہے جن لوگوں کو خدا نے مخاطب کیا ہے وہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت کہاں تھے جو وہ دیکھتے کہ آسمان زمین سے بدن کی کھڑکی کی مانند چپٹا ہوا تھا یا نہیں *

اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر ہمارے قول کے مطابق کی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہم نے سموات کا اطلاق بادلوں پر کیا ہے اور اُنہوں نے اس نلی چھت پر جو بکھو دکھائی دیتی ہے چنانچہ ہم اُسکو تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں *

قال الامام فی القول الثالث وهو قول ابن عباس واکثر المفسرین ان السموات والارض كانتا رتقا بلاستواء والصلابة ففتق الله السماء بالمطر والارض بالنبات والشجر ونظيره قوله تعالى والسماء ذات لرجم والارض ذات الصدع ورجوا هذا الوجه على سائر الوجوه لقوله بعد ذلك وجعلنا من الماء كل شيء حي وذلك لا يليق الا بالماء تعلق بما تقدم ولا يكون كذلك الا اذا كان اطلوا ما ذكرنا فان قيل هذا الوجه مرجوح لان المطر لا ينزل من السموات بل من سماء واحد وهي سماء الدنيا قلنا انما اطلق عليه لفظ الجمع

لازم ہیں *

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت سی نعمتیں اپنی جنگلی اور وحشی رعیت کے تقسیم کرنے کو رکھی ہیں اور یہ ٹھہرایا ہو کہ جوں جوں ان وحشیوں کو عقل و تمیز آتی جاوے گی وہیں وہ نعمتیں ان میں تقسیم ہوتی جاوے گی پس ضرور ہو گا کہ جو نعمتیں ان کو اول دی جاویں گویں نفسہ وہ اچھی اور عمدہ ہوں مگر اس کے بعد کی نعمتیں یقینی پہلے سے اچھی ہوں گی یہاں تک کہ سب سے اخیر جو نعمت دی جاوے وہ سب سے اچھی ہوگی *

اب فرض کرو کہ اس بادشاہ نے ان نعمتوں کے تقسیم کرنے والے بہ ترتیب مقرر کیئے ہر ایک نے اپنی باری میں مطابق عقل اور تمیز ان وحشیوں کے نعمتیں دینی شروع کیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ نعمتیں تقسیم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اخیر نعمت رہ گئی اور سب سے اخیر بانٹنے والا جو تھا اسکی باری آئی۔ اس وقت وہ لوگ بھی اس نعمت کے لینے کے قابل ہو گئے تھے وہ اخیر بانٹنے والا آیا اور اخیر نعمت بانٹ گیا پس وہ خاتم القاسمین ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ اخیر بانٹ میں آیا اور نہ اس وجہ سے کہ اس کے بعد کوئی بانٹنے نہیں آئے گا کیونکہ یہ دونوں باتیں تو خاتمیت کے لوازم سے ہیں بلکہ دراصل وہ اس وجہ سے خاتم ہے کہ وہ خاتم نعمت ہے وہو خاتم کلانہ قد ختمت النعمۃ بتقسیمہ اور جبکہ وہ نعمت اخیر سب سے عمدہ و افضل تھی تو اس خاتم کا بھی سب سے افضل ہونا لازم ہے اور جو کہ تدریج زانی بھی اسکو لازم تھی اس لیے اس خاتم کو تاخر زانی بھی لازم ہے *

بعینہ ہی مثال نبوت کی ہے دین اللہ کا نعمت ہے اور بندوں میں تقسیم کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء سابقین مناسب حال امت سابقہ کے وہ نعمت تقسیم کرتے آئے یہاں تک کہ جبکی اخیر دفعہ باری تھی اور اخیر نعمت باقی رہ گئی تھی اور اسکی تقسیم کا زمانہ ابھی گیا تھا وہ آیا اور وہ نعمت دے گیا وہ نعمت ختم ہو گئی رسالت اور نبوت بھی ختم ہو گئی اور خود اس نعمت کے مالک نے پکار کر کہد یا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" پس تعدو خاتم کسی معنی پر پو متنع بالذات ہے اور شرکت من حیث اللہ اور من حیث العرض دونوں متنع ہیں۔ اثر ابن عباس کی صحت کا میں قایل نہیں ہوں جبکہ رسالت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عام تھی تو خاتمیت بھی معنی مذکور عام تھی *

ہاں فیض الہی کبھی ختم نہیں ہونے کا بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید

دیگراں ہم بکشد آنچہ مسیحا میگرد

مگر سب اُسی کو گائیٹگے ہمارے پیاکہ گئے صلعم حبیبکہ انبیاء بنی اسرائیل میں بہت سے ایسے نبی گذرے جو اپنے پہلے نبی کے دین کو قائم کرتے رہے پس ہمارے میاں کی امت میں بھی بہت سے ایسے گذرے اور گزریٹگے جو دین محمدی کی حقیقت قائم کیا کریٹگے اور مجدد کہلاویں گے اور لوگ اُن کو کافر کہا کیئے اور کہا کریٹگے بھائی یہ باتیں کتابیں پڑھنے سے حل نہیں ہوتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور لوتب اس مرحلہ کو طے کرو وقد اوقیت من اللہ تعالیٰ نور من انوار الحمد یتہ صلعم واللہ علی ما نقول وکیل ۛ

بھائی تم سمجھو کہ ہر ایک کو اپنے پیاسے جدی جدی راہیں ہوتی ہیں کوئی اُسکی باتوں ہی پر مڑتا ہے کوئی اُسکی چتون پر ہی ٹوٹتا ہے کوئی اُسکی ادا کا دیوانہ ہے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر سایہ دار سبزوں میں اپنے دل کا دوتارہ بجا کر یہ گار رہا ہے۔

ز فرق تا بقدم ہر گجا کہ می نگرم

کر شمر دامن ل میکشد کہ جا اینجا است

پس جو شخص کہ اپنے تئیں اُمت محمدی کہتا ہے اور تصدیق کرتا ہے محمد رسول اللہ کی تو یقینی تمام بزرگیوں کا آنحضرت صلعم میں اقرار کرتا ہے پھر کیونکر خیال ہو سکتا ہے کہ اُسکے کسی کلام سے گو کہ وہ ہر طبقہ میں خاتم کا ہونا ہی ہو گمان بد کیا جاسکتا ہے وہ بھی دیوانہ ہے مگر ایک اور پرہم بھی دیوانے ہیں مگر اُسکی سب اداؤں پر۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور بزرگ ہیں اور علماء میں سے ہیں اور ہمارے فخر میں جن کی کنفش برداری کے بھی ہم لائق نہیں اُن پر بدظنی نہیں چاہیئے بھائی اگر وہی کافر ہوں تو کیا ہم تم مسلمان ہوں گے۔ کبریت کلمتہ تخرج من افواہم والسلام علی من اتبع الهدی ۛ

دفع البہتان

جناب حضرت سید الحاج مولانا مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہاد سب آرڈینٹ جج گورکھ پور نے ایک کتاب مسماۃ بقائد الاسلام تحریر فرمائی ہے جس میں مجھ پر بہت سے

اتہام کیے ہیں اگرچہ میں ایسی باتوں کی نسبت کچھ پرواہ نہیں کرتا مگر بہت سے دوست سجدہ میں کہ جن عقاید کو جناب سید الحجج نے اتہاماتہاری طرف منسوب کیا ہے ان کی نسبت بلا بحث و تمکيل صرف اتنا لکھو کہ حقیقت میں وہ تمہارا عقیدہ ہے یا تم پر اتہام ہے پس میں ان کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں ۛ

جناب سید الحجج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ موجودہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک قطعاً باطل ہے۔ یہ محض اتہام ہے۔ میرا عقیدہ نہیں ہے میں نے ایک مقام پر جہاں یہ بحث کی ہے کہ مذاہب مختلفہ میں کون سا مذہب سچ ہو سکتا ہے اور بعد ایک لبنی تقریر کے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کے سوا اور کوئی مذہب سچ نہیں ہو سکتا و ان میں نے لکھا ہے کہ اسلام سے میری مراد یہ مجموعہ احکام نہیں ہے کیونکہ اس میں احکام منصوصہ اور اجتہادات اور قیاسات سب شامل ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے اس مقام پر میری مراد مذہب اسلام سے صرف احکام منصوصہ ہیں پس یہ کہنا کہ مخاطب کے نزدیک مجموعہ موجودہ اسلام قطعاً باطل ہے کیسا غلط اور کتنا بڑا اتہام ہے ۛ

جناب سید الحجج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک خلاف مرضی الہی ہے ۛ

لعوذ باللہ من هذا الکلمات۔ کبریت کلمتہ تخرج من افواہم ان یقولوا لا الاکذبا۔ میرے نزدیک کوئی مذہب سوائے مذہب اسلام کے مطابق مرضی الہی کے نہیں ہے ۛ

جناب سید الحجج ارقام فرماتے ہیں کہ احکام معاد پر اعتقاد لانا اور صحیح جاننا مخاطب کے نزدیک مانع ترقی ہے ۛ

لعنت خدا کی ہو اُس پر جس نے یہ لکھا ہوا وہ جس کا یہ اعتقاد ہو میں نے یہ لکھا ہے کہ جب اس سچے مذہب (یعنی اسلام) میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا مارج ہوتا ہے کجا یہ لفظ اور کجا وہ عقیدہ جو سید الحجج نے میری نسبت لکھا ہے جو قوت انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے شاید خود ان کو احکام معاد پر یقین نہ تھا کیونکہ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور خیال فرماتے کہ مرنا بھی ہے خدا کے سامنے جانے میں کیونکہ ایک شخص پر ایسا اتہام کروں ۛ

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ معجزات انبیاء کے اعتبار سے مجرد نبی کے قول پر پڑھیں
لانا مخاطب کے نزدیک باطل ہے ۛ

اس عبارت کا مطلب شاید مصنف ہی سمجھیں تو سمجھیں اور کوئی تو سمجھ نہیں سکتا مگر صرف
اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج میرے آرٹیکل کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ غلط سمجھے ہیں میں
اُس آرٹیکل میں صرف شرف عقل ثابت کیا ہے ۛ

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ ایجاد شریعت مخاطب کے یعنی میرے نزدیک
مغرور ہے ۛ

لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہ میرے اعتقاد میں شریعت حقہ محمدیہ تم شریعت
ہے جیسکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں ۛ

جناب سید الحاج نے ایک فقرہ میں پانچ اہتمام میری نسبت کیے ہیں۔ ایک اتباع سواد عظم
اتفاق جمہور مخاطب کے نزدیک باطل ہے۔ دوم۔ کسی عالم کے قول کا اعتبار نہیں نہ
سند لانی چاہیے۔ سوم۔ مسلمات مذہبی سے انکار کرنا بدعت ہے نہ کفر ہے۔ چہارم تقلید
آئینہ اربعہ کی ظلمت و ضلالت ہے۔ پنجم۔ قود و حدیث پر اعتماد لانا بیجا ہے ۛ

یہ سب کچھ جو لکھا ہے سب غلط ہے اور تمام تر مضامین کو تو حریف کیا ہے فویل للذین
یکتبنون الکتاب باید یہم ثم یقولون هذا من عند اللہ وہ لکچر جو آزادی رائے پر
ہے اور جسکی تحریف جناب سید الحاج نے فرمائی ہے اُس کا مطلب سمجھنے کو ابھی مدت چاہیے پس
اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج کا یہ استنباط غلط ہے وہ مطلب نہیں سمجھے یا دانستہ
تحریف کی ہے ۛ

جناب سید الحاج نے پھر ایک فقرہ میں دو اہتمام کیے ہیں۔ ایک جو مسئلہ شرعیہ تہذیب
مصطلح مخاطب کے خلاف ہو باطل ہے۔ دوم۔ خصوصاً کثرت ازدواج۔ سوم۔ و تفرق
پہلا اور دوسرا محض ہتھان ہے میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شرعی تہذیب کے خلاف
ہے ہی نہیں اور جس قدر ازدواج کی نسبت شرع میں جازت ہے وہ عین تہذیب ہے اور
شہوت رانی کے لئے شرع کو ٹیٹا بنانا باہم کی مانند ہونا ہے ۛ

تیسرا امر البستہ کہ یہ تقدیر صحیح ہے یہ تو اکثر علماء متقدمین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ فاما مننا
بعد واما فذلک سے اشتقاق منوع ہے مگر وہ علماء اُسکو منسوخ مانتے ہیں نیز منسوخ نہیں مانتا

جناب سید الحاج ایک دھوکہ کی عبارت میں میری نسبت واعظین و صوفیہ و علماء مدرسیں پر سب و شتم کرنا لکھتے ہیں :

یہ گول گول عبارت جس میں کل واعظین و صوفیہ و علماء داخل ہیں سید الحاج کو لکھنی مناسب نہ تھی جن مکار واعظین و صوفیہ اور علماء بدنام کن نیکو نامے چند کی نسبت میں نے لکھا ہے ان کی نسبت سب لکھتے آئے ہیں مولانا روم کی مثنوی دیکھو۔ امام غزالی رحم کی احیاء العلوم پڑھو :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے احکام معاشرہ جنت و نار۔ صراط و میزان و صلوٰۃ و حشر اجداد وغیرہ و عذاب قبر وغیرہ جو محسوسات نہیں ہیں باطل ٹھہرائے ہیں :

یہ محض تمام ہے میں نے ایک حرف بھی اب تک ان کی نسبت نہیں کہا نعيم جنت و وعيد جہنم پر اور بوث بعد الموت پر نہیں اعتقاد رکھتا ہوں باقی رہی ان کی کیفیات۔ وہ شخص ملوث اپنے مذاق کے بیان کرتا آیا ہے چنانچہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم ان باتوں سے پُر ہے :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ صرف فرائض پر عمل کرنا وہ بھی نیچر کے موافق ہوں کافی ٹھہرایا ہے :

اگرچہ اس میں بھی تدلیس کی ہے مگر بلاشبہ میرا اعتقاد ہے کہ جس قدر کہ فرائض مذہب اسلام میں ہیں وہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہیں اور بلاشبہ صرف فرائض کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا بہشت میں جانے کو کافی ہے :

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ جو عبادت خلاف نیچر ہو اس کو میں نے باطل ٹھہرایا ہے :

اس میں بھی تعریف کی ہے کیونکہ میں نے کہا ہے کہ زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جانگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے میں منحصر سمجھنا قطع نظر اسکے کہ ان کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گزر جانا قانون قدرت کے برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت سہی (مگر اسکے سوا اور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو ان سے زیادہ مفید ہیں شری غلطی ہے۔ گجایہ مضمون اور گجایہ اتمام جو جناب سید الحاج نے بایں عوی وینداری مجھ پر کیا ہے :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ جس قدر عادات و عسنت خلاف نیچر ہوں ان کو میں نے

باطل ٹھہرایا ہے :

مگر جناب سید الحاج یہ نہیں سمجھے کہ جس قدر نیک عادتیں اور عسالت ہیں وہ نیچرینی فطرت اللہ کے برخلاف ہیں ہی نہیں کیا یہ جناب سید الحاج عادت خلاف فطرت کو حسن سمجھتے ہیں !!! :

وہ سید اقول نقل کرتے ہیں کہ مذہب خدا کا قول اور فطرت خدا کا فعل ہے دونوں ایک ہیں :

کیا جناب سید الحاج کو اس میں شک ہے۔ کیا ان کے نزدیک خدا کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے !!!

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ طریقہ لباس و اکل و شرب و اخلاق و عادات ایسی اختیار کرنی چاہئیں جس سے تہذیب یافتہ قوموں کی نظر میں تحارت نہ ہو :

کیا جناب سید الحاج کی خواہش اس کے برخلاف ہے کیا اپنی قوم کو تمام تہذیب یافتہ قوموں کے سامنے حقیر و ذلیل رکھنا چاہتے ہیں کیا انکی مرضی ہے کہ مسلمان ہمیشہ ذلیل رہیں اور تربیت یافتہ قوموں کی نگاہ میں ان کی کچھ قدر و عورت نہو !!!

جناب سید الحاج میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ میں ترقی قومی کو دیگر عسالت پر ترجیح دیتا ہوں دل و جانم فدائے اس الزام جناب سید الحاج باد۔ بلاشبہ میرا یہ عقیدہ ہے یہی مذہب ہے اور

یہی قول ہے اور خدا اسی قول پر میرا خاتمہ کرے کہ بعد ادا کئے فرائض کے کوئی عبادت قومی بھلائی میں کوشش کرنے سے بہتر نہیں ہے اللہم احینا علیہ و امتنا علیہ آمین

مال بستہ خود غرض نفس کے بندے قومی بھلائی میں کوشش کر نیکو میفاید سمجھتے ہیں :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے توہین حرمین شریفین کی ہے اور اس کے ثبوت پر

میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ خواجہ سرار و ضیہ متبرکہ رسالت مآب صلعم پر اور خانہ کعبہ پر تعین کیے ہیں اور

یہ بیٹے کے پھوٹے مسلمان اسکو باعث افتخار جانتے ہیں :

ناظرین انصاف کریگیے کہ اس فقرہ سے توہین حرمین شریفین استنباط کرنا جناب سید الحاج کے

علم و اجتہاد اور دیانت اور دینداری کا کیسا بڑا ثبوت ہے کیا یہ استنباط و دیدہ و دانستہ اتہام نہیں

ہے مسلمانوں میں خواجہ سراؤں کا رواج اسلام کو طاع لگانے والا ہے کیونکہ سوائے مسلمانوں کے

کو کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے پھر جو فعل کہ حرام و منوع شرعی ہے اس کے ترکب ہوتے ہیں اور

پھر انہی لوگوں کو حفاظتِ مومنہ مطہرہ اور خانہ کعبہ پر متعین کرتے ہیں اور ان بیٹے کے پھوٹوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شرم نہیں آتی کہ ان حضرت کے حکم کے برخلاف کام کرتے ہیں اور پھر انہی کو روضہ مبارک کے سامنے لیجاتے ہیں اور حیاتِ النبی کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں لکن غیرت اور خدا و رسول سے شرم ہوتی تو چھپنی بھرنی میں ڈوب مرتے مگر اس سے بھی زیادہ تعجب ہم کو یہ ہے کہ ہمارے مخدوم مبشرہ بشارت عجیبہ سید الحاج جناب مولانا علی بخش خاں صاحب بہاء رب آرڈینٹ جج گورکھپور یعنی قاضی القضاۃ شریعت انگریزیت فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین میں خواجہ سراؤں کی تعیناتی کو برا جاننا تو ہمیں حرمین شریفین ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ !!!

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے تعلیمِ دینیات کی جو مروج ہے غیر مفید ٹھہرائی ہے اور اسکی دلیل میں میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے اور کوئی علم مفید مروج نہیں ہے“

اے مسلمانو۔ انصاف کرو کہ میرے اس قول کا یہ مطلب ہے جو جناب سید الحاج نے نکالا ہے کیا ان کا ایسا لکھنا اتہام نہیں ہے اور کیا دیدہ و دانستہ اُنھوں نے یہ غلط نہیں لکھا ہے۔ گجا طریقہ تعلیم کو غیر مفید کہنا اور گجا تعلیمِ دینیات کو غیر مفید کہنا۔

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے جو تہذیبِ غلامی کے آرٹیکل میں لکھی ہے اس سے سب و شتمِ انبیاء سابقین اور لاحقین و اہل بیت و عام امتِ مروجہ کی لازم کی ہے۔ یہ قول ان کا محض غلط ہے قبل نزولِ اتساع کسی فعل کے اس کے ترکیبیں کو گنہگار اور ترکیبِ فعلِ حرام کا جاننا صرف جناب سید الحاج کا عقیدہ ہے۔ ایک زمانہ میں حقیقی بہن سے نکاح منع نہ تھا اور بعض نبی انبیاء سابقین میں سے اس کے ترکیب ہوئے اسی طرح حقیقی دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا منع نہ تھا متعدد انبیاء اس فعل کے ترکیب ہوئے۔ شراب کی حرمت جب تک نہ ہوئی تھی تمام انبیاء سابقین اور اکثر صحابہ اس کے ترکیب ہوئے پس اب اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا حرام ہے۔ شراب پنی حرام ہے تو وہ کیا انبیاء سابقین اور صحابہ کرام پر سب و شتم کرتا ہے۔

جو کچھ میں نے نسبتِ غلامی کے لکھا ہے اول میری تحقیق دریافت کرنی چاہیے تھی میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کسی نبی نے انبیاء سابقین سے اور لاحقین سے جناب خاتم الانبیاء تک

کسی عورت پر بغیر نکاح کے تصرف کیا ہو آئیم اہل بیت علیہم السلام نے اُن عورتوں سے جو لڑائی میں قید ہوئی تھیں نکاح کیا تھا جس طرح کہ جناب سید الحاج آئیم اہل بیت پر تمت لگانا چاہتا ہے اُس طرح بغیر نکاح بطور لونڈی کے کسی کو تصرف میں نہیں لائے۔ مگر صرف اس مطلب سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا حق ہونا شیعوں پر ثابت ہو آئیم اہل بیت پر لونڈیوں کے تصرف کی تمت لگاتے ہیں ورنہ وہ ازدواجِ مطہرات منکوحہ اہل بیت علیہم السلام تھیں صحابہ و تابعین کی نسبت بھی کوئی کافی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ قیدی عورتوں کو بطور لونڈیوں کے بلا نکاح اُنھوں نے تصرف کیا ہو اور کچھ شبہ نہیں کہ آیہ کریمہ اما منابعد و اما فداء اخلا لایۃ ہے جو اُساری کے حق میں نازل ہوئی اور جس سے غلامی معدوم ہو گئی پس جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اُس کی نسبت یہ کہنا کہ انبیاء و صحابہ و اہل بیت پر سب و شتم لازم کیا ہے کیسا اہتمام ہے ؟

جب سلطنتِ سلاطین کے ہاتھ آئی پھر مفتیوں کو اور قاضیوں کو کیا ڈر تھا۔ آیت اما منابعد و اما فداء کو مٹا دیا اور ملا دو پیازہ کے قاضی بن گئے قطع نظر اس کے بعد غزوات و انقراضِ زمانہ خلافتِ خمسہ حقہ کو کنسی لڑائی جہاد جائز خالصاً بتدو اسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے تھا جس کی بندی کو جناب قاضی و مفتی نے حلال کر دیا تھا اور جس طرح کہ مکہ معظمہ میں لونڈی و غلام بیچے جاتے ہیں یہ کو کنسی شیعہ کی رو سے جائز نہیں شریعتِ محمدیہ کی رو سے تو یقینی حرام ہیں۔ ہاں ایک الزام میرے اوپر ٹھیک ہے کہ میں نے برخلاف جمہور مسئلہ استرقاق کا بیان کیا ہے مگر جب میں اُن سے یقین کرتا ہوں کہ خدا اور کتاب اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم تینوں میرے ساتھ ہیں اور یہ میرا یقین کامل و نہایت پختہ ہے تو مجھ کو اس اختلاف سے کچھ ڈر نہیں ہے بغرض محال اگر میری سمجھ نے غلطی بھی کی ہو تو بھی اس اختلاف کا کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مجھ کو کامل یقین ہے کہ حدودی استرقاق منصوص قرآنی ہے اور عینِ رضی خدا و رسول کی پس ممکن ہے کہ جناب سید الحاج یا اُوہ مسلمان کہیں کہ میں غلطی پر ہوں الا ان امور کے سبب کفر کہنا اور سب و شتم انبیاء و صحابہ و آئیم اہل بیت علیہم السلام کا اہتمام کرنا کچھ دیانت کی بات نہیں ہے یہ بھی یاد رہے کہ میری تحقیق میں غلامی کسی شریعت کا حکم شرعی نہ تھا فتدب و لا قتل مالیس لک بہ علمہ

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ احکامِ نبوی (یعنی فطرت اللہ) کبھی نہیں ٹوٹنے کا

اور پھر اُس پر تفریح فرماتے ہیں کہ معذرا احکام حشر و نشر و فنا باطل ٹھہریں گے ۔
مگر میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب یہ سیرا مطلب نہیں ہے جنہوں نے قصداً
یا خطاء غلطی فرمائی ہے حشر و نشر و فنا خود نوح و فطرت اللہ میں داخل ہے اور جب وہ ہوگا عین نوح
ہوگا افسوس ہے کہ جناب کو نہ قرآن کلمہ لفظ فطرت اللہ کی تحقیق ہے اور نہ انگریزی لفظ نیچہ کی
مگر قلم کپڑ کر جو دل میں آتا ہے اُنکر لیس تحریر فرما دیتے ہیں ۔

جناب سید الحاج محمد پر اتمام فرماتے ہیں کہ میں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں ۔
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ یہ محض غلط اتمام میری نسبت ہے میں خود بیسویں
حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں استدلال کرتا ہوں ۔
جناب حضرت سید الحاج میری نسبت اتمام فرماتے ہیں کہ قواعد صرف و نحو و معنی و بیان و
اصول کے موافق معنی قرآن حدیث کے لینے جائز نہیں ۔

محض کذب و اتمام ہے اور لفظ "جائز نہیں" ایک عجیب لفظ ہے ۔ بہر حال میں نے اُس سے
زیادہ نہیں کہا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فزنا لکیر میں لکھا ہے ۔ بلاشبہ معنی قرآن کے
موافق محاورہ عربا قول کے لینے چاہئیں جس زبان محاورہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے ۔
جناب سید الحاج محمد پر یہ اتمام کرتے ہیں کہ اگر علوم جدیدہ میں مذہب اسلام خلل انداز ہو تو مذہب
اسلام کا چھوڑ دینا لازم ٹھہرایا ہے ۔

سبحان اللہ کیا داؤد سخن فہمی دی ہے جناب یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام
ایسا پختہ ہے کہ کتنے ہی علوم جدیدہ کیوں نہ پڑے جاویں الامذہب اسلام سے بد اعتقاد دی نہیں
ہو سکتی ہاں ایسے پھر اصول مذہب کے جیسے کہ جناب سید الحاج نے اختیار فرمائے ہیں اور جن میں کے
بڑے مداخلت ہوتا ہے اور اتمام لگانا اور گلہ گوئیوں کو کا فر کہنا ہے اُن کا چھوڑنا تو میں لازم
ٹھہرتا ہوں ۔

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اعتراض فلسفیانہ قرآن شریف پر کیے ہیں اور آپ
میرے بیان کو بطور دلیل کے لائے ہیں کہ ہیت جدیدہ کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو
تفسیر عالموں نے نطق سے انسان کے پیدا ہونے کی لکھی ہے وہ فقہ شریع سے غلط معلوم ہوتی ہے
اگر انصاف و دیانت دنیا میں باقی ہے تو جناب سید الحاج منبع البہتان کے اتمام کو خیال
کیا جاوے کہ گاہا اُن مجید پر اعتراض کرنا اور کجا عالموں کی تفسیر کو غلط بتانا یا یہ کہنا کہ ہیت جدیدہ

کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے ایڈیسن و اسٹیل کو پیغمبر ٹھہرایا ہے :
مگر مجھ سے پہلے فردوسی و انورسی و سعدی کو لوگ پیغمبر ٹھہرا گئے ہیں اگر میں نے اسٹیل و ایڈیسن
کو پیغمبر ٹھہرایا تو کچھ گناہ نہیں کیا :

ہاں شاید جناب سید الحاج اس لیے غما ہوئے ہوں گے کہ میں نے جناب مدوح کو پیغمبر کیوں نہیں ٹھہرایا
خیر معاف فرمائیے اس لیے کہ میں جناب مدوح کا مرتبہ اس سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں وہ تو پیغمبر ان
سخن تھے الایم جناب سید الحاج کو خدائے بہتان و اتہام جانتا ہوں :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے بمقابلہ فلسفیات جدیدہ کے قرآن و حدیث
کو بیکار قرار دیا ہے اور اولہ ثلاثہ شرعیہ کا بطلان بیان کیا ہے :

لعنة الله على قائله وعلى معتقده وعلى من ينسب هذا القول الى من لم يعتقد ولم
يقوله اسي قدر كناسيس ہے کیا فائدہ ہے ایسے اتہامات سے اور کیا نتیجہ جناب سید الحاج نے ہمیں
سمجھا ہے :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے خاتم الانبیاء صلعم کو نیچرل اسٹ ٹھہرایا ہے :
میں نے تو یہ لفظ نہیں کہا اور اگر جناب سید الحاج نے بنظر تعجب یہ لفظ جناب خاتم المرسلین کی
نسبت ارقام فرمایا ہے تو اس کا منظر خود جناب سید الحاج کی گردن پر رہیگا کیونکہ سید الحاج کے ہم مشر
علماء کے فتووں سے پہلے ہی ثابیت ہو چکا ہے کہ نبی کی نسبت کلمہ تحقیر کا بلا قصد نقل کرنا بھی کفر
ہے پس ایسے کلک اچھا کر کے کہنا بطریق اولیٰ کفر ہوگا :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے مادہ عالم کو ازلی وابدی ٹھہرایا ہے ۔ اگر لفظ مادہ
سے کوئی شے علاوہ ذات باری کے مراد ہے تو ایسا اعتقاد کرنے والے پر تو میں لعنت بھیجتا ہوں
اور اسکو کافر سمجھتا ہوں اور اگر مادہ سے عین ذات باری مراد ہو (گو لفظ مادہ کا اطلاق اس پر غلط ہوگا)
جیسا کہ بڑے بڑے اکابر بزرگان دین اہل مجد و حدت وجود کا مشرب ہے تو میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ
خدا ازلی و ابدی ہے واللہ درمن قال :

فلولاه ولولانا الساكان الذي كانا

فانا اعبد حقاً و ان الله مولانا

وانا عيینه فاعلم اذا ما قلت انسانا

فلا تعجب بانسان فقد اعطاك برهانا
 فكن حقا وكن خلقا تكن بالله رحمانا
 وعد خلقه منه تكن روحا وريحانا
 فاعطيناه ما يبدو به فينا وعطانا
 فصارت الامم مقسوما بآياها وَايانا
 فاحياه الذي يدري بقلبي حين احيانا
 وكنافيه اكونا وازمانا واهيانا
 وليس بدائم فينا ولكن ذاك احيانا

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ان مضامین پر غور کرنے کو ایک مدت درکار تھی مگر انہوں
 نے بے سوچے سمجھے جو چاہا لکھ دیا۔ ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر
 والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ شبہ دوسرے خدا کے وجود کا زایل
 نہیں ہو سکتا۔

اس کا مطلب کیا ہے آیا یہ مطلب ہے کہ میں معتقد دوسرے خدا کا ہوں تو میں لعنت بھیجتا
 ہوں شرک پر اور دو اوتین یا اُس سے زیادہ خدا ماننے والے پر اور اگر یہ مطلب نہ ہو تو جناب سید
 الحاج کا تحریف کر کر مطلب بیان کرنا ایک قسم کا انتہام ہے۔ جو تقریر کہ میں نے اُس مقام پر بیان
 کی ہے اُس پر ایک شبہ وارد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم ایسے شہادت پر شرعاً مکلف نہیں ہیں۔
 جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ اعتقادات جو خلاف فیمچرہوں باطل
 ہیں اور علیات معینہ فقہا باطل ہیں۔

جناب سید الحاج آپ اُس آرٹیکل کا جو میں نے فلسفیانہ بمقابلہ ایڈیسن لکھا ہے مطلب نہیں
 سمجھے جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب غلط ہے یہ اُس کا مطلب نہیں ہے۔

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علاوہ مذہب اسلام کے دوسرے مذہب بھی
 سچے ہو سکتے ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ یہ مطلب سید الحاج نے کہاں سے استنباط فرمایا ہے میرا تو یہ مذہب ہے کہ مذہب
 اسلام ہی تہ مذہب ہے اور جو مذہب سچا ہوگا وہ اسلام ہی ہوگا۔

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ جہاد سے میری مراد اُس قسم کی لڑائی ہے جیسی مثلاً جرمین اور فرانس میں ہوئی تھی نہ واسطے قایم ہونے دین اور اعلا و کلمۃ اللہ کے +

یہ تحریر جناب سید الحاج کی اتمام محض ہے جبکہ وہ دیدہ و دانستہ اتمام کرنے پر مستعد ہیں اُس کا علاج کیا ہے بلاشبہ میری دانست میں جہاد جبراً مسلمان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اعلا کلمۃ اللہ کے لئے ہے جیسا کہ میری تحریروں سے ظاہر ہے +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سلام صرف اسی قدر کا نام ہے کہ خدا کو ثنا اور بندوں کے ساتھ برادری برتنا اسپر میرا یہ قول سنا لائے ہیں کہ ”سچے مذہب اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا“ اب صاحب تیزخود غور کریں گے کہ جناب سید الحاج نے لفظ ”اسی قدر کا نام ہے“ اپنی طرف سے بڑھا کر اور میرے مطلب کو تحریف کر کر کیا عمدہ داد دینداری دی ہے +

گر مسلمان ہی ہیں است کہ واعظ دار د

وائے گرد پس امر و ز بود فردائے

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہل سنت وغیرہ جو فرقے اسلام کے ہیں سب باطل ہیں صرف ملت نیچریہ حق ہے +

میں چاہتا ہوں کہ جناب سید الحاج اور ہم دونوں ملکر کہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین اور ہمارے اور اُن کے دوست پکار کر کہیں بیش بار۔ معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج نے ایسی لغو اور بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ سمجھا ہے +

جناب سید الحاج لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک جو مسئلہ شرعیہ خلاف عقل و مخالف نیچر ہو وہ باطل ہے +

معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج اُلٹی راہ کیوں چلتے ہیں یہ کیوں نہیں فرماتے کہ میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شریعت حقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خلاف عقل و خلاف فطرت اللہ صغی نیچر کے نہیں ہے +

ترسم نہ رسی بہ کعبہ لے اعرابی

کیں رہ کہ تو میری بہ ترکستان است

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث صحیح کو اپنے خلاف دیکھ کر باطل سمجھا ہے اور

شیطنت سیکھنے کا کنا یا بوہرہ پر کیا ہے ؟

جو حدیث ضعیف یا موضوع کہ جناب سید الحاج کے نزدیک صحیح ہو یہ کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگ اُسکو صحیح سمجھیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوگی میرے نزدیک نہیں ہے اور شیطنت سیکھنے کی نسبت کا جناب حضرت ابوہریرہؓ کی طرف جناب سید الحاج نے مجھ پر اتہام کیا ہے۔ خود کیا ہے مجھ پر لگایا ہے۔ میں تو اس حدیث ہی کو صحیح نہیں سمجھتا۔ جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے عمل آیت الکُرسی کا شیطان سے سیکھا (نوذ بائد منہا) اُس پر میں نے لکھا کہ جناب مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر سب رڈینٹ جج گورکھ پور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب "صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیت الکُرسی کا اُس سے سیکھا۔ اس عبارت کے بعد میں نے لفظ نوذ بائد منہا کا بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ میں تو جناب سید الحاج کو غلط جانتا ہوں اُس پر جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ اتہام کیا ہے کہ میں نے شیطنت سیکھنے کا کنا یا بوہرہ پر کیا ہے نہیں ہے کہ جناب سید الحاج کو ایسی باتیں لکھنے میں کچھ لحاظ بھی نہیں ہوتا ؟

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ بیان ہے کہ مادہ عالم منجملہ صفات باری ہے لہذا وہ عین ذات ہے اور اُس کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے ورنہ اپنی ذات کا خود خالق ہوگا اور فنا ہونا مادہ عالم کا بھی مستلزم ہے اور عالم پر تقدم ذات باری کو نہیں ہے اور ذات باری مدحیہ کی عجیب سمجھ جناب سید الحاج کی ہے اور کیا عمدہ مقدمات اس میں ترتیب دیئے ہیں کہ شیخ اکبر کی روح خوش ہو گئی ہوگی۔ پھر جو کچھ لکھا ہے محض غلط لکھا ہے۔ جناب بلاشبہ صفات باری اُسکی صفات ہیں مگر مسئلہ آپ کی سمجھ سے باہر ہے اس میں آپ کیوں خلل فرماتے ہیں اَلَا اس قدر آپ کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جو کچھ آپ سمجھتے ہیں وہ سب غلط ہے اور جو الفاظ آپ نے ارقام فرمائے ہیں وہ میرے نہیں ہیں یہ سب آپ کے خیال کے بنائے ہوئے الفاظ ہیں ابھی تو آپ حاجی ہی ہوئے ہیں مگر حجب تصور کے رتبہ پر پہنچنے کا حسبِ میرے اُن فقرہوں کے معنی سمجھئے گا جو میں نے صفات و ذات کی عینیت میں لکھے ہیں ؟

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا بیان ہے کہ نکات بلاغت و اشارۃ النص و دلالت النص باطل ہیں ؟

غلط ہے۔ میرا یہ قول نہیں ہے بلاشبہ میری سمجھ ہے کہ قرآن مجید کے معنی اُسی طرح ہر لینے

چاہئیں جس طرح اعراب عرب سمجھے تھے اور جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یہی مشرب شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جیسا کہ انھوں نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے یہاں تک کہ جو تین قواعد مخدومقرہ سیبویہ و فراء کے خلاف قرآن مجید میں ہیں ان کی تاویل کو بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے بیجا قرار دیا ہے اور عرب اقل کے محاورہ کو خلاف قاعدہ مقررہ نہ قرآن مجید میں تسلیم کیا ہے اور اسی کو صحیح مانا ہے مگر مجھ کو شبہ ہے کہ جناب سید الحاج مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی مسلمان جانتے ہیں یا نہیں کیونکہ اہل بدایوں ان کی بھی تکفیر کرتے ہیں ۛ

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اصول و فروع اسلام سے اپنے اختلاف کا اقرار کیا ہے ۛ

یہ الفاظ تو جناب سید الحاج کے دل کے بھارت ہیں مگر بلاشبہ اس زمانہ میں جو مسائل مسلمانوں میں رائج ہیں ان میں سے چند مسائل سے مجھ کو اختلاف ہے اس لئے کہ میری ذات میں وہ مسائل خلاف شرع ہیں اصول و فروع سے اختلاف ہونا جو جناب سید الحاج تحریر فرماتے ہیں یہ محض اتہام ہے ۛ

اب میں ان چند عقیدوں کا ذکر کرتا ہوں جو جناب سید الحاج مولوی علی بخش خاں صاحب نے اپنی طرف سے گھڑ کر لکھے ہیں اور اتنا میری طرف منسوب کیے ہیں ۛ

عقیدہ اول

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کو میری طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے ایک بار اور ایک ذات باری دو چیزوں کو ازلی ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ تقدم ذات باری کا مادہ وجود عالم پر نہیں ہے اور پھر لکھا ہے کہ ذات باری خالق مادہ اصلی عالم کی نہیں ہے اور نہ اس کے فنا پر قادر ہے ۛ

ان میں سے ایک بھی میرا عقیدہ نہیں ہے اور نہ میں نے کہیں یہ باتیں بیان کی ہیں جو انھوں نے لکھی ہیں محض بہتان اور افتراء ہے ۛ

ذات اور صفات باری کی نسبت تین مذہب مسلمانوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ صفات باری صفات ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر ذات ہیں۔ تیسرے یہ کہ نہ عین ہیں نہ غیر ہیں۔ میں مذہب اول کو صحیح سمجھتا ہوں اور اسی قدیم میں نے بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ جس قدر

بیان ہے وہ سب اقتر اور بہتان ہے اور نہ وہ میرے الفاظ ہیں جو جناب سید الحاج نے لکھے ہیں ۛ

عقیدہ دوم

جناب سید الحاج اس عقیدہ کو میری طرف منسوب فرماتے ہیں کہ ذات باری علت تامہ وجود ہر شے کی نہیں ہے۔ ذات باری تعالیٰ کو خالق کل شے کہنا حقیقت میں غلط ہو جاویگا گو مجازاً صحیح ٹھہرے ۛ

جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ سب اقتر اور بہتان کیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ ذات باری تمام کائنات کی علت اعلیٰ ہے ۛ

عقیدہ سوم

جناب سید الحاج نے اتہام میرا یہ عقیدہ ٹھہرایا ہے کہ مادہ عالم کا قیاس ت کے روز فنا ہونا مستبعد بالذات ہوگا وکل من علیہا فان صحیح نہ ٹھہریگا ۛ

جناب سید الحاج نے محض اتہام کیا ہے میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے لکھا ہے کہ اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معلوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا وقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ کل من علیہا فان و یبقی وجہہ ربک ذوالجلال فالاکدام اس قول کی حقیقت جناب سید الحاج نہیں سمجھے ان کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنا چاہیے جب سید اکبر کے قول کو سمجھیں گے ۛ

عقیدہ چہارم

پھر جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کا میری نسبت اتہام کیا ہے کہ ذات باری مادی ہے یا یوں کہو کہ مادہ اور غیر مادہ سے مرکب ہے یا ممل مادہ کا ہے ۛ

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو بہتان پر بہتان لگانے میں کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کو نہیں کفر سمجھتا ہوں ۛ

عقیدہ پنجم

بلاشبہ میں ذات اور صفات باری کی عینیت کا قائل ہوں مگر اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ اپنی طرف سے نکالا ہے کہ یہ کہنا غلط ٹھہر گیا کہ مفہوم صفات کا باہم تمیز اور متغایر ہے اور اس صورت میں حقیقت علم و قدرت وغیرہ متحدہ حقیقت ہوں گے مگر یہ سمجھ خود ان کی ہے میری نہیں وہ مسئلہ عینیت ذات و صفات کو سمجھے ہی نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ کسی سے سیکھیں فاسئلواہل الذکر انکم تمہ کا تعلمون *

عقیدہ ششم

جناب سید الحاج نے بغیر سوچے سمجھے ان الفاظ سے میرا عقیدہ بیان کیا ہے کہ ذات باری کو قانون فطرت کے توڑنے یا تبدیل اور تغیر کرنے پر اختیار نہیں ہے بلکہ متنع بالغیر ہو گیا ہے * یہ بالکل اہتمام محض ہے قانون فطرت کبھی نہیں ٹوٹا کیونکہ جو کچھ خدا کرتا ہے وہی قانون فطرت ہے *

نیچر ایک انگریزی لفظ ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک مرادف ہے لفظ فطرت اللہ اور فطرت قدر کے ابھی بہت مدت چاہیئے کہ جناب سید الحاج ان لفظوں کے معنی سمجھیں *

عقیدہ ہفتم

میری ایک تقریر کا جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا علت العلل کسی دوسرے عالم کا متنع عقلی نہیں ہے *

اس میں بھی جناب سید الحاج نے تعریف کی ہے اور مطلب کو اٹا بیان کیا ہے مینے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ ”وہ ہستی جسکو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اُسکے دوسری ہستی نہیں اور اُسکے ثبوت میں ایک تقریر کی ہے اور ایجاد عالم سے اُسپر لال کیا ہے اور پھر تسلیم کیا ہے کہ اس تقریر پر وہ شبہ جو ابن کمرز کا ایک مشہور شبہ ہے اور جس کے حل کرنے میں بڑے بڑے علماء عاجز رہے ہیں وارد ہوتا ہے مگر وہ ایک خیالی اور وہمی شبہ ہے اور یقین لانے کو کافی نہیں اور مذہب اسلام میں ایسی باتوں پر تکلیف نہیں ہے۔ گجایہ تقریر اور گجایہ اہتمام جو جناب سید الحاج نے کیا ہے ایسے لفظوں سے جو نیک دل سے نہیں نکل سکتے *

عقیدہ ہشتم

اس عقیدہ میں میری نسبت متعدد اہتمام خلط ملط کر کے اُنھوں نے جمع کیے ہیں اس لئے ہم قولہ قولہ کر کے اسکی تفصیل کریں گے :

قولہ - سوائے عقل کے کوئی رہنا نہیں - بے شک عقل رہنا ہے اور اسلام اور کفر میں جو تمیز کرنیوالی ہے وہ بھی عقل ہے - جناب سید الحاج نے اس کتاب میں عقل سے کام نہیں لیا اسکا غلطی میں پڑے اور اگر دیدہ و دانستہ اہتمام کیا ہے تو بھی عقل سے کام نہیں لیا :

قولہ - حسن و قبح تمام اشیاء اور احکام کا عقلی ہے نہ شرعی - متقدمین اہل اسلام کے اسکی نسبت دو مذہب ہیں - ایک یہ کہ حسن و قبح تمام چیزوں کا عقلی ہے - دوسرے یہ کہ شرعی ہے میرے نزدیک بلاشبہ پہلا مذہب صحیح ہے :

قولہ - لہذا باوجود قانون قدرت کے یعنی نیچر کے بعثت انبیاء کی ضرورت نہیں ہے - غالباً یہ عقیدہ اور یہ سمجھ خود جناب سید الحاج کی ہوگی - نہ میرا یہ عقیدہ ہے نہ میں نے یہ کہا بلکہ بعثت انبیاء نیچر کی رُو سے ضروری ہے :

قولہ - لاکھوں نیچرل اسٹ موجود ہیں اور وہ خود پیغمبر ہیں - میرا تو یہ عقیدہ نہیں ہے شاید جناب سید الحاج اُن کو پیغمبر جانتے ہوں گے :

قولہ - لندن کے پیغمبروں میں ایڈیسن اور اسٹیل تھے - جس طرح کہ کسی شخص کامل کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کے سخن ہے یا پیغمبر سخن ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے :

در نظم سہ کس مبتدا ماند

فردوسی و انوری و سعدی

اسی طرح ایک مقام پر میں نے اسٹیل اور ایڈیسن کو لندن کے پیغمبر کہا ہے مگر جبکہ جناب سید الحاج عقل کو رہنا نہیں سمجھتے اس لئے وہ سمجھ گئے کہ وہ سچ سچ کے پیغمبر ہیں جو خدا کی طرف سے مذہب لاتے ہیں یا دانستہ اہتمام کیا ہے :

قولہ - اس صورت میں ختم ہونا نبوت کا نبی آخر الزمان پر صحیح نہ ہوگا :

یہ عقیدہ کھریہ میرا تو نہیں ہے کیونکہ میں تو تقلید موجودہ کو بھی شرک فی النبوت سمجھتا ہوں مگر غالباً جناب سید الحاج کا یہ عقیدہ ہوگا کیونکہ وہ تقلید موجودہ یعنی شرک فی النبوت کو جائز سمجھتے

ہیں۔ غرض کہ جو امر میری نسبت جناب سید الحجاج نے منسوب کیا ہے میں تو کہتا ہوں لعنت اللہ علی
قائلہ و معتقدہ۔ اُمید ہے کہ جناب سید الحجاج فراموش کریش باد +

عقیدہ نہم

اس عقیدہ کے اثباتات کو بھی ہم قولہ کہ کر کے بیان کریں گے +

قولہ۔ قانون فطرت یعنی نیچر کے خلاف کوئی امر ظہور میں آنا ممکن نہیں ہے لہذا معجزات انبیاء
پر یقین لانا صحیح نہ ہوگا۔ یہ قول جناب سید الحجاج کا محض غلط ہے جو شخص کہ فطرت اللہ اور قانون
قدرت اور نیچر کے معنی ہی نہ جانتا ہو اسکو دخل در معقولات کیا ضرور ہے۔ جناب سید الحجاج نے خود
اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ معجزات انبیاء خلاف فطرت اللہ یا خلاف نیچر ہیں حالانکہ کوئی معجزہ کسی
نبی کا خلاف نیچر اور خلاف فطرت اللہ نہیں ہے صرف ثبوت اُسکے وقوع کا درکار ہے اور جب
ثابت ہو کہ فلاں واقع ہوا تو بلاشبہ اسپر یقین کیا جاویگا اور یہ بھی یقین کیا جاویگا کہ فطرت اللہ
یعنی نیچر کے مطابق ہے گو کہ اُسکی ماہیت ہماری سمجھ میں نہ آوے کیونکہ ہزاروں کام نیچر کے ایسے
ہیں جن کی ماہیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ سید الحجاج صاحب نے بڑی غلطی کی ہے جو یہ لکھا
ہے کہ سب باتیں یعنی معجزات انبیاء اور قانون فطرت کے توڑنیوالے ہیں حالانکہ وہ قانون فطرت
کے پورا کر نیوالے ہیں۔ اور یہ بھی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ اگر معجزات انبیاء مان لیئے جاویں تو
تمام عقلیات کے خلاف اقرار کرنا پڑتا ہے حالانکہ محض غلط ہے +

قولہ۔ لامحالہ انبیاء کو اس قدر سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیچرل اسٹ حکیم تھے بلکہ سب سے زیادہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نیچرل فیض کے جاری کر نیوالے تھے اور اُنکی ہونا اسی واسطے تھا کہ سوائے نیچر کے اور کس طرح
کا میل نہ ہونے پاوے۔ معلوم نہیں جناب سید الحجاج نے الفاظ نیچر اور نیچرل اسٹ کس ارادہ سے
لکھے ہیں اگر ان الفاظ سے اُن کا ارادہ انبیاء کی شان میں اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
کچھ حقارت کرنے کا ہے تو اُسکے مجرم اور گنہگار خود جناب سید الحجاج ہیں میں اُس سے بری ہوں انبیاء
کو میں نیچرل اسٹ حکیم نہیں کہتا مگر بیشک وہ اُس فیض کے جاری کرنے والے ہیں جس کا ذکر خدا
نے فرمایا ہے فطرت اللہ الی فطر الناس علیہا۔ میں تو پیغمبر میں اور نیچرل اسٹ حکیم میں ایسا فرق
سمجھتا ہوں جیسا کہ راعی اور غنم میں میرے اعتقاد میں خلقت انبیاء کی دیگر انسانوں سے لیکن
نوع مجازگانہ ہے بشر صرف اُسکی جنس ہے اور صاحب لوجی ہونا اُسکی فصل ہے اور یہ ایک ملکہ

ہے جو خلقت انبیاء میں پیدا کیا ہے پس جس طرح کہ حیوان اور انسان میں طاق فصل ہے اسی طرح انسان اور انبیاء میں ذوالوحی ہونا فصل ہے کما قال اللہ تعالیٰ بلسان نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام انابش مثکم یوحی الی انما الہکم اللہ واحد پس ایسے شخص کی نسبت (جبر کا اعتقاد نسبت انبیاء وہ ہے جو جناب سید الحاج کے وہم و گمان میں بھی نہ گذرا ہو گا اور غالباً اب بھی جناب مہرچ اس نکتہ کو نہ سمجھینگے کیونکہ اس نکتہ کے سمجھنے کو نور سینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی ملنی چاہیے جب سمجھ میں آتا ہے (کیسا بہتان اور کتنا بڑا اتہام ہے۔ بلاشبہ رسول خدا صلعم کے امتی ہونے میں ٹہر چکی حکمت یہی تھی کہ خاص نرات باری کا فیض پہنچے نہ آؤر کسی کا مگر اس فیض کا لطف تا پچھشی نہ دانی ۛ

عقیدہ دہم

اس عقیدہ میں بھی یہی نسبت کسی قدر اتمام بہ تحریف مراد جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں ۛ
 قول۔ ملائکہ سے مراد قوائے انسانی ہیں۔ سیرا یہ قول ہے کہ ملک کے لفظ کا قوائے انسانی پر بھی طلاق ہوا ہے اور میں نے کسی ایسے وجود کا جو علاوہ انسان کے ہو اور ملک کا اطلاق جس پر کیا جاوے انکار نہیں کیا ہے ۛ
 قول۔ شیطان کا وجود نہیں۔ میں شیطان کے وجود کا قائل ہوں مگر انسان ہی میں وہ موجود ہے خارج عن انسان نہیں اگرچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس عقیدہ سے رجوع کروں کیونکہ اس زمانہ میں بہت سے شیطان مجسم دکھائی دیتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ آؤر اکابر بھی وجود شیطان خارج عن الانسان کے منکر ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

نفس شیطان ہم زاصل واحدے
 بود آدم را سودو ساجدے

عقیدہ یازدہم

اس عقیدہ میں عجیب خلط بحث کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قصداً لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہیں مگر ہم ان کے قولوں کو نقل کرتے ہیں ۛ

قولہ۔ بغیر لحاظ اصول تفسیر اور بدول اعتبار اقوال مجہول مفسرین و شان نزول کے قرآن کے معنی اپنی رائے سے کہنے جائز ہیں۔ جناب سید الحاج کا یہ قول تامراً اتمام ہے اور اصلی مطلب کو تعریف کیا ہے اصول تفسیر کو تین انسانوں کے بنائے ہوئے قاعدہ سمجھتا ہوں خدا کی طرف سے وہ قاعدے نہیں اُترے اقوال مفسرین اور شان نزول آیات کی جن کی سندیں موجود ہیں وہ معتبر ہیں۔ جن کی سندیں نہیں ہیں وہ مستبر نہیں ہیں۔ پس یہ سید صحیبات ہے جسکو جناب سید الحاج نے تحریف کیا ہے +

قولہ۔ اور قرآن کے معنی جس قدر نیچر اور فلسفہ کے خلاف ہوں اُسکو خواہ مخواہ نیچر اور فلسفہ کے اقوال سے ملا دینا چاہیئے۔ ایسی تقریر ہے جیسیکہ ایک جلاہو کشتی شخص کی اچھٹی بات کو بھی بُرا کر کے دیکھا تلبے۔ فلسفہ قدیم تو ایک لغو چیز ہے اُسکے مطابق تو قرآن کا ہے کوہونیکا مگر فطرت اہل بیشک نہایت عمدہ اور متحکم چیز ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ نہ قرآن اُسکے برخلاف ہے اور نہ وہ قرآن کے برخلاف۔ مگر جناب سید الحاج نے جملے کٹے لفظوں میں اُسکو بد صورت کر کر دکھایا ہے +

قولہ۔ مقدم تر واسطے یقین لانے کے قول فلاسفہ یورپ کا ہے اُسکے موافق جو آیت قرآن کی نہ وہ جس طرح ہو سکے مطابق کر دینی چاہیئے۔ ایسی بات ہے جیسے کوئی کسی کا مونہہ چڑائے اور یہ نہ سمجھے کہ چڑانے والے ہی کا مونہہ ٹیڑھا ہوتا ہے واقعیت اور حقیقت وہ شے ہے جو قابل تقدم ہے اور قرآن مجید کا اُس سے مخالف ہونا محالات سے ہے اور اُسی کی تطبیق کرنا ہمارا طریقہ ہے۔ جناب سید الحاج جو چاہیں اُس کا نام رکھیں آئندہ دیکھ کر مونہہ چڑانے سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہے +

عقیدہ دوازدهم

اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے تین باتیں میری نسبت کہی ہیں۔ ایک یہ کہ توریت اور انجیل پر مضبوط اعتقاد ہے۔ ان لفظوں کے معنی ہیں نہیں سمجھا اگر یہ مطلب ہے کہ جیسا قرآن مجید میں اُن پر اعتقاد رکھنے کا حکم ہے ایسا اعتقاد ہے تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر کوئی اُور معنی اُنہوں نے قرار دیئے ہیں تو غلط ہے۔ دوسری تحریف لفظی اُن میں نہیں ہوئی۔ ہاں یہ سچ ہے میں تعریف لفظی کا قائل نہیں بلکہ تحریف معنوی کا قائل ہوں مگر محمد اسماعیل بخاری بھی تعریف لفظی کا قائل نہیں۔ تیسرے اور وہ سب صحیح اور درست ہے۔ اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ اسماعیل میں جو کچھ

لکھا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے تو جناب سید الحاج کا یہ اتمام ہے اگر اؤر کچھ مطلب ہو تو وہ میں سمجھتا نہیں +

عقیدہ سیردہم

اس عقیدہ میں نیم جنت اور وعید دوزخ کو بیان کر کر سیرایہ عقیدہ لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک اگر حور کی یہی حقیقت ہے جیسیکہ ایک خوبصورت رنڈی اور غلمان کی حقیقت ہے جیسیکہ ایک خوبصورت لونڈا۔ تو تو بلاشبہ میں کہتا ہوں کہ اس حقیقت پر وہ محمول نہیں ہیں اور اگر اؤر کوئی حقیقت ہو تو اُس کو جناب سید الحاج نے بیان نہیں کیا میرا اعتقاد نیم جنت کی نسبت اور علیٰ ہذا القیاس وعید دہنم کی نسبت یہ ہے کہ کاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر +

قولہ۔ علوم عقلیہ کے خلاف کوئی حکم معاد قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس قول میں بھی اُلٹی راہ چلے ہیں۔ میرے نزدیک کسی حکم معاد کی صحت پر استناع عقلی نہیں ہے +

عقیدہ چہار دہم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ سیرایہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے ہر فعل کا مختار ہے۔ مسئلہ بین الجبر والاختیار کا غلط ہے۔ اس مطلب کو بھی بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ بیشک میرے نزدیک بین الجبر والاختیار تو کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان اپنی جبلت اور فطرت میں مجبور اور اپنی قدرت میں مختار ہے خدا کرے کہ ان لفظوں کا مطلب جناب سید الحاج سمجھ لیں +

عقیدہ پانزدہم

کوئی حدیث قابل یقین نہیں ہے لہذا عمل کرنا کسی حدیث پر یا سنت نبوی قرار دینا غلطی ہے۔ اس عقیدہ میں تحریف اور اتمام دونوں کو دخل دیا ہے۔ کوئی حدیث قابل یقین نہیں۔ اسکی جگہ یہ کہنا چاہیے کہ خبر احاد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں اور پچھلا فقرہ بالکل اتمام ہے۔ میں علل احادیث پر بلحاظ مراتب ان کے ثبوت کے لازم سمجھتا ہوں +

عقیدہ شانزدہم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اجماع است یا اتباع جمہور مسلمین گایا سند لانی کسی عالم کے قول سے بچا ہے اجماع قابل محبت نہیں۔ اس عقیدہ میں بھی سچائی کو تبدیل کیا ہے یوں کہنا چاہیے کہ اجماع است یا اتباع جمہور مسلمین یا اجماع جس کی سند قرآن مجید اور حکم پیغمبر صلعم سے ہو قابل محبت نہیں اگرچہ کوئی مسئلہ غیر منصوصہ یا نہایت ہے جس پر اجماع امت یا اتفاق مسلمین یا اجماع ہوا ہو بلکہ تمام مسائل غیر منصوصہ مختلف فیہ میں ۛ

عقیدہ ہفتم

اس عقیدہ میں بھی جناب سید الحاج نے اپنی معمولی کار سازی کی ہے جس کی تفصیل ذیل سے ظاہر ہوتی ہے ۛ

قولہ۔ اصول فقہ واجتہادات مجتہدین و قیاسات آمیزین و مسئلہ رجیم کو صحیح سمجھنا غلط اور ضلالت ہے۔ میرا یہ قول ہے کہ اصول فقہ علما کے بنائے ہوئے قاعدے ہیں منزل میں امت نہایت اجتہادات اور قیاسات آمیزین کے تحتل الخطا والصواب ہیں ان کا درجہ مثل حق منزل میں امت کے نہیں مسئلہ رجیم قرآن مجید میں نہیں ہے اگر ہو تو جناب سید الحاج دکھلا دیں بشرطیکہ یکتا بودن الکتاب بایدیم ثم یقولون هذا من عند الله پر عمل فرماویں ۛ

قولہ۔ تقلید کرنا کسی شہر کی کفر اور شرک ہے صحابہ ہوں خواہ اہلبیت رضی اللہ عنہم اجمعین خواہ آئمہ اربعہ کسی کی تقلید کرنا نہ چاہیے۔ جو الفاظ تشدد کے جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں یہ سب ل کے بخارات ہیں جو اٹھتے ہیں میرا تو صرف یہ عقیدہ ہے کہ سوائے رسول خدا صلعم کے کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور سوائے رسول خدا صلعم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل دینیات میں بلا دلیل محبت ہوا اور جو شخص کسی کو ایسا سمجھے وہ مشرک فی النبوت ہے ۛ

عقیدہ ہشتم

جناب سید الحاج نے جو تحریفات اس عقیدہ میں کی ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں ۛ

قولہ۔ کوئی مسئلہ شرعیہ قابل قبول نہیں ہے جو نیچر کے مطابق اور علوم جدیدہ عقلیہ کے موافق

کچھ فائدہ نہیں۔ لہذا اُن کی تعلیم قطعاً موقوفی کے لائق ہے۔ جو کلمات کہ جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں ارقام فرمائے ہیں وہ تو سب اُن کے دل کے بخارات ہیں وہ الفاظ میرے نہیں ہیں ہاں میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ علم کلام جو حکمت یونان کے مقابل میں بنایا گیا تھا اس میں علم کلام میں محض بیکار ہے اور علما پر فرض ہے کہ علم کلام کو از سر نو اس طرح پر تدوین کریں کہ وہ بمقابلہ حکمت اور علوم جدیدہ کے جو اس زمانہ میں رائج ہیں بکار آمد ہو۔ کتب تفسیر میں جو بے سند حدیثیں اور بے سند قصے اور کہانیاں لکھی ہیں اُن میں جو جو سی غلط اور موضوع ہیں اُن کی تفتیح ضرور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا پڑھنا صرف عمل کرنے کے لیے مقصود ہے۔ مگر اس زمانہ میں اُسپر عمل کرنے کے لیے نہیں پڑھا جاتا کیونکہ سبب اُس تقلید کے جبکہ وہی ضلالت کہتا ہوں کوئی حکم کیسا ہی صاف اور روشن قرآن حدیث میں موجود ہو مگر تقلید یہ اُسپر عمل نہیں کریں گے تو پھر اُن کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ بخاری طاق میں نہ کھی رہی کسی کے سینہ میں کھی رہی دونوں برابر ہیں۔ دیکھو مثلاً جو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف بخاری میں ہیں حنفی اُسپر عمل کرنے کو بدعت یا ضلالت سمجھتے ہیں اور زبان سے بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں۔ پس ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ بخاری کی جن حدیثوں پر تم نے یا تمہارے امام صاحب نے عمل نہیں کیا آیا اُن کو امام صاحب نے یا تم نے کیا سمجھا۔ حدیث رسول اللہ سمجھا یا نہیں۔ اگر حدیث رسول اللہ سمجھا اور پھر عمل کیا تو یہ کیسا ایمان ہے اور اگر اُسکو حدیث رسول اللہ ہی نہیں سمجھا بلکہ اُسکو یوں ہی ایک ضعیف قول سمجھ لیا یا حدیث تو سمجھا مگر ناقابل عمل تو پھر صرف میرا ہی کیا قصور ہے۔ میں نے تو سیرت ہشامی کو ہی ضعیف کہا تھا۔ تم نے اور تمہارے امام صاحب نے تو بخاری کو رطب یا بس احوال کا مجموعہ سمجھ لیا ہے پھر اُسکو زبان سے اصح الکتاب کہنا اور حقیقت اپنی رائے کو بخاری کی حدیثوں پر ترجیح سمجھنا کیسی ہیودہ بات ہے اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث عمل کرنے کے لیے پڑھو اور جو مسئلہ اُس میں پاؤ اُسپر عمل کرو خواہ وہ شافعی کے مطابق ہو خواہ حنفی کے اور اگر عمل کرنے کے لیے نہیں پڑھتے تو اُن کا پڑھنا محض بے فائدہ ہے اور میں کچھ شک نہیں کرتا کہ جس کا دل نوا ایمان سے متور ہے وہ یقینی میرے اس قول کو حق سمجھ گا۔

عقیدہ بست و دوم

جناب سید الحاج نے جو خدا نترسی اس عقیدہ کے بیان کرنے میں کی ہے میں سمجھ نہیں سکتا
کئی انسان بھی پرکھ کر ایسا اتہام کر سکتا ہے خیر جو ان کے قول میں وہ لکھتا ہوں +

قولہ۔ جب علوم جدیدہ کے یا انگریزی کے پڑھنے سے معلوم ہو کہ مذہب اسلام میں ضعف پیدا
ہو گا تو مذہب اسلام کا ترک کر دینا لازم ہے۔ میں اُس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ
بات کہی ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو اور اتہام کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے
جس مواخذہ کے وہ لائق ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو خیال ہے کہ انگریزی پڑھنے سے اور علوم
جدیدہ سیکھنے سے عقیدہ اسلام میں ضعف آجاتا ہے یا دہریہ اور لامذہب ہو جاتا ہے۔ میں نے
کہا اگر مذہب اسلام تمہارے نزدیک کوئی ایسا بودا مذہب ہے کہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اُس میں
ضعف آتا ہے تو اُس مذہب ہی کو چھوڑ دو جس کا علانیہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا نہیں
ہے مذہب اسلام نہایت سچا ہے اور اُس کے اصول نہایت پختہ ہیں نہ انگریزی پڑھنے سے اُس میں
ضعف آتا ہے نہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اتحاد پیدا ہوتا ہے مگر جو کہ ہمارے جناب سید الحاج کا دل کفر
کی طرف زیادہ مائل ہے اس لیے اُنھوں نے اس عمدہ مطلب کو برعکس بیان کیا ہے +

قولہ۔ کتب دینی کا پڑھنا واسطے قائم رکھنے عقائد کے نہیں چاہیے۔ جناب سید الحاج نے محض
غلط کہا ہے اور میرے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے میری یہ رائے ہے کہ جو اختلاف کہ سائل مذہبی
علوم جدیدہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے اور جس کے سبب لوگ مذہب سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں
اُسکی حفاظت کے لیے کتب موجودہ کافی نہیں ہیں بلکہ شبہ علم کلام از سر نو تدوین ہونا چاہیے جو علوم
جدیدہ کے مقابلہ میں بکاآمد ہو +

عقیدہ بہت وسوم

اس عقیدہ کے بیان میں بھی جناب سید الحاج اپنی کار سازی سے نہیں چوڑے۔ اُنھوں نے
لکھا ہے کہ صرف قرآن کے احکام منصوص قابل تسلیم ہو سکتے ہیں بشرطیکہ نچر اور علوم جدیدہ کے تقاضا
مطابق ہوں جو شرط کہ جناب سید الحاج نے لگائی ہے غالباً وہ خود ان کا عقیدہ ہو گا۔ میرا تو یہ عقیدہ
ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فطرت اللہ یعنی نچر اور اُس کے کارخانہ قدرت کے
برخلاف ہو +

قولہ۔ بہت میں جانے کے واسطے قید الالصاحات کی لگانی ہل ہے۔ میں تو کسی قید کی ہل

نہیں کہتا مگر تین باتیں بلاشبہ کہتا ہوں۔ ایمان لانا بلاشبہ ذریعہ نجات ہے۔ بخشش کے لیے اعمال پر گھمبہ نہیں چاہیے۔ خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ سوائے شرک کے سب گناہوں کو خدا معاف کرے گا۔ غالباً کوئی مسلمان سوائے جناب سید الحاج کے ایسا نہ ہوگا جو ان تینوں باتوں پر اعتقاد نہ رکھتا ہوگا۔ قال رسول اللہ صلعم من قال لا الہ الا اللہ مستیقنا بہا قلبہ فدخل الجنة وان ذنی وان سرق علی ریح انف ابی ذرہ +

عقیدہ بست و چہارم

اس عقیدہ میں تو جناب سید الحاج نے قیامت ہی کر دی ہے کیونکہ جھوٹ لکھنے اور اتمام کرنے کی کوئی عداوتی نہیں ہی نہ خدا کا خوف کیا ہے نہ رسول سے شرم کی ہے اس لیے ہم اُن کے الفاظ موٹے قلم سے لکھتے ہیں اور اُس کے قائل پر لعنت بھیجتے جاتے ہیں تاکہ جو اُس کا استحقاق ہو اُس کے اوپر پڑے +
قولہ۔ کوئی فعل اگرچہ شمار کفر ہی میں سے کیوں نہ ہو مثلاً۔

انکار کرنا نبوت انبیاء سابقین کا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا کتب سماویہ سابقہ کا + یا وجود ملائکہ کا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ - لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا معاذ اللہ قرآن شریف کا عہد ابول براز میں آلودہ کر دینا یا

پھینک دینا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا باوجود قطعیت نص کے

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا کسی نبی کو معاذ اللہ گالی دینا

لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ

یا بہشت و دوزخ اور قیامت آنے کا منکر ہو جانا

لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ

یا ضروریات دین کا انکار کرنا

لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ

کسی آدمی کو کافر نہیں بنانا

کہاں ہیں میرے یا قوال اور کہاں ہیں میری تیشیلیں جو جناب سید الحاج نے — کو بھی مات کر کر میری نسبت منسوب کیئے ہیں۔ میرا قول تو یہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ کافر اہل القبۃ میرا وہی قول ہے جو تمام اکابر دین کا ہے کہ اصل بیان تصدیق قلبی ہے اور جب تک کہ وہ تصدیق انسان کے دل میں ہے کوئی فعل اُس کا اُسکو بدینہ و بدین اللہ کافر نہیں کرتا۔ دیکھو کہ جناب سید الحاج برابر کفر کا اتمام کرتے ہیں مگر ہم بدستور اُن کو مسلمان اور مذکور اور حاجی اور سید الحاج سمجھتے ہیں اور اُن کے کسی فعل سے اُن کو کافر نہیں کہتے۔

نسبت سجدہ بت و قشوہ کے میں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ رزار کی نسبت بہ تحت بیان حدیث من تشبہہ بقوم فهو منهم کے یہ لکھا ہے کہ بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے مثلاً رزار پنہنایا صلیب کھنایا شیک لگایا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کر لیا اُس میں شریک ہونا۔ اگر یہ یہ رائیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین کرتا ہے اُس کا کوئی فعل مع یقین کو رکھے اُسکو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اُس قول پر جسے ابو جہل کی نجات منہم ہوتی اُسکو یقین ہے تو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین و شعایر الکفر کا لزار

والصلیب دیکھا عیاد وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم دیوالی دسہرو میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرہ و تمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جاویں گے۔ نفوذِ بائبل نہ ہا۔

بت کو سجدہ کرنا سیدنا کے تھکان کو سجدہ کرنا۔ ہمارے صاحب کی چھڑیوں کو پوجنا۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ اُن کا طواف کرنا سب برابر ہیں۔ ہمارے مسلمان یہ باتیں کرتے ہیں یہ تو اُن کفر کافر نہیں جانتا کیونکہ مسیح میں جب تک اللہ ہونے کا یقین نہ ہو اُس وقت تک اُن کے سجدہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں بلاشبہ نہایت سخت گناہ کبیرہ ہے اور یہی تحقیق علمائے محققین کی ہے۔ خلا کرے کہ چارے زمانہ کے جناب سید الحاج نیک دلی سے ان امور پر غور کریں۔

عقیدہ یست و پنجم

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں جو اتہام کیے ہیں وہ بھی قولہ کر کے بیان کیے جاویں گے۔

قولہ۔ ترکِ دنیا و زہد و کسوف و شب بیداری و روزہ داری۔ کثرتِ نماز نفل وغیرہ اذکار و اشغال و عذائیں جس قدر کہ معمول اور رسوم ہیں سب بیغائیہ ہیں۔ مگر جناب سید الحاج نے یہ عقیدہ اپنا بیان کیا ہے تو غیر جو عقیدہ اُن کا ہو وہ ہو۔ اور اگر میرا عقیدہ بیان کیا ہے تو میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔ کارہ بانیت فی الاسلام۔ اور سوائے اوراد و ثورہ کے اور سوائے اُس زہد و تقویٰ کے جس کی ہدایت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور سب بدعت ہے۔

قولہ۔ مثلاً روزہ تیس روز کا یا مخصوص رمضان میں وہ بھی گرمی کے موسم میں فرض نہ ٹھہرے گا۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علیٰ معتقدہ۔ میرا یہ قول وہ عقیدہ نہیں ہے۔ جتنے روزے کہ فرض اور سنت ہیں وہ بالکل صحیح کے مطابق ہیں۔ ہاں بدعتیوں نے جو غیر اللہ روزے نکالے ہیں جیسے سو اہر کا روزہ علیٰ شکاک کا اور تین دن کا طے کا روزہ اور مثل کے اُن کو بدعت اور خلافِ پیغمبر جانتا ہوں۔

قولہ۔ مکتور سی ہی شراب جو پکا متوالا نکر دے یا اُس قدر جو اکھینا جو بے قید نہ بنا دے حلال اور ممنوع نہ ہوگا۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علیٰ معتقدہ۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے۔

قوله۔ تصویر مجسم بنانا جو واسطے یادگاری کے ہو حرام اور منوع نہ ہوگا۔ میں نے اس امر کی نسبت کہ تصویر مجسم یا غیر مجسم شرعاً جائز ہے یا غیر جائز کبھی کبھی نہیں کہا۔ ہاں میں اس قسم کی یادگاریوں کو پسند کرتا ہوں اگر وہ شرعی گناہ ہیں تو میرا اُن کو پسند کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں شامت اعمال سے اور گناہ کی باتوں کو پسند کرتا ہوں۔

ناکردہ گناہ درجہاں کیست بگو
اں کس کہ گنہ نکر وچوں زیست بگو

قوله۔ قرآن شریف میں صرف لفظ صلوة و زکوٰۃ کا وارد ہے اُس کی زیادہ تصریح نہیں ہے اِلئے قوله۔ اسی طرح نماز مرسوم اور معمول کو اختیار کیا جاوے تو وہی ظلمت اور ضلالت تقلید کی اور کفر محض کا اختیار کرنا ہوگا۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے۔

قوله۔ صلوة سے مراد مطلق دعا پڑھ لینا ہوگی اور وہی واسطے ادائے فرض کافی ہے باقی جو ترکیب صلوة پنجگانہ کی مقرر ہے وہ اصول مخترعہ و فقہ محدثہ و احادیث موضوعہ و اجماع مردود کا اتباع ہے اور اُسی کا نام کفر ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے۔

قوله۔ باقی رہی زکوٰۃ۔ اُسکی مقدار بقدر چالیسویں حصہ مال کے مقرر کرنی اور اُسکے مسائل سے فتاویٰ فقہیہ کا مسمو ہونا وہی ظلمت اور ضلالت۔ کفر اور شرک ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ نہ میرا یہ قول ہے نہ میرا یہ اعتقاد ہے۔

قوله۔ حج خانہ کعبہ الخ۔ حج خانہ کعبہ کو میں فرض سمجھتا ہوں من استطاع الیہ سبیلاً مگر سودی روپیہ قرض لیکر مکہ جانے سے لندن کا جانا بہتر جانتا ہوں اور حاجی جی کہلانے کی خوشی حاصل کرنے کو اور اُس خوشی میں چھوٹے کو اور چھوٹی بشارات بیان کرنے کو اور کسی خادم کے فریب میں آکر سدا و خطاب لینے کو اور اُن جھوٹی باتوں پر ناز کرنے کو البتہ میں حرام سمجھتا ہوں۔

جو بدعات کہ مکہ معظمہ میں ہوتی ہیں اور جو خلف شرع رسول خدا صلعم ہیں وہ اس وجہ سے مکہ کا کرتے ہیں جائز نہیں ہو سکتیں لہٰذا اسی اور غلام جس طرح کہ مکہ میں بیچے جاتے ہیں اور خواجہ سرا بنائے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ اور روضہ منورہ جناب رسول خدا صلعم میں خواجہ سرا جیتیں ہیں یہ خلاف شرع ہیں اور جو مسلمان پیٹے کے پھوٹے اور دل کی آنکھوں کے اندھے اُن کو اچھا جانتے

میں محض جاہل ہیں۔ روضہ مطہرہ رسول خدا صلعم پر خواجہ سراؤں کا متعین کرنا میری انست میں ایسی بے ادبی ہے کہ اُس سے زیادہ اذکر کوئی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ واللہ الناس فیما یعشقون مذاہب ۛ

عقیدہ بست و ششم

آیت خلق سبع سموات طباقا سے مراد سات آسمان نہیں ہیں بلکہ دعائیت علوم جدیدہ کے خلاف ہے۔ یہ اعتقاد جناب سید الحاج کا میرے اعتقاد میں تو علوم جدیدہ بالکل اُس آیت کے مطابق ہیں ۛ

عقیدہ ہفتم

جو ترتیب پیدائش انسان کے نطفہ سے بچہ تک قرآن شریف میں وارد ہے اور مفسرین نے معنی اسکے بیان کیے ہیں وہ علوم جدیدہ کے خلاف ہے لہذا ناقابل تسلیم ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقد ۛ۔ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ وارد ہے وہ بالکل تشریح اور علوم جدیدہ کے مطابق ہے مگر مفسرین نے اُس کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید الحاج خدا کو اور مفسرین کو یا پیغمبر صلعم کو اور مفسرین کو ایک مرتبہ میں سمجھتے ہیں اور اس لیے قرآن اور تفسیر میں کچھ فرق نہیں کرتے ۛ

عقیدہ ہشتم

منخوق کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے لہذا حلال ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقد ۛ۔ یعنی است اس واسطے کہ کسی ہے کہ اس عقیدہ میں جو عام لفظ بیان کیے ہیں وہ کذب اور اتمام ہے۔ میرا ہرگز اعتقاد نہیں ہے کہ عموماً منخوق حلال ہے۔ یہ بھی میں نے نہیں کہا کہ حرمت منخوق منصوص نہیں ہے صرف ایک خاص آیت کے معنوں میں بحث کی ہے کہ اس خاص آیت میں طیور منخوق کی حرمت منصوص نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ آیت کریمہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ میں حرمت زنا منصوص نہیں اور اُس شخص کا عقیدہ جناب سید الحاج

یہ قرار دیں کہ اس کے عقیدہ میں ناکہ حرمت قرآن میں مخصوص نہیں ہے جناب سید الحاج کوٹوالہ
بہ اتمام کرنے میں خدا کا بھی مدد کرنا چاہیے ۛ

عقیدہ بست و نہم

ایک سے زیادہ ازواج منع ہیں۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ ۛ

عقیدہ سیام

معراج جسمانی بے اصل ہے صرف خواب میں مسجد اقصیٰ نظر آگئی تھی و گریج۔ اور شق صدر
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بے اصل ہے۔ ضد سے ایک شخص دوسرے کی بات کو بگاڑ کر
اور صلیت چھپا کر دوسرے پر ایمیں بیان کر سکتا ہے۔ اصل اسکی صرف اتنی ہے کہ نسبت معراج جناب
رسول خدا صلیم کے تین مذہب ہیں۔ اول۔ مذہب حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ جو اس بات
کے قائل ہیں کہ معراج روحانی تھی نہ جسمانی ۛ

دوسرا۔ مذہب چند اکابر دین کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی
تھی اور وہاں سے ملا راعلیٰ تک روحانی ۛ

تیسرا۔ مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی ۛ میری رائے ہے کہ جہاں تک
اس مسئلہ پر اور قرآن مجید و احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ صدیقہ کا ٹھیک اور
درست معلوم ہوتا ہے وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس جو شخص اس معاملہ میں جو الفاظ
ظن میری نسبت کرتا ہے درحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کی نسبت کرتا ہے
جن کا وہ مذہب ہے ۛ

شق صدر کی نسبت بھی چند مذہب ہیں بعضوں کا قول ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر واقع ہوا
اکثروں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ایام طفولیت میں واقع ہوا۔ پادریوں نے ان روایات ضعیفہ غیر
معتبر کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے کہ نمود بانند آنحضرت صلیم کو صرع کی بیماری تھی اور حالت صرع میں
جو کیفیت واقع ہوتی تھی اسی کو رادیوں نے شق صدر تعبیر کیا ہے۔ میں نے ان تمام روایتوں
کی بقید اپنی طاقت کے تحقیقات کی اور معلوم ہوا کہ وہ روایتیں محض نامعتبر ہیں۔ تیسرا مذہب محققین
کا یہ تھا کہ واقعہ شق صدر ایک جزو ہے ان تمام واقعات کا جو شب معراج کو واقع ہوئے تھے یہی

روایت میرے نزدیک صحیح و مقبول تھی۔ یہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس اب جناب سید الحاج اپنے دل کے بھارات نکالنے کو جو چاہیں سو لکھیں۔ خدا اُن سے سمجھے گا۔ اور جو کہ وہ دلوں کا حال جاننے والا ہے اُسکے سامنے ریاکاری کسی کی پیش نہ جاویگی یعنی اپنے اعمال نیت کی ضرورت نہ پائوں گا۔ اور جناب سید الحاج اپنے اعمال نیت کی ضرورت نہ پائیں گے۔ نہ وہ میری قبر میں سوڈینگے نہ میں اُن کی قبر میں سوؤں گا۔ پس اتنی بات کو جتنا وہ چاہیں بڑھا کر لکھیں۔

مجھے امید ہے کہ جو کوئی میری اس تحریر کو دیکھے گا تعجب کرے گا کہ جناب سید الحاج نے کیوں ایسے سخت اور محض غلط بہتان مجھ پر کیئے ہیں۔ مگر ظاہر اُسکے دو سبب معلوم ہوتے ہیں۔ اول صرف اُس خیالی اور بے اصل خوشی کا حامل کرنا کہ لوگ جناب سید الحاج کو کہیں کہ واہ کیا مسلمان ہیں۔ حضرت مسلمان عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب بدلیوں میں تشریف لیجاتے ہوں گے تو دو چار محلہ کے آدمی اُن کر کہتے ہوں گے کہ واہ کیا لکھتا ہے اور جناب سید الحاج خوش ہوتے ہوں گے۔ دگر بیچ۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جناب سید الحاج نے جب یہ رسالہ لکھا ہے تو اب اُسی زمانہ کے حج کو تشریف لیجانے والے تھے۔ اُنہوں نے خیال کیا ہو گا کہ لاؤ حج کو جاتے ہی ہیں۔ جتنے گناہ کرنے ہیں سب کر لیں۔ حج کے بعد تو سب پاک ہو ہی جاویں گے۔ جیسے کہ بعض آدمی جب سہل لینا چاہتے ہیں تو خوب بد پرہیزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سہل سے سب نکل جاوے گی۔ مگر جناب سید الحاج کو معلوم کرنا چاہیے کہ حج و زیارت میں جو بشارتیں آپ کو ملی ہوں ملی ہوں۔ اور جو خطا آپ کو ملتا ہو جن کا تذکرہ آپ دن رات فرمایا کرتے ہیں اور حج سے آپ کے سب گناہ معاف ہو گئے ہوں۔ اور شبلی و صبیحہ کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہوں بلکہ اُس سے بھی اعلیٰ۔ مگر حق العباد کبھی نہ حج سے بخشے جاتے ہیں اور نہ کسی بشارت سے۔ پس آپ نے جو اہتمام مجھ پر کیئے ہیں جب تک میں ہی نہ معاف کروں معاف نہیں ہو سکتے۔ پس تمھنارے ایماندار سی یہ ہے کہ آپ حج در احرام کا بندھیئے اور گناہوں کی معافی چاہیئے ورنہ روزِ جزا کو آپ کو اپنی کرتوتوں کا مزہ معلوم ہو جاویگا۔ واللہ یمدی من یشاء الی صراط المستقیم۔

ش

تحقیق معنی من تشبہ بقوم فہو منہم

امیر الامراء افتخار العلماء ستید غیر الدین احمد وزیر سلطنت ٹونس نے جو نہایت عمدہ کتاب

اقوام المسالک عربی زبان میں لکھی ہے جس پر وہاں کے بڑے بڑے علماء کی تفریطیں چھپی ہیں اور اُس کا ترجمہ حال میں جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر وزیر ریاست بٹیار کی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے اردو میں سہمی بہ نظم الممالک چھپا ہے اُس میں ہم ایک مختصر تقریر سید خیر الدین احمد مصنف اصل کتاب کی جو تشابہ کے باب میں انہوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے اُن غاذل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور مستنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو صرف اس خیال سے اختیار نہیں کرتے کہ وہ ظاہر اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشاء یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جائے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدابیر ملکیہ سے متعلق ہوں یہاں تک کہ وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو بھی پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل حاکت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہوا اور ہماری عقل بھی اُس کو تسلیم کرنے خصوصاً وہ کام جبکہ کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُس کو ہم سے ہی اڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے یا اُس کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کی عملدرآمد میں تھا تو ہمو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر مل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی ذیوی باتیں بھی بری ہو جاویں یا جو کام کہ مصاحف ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہم کو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو۔ دیکھو فرنگیوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رُتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک پرکھئے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُس کو نظر تنیاز سے تارک کر جائے اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اُنہیں لے اور اُن سے اُس کو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین میں تھا ہو یا جھوٹا ایسے کہ

حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمانوں کے لئے ہنزلہ لگم شدہ چمکنے والی ہے جہاں کہیں سکوپاوسے فوراً لیلے ۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود دیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خندقیں کھودیں تاکہ مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیرت کے لوگوں سے علوم منطق کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اسکے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا علم اس کا کچا ہے تو پھر ہم کو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم اس زبان میں غیرت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کارآمد دیکھیں ان کو نہ یاد کر لیں اور جن باتوں کی طرف ہم کو کاہد اعدائے محفوظ رہنے اور صدامنفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو ان کو اختیار نہ کریں۔ کتاب سنن الہمدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت منوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں اور جن باتوں کو غیرت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں ان کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیرت کے لوگوں کا بھی ان پر عمل درآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہم کو غیر قوم کے ساتھ ان باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ در مختار میں علامہ شریع محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک تبصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر ان کے کرنے میں ہم کسی غیرت قوم کے ساتھ مشابہ ہو جائیں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ فرنگیوں کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں ان کے حق میں مضر ہیں ان میں ان کی مشابہت سے کچھ ان کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ صریح فرنگیوں کا بنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہو رہے ہیں اور انہیں کلا اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور انھیں کے ہتیا ر اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر ان چیزوں کو ان کی تدبیروں سے کام میں لانے سے بڑا پرہیز کرتے ہیں

حالانکہ ان باتوں سے پرہیز کرنے میں اُن کے ملکی انتظام اور ملکی ترقی دونوں میں بڑا نقصان اور غلابا پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اس سبب سے ہی ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی ملکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنی ملک کی پیداوار وغیرہ کے ثمر سے نفع نہیں اٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اسکی ہمارے اس شاہد سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صنایع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روٹی بوتے ہیں یا کپڑوں کی اون تماش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اُس پر جان بارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روٹی اور اون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت پر فرنگیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب ایسی روٹی اور اون سے وہ لوگ تھوڑے عرصہ میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنہوں نے اُن کو روٹی دی تھی اُنہیں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہمارے ملک کی اصلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اس بات کا اندازہ کریں کہ اُنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی ساوی ہے تو یہاں تک تو گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہمارے ملک کی چیز کی قیمت کم ملی اور اُنے والی چیز کی قیمت چار چاند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا ملک آج نہ بنا ہوا کُل تباہ ہو گا۔

سحر

جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے

اس مثل کے دوسرے جملہ سے تو ہمکو بحث نہیں ہاں پہلے جملہ سے بحث ہے۔ کیا سچ یہ بات برحق ہے کہ جادو برحق ہے؟ آؤ اس کی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ ٹھیک اسلام کی رو سے کیا بات ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جناب سرور انبیاء و پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کر دیا تھا

خدا تو فرماتا ہے کہ کافراں حضرت صلعم کو کہتے تھے کہ سپر تو جادو کر دیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورہ
اسریٰ میں فرمایا ہے کہ کافراں میں کہتے ہیں کہ تم جو محمدؐ کی پیروی کرتے ہو تو اس سے

اذ یقول الظالمون ان یتبعون ۱۸

رجلا مسحورا - آیت ۵۰

زیادہ آور کچھ نہیں ہے کہ ایک آدمی کی جس پر
جادو کر دیا گیا ہے پیروی کرتے ہو +

ہاں فرعون بھی موسیٰ کو کہتا تھا کہ تیرا جادو کر دیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اسی سورہ

فقال له فرعون انی لا اظنک یا موسیٰ

مسحورا - آیت ۱۰۳

فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰ خدا تعالیٰ کی قدرت
کی نشانیاں سیت فرعون کے پاس آئے تو
فرعون نے کہا کہ اجمی موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں کہ

تم پر جادو کر دیا ہے +

ایک اور جگہ بھی خدا نے فرمایا ہے کہ کافراں حضرت صلعم کو کہا کرتے تھے کہ اُن پر تو جادو کر دیا

ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں فرمایا ہے۔ کہ

وقال الظالمون ان یتبعون الا رجلاً

مسحوراً - آیت ۹

کافروں نے کہا کہ تم جو محمدؐ کی پیروی کرتے ہو
تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک ایسے آدمی کی
پیروی کرتے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے +

پس قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جو یہ کہے کہ پیغمبر پر جادو کر دیا تھا مگر اس زمانہ کا
باد آدم ہی نرالا ہے اب بڑے بڑے عالم یہ کہتے ہیں کہ جو یہ نہ کہے اور اس پر یقین نہ کرے کہ آنحضرت
صلعم پر جادو کر دیا تھا تو وہ کافر ہے۔ زمانہ اُلٹ گیا ہے۔ سچ بات ہے۔ واللہم بالناس قلب +

اگر ہم یہ کہیں کہ نوز بات نہ منہا اگر جناب پیغمبر خدا صلعم کی ذات مبارک پر باد و صفا تعدد تقدس و
طہارت و نور میں ہونے کے جادو ہو جاتا تھا تو ہم اس بات پر کیونکر یقین کریں کہ کونسی بات انہوں
نے جادو ہونے کی حالت میں فرمائی ہے اور کون سی جادو اُتری ہوئی حالت میں فرمائی ہے تو ہمارے
زمانہ کے عالم فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا کفر کا۔ مگر کچھ ہی ہو ہم تو یقین نہیں کرتے کہ اُن حضرت صلعم پر
جادو ہوا تھا +

اہل سنت و جماعت کا تو (جن کا ہم بھی دم بھرتے ہیں) یہ اعتقاد ہے کہ جادو برحق ہے اور
جادو کے زور سے آدمی ہوا میں اڑ سکتا ہے اور جادو کے زور سے آدمی گدھے کی صورت اور
گدھا آدمی کی صورت بن جاتا ہے۔ پچھلی دونوں باتوں میں سے پہلی بات تو یقینی غلط ہے

اور پھلی کسج ہونے میں شبہ پڑتا ہے کیونکہ اگر یہ سچ نہ ہوتا تو کوئی بھی جادو کو نہ مانتا۔ بحال جب وہ ہماری یہ باتیں سنتے ہیں تو ہکو دور دور کرتے ہیں۔ بعضے مذہب و نیک آدمی یوں فرماتے ہیں کہ قد اعتدل عنا جس کی تاویل ہم یوں کرتے ہیں اے عن صراط الموحج ۛ

وہ سنی مسلمان جن کو لوگ معتزل کہتے ہیں وہ تو جادو کے منکر ہیں اور پیغمبر خدا صلعم پر جادو ہونے سے تو نہایت سخت انکار کرتے ہیں جب ان سے کہتے ہیں کہ میاں بہت سی حدیثیں اور روایتیں سحر کے برحق ہونے میں آئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جو دلیلیں سحر کے غلط ہونے میں ہیں وہ تو یقینی ہیں اور روایت احاد ظنی ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ یقینی کا معارضہ کر سکے ۛ

خیر یہ تو ایک تہید تھی۔ ہم تو اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ ٹھیک مذہب اسلام میں جادو کی کچھ اصل ہے یا نہیں ۛ

سحر کے معنی جس کو ہم اپنی زبان میں جادو کہتے ہیں عربی لغت کی کتابوں میں یہ لکھے ہیں کہ جو دقہ کسی لطیف و دقیق امر سے ہوا ہو اور اس کے ہونے کا سبب پوشیدہ ہو وہ سحر ہے ۛ

ان لغوی معنوں پر خیال کر کہ بعض عالموں نے سحر کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں ۛ

اول بذریعہ تسخیر کو اکب کے۔ اس قسم کے جادو گروں میں سے بعضے تو یہ سمجھتے تھے کہ افلاک و

کو اکب فی نفسہ واجب الوجود ہیں اور اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہی کرتے ہیں۔ اور بعضے کہتے تھے

کہ وہ فی نفسہ تو واجب الوجود نہیں ہیں مگر مبداء اول سے جو غیرات عالم میں ہوتے ہیں یہ کو اکب و

افلاک ان کا واسطہ ہیں اور فاعل تام کو منفعل تام سے ملا دیتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ جب

فاعل تام منفعل تام سے مل جاوے گا تو بالضرور فعل تام ظاہر ہو گا۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ افلاک و

کو اکب اگرچہ مخلوق ہیں مگر ان میں جان اور عقل و سمجھ ہے اور ان کو اس عالم میں نیک و بد کرنے کا

بالکل اختیار ہے۔ پس ان تینوں عقیدوں کے جادو گر بذریعہ اعمال و پڑھنے کے کو اکب کی تسخیر میں

مشغول رہتے تھے تاکہ کو اکب کو جو مدبر عالم ہیں اپنا تابع کر لیں اور جس کسی کو قتل کرنا چاہیں تو کھدیں کہ

افقل یا ہانیخ اور میں فی القہر اسکو مار ڈالے اور اسی طرح جس کا جھلا کرنا چاہیں جھلا کر دیں۔ اور

جس پر سے آفت و سختی ٹالنی چاہیں ٹال دیں۔ اور جس پر ڈالنی چاہیں ڈال دیں۔ اور جس کو جس

مرض میں چاہیں مبتلا کر دیں پھر وہ کسی طبیب کے علاج سے اچھا ہو سکے اور اسی میں رنگ

رنگ کر جاوے ۛ

مگر اس مقام پر اتنی بات سمجھنی چاہیے کہ نجوم و جادو میں جو بذریعہ تسخیر کو اکب ہوتا ہے فرق ہے

منجم تو صرف یہ بتلاتا ہے کہ فلان شخص کے طالع میں فلان کو کب تھا اور اب جو کو کب ولس و فنب
فلان فلان مقام پر آئے ہیں تو اب اس پر فلان آفت آوے گی یا یہ راحت پہنچے گی یا اس وقت پر
فلان کام کرنا حسب مقصود ہو گا یا سفر اچھا ہو گا پس نجومی گویا آیندہ کی باتوں کی بلحاظ تاثیرات
کو اکب خبر دیتا ہے مگر کوئی امر نسبت تخیر کو اکب نہیں کرتا اور نہیں بتلاتا اس لیے وہ صرف فہم
ہے اور جادوگر نہیں مگر جب کہ وہ اس آفت کے دفع ہونے کو کوئی عمل کرے یا پاٹ کر یا پڑھٹ
پڑھے تو وہ بھی بذریعہ تخیر کو اکب کے منجم کے سوا ایک جادوگر بھی ہے جیسا کہ ہندو پنڈتوں
جو دشیوں کا اکثر دستور ہے ۔

دوسری قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جو خیال اور وہم اور نفس انسانی کے ذریعہ سے ملو
میں آتی ہیں یعنی اس قسم کا جادو گر اپنے نفس انسانی میں اور قوت داہمہ و خیال میں بذریعہ مشق اور
ورزش اور مجاہدات کے ایسی طاقت ہم پہنچا لیتا ہے کہ دوسرے شخص پر جس طرح طعنے اثر ڈال سکتا ہے اور اس دوسرے
شخص کے دہم کو ایسا مغلوب کر دیتا ہے جو حیرت و حقیقت موجود نہیں ہے وہ اس کو فی الواقع موجود معلوم ہوتی ہے اور یہ بات
ہر شخص کو اور ہر قوم و مذہب کے آدمی کو بقدر قوت و طاقت اس کے نفس انسانی کے حاصل
ہو سکتی ہے اس قسم کے سحر سے ساحر صحیح و تندرست آدمیوں کو بیمار اور بیماروں کو صحیح و تندرست
کر سکتا ہے بھلے چنگوں پر خواب مٹا طبعی مہتولی کر سکتا ہے ۔

تیسری قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جن کا ہونا باستعانت ارباب خیال کیا گیا ہے اس
قسم کے ساحر یقین کرتے ہیں کہ علاوہ مخلوقات موجودہ محسوسہ کے زمین پر ارباب بھی ہیں اور وہ
جو اہر قائمہ بالذات ہیں نہ تو وہ تخیز ہیں اور نہ کسی تخیز میں حلول کی ہوئی ہیں اور وہ اپنے افعال پر
قاد ہیں اور عالم و مدرک الجزئیات ہیں اور انسان میں حلول کر کر نفس انسانی یا نفس حیوانی میں مل
سکتی ہیں ۔

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ لوگ جن دہری کو بھی شامل کرتے ہیں اور ان میں سے جو نیک
یعنی بے شر ہیں ان کو مسلمان اور جو شر ہیں ان کو کافر ٹھہرتے ہیں مگر معتزلی جن کے وجود
کے بھی قائل نہیں ہیں ۔

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ بعض انسانوں کی ناپاک ارواحوں کو بھی شامل کرتے ہیں اور
بصورت پلٹ کو بھی انہی میں سمجھتے ہیں ۔ وہ یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ ارواحیں اشکال مختلفہ میں
ہوئی بلا حلول کسی دوسرے جسم کے ظاہر ہو سکتی ہیں اور لوگوں کو خوبصورت یا ہیبت ناک شکلوں میں

دکھائی دیتی ہیں پس اُس قسم کے ساحر بذریعہ اعمال اور پُرت ہمت اور خوشبو جلانے کے اُن کی تسخیر کرتے ہیں :

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان عامل بھی اسی قسم میں داخل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ بعض سفلی ارفاعوں کے علوی ارفاعوں کو مسخر کرتے ہیں اور اسی سبب سے اُن کے مستروں اور پُرت ہنتوں میں بڑے بڑے فرشتوں جبریل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل کے نام ہوتے ہیں اور اپنے تئیں علوی عامل اور دوسروں کو سفلی عامل قرار دیتے ہیں لیکن اگر سچ پوچھو تو نہ کالی بھلی نہ سفید :

چوتھی قسم محرکی وہ قرار دی ہے جو خیال یا نظریہ جس کی غلطی سے ایک مرد دوسری حالت پر جو سکی اصلی حالت سے عجیب تر ہے دکھائی دیتا ہے جیسے کہ بھانجی گولیوں کے اڑانے یا ایک بٹہ سے دوسرے بٹہ میں لگانے یا ایک گولی میں سے دوسری گولی بنانے میں کرتی ہے یا بندھی شعلہ کو چمک کر دکھاتا ہے یا تھیلے کے کمرہ میں پردوں کے لگانے سے دریا و سمندر و جہاز و پہاڑ و کوسوں کا جھل دکھائی دیتا ہے و علیٰ ہذا القیاس :

پانچویں قسم محرکی وہ امور قرار دیے ہیں جو بذریعہ صنائع و اعمال ہندسیہ و جبرئیل کے ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ ایک آدمی ہزاروں من بوجھ کھینچ لیتا ہے یا گھڑی اپنے آپ چلتی ہے وقت پر سبھی اُس میں سے چڑیا نکلتی ہے جتنے بچے ہوں قُتے نو نہایت خوش آواز سے بولتی ہے پھر بھلیاتی ہے اور پھر بھٹ اپنے گنہگاروں کو چٹکتی ہے اگر نیری کھلونوں میں طرح طرح کے عجائبات ہوتے ہیں۔ پٹریاں اُڑتی ہیں۔ چھپاتی ہیں۔ ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر جا بیٹھتی ہیں۔ پانی بہتا ہے۔ پٹریاں اُس میں پانی پتی ہیں۔ بلبے والے باجا بجاتے ہیں۔ آنکھیں اور گردن ہلاتے ہیں۔ ناچنے والے تال و سم پر ناچتے ہیں۔ رٹنے والے رٹتے ہیں۔ دونوں طرف سے سوار نکلتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مارتا ہے۔ بگل و الا بگل بجاتا ہے اور طرح طرح کے کرتب دکھاتا ہے جس سے بڑے بڑے شخصوں کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اور

ہمارے نماز کے جناب مولوی صاحب قبلہ تو خوب غور کرنے و کان لگا کر سننے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ واللہ فیہ دوڈ لیکن بعض عالموں کی یہی رائے ہے کہ ایسی بات کو سحر میں داخل کرنا نہیں چاہیے کیونکہ اُس کے اسباب معلوم ہیں۔ مگر میں دست بستہ اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جناب جن کو آپ اب تک سحر سمجھ رہے ہیں اُن میں سے بھی بہت سوں کے اسباب معلوم ہو گئے ہیں :

چھٹی قسم محرکی وہ امور قرار دیتے ہیں جو بذریعہ خواص ادویہ کے ظہور میں آتے ہیں مگر اگلے زمانہ میں یہ باتیں بہت کم معلوم تھیں جب سے کہ علم کیمیا یعنی کمٹری کو ترقی ہوئی اُس وقت قُتے بہت ہی

عجیب باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ سچ ہے اگر جناب مولوی صاحب دو ہواؤں میں سے پانی
بتا ہوا دیکھیں جس سے وضو بھی کر سکیں روزہ بھی کھل سکیں اور ضرورت ہو تو نہا بھی سکیں
تو وہ بچائے اُسکو جاو نہ کہیں تو آؤر کیا کہیں ؟

ساتویں قسم سحر کی وہ باتیں ہیں جن کا ظہور میں لا نا بذریعہ تاثیر اسما کے بیان کیا جاتا ہے اور
اس قسم کے ساحر خیال کرتے ہیں کہ بہت سے الفاظ اور اسما کے لیے موکل ہیں اور اُن اسما کو
طریقہ مخصوصہ تعداد معینہ اور پیر ہینز مقررہ سے پڑھنے اور اُن کی زکات دینے سے وہ موکل اُسکے
تابع ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے زبردست ہیں کہ بھوت پلٹتے۔ دیو۔ جن۔ پری اور آسمان وزمین
اور جو کچھ کہ اُن میں ہے سب اُسکے تابع ہیں۔ پس جب وہ موکل اس ساحر کے جسکو عامل بھی کہتے ہیں
تابع ہونگے تو وہ سب چیزوں پر قد ہو گیا۔ جنوں کو شیشہ میں بند وہ کر لیتا ہے۔ بیماروں کو وہ
اچھا کر دیتا ہے۔ دندہ جانوروں کو وہ فرماں بردار بنا لیتا ہے۔ کتوئیں میں سے پیسے کو پانی اُبال
لیتا ہے۔ پھر کوئی ”یا بُدھو“ کا عمل جانتا ہے اور کوئی ”یا ہو“ کا اور جب کو اسم اعظم معلوم ہو گیا پھر سکا
تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ؟

جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو بطور عمل کے پڑھتے ہیں اور کسی میں وسوسہ رنق کی اور کسی میں کشور
کار کی اور کسی میں شفاء امراض کی تاثیر سمجھتے ہیں وہ بھی قریب قریب نہی کے ہیں۔ قرآن مجید کی کئی
آیت یا سورۃ میں اس قسم کی تاثیر نہیں ہے نہ قرآن مجید کوئی عملیات کی کتاب ہے نہ ان کاموں کے
لیے نازل ہوا ہے۔ وہ تو سیدھا سادہ خدا کا کلام ہے اور اس لیے نازل ہوا ہے کہ لوگ اُس سے
نصیحت پکڑیں اور جو احکام اُس میں ہیں اُس پر عمل کریں ؟

آٹھویں قسم سحر کی لگائی بھائی ہے کہ اُدھر کی ابت اُدھر جا کہی اُد اُدھر کی اُدھر۔ دو لیک باتیں
اپنی طرف سے ملا دیں دوست کو دشمن کر دیا اُد دشمن کو دوست۔ آپس میں دوستوں کے رنج ڈلوایا
جو رخصتم کو چھوڑ دیا۔ بھائی بھائیوں میں۔ باپ بیٹوں میں رنج کر دیا۔ بلاشبہ اس مانہ کے لوگوں
میں یہ ایک نہایت چلتا ہوا عمل ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں ؟

یہ تمام اقسام بلحاظ لغوی معنی سحر کے قسم سحر میں داخل کیے گئے ہیں۔ ورنہ قسم چارم و پنجم
دشتم و ہشتم میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر اطلاق سحر کا بمعنی عرفی ہو سکے۔ قسم دہم پر
سحر کا اطلاق بمعنی لغوی یا مجازاً بمعنی عرفی ہو سکتا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اس قسم کی باتوں پر بھی
سحر کا اطلاق ہوتا تھا ورنہ حقیقت وہ بھی سحر نہیں ہے بلکہ ایک فعل منجملہ افعال قلمائے انسانی کے ہے

جیسکے قسم ششم بذریعہ خواص اور یہ کہ ہے قرآن مجید میں صرف اسی قسم کے افعال پر اطلاق سحر بطور عرف عام ہوتا ہے :

البتہ قسم اول و سوم و ہفتم اگر سچ ہو تو سحر بمعنی یونی ہے کیونکہ عرف عام میں جادو اسی کو کہتے ہیں جس سے بلا تعلق کسی مادہ کے صرف بذریعہ تسخیر کو کتب یا ارواح و سما کے اور بغیر کسی وسیلہ قدرتی کے بطریق غرق عادت بلکہ برخلاف نیچر یعنی برخلاف قانون قدرت کے کوئی امر ظہور پذیر ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہو جاوے جیسا کہ ظہور میں آوے۔ مثلاً ہم قلم کو کہیں کہ گھوڑا ہو جا۔ وہ سحر چم کا گھوڑا ہو جاوے۔ اگر آدمی اڑنا چاہے تو حقیقت وہ ہوا میں اڑتا پھرے اور اگر کسی کو گدھا بنانا چاہے تو حقیقت وہ گدھا بن جاوے گو قانون قدرت کیسا ہی اس کے برخلاف ہو پس ہم جو سحر کے برحق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس کو بے اصل بتلاتے ہیں تو انہی میں قسم کے سحر و سحر کو بے اصل و مجھوٹ بتلاتے ہیں اور عرف عام میں انہی تینوں قسموں پر حقیقتاً اطلاق سحر کا ہوتا ہے اور قسم ثانی پر صرف مجازاً اور باقی قسموں کو عرف عام میں کوئی شخص سحر نہیں کہتا۔ پس اس آرٹیکل میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان اقسام ثلثہ سحر کی صلیت اور واقعیت کا ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ ان پر یقین رکھنا ٹھیک مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور جو کہ یہی تین قسمیں اگر سچ ہوتیں تو حقیقتاً سحر ہوتیں مگر جو کہ وہ بے اصل ہیں اس لیے ہم سحر کے مشکوک ہیں :

قرآن مجید میں بہت جگہ لفظ سحر و ساحر و سحر آیا ہے اور اکثر جگہ کفار کی زبان سے وہ لفظ نقل کیا گیا ہے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے کاموں کو جادو اور ان کو جادوگر اور ان کی پند و نصیحت کی باتوں کو ایسے شخص کی باتیں جس پر جادو کر دیا گیا ہو اور وہ لغو اور بے سرو پا باتیں بکا کرے کہا کرتے تھے پس اس طرح پر کفار کا قول نقل کرنے سے سحر کا حق ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ کیا اگر یہ کہتے ہیں یا یہ کرتے ہیں تو اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کیا بمعنی سونا دیا چاندی بنانے کے حقیقت سچ و برحق ہے بلکہ اس سے صرف اتنا مطلب ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کا وجود ہے جو اپنے تئیں کیا کرتے ہیں اور وہ ایک کام کرتے ہیں جس کو کیا بنانا کہتے ہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ کام بھی ایسا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن مجید میں ایسے لوگ موجود تھے جو ساحر کہلاتے تھے اور وہ ایسے افعال بھی کرتے تھے جن کو وہ سحر سمجھتے تھے پس قرآن مجید میں سحر و ساحر کا ذکر ہونے سے ایسے اشخاص اور ان کے افعال کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ سحر کے برحق ہونے کا۔ ہاں بعض مقام ایسے ہیں جہاں بعض واقعات کا سحر سے وقوع میں آنا مذکور

ہوا ہے۔ اسی کے بیان پر ہلکا متوجہ ہونا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ واقعات کس قسم کے ہیں اگر وہ ایسے ہیں جن کا ظہور بذریعہ تاثیر قوت نفس انسانی ہوا ہے تو حقیقت وہ سحر نہیں ہے بلکہ بطور عرف عام یا غلط عام جیسا کہ کفار سمجھتے تھے اُسے اطلاق لفظ سحر کا ہوا ہے اور اگر وہ اُس قسم کے واقعات ہیں جو اقسام سہ گانہ سحر سے علاوہ رکھتے ہیں جن سے ہم منکر ہیں تو ہلکا ہو سکی تو جیہ بیان کرنی یا تاویل کرنی ضرور ہوگی مگر ہمارے نزدیک قرآن مجید میں تاویل جائز نہیں ہے۔ بقول شخصے۔

بَابِ وَرَنگِ خَالِ مُخَطَّوہِ حَاجَتِ رُوئے زِیَا رَا

اِس لیے ہم نہایت استحکام سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جو اقسام سہ گانہ سحر مذکورہ بالا سے علاوہ رکھتا ہو +

بڑے سے بڑا قصہ سحر کا جو قرآن مجید میں مذکور ہے وہ قصہ موسیٰ اور فرعون کے ساحروں کا ہے مگر اُس میں کچھ بھی اشارہ اُن اقسام مثلثہ سحر کی نسبت نہیں ہے جن کے برحق ہونے کو ہم حق سمجھتے ہیں اُس قصہ میں جو کچھ بیان ہے وہ نفس انسانی کی قوت کا ظہور ہے اور اِس وجہ سے کہ اُس زمانہ کے کافرا کو بھی سحر سمجھتے تھے قرآن مجید میں اُس پر لفظ سحر کا اطلاق ہوا ہے ورنہ حقیقت وہ امور جو فرعون کے ساحروں نے کیئے اور جو امر کہ حضرت موسیٰ نے کیا وہ ظہور قوت نفس انسانی کا تھا مگر جو کہ انبیاء علیہم السلام میں از روئے خلقت کے وہ قوت اقویٰ ہوتی ہے اِس لیے حضرت موسیٰ سحر فرعون پر غالب آئے جو فرعون نے یہی کہا کہ ”انہ لکبیر کم الذی علمکم السحر“ یعنی موسیٰ تمہارا گروہ ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے +

نفس انسانی میں ایسا ایسی قوت برقی اور مقناطیسی موجود ہے جو خدائے پروردگار کے خیال پر اور دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے اُس کے اثر متعدد طرح پر ہوتے ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ شے غیر موجود حقیقتاً موجود معلوم ہوتی ہے۔ خواب میں آدمی تمام چیزوں کو جو اُس نے خواب میں دیکھی ہیں حقیقتاً موجود سمجھتا ہے حالانکہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی اپنے تئیں ہوا میں اڑتا ہوا جانتا ہے اور کبھی جہاز میں اور کبھی ریل میں اور کبھی گھوڑے پر اور کبھی سبیل کو سوں کا سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے اور حقیقت میں وہ پلنگ پر چاند اوڑھے پڑا ہوتا ہے زیادہ عجیب ہے کہ خواب میں اُس کو دن ہوتا ہے رات ہوتی ہے سونہرے کا زمانہ خواب میں گندہ جاتا ہے مگر اُس کو سوئے ہوئے گھڑی دو گھڑی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جاگتے میں کبھی کبھی اُس کا

ایسا حال ہو جاتا ہے کہ شے غیر موجود کو علانیہ موجود دیکھتا ہے۔ بزرگ مقدس لوگ نہایت شوق و استغراق سے جب عید کا چاند تلاش کرتے ہیں تو کبھی اُن کی آنکھوں کے سامنے چاند کی چمک چھڑ جاتی ہے اور بعض دفعہ آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لیے ہلال کی صورت جم جاتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ موجود نہیں ہوتی اور یہ دونوں باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ خود اپنے آپ پر اُس قوت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض مجنون آدمی اُن لوگوں کو جن کا اُن کے دل میں خیال یک گیا ہے اپنے سامنے کھڑا دیکھا دباتیں کرتا دیکھتے ہیں اور مثل شخص موجود کے اُس سے سوال جواب کرتے ہیں اور اُس کے سوالات اور اُسکی باتیں اُن کو سنانی دیتی ہیں حالانکہ کوئی شے موجود نہیں ہوتی اور یہ اثر اُسی قوت نفس انسانی کا ہے جو بسبب وقوع اسوارت عظیمی کے ایک طرف مائل ہو گئی ہے *

دوسروں پر نفس انسانی کا اثر پڑتا تو ایسا بدیہی ہے کہ جب چاہو اُس کا تجربہ ہو سکتا ہے یہ قوت مشق اور مجاہدہ سے قوی بلکہ اقویٰ ہو جاتی ہے اور بعضوں میں فطرتی قوی ہوتی ہے اور اُن کے خیالات اُن کو مرنے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جس مرے ہوئے شخص کا وہ خیال کہ تم میں اُس کی صورت خیالی بسکودہ مڑے کی روح سے تعبیر کرتے ہیں اُسی زرق برق کے لباس سے جو وہ مردہ پہنتا تھا اُن کے سامنے مرنے ہوتی ہے اس قوت نفسانی کا اثر دوسرے شخص پر چھوٹنے سے دم ڈالنے سے پھونک لینے سے نگاہ کھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے اور علمی اصطلاح میں اثر ڈالنے والے کو عامل اور جس پر اثر ڈالا گیا ہو اُسکو معمول کہتے ہیں اس قوت کا ایسا قوی اثر ہے کہ معمول کی تمام طاقت اور تمام ارادہ اور خیال بالکل عامل کے تابع ہو جاتا ہے عامل جس خیر موجود چیز کو کہتا ہے کہ ہے معمول اپنے خیال میں اُسکو واقعی موجود سمجھتا ہے اور اگر دُشمنی طاقت جاری ہو جاتی ہے جو در صورت واقعی موجود ہونے اُس شے کے ہوتی اور جس موجود شے کو عامل کہتا ہے کہ نہیں ہے معمول اُسکو یقیناً جانتا ہے کہ نہیں ہے یہاں تک کہ اگر عامل معمول کی کسی قوت کو کہتا ہے کہ نہیں ہے تو معمول ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ گویا درحقیقت وہ قوت اُس میں نہیں ہے۔ جن مردہ شخصوں کا موجود ہونا عامل بیان کرتا ہے معمول اُن شخصوں کو اُسی طرح حاضر و موجود دیکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اُن کی ابرواحوں کی سپکر میں ہیں جو قصہ موسیٰ و سحرہ زبور کا قرآن میں مذکور ہے وہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور ہے نہ وقوع کسی برخلاف قانون قدرت کا چنانچہ الفاظ قرآن مجید سے بھی اسی لہر کا اشارہ پایا جاتا ہے *

سورہ ظہ میں خدا نے بیان کیا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو
پکارا گیا اور ایک خدا کی عبادت کا حکم ملا اور وحی سے القا ہوا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ
نے کہا کہ میری لاشی ہے جس کو ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے بھیدوں کو ہنکاتا ہوں اور اُن کو کام
میں بھی آتی ہے پھر وحی سے القا ہوا کہ اے موسیٰ

قال القہ یا موسیٰ فالقاہا فاذا ہی حیۃ
تسع قل خذہا ولا تخف سنعبید ہا
سیرتہا الاولیٰ۔ سورہ ط آیت ۲۰-۲۲

اُسکو پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقضیٰ ہے کہ
پھینک دینے کا نتیجہ یہی القا ہوا مگر جو کہ نتیجہ آگے
مذکور ہوا اس لیے بلحاظ بلاغت کلام اس جگہ
بیان نہیں کیا) پھر موسیٰ نے اُسکو پھینک دیا

تو وہ یک بیک چلتا ہوا سانپ تھا پھر وحی سے القا ہوا کہ اُس کو پکڑ لے اور مت ڈر ہم پھر پہلے
ہی سا کر دیں گے

سورہ نمل میں خدا نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو پکارا گیا کہ
جو کچھ آگ میں اور آگ کے گرد ہے اُس کو تیرے برکت دی ہے پاک اللہ تمام عالموں کا پروردگار
اسے موسیٰ بے شک تیرے خدا ہوں سب پر غالب حکمت والا

اس کے بعد وحی سے موسیٰ کو القا ہوا کہ اپنی لاشی پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقضیٰ
ہے کہ موسیٰ نے لاشی پھینک دی اور وہ سانپ

والق عصالب فلما راہا تہتز کا تھا جان
ولی مدبرا ولم یعقب یا موسیٰ لا تخف انی
کایخاف لدی المرسلون۔ سورہ نمل۔ آیت ۱۰

دکھائی دی) پھر اُنھوں نے اُسکو دیکھا کہ سانپ
کی طرح ہلکتی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھیجے پٹے اور پھر
پلٹ کر رخ نہ کیا القا ہوا کہ موسیٰ مت ڈر
میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرا کرتے

پس ان دونوں آیتوں کے نفلوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لاشی حضرت موسیٰ
کو سانپ دکھائی دی تھی اور حقیقت وہ لاشی ہی تھی اور کلمہ سنعبید ہا سیرتہا الاموالی اور کلمہ
کانھا جان سے اسکی طرف اشارہ پایا جاتا ہے علاوہ اس کے جو آیتیں آئندہ مذکور ہونگی ان میں
بہت صفائی سے بیان ہوا ہے کہ وہ لاشی سانپ معلوم ہوتی تھی

کی حیثیت جو یہاں حضرت موسیٰ پر ظاہر ہوئی یہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر
خود اُن پر ہوا تھا اور اُس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ وہ ہیں جن میں قوت نفس انسانی کا اثر

دوسروں پر ہوا تھا +

جب حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا کہ اُن کی قوت نفس انسانی سے لاشی سانپ دکھلائی دیتی

ہے تو وہ اُسکو بطور خدا کی قدرت کے ایک نشانی

کے لیکر فرعون پائے فرعون نے کہا اگر اُترم

کوئی نشانی لائے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ

نے اپنی لکڑی ڈال دی تو یکایک وہ لکڑی صفا

اُڑ دھاتی +

فالقی عصاۃ فاذا ہی ثعبان مبین -

سورہ اعراف آیت ۱۰۲ - سورہ شعرا آیت ۳۱

مفسرین نے اور نیز صاحب تفسیر کبیر نے ان آیتوں کی تفسیر میں ہی قصے اور نکات و دراز کا

لکھے ہیں جیسی کہ عادت مفسرین کی ہے اور

روایات بے سند و اقوال بے سرو پا بھر دیے

ہیں مگر ایک جملہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے

وہ غور کے قابل ہے آیت سورہ شعرا کی تفسیر میں

امام صاحب نے لکھا ہے کہ خدا کا جو یہ قول

ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا اگر اُترم

تجھ کو علانیہ کوئی بات دکھاؤں جب بھی تو مجھے

قید کر لگا تو یہ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ لاشی کے

ڈالنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ

اعلم ان قوله اولو جئتک بشئ مبین

یدل علی ان الله تعالیٰ قبل ان التقی العصا

عرفه بانہ یصیرھا ثعبانا و لا یدلک لما

قال ما قال فلما التقی عصاۃ ظہر ما وعدہ

الله بہ فصار ثعبانا مبینا والمراد انہ تبین

للمناظرین انہ ثعبان بحر کاکثر و بسیار العلماء

تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۲ +

کو بتلایا تھا کہ وہ اُڑ دھا ہو جاوے گی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو جو بات حضرت موسیٰ نے کہی وہ نہ کہتے پھر

جب حضرت موسیٰ نے لاشی پھینکی تو وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر وہ لاشی

علانیہ اُڑ دھا ہو گئی اور علانیہ اُڑ دھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ لاشی دیکھنے والوں کو ہلنے سے

اُڑاؤر تمام نشانوں سے اُڑ دھا معلوم ہوئی۔ لفظ تبین للناس یعنی دیکھنے والوں کو اُڑ دھا

معلوم ہوئی قابل غور ہے جو صاف اُسی قوت نفس انسانی کی تاثیر پر دلالت کرتا ہے بعبلا یہ لفظ

تو ایک مفسر کے ہیں جن کی نسبت جو چاہے انکار کرے مگر اگلی آیتوں میں خدا نے ایسے ہی لفظ

فرمائے ہیں جن سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں +

اس بیان تک دو باتیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے پہلے

خدا نے اُن کو بتلادیا تھا کہ اگر تو لاٹھی پھینک کر کہیگا کہ سانپ ہے تو وہ سانپ یا اثر دھا دکھائی دے گی۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت موسیٰ فرعون کے پاس آئے اور خدا کا پیغام پہنچایا تو فرعون نے اُس کی تصدیق کے لیے کوئی نشانی چاہی۔ ہمارا قول ہے کہ معجزہ دلیل صحت نبوت نہیں ہے مگر بلاشبہ وہ حجت الزامی مسکت للخصم ہے نہ مفید یقین پس حضرت موسیٰ نے بطور محبت الزامی کے بھی نشانی اُس کو دکھائی کہ لاٹھی ڈالی اور اثر دھا کر دکھایا۔ اس پر فرعون نے اپنے ملک کے بڑے بڑے عالموں اور ساحروں اور امیروں کو جمع کیا اور وہ سمجھ گئے کہ کس وجہ سے موسیٰ کی لکڑی سانپ یا اثر دھا ہو کر دکھلائی دی اور اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی ایسا کر تو ت گر سکتے ہیں چنانچہ اس مہاشہ کے لیے ایک دن مقرر ہوا اور سب ک جمع ہوئے :

اس لکھاڑہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر کئی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ سورہ یونس میں مذکور ہے کہ جب فرعون کے ساحر آگئے تو حضرت

موسیٰ نے اُن سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو جب اُنہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا جو کچھ تم نے کیا یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اس کو جھوٹا کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ مفسدوں کے کام کو نہیں سناتا :

فلما جاء السحرة قال لهم موسى القواما
انتم ملقون فلما القوا قال موسى ما جئتم
به السحرة ان الله سيبدلهم ان الله لا يصلم
عمل المفسدين۔ سورہ یونس آیت ۸۰ و ۸۱

اور سورہ شعرا میں فرمایا ہے کہ موسیٰ نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ ڈالو تم کیا

ڈالتے ہو پھر اُنہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں رجو سانپ و زبے ہوئیں اور پکار اٹھے کہ فرعون کے جی ہم ہی موسیٰ پر غالب ہیں موسیٰ نے تو صرف ایک لاٹھی ڈالی مگر سانپ یا اثر دھا بنایا تھا اور فرعون کے ساحر نے متعدد لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر اُن کو

قال لهم موسى القواما انتم ملقون قالقوا
حبالهم وعصيدهم وقالوا بحزة فرعون
انا نحن الغالبون قالق موسى عصا فاذا
هي تلقف ما يافلون۔ سورہ شعرا۔ آیت ۲۲-۲۳

سانپ اور اثر دھا بنایا اسی لیے اُنہوں نے فرعون کے جی پکار سے کہ ہم موسیٰ پر غالب ہوئے (بیرجی سٹی نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بیکار کہ اُن سب کو نگلنے لگی جن کو فرعون کے

ساحروں نے دھوکا بنایا تھا +

ایک لاندہ سب اس مقام پر کھسکتا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی پہلے ڈال کر سناپنا بنایا جو تا تو کیا عجب ہے کہ سحرہ فرعون اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو اس طرح پر ڈالتے کہ حضرت موسیٰ کے سانپ کو نگل جاتیں مگر یاد رہے کہ ہم ایسے اعمال کو محبت الزامی قرار دیتے ہیں نہ برہان الہی تو لاندہ سب کے اس قول سے ہماری تحقیق پر یا سچائی مذہب پر کوئی حرج واقع نہیں ہوتی +

اور سورہ اعراف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اسے موسیٰ

یا تم ڈالو یا ہم ڈالیں موسیٰ نے کہا کہ ڈالو پھر جب انھوں نے ڈالنا تجا دو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ڈال دیا ان کو اور بڑا حادہ کیا اور القا کیا مہنے موسیٰ کو ڈال دے اپنی لاٹھی پھر یکایک وہ نکلنے لگی جو دھوکا انھوں نے بنایا تھا سحر و اعیان الناس لفظ جو اس ریت میں ہے اس کا ٹھیک ترجمہ ہماری زبان میں ٹھٹھ بندہ

قالوا یا موسیٰ امان تلقی و امان نکون نحن الملقین قال القوا فلما القوا سحر و اعیان الناس واسترهبوہم و جاؤ بسحر عظیم و اوحینا الی موسیٰ ان الق عصا کب فاذا ہی تلفف ما یا فلکون - سورہ اعراف آیت ۱۱۰ - ۱۱۲

کرنا ہے +

اور سورہ طہ میں خدا تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو تم

ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسیٰ نے کہا کہ ہاں تم ڈالو پھر یکایک ان کی رسیوں اور ان کی لاٹھیوں کی طرف موسیٰ نے خیال کیا کہ ان کے جادو کے سبب سے چلتی ہیں پھر موسیٰ کو جی ہنس ڈر سا ہوا تو مہنے القا کیا کہ مت ڈرتو ہی ان پر غالب ہے اور ڈال دے جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے تاکہ نگل جاوے جو کچھ کہ انھوں نے بنایا، کچھ انھوں نے بنایا وہ جادو لوگوں کا مکر ہے اور جادو گر کو فلاح

قالوا یا موسیٰ امان تلقی و امان نکون اقل من القی قال بل القوا فاذا جاہلم و عصیم یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعی فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ والقی ما فی یمینک تلفف ما صنعوا انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حدیث اتی سورہ طہ - آیت ۶۸ - ۷۲ +

نہیں ہے جہاں جاوے ۛ

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں بھی محمول ہیں ایک جملہ آیا ہے کہ سحروا

اعین الناس یعنی ڈھٹ بندی کر دی پس یہ

لَا تَهْتِكُوا فِيهَا بَعْضًا

جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ
درحقیقت وہ لاکھیاں یا رسیاں سانپ وارڈ

نہیں ہو گئی تھیں بلکہ بسبب تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل
کی تھی وہ رسیاں ولاٹھیاں لوگوں کو سانپ وارڈ بنا معلوم ہوتی تھیں حضرت موسیٰ نے
جو کچھ کیا وہ بھی مقصدائے قوت نفس انسانی تھا مگر وہ قوت حضرت موسیٰ میں فطرتی اور
اوقوی تھی ۛ

اس مقام پر ہم چند باتوں میں بحث کریں گے اول امر ماخن فیہ سے یعنی اس سے کہ

حقیقتاً جادو کوئی چیز نہیں ہے۔ تفسیر کبیر میں

لکھا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سحرہ

فرعون نے اپنی رسیاں ولاٹھیاں ڈالیں

تو انھوں نے لوگوں پر ڈھٹ بندی کر دی

اس لفظ ڈھٹ بندی پر کہنے والوں نے

دلیل بکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکہ ہے

قاضی کا قول ہے کہ اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں

کے دلوں پر جادو کرتے نہ ڈھٹ بندی کرتے

پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے

ثم قال تعالى فلما القوا سحروا عین الناس

واحتج به القائلون بان السحر محض التوہیہ

قال القاضي لو كان السحر حقاً لكانوا قد سحروا

قلوبهم لا عینهم فثبت ان المراد انهم

تخیلوا احوالاً عجیبه مع ان الامر فی الحقیقۃ

ما كان علی وفق ما خیلوہ۔ تفسیر کبیر جلد ۳

صفحہ ۶۸۲۔ سورہ اعراف

لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈالی تھیں۔ با اینہم حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ

لوگوں کے خیال میں پڑی تھیں "یعنی وہ لاکھیاں اور رسیاں حقیقت سانپ اور اڑتی

نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اُسی تاثیر قوت

نفس انسانی کے سبب تھی حقیقتاً کوئی جادو نہ تھا ۛ

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کو بھی وہ لاکھیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دیں اور انکو

خوف ہوا تو ان پر بھی سحر فرعون کے کرتب کی خواہ وہ جادو ہو یا ڈھٹ بندی یا تاثیر قوت نفس

سحر فرعون اثر ہوا جس سے حضرت موسیٰ کی نبوت پر بقلہ لگتا ہے مگر ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت موسیٰ کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ دکھلائی دی تھیں اور اس سبب سے وہ ڈر گئے تھے اگلے علماء نے بھی اس بات سے انکار کیا ہے مگر جو تفسیر کی ہے وہ ٹھیک نہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ میں بھی علانیہ چوک کی ہے مولوی رفیع الدین صاحب نے اسکی کچھ درستی کی ہے مگر بہ خوبی نہیں ہوئی۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ٹھیک نہیں ہے ہم پہلے اگلے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ پھر اپنی سمجھ بیان کر بیٹھے +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ موسیٰ کے خیال تک پہنچا کہ اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ ہیں موسیٰ

وروی عن ابن عباس رضي الله عنهما انه قيل
الى موسى عليه السلام ان حالهم وعصيدهم
حيات مثل عصاء موسى فاوحى الله عز وجل
اليه ان القصاص قال المحققون ان هذا
غير جائز لانه عليه السلام لما كان نبيا
من عند الله تعالى كان على ثقة و يقين من
ان القوم لم يغالوبوه وهو عالم بان ما اتوا به
على وجه المعارضة فهو من باب السحر
والباطل ومع هذا الجزم فانه يمتنع حصول
الخوف فان قيل اليس ان الله تعالى قال فاوحى
في نفسه خيفة موسى قلنا ليس في الآية
ان هذه الخيفة انما حصلت لاجل هذا السبب
بل لعله عليه السلام خاف من وقوع التاخير
في ظهور حجة موسى عليه السلام على سحرهم
تفسير کبیر جلد ۲ - صفحہ ۲۸۴ - سورہ اعراف +

کی لاٹھی کی مانند پھر وحی بھیجی اللہ نے کہ ڈال دے
اپنی لاٹھی اس پر محققوں کا قول ہے کہ ایسا ہونا
ناجائز ہے اس لیے کہ ہر گاہ حضرت موسیٰ خدا
کی طرف سے پیغمبر تھے تو وہ پکے تھے اومان کو
یقین تھا کہ فرعون والے اُن پر غالب نہونگے
اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لوگ جو کچھ
مقابلہ میں لاویں گے وہ جادو اور جھوٹ ہوگا
اور اس یقین کے ساتھ اُن کو خوف ہونا ممکن
ہے اگر کہا جاوے کہ کیا خدا نے نہیں کہا کہ
موسیٰ کے جی میں ڈر ہوا تو ہم کہیں گے کہ اس
آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ڈرائے کو اس
سبب سے ہوا تھا بلکہ شاید حضرت
موسیٰ کو ساحروں کے سحر سے اُن کی
دلیل کے پیچھے پڑ جانے سے خوف
ہوا ہو +

تفسیر کبیر میں دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے کہ ابن عباس سے

جو ردایت کی گئی ہے کہ سحر فرعون نے لوگوں کی آنکھوں پر اور موسیٰ کی آنکھ پر جادو کر دیا

تھا اور خدا کے اس قول کو دلیل پکڑا ہے کہ

جب اُنھوں نے اپنی ریتیاں ولاٹھیاں

ڈالیں تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خدا

کے اس قول پر دلیل کی ہے کہ خیال کیا موسیٰ کا

اُس کی طرف اُن کے جادو سے کہ وہ چلتی ہیں سو

یہ بات ناجائز ہے اس لیے کہ یہ وقت تھا وقت

معجزہ دکھلانے کا اور دلیل قائم کرنے کا اور شبہ

دور کرنے کا پھر اگر موسیٰ ایسے ہو گئے تھے کہ موجود

خنیر میں اور خیال فاسد میں تمیز نہیں کر سکتے تھے

تو معجزہ دکھلانے پر بھی قادر نہ ہوتے اور ایسے

وقت میں مقصد خراب ہو جاتا پس اب یہاں مراد

یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ایسی چیز دیکھی کہ اگر

نہ جانتے ہوتے کہ اس چیز کی کچھ حقیقت نہیں ہے

تو اس کو خیال کرتے کہ وہ چلتی ہیں پس یہ قول میں اگلے عالموں کے اور گو تفصیل کیسی ہی ہو مگر

اُن کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ سحر فرعون کے سحر کا اثر حضرت موسیٰ پر نہیں ہوا اور نہ

انھوں نے اُن کی رسیوں اور لاٹھیوں کو چلتا جانا اور نہ اس سبب اُن کو کچھ ڈر ہوا ۛ

ہمارا بھی یہی قول وہی مذہب ہے مگر سمجھ میں اور بیان میں کسی قدر فرق ہے خود جملہ

سحر و اعیان الناس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اس سے مستثنیٰ تھے اس لیے کہ اس مقام

پر حضرت موسیٰ ایک شخص بہ مقابل سحر فرعون کے تھے اور اس لیے ہر بات میں جو اُن سے متعلق

ہو قابل ذکر خاص کے تھی مگر جب اُن کا ذکر نہیں کیا تو عام طرح پر کہنے میں وہ شامل نہیں ہو سکتے

مثلاً کَلُوا وَاُولُوا دوسلوں کا ذکر ہے ہوں اور کوئی دیکھنے والا کہے کہ کَلُوا نے ایسا دواؤں کیا کہ سب

میں پڑے۔ اس کلام کے سیاق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قابل نے جو لفظ سب کہا ہے

اُس میں کَلُوا کو بھی داخل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ سب دیکھنے والوں کا شامل کرنا مقصود تھا اس طرح

خدا کے اس کلام میں کَلُوا کی آنکھوں پر جادو کر دیا حضرت موسیٰ داخل نہیں ہو سکتے ۛ

فاما ما روي عن وهب انهم سحر و اعيان الناس

وعين موسى عليه السلام حتى تخيل ذلك

مستد لا بقوله تعالى فلما انقاس سحر و اعيان

الناس وبقوله تعالى يخيل اليه من سحرهم

انما استعي فهدا غير جائز لان ذلك الوقت

وقت اظهار المعجزة ولا دلة وازالة الشبهة

فلو صار بحيث لا يميز الموجود عن الخيال

الفاقد لم يتمكن من اظهار المعجزة فينبذ

يعندا المقصود فاذا المراد شاهد انا من

لولا علمه بانه لا حقيقة لذلك الاشئ

لظن فيها انها تسعي - تفسير كبير جلد ۴ صفحہ ۴۵

دوسری جگہ جو خدا نے فرمایا کہ یخیل لیه من سحرہم انہا تسعہ اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ کیا ہے کہ ”نودار شد پیش موئے بسبب سحر ایشاں“ ”یخیل“ کے لفظ کا ترجمہ ”نودار شد“ صریح غلط ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ ”خیال بندھا تھا طرف اُس کے جادو اُن کے سے“ یہ پورانی اُردو ہی ہے جس کا مطلب بخوبی سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ ”اُس کے خیال میں آئے ہیں اُن کے جادو سے“ ”کچھ شبہ نہیں کہ یہ ترجمہ بھی پہلے اُردو ترجمہ کا بھائی ہے اور ان تینوں ترجموں کا یہ خیال ہے کہ حضرت موئے پر سحر و فرعون کے جادو کا اثر ہوا تھا ۛ

مگر قرآن مجید کا مطلب صاف ہے کہ اگرچہ حضرت موئے کو وہ رسیاں اور لائٹیاں چلتی ہوئی نہیں معلوم ہوئیں مگر انھوں نے خیال کیا کہ اُن کے سحر کے سبب سے لوگوں کو چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ۛ

اسی خیال پر وہ ٹکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں بھی تو یہی کروں گا کہ اپنی لائٹھی کو اُردھا دکھلاؤں گا۔ پس مجھ میں اُدُن میں فرق کیا ہو گا لوگ بول اُٹھیں گے کہ دونوں برابر چھوٹے مگر اللہ نے القا کیا کہ تو بڑھ کر رہیگا تیری لائٹھی سب کو نکلنے لگیگی پس اسی تقویت پر موسیٰ نے جل ہی اپنا لٹھ ڈالا وہ اُردھا سحرہ فرعون کے سانپوں سپولیوں کو نکلتا ہوا دکھلائی دیا اور موسیٰ کی جیت ہو گئی جادوگر قدیموں پر اگرے فرعون بول اُٹھا کہ یہ بُرا جادوگر ہے پس یہ تمام واقعہ ہے حضرت موسیٰ و سحرہ فرعون کا اور اس واقعہ کو اُن اقسامِ ثلثہ سحر سے جن سے مہنے انکار کیا ہے اور جادو کو برحق نہیں مانا کچھ تعلق نہیں ہے ۛ

دوسرا قصہ قرآن مجید میں ماروت و ماروت کے سحر کا ہے۔ سورہ بقرہ میں خدا تعالیٰ بیولیں کی بداعتقادیاں اور خرابیاں بیان کرتے کرتے

فرماتا ہے کہ جب اُن کے پاس خدا کی طرف سے کوئی پیغام آیا سچ بتا تا ہوا اُس چیز کو یعنی تواریت کو جو اُن کے پاس ہے تو جن کو وہ کتاب ملی ہے اُسی کے ایک گروہ نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا کہ گویا جانتے ہی نہیں اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو شیطان یعنی

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ اٰتَوْا الْکُتُبَ کِتَابَ اللَّهِ وَاَعَادَ ظُهُورَهُمْ کَاٰنِهِمْ لَا یَعْلَمُوْنَ وَاتَّبَعُوْهُمَّا تَتْلُو الشَّیَاطِیْنَ عَلٰی مٰلِکٍ سَلِیْمًا وَّمَا کَفَرُ سَلِیْمًا وَّلٰکِنِ الشَّیَاطِیْنَ کَفَرُوْا یَعْلَمُوْنَ النَّاسُ السَّحَرٰ وَمَا اَنْزَلَ عَلَی الْمَلِٰکِیْنَ

یابا ہاروت وماروت وما یعلمان
من احد حتی یقولک انما نحن فتنتہ فلا تکفر
فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء
وزوجہ وما ہم بضارین بہ من احد الا
باذن اللہ ویتعلمون ما ینصرون وکاینفعہم
ولقد علموا ان اشتراک مالہ فی الآخرۃ
من خلاق ولینس ما شروا بہ انفسہم لو
کانوا یعلمون - سورہ بقرہ آیت ۹۵ و ۹۶ +

کافروں حضرت سلیمان کے عہد سلطنت میں
پڑھتے تھے سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر شیطان
یعنی کافروں نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر سکھاتے
اور اس گروہ نے اس چیز کی پیروی کی جس کو
وہ اپنے زعم میں سمجھتے تھے کہ وہ فرشتوں پر
جن کا نام ہاروت وماروت ہے اُتاری گئی ہے
حالانکہ وہ دونوں نہیں سکھاتے کسی کو یہاں تک
کہ کہتے ہیں کہ ہم تو فتنہ ہیں پھر ست کافر بنو پھر
سیکھتے اُن دونوں سے وہ چیز جس سے جدائی

ڈالیں جو رخصتم میں لائے وہ کسی کو اپنے جادو سے کچھ نقصان پہنچانے والے نہیں مگر خدا
کے حکم سے اور وہ لوگ سیکھتے وہ چیز جو اُن کو ضرر پہنچاتی نہ اُن کو نفع دیتی اور بیشک یہ بات
اُنہوں نے جان لی ہے کہ جو کوئی اُسکو خریدے اُس کو آخرت میں کچھ فائدہ نہیں اور بیشک
برہمہ جو انہوں نے اپنی جانوں کے بدلے چاہا اگر وہ جانتے ہوتے

ظاہر ان آیتوں میں کچھ مشکلات نہیں ہیں اور ہم نے ترجمہ میں بھی ان آیتوں کے مطلب کو
کی قدر صاف کر دیا ہے مگر مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں عجیب عجیب لغو اور بے سرو پا
قصد بیان کیے ہیں جو سب کے سب محض بے اصل ہیں۔ ہم اُن لغو اور حمل قصوں کا تو ذکر
نہیں کرتے مگر چند اقوال جو قابل لحاظ ہیں نقل کرتے ہیں :

مفسرین کو اس مقام پر یہ مشکلیں پیش آئی ہیں کہ ہاروت وماروت تو دو فرشتے تھے پھر اگر وہ
سحر سکھاتے تھے تو کافر تھے مگر فرشتے کافر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ یہ بھولیں
نے تو ہیت کو پس پشت ڈال کر اُس چیز کی پیروی کی جو ہاروت وماروت پر اتاری گئی تھی اور یہ
کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں پر سحر کی تعلیم جو کفر و باطل ہے نازل کرے ؟

ان مشکلوں کے دور کرنے کو بعض عالموں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے نہ تھے چنانچہ تفسیر کبیر
میں لکھا ہے کہ حسن ملکین لام کے زیر سے پڑھتے

تھے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور ضحاک
سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیر ہی سے

قرأ الحسن ملکین بکسر اللام وهو مروی
ایضا عن الضحاک وابن عباس ثم اختلفوا

فَقَالَ فَقَالَ الْحَسَنُ كَانَا عَلِيَّيْنِ اتْلِفِيْنِ بَابِلَ
يَعْلَمَانِ النَّاسَ السَّحْرَ وَقِيلَ كَانَا رَجُلَيْنِ
صَالِحَيْنِ مِنَ الْمُلُوكِ - تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۵۴
سورہ بقرہ ۲

پڑھتا روایت کیا گیا ہے پھر اُن میں اس بات پر
اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے حسن کا قول ہے کہ
وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے
تھے بغیر ختنہ کیے ہوئے کہ لوگوں کو جا دوسکھاتا
تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں بادشاہوں
میں سے صالح آدمی تھے ۛ

دوسری شکل کے حل کرنے کو بعض عالموں نے اس آیت میں معطوف الیہ کو اول بدل کر دیا
ہے اور کہا ہے کہ وما انزل کا عطف ہے

ملک سلیمان پر اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ
پڑھتے تھے شیطان تمت کر کر ملک سلیمان
پر اور اُس پر جو اُتار لیا تھا دو فرشتوں پر
اس بات کو ابو مسلم نے اختیار کیا ہے
اور اس بات سے کہ دو فرشتوں پر جو اُتار لیا
ہوا تھا انکار کیا ہے ۛ

ان موضعه جو عطف علی ملک سلیمان و
تقدیر ما تلو الشیاطین افتراء علی ملک سلیمان
وعلی ما انزل علی الملکین و هو اختیار ابی مسلم
رحمۃ اللہ علیہ وانکر فی الملکین ان یکون السحر
نازل علیہما - تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۵ - سورہ بقرہ ۲

پھر خلافت ابی مسلم نے اس آیت کی تفسیر
میں دوسری راہ اختیار کی ہے جو اکثراً
مفسرین کے قول کے برخلاف ہے اور
یہ کہا ہے کہ جس طرح شیاطین نے سلیمان
کی بادشاہت کی طرف جادو کو منسوب کیا تھا
حالانکہ سلیمان کی بادشاہت جادو سے پاک
تھی اسی طرح اُنہوں نے اُن دونوں
فرشتوں پر جو نازل ہوا تھا اُسکو بھی جادو
کی طرف نسبت کیا تھا حالانکہ جو کچھ اُن
فرشتوں پر اُتر تھا جادو ہونے سے پاک تھا
اس لیے کہ جو کچھ اُن پر اُتر تھا وہ شرع اور

ثم انه رحمه الله سلك في تفسيره لاية
فجاء آخر بخلاف قول اكثر المفسرين فقال
كما ان الشياطين نسبوا السحر الى ملك
سليمان مع ان ملك سليمان كان مبراء عنه
فذلك نسبوا ما انزل على الملكين الى السحر
مع ان المنزل عليهما كان مبراء عن السحر
وذلك لان المنزل عليهما كان هو الشرع
والدين والدعاء الى الخير وانما كانا يعلمان
الناس ذلك مع قولهما انما نحن فتنة فلا
تكفروا كيلا يبعثهم على القبول والتمسك
وكانت طائفة تتمسك وكانت طائفة

تتمسك واخرى تخالف وتعدل عن ذلك
ويتعلمون منهما اى من الكفر والفتنة
مقدار ما يفرقون به بين المرء وزوجه
فمن اتعير مذهب الى مسلم - تفسير كبير
جلد ۱ صفحہ ۳۵۳ سورہ بقرہ

دین اور نیک کاموں کی ہدایت کرتا تھا اور ان کا
یہ کہہ کر کہ ہم فتنے ہیں تم کافرست بنو لوگوں کو
سکھانا قبول کرنے اور ماننے پر مبعوث ہونے
کی دلیل ہے۔ ایک گروہ تھا کہ اُسکو ماننا تھا
اور دوسرا گروہ جو مخالفت کرتا تھا اور اس بات
سے ٹل جاتا تھا اور سیکھتا تھا اُن میں سے یعنی
کفر و فتنہ میں سے اس قدر جس سے جدائی ڈال دے خصم جو میں یہ بیان ہے مذہب
الہی سلم کا :

بعض عالموں نے اُور ہی معنی کہے وہ بولے کہ لفظ ما دونوں جگہ نافیہ ہے اور وما
انزل علی الملکین کا عطف ماکفر سلیمان پر
ہے گویا خدا نے یہ کہا ہے کہ نہیں کافر ہوا سلیمان
اور نہیں اُتار فرشتوں پر جادو کیونکہ ساحر
جادو کو حضرت سلیمان کی طرف لگاتے تھے و
گمان کرتے تھے کہ جادو وہ جیسے جو بابل میں
دو فرشتوں روت و ماروت پر مانتا رہے۔ پھر
اللہ تعالیٰ نے اُن کی ان دونوں باتوں کو مردود
کر دیا اور یہ جو آیت میں ہے کہ ما یعلمان من
احد یہاں بھی ما بمعنی نفی کے ہے یعنی وہ
دونوں نہیں سیکھتے تھے کسی کو بلکہ اُس کے
سیکھنے سے منع کرتے تھے نہایت درجہ کاشع
کرنا اور یہ جو خدا نے کہا کہ حتی یقولوا انما نحن
فتنة اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم
بلا اور امتحان ہیں پھر کافرست بنو یاسی بات ہے
جیسی کہ تم کہو کہ میں نے نہیں حکم دیا اُس شخص
کو ایسا کرنے کا یہاں تک کہ میں نے اُسکو کہا کہ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا یہ حال ہوگا پس اس کا یہی

ان یکون ما بمعنی اجمد ویکون معطوفا
علی قوله تعالیٰ وما کفر سلیمان کانہ قال لم
یکفر سلیمان ولم ینزل علی الملکین سحر
لان السحرة کانت تضیف السحر الی سلیمان
وتزعم انه مما انزل علی الملکین بیابل هارث
وماروت فرد الله علیهم فی القلین وقوله
ما یعلمان من احد محمد نبیاً اے لا
یعلمان احد بل ینہیان عنه اشد النہی
واما قوله تعالیٰ حتی یقولوا نانا نحن فتنة
ابتلاء وامتحان فلا تکفروا وکقولک ما
امریت فلا تابلکذا حتی قلت له ان فعلت کذا
فلک کذا اے ما امرتہ ببل حذرة عنه -
تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۵۳ *

مطلب ہے کہ میں نے اُسکو حکم نہیں دیا بلکہ منع کیا اور ڈرایا :

یہ ہیں تقریریں پچھلے عالموں کی ان آیتوں کی تفسیر میں اور ان تقریروں میں جو کچھ کہاں یا کہاں ہے وہ سوچنے والے اور غور کرنیوالے شخص پر ظاہر ہے ہمارا مقصد ان کے نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ اگلے عالموں میں بھی ماروت و ماروت کے فرشتے ہونے سے اور اس بات سے کہ خدا کی طرف اُن پر جادو کا علم نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ۔

ہماری سمجھ میں اس آیت کے معنی ایسے صاف اور آسان اور روشن ہیں کہ چٹیل میدان اور خشک پہاڑ کی گھاٹیوں میں اُونٹ لیجانے والوں کو بھی جن کے سمجھنے کو قرآن اُترا تھا کچھ شبہ نہیں تھا ماروت و ماروت قرآن مجید میں غیر منصرف آئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں لفظ عجمی ہیں دو شخصوں کے نام ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک نہایت صالح تھے اور اُن کی نیکی یا اعمال کے سبب اُس زمانہ کے لوگ بطور مدح اُن کو فرشتہ کہتے تھے جس طرح کہ زینجی کی سیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھا کہ ماہذا بشر ان هذا الاملاک کریم اُس زمانہ کے لوگ اسی طرح اُن کے معتقد ہوں گے جیسے مسلمان حضرت شیخ غوث محمد گوالیریؒ کے اعمال کے معتقد ہیں۔ بہر حال خدا نے یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ اُنہوں نے توریت کو پٹھانے کی بجائے پھینکا اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو سلیمان کے وقت میں کافر پڑھا کرتے تھے اور وہ یہی اعمال سحر وغیرہ تھے اور اُنہوں نے اُس چیز کی پیروی کی جس کو وہ اپنے زعم باطل میں سمجھتے تھے کہ بابل میں ماروت و ماروت پر جو اُن کے زعم میں مثل فرشتوں کے تھے اُتار دی گئی ہے حالانکہ یہ کام اور یہ زعم ان کا غلط تھا پس اس جگہ پر قرآن مجید میں جو لفظ ملکین اور مائلاک کا آیا ہے وہ حکایتاً اُن لوگوں کے خیال کے مطابق آیا ہے جو اُسکو ایسا سمجھ کر اُسکی پیروی کرتے تھے نہ حقیقتاً اور اس لیے سمجھنا کہ حقیقت وہ فرشتے تھے اور حقیقت کوئی چیز خدا نے اُن پر نازل کی تھی صریح غلطی ہے ۔

اب ہم اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس آیت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ماروت و ماروت لوگوں کو عموماً سحر یا جادو یا جادو کا عمل سحر لوگوں کو سکھلاتے تھے اور یہ بات ہمارے مخالف نہیں جیسا کہ کیمیا گر کیمیا کے بہت سے نسخے بتاتے ہیں مگر یہ کہ وہ سحر حق تھا یا تو ثنی الحقیقت تھا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے اور اُسکی تین دلیلیں انہی آیتوں میں موجود ہیں ۔

اول یہ کہ وہ خود ماروت ماروت سیکھنے والوں سے کہتے تھے کہ یہ نہایت خراب کام ہے تم مت سیکھو یہ بات کچھ تعجب کی نہیں اس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کوئی برا کام جانتے ہیں مگر جب کوئی ان سے سیکھنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں کہ خراب کام ہے کیوں سیکھتے ہو مگر جب سیکھنے والا اصرار کرتا ہے تو سکھا دیتے ہیں پس یہ کلام ماروت و ماروت ایک عام مجراء طبعی کے موافق تھا جس سے بے حقیقت ہونا سحر کا مترشح ہوتا ہے +

دوسرے یہ کہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کو بسبب اپنے سحر کے کچھ نقصان پہنچا نہیوالے نہ تھے اور یہ کہ ناص صریح اس بات پر ہے کہ سحر کچھ اثر نہیں تھا اور یہی سحر کے باطل ہونے کے ہیں آگے جو خدا نے فرمایا کہ لا یاذن اللہ اس کے یعنی سمجھنا کہ اُن کا سحر خدا کے حکم پر اثر کرتا تھا محض غلطی نا سمجھی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عامل یا جادوگر کسی کام کے لیے عمل یا جادو پڑھتا ہے اور وہ کام اُس کی خواہش کے مطابق ہو جاتا ہے اور شبہ پڑتا ہے کہ حمل یا جادو کے اثر سے ہوا ہے اس شبہ مٹانے کو خدا نے فرمایا لا یاذن اللہ یعنی ایسی حالت میں جو کام ہو جاتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہو جاتا ہے۔ کچھ جادو یا اُٹل کے سبب سے نہیں ہوتا +

تیسرے یہ کہ آخر میں انہی آیتوں کے خدا نے فرمایا ہے کہ جو کچھ وہ سیکھتے ہیں وہ اُن کو کچھ نفع نہیں دیتے پس اس سے زیادہ اُدھر کیا ثبوت ہو گا کہ جادو میں کچھ اثر نہیں ہے اور یہی امر جادو کا باطل ہونا ہے پس کچھ شبہ نہیں کہ قرآن کی رو سے جادو باطل ہے +

تفسیر القرآن

سورة الجن مکیة وہی ثمان وعشرون آية ورکوعا

— ۳ —

سورہ جن

کے میں اُتری اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔ اس سورۃ میں لفظ جن آیا ہے اور اسی لفظ کے سبب اس کا نام سورہ جن ہوا ہے۔ ہمارے قدیم عالموں اور مفسروں نے اپنی معمولی عادت کے مطابق اس سورۃ میں جو کچھ بیان ہوا ہے اسکو بھی ایک عجیب غریب قصہ

بنایا ہے اُن کے خیال میں آیا کہ اس مقام پر لفظ جن سے وہ مخلوق مراد ہے جسکو حوام الناس جن خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے بنی ہوئی مخلوق ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ مگر طرح طرح شکلوں میں بن جانے اور انسانوں کے سروں پر آنے اور اُن کو تکلیف دینے یا اُن کا کام خدمت کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ یہ خیال صحیح ہوا غلط مگر اس سورت میں لفظ جن سے وہ جن جو لوگوں کے خیال میں ہے ہرگز مراد نہیں ہے۔ لفظ جن لفظ اجتنان سے مشتق ہے جس کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور عربی زبان کے محاورہ میں جو چیز پوشیدہ ہو اُس پر جن کا اطلاق کر سکتے ہیں یہاں تک کہ پیٹ کے نیچے کو بھی جنیں ہی لیتے کہتے ہیں کہ وہ پیٹ کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ مگر کے کافروں کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے اسی طرح چند آدمیوں نے جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے چھپ کر جناب رسول خدا صلعم کو قرآن پڑھتے سُنا اور اُن کے دلوں پر اثر ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور سب سبیل اس کے کہ اُنھوں نے پوشیدہ ہو کر سُنا تھا اُن پر نفوس الجن کا اطلاق ہوا۔ ہمارے مفسرین نے اُن کو سچ مچ کا جن بنا دیا خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا چھپ کر قرآن سُنا اور ایمان لانا اور جو کچھ اُنھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے جا کر کہا اُن حضرت صلعم کو وحی سے بتلادیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) کہدے اے محمد کہ مجھ کو وحی سے معلوم ہوا ہے کہ چند چھپے ہوئے شخصوں نے مجھ کو قرآن پڑھتے سُنا پھر اُنھوں نے کہا کہ تم نے ایک عجب قرآن سُنا۔

۱۱، قُلْ اَوْحٰی اِلٰیَّ اِنَّہٗ اَسْتَمِعَ
نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا
قُرْاٰنًا عَجَبًا۔

(۲) جو اچھی بات بتلاتا ہے ہم تو پر اُس پر ایمان لائے اور ہرگز ہم اپنے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

۱۲، یٰہٰدِیْ اِلَی الرُّشْدِ
فَاَمَّا بَیْہٖ وَلٰكِن شُرَکَآءَ
یَدْعٰنَا اَحَدًا۔

جن لوگوں نے چھپ کر قرآن سُنا۔ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے۔ ہمارے ہاں کے قدیم عالم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک وہ چاروں مذہب والے تھے مگر اس قدر بڑھا دیا ہے کہ وہ سب جن تھے کیونکہ اُن کے نزدیک جنوں میں یہودی مذہب کے اور عیسائی مذہب کے اور آتش پرست اور بُت پرست سب طرح کے جن ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ

وذكر المحسن ان فيهم يهودا ونصارى
ومجوسا ومشركين - تفسیر کبیر
صفحہ ۳۷۱ جلد ۶

حسن نے ذکر کیا کہ اُن میں یعنی جنوں میں یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست جن تھے ہم اس قدر کہتے ہیں کہ حضرت وہ جن نہ تھے آدمی تھے۔ اُن لوگوں

میں جو لوگ عیسائی تھے اور حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ جانتے تھے انہوں نے کہا۔

(۳) اور ہمارا پروردگار بہت بڑا ہے نہ اُس نے کوئی جو روکی ہے نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے

(۳) وَ اِنَّهُ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا *

(۴) اور بے شک یہ بات تھی کہ ہمارے بے وقوف (یعنی اُن کے پیشوا) خدا پر جھوٹ بولتے تھے

(۴) وَ اِنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا *

(۵) اور بے شبہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جنات کبھی خدا پر جھوٹ بات نہ کہیں گے

(۵) وَ اَنَا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ يَقُولَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا *

جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یقین کرتے تھے کہ جنات بھی مثل انسان کے مخلوق ہے اس لیے اُنہوں نے اس مقام پر انسان اور جنات دونوں کا نام لیا پس یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اس مقام پر خدا تعالیٰ نے جن کی کچھ حقیقت بتائی ہے کیونکہ یہ اُن لوگوں کے قول کا بیان ہے جنہوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اُن لوگوں میں جو لوگ کفار عرب تھے انہوں نے کہا۔

(۶) اور یہ بات ٹھیک ہے کہ ایسے لوگ تھے جو پناہ مانگتے تھے مومنوں سے پھار کی

(۶) وَ اِنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَئُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ

فزاروہم رہقاً *

اڈھنائی زیادہ ہو گئی تھی *

عرب کے کافروں کے جو لوگ پیشوا تھے اُن کی عادت تھی کہ جب سفر میں یا شکار میں کسی میدان میں جا کر اترتے تو لوگوں کے دکھانے کو وہاں کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے اور اس سبب سے اُن کے پیرو کافروں میں ان کی توقیر اور ان کا ادب اور ڈر بڑھ جاتا تھا اور خود اُن کے پیشواؤں کے دلوں میں تکبر و غرور زیادہ سما جاتا تھا اسی بات کا ذکر اس آیت میں ہے اور اُن لوگوں میں جو لوگ یہودی تھے اور یقین کرتے تھے کہ بعد حضرت موسیٰ کے کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوگا۔ اُنہوں نے کہا۔

(۷) وَإِنَّمُ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّعْتَبِرَ اللّٰهُ اَحَدًا *
(۷) اور بے شک لوگوں نے سمجھا تھا جیسا کہ تم سمجھے ہو کہ کسی پیغمبر کو خدا نہیں بھیجے گا *

اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے چھپ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تھا جو لوگ بخومی آتش پرست تھے اور ستاروں کی گردش سے سعادت و نحست اور غیب کی باتیں سمجھتے تھے اُن لوگوں نے کہا۔

(۸) وَاِنَّا لَمُسْنَا السَّمَاءَ فَوَجدْنٰهَا مَلِيًّا حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشٰهِيًا *
(۸) اور بلاشبہ ہم نے ڈھونڈ ڈالا آسمانوں کو پھر ہم نے اُس کو سخت چوکیداروں اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے بھرا ہوا پایا *

(۹) وَاِنَّا لَنَاقِعِدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِّلْمَسْمُوعِ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْاِنْ يَجِدْ لَهُ شٰهِيًا وَّاصِدًا *
(۹) اور بے شک ہم آسمانوں کے بیٹھنے کی جگہ میں سُننے کے لیے بیٹھتے تھے پھر اَبّ جو کوئی سُننا ہے تو اپنے لیے ایک بھڑکتا ہوا آگ کا شعلہ تاک میں لگا پاتا ہے *

(۱۰) وَاِنَّا لَنَدْرِیْ اِشْرَارِیْدٍ مِّنْ فِی الْاَرْضِ اِمَّا رَادِبِیْمُ رِبِّیْمُ رَشِدًا *
(۱۰) اور ہم نہیں جانتے کہ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لیے جو زمین پر ہیں یا اُن کے پروردگار نے اُن کے لیے بھلائی کا ارادہ کیا ہے *

(۱۱) وَاِنَّا مَنَا الصّٰلِحُوْنَ وَمَنَا

(۱۱) اور بے شبہ ہم میں سے نیک بھی ہیں

اور ہم میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں ہم
مختلف راہوں پر ہیں +

(۱۲) اور بیشک ہم نے جان لیا کہ ہرگز ہم خدا کو
نہیں ہر سکتے زمین میں اور نہ اُسکو ہر سکتے
ہیں بھاگ کر +

(۱۳) اور بیشک جب ہم نے ہدایت کی
بات سنی اُس پر ایمان لائے پھر جو کوئی
اپنے خدا پر ایمان لاوے تو اُسکو کسی قسم کے
نقصان اور زیادتی کا ڈر نہیں +

(۱۴) اور بے شبہ ہم میں فرماں بردار بھی
ہیں اور منافقان بھی ہیں پھر جو کوئی
فرماں بردار ہوئے تو اُنھوں نے بھلائی
کا قصد کیا +

(۱۵) اور جو منافقان ہوئے تو وہ دوزخ کے
کنڈے ہوئے +

دُونَ ذَٰلِكَ كُنَّا طَائِفًا قَدَدًا +

(۱۲) وَاِنَّا ظَنَنَّاهُ لَنُعْجِزَ اللّٰهَ فِي
الْاَرْضِ وَلَنُعْجِزَهُ هَرَبًا +

(۱۳) وَاِنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهَدٰى
اٰمَنَّا بِهِ فَمِنْ يُّؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا
يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا +

(۱۴) وَاِنَّا لَمَّا الْمُسْلِمُوْنَ و
مِنَ الْقَاسِطُوْنَ فَمِنْ اِسْلَمَ
فَاُولٰٓئِكَ يُتَخَرَّوْا رَشَدًا +

(۱۵) وَاِنَّا لَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا
بِكَهْمٍ مُّحْطَبًا +

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اُن لوگوں کے اقوال کا بیان تھا جنہوں نے چھپ کر قرآن
سنا تھا اور اسی بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور
بُت پرست تھے کیونکہ اُن کی باتوں میں پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو جو روکی ہے
اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پر تمت لگائی تھی حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے پس جن لوگوں نے
اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بیشک وہ عیسائی تھے +

دوسری بات اُنہوں نے یہ کہی کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ
چاہتے تھے یہ طریقہ عرب کے بت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو
قرآن منکر قاطعاً بجا بلاشبہ لوگ عرب کے بت پرست کافر تھے +

تیسری بات اُنہوں نے یہ کہی کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجنے کا۔ یہ عقیدہ یوں
کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موئے کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت
مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سن کر اس عقیدہ کو غلط جانا اور اس بات پر یقین
کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخر الزمان صاحب شریعت
مبعوث ہوا ہے وہ لوگ بلاشبہ یہودی تھے +

چوتھی بات اُن لوگوں نے یہ کہی کہ ہم جو بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں میں سے غیب کی باتیں سنتے تھے
اب سننے والوں پر شہاب ثاقب بارے جاتے ہیں۔ اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات
کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا نجم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں
کے مقامات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کے بھلائی بُرائی بتلاتے تھے پس جن
لوگوں نے قرآن مجید سن کر اس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اس پر ایمان لائے کہ نجومی بھوٹے ہیں
اور غیب کی بات کوئی نہیں جان سکتا اور خدا کو نہ کوئی ہر اسکتا ہے اور نہ اُس کو جیت سکتا
ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنی آتش پرست +

اب اس مقام پر ایک اور بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے۔ ہمارے قدیم عالموں نے
ان پھلی آیتوں کو بھی بطور ایک عجیب قصہ کے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلعم
کے مبعوث ہونے سے پہلے جن اور شیطان آسمان دنیا تک جاتے تھے اور چپکے سے کان لگا کر
ملاءِ اعلیٰ میں جو باتیں فرشتے کرتے تھے چوری سے سن لیتے تھے اور اس چوری سے وہ جان
جاتے تھے کہ دنیا میں کیا ہونیوالا ہے اور کائناتوں اور جادوگروں اور نجومیوں وغیرہ کو جان کی
پوجا کرتے تھے غیب کی خبر دیتے تھے۔ جب آں حضرت صلعم مبعوث ہوئے تو شیطانوں اور
جنوں کا اوپر جانا اور چوری سے ملاءِ اعلیٰ کی باتیں سننا بند ہو گیا اور آسمان میں نسبت سابق
کے چوکی پر زیادہ بڑھ گیا ہے۔ جگہ جگہ چوکیدار بیٹھ گئے اور آگ کے شعلے بھی بڑھا دیئے
یہاں تک کہ کوئی جگہ خالی نہیں رہی اب جو شیطان یا جن آسمان پر باتیں سننے جانا چاہتا ہے
اُس پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے اور رات کو جو ہم ستارے ٹوٹے دیکھتے ہیں یہ وہی شعلے
آتشیں ہیں جو شیطانوں اور جنوں کو مارے جاتے ہیں +

مگر یہ سب باتیں غلط اور لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ مذہبِ سلام اور خدائے پاک کا کلام ان
دُوراز کا قصوں سے پاک ہے اس مقام پر ان نجومیوں کا قول جو قرآن سن کر ایمان لائے تھے

نہایت خوبی اور فصاحت و بلاغت سے استعارے میں بیان کیا گیا ہے نجومی کہتے ہیں کہ ہم نے آسمان کو بہت ڈھونڈا یعنی اُس کے ستاروں کی گردش اور اُن کی سعادت و محنت پر غور و فکر کی مگر اُسکو چوکیداروں اور آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا یعنی کوئی ملہ ایسی نہیں پائی جس سے حقیقت غیب کی بات دریافت کر سکیں اور جو کچھ بھلائی یا بُرائی انسان کے لیے ہونے والی ہے اُسکو اول بدل کر دیں +

لفظ لمس جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس کے معنی چھونے کے ہیں مگر اُس سے ڈھونڈنے کا مطلب لیا جاتا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا

اللمس لمس فاستعير للطلب ان اللمس طالب متعرف يقال لمسہ والتمسہ

مراد لی گئی ہے ڈھونڈنا تلاش کرنا کیونکہ چھو بولا بھی تلاش کرنا ہوتا ہے اور دریافت کرنا ہوتا ہے عربی زبان میں چھو لیا بمعنی ڈھونڈ لیا بولا جاتا ہے۔ جناب مولوی عبدالقادر صاحب نے اس کی ٹیٹو تائید نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے کیونکہ اردو زبان میں ٹٹولنا چھو کر دریافت کرنے اور صرف کسی بات کے دریافت کرنے دونوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ لمس عربی محاورہ میں دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ہم نے بنظر مزید توضیح ڈھونڈنا ترجمہ اختیار کیا ہے پس جن لوگوں نے کہ لفظ لمس پر خیال کر کر یہ قصہ بنا لیا ہے کہ جن شیطان آسمان تک جاتے تھے اُنہوں نے محض غلطی کی ہے +

اب وہی نجومی کہتے ہیں کہ ہم بہت بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں کی باتیں سُنا کرتے تھے یعنی اُس کے ستاروں کی گردش سے غیب کی باتیں سمجھا کرتے تھے مگر اب اس قرآن کو سُنے اور ایمان لانے کے بعد ہم کو یہ یقین ہوا ہے کہ جو کوئی نجوم سے غیب کی بات دریافت کرتا ہے تو اُس کے لیے بجز آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے کے اور کچھ نہیں ہے یعنی کوئی چیز غیب کی دریافت نہیں کر سکتا اور کوئی نہیں طعن کر سکتا کہ خدا کا کیا ارادہ ہے بھلائی کا یا بُرائی کا۔ اس بیان سے صرف اس قدر مطلب ہے کہ علم نجوم کے ذریعہ سے غیب کی بات دریافت کرنے کا وہ حقیقت رستہ بند ہے کی طرح خدا کی بات دریافت نہیں ہو سکتی۔ خدا سے نہ کوئی جیت سکتا ہے نہ اُسکی مشیت سے بھاگ سکتا ہے۔ پس ان باتوں کو ہم نے قرآن سے سُنا کر اُس پر ایمان لے آئے قرآن مجید کا صاف صاف یہ مطلب ہے جس کو لوگوں نے عوام الناس کے سامنے عجیب عجیب باتیں کہنے کے لیے ایک

ایسا قصہ بنایا ہے جس پر کوئی ذی عقل یقین نہیں کر سکتا مگر غور کرنے سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ صرف ایک ساختہ قصہ ہے قرآن مجید کا یہ مطلب نہیں ہے۔ مفسرین کی گھڑت ہے کہ ایک لفظ کی مناسبت سے اُس کے تمام لوازمات کو اکٹھا کر کر ایک خیالی قصہ بنا لیتے ہیں +
اب خدا تعالیٰ نے اس قصہ کو بیان فرما کر تمام لوگوں کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی اور اس حضرت صلعم کو لوگوں میں وعظ فرمانے کی طرف توجہ کیا اور اس حضرت کو فرمایا کہ۔

(۱۶) اے محمد تو لوگوں سے کہدے کہ مجھ پر توحی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم اُن کو پیٹ بھر کر پانی پلاتے +
(۱۷) تاکہ اُس میں اُن کو آزمائے اور جو ننھڑے اپنے پروردگار کی یاد سے ڈالے گا اُسکو ٹھننے والے عذاب ہیں +

(۱۸) اور مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پھر اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو +

(۱۹) اور جب خدا کا بندہ کھڑا ہوا کہ پکارتے اپنے اللہ کو تو اُس پر غول پر غول چڑھنے کو ہونٹے +

(۲۰) کہدے کہ میں تو اپنے ہی پروردگار کو پکارتا ہوں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا +

(۲۱) کہدے کہ میرے اختیار میں تمہارے لیے نہ بُرا کرنا ہے اور نہ بھلا کرنا +

(۲۲) کہدے کہ بے شک خدا سے مجھے کوئی نہ بچا دے گا اور نہ میں اُنکے سوا کوئی

(۱۶) وان لو استقاموا على

الطريقة لا سقينهم ماء غدقا +

(۱۷) لنقتلهم فيه ومن يعرض

عن ذكر ربّه يسلكه عذاباً صعباً +

(۱۸) وان المسجد لله فلا تدعوا

مع الله احداً +

(۱۹) وانه لما قام عبد الله يدعوه

كادوا يكونون عليه لبداً +

(۲۰) قل انما ادعوا ربّي ولا

اشرك به احداً +

(۲۱) قل اني لا املك لكم ضرا

ولا رشداً +

(۲۲) قل اني لن ينجيني

من الله احد ولن اجد من

دو ذہ ملتحداً +

(۲۳) اَلَا بَلِّغَا مِنْ اِلٰهٍ وَرِسَالَتِهِ
مَنْ يَعْصِ اَمْرًا مِنْ رِسَالَتِهِ فَاِنَّ لَهُ نَارَ
جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا +

(۲۴) حَتّٰى اِذَا رَاوْا مَا يُوعَدُوْنَ
فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ
نَاصِرًا وَاقِلْ عَدُوًّا +

(۲۵) قُلْ اِنْ اَدْرٰى اَقْرَبُ مَا تُوعَدُوْنَ
اَمْ يَجْعَلُ لَّهٗ رَبِّىْ اَمْدًا +

(۲۶) عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهَرُ
عَلٰى غَيْبِهِ اَحَدًا +

(۲۷) اَلَا مَنْ اَرْضٰى مِنْ رِسُوْلِ
فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَاَوْ
مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا +

(۲۸) لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغَا
رِسَالَتِ رَبِّهٖمْ وَاَحَاطَ بِالْمَلٰٓئِمِ
وَاحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا +

جگہ پناہ کی پاؤں گا +

(۲۳) سوائے پہنچانے خدا کے حکموں اور
اُس کے پیغاموں کے اور جس نے خدا کی
اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو اُن کے
لیے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اُس میں
رہیں گے +

(۲۴) یہاں تک کہ جب دیکھیں گے کہ وہی ہوا
جو اُن سے کہا گیا تھا تب جانیں گے کہ کس
کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی مدد میں بھی کچھ
نہیں +

(۲۵) کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ جو وعدے
تم سے کیے گئے ہیں کیا وہ قریب ہونے والے
ہیں یا میرا پروردگار اُن کو کر دے گا
دُور دراز +

(۲۶) وہ غیب کی بات جانتا ہے پھر اپنی
غیب کی بات کسی کو نہیں بتلاتا +

(۲۷) سوائے اُس کے جس کو پیغمبر کرنا پسند
کرتا ہے پھر وہی رکھتا ہے اُس کے آگے
اور اُس کے پیچھے نگہبانی +

(۲۸) تاکہ جان لے کہ بیشک انہوں نے اپنے
پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے اور گھیر لیا
ہے اُس چیز کو جو اُن کے پاس ہے اور گن لیا
ہے ہر چیز کو ایک ایک کر کے +

سورة الفیل مکیہ وہی خمس آیات

سورہ فیل

مکہ میں اُتری اس میں پانچ آیتیں ہیں۔ اس سورۃ میں لفظ فیل آیا ہے اور اس سبب سے اس کا نام سورہ فیل ہوا ہے یعنی وہ سورۃ جس میں ہاتی کا نام ہے یا ہاتی والوں کا قصہ ہے +

ابرهہ الاشرم میں کا بادشاہ جو عیسائی مذہب کھتا تھا اُس نے کعبہ کے ڈھانے کے ارادہ سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اور اُس کے لشکر کو برباد کر دیا وہی قصہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے +

مفسرین کی عادت ہے کہ اصل بات کو بڑھا کر کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس پہلی واقعہ کو بھی کہانی کی صورت پر بنالیا ہے اور اپنی تفسیروں میں اس طرح لکھا ہے کہ جب ابرہہ کا لشکر ہاتھوں سمیت کعبہ کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کے پرند جانوروں کو حکم دیا کہ سو یا چنے کے دانہ کے برابر ایک کنکری چونچ میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لیکر جاؤ اور ابرہہ کے لشکر پر چھوڑ دو۔ اُن پرندوں نے ایسا ہی کیا اور کنکری جس کے سر پر بڑی باز کل گئی سارا لشکر برباد ہو گیا اور اس قصہ کے لیے کچھ بے اصل روایتیں بھی گھڑ لی ہیں اور فطری مناسبت سے تمام اُس کے لوازمات از خود خیال کر لیے ہیں۔ قرآن مجید میں اس طرح پر یہ قصہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ابرہہ کے لشکر پر ایک آفت پڑی اور وہ برباد ہو گیا۔ اُس آیت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر قرآن مجید کی سیاق عبارت سے اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت وبا کی چھپک کی بیماری تھی جو ابرہہ کے لشکر میں دفعتاً زمانہ محاصرہ مکہ میں پھیلی اور بہت سے آدمی اور جانور چھپک سے مر گئے اور سارا لشکر تباہ ہو گیا اسی واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ | (۱) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے

باصحاب الفیل +

باتی والوں کے ساتھ کیا گیا +

(۲) الم یجعل کید ہم فی تضلیل +

(۲) کیا ان کے فند کو بیکار نہیں کیا +

(۳) وارسل علیہم طیراً ابابیل +

(۳) اور بھیجے ان پر دبالوں کے غول +

(۴) ترمیم حجارۃ من سحیل +

(۴) جو ان پر پتھر (یعنی آفت) ڈالتے تھے جو ان کے لیے لکھے ہوئے تھے +

(۵) فجعلہم کعصف ما کول +

(۵) پھر کر دیا ان کو جیسے کڑکھائی کھیتی +

اس سورۃ میں چند لفظ ایسے ہیں جن کے سبب سے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے اور اصلی بات کو چھوڑ کر قصہ بنالیا ہے اس لیے ان لفظوں کی تحقیق ضرور ہے +

طیراً کا لفظ جو اس میں ہے وہ لفظ طایر کی جمع ہے مگر مفرد پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسکے صراح میں لکھا ہے وقد یقع الطیر علی الواحد جیسا کہ قرآن میں بھی اتدعائے نے دیا ہے فیکون طیراً باذن اللہ پس طیراً اور طایر دونوں کے ایک معنی ہیں +

ان دونوں لفظوں کے نویں معنی پرند جانور کے ہیں مگر شومی اور وبال اور بدغالی اور بدشگون پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عرب والے پرند جانوروں کے اڑنے سے شگن و بدشگن لیا کرتے تھے اس لیے جب کسی پر آفت آتی تھی تو کہتے تھے کہ چری لفلان الطایر بکذا۔ یعنی اس کی چڑیا اسی طرح پر اڑی ہے پس اس سبب سے طایر کا لفظ بھی وبال اور شامت پر اطلاق ہونے لگا +

لغات قرآن میں اس آیت کی تفسیر کہ طایر کہ معکم لکھی ہے کہ ای شو معکم من عند انفسکم یعنی تمہاری چڑیا تمہارے ساتھ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا وبال تمہاری ہی ذات سے ہے اور تفسیر ابن عباس میں بھی طایر کہ کے معنی مصائب کہ کے لکھے ہیں یعنی تمہاری چڑیا سے تمہاری مصیبتیں مراد ہیں +

طایر کا لفظ بھی ان ہی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ منہ قولہم لا طیر الا طیر اللہ پس اس مقام پر اس سورۃ میں طایر کے لفظ سے وبال مراد مصیبت مراد ہے جو ہر جہ کے لشکر پر پڑی مگر جو کہ اس لفظ کے معنی پرند جانور کے بھی ہیں اس لیے لوگوں نے

اُس کے لیے ایک کہانی بنائی ہے ۔

ابابیل سے وہ پرند جانور مراد نہیں ہے جو گھروں کی چھت میں یا پُرانے مکانوں میں پرپل کا گھونسل بنا کر رہتے ہیں اور شام کو مغرب کے وقت اُڑتے ہیں بلکہ اس لفظ کے معنی نثر کے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فوج فوج اس کا ترجمہ کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے جماعت جماعت اور شاہ عبدالقادر صاحب نے تنگ تنگ ۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے ابابیل کثیرۃ متفرقة یتبع بعضها بعضاً یعنی ابابیل کہتے ہیں بہت سی متفرق چیز کو جو ایک دوسرے کے پیچھے ہوا اور اسی سبب سے ہم نے ابابیل کا ترجمہ غول کیا ہے ۔

حجّارہ - ایک یہ لفظ ہے جس کے سبب سے لوگوں نے یہ قصہ گھڑ لیا ہے یہ جمع ہے حجّ کی اور لغوی معنی اس کے پتھر کے ہیں اور لفظ ترمیم جو اُس کے ساتھ ہے تو اُس سے اُرد بھی لوگوں کو یہ خیال جم گیا کہ وہ پرند جانور پتھر مارتے تھے ۔ مگر بات یوں نہیں ہے اصل یہ ہے کہ پتھر مارنے سے مراد مصیبت ڈالنا ہے اُرد و محاورہ میں بولتے ہیں کہ پتھر پڑے ہیں یعنی آفت پڑی ہے ۔ عرب میں بھی یہ محاورہ ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے رومی بحارۃ الارض لے بد اھیۃ یعنی زمین کے پتھر ڈالے گئے یعنی مصیبت میں مبتلا ہوا ۔

وفی حدیث الاحنف قال علی حین ندب معاویہ عمراً للحکوۃ القدر میت بحجر الارض ای بد اھۃ عظیمۃ تثبت ثبوت الحج فی الارض نہایہ ابن اثیر و مجمع بحار الانوار ۔

یعنی نہایہ ابن اثیر اور مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے عمر بن العاص کو عامل کرنے کے لیے بلایا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اُس پر زمین کے پتھر مارے گئے یعنی اُٹل مصیبت پڑی جیسکے پتھر زمین سے اُٹل جاتا ہے ۔

لفظ سجیل - جبکہ تفسیرین نے لفظ حجّارہ سے اُس کے لغوی معنی پتھر کے لیے تو لفظ سجیل کے بھی اُنصوں نے پتھر کے معنی لیے یعنی مٹی کے پتھر اور اس لیے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ کھنکر کر دیا ہے یعنی وہ اینٹیں جو تپاؤ میں گل جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملکر ڈھم ہو کر بہت سخت ہو جاتی ہیں ۔

مگر سجیل معنی جل بھی آیا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے ۔ قوله تعالیٰ من یجیل لے من

سجل ایصا کتب لهم انهم یعدون بها قال اللہ تعالیٰ ما ادراک ما سبحین کتاب
مرقوم والسجیل بمعنی السبحین قال الانہری ہذا احسن مما مر فیہا عندی یعنی
من سجد کے معنی ہیں سجد کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لیے لکھا
تھا کہ عذاب دیئے جاویں گے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اسے محمد کہ کیا ہے
سبحین وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجد کے بھی وہی معنی ہیں جو سبحین کے ہیں اور انہری کا
قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجد کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گزرتے
ہیں اب معنی بالکل صاف ہو گئے اور اسی لیے ہم نے سجد کا ترجمہ جو اُن کے لیے لکھے ہوئے
تھے ”کیا ہے“

لفظ عصف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا فندی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا ٹیسے
کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہو گیا ہو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں
دونوں کا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ولا احتمال الثانی علی ہذا الوجه ان یکون التشبیہ
واقعا بورق النہاع اذا وقع فیہ الا کال وھوان یا کالہ الدود یعنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے
کہ تشبیہ ہے کھیتی کے پتوں سے جس میں کٹا لگ گیا ہو اور اُس کو کٹیروں نے کھا لیا ہو اور
اسی سبب سے میں نے کعصف ماکول کا ترجمہ کیا ہے ”جیسی کڑکھائی کھیتی“
قاموس اور صراح میں لکھا ہے کعصف ماکول اسے کزراع قد اکل حبہ وبقی
تبہ

یعنی قاموس و صراح میں لکھا ہے کہ عصف ماکول کے معنی ایسی کھیتی کے ہیں جس کے
دائے کھا لیجے ہیں اور ڈنٹھل باقی رہ گئے ہوں

بیان القصہ

عرب کی فکی رعایتوں میں یہ قصہ تو اتر کر پہنچ گیا ہے اور جس زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اُس زمانہ کے
عرب میں ایک نئے سنہ کا شمار کیا جاتا ہے جس کو عام الفیل کہتے ہیں اور اس واقعہ کے بعد اسی سال
میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اور قصہ یہ ہے کہ ابراہیم لا شرم
ابی مسکوم عیسائی مذہب اور یمن کا حاکم تھا اُس نے جرجنتیہ استغف کی تحریک سے جبکہ
اسکندریہ کے بطریق نے بھیجا تھا صمد یمن میں ایک کلیسیا بنوایا اور چاکر اہل عرب تک کا حج

چھوڑ دیں اور اس کلیسیا کا حج کیا کریں مگر والوں نے نہ مانا تب ابرہہ نے شہر میں مکہ پر اس ارادہ سے چڑھائی کی کہ کعبہ کو مسمار کر دے اور ابرہہ کے ساتھ کعبہ کے مسمار کرنے کے لیے جاتی بھی تھے اس سبب سے وہ لوگ صحابہ الغیل کہلائے گئے اور وہ برس برس میں یہ چڑھائی ہوئی عام الغیل کے نام سے مشہور ہوا جبکہ انہوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا ان میں ایک سخت وبا چھپک کی پھیلی اور ابرہہ اور اُس کا تمام لشکر اس وبا سے ہلاک اور برباد ہو گیا اور محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور چونکہ ایسے وقت میں اس وبا کا واقع ہونا مکہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اسی کا ذکر خدا تعالیٰ نے اس سورہ میں فرمایا ہے :

تحقیق القصہ

اب یہ کو یہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرہہ لا شرم نے کیا تو درحقیقت اُس کے لشکر میں چھپک کی وبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی ہے اور یہ بھی بیان کرنا ہے کہ اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے یہی اُسی آیت کا ذکر کیا ہے نہ آؤ کسی قصہ کا۔ پس اب ہم اول امر کو مفصلہ ذیل دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں :

اول سیرت ہشامی میں لکھا ہے واصیب ابرہہ فی حبسہ وخرجوا بہ معہ یسقط انملة انملة کما سقطت منه انملة اتبعها منه مدة تمت قیحا ودماحتی فدمر ابرہہ صنعاء وھوشل یعنی ابرہہ کے بدن میں بیماری ہو گئی اُسکی انگلیاں گرنے لگیں اُن میں سے پیپ اور خون بہتا تھا یہاں تک کہ جب صنعاء میں آیا تو لہجہ اس کیفیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چھپک کی بیماری میں ابرہہ بھی مبتلا ہوا تھا :

دوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے۔ قال ابن اسحاق وحدثنی عبد اللہ بن ابی بکر عن عمرہ بنت عبد الرحمن بن اسعد بن زرارہ عن عائشة قالت ما یت قایدا لقیل وسایسہ بمکہ اعمیین مقعدین یستطمان یعنی حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہیں نے کہا دیکھا ابرہہ کے فیلیان اور چمکے کو مکہ میں کہ وہ اندھے ہو گئے تھے۔ اس روایت میں بھی جو کیفیت مندرج ہے اُس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ چھپک کی بیماری سے وہ اندھے ہو گئے تھے :

سوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے قال ابن اسحاق وحدثنی یعقوب بن عیینہ انه

حدث ان اول ما رويت المحصنة والجدرى بارض العرب ذلك العام يعني سیرت
ہشامی میں لکھا ہے کہ ابن سحاق نے کہا کہ یعقوب ابن عیینہ نے یہ بات کہی کہ ملک عرب میں
اسی برس پہلے پہل چھپک کی بیماری نمودار ہوئی +

چھارم۔ واقعہ میں لکھا ہے فكان ذلك اول ما كان الجدرى والمحصنة یعنی
یہی وقت تھا کہ پہلے پہل چھپک کی بیماری ہوئی +

پنجم۔ ثعلبی نے کتاب العرائس کے باب قصۃ اصحاب الفیل میں لکھا ہے : وولی ابرہہ
ومن معه هاربا فجعل ابرهته يسقط عضواً عضواً حتى مات + + + وهو اذل
وقت رثی الجدری والمحصنة یعنی بھاگ گیا ابرہہ اور جو لوگ کہ اُس کے ساتھ تھے اور
ابرہہ کے اعضا گل گل کرتے تھے یہاں تک کہ مر گیا + + + اور یہ پہلا وقت ہے جو چھپک
کی بیماری نمودار ہوئی +

ششم۔ تفسیر صافی میں ہے فجعلت ترمیم بها حتی جدرت اجسامهم
فقتلهم بها وما كان قیل ذاك راى شي من الجدرى یعنی پتھر مارتے تھے یہاں تک کہ
اُن کے بدنوں میں چھپک نکل آئی اُسی نے اُن کو مار ڈالا اور اس سے پہلے چھپک کی بیماری نمودار
نہیں ہوئی تھی +

ہفتم۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے فما لقي احد منهم الا اخذته الحكة وكان
لا يحك الا انسان منهم جلده لا تضاف لحمه یعنی اُن میں سے جسکو پتھر لگا اُس کے
بدن میں کھلی پیدا ہوئی اور اُن میں سے جو شخص کھجلا تا تھا اُس کا گوشت پڑتا تھا۔ یہ حالت خاص
چھپک کی بیماری کی ہے +

ہشتم۔ کشاف میں ہے عن عكرمة من اصابه جدته وهو اذل جدرى
ظہر یعنی عکرمہ کا قول ہے کہ وہ پتھر جس کو لگا اُسکو چھپک نکل آئی اور وہی زمانہ تھا جس میں
پہلے پہل چھپک نکلی +

نہم۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے روي عكرمة عن ابن عباس قال لما رسل الله
الحجرات على اصحاب الفيل لم يرق حجر على احد منهم الا نفض جلده واثار به الجدرى
وهو قول سعيد ابن جبیر یعنی تفسیر کبیر میں لکھا کہ عکرمہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا کہ جب
اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل پر پتھر ڈالے تو جس شخص پر پتھر پڑا اُسکی جلد بچھڑا اُٹھی اور چھپک

زرد ہو گیا اور یہ قول سعید ابن جبیر کا ہے :

دھم۔ لکین کی تانچ رومیہ (باب ۵۰) کے حاشیہ پر ولیم اسمتھ نے اور ترجمہ انگریزی قرآن کے سورۃ اہقیل کے حاشیہ پر راول نے رلیسک کی کتاب معالجات عرب اور ہرگیل لسان کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ عرب میں اول مرتبہ چھپک کا مرض ابرصہ کی چڑھائی کے وقت نمودار ہوا تھا :

یہ روایتیں بالکل یقین دلاتی ہیں کہ ابرصہ کے لشکر پر جو آفت پڑی وہ بلاشک چھپک کی وبا تھی :

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اسی واقع کے ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے :

اول۔ بڑی عمدہ تشبیہ جو قرآن مجید میں ابرصہ کے لشکر کی عصف ماکول سے دی گئی ہے وہ بالکل مرض چھپک کی پوری تشبیہ ہے کیونکہ چھپک کی بیماری میں ہی انسان کا بدن کھیرے کھائی ہوئی چنیر کے بالکل مشابہ ہو جاتا ہے :

دوم۔ حجر کا لفظ بھی اس مرض کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لیے کہ حجر و حصبہ کے ایک معنی ہیں اور حصبہ چھپک کے مرض کو کہتے ہیں :

سوم۔ سبیل سے بھی اگر وہی مراد لی جاوے جو مفسرین نے لی ہے یعنی دفن کی آگ میں پکی ہوئی کنکریاں تو وہ بھی چھپک کے دانوں کے نہایت مناسب ہے :

چہارم۔ ابابیل کا لفظ بھی اس مرض کی حالت سے نہایت مناسبت رکھتا ہے اس لیے کہ ابابیل ایسی کثرت کو کہتے ہیں جو گرہ گرہ میں پے درپے ہو۔ مرض چھپک کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ ایک غول آج اس مرض میں مبتلا ہوا دوسرا غول کل اور علے ہذا القیاس :

پس قرآن مجید میں جس آفت کا ابرصہ پر نازل ہونا مذکور ہوا ہے اگرچہ اس کا نام نہیں لیا گیا مگر اس کے الفاظ اور اس کی تشبیہیں مرض چھپک سے ایسی مناسب ہیں کہ اس سے صاف مرض چھپک کی وبا کا ابرصہ کے لشکر میں واقع ہونا پایا جاتا ہے :

جواب اعتراض ملاحظہ

اب اس مقام پر کوئی مجدد یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر یہ واقعہ وقوع میں آیا تو اس سے کعبہ کی

کچھ بزرگی اور کرامات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا اور ایسے واقعے دنیا میں بہت ہوا کرتے ہیں چنانچہ ہیدروڈ وٹس کی تاریخ سے جو چار سو برس پیشتر حضرت مسیح کے تھا ثابت ہوتا ہے کہ ڈلفی کے مندر پر جو یونان میں تھا ایک دفو ایرانیوں نے پانچ سو برس قبل مسیح کے چڑھائی کی جب اُس کے قریب پہنچے تو آسمان پر سے بجلی گری اور مندر کے بعض مکانات گرے اور ایرانی اُس میں دب کر مر گئے اور باقی خوف سے بھاگ گئے اور پھر تین سو برس پیشتر گال والوں نے اُس پر چڑھائی کی اور اسی طرح ایک عجیب واقعہ سے جس کا ذکر پاسانیاس نے لکھا ہے گال والے پس پا ہو گئے پس اس واقعہ کے ہونے سے کعبہ کی کیا کرامات ثابت ہوتی ہے ؟

مگر ایسا اعتراض کرنا اعتراض کرنے والوں کی غلطی ہے کعبہ کی بزرگی کسی کرامت کے ظاہر ہونے سے نہیں ہے بلکہ اُس کی بزرگی صرف اس وجہ سے ہے کہ خاص خدا کا نام پکارنے کو ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے بنایا گیا تھا ؟

اس سورت میں بھی خدا تعالیٰ نے یہ واقعہ کچھ کعبہ کی کرامات ثابت کرنے کو نہیں بیان کیا بلکہ اپنی قدرت کاملہ کی ایک شان بیان کی ہے۔ تمام قدتیں خدا تعالیٰ کے قوانین قدرت کے طور پر ظہور میں آتی ہیں انسان کا پیدا کرنا درختوں کا پیدا کرنا۔ پھول پھل کا پیدا کرنا سب قوانین قدرت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اُن سب میں اظہار قدرت اور شان خدا تعالیٰ کی ہوتی ہے اسی طرح اس واقع میں بھی جو قوانین قدرت کے مطابق واقع ہوا خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت پائی جاتی ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے انسان کی نصیحت کو اس سورت میں فرمایا ہے ہاں البتہ اس بیان سے کعبہ معظّم کی یہ عزّت ثابت ہوتی ہے کہ جس واقعہ سے کعبہ محفوظ رہا خدا نے بطور اظہار اپنی شان و قدرت کے اُس کا ذکر کیا مگر ڈلفی کے مندر کا کبھی نام بھی نہیں لیا ؟

کافر

اگلے زمانہ میں بھی گزرے ہیں

ان دنوں میں جناب مولوی محمد سیح الدین خاں بہادر رئیس کا کوری علاقہ لکھنؤ کے

کتب خانہ سے ایک تفسیر سہمی: ”گشت الاسرار“ ہمارے ہاتھ آئی ہے۔ اُس کتاب کا اور اُس کے مصنف کا حال ہم پھر کبھی لکھینگے اسوقت اُس نے جو تفسیر اُن آیتوں کی لکھی ہے جن کی تفسیر میں ہمارے زمانہ کے احباب بہکو کافر بتاتے ہیں عینہ اس مقام پر لکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اگلے زمانہ کے مفسر بھی کافر تھے +

اس تفسیر کے مصنف کا ہم ابھی نام نہیں بتاتے جب خوب اُس کی تحفہ کے فتوے ہوئیے تب نام بتا دینگے +

سورۃ النساء

اس مفسر نے حضرت عیسیٰ کی نسبت تین باتیں قریب قریب اُسی کے بیان کی ہیں جو ہم کہتے ہیں +

اوّلیٰ یہ کہ خدا نے کسی دوسرے شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کے مشابہ نہیں بدل دی تھی بلکہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ رؤسا یہود نے ایک شخص غیر کو دیدہ و دانستہ کہ یہ حضرت عیسیٰ نہیں ہے مار ڈالا اور صلیب پر لٹکادیا اور عوام سے یہ کہہ کر دکھا دیا کہ وہ عیسیٰ ہے جس کو ہم نے مار ڈالا ہے +

دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں چلے گئے اور جب ان دونوں باتوں کو پایا جاوے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مثل اُور انبیاء کے اسی دنیا میں اپنی موت سے مے +

تیسرے یہ کہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ معراج بالجسد نہیں ہوئی تھی بلکہ بالروح خواب میں ہوئی تھی +

فما قولکم یا ایہا الکفرین المسلمین فی حق مثل هذه المفسرین المومنین +

عبارت تفسیر مذکور یہ ہے :-

اور اُن کا یہ کہنا کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے خدا کے رسول کو مارا یعنی اُن کا یہ کہنا اور ایسا اُن کا دعویٰ کرنا اُن میں مشہور تھا حالانکہ انہوں نے

”وقولہم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللہ“ ای المشہور بہذہ الدعوی عندہم

نے حضرت عیسیٰ کو مارا نہ اُنہوں نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا مگر لوگوں کے لئے

”وما قتلواہ وما صلبواہ ولكن شبهہم“
 اہم هذه العبارة واعرف الفرق بينها
 وبين قوله لو قال ولكن شبه الله لهم او
 اشتبه عليهم فانه لو قال شبه الله تدل
 على صراحتهم او شبه لهم بعيسى واحدا
 ليرضيم بقتل واحد وان لم يكن عيسى
 ولقد كان تعالى قادرا على اكرام عيسى
 عليه السلام وان ينجيہ منهم بغیر
 ذلك ولو قال اشتبه دل على انهم اشتبه
 عليهم کلام مثلا ومتى اشتبه الشئ فيجوز
 ان يكون هو المشار اليه في نفس الامر
 وقد اشتبه كما يجوز ان يكون غيره
 وقد اشتبه ايضا وقد نسب الضمير
 الى عيسى اعني اشار اليه فلزم ان يقول
 شيئا من ذلك فقوله شبه بهذه العبارة
 وما بعد هایدل على ما نقله الجبائي انه
 لما رفع عيسى عليه السلام مخاف روءاء
 اليهود من اتباع اليهود لعيسى وميلهم
 الي من مال معه منهم فعمدوا الى رجل
 فقتلوه وصلبوه على مكان عال بعد
 قتله ولم يمكنوا احدا من الدنومنه
 فتغيرت وتكررت صورته وقالوا قتلنا
 عيسى وموهوا على بقية قومهم فاختلوا
 ”وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه“
 وذلك انه من حين رفع ”مالهم به من

ان کی صورت بنا دی پس اس عبارت کو سمجھنا
 چاہیے اور جس طرح خدا نے کہا ہے اُس میں اور
 اس طرح کے کہنے میں کہ اللہ نے اُن کے لئے
 عیسیٰ کی سی صورت بنا دی یا مشابہ کر دیا اللہ
 نے اُن کے لئے فوق کرنا چاہیے کیونکہ اگر یہ
 کہتے کہ اللہ نے اُن کے لئے عیسیٰ کی سی
 صورت بنا دی تو اس سے تو یہودیوں کی بھگتی
 ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خاطر
 سے ایک شخص کی حضرت عیسیٰ کی سی صورت
 بنا دی تاکہ یہودیوں کو اُس ایک کے مار ڈالنے
 سے رضاء مند کر دے گو کہ وہ عیسیٰ نہو حالانکہ
 اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی قائم
 رکھنے پر قادر تھا اور حضرت عیسیٰ کو اس طرح پر
 صورت بدل دینے کے سوا اور طرح پر بھی بچا
 سکتا تھا اور اگر یہ کہتا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے
 مشابہ کر دیا تو ثابت ہوتا کہ کل یہودیوں کے
 لئے مشابہ کر دیا تھا اور جو چیز کہ اس طرح مشابہ
 ہو جاوے تو یہ کہنا کہ وہ چیز نفس الامر میں ہی
 ہے جائز ہوگا کیونکہ مشابہ ہو گئی ہے جس طرح
 کہ جائز ہے کہ وہ اور ہو اور مشابہ ہو گئی ہو اور
 اس کلام میں عیسیٰ ہی کی طرف نسبت ہے یعنی
 انہیں کی طرف اشارہ ہے تو لازم آیا کہ انہوں
 طرح نہ کہتا کہ عیسیٰ کی سی صورت بنا دی تھی یا
 مشابہ کر دیا تھا اللہ نے اُن کے لئے پس خدا تعالیٰ
 اس طرح کہنا کہ لوگوں کے لئے صورت بنا دی

علم الا اتباع الظن وما قتلوه " ثم قال
 " یقیناً " فہم عن یقین منہم اعنی من
 ادعی قتله یتیقن انہم ما قتلوا وہم
 الذین شہوا البقیۃ الناس منہم وبقیۃ
 الناس ہم الذین شہوا ہم رجل بعیسی
 من قد کان یشہہ فجاءت العبارة
 منبثۃ بصورۃ الواقعة ولو شہد اللہ ہم
 انسانا بعیسی فقتلوا لم ینکن قولہم اننا
 قتلنا المسیح عجبة ولا کذباً اذ لو انی انسان
 امرأۃ تشہد زوجته بحیث لا یشک فیہا
 لم ینکن زانیاً وقولہ تعالیٰ ما قتلوا وما
 صلبوا بل علی انہم قتلوا انساناً ولا ثم
 صلبوا بعد القتل وهذا بقصد منہم و
 لہذا لم یقل اشتہہ فائدہ لم یشہدہ
 علیم بل الرؤساء شہدوا وغیرہم تشہد
 ہم ولم یقل ایضاً شہدہ اللہ کما تقدم
 اما الذین اختلفوا فیہ فہم غیر الرؤساء
 لانہم کلہم کانوا یہوداً غیر ان بعضهم
 خالف بعضاً فی الایمان بہ فاخبرہ اللہ
 عن بقیۃ الیہود والنصارى بقولہ وان
 الذین اختلفوا فیہ ای فی الایمان بہ لانی
 لستہ لانی شک منہ فعاد قولہ وما قتلوا
 راجعاً الی الرؤساء والمتیقین بانہم لم
 یقتلوا بل شہدوا وقولہ ان الذین اختلفوا
 فیہ راجع الی الیہود والنصارى معا و

اور جو اس کے بعد ہے دلالت کرتا ہے اسی پر
 جرجبائی نے نقل کیا ہے کہ جب عیسیٰ اٹھائے
 گئے تو سرداران یہود نے اس خوف سے کہ
 یہود عیسیٰ کے پیرو نہ ہو جاویں اور ان کی طرف
 نہ جھک جاویں جو عیسیٰ کی طرف مائل ہیں یہ
 قصد کیا کہ ایک آدمی کو مار کر اونچے پر صلیب
 پر لٹکا دیا اور کسی کو اس کے پاس نہ آنے دیا
 جب کہ بگڑ گیا اور صورت بدل گئی تو اپنی باقی
 قوم سے کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا اور دھوکہ
 دیا اپنی باقی قوم کو پس ان میں آپس میں جھگڑا
 ہوا اور جو اس میں جھگڑ رہے ہیں کہتے تو
 البتہ شک میں ہیں اور اس لئے شک میں ہیں کہ
 جن سے عیسیٰ اٹھائے گئے ان کو کچھ علم
 نہیں ہے مگر ظن کی پیروی کرتے ہیں اور عیسیٰ
 کو نہیں مارا ہے پھر کہا یقیناً یعنی ان کو تو
 یقین ہے یعنی جو قتل کا دعویٰ کرتے ہیں
 کہ بے شک جانتے ہیں کہ انہوں نے
 نہیں مارا اور انہوں ہی نے اپنے باقی آدمیوں
 کو شبہ میں ڈال دیا ہے اور یہ باقی آدمی قتل
 ہی میں جن کے لئے مشابہ کیا گیا ایک آدمی
 جو حضرت عیسیٰ کے مشابہ تھا پس یہ عبارت
 صورت و ان کی خبر دیتی ہے اور اگر استدلال
 ایک آدمی کو ان کے لئے عیسیٰ کی صورت
 بنا دیتا اور قتل اس کو مار ڈالتے تو ان کو
 قتل کا ہم بے شک کہ لاؤ لاکچہ تمہیں کی بات

لهذا لم يقل اختلفوا في قتله وقوله ما
 لهم به من علم عايد الى اليهود والنصارى
 غير الرؤساء ومن ههنا تدل على استعراق
 الجنس وقوله لا اتباع الظن اى ان اتباعهم
 لما فعله الرؤساء وادعوا اتباع ظن لما
 ذكر الظن من المتبعين تبعه وذكر اليقين من القائلين
 للمشبهه مع نفي القائل عن عيسى فقال وما قتلوه
 اى وذلك الاخبار منا بقولنا ما قتلوه
 هو عن يقين منهم ولا يفهم انهم قتلوه
 شكابل رفعه الله عليه وكان الله
 عزيزاً حكيماً

نہ ہوتی اور نہ جھوٹ ہوتا اس لیے کہ اگر ایک
 آدمی ایک عورت سے جماع کرے جو اسکی
 زوجہ کے مشابہ ہو اس طرح پر کہ اس میں
 کچھ شک نہ ہو تو یہ زانی نہیں ہوگا اور یہ قول
 اللہ تعالیٰ کا کہ نہ اُسکو مارا اور نہ صلیب پر لٹایا
 اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ایک
 آدمی کو پہلے مارا پھر بعد قتل کے صلیب پر
 لٹکایا اور یہ اپنے ارادہ سے کیا اسی لیے نہیں
 فرمایا کہ اُن پر مشابہ ہو گیا تھا کہ اُن پر تو نہیں
 مشابہ ہوا تھا بلکہ رؤساء نے صورت بنا دی
 تھی اور غیر رئیسوں کے لیے صورت بنا دی
 تھی اور اس لیے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

صورت بنا دی تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا اور جن میں اختلاف ہوا وہ رئیسوں کے سوا اور
 یہود ہیں کہ وہ تو سب یہود ہی تھے ہاں مگر اُن میں کچھ آدمیوں نے دوسروں کی
 مخالفت کی عیسیٰ پر ایمان لانے میں پس اللہ تعالیٰ نے باقی یہود اور نصاریٰ سے خبر دی اپنے
 اس قول میں کہ جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا (یعنی اُس پر ایمان لانے میں اختلاف کیا نہ یہ کہ
 اُس کے قتل میں اختلاف کیا) وہ سب بے شک ہیں پس یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ نہیں مارا
 راجح ہے رؤساء کی طرف جن کو یقین تھا کہ اُنہوں نے نہیں قتل کیا بلکہ صورت بنا دی اور یہ
 قول اللہ تعالیٰ کا کہ جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا راجح ہے طرف یہود اور نصاریٰ دونوں کے
 اور اسی لیے نہیں فرمایا کہ اختلاف کیا اُنہوں نے اُس کے قتل میں اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا
 کہ اُن کو کچھ خبر نہیں ہے رئیسوں کے سوا باقی یہود اور نصاریٰ کی طرف راجح ہے اور من
 کا لفظ یہاں سب کے شامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ وہ
 ظن کی پیروی کرتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں کہ اُس کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے رؤساء نے
 کیا اور دعویٰ کیا اور یہ ظن کی پیروی ہے اور بے کہ پیروی کہنے والوں کی طرف سے ظن
 بولا تو اُس کے بعد یقین کا ذکر کیا اُن کی جانب سے جنہوں نے شبہ میں ڈالا با وصف قتل

ہونے عیسیٰ کے پس فرمایا کہ نہیں مارا ہے اُسکو اور ہماری یہ خبر دینی کہ اُسکو نہیں مارا ہے یا اُنکی
یقین کی خبر ہے اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اُنھوں نے شک سے مارا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو
اپنی طرف اٹھالیا ہے اور ہے اللہ عزت والا دانا ۛ

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ عیسیٰ کو اللہ نے اٹھایا اپنی طرف ایسا ہے جیسے یہ قول کہ مہنہ

اٹھایا اُسکو بڑے مرتبہ پر اور جیسے ابراہیم کا

یہ قول نقل کیا کہ میں جاتا ہوں اپنے پروردگار

کے پاس اور ایسا ہی ہے یہ قول کہ اٹھاویگا

اللہ تعالیٰ اُن کو جو ایمان لائے تم میں سے

اور جن کو عام ملا بڑے درجوں پر اور خود

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اللہ نے اُسکو اٹھایا

اپنی طرف یہ فائدہ دیتا ہے کہ یہ بدن کا

اٹھانا نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

کسی جگہ اور مقام میں نہیں ہے جیسا کہ

شہیدوں کے حق میں کہا گیا ہے کہ خدا کے

پاس میں رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں

اور اُن کے بدن تو مٹی میں مردہ پڑے ہیں

اور روایت کیا گیا ہے کہ ابراہیم اور موسیٰ

اور ان کے سوا اقدیبوں کو حضرت محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج

کی رات میں دیکھا اور اس میں کچھ شک نہیں

کہ اُن میں سے کوئی بعد بدن کے نہیں اٹھایا

گیا اور حکم یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی عقلوں

پر ایسا بوجھ ڈالیں جس کو اٹھانے کی اس لیے

کہ یہ عقول پابند ہیں اسباب کی اور ان کی

ادراک کی ایک حد ہے اور معراج میں اس سے

واما قوله تعالى بل رفعه الله اليه فهد

كقوله تعالى ورفعا مكانا عليا وكقوله

عن ابراهيم ان ذهب الى رب ومثله

يرفع الله الذين امنوا منكم والذين

ادتوا لهم درجات ونفس قوله تعالى

بل رفعه الله اليه يعطى ان هذا الرفع

ليس بجسد لان الله تعالى ليس في مكان

وحيز بل كما قيل في الشهداء عند ربهم

يرزقون فرحين واجسامهم في التراب

جيف وقد روي ان ابراهيم وموسى

وغيرهما واهم النبي صلى الله عليه وسلم

ليلة المعراج ولا شك انه ما منهم احد

رفع بالجسد ونحن فلا يجوز لنا ان نحمل

على عقولنا ما ليس في وسعها لانها مبعدة

متناهية واما الاسراء فلا شرف اذا

كان بجسد النبي صلى الله عليه وسلم

بعد ان قد راي مارا وصدق الله

تعالى بقوله ما كذب الفواد ما راي ولا

نفس اذا كان الاسراء بالروح دون الجسد

وكان نوما ولا خلاف في ان ابراهيم و

و آدم موسى لم يكونا في السماء باجساد
وكذلك واهم وهذا انما يقوله لانه
الا قرب في الاذهان مع اننا لا ننكر
ان الله تعالى يفعل ما يشاء من قم جبل
في الهوى ويخرج من الماء في السحاب وغيره
فكيف لا يرفع جسد نبى له ولكن شرف
المسؤول ثابت به لا يدفعه الخصم
كذلك الاعتراف بقدرته الباري تعالى
فلا نزاع اذا حصل المراد وكذلك الكلام
في عيسى عليه السلام والله اعلم بالانبياء
ويجب ان تعلم ان الله تعالى انما اذن
للرؤساء ومكثهم بما فعلوه من انهم
قتلوا انسانا وشهوة لبني اسرائيل
وادعوا انه عيسى جمع ذلك بحكمه
الهية من الله سبحانه ذلك ان هذا
بعينه رحمة في حق من امن بعيسى و
فتنته في حق من كفر به

کچھ زیادہ خوبی نہیں بڑھ جاتی اگر وہ مع جسد
کے مانی جاوے کہ حضرت نے دیکھا جو کچھ
دیکھا اور خدا تعالیٰ نے اُس کی اپنے اس
قول سے تصدیق کی کہ جھوٹ نہ جانا دل نے
جو کچھ دیکھا تھا اور کچھ نقصان نہیں ہے
اس میں کہ معراج روح کو بغیر بدن کے سوتے
ہوئے ہوئی ہو اور اس میں تو کچھ اختلاف نہیں
ہے کہ ابراہیم اور آدم اور موسیٰ تو آسمان
پر مع بدن کے نہ تھے اور ایسے ہی اُن کو دیکھا
اور یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ یہی ذہن کے
قریب ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ
اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے جو چاہے کہ ایک پہاڑ
کو ہوا میں اٹھا دے اور ابراہیم ایک دریا
بھاگے اور اس کے سوا اور جو کچھ چاہے
پس کس طرح نہیں اٹھا سکتا اپنے ایک نبی کا
بدن لیکن نبی کی بزرگی اسی ماننی چاہیے جس کا
دشمن انکار نہ کر سکے اور ایسے ہی خدا کی قدرت
کا اقرار پس جھگڑانہ چاہیے جب مطلب

حاصل ہو جاوے اور ایسے ہی کلام ہے عیسیٰ کے اٹھ لینے میں اور خدا تعالیٰ اپنے نبیوں
کے حال کو خوب جانتا ہے اور ضرور تجھ کو یہ جانتا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہودیوں کے
سرور ولی کو یہ کرنے دیا اور اُن کو اُس پر قدرت دی جو انہوں نے کیا کہ ایک آدمی کو مارا
اور اُس کو اور سب بنی اسرائیل پر مشتبہ کیا اور دعویٰ کیا یہ عیسیٰ ہی ہے۔ یہ سب کام حکمت الہی
سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب کام عیسیٰ کے پیروں کے لئے باعث رحمت کا ہوا
اور اسی سے اُن یہودیوں میں جنہوں نے عیسیٰ کو نہ مانا تھا فتنہ پھیلا

اخبار نور افشاں

مطبوعہ اسم - اگست ۱۹۷۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جب کسی مشرک کو مذہب اسلام کی دعوت کی جاتی ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ مذہب اسلام کے قبول کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ تو اُس سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تو جنت میں داخل ہوگا اور اس وعدہ کو سن کر وہ مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے لیکن دوسرے مشرک اُسے اس طرح بہکا رہے ہیں کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی اُن میں سے ایک ہی ہے اور بہتر فی النار ہیں اور فرقہ ناجیہ کا تحقیق معلوم ہونا نہایت دشوار ہے اور جس فرقہ میں تو جائیگا بہتر فرقے اُس کے فی النار ہونے کی گواہی دیں گے۔ یہ بات سُن کے وہ شخص متحیر ہو کے مسلمان ہونے سے باز رہتا ہے اور اشاعت و ترقی اسلام میں نقصان ہوتا ہے اور ایسا اتفاق اکثر ہوا ہے کہ جب بعض بُت پرستوں کو اسلام کی دعوت کی گئی اور وہ مذہب اسلام کی طرف متوجہ ہوئے تو مخالفوں نے اُن کو مضامین مذکورہ سننا کے روک یا یہاں تک کہ وہ مخالف میں آ کے دوسری طرف متوجہ ہو گئے بلکہ اکثر عوام کو خواہ شیعہ ہوں اور خواہ سنی ہوں جب عیسائی یہ مخالف دیتے ہیں تو وہ بھی متحیر ہو کے اسلام سے مخوف ہوتے اور مذہب عیسائی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے مذہب اسلام میں یوٹافوٹا تنزل ہوتا ہے ترقی کا تو کیا ذکر ہے اُس کا قیام دشوار معلوم ہوتا ہے پس اس وقت میں مشرکین عوام اسلام کو کتنے مسائل بتا کے یہ وعدہ کیا جائے گا اگر تم ان پر قائم رہو گے تو ہر فرقہ اسلامیہ کے نزدیک ضرورتاً نجات پاؤ گے کیونکہ جب تک ایسا وعدہ نہ کیا جائے گا تب تک مشرکین اسلام کو قبول کریں گے اور نہ عوام اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور اسلام کی ترقی روکی رہے گی بلکہ یوٹافوٹا کمی ہوگی۔

بینوا افتوجروا +

مقام

سید عبداللہ آبادی

جواب از طرف ڈیٹر تہذیب الاخلاق

یہ مسئلہ اسلام کا نہیں ہے کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے۔ یہ تو ایک موضوع روایت ہے جسکو اُس زمانہ کے لوگوں نے جبکہ مسلمانوں میں باہم مسائل فروعی میں اختلاف پڑا اپنی تائید کے لیے بنالی ہے اُس روایت کا موضوع ہونا روایتاً و دواتاً محققین کے نزدیک ثابت ہے سچا مسئلہ اسلام کا صرف یہ ہے:-

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے پس اسلام اس بقدر ہے اور اسی کی تعلیم اور اسی پر تعین نجات کے لیے کافی ہے +
عن معاذ بن جبل قال قال رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ +

مراسلات

میرے مادی رہنمائے حقیقت مولانا مولوی سید احمد خاں صاحب - ایک عرصہ سے جناب کی ہمدردی محبت آمیز دیکھ کر دل سے ہزار ہزار بار یہی صدا اُٹھتی ہے مرجا سید مرجا جب آپکی بوڑھی عمر پر خیال آتا ہے اور آپ کی جوان کوششوں پر دھیان جاتا ہے۔ آپکی سچی محبت پر دل جمتا ہے۔ دل سے بے قصد یہ آواز آتی ہے۔ بجز آپ کے اس زمانہ میں کوئی اس لائق نہیں ہے جس کو مادی حقیقت اور مخزن اسرار کا خطاب دیا جاوے۔ افسوس آپ کے نعرہ جاں سوز کی اُس وقت لوگوں کے کان میں آواز پہنچی جبکہ بہت نوجوان لوگ مذہب اسلام چھوڑ بیٹھے (یہ واقعہ صرف موجودہ اسلام کی تاریکی سے ہوا) جو مسلمان طالب علم اپنے مذہب سے برگشتہ تھے آپکی پاک طبیعت نے اُن کے دل پر ایسا اثر اسلام کا کیا سچے جگر چھو لے نہیں سکتے یعنی دنیا میں اُن کے لیے وہ بند و بست کیا جس سے وہ مالا مال اور شاداب ہیں۔ اور آخرت کے وہ نکتہ بتائے جو بے سبب دل پر اپنا نقش کر کے اُن کے چل چل میں ایسا اثر کرتے ہیں جو بالکل مادی اور رحمدل ہو جاتے ہیں اور خدا تو اس پیر مغاں کی

عمر ہزار برس کر۔ اب کچھ فرصت دیکھ کر جناب سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جس پر مدت سے لوگوں کا
 سباحہ ہو رہا ہے۔ یہ مباحہ آپ تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی
 تحقیق پر آپ کے دم بھرنے والوں کا دل تسلی ہو جاوے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اکثر کلمہ ملاکتے ہیں
 کہ ”ترکوں کی ہم لوگوں کو وضع اختیار کرنی نہیں چاہیے کیونکہ وہ لوگ لاندہب ہیں و لجنہب
 ہونے کی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی ڈاڑھیوں کو منڈالتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اسکو تہذیب میں
 بڑا دخل سمجھتے ہیں۔ اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں یہاں تک کہ سلطان اور خدیو مصر
 وغیرہ بھی اس کے مرتکب ہیں۔“ اب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ فعل دنیاوی باتوں سے
 حلق رکھنا ہے یا دینی سے؟ اگر دینی سے ہے تو کیا کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے بعض
 اکابر کا جو یہ مذہب ہے کہ جائز ہے تو ان کی محبت قابل تسلیم ہے یا نہیں۔ اگر تحقیق تہذیب اللہ تعالیٰ
 میں راجع فرمادیں تو اؤز ہزار مالوگ اقف ہو جاویں گے۔ زیادہ والسلام

از مقام روڈ

مورخہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء

جواب از طرف سید احمد

اس عنایت نامہ میں جو خیالات ظاہر کیئے ہیں اس میں کئی غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ ڈاڑھی
 رکھنے یا منڈانے کو تہذیب میں کچھ دخل نہیں ہے بال جو انسان کے سر پر اور مونہ پر خدا نے
 پیدا کیئے ہیں اگر انسان ان کو ایک پریشانی اور ابتری کی حالت میں رہنے دے جیسے کہ بعض میلے
 کھیلے بے تمیز جنگلی جانوروں کے ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ پورا وحشیانہ پن ہے اور اگر ان کو دوستی
 اور خوبی سے رکھے تو وہ تہذیب شایستگی کی علامت ہے اسی لیے تمام مذہب تو میں بقدر
 اپنی تہذیب اور موافق اپنے خیالات کے بال بناتی ہیں اور موافق اپنے مذاق تہذیب خیالات
 کے ان کو آماستہ کرتی ہیں مگر یہ خیال کہ ڈاڑھی منڈانا تہذیب میں داخل ہے ایک محض غلط
 خیال ہے۔

دوسرے ترکوں کی پیروی کو اس وجہ سے منع کرنا کہ وہ ڈاڑھی منڈالتے ہیں اور اس کو
 داخل تہذیب سمجھتے ہیں اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں بلکہ دوسری غلطی ہے کیونکہ اس دلیل کا
 نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ اس امر میں ان کی پیروی نہ چاہیے جو خلاف شرع ہونے پر کہ دلیل

تو ہر خاص اور نتیجہ نکالا جاوے عام۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد تسلیم کرنے اس امر کے کہ وہ کام خلاف شرع ہے اور پھر اُس کی پیروی کی جاوے بلکہ جہاں تک بحث ہے وہ اس میں ہے کہ درحقیقت وہ کام خلاف شرع ہے یا نہیں۔ ترک شراب بھی پیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے اگر یہ امر سچ ہو تو جیسے ہکمو اُن کے اس کام کی پیروی کرنا بُرا ہے ویسے ہی صرف اس کام ناجائز کے سبب اُن کے آؤر عمدہ و عمدہ مباح کاموں کی پیروی چھوڑنا بھی ویسا ہی بُرا ہے۔

تیسری غلطی خیالات کی اس عنایت نامہ سے یہ پائی جاتی ہے کہ کسی مہذب قوم کی پیروی کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے تمام کاموں کی بالاطنا اس بات کے اور غور کے کہ وہ فی نفسہ اچھے ہیں یا بُرے پیروی کرنا مقصود ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو محض ایک غلط اور نہایت مضربالاعتبار ہے بلکہ ہمیشہ جس بات کو اختیار کیا جاوے اول اُسکی بھلائی اور بُرائی پر غور کرنی واجب ہے۔ جو عمدہ بات کسی قوم کی ہو اُسکو لینا اور بُری کو چھوڑنا واجب ہے ورنہ ایک گڑھے میں سے نکلنا اور دوسرے میں گرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہکمو مسند افتا کی گدسی پر بیٹھنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو امر ہکمو مقصود ہیں اول یہ کہ مذہب اسلام پر جو جھوٹے الزام لگائے گئے ہیں اور اُس کو مانع تہذیب شائستگی مخالف انسانیت و تمدن و حسن معاشرت قرار دیا گیا ہے اُن غلط الزاموں کی غلطی ٹھیک مذہب اسلام کی رُو سے ظاہر کریں۔ دوسرے جو امر خلاف تہذیب مسلمانوں میں مروج ہیں اُن کو ڈو کر لیں پس ڈاڑھی جیسا کہ مہنے اور بیان کیا بشرطیکہ وحشیانہ پن سے نہ رکھی جاوے تہذیب کے برخلاف نہیں ہے چنانچہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں اشخاص جو نہایت مہذب قوم کے ہیں ڈاڑھی رکھتے ہیں اور ہمارے ملک کے بھی خوبصورت گورے رنگ کے چہروں پر بشرطیکہ گورا رنگ ہو کالی ڈاڑھی نہایت خوبصورت اور بھلی معلوم ہوتی ہے (ہاں جب سفید ہو جائے تو منڈانے کے قابل ہو جاتی ہے بشرطیکہ مونہ کی جھریاں اور گالوں کے گڑھے اور مونہ کا پورچ صورت کو بدنام نہ کر دے) اس کے سوا مونہ کی رونق اور شجاعت و بہادری و رعب اُس سے پایا جاتا ہے پس اُس کا رکھنا یا منڈانا ہماری بحث سے خارج ہے اور ہم اُس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم قطعاً اُن مسائل سے جن کو مانع تہذیب نہیں سمجھتے بحث نہیں کرتے اگر ڈاڑھی منڈانی ناجائز ہو تو اُس سے ہمارا کچھ ہرج نہیں مگر جائز ہو تو ہمارا کچھ ہرج نہیں لیکن اگر ڈاڑھی کو ایک ٹی بنایا جاوے جس کی اوہل شکار کھیلا جاوے تو اس سے تو منڈانا ہی بہتر ہے۔

اگر ڈاڑھی منڈانی ناجائز ہے تو بچا سے ترکوں پر کیا الزام ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مقدس مولوی صاحب جبرہ و عمامہ بھی ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ اتفاق ہے کہ ترک تو ڈاڑھی منڈا کر فرشتہ کی سی صورت ہو جاتے ہیں اور یہ حضرات مقدسین بچا بن جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا اطلاق جیسا کل ڈاڑھی پر ہے ویسا ہی جزو ڈاڑھی پر ہے اگر ڈاڑھی کا منڈانا ناجائز ہے تو اُس کے جزو کا بھی ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص ایک طرف کی ڈاڑھی منڈا دے اور ایک طرف کی رہنے دے یا بچپن سے منڈا دے اور دونوں طرف گل مجھے رہنے دے بھی ایسی ہی ناجائز ہوگی جیسے کل ڈاڑھی کا منڈانا۔ آپ حضرات مقدسین کو دیکھتے ہوں گے کہ بچہ کی صبح کو اشراق کی نماز کے بعد نائی حاضر ہوتا ہے اور اصلاح مبارک بناتا ہے۔ اصلاح میں کیا ہوتا ہے کہ گالوں پر سے ڈاڑھی مونڈی جاتی ہے اور ایک قوسی خط میں قریب مدور کے کی جاتی ہے ہونٹ اور ٹھوڑی کے بچپن ایک بچکانی بنائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے مونڈی جاتی ہے۔ پھر حلقہ مبارک سے لیکر ٹھوڑی اور بڑے کے قریب تک مونڈی جاتی ہے بعض مقدسوں کو اپنے پھولے پھالے محراب گالوں کے کھولنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ریش مبارک صرف بطور ایک جھالو کے رہ جاتی ہے پس کیا یہ ڈاڑھی منڈانا نہیں ہے جو بچا سے ترکوں فرشتہ صورتوں پر طعن کیا جاتا ہے +

قصہ احادیث تفاسیر

ہم اکثر اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ تفاسیر کے قصے اور تفسیروں کی حدیثیں لائق اعتماد کے نہیں ہیں اور اسی سبب سے ہم اُن کو لغو و مہمل سمجھتے ہیں اور اُن پر جب تک کہ درایتا لنگی صحت نہ معلوم ہوا اعتماد نہیں کرتے +

ان دنوں میں ہمارے زمانہ کے مقدسین و متبحرین میں جھگڑا ہوا تھا ایک گروہ بائبل اثر ابن عباس یہ اعتقاد تھا کہ زمینیں اوپر تلے سات ہیں اور ہر ایک پر ایسا ہی کسمان۔ چاند۔ سورج۔ ستارے ہیں اور ہر ایک زمین میں ایک ایک باوا آدم اور ایک ایک بنی آخر الزمان ہے پس صرف محمد رسول اللہ صلعم ہی خاتم الانبیاء نہیں ہیں بلکہ چھ اور بھی ہیں۔ دوسرے گروہ مقدسین نے اُن کو کافر بتایا اور فتویٰ لکھ دیا کہ اُن کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی گئی آخر یہاں تک

نوبت پہنچی کہ مکہ منقرہ کے علماء سے اُس میں فتویٰ پوچھا گیا اور وہ فتوے بطور ایک رسالہ کے مصر میں چھپا گیا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے بلکہ اُس بحث اور فتوے سے تو غرض نہیں مگر اُس میں دو مقدمے ہیں جن میں وہی مضامین نسبت قصص تفسیروں کے اور اُن کی حدیثوں کے لکھے ہیں جو ہم اُن کی نسبت لکھتے ہیں پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن دونوں مقدموں کو مترجمہ کے اس مقام پر یکصدیں تاکہ لوگ جانیں کہ ہمارے سوا اور بہت سے اکابر مکہ منقرہ بھی اُن قصص حدیثوں کو لغو و نامعتبر سمجھتے ہیں :

وهذه هي المقدمات

مقدمہ آٹھواں

مغازی اور ملاحم اور تفسیر میں بہت روایات پائی جاتی ہیں اور اکثر مفسرین نے بہت زیادہ قصہ اور روایتیں یہودیوں سے نقل کی ہیں شوکانی نے فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ کی کتاب الفضائل کے باب اول کے آخر میں کہا ہے کہ کہا ہے امام احمد بن حنبل نے تین کتابیں یہی جن کی کچھ اصل نہیں ہے مغازی اور ملاحم اور تفسیر خطیب نے یہ کہا ہے کہ اس سے چند خاص کتابیں مراد ہیں اس فن کی جن پر اعتماد نہیں ہے کہ اُن کے راوی عمل نہیں ہیں اور اُن میں قحطے بڑے عامیے ہیں اور تفسیر کی کتابوں سے بہت مشہور دو کتابیں کلبی کی اور مقاتل بن سلیمان کی ہیں کہا ہے احمد نے کہ تفسیر کلبی کے حق میں یہ کہا ہے کہ

المقدمہ الثامنة

فی المغازی والملاحم والتفسیر توحید الدایات الکثیرۃ ونقل بعض المفسرین اکثر القصص والروایات عن الاسرائیلیات قال الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ فی اخر الباب الاول من کتاب الفضائل قال احمد بن حنبل ثلث کتاب لیسر لیا اصل المغازی والملاحم والتفسیر قال الخطیب هذا محمول علی کتب مخصوصۃ فی هذه المعانی الثلاثۃ غیر معتمد علیہا لعدم عدالت ناقلیہا و زیادۃ القصص فیہا اما کتب التفسیر فن اشہر ہا کتبان للکلبی ومقاتل بن سلیمان قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہ الی آخرہ کذب بیل النظر فیہ وقد حمل هذا علی اکثر دانشمندان فقال اقول لاشک ان کثیرا من کلام الفویہ

علی الکتاب العزیز ہو بالتحریف اشبه
 منه بالتفسیر بل غالب ذلک من جنس
 تفاسیر الباطنة و تحریفاتہم ومن جملة
 التفاسیر تفسیر ابن عباس فانہ مروی عن
 طریق الذکابین کالکلبی والسدی ^{لما قال}
 ذکر معنی ذلک السیوطی وقد سبق الی معنی
 ابن تیمیة ومن کان من المفسرین تتفق
 علیہ الاحادیث المرغوعة کالتعلی
 والواحدی والنرخشری ذلایمیل الوثوق
 بما یروہ عن السلف من التفسیر فانہ اذا
 لم یفہم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 لم یفہم الکذب علی غیرہ قال المحدث الہلوی
 ولی اللہ رحمۃ اللہ فی الفوز الکبیر فی اصول
 التفسیر ودریجا باید دانست کہ قصص انبیاء
 سابقین در حدیث کم مذکور شدہ اند این قصص
 طویلہ عرضہ کہ مفسرین تصدیق روایت آن میکنند
 ہر منقول از علما اہل کتاب است الا ما اشار الیہ
 در صحیح بخاری آمدہ مرفوعاً (لا تصدقوا اہل
 الکتاب ولا تکن بوجہہم) انتہی کلام بلفظہ
 ثم قال آنچہ محمد بن اسحاق وواقعی و
 کلبی دریں باب افراط کردہ اند ودر زیر پر آیت
 قصہ آورده اند نزدیک محدثین اکثر آن غیر صحیح
 است ودر اسناد آن نظر است ♦

اول سے آخر تک جھوٹ ہے اسکو دیکھنا
 بھی حلال نہیں ہے اور اس کے یہ معنی
 کیئے گئے ہیں کہ ان میں سے اکثر جھوٹ ہیں
 اور پھر کہا ہے کہ کتنا ہوں میں کہ کچھ شک
 نہیں ہے کہ صوفیہ نے جو تاویلات کلام اللہ
 میں کی ہیں وہ بھی بمنزلہ تحریف کے ہیں نہ
 تفسیر کے بلکہ اکثر وہ تفسیر ایسی ہیں جیسے فرقہ
 باطنیہ کی تفسیر اور تحریفات ہیں اور تفسیروں
 میں سے ایک تفسیر عبد اللہ بن عباس کی ہے
 کہ وہ منقول ہے جھوٹے راویوں کے ذریعہ
 سے جیسے کلبی اور سدی اور مقاتل سیوطی
 نے اس کے یہ معنی کہے ہیں اور اس سے
 پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہے تھے کہ مفسرین
 سے جو ایسا ہے کہ احادیث موضوعہ کو ذکر کرتا
 ہے جیسے تعلبی اور واحدی اور زرخشری
 (جس کی تفسیر کشاف بہت مشہور ہے) وہ
 جو تفسیر سلف سے روایت کرے اس پر بھی
 اعتماد نہ کرنا چاہیئے کہ جب وہ رسول ہی کی طرف
 جھوٹی روایت کو نہیں سمجھتا تو اوروں کی طرف
 کس طرح جھوٹ کر سگھے گا۔ محدث دہلوی لوی
 شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فوز کبیر میں
 جو اصول تفسیر میں کہا ہے کہ یہ جاننا چاہیئے
 کہ بچھے نبیوں کے قصے حدیث میں بہت کم
 مذکور ہوئے ہیں یہ بڑے بڑے چڑے قصے کہ
 سب اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحیح بخاری میں

مفسرین ان کے لکھنے کی تکلیف اٹھاتے ہیں

یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب پس ان قصوں کی بھی تصدیق کرو اور نہ تکذیب :

اور پھر کہا ہے کہ محمد ابن اسحاق اور واقدی نے اس باب میں بہت زیادتی کی ہے اور ہر آیت کی ذیل میں قصہ بیان کیا ہے۔ محدثوں کے نزدیک اکثر وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی اسناد میں تاثر ہے :

المقدمة العاشرة

دسواں مقدمہ

قال التفتازاني في شرح العقائد النسفية
ذيل شرح قول المصنف والاولى ان لا
نقتصر على عدد في الايمان بـ الانبياء (الخ)
ان خبر الواحد على تقدير اشتماله على
جميع الشرائط المذكورة في اصول الفقه لا
يفيد الا الظن ولا عبدة بالظن في باب
الاعتقادات خصوصاً اذا اشتمل على
اختلاف الروايات ولكن بموجبه مما
يفضى الى مخالفة ظاهر الكتاب وهو ان
بعض الانبياء لم يذكروا للنبي عليه السلام
ويحتمل مخالفة الواقع وهو عبد النبي من
غير الانبياء او غير النبي من الانبياء
(انتهى كلامه بلفظه) وقال الحياي في
حاشية قوله على تقدير اشتماله على
جميع الشرائط مثل العقل والضبط والعدالة
والاسلام وعدم الطعن انتهى كلامه بلفظه :

علامہ تفتازانی نے شرح عقاید نسفی میں مصنف کے اس قول کی ذیل میں کہ بہتر یہ ہے کہ نبیوں پر ایمان لانے میں کسی عدد و خاص پر اکتفا نہ کرے کہ اس معاملہ میں جو حدیث آئی ہے وہ خبر احاد ہے اور وہ حدیث جسکا راوی حضرت سے ایک ہی ہو اگر اس میں ہر ساری شرائط بھی پائی جاویں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تو اس سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور در باب عقائد کے ظن کا کچھ اعتبار نہیں اور خاص کر جبکہ اس میں اختلاف روایات کا ہو اور اس کے مطلب سے مخالفت ظاہر قرآن کی لازم آتی ہو اور وہ یہ ہے کہ بعض نبیوں کا ذکر حضرت سے نہیں کیا گیا اور نیز اس روایت میں احتمال مخالفت واقع کا بھی ہے کہ کوئی نبی غیر نبیوں میں شمار نہ داخل ہو جاوے یا غیر نبیوں میں شمار ہو جاوے :

اور خیالی نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ وہ شرائط جو حدیث میں مقبر ہیں یہ ہیں عقل اور

حافظہ کا درست ہونا اور عادل ہونا اور اسلام اور اُس میں کسی نے طعن کیا ہو:

خاتمہ پر ان لوگوں کی مہریں ہیں

- عبدالرحمن بن عبداللہ سراج الحنفی مفتی بمکۃ المکرمۃ ۛ
 رحمت اللہ یہ ہندوستان کے معروف و مشہور مولوی رحمت اللہ صاحب ہیں ۛ
 احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ بمکۃ المحمییہ ۛ
 محمد بن عبداللہ بن حمید مفتی الحنبلیہ بمکۃ المشرفہ ۛ
 حسین بن ابراہیم مفتی المالکیہ ببلید اللہ المحمییہ ۛ
 ابراہیم بن محمد سعید ۛ
 السید محمد الکتبی الحنفی الخطیب و الامام و المدرس بالمسجد الحرام ۛ
 محمد الحسینی الطندنائی الحنفی بلازہر ۛ
 عبد القادر الدنیشانی الحنفی بلازہر ۛ
 محمد سالم العباسی العابدی الشافعی بلازہر ۛ
 محمد مطاع الشیمی الشافعی المحسنی بلازہر ۛ
 السید محمد الطیب الشافعی بلازہر ۛ
 علی بن قاسم بن العباس الیمنی احد مجاہدین الانزہر ۛ
 محمد صادق مدراسی الحنفی القادری ۛ

خطبہ میں بادشاہ کا نام

چند روز ہوئے کہ مجھے پائونیر میں نسبت خطبہ جمعہ کے ایک تحریر دکھی تھی جس میں بعض خطبوں کا ترجمہ بھی تھا جو کا خطبہ ہو یا عیدین کا مسلمانوں کے مذہب کے بموجب اُس میں صرف خدا کی تعریف اور مسلمانوں کو نیکی اختیار کرنے کی نصیحت ہونی چاہیے۔ خطبہ کی کوئی عبارت مذہباً معین نہیں ہے بلکہ خطیب خود اپنے علم و استعداد و لیاقت کے موافق خطبہ پڑھتا ہے یا اور لوگوں نے جو خطبے کہے ہیں اور جو چھپے ہوئے یا قلمی لوگوں کے پاس ہوتے ہیں ان میں سے

کوئی خطبہ پڑھ دیتا ہے۔ خطبہ کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے عیسائیوں میں سرمن مگر باپوئیر میں اس بات کی کافی بحث نہیں کی گئی تھی کہ آیا خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے اور مذہب کی رُو سے جائز ہے یا نہیں اور اسی بحث کو ہم اپنے اس آرٹیکل میں لکھنا چاہتے ہیں :

پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اور خلفائے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو محاربات کے صحابہ میں واقع ہوئے تھے اور اُس کے سبب سے باہمی نزاع قائم ہو گئی تھی اور خلفائے راشدین کی نسبت سب شتم کا رواج ہو چلا تھا۔ اُس کے مٹانے کو خطبہ میں خلفائے راشدین اور عین مکر میں کا نام لینے جلنے کا رواج ہوا تاکہ معلوم ہو کہ سب کا واجب التقبیم اور قابل ادب ہیں اور فقہانے اسکو مندوب یعنی اچھا قرار دیا اُس کے بعد بخوبی تحقیق نہیں ہوتا کہ کس خلیفہ سے جو حقیقت میں بادشاہ تھے ان کا نام خطبہ میں لینا شروع ہوا تاریخ الخلفاء سیدوطی سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸ھ ہجری مطابق ۳۱۷ھ کے محمد امین کی خلافت میں اُس کا نام مع اُس کے لقب کے جس میں فخریۃ الفاظ تھے خطبہ میں لیا گیا اور امیر المومنین کا لقب تحریرات میں لکھا گیا چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ علی بن محمد نوفلی نے اور اُس کے سوا اور لوگوں نے کہا ہے کہ سفاح

وقال علی بن محمد النوفلی وغیرہ لم یدع
للسفاح ولا للمنصور ولا للمہدی ولا
للمادی ولا للرشید علی المنابر یا وصافم
ولا کتب فی کتبہم حتی ولی الامین فدعی
لہ بالامیر علی المنابر وکتب عنہ من عبد
محمد الامین امیر المومنین وکذا
قال العسکری فی الارایل اول من دعی لہ
بالقب علی المنابر الامین :

اور منصور اور مہدی اور مادی اور رشید
کے لیے ممبروں پر اور اُس کی تعریف کی کے
دعا نہیں کی گئی اور نہ ان کے فرمانوں میں
کچھ فخریۃ لفظ لکھے گئے مگر جبکہ امین خلیفہ ہوا تو
اُس کے لیے ممبر پر امیر کہہ کر دعا کی گئی اور
اُس کی طرف سے فرمانوں میں لکھا گیا
عبداللہ محمد الامین امیر المومنین
اور عسکری نے بھی اوایل میں لکھا ہے کہ سب
قول امین کے لیے ممبروں پر اُس کا لقب

لکیر دعا کی گئی :

مگر اُب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ فقہا کی جن رائے واجہتا پر مذہب اسلام کا مدار رہ گیا ہے

کیا رائے ہے۔ درمختار میں جو نہایت معتبر فقہ حنفی کی کتابوں میں سے ہے لکھا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کے لیے دُعا کرنا کوئی مذہبی ثواب کا کام نہیں ہے صرف قستانی نے لکھا ہے کہ بادشاہ کا نام لینا کچھ مضائقہ نہیں۔ اور بحر الرائق میں ہے کہ بادشاہ کا نام لینا ثواب نہیں ہے اس لیے کہ یہ امر محدث یعنی بدعت ہے۔ خطبہ میں صرف نصیحت ہونی چاہیے ۛ

چنانچہ درمختار اور اُس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ثواب ہے ذکر کرنا خلفائے اربع راشدین

اور آلِ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں

چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباسؓ کا اور ثواب

نہیں ہے بادشاہ وقت کے لیے دُعا کرنا اور نفع

ہو کہ اسی دُعا کے ساتھ بادشاہ کا نام بھی لیا جاتا

ہے (مگر قستانی نے اُسکو جائز لکھا ہے مضمون

تو درمختار میں ہے اور درمختار کے حاشیہ میں

جس کا نام ردالمحتار ہے یہ لکھا ہے کہ قستانی

کی یہ عبارت ہے کہ خلفائے اربع اور عینِ مین

کے نام کے بعد بادشاہ وقت کے لیے دُعا

کیجاوے کہ وہ عدل اور بھلائی کرے مگر اُسکی

ایسی تعریف کرنے سے پرہیز کیا جاوے جسکو

عالموں نے کُفر و کفرِ اہل کہا ہے چنانچہ مطلب

ترغیب میں اور کتابوں میں لکھا ہے درمختار

کے مصنف نے جو لفظ جائز قستانی کی طرف منسوب

ومندج ذکر الخلفاء الراشدين والعلمين

والله اعلم للسلطان وجوزة القستانی کذا فی

الدر المختار۔ قوله وجوزة القستانی الخ

ثم يدعو سلطان الزمان بالعدل والاحسان

منتجيا في مدح عما قالوا انه كفر وخسران كما

في الترغيب وغیر الخ وأشار الشارح بقوله و

جوزة الى حمل قوله ثم يدعو الخ على الجواز والندب

لانه حكم شرعي لا بدله من دليل وقد قال

في البحر انه لا يستحب لما روي عن عطاء

حين سئل عن ذلك فقال انه محدث

وانما كانت الخطبة تذکیرا کذا فی

ردالمحتار حاشیه الدر المختار ۛ

کیا ہے اور ثواب ہونے کو منسوب نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ ثواب فعال میں ایک حکم شرعی

ہے جس کے لیے کسی دلیل شرعی کا ہونا ضرور ہے (اور بادشاہ کے نام لینے اور اُس کے لیے دُعا

کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں) اور بحر الرائق میں منکود ہے کہ بہتر نہیں ہے بادشاہ کا نام لینا اور

اُس کے لیے دُعا کرنا کیونکہ علماء ابنِ سیار تابعی سے روایت ہے کہ جب اُن سے اُس کی نسبت

پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ یہ نئی بات نکالی ہوئی ہے خطبہ میں تو صرف نصیحت ہوا کرتی تھی ۛ

اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لیے دُعا کرنا کوئی

مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ مذہب کی رُو سے بدعت و محدث ہے واللہ درہن قال کل محدث
(ای فی الدین) بدعت وکل بدعت ضلالتہ ۛ

جس طرح کہ خلفائے بعد ادا اپنے فخر و شیخی کے لیے خطبوں میں اپنا نام لواتے تھے اُسی طرح
ہندوستان کے بادشاہ بھی اپنا نام خطبوں میں لواتے تھے مگر مذہب کے بالکل برخلاف تھا
میں نے بھی گہم شکر و بہادر شاہ کا نام باوجودیکہ کچھ بھی بادشاہت اُن کی باقی نہیں رہی تھی۔ دلی کی
مسجدوں کے خطبوں میں اور بیرونجات کی بھی بہت سی مسجدوں میں لیا جاتا تھا ہے مگر ہندوستان
کی بہت سی مسجدیں اسی بھی تھیں کہ شاہ عالم کے بعد اُن میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا ایسے
کہ اکبر شاہ و بہادر شاہ کو خطبہ میں بادشاہ کے نام سے ملقب کرنا وہ جھوٹ سمجھتے تھے اور خطبہ میں اسکا
استعمال کرنا جھوٹ کا استعمال کرنا جانتے تھے ۛ

شاہ عالم کے بعد جن مسجدوں میں اکبر شاہ و بہادر شاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا وہ دو قسم کی
ہو گئی تھیں جو لوگ کہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے تھے کہ کسی مسلمان بادشاہ کا نام لینا چاہیے گو وہ
کہیں کا بادشاہ ہو انھوں نے تو سلطان روم کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور شاید بمبئی کلمتہ اور
ایسے ہی دُور دراز کے شہروں میں اُس کا رواج ہوا مگر اکثر مسجدوں میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا
جاتا تھا بلکہ اُور باقی مسجدوں میں مسلمانوں کے حق میں صرف یہ دُعا ہوتی تھی کہ ”اللہم اریدی
المسلمین بالسلطان العادل (بعضی جگہ سلطان کے لفظ کے بدلے امام کا لفظ کہا
جاتا ہے) والخیر والطاعة واتباع سنن سید الموجودات یعنی اے خدا مسلمانوں
کی مدد کر بادشاہ عادل کی حکومت سے اور اُن کی مدد کر بھلائی کرنے سے اور خدا کی فرماں برداری
اور رسول کی پیروی کرنے سے جو تمام موجودات کے سردار ہیں۔“ یہی دُعا ہندوستان کی اکثر
مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے۔ پس جو بادشاہ ہمہ عادل انصاف سے حکومت کرے ہمارے
مذہبی فرائض میں دست اندازی نہ کرے۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے۔ ہمارے حقوق
ہم کو عطا کرے وہ بھی اُس میں داخل ہے۔ یہ دُعا درحقیقت کسی بادشاہ کے لیے نہیں ہے
بلکہ عام مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہے۔ پس یہ خیال کہ کسی بادشاہ کا خطبہ میں نام لینا کسی
مذہبی مسئلہ پر مبنی ہے اور مسلمانوں کو اُس بادشاہ کے مذہب کی رُو سے کوئی مذہبی اطاعت
واجب ہے صحیح نہیں ہے ۛ

شیخ الاسلام

شیخ الاسلام کا عمدہ سلطنت ترکی میں درحقیقت ایک بہت بڑا معزز عہدہ ہے شیخ الاسلام جیتیت اپنے عہدہ کے اُس کونسل خاص کا ممبر بھی ہے جس کا پریسیڈنٹ وزیر اعظم ترکی ہوتا ہے اور جس کو مجلس باب الحالی کہتے ہیں +

یہ عہدہ ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو بہت بڑا عالم اور حنفی مذہب ہو اور مسایل فقہ حنفی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اُسکو کوئی ایسا حق یا اختیار نہیں ہے کہ کوئی جدید حکم مثل حکم شرع کے جاری کر سکے یا اُن حکموں میں سے جو شرع میں ہیں کوئی حکم منسوخ یا ترمیم کر سکے بلکہ اس کا کام صرف یہ ہے کہ جو واقعات پیش آویں اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ حنفی کا حکم کیا ہے یا جن احکام کا اجرا منظور ہو اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ کے مطابق ہیں یا نہیں اگرچہ اُس کو پہلے تو بہت زیادہ اختیار تھا مگر اب بھی کسی قدر اختیار رکھتا ہے کہ جن احکام کو خلاف شرع سمجھے اُن کے عدم اجراء میں بحث و کوشش کرے +

ان اسباب سے شیخ الاسلام کو گویا تمام امور کلی و جزوی سلطنت میں ایک گونہ مداخلت ہوتی ہے مثلاً جب وزیروں نے سلطان عبدالعزیز یا سلطان مراد کا معزول کرنا مناسب سمجھا تو اُس میں شیخ الاسلام کا اتفاق ضرور تھا اور اُس سے ایک فتوے لیا گیا کہ سلطان عبدالعزیز یا سلطان مراد الیق بادشاہت نہیں کر اُس کا عزل کرنا احکام شریعت کے موافق درست ہے۔ جب دوسرا بادشاہ اُس کی جگہ قائم کیا گیا تو شیخ الاسلام سے اُس کا استحقاق بادشاہت تسلیم کرنا ہوا +

جو کہ مسلمانوں نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ عقاید مذہبی اور معاملات دنیوی اور انتظامات ملکی سب کا تعلیم بموجب فقہ حنفی کے ہونا چاہیے (جو نا واجب تقلید اہلی داعث اُن تمام غروہیوں کا ہے جو سلطنت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں) اس سبب سے ہر ایک امر متعلق انتظام سلطنت میں شیخ الاسلام کو مداخلت ہے۔ زمین پر انگذاری مقرر کرنے۔ ٹیکس یا جزیہ لگانے۔ تجارتی احکام جاری کرنے۔ ملکی قانون جاری کرنے۔ عدالتوں کے تقرر کرنے۔ عدالتوں کی کارروائی کے ضوابط مقرر کرنے۔ انفصال حقوق کے اصول میں۔ جنگی معاملات میں۔ غیر سلطنتوں سے صلح و

کرنے میں۔ فوج کے آراستہ کرنے میں۔ یہاں تک کہ فوج کی دروسی و تیار اور قواعد کے طریقہ میں بھی اُسکو مداخلت ہوتی تھی +

مسلمانوں کا گو وہ کسی ملک کے ہوں یہ خیال نہیں ہے کہ شیخ الاسلام کی روح میں کوئی ایسی بات ہے جس کا حکم ماننا ضرور ہے جیسکہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا پوپ کی نسبت خیال ہے بلکہ وہ اُس کے حکم کو اس خیال سے واجب التعمیل سمجھتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے اور جو وہ حکم دیتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہ فقہ و شریعت کے مطابق ہے جس کی پیروی مسلمان مذہباً ضرور سمجھتے ہیں +

اگلے زمانہ میں جبکہ ترکوں میں جہالت اور تاہذیبی زیادہ تھی اُس وقت تک شیخ الاسلام کو ان تمام باتوں میں پوپ کی مانند بہت بڑا کامل اختیار تھا مگر رفتہ رفتہ بہت سی باتوں میں کم ہوتا گیا اور سلطان محمود کے وقت سے اُس کے اختیارات میں بہت کمی ہو گئی اب تو شیخ الاسلام صرف شیر کی کھال رہ گئے ہیں جو باتیں بطور فتویٰ شریعت لوگوں میں مشہور کرنی ہوتی ہیں جیسے آل میں اشتہار جہاد یا اعلام نامہ عدم زیادتی نسبت عیسائیان شہر کیا گیا ہے وہ شیخ الاسلام کی معرفت ہوتا ہے عدالتوں میں بھی اُسکو مداخلت ہے گو پہلے کی نسبت کسی قدر کم ہو +

ایک زمانہ وہ تھا کہ شیخ الاسلام کا تبدیل کرنا ترکوں کے لیے کچھ آسان کام نہ تھا وہ جھٹ سلطان کے کافریا عیسائی ہو جانے کا فتویٰ دیدیتا تھا اور لوگوں میں بغاوت پھیلانی شروع کرتا تھا مگر ایک ستر زمانہ بدل گیا ہے کہ ہم دو شنبہ کی تاریخ سے پتہ چلے کہ شیخ الاسلام مثل اکیں کر کے موقوف کوایا گیا اور مولانا شیخ الاسلام اسکی جگہ مقرر ہو گیا۔ ہمارے یورپین محضرِ مسلمانی مذہب کے اصولوں سے بخوبی واقفیت نہیں رکھتے اس لیے وہ شیخ الاسلام کی نسبت معلوم نہیں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ پادیندیر لکھتا ہے کہ "تھوڑا عرصہ ہوا کہ مینے اشتہار جہاد کی نسبت مباحثہ کیا تھا یہ اشتہار اُس شیخ الاسلام نے مشترک کیا تھا جواب اُس معزز محمد سے سے موقوف ہو گیا ہے اور مینے بھروسہ کر کے اس امر کا یقین کر لیا تھا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کے دلوں پر اُس فتویٰ جہاد سے کچھ اثر نہ ہو گا گو لوگوں کی ہمدردی ترکوں کے واسطے کیسی ہی کیوں نہ ہو علیٰ ہذا القیاس شیخ الاسلام کی بڑانی ایک ایسی بات ہے جس کا اثر قسطنطنیہ پر ہو مگر قصیر ہند کی مسلمان رعایا پر شمسہ بھر بھی اُس کا کچھ اثر نہ ہو گا" +

ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شیخ الاسلام مسلمانی مذہب کے مطابق کوئی چیز نہیں ہے کوئی

شخص خواہ مخواہ اُس کا حکم ماننے پر مجبور نہیں ہے جو شخص کہ اُس کا حکم نہ مانے اُسکے ایمان میں
اُس کے مذہب میں کمی قسم کا نقصان نہیں آسکتا نہ کوئی گناہ اُس پر ہوتا ہے۔ یہ عہدہ کوئی
مذہبی عہدہ نہیں ہے جیسکے پوپ کا عہدہ خیال کیا جاتا ہے۔ شہرخص کو آزادی ہے کہ شیخ الاسلام
کے احکام پر غور کرے اگر اُس کے نزدیک وہ حکم غلط ہو اُس کو رد کر دے۔ ہندوستان کے مسلمانوں
کو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ کوئی اُس کا حکم اُن پر واجب القیام ہے۔
ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ترکی کے مسلمانوں کی حالت سے اوروں کے احکام مذہب اسلام
کے باطل مختلف ہے ہندوستان کے مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں اور اُس کے امن میں رہتے
ہیں۔ برخلاف اسکے ترکی کے مسلمان ایسے نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لیے احکام مذہبی
مختلف ہیں شیخ الاسلام کا کوئی حکم ہندوستان کے مسلمانوں سے مذہباً متعلق نہیں ہو سکتا۔
ہندوستان کے مسلمانوں کا مذہب یہ فرض ہے کہ اپنے بادشاہ کی جس کی وہ رعیت ہیں اور جس کی
امن میں مذہبی آزادی سے وہ بسر کرتے ہیں ہمیشہ اُس کے تابع ہیں گو وہ ترکوں کے ساتھ کیسی
ہی ہمدردی رکھتے ہوں اور گو ترکی میں اور خود قسطنطنیہ میں کچھ ہی ہوا کرے۔ فرض کرو کہ اگر خود
انگلش گورنمنٹ بجائے روس کے ہوتی اور ترکوں کا ملک بنظم چھین لینا چاہتی اور گو اس بات
سے کیسا ہی رنج و غم اور فصدہ اور آندوگی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہوتی اُس پر بھی مذہب کی
رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان میں جہاں اُن کو امن اور مذہبی آزادی ہے بجز
انگریزی گورنمنٹ کی اطاعت کے اور کچھ چارہ نہیں پس ہم اپنے یوروپین دوستوں کو بتانا چاہتے
ہیں کہ ترکی میں کچھ ہی انقلاب ہو اگر پس اور کچھ ہی احکام جاری ہو اگر پس اُن کا اثر ہندوستان میں
مذہب کی رو سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو امور خلاف مراد ترکی ہوتے ہیں
اُن سے ہندوستان کے مسلمانوں کو از حد رنج و غم و فصدہ ہوتا ہے۔ مخالفان ترکی سے از حد رنج
ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات کہ سلمان سلطان کو ایک مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اور پس لیے اُسکی
ہمدردی کرتے ہیں ایک لغو و مصلحت ہے بلکہ یہ ہمدردی ایک قدرتی طبیعت ہے اور تعلیم سے
اور اخبارات سے اور سفر کی آسانی سے جو اس زمانہ میں حاصل ہے اور جس کے سبب سے سلطنت
ترکی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی ہے اُس ہمدردی کو بہت کچھ
ترقی ہو گئی ہے۔

ملکِ یمن

ان دنوں میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں روم و روس کی لڑائی کا چرچا ہے۔ لڑائیں آپس میں بادشاہوں کے ہوا ہی کرتی ہیں اور چرچا بھی لڑائیوں کا ہوا ہی کرتا ہے مگر جو رنج و غم مسلمانوں کا ہے وہ روسیوں اور بلگیوں یا والوں کے اُن ظلموں کا ہے جو انہوں نے مسلمانوں پر کیئے ہیں۔ سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو پکڑ کر مار ڈالا اور نہایت بے رحمیوں سے مارا۔ ہڈیوں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جن عورتوں کی گود میں شیر خوارہ بچے تھے اُن کو بھی قتل کیا اور اُن شیر خوارہ بچوں کو زندہ انہی لاشوں میں ڈال دیا کہ رو رو کر۔ چلا چلا کر اور جانوروں کے پنجوں کے زخمی ہو کر سسک سسک کر مر گئے۔ یہ واقعات اگرچہ سچے غم دلانے والے ہیں مگر حسد اس پنج میں ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ ان سب کا آخری نتیجہ موت تھی۔ پس مرنے سے کیا ڈرنا وہ کسی نہ کسی طرح اگلی تکلیف اٹھا کر جان گئی یا آسانی سے جان نکل گئی مگر سب سے زیادہ رنج اور غصہ اور غیرت اور کاشط طبع جو مسلمانوں کو ہے وہ روسیوں کی اور بلگیوں یا والوں کی اُن لائق حرکت سے ہے جو انہوں نے کنواری لڑکیوں۔ بیابھی عورتوں۔ بڑھتی بیواؤں سے بطور ملکِ یمن کے کیا مقام پیر سے جو مارتی آیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ ہر ایک سمت سے لوگ بھاگ بھاگ کر اُن مقاموں کو آتے ہیں جہاں پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے اور مرد اور عورت بلکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے قتل کی ایسی خبریں اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کو سن کر کلیجا پھٹ جاتا ہے۔ وہی سپاہی مسلمانوں کی جو روفوں اور کنواری لڑکیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور اُن کو خراب کرتے ہیں اس طرح پر سینکڑوں عورتیں خراب کی گئیں۔ پس یہ واقعہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو رنج دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس پھیلی حرکت کو نہایت وحشیانہ و لائق حرکت خیال کرتے ہیں اُس وحشی انسان پر غور کرنا چاہیے جس نے ایسی عورت کو پکڑ لیا ہو جس کا بیٹا سپدان میں مقتول چٹا ہے اور جس کا غصہ زخمی تڑپ رہا ہے اور وہ رو رہی ہے اور چلا رہی ہے اور یہ اُسکو چھپا کر اُس کے ساتھ دھڑت کے نیچے یا اپنے تئیں کے تلے وہ وحشیانہ حرکت کرتا ہے جسکو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کافر سے کافر کیوں نہ ہو ہر یقین ہے کہ وہ روسیوں اور بلگیوں یا والوں کی اس حرکت پر اُن کو لعنت و نفرین کرتا ہو گا۔ کیسے سے کیسا ہی مقدس مسلمان ہو وہ بھی اُن کتوں کو اپنے بارے میں وحشیانہ حرکت سمجھتا ہو گا ہم نے سنا ہے کہ کافروں نے بھی اس امر کو ناپسند کیا ہے

اور چند عیسائی سلطنتوں نے ان ظلموں کی بابت روسیوں سے کیفیت طلب کی ہے مگر ہموکو بڑا خوف ہے کہ کہیں نورالافاق کے پچھلے پرچے جس میں ہمارے شفیق مولوی محمد علی صاحب نے ہمارے سال تہذیبۃ الاسلام عن شین الامۃ والظلام کا جواب لکھا ہے اور کہیں ہمارے مخدوم و مکرم مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالے جن میں انھوں نے ایسی حرکات کو مذہب اسلام میں جائز قرار دیا ہے روسیوں کے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں اور وہ ان کو اپنی برأت کی دلیل میں پیش نہ کریں اور جواب دیں کہ یہ باتیں کچھ وحشیانہ پن کی نہیں ہیں جن لوگوں کے ساتھ بننے کیا ہے وہ اپنے مذہب کی رو سے اور اپنے خدا کے حکم کے بموجب دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسی حرکتیں کرنی جائز سمجھتے ہیں اور غور و تامل سے بزرگوں کی نسبت ان افعال کو منسوب کرتے ہیں۔ پھر ہم ان افعال میں کیوں مجرم ہیں ہاں عورتوں اور بچوں کے قتل کا گناہ ہم پر ہے مگر قصوف علی ملک الیمین کی نسبت جواب پوچھنا بیجا ہے۔ ہمو نہایت رنج و افسوس ہے مسلمانوں کی ایسی جاہلانہ باتوں پر جو اسلام کو ایسی بد باتوں سے داغدار کرتے ہیں اور جو باتیں اسلام میں نہیں ہیں صرف اپنی ہوائے نفسانی سے اُس میں داخل کرتے ہیں جس ہندوستان کے مسلمان کو ہمارا مسئلہ حریت اساری میں شبہ ہو اس کو جناب مولوی محمد علی صاحب اور جناب مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالوں کو پڑھنا ضرور نہیں ہے وہ سیدھا بلگیر یا میں چلا جاوے اور جو زیادتیاں عورتوں اور کنواری لڑکیوں پر ہوتی ہیں ان کو دیکھے اور فیصلہ کر لے کہ ایسی حرکتوں کا کسی مذہب میں بھی ہونا جائز ہو سکتا ہے افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو ایسی باتیں مذہب اسلام میں جائز بتاتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوس ہے مسلمانوں کی اس حالت پر کہ روسوں کو تو مقدس مسلمان تصور کرتے ہیں اور جو کوئی مذہب اسلام کو ان نجس باتوں سے پاک بتاوے اور ثابت کرے کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے اور نہ مذہب اسلام میں جائز ہے بلکہ مذہب اسلام اس عیب سے پاک ہے اُس کو کافر و ملحد و کرٹان و نیچریتہ بتاتے ہیں و سیعلمونہ من هو اشد ظلماً و کفراً +

مہدی آخر الزمان

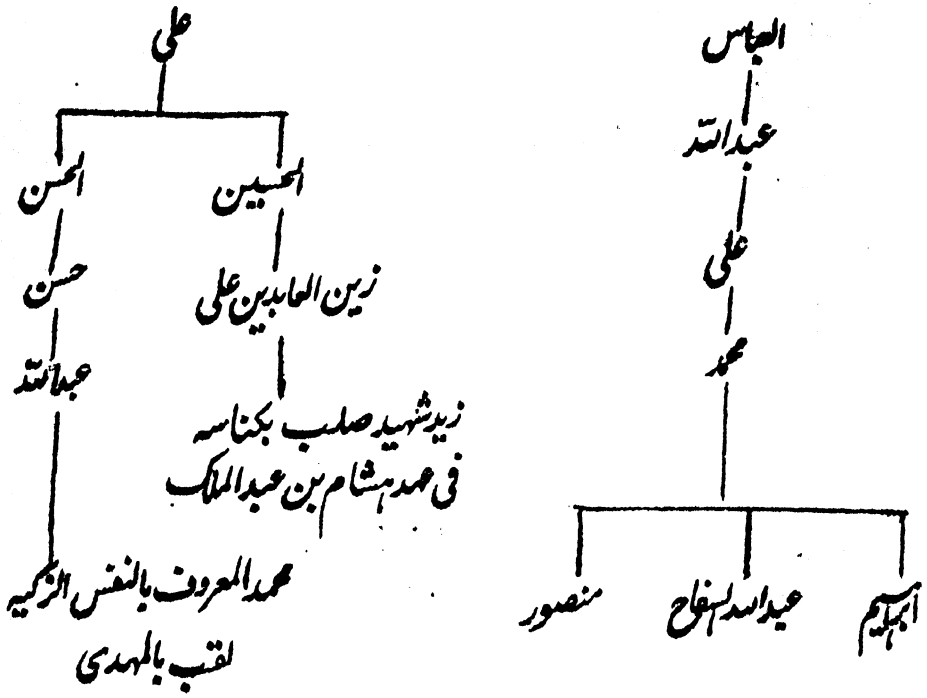
ان غلط قصصوں میں سے جو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ایک قصہ امام مہدی آخر الزمان کے

پیدا ہونے کا ہے۔ اس قصہ کی بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں بھی مذکور ہیں مگر کچھ شبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں جب کہ ایک محقق کیا باعتبار واقعات تاریخی کے اور کیا باعتبار اُن کے راویوں کے اُن پر غور کرتا ہے تو اُن کا غلط اور نامعتبر اور وضعی ہونا آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ان حدیثوں کے بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ چنانچہ ہم اُن حدیثوں کو آٹا موٹا تاریخی واقعات کے بیان کرتے ہیں اور اُن کا وضعی ہونا دکھلاتے ہیں اور پھر محدثین کے طریقہ پر اُن کے راویوں کی نسبت بحث کریں گے اور راویوں کا نامعتبر ہونا دکھلا دیں گے جس سے ثابت ہو جائیگا کہ مہدی آخر الزمان کی بشارت کوئی اصلی بشارت نہ تھی بلکہ اُس زمانہ کے لوگوں کی صرف ایک حکمت عملی اور خلافت امامت آجانیکی تدبیروں میں سے ایک تدبیر تھی اور اُن سے کسی ایسے مہدی کی جو مسلمانوں نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارت مقصود نہیں تھی +

جب کہ خلفائے اربع کی خلافت ختم ہو گئی اور حضرت امام حسن نے بھی خلع خلافت کیا اور مستقل خلافت خاندان بنی اُمیہ میں چلی گئی تو بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے دل سے پھر خلافت حاصل کرنے کا جوش کبھی کم نہیں ہوا۔ اُسی حالت میں واقع کر بلا واقع ہوا جس سے بہت لوگوں کا دل بنی اُمیہ کی طرف سے متنفر اور بنی فاطمہ کی طرف مائل ہوا +

مگر صیاح بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگار خلافت کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی بنی ہاشم تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمد یعنی آل حضرت صلعم کا کتبہ سمجھتے تھے۔ بنی عباس کو یہ بھی یقین تھا کہ بنی فاطمہ سے خلافت کا کام نہیں چلے گا مگر ہم چلائیے چنانچہ جب بنی عباس خراسان میں اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اُس وقت بنی فاطمہ کے دل میں بھی اُس کا جوش ہوا تھا کہ تم سے یہ کام نہیں ہونے کا ترجمہ تاریخ طبری میں مندرج ہے کہ انگاہ یعنی (زمانہ تحریک خراسان پر خلافت بنی عباس) طبع افتاد بنی ہاشم را اند خلافت و فضل ابن عبد الرحمن بن عباس بن جعفر بن رث بن عبد المطلب بیٹے چند گفت و بعد از عبد الرحمن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما دوا و اور انھیں کرد بر طلب ولایت و ابو الحسن گفت کہ با عبد اللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب و علی بن عبد اللہ بن عباس ہی رستم داود بن علی فرا نزدیک عبد اللہ بن الحسن شد و گفت اگر تو فرمودی بہر ان خویش را محمد و اباہم تا اند آمدند سے فرہاد و حرب کردند سے نیک بود سے کہ دولت بنی اُمیہ اند شوریدہ بیعتی کثیر مانے خراسان چگونہ

جی آید و تباہ شدہ است و عبداللہ بن الحسن گفت ہنوز آں مہنگام نیست کہ مارا باید آمدن محمد بن علی گفت یا ابا محمد شمار بر بنی اُمیہ ظفر نباشد ظفر مارا بود و منم کہ ایشان را انگشتم و کارا زایشان بتانم و ما ذلک علی اللہ بعزیز پس عبداللہ بن الحسن خاموش شد و چہرے نگفت (ورق ۴۹۸ - صفحہ ۲)



غرض کہ اخیر زمانہ خلفائے بنی اُمیہ میں جبکہ اُن کی خلافت میں کسی قدر ضعف بھی ہو گیا تھا اور اُن کے ظلم و تعدی سے اہل حجاز ناراض بھی تھے بنی عباس اور بنی فاطمہ بہت سی تدبیریں اور ترغیبیں خلافت چاہل کرنے کو کر رہے تھے۔ اس خلفشار میں لوگوں کے چار گروہ ہو گئے ایک گروہ تو خلفائے بنی اُمیہ کا طرفدار تھا جو مسند خلافت پر جلوہ آراتھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو عبداللہ بن زبیر کی خلافت پر مائل تھا جنہوں نے مکہ معظمہ میں دعویٰ خلافت کا کیا تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو بنی عباس میں سے خلیفہ ہونے کی تدبیریں تھا اور چوتھا وہ تھا جو بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کا طرفدار تھا۔

بنی اُمیہ والے گروہ کو تو جو جاسکے کہ وہ اُن کی خلافت قائم رکھنے میں کوشش کریں اور مخالفوں سے لڑیں اور کُتل و بیاہد کریں اور کوئی کام نہ تھا مگر تین فریق جو باقی رہے اُن کی تدبیریں البتہ غور کے قابل ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں کو کچھ زیادہ کا درد و آئی کا موقع نہیں ملا مگر بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں نے نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کی تھیں۔ سب سے پہلی یہ

یعنی کہ اُن کی طرف سے لوگ دُور دُور ملکوں میں جلتے تھے اور لوگوں کو سنی امیہ سے برخلاف اور اُن کی خلافت پر یائل کرنے تھے اور سب سے بُرا مذہب لوگوں کے براگھیتہ کرنے کا اُن دشمنی حدیثوں کا پھیلاتا اور لوگوں کو سنا مانتا جس سے اُن لوگوں کے استحقاق خلافت کو جن کے طرفدار اُن حدیثوں کو بناتے تھے بے یوریشین گوئی کے تقویت ملتی تھی۔ وہ ان پیشین گوئیوں میں یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ کوئی دوسرا پیغمبر ہونے والا ہے جس کی اطاعت سب کو چاہیے ایسے اُصول نے لفظ ہمدی کا اختیار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شخص جو خدا کی طرف سے ہدایت کیا گیا ہے عدل و انصاف کرنا والا پسند ہو گا جس کی اطاعت سب کو چاہیے اور اُن دشمنی حدیثوں میں اُس ہمدی کی ایسی نشانیاں بتاتے تھے جو اُن لوگوں پر مصافق آتی تھیں جن کا وہ حلیف ہونا چاہتے تھے چنانچہ یہ امر اُن اقوات کو حدیثوں سے مطابق کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے ۛ

عبداللہ بن زبیر کا زمانہ بہت نہیں چلا جبکہ ستم ہجری میں مطابق سنہ ۶۸ کے نزدیک تخت پر بیٹھا اور واقعہ کربلا بھی ہو چکا تو اہل حجاز اُس کی بدکاریوں سے نہایت ناراض تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور حجاز کے لوگ اُن کی طرف یائل تھے پس عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کیا اور عراق و حجاز و یمن و بصرہ کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی یزید نے اُن سب ملکوں کو باغی قرار دیا اور مدینہ منورہ کے قتل و غارت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر فوج بھیجی۔ وہ مکہ میں محصور ہوئے اور لڑائی ہوئی مگر یزید کے مرجانے کے سبب سے وہ فوج واپس آئی ۛ

یزید کے بعد معاویہ بن یزید خلیفہ ہوا۔ مگر اُس نے خلافت چھوڑ دی اور سنہ ۶۸ ہجری مطابق سنہ ۶۸۴ عیسوی کے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا اُس نے اپنے وزیر حجاج کو موافق کثیر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر روانہ کیا عبداللہ پکڑے گئے اور سنہ ۶۸ ہجری مطابق سنہ ۶۸۴ ع کے اُن کو سولی دیکر مار ڈالا ۛ

یہ فوج کشی جو دوسری فوج ہوئی نہایت سخت تھی اور اس غرض سے کہ لوگ عبداللہ بن زبیر کی مدد کریں اُن لوگوں نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے طرفدار تھے اُن کے لیے حدیثیں بنالیں انہی حدیثوں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو

۱۔ (تھا) عن ام سلمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوداؤد نے ام سلمہ سے روایت کی ہے جس میں

قال يكون اختلاف عند موت خليفة
فيخرج رجل من اهل المدينة هاربا
الى مكة فياتيه ناس من اهل مكة فيخونونه
وهو كاره فيبايعونه بين المكن والمقام ويحث
اليه بعث من الشام فيخسف بهم بالبديداء
بين مكة والمدينة فاذا طاي الناس ذلك
اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق
فيبايعونه ثم ينشأ رجل من قریش احواله
كلب فيبعث اليهم بعثا فيظفرون عليهم
ذلك بعث كلب والحنية لمن لم يشهد
غليمة كلب فيقسم المال ويعمل في الناس
لسنة نبيهم صلعم ويلقي الاسلام بجرانه
الى الارض فيلبث سبع سنين (تسع سنين)
ثم يتوفى ويصلى عليه المسلمون *

ابوداؤد صفحہ ۲۳۲

قائد بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ
ہے کہ ام سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا بیان
کیا کہ ایک خلیفہ کے مرنے پر اختلاف واقع
ہوگا پھر ایک شخص مدینہ میں سے بھاگ کر
مکہ میں آوے گا پھر اُس کے پاس مکہ کے لوگ
آویں گے اور اُس کو خلیفہ بنائیں گے لیکن
نکالیں گے اور وہ خلیفہ ہو نہیگا پس نہیگا پھر لوگ
اُس سے حجر اسود اور مقام ابراہیم لے جائیں
بعیت کر لیں گے پھر شام سے اسپر لشکر چڑھ کر
آویگا پھر وہ لشکر مکہ و مدینہ کے درمیان کے
میدان میں دھنس جاویگا جب لوگ یہ بات
دیکھیں گے تو شام کے ابدال یعنی بزرگ لوگ
اور عراق کے لشکر اُس کے پاس چلے آویں گے
اور اُس سے بعیت کر لیں گے پھر ایک شخص قریش
نشین سے جس کی قوم بنی کلب رشتہ میں ماموناد
ہوگی اُسے گا اور ایک لشکر اُن پر بھیجے گا اور

وہ اُن پر فتح پاویں گے اور یہ لشکر قوم کلب کا ہوگا۔ انفسوس ہے اُس شخص پر جو کلب کی
لوٹ میں موجود ہو پھر وہ شخص مال کو تقسیم کرے گا اور لوگوں میں اُن کے پیغمبر کے طریقہ پر عمل کریگا
اور اسلام کو زمین پر پھیلادے گا پھر سات برس یا نو برس جتنا رہیگا پھر مر جائیگا اور مسلمان
اُس کی نادر پڑھیں گے *

یہ شروع شروع زمانہ اس قسم کی حدیثوں کے بننے کا ہے اور ابھی تک ہمدی کا لفظ وضع
نہیں کیا گیا ہے مگر محدثین نے ہمدی ہی سے اس حدیث کا بھی تعلق سمجھا ہے اور اسی لیے ابوداؤد
نے باب الہمدی میں اس حدیث کو لکھا ہے۔ مگر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث جلد
بن زبیر کے لیے بنائی گئی تھی مدینہ سے مکہ میں آنا اور بین الرکن المقام بعیت کا ہونا اور پہلی دفعہ
شام کا لشکر بغیر فتح کے واپس چلا گیا اُس کے دھنس جانے سے کہ یہ کرنا اور عراق سے لشکر

آنا جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت قبول کی تھی یہ سب ایسے اشارے اس پیشین گوئی میں ہیں کہ ہیر پھیر کر سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو پیشین گوئی اس میں ہے وہ عبداللہ بن زبیر ہی اسکی مصداق ہیں +

بنی فاطمہ نے جو تدبیر خلافت منصوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی کی تھی وہ مدت تک جاری رہی مگر افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوئے +

سب سے پہلے کوشش وہ تھی جو زید کے وقت میں ہوئی اور اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت امام حسینؑ نے مسلم ابن عقیل کو وہاں بھیجا اور پھر خود بھی روانہ ہوئے اور صحرائے ماریہ میں فرات کے کنارہ ستئم ہجری مطابق ششہ ۶ کے مع بہتر رفقا کے شہید ہو گئے +

مگر بنی فاطمہ کے دل سے یہ دعویٰ زائل نہیں ہوا جبکہ ششہ ہجری مطابق ستئم ۶ کے ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو زید ابن علی بن حسین علیہم السلام نے جو مدت سے اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اور جا بجا ان کے نقیب پھیلے ہوئے تھے کوفہ میں دعویٰ خلافت کیا مگر جب ہشام کی فوج آئی تو صرف پانسو آدمیوں نے ساتھ دیا شکست ہوئی اور حضرت زید شہید ہوئے یعنی کنارہ میں ٹوٹی دیدی گئی +

جو لوگ کہ بنی فاطمہ سے گرویدہ تھے اور زید شہید کی خلافت چاہتے تھے انہوں نے اس لیے کہ لوگ بنی فاطمہ کی طرف رجوع کریں اور زید شہید کی خلافت کے حامی ہوں وضعی حدیثیں بنا کر لوگوں میں پھیلائی شروع کیں اب ایسا مضمون ان حدیثوں میں بیان ہونے لگا جس سے پایا جاوے کہ بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی ہوئی ہے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ابوداؤد میں حضرت علیؑ سے روایت ہے جس میں کا ایک راوی فطر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اس حضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر دنیا سب چلی جاوے اور صرف ایک دن ہی

باقی رہ جاوے تو بھی ضرور خدا تعالیٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی +

۲ (فطر) عن علی عن النبی صلعم
لو لم یبق من الدنیا الا یمو المبعث اللہ
رجلا من اہل بیتی یملاءھا عدلا
کما ملئت جورا +

(ابوداؤد سنو ۲۳۲)

اسی طرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث غالباً حاکم کی مستدرک سے نقل کی ہے ابو سعید نے کہا کہ آں حضرت صلعم نے ذکر کیا کہ اس اُمت

پر ایک بلا پڑے گی یہاں تک کہ کوئی شخص اُسکے ظلم سے بچنے کو کوئی ٹھکانہ پاویگا پھر اللہ تعالیٰ ایک شخص میری اولاد اور میری اہل بیت سے کھڑا کرے گا اور اُس کے سبب سے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی اُس سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے رہنے والے راضی ہوں گے اور آسمان اپنی بوندوں میں سے ذرا بھی نہیں چھوڑے گا جو نہ برساتی ہو اور زمین نباتات میں سے کچھ نہ چھوڑے گی جو نہ اُگائی ہو یہاں تک کہ زندے مردوں کو یاد کریں گے اور اسی حالت میں وہ سات یا آٹھ یا نو برس زندہ رہیگا ۴

کچھ عجیب نہیں ہے کہ اسی زمانہ میں اُن شخص کے لیے جس کی نسبت گم گم میں پیشین گوئی ہوتی چلی آتی تھی ہمدی لقب وضع ہوا کیونکہ ہمدی کا لقب انہی حدیثوں کے ساتھ شامل ہے جن میں بنی فاطمہ اور اہل بیت میں سے خلیفہ ہونے کی بشارت ہے اور وہ حدیثیں بھی جن میں ہمدی کا لقب بیان ہوا ہے متعدد کتابوں میں

ہیں چنانچہ ابوداؤد میں ام سلمہ سے جس کے راویوں میں علی بن نفیل بھی ایک راوی ہے یہ حدیث مذکور ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری آل میں سے اور فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہمدی ہوگا ۴

۳۔ عن ابی سعید قال ذکر رسول اللہ صلعم بلاء یصیب ہذہ الامۃ حتی لا یجد الرجل ملجاء الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلاً من عترتی و اہل بیتی فیملأ وہ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن الارض لا تدع السماء من قطر ہا شیئاً الا صبتہ مدداً و لا تدع الارض من نباتا شئیاً الا اخرجتہ حتی یتمنی الاحیاء الاموات یعیش فی ذلک سبع سنین او ثمان سنین او تسع سنین۔ (مسند حاکم) مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۳

۴۔ (علی بن نفیل) عن ام سلمۃ قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول الہمدی من عترتی من ولد فاطمۃ + (ابوداؤد۔ صفحہ ۲۳۲)

اور ابو داؤد ہی میں ایک دوسری حدیث ابی سعید خدری سے ہے جس میں عمران القطان بھی ایک راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ سعید خدری

۵۔ (عمران القطان عن سعید الخدری قال قال رسول الله صلعم المہدی منی اجلی الجہمة افنی لافنی ملاء الارض فسطا وعدا کما ملئت جوعا وظلما ۛ یماک سبع سنین ۛ)
(ابو داؤد - صفحہ ۲۳۲)

نے آں حضرت صلعم کا یہ فرمان بیان کیا کہ مہدی مجھ میں سے ہے چمکتی ہوئی پیشانی اور اونچی ناک والا بھر دیگا زمین کو عدل و انصاف سے جیسے کہ بھر گئی ہوگی جور و ظلم سے اور وہ ملک رہیگا سات برس ۛ جو علیہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے گویا وہ علیہ زید شہید کا ہے ۛ

اتفاقات زمانہ سے حضرت زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ اپنے ارادہ میں کامیاب ہوئے اور ہشام کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ حضرت یحییٰ نے شہید ہوتے وقت وصیت کی کہ میرے بعد محمد بن عبداللہ کی طرف رجوع کرنا حضرت محمد پر پوتے ہیں حضرت امام حسن علیہ السلام کے انہی کا خطاب نفس زکیہ اور لقب المہدی ہے ۛ

۱۱۔ (ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فرقہ زیدیت نے زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ کی اہانت کے قائل ہیں پھر وہ خراسان کی طرف گئے اور خوجان میں شہید ہو گئے شہید ہوتے وقت انہوں نے محمد بن عبداللہ بن حسن الحسن السبط کے حق میں وصیت کی اُن کو نفس زکیہ کہتے ہیں انہوں نے حجاز میں مرجع کیا اور مہدی اُن کا لقب دیا گیا پھر منصور کا لشکر اُن پر چڑھا آیا اور وہ شہید ہو گئے ۛ)

چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فرقہ زیدیت نے زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ کی اہانت کے قائل ہیں پھر وہ خراسان کی طرف گئے اور خوجان میں شہید ہو گئے شہید ہوتے وقت انہوں نے محمد بن عبداللہ بن حسن الحسن السبط کے حق میں وصیت کی اُن کو نفس زکیہ کہتے ہیں انہوں نے حجاز میں مرجع کیا اور مہدی اُن کا لقب دیا گیا پھر منصور کا

لشکر اُن پر چڑھا آیا اور وہ شہید ہو گئے ۛ حضرت محمد بن عبداللہ کی خلافت مستحکم کرنے کو اواس غرض سے کہ لوگ اُن کے معتقد اور اُن کے گرویدہ ہو جاویں اُن کے طرفداروں نے بہت سی وضعی حدیثیں پھیلائی ہیں انہیں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو ابو داؤد میں لکھی ہے اور جس میں مارون اور عمرو بن ابی قیس اور یونس بن

راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنے بیٹے امام حسن کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ

بیٹا سید ہے جیسے کہ پیغمبر خدا نے اُن کا نام رکھا

ہے اور قریب ہے کہ اُس کی اولاد میں سے

ایک شخص نکلے گا جس کا نام وہی ہوگا جو تمہارا

نبی کا نام ہے اور انھیں کا سا خلق ہوگا مگر

صورت میں اُن کے مشابہ نہ ہوگا پھر اُن کا

بیان کیا کہ وہ بھر دے گا زمین کو عدل سے

محمد بن عبد اللہ حضرت امام حسن کے پر پوتے

تھے اور محمد ہی اُن کا نام تھا پس اُنکی خلافت

پر لوگوں کو راغب کرنے کے لیے یہ حدیث

نہائی گئی *

علامہ اس کے آور بہت سی وضعی حدیثیں ہیں جن میں مہدی کا محمد نام ہونے کی بشارت

ہے چنانچہ ابو داؤد میں ایک حدیث ہے جس

میں عاصم بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے

کہ عبد اللہ بن مسعود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا بیان کیا

کہ اگر دنیا بجز ایک ن کے کچھ نہ باقی رہی تو بھی

اللہ تعالیٰ ضرور اُس ن کو بڑھا دیگا تاکہ اللہ

اُس میں ایک شخص کو مجھ میں سے یا یہ کہا کہ ایک

اہلبیت میں سے کھڑا کرے جس کا نام میرے

نام کے مطابق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام

میرے باپ کے نام کے مطابق اور ظہر راوی

نے اس قدر آور کیا کہ وہ بھر دیگا زمین کو

عدل و انصاف سے جیسے کہ وہ میر گئی ہوگی ظلم و

جور سے اور غیاب کی حدیث میں ہے کہ نہ جاوے گی یا نہ گزرے گی دنیا بیاں تک کہ میرے اہلبیت

میں سے عرب کا ایک شخص نکلتا ہوگا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا * محمد بن عبد اللہ

۶۔ (ہارون عمرو بن ابی قیس ابو اسحق

شیعی) قال علی و نظر الی ابنہ الحسن

قال ان ابني هذا سيد كما سماه النبي

صلعم و يستخرج من صلبه رجل يسمى

باسم بيتكم صلعم يشبهه في الخلق و لا

يشبهه في الخلق ثم ذكر قصة يملأ الارض

عدلا (ابو داؤد صفحہ ۲۳۳) *

۷۔ (عاصم) عن عبد الله بن مسعود عن النبي

صلعم لو لم يبق من الدنيا الا يومنا لعل الله

ذلك اليوم حتى يبعث الله فيه رجلا مني

او من اهل بيتي يواحي اسمي واسم ابني

اسم ابني يملأ فطر يملأ الارض قسطا و

عدلا كما ملئت ظلما و جورا و في حديث

سفیان لا تذهب الا لا تفضي الدنيا حتى

يملك العرب رجل من اهل بيتي يواحي اسم

اسمي (ابو داؤد - صفحہ ۲۳۲)

مجاز میں غروج کیا تھا اور اسی لیے اس حدیث میں عرب کا نام بھی داخل کیا گیا۔

ترمذی میں بھی اسی قسم کی سند و جہ زیل حدیثیں ہیں اور ان سب میں عاصم بھی ایک ملے

ہے اور وہ حدیثیں یہ ہیں عبد اللہ نے کہا

کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا نہیں جانے

کی جب تک کہ میری اہلبیت میں سے ایک

شخص عرب کا مالک ہو جس کا نام میرے نام

کے مطابق ہوگا۔

پھر انہی عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہلبیت میں سے

جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اگر دنیا سے بھر ایک دن گئے باقی

نہ رہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس دن کو بڑھا دے گا

تاکہ والی ہو ایک شخص میری اہلبیت میں سے

جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔

ابن ماجہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں جس کے راویوں میں

یاسین بن عجل بھی ناوی ہے یہ آیا ہے کہ حضرت

علیؑ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المہدی ہم میں سے ہماری

اہل بیت میں سے ہے ایک رات میں اللہ تعالیٰ

اُس کے سب کام درست کر دے گا۔

ایک آؤ حدیث میں جس میں علی بن فضال بھی راوی ہے

سعید بن مسیب بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر ہے تھے ام سلمہ کے کہنے پر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی اور اہل بیت ہوگا

۸۔ (عاصم) عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لا ینذہب الدنیا حتی یمالک العرب

رجل من اهل بیتي یواطی اسمہ اسمی

(ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۹۔ (عاصم) عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال یلی رجل من اهل بیتي یواطی اسمہ اسمی

(ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۱۰۔ (عاصم) عن ابی ہریرۃ قال لولم یبق

من الدنیا الا یوما لطلو اللہ ذلک الیوم

حتی یلی الخ (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۱۱۔ (یاسین بن عجل) عن علی قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم منا اهل البیت یصلح اللہ

فی لیلۃ (ابن ماجہ صفحہ ۷۲۹)

۱۲۔ (علی بن فضال) عن سعید بن مسیب

قال کنا عند ام سلمۃ فتذکرنا المہدی

فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المہدی

من لدنا طلع لا یما جہ صفحہ ۷۲۹)

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن سب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور عہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم اولاد عبدالمطلب سردار اہل حبت

۱۳۔ (عکرمۃ بن عامر علی بن زیاد) عن انس ابن مالک قال سمعت رسول الله صلعم يقول نحن ولد عبدالمطلب سادة اهل الجنة انا وحمزة وعلي وجعفر والحسن والحسين والمهدي (ابن ماجہ صفحہ ۷۶۹)

ہیں اور وہ کون ہیں میں ہوں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المہدیؑ۔ غور کرو کہ اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباس کا نام اولاد عبدالمطلب سے چھوڑ دیا ہے تاکہ بنی عباس کے دعویٰ خلافت کو تقویت نہ پہنچے۔ حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ و طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعی تھے مگر جو جس کا طرفدار تھا اُس کے مفید کام کرتا تھا۔

بنی عباس نے اپنی تدبیروں میں نہایت کامیابی حاصل کی اور آخر کار وہ خلیفہ ہو گئے۔ بنی عباس میں سے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اپنے تئیں بلقب امام لقب کیا مگر وہ مروان کی قید میں پڑے اور قتل ہوئے۔ اس واقعہ سے بنی عباس کی تدبیروں میں کچھ نقصان نہیں آیا اس لیے کہ ابوسلم خراسانی نے جو نہایت دشمن اور مدبر شخص تھا محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس سے خفیہ محبت کر لی تھی اور وہ خراسان میں اس لیے گیا ہوا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کے خلیفہ ہونے پر رائل کرے ابوسلم پاس وہاں خوب جمعیت جمع ہو گئی اور بنی عباس کی طرف لوگوں کے دل رائل ہو گئے۔ ابوسلم نے ”نقیب آل محمد“ اپنا لقب اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے اور اپنی طرف سے ستر نقیب اطراف میں لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر رائل کرنے کے لیے روانہ کیے اور کل دوستداران آل عباس کے لیے سیاہ لباس تجویز کیا اور ان کے لشکروں کے جھنڈے بھی سیاہ قرار پائے۔

اُس زمانہ میں سب سے بڑا نسخہ لوگوں کو گرویدہ کرنے کا حدیثوں کا پیش کرنا تھا اس لیے بنی عباس کے طرفداروں نے ایسی وضعی حدیثیں بنائیں جن سے خلیفہ امجدی ہونے کی پیشین گوئی بنی عباس کے حق میں نکلتی تھی اور مسلمانوں کو ان کی مدد کرتا ان حدیثوں کی رو سے ضرور ثابت ہوتا تھا چنانچہ اسی قسم کی وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں مندرج ہے اور وہ

۱۴۔ عن ثوبان قال قال رسول الله صلعم
اذا رثيتم الرايات السود قد جاءت من
قبل خراسان فاتوها فان فيها خليفة لله
المهدي رواه احمد والبيهقي في دلائل النبوة
(مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۳)

یہ ہے کہ ”ثوبان نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے
فرمایا جس وقت تم دیکھو سیاہ جھنڈوں کو خراسان
کی طرف سے آتے ہوئے تو ان کی اطاعت
کرو بیشک انہی میں خلیفہ اللہ مدی ہوگا۔“
اس حدیث کے مضمون سے صاف پایا جاتا
ہے کہ ابو مسلم نے جو اپنے لشکر کے جھنڈے
سیاہ قرار دیے تھے اس لیے ہوا خوان بنی عباس نے یہ حدیث وضع کر کر لوگوں میں پھیلائی
تھی تاکہ لوگ ان کے مطیع ہو جاویں۔

اس سے بھی زیادہ وضعی ایک اور حدیث ہے جو ابوداؤد میں مذکور ہے۔ انہی ہنگاموں
اور تدبیروں کے زمانوں میں جو نسبت خلافت کے ہو رہی تھیں ایک شخص الحرث قوم ازبک
تھا اور وہ بھی خراسان میں بنی امیہ کے گروہ میں تھا مگر اس نے خلیفہ بنی امیہ کی اطاعت کو
چھوڑ دیا اور ہوا خوان بنی عباس میں شامل ہو گیا چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ کہ
”حرث ایک شخص قوم ازبک کا خراسان میں
تھا اس نے سال ۶۷ھ میں خلیفہ بنی امیہ کی
اطاعت کو چھوڑ دیا اور سیاہ لباس پہن لیا
اور لوگوں کو خدا کی کتاب و پیغمبر کی سنت پر
چلنے اور اس طریقہ کو پسند کرنے پر جس پر کہ
بنی عباس کے ہوا خواہ بیت لے رہے تھے
مشغول ہوا۔“ اس حرث کے لیے بھی ایک

کان الحرث عظیم الاند بخراسان فخلع
سنة سنة عشر ولبس السواد ودعا الى
كتاب الله وسنة نبيه والبيعة الرضا
علي ما كان عليه دعاة بني عباس هناك
(ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۹۲)

حدیث بنائی گئی اور لوگوں میں پھیلائی گئی جو ابوداؤد میں مندرج ہے اور جس میں ہارون و عمرو
بن ابی قیس و ہلال بن عمرو بھی راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ ”حضرت علی نے کہا کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ فرات کے
اُس طرف سے ایک شخص خروج کرے گا جسکو
حارث حرث کہیں گے اُس کی سرداری میں ایک
شخص ہوگا جس کو منصور کہیں گے بسا دیکھا اور جبکہ

۱۵۔ (ہارون و عمرو بن ابی قیس ہلال
ابن عمرو) عن علي قال قال رسول الله صلعم
يخرج رجل من وراء النهر يقال له الحارث

دیگا آل محمد کو جس طرح کہ جگہ دی قریش نے
رسول خدا صلعم کو واجب ہے ہر مسلمان پر
اُس کی مدد دینے سے منصوص وہی ہیں بنی عباس
میں سے جو خلیفہ ہوئے۔ پس ان تمام اوقات
کے مطابق کرنے سے کس شخص کو شبہ باقی رہتا

حراثت علی مقدمہ رجل یقال له منصور
یوطن او یملک کالی محمد کما ملکنت قریش
لرسول اللہ صلعم وجب علی کل مومن نصرة
(ابوداؤد صفحہ ۲۳۳)

ہے کہ یہ سب حدیثیں وقت کی مناسبت سے اور اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے
بنالی گئی تھیں۔

اسی قسم کی کئی حدیثیں ابن ماجہ میں ہیں انہی میں سے وہ حدیث ہے جس میں زید بن

ابی زیاد بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ
”عبداللہ نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول خدا صلعم
کے پاس تھے کہ دفعۃً بنی ہاشم کے چند گبر و
آگئے جب ان کو رسول خدا صلعم نے دیکھا تو
آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ کا
رنگ متغیر ہو گیا۔ عبداللہ نے عرض کیا کہ کیا
بات ہے جو آپ کے چہرہ مبارک سے ایسی
بات پائی جاتی ہے جو ہمارا ناخوش کرتی ہے
آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیت
کے لیے دنیا پر آخرت کو پسند کیا ہے اور قریب
ہے کہ میری اہل بیت میرے بعد بلا میں اور
تشدد میں اور ڈاواں ڈول ہو جانے میں
پڑیگی یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک
قوم آوے گی جس کے ساتھ سیاہ جھنڈے
ہوں گے پھر وہ ایک نیک بات کا سوال کریگی
پھر ان کو وہ نہیں ملیگا پھر وہ ٹھیکے اور فتح
پاویں گے اور جو مانگتے تھے وہ ملنا دیگا پھر وہ

۱۶ زید ابن ابی زیاد عن عبداللہ قال
بینما نحن عند رسول اللہ صلعم اذا قبل
فتیۃ من بنی ہاشم فلما راہم التبی
صلعم اعز ورت عیناہ وتغیر لونہ قال
فقلت ما نزل نری فی وجہک شیئا
نکرہ فقال انا اهل بیت اختار اللہ لنا
الآخرة علی الدنیا وان اهل بیتی سلیقون
بعدي بلاء وتشدید او تطریلا حتی یاتی
قوم من قبل المشرق معہم رایات سود
فیسألون الخبر فلا یعطونہ فیقاتلون
فینصرون فیعطون ما سألوا فلا یقبلونہ
حتی یدفعوہا الی رجل من اهل بیتی فیمسک
قسطاً کما ملوہا جوداً من ادراک ذلک
منکم فالیا تم ولو حبوا علی الثلیم -
(ابن ماجہ صفحہ ۴۸)

اُسکو قبول نہ کرینگے یہاں تک کہ اُسکو میری اہل بیت میں سے ایک آدمی کو دیدیں گے اُس وقت کہ ایک شخص میری اہل بیت میں سے کو دیدیا جاوے گا پھر وہ بھر دیگا دنیا کو انصاف سے جس طرح کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم سے جو شخص تم میں سے اُسکو پاوے تو اُن کا ساتھ دے گو کہ برف پر گھسٹ گھسٹ کے ہو۔

ابو مسلم نے جو لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کیا تھا مدت تک اُس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس شخص کو وہ خلیفہ ہونا چاہتا ہے جب بہت لوگ جمع ہو گئے اور لشکر ہم پہنچ گیا اور خراسان میں بخوبی ضبط ہو گیا اُس وقت اُس نے عبداللہ ابوالعباس کا نام ظاہر کر دیا اور اُسکو خلیفہ مشہور کر دیا۔ پس یہ حدیث صرف اس تدبیر کے پورا کرنے کو بطور پیشین گوئی بنائی گئی تاکہ عبداللہ کی خلافت کا اثر اور استحکام لوگوں کے دلوں پر چم جاوے۔

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث بھی ہے جس میں عبدالرزاق ابی قلابہ بھی راوی ہے اور یہ ہے کہ ”ثوبان نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تمھارے خزانہ پر تین شخص ہائے جاوینگے وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے پھر ان میں کسیکو نہ ملیگا پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور تمکو ایسا قتل کرینگے کہ کسی قوم نے نہ کیا ہوگا اُس کے بعد اُور کچھ فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا پھر یہ فرمایا کہ جب تم اُن کو دیکھو تو اُن سے بیعت کرو گو کہ برف پر گھسٹ کر جانے سے ہو کیونکہ وہ ہوگا خلیفۃ اللہ المہدیؑ۔

۱۷ (عبدالرزاق ابی قلابہ) عن ثوبان رضی قال قال رسول الله صلعم تقتل عن كنزكم ثلاثة كلهم ابن خليفة ثم لا يصببر الي واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل المشرق فيقتلونكم قتلا لم يقتله قوم ثم وكر شيئا لا احفظه فقال اذا رايتمو فبايعوه ولو حبوا علي الشام فانه خليفة الله المهدي۔ (ابن ماجہ صفحہ ۷۹۷)

جب کہ بنی اُمیہ کے خاندان کی خلافت ختم ہونے کو ہوئی اور بنی عباس کا تبار اقبال عروج پر ہوا تو ان جھگڑوں میں اس قدر خونریزیاں ہوئی تھیں کہ حقیقت کسی قوم میں نہ ہوئی تھیں بنی اُمیہ اور اُن کے طرفدار سب قتل ہوئے محمد بن علی کے سامنے ایک حمام میں ستر گر وہ بنی اُمیہ کے قتل ہوئے تھے اور پھر اُن کی لاشوں پر بھجونا بھجوا کر کھانا کھایا گیا تھا عبداللہ ابوالعباس کا نام سفاح بسبب بے انتہا خونریزی کے پڑ گیا تھا اس خونریزی پر خاک

ڈالنے اور بنی عباس کی خلافت مستحکم کرنے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس نوح ریزی کی پیشین گوئی ہو چکی تھی اور ضرور ہونیوالی تھی :

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث ہے کہ عبداللہ بن الحارث زیدی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق کی جانب سے لوگ خروج کریں گے اور مہدی کے لیے سلطنت و حکومت قائم کریں گے :

۱۸۔ (ابن لہیعۃ) عن عبداللہ ابن الحارث

بن زیدی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یخرج ناس من المشرق فیوطون للمہدی

یعنی سلطانہ (ابن ماجہ صفحہ ۷۵۰)

بنی عباس کی کوششوں کا آخر کار نتیجہ

یہ ہوا کہ عبداللہ ابو العباس سفاح سپر پوتے

حضرت عباس کے مستقل خلیفہ ہو گئے ان کے

مرنے کے بعد ابو جعفر منصور دوانقی ان کا بھائی ۳۶۱ھ ہجری مطابق ۹۷۳ء کے خلیفہ ہوا

اسی کے وقت میں محمد بن عبداللہ حضرت امام حسن کے پوتے نے دعویٰ خلافت کیا تھا

جو انجام کار قتل ہوئے۔ اس کے مرنے کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن منصور ۳۷۵ھ ہجری مطابق

۹۸۵ء عیسوی کے خلیفہ ہوئے اور انھوں نے المہدی اپنا لقب قرار دیا تاکہ لوگ جان لیں

کہ المہدی جس کی پیشین گوئیاں تھیں وہ اُچکا اب کوئی نہیں آنے والا۔ مقصود اس سے یہ تھا

کہ آئندہ کافساد اور دعویٰ مہدیت بند ہو :

ان تمام حالات کو پڑھ کر ضرور ہمارے اس رُکُل کے پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال

جاوے گا کہ یہ کیوں قرار دیا گیا ہے کہ جب یہ واقعات پیش آئے تو اُس وقت ان کے مطابق یہ

حدیثیں اپنے اپنے اغراض کے لیے بنائی گئیں برعکس اس کے یہ کیوں نہیں قرار دیا جاتا کہ یہ

سب حدیثیں تھیں اور جو پیشین گوئیاں ان میں تھیں انہی کے مطابق یہ سب واقعات

پیش آئے :

مگر اس کا سبب خدا سے غور کرنے میں بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہ حدیثیں دو گروہ

سے متعلق ہیں۔ ایک بنی فاطمہ سے اور ایک بنی عباس سے۔ ایک قسم کی حدیثوں میں المہدی

کا ہونا بنی فاطمہ میں بیان ہوا اور اُس کی اطاعت و نصرت پر حکم ہے۔ اور ایک قسم کی حدیثوں میں

بنی عباس میں المہدی کا ہونا اور اُس کی مدد و اعانت کہنے کا حکم ہے۔ اگر حقیقت کوئی المہدی

ہوتا تو وہ بنی فاطمہ میں سے ہوتا یا بنی عباس میں سے نہ کہ دو مختلف شاخوں میں سے۔ پس

صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی پیشین گوئی الہدی کی نہ تھی بلکہ ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تائید کے لیے حدیثیں بنالی تھیں ۔

جن حدیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں مندرج ہیں اگر وہ کتابیں قبل ان واقعات کے تصنیف ہو چکی ہوتیں اور ان میں یہ حدیثیں مندرج ہوتیں تو البتہ ایک بات قابل اعتماد کے ہوتی مگر وہ کتابیں حدیث کی جن میں یہ حدیثیں ہیں ان واقعات کے بہت دنوں بعد تالیف ہوئی ہیں۔ ان حالات سے جو منہ بیان کیے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واقعات ۵۸ھ ہجری سے پہلے ختم ہو چکے تھے اور ان حدیث کی کتابوں کے مصنف سب اس زمانہ کے بعد تھے اور وہ کتابیں سب اس زمانہ کے بعد تالیف ہوئی ہیں جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔

نام	سنہ پیدائش	سنہ وفات
محمد بن عیسیٰ بخاری	۱۹۴	۲۵۶
مسلم	۲۰۴	۲۶۱
ابو عیسیٰ محمد ترمذی	۲۰۹	۲۶۹
ابوداؤد	۲۰۲	۲۶۵
ابوعبدالرحمن احمد نسائی	۲۱۵	۳۰۳
ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ	۲۰۹	۲۹۳

اس رائے کی زیادہ تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مالک ۹۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ تمام واقعات ان کے سامنے گزرے مگر ان کی کتاب موطا میں کوئی حدیث الہدی کی پیشین گوئی کی نہیں ہے اور نہ بخاری و مسلم میں ہے ۔ ایک بڑا دھوکا لوگوں کو یہ پڑتا ہے کہ جب سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں مندرج ہے تو بلا غور اس کو مان لینا چاہتے ہیں حالانکہ مصنفین صحاح ستہ نے جہاں تک ان سے ہو سکا ہے انہوں نے روایت کی تنقیح میں بڑی کوشش کی ہے یعنی حتی المقدور جن راویوں کو مقبر سمجھا اور انہوں نے جو حدیث نقل کی اس کو کتاب میں مندرج کیا مگر ان حدیثوں کی تنقیح بلحاظ ان کے واقعات مندرجہ اور ان کے مضامین کے جو روایت سے تعلق رکھتے ہیں پڑھنے والوں کی تحقیق پر چھوڑا ہے مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ کے پڑھنے والے اس کی تنقیح کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے ۔

یہ حدیثیں جو ہم نے بیان کیں اگرچہ انہی کتب میں مندرج ہیں جو صحاح میں کہلاتی ہیں لیکن اُن کے راوی بھی معتبر نہیں ہیں اور اس لیے یہ حدیثیں روایت کی تنقیح کے مطابق بھی جو محدثین کے اصول مسلمہ میں سے ہے قابل رد کرنے کے ہیں پس اب ہم بموجب اصول محدثین کے ان حدیثوں کا مردود ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابن خلدون نے ان حدیثوں کے راویوں کی نسبت جو بحث ہے نہایت خوبی سے ایک جگہ جمع کر دی ہے اور ہم اُسی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں :

ہمارے آرٹیکل کے پڑھنے والے دیکھیں گے کہ ہم نے ہر حدیث کے پہلے بعض راویوں کا نام دو ہلالی خط کے چھپر لکھ دیا ہے اُس سے مطلب یہ ہے کہ اُس حدیث کے راویوں میں سے وہ شخص بھی ایک راوی ہے اور وہی شخص نامعتبر ہے اور اُسی کے راوی ہونے کی وجہ سے وہ حدیث قابل اعتبار اور لائق قبول کے نہیں ہے پس اب ہم ہر ایک کی نسبت جو جرح ہے وہ لکھ دیتے ہیں :

ابوداؤد کی روایت میں قتادہ ایک راوی ہے اور وہ مدلس ہے یعنی بیچ کے راویوں کے نام چھوڑ جاتا ہے اور اُس نے اُس حدیث کو عن عن کر کر بیان کیا ہے اور مدلس کی بیان کی ہوئی حدیث بغیر اس کے کہ وہ اُس کا سنا صاف نہ بیان کرے قبول نہیں ہو سکتی :

۱۔ (قتادہ) وقتادہ مدلس وقد عنعن فیہ والمدلس لا یقبل من حدیثہ لکما ماصرح فیہ بالسماع۔
(ابن خلدون صفحہ ۲۶۳)

عجلی نے فطر کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیثیں اچھی ہیں اور اُس میں کچھ شیعہ ہیں اور ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے شیعہ ہے اور احمد بن عبد اللہ بن یونس نے کہا ہے کہ ہم فطر کے سامنے کوچلے جاتے تھے اور اُسکو چھوڑ دیتے تھے اُس سے کچھ نہیں لکھتے تھے یعنی ہم اُسکو لائق اخذ روایت کے نہیں جانتے تھے اور مرہ نے کہا ہے کہ میں اُسکو مشل

۲۔ (فطر) قال العجلی حسن الحدیث و فیہ تشیع قلیل وقال ابن معین ثقہ شیعہ وقال احمد بن عبد اللہ بن یونس کنا نمر علی فطر وهو مطروح لا نکتب منه وقال مرہ کنت امریہ وادعہ مثل الکلب وقال الدار قطنی لا یحتج بہ وقال ابوبکر بن عیاش ما ترک الہ وایتہ عنہ

الاسرء مذهبہ وقال الجرجانی نا ایغ
غیر ثقة (ص ۲۶۲)

کتے کے چھوڑ کر چلا جاتا ہوں اُس سے روایت
نہیں کرتا ہوں اور دارقطنی نے یہ کہا ہے کہ
اسکی روایت سے استدلال نہ کرنا چاہیئے اور

ابو بکر بن عیاش نے کہا ہے کہ میں نے فطر کی روایت تو اُس کی خرابی مذہب کے سبب سے
چھوڑ دی ہے اور جو جانی نے کہا ہے کہ وہ کج رائے ہے قابل اعتبار کے نہیں ہے +

حاکم کے حق میں بلقینی نے کہا ہے کہ ذہبی نے
بقدر سَوحدیث موضوع کے جمع کی ہیں جو
حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہیں اور اُس پر
بہت تشنیع کی ہے اور بر اُکھا ہے اکثر جگہ اور
حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم سے مستدرک
میں تساہل اس لیے ہوا کہ اُس نے یہ کتاب
لکھی تھی کہ پھر اُسی میں سے احادیث
صحیحہ کا انتخاب کرے گا مگر اس سے
پہلے مر گیا +

۳- (حاکم) قال البلقینی قد جمع الحافظ
الذہبی زهاء مائۃ حدیث موضوع من
احادیث المستدرک و شنع علیہ غایۃ
التشنیع فی بعض المواضع وقال الحافظ ابن
حجر انما وقع للحاکم التساہل لانه سواد الکتاب
لینفخہ فاعجلۃ المنیۃ و یغیر ذلک فتری
الحرم (ص ۱۱)

(۱۴) بیہقی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے مستدرک اور کتب بیہقی کو طبقہ سوم کہ
جس میں احادیث صحیح اور حسن اور ضعیف اور متهم بالوضع بھی ہیں شمار کیا ہے۔ قولہ۔ طبقہ ثالثہ
احادیث کے جماعہ از علماء متقدمین بزرگان بخاری و مسلم یا معاصرین آہنایا لاحقین بآہنادر تصانیف
خود روایت کردہ اندیک التزائم صحت نہ نمودہ و کتب آہنادر شہرت و قبول در مرتبہ طبقہ اولے و
ثانیہ نہ رسیدہ ہر چند مصنفین اُن کتب موصوف بودند تہ تہ در علوم حدیث و وثوق و عدالت
و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ متهم بالوضع نیز در اُن کتب یافتہ می شود و رجال اُن کتب
بعض موصوف بعدالت و بعض مستور و بعض لاجہول و اکثر اُن احادیث معمول بہ نزد فقہا
نشده اند بلکہ اجماع بخلاف آہنادر منعقد گشتہ و دریں کتب ہم تفصیل و تفاوت ہست بعضہا
اقوی من البعض۔ اسامی اُن کتب این است مسند شافعی سنن ابن ماجہ مسند دارمی
مسند ابی علی موصی مصنف عبد الرزاق مصنف ابی بکر شیبہ مسند عبد بن حمید مسند ابی داؤد طحاوی
سنن دارقطنی صحیح بن حبان مستدرک حاکم کتب بیہقی کتب طحاوی تصانیف طبرانی +

علی بن نفیل کو عقیلی نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے اس میں اُس کا اور کوئی تابع نہیں ہے اور وہ اسی روایت سے معلوم ہوا ہے اور کوئی روایت اُسکی کہیں نہیں مروی ہوئی ہے۔

(۱۲ و ۱۳) علی بن نفیل قد ضعف ابو جعفر العقیلی وقال لا یتابع علی بن نفیل علیہ ولا یرف الا بہ (صفحہ ۲۶۲)

۵ نمبر عمران القطان اختلاف فی الاحتجاج بہ انما اخرجہ البخاری استشهدا دالہ صلاہ وکان یحیی لقطان کا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقری وقال مرۃ لیس یثبۃ وقال احمد بن حنبل ارجوان لیکون صالح الحدیث وقال یزید بن المزیح کان حروریا وکان یری السیف علی ہل القبلۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

۵ نمبر عمران القطان اختلاف فی الاحتجاج بہ انما اخرجہ البخاری استشهدا دالہ صلاہ وکان یحیی لقطان کا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقری وقال مرۃ لیس یثبۃ وقال احمد بن حنبل ارجوان لیکون صالح الحدیث وقال یزید بن المزیح کان حروریا وکان یری السیف علی ہل القبلۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

یزید بن الزریع نے کہا ہے کہ اُس کا عقیدہ خوارج کا سا تھا اور اہل قبلہ پر تلوار پکڑنا اور اُن سے لڑنے کا قائل تھا اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو جہاق شیعہ کا یہ حال ہے کہ ہارون کے حال سے ایک جگہ کہ ابو داؤد نے سکوت کیا اور دوسری جگہ کہا ہے کہ وہ شیعوں میں سے ہے اور سلیمانی نے کہا کہ اُس میں نظر ہے۔

(۶) ہارون عمرو بن ابی قیس ابو جہاق شیعہ ہارون سکت ابو داؤد علیہ وقال فی موضع فی ہارون ہومن ولد الشیعۃ وقال سلیمانی فیہ نظر (صفحہ ۲۶۲)

عمرو بن ابی قیس کے حق میں داؤد نے یہ کہا ہے کہ اُس کا ڈر نہیں ہے اُس کی حدیث میں خطا ہوتی ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ وہ سچا ہے مگر اُس کو کچھ اوہام اور شبہات

عمرو بن ابی قیس قال ابو داؤد فی عمرو بن قیس کما سن بہ فی حدیثہ خطأ وقال الذہبی صدق لہ اوہام (صفحہ ۲۶۲)

ہو گئے ہیں :

ابو اسحاق شیبی کی روایت اگرچہ بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ آخر میں بھک گئے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب سے ان کی روایت متصل نہیں ہے :

عملی نے کہا ہے کہ عاصم نے جو روایتیں زر اور ابی وائل سے کی ہیں ان میں اختلاف ہے اس سے اشارہ ہے کہ ان دونوں سے اس کی روایتیں ضعیف ہیں اور محمد بن سعد نے کہا ہے کہ وہ اچھا ہے مگر اس کی حدیث میں اکثر خطا ہوتی ہے :

اور یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے اور عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابو زرہ یہ کہتا ہے کہ عاصم ثقہ ہے کہا اُس کا یہ درجہ نہیں ہے اور ابن علیہ نے اُس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے جتنوں کا نام عاصم ہے ان کا حافظہ اچھا نہیں ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اُس کا درجہ یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور لائق حدیث کے ہے مگر کچھ بہت یاد رکھنے والے نہیں ہیں اور نسائی کے قول اُس کے حق میں مختلف ہیں اور ابن حراش نے کہا ہے اُسکی حدیث میں امر قابل انکار بھی ہوتا ہے اور

ابو اسحاق الشیبی وان خرج عنه الشیبی
فی الصبیحین فقد ثبت انه احتلط
عمرہ وروایتہ عن علی مقطوعة (صفحہ ۲۶۲)

(۶ و ۸ و ۹ و ۱۰) عاصم قال العجلی کان
يختلف عليه في زروابي وائل بشير
الى ضعف روايتهما عنه وقال محمد بن سعد
كان ثقة الا انه كثر الخطاء :

فی حدیثہ وقال یعقوب بن سفیان فی
حدیثہ اضطراب وقال عبد الرحمن بن ابی
حاتم قلت لابی ان ابازرۃ یقول عاصم ثقہ
قال لیس محله هذا وقد تکلم فیہ ابن علیہ
فقال کل من اسمہ عاصم سئ الحفظ وقال
ابو حاتم محله عندي محل الصدق صالح
الحديث ولم یکن بذک الحافظ واختلف
فیہ قول النسائی وقال ابن حراش فی حدیثہ
نکرۃ وقال ابو جعفر العقلی لم یکن فیہ
الاسود الحفظ وقال الدارقطنی فی حفظہ شیئ
وقال یحیی القطان ما وجدت رجلاً اسمہ
عاصم وجدته روی الحفظ وقال البیضا سمعت
شعبۃ یقول حدثنا عاصم بن ابی النجود و

ابو جعفر عقیلی نے کہا ہے اُس میں سو ایسے نقص کا فہم ہے اور کچھ عیب نہ تھا اور ذاتی نے کہا ہے کہ اسکی یاد میں کچھ نقص تھے اور یحییٰ قطان نے کہا ہے کہ میں نے کسی عاصم کی یاد اچھی نہیں پائی اور کہا ہے کہ میں نے سنا ہے شعبہ سے کہ کہتے تھے مجھ سے

فی الناس ما فیہا وقال الذہبی ثبت فی القراءة وھو فی الحدیث دون الثبت صدوق فہم وہو حسن الحدیث وان احتج احدا بان الشیخین خرجالہ فنقول اخرجا مقرونا بغيرہ لا اصل لہ (صفحہ ۲۶۱)

حدیث اسی عاصم بن ابی النجود نے اور آدمیوں میں مشہور ہے جو اُس کا حال ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ قرات میں تو وہ بہت اچھا ہے اور حدیث میں اس سے کم ہے سچا ہے اور اچھی حدیث والا ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بخاری اور مسلم نے تو اُس سے روایت کی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اُس سے دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی انہوں نے روایت کی ہے اور اصل اُسی کی روایت نہیں کی ۔

یاسین بخلی کے قریب بخاری نے کہا ہے کہ اُس میں اضافہ ہے اور بخاری کی اصطلاح میں یہ اضافہ بہت زیادہ ضعیف کتاب ہے اور ابن عدی نے کمال میں اور ذہبی نے میزان میں یہی حدیث اُس پر انکار کے لئے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تو مشہور ہے اس حدیث کے مسائل میں ۔

۱۱۱) یاسین بخلی قال البخاری فیہ نظر وھذہ اللفظۃ من صطلحہ قویۃ بالتضعیف جدا و اور ذہبی ابن عدی فی کمال و ذہبی فی میزان ہذا الحدیث علی وجہ الاستکمالہ وقل شو معروف بہ (صفحہ ۲۶۶)

عکرمہ بن عمار اور علی بن زیاد عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے عینی راوی چھوڑ دیتا ہے اسکی وہ حدیث مانی چاہیے جس کو تصریح یہ کہے کہ میں نے سنا ہے ۔

۱۳۱) عکرمہ بن عمار علی بن زیاد - عکرمہ بن عمار قد ضعیف بعض وثقة آخرون وقال ابو الرازی ہو مدلس فلا یقبل منہ الا ان یصرح بالسما (صفحہ ۲۶۷)

علی بن زیاد کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ

علی بن زیاد - قال الذہبی فی المیزان

کاندری من هو وقد تکلم فیہ الثوری ۛ

ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور ثورے نے

بھی اس میں کلام کیا ہے ۛ

کہا ہے کہ ثوری نے اُسکو دیکھا کہ بہت
مسکوں میں حکم دیتا تھا اور اُن میں خطا کرتا
تھا اور ابن جابن نے کہا ہے کہ وہ بہت
زیادہ صرف کرتا تھا اور دیتا تھا تو اُس کی

حدیث سے محبت نہیں لاسکتے ۛ

ہلال بن عمر و مجہول (صفحہ ۲۶۲)

نہیں ہوا کہ کیسا ہے ۛ

شعبہ نے زید بن ابی زیاد کے حق میں کہا ہے
کہ وہ تو یونہی نہیں اُن حدیثوں کو حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیتا تھا جس کا
رفع ثابت نہیں ہوا اور محمد بن الفضل نے کہا
ہے وہ تو شیعوں کا بڑا پیشوا تھا اور احمد بن
حنبل نے بھی کہا ہے کہ وہ یاد رکھنے والا تھا
اور مرہ نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث ایسے
درجہ کی نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے اُسکو
ضعیف کہا ہے اور ابو زرعہ نے یہ کہا ہے کہ
وہ اس لائق ہے کہ اُس کی حدیث لکھی جائے
اور اُس کی حدیث سے محبت نہ لانی چاہئے
اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے
اور جریر جانی نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے
علماء کو کہ اُس کی حدیث کی تضعیف کرتے
تھے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ تو کوفہ کے
شیعوں میں سے ہے اور باوجود ضعف کے

قالوا لاه یفتی فی مسائل و یخطی فیہا و
قال ابن جابن کان ممن فحش عطاء فلا
تحتج بہ - (صفحہ ۲۶۷)

(۱۵) ہلال بن عمر و مجہول (صفحہ ۲۶۲)

۱۶۱، زید بن ابی زیاد - قال فیہ شعبۃ
کان رفعا یرفع الاحادیث الی لا تعرف
مرفوعہ وقال محمد بن الفضل کان من کبار
ائمۃ الشیعہ وقال احمد بن حنبل لم یکن
بالحافظ وقال مرۃ حدیثہ لیس بذلک
قال یحییٰ بن معین ضعیف قال ابو زرعہ
کان یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وقال ابو حاتم
لیس بالقوی وقال جریر جانی سمعتم یضعفون
حدیثہ وقال ابن عدی ہو من شیعۃ
اہل الکوفہ ومع ضعفہ یکتب حدیثہ
رواہ مسلم لکن مقرونا بغیرہ وبالجملة
قال اکثرہم علی صفہ وقد صرح الائمہ
بضعف ہذا الحدیث قال ابو قدامہ سمعت
ابا سلمۃ یقول فی حدیث زید بن ابراہیم
لو حلف عندی خمسين یمینا قسامۃ ما
صدقہ (صفحہ ۲۶۵)

اُس کی حدیث لکھ لیا جو اُسے مسلم نے اُس سے روایت کی ہے لیکن دوسرے سے ملی ہوئی اُسے اکثر اُسکو ضعیف کہتے ہیں اور سب ائمہ نے تصریح اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ابو قتادہ نے کہا ہے کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا ہے کہ وہ یزید کی حدیث کو جو اُس نے ابراہیم سے روایت کی ہے یہ کہتے تھے کہ اگر وہ میرے سامنے پچاس مرتبہ اپنے علم پر قسم کھا کر بھی کہے تو میں اُسکو سچا نہ مانوں *

عبدالرزاق بن ہمام توشیعہ ہونے میں مشہور تھا اور آخر عمر میں اندھا بھی ہو گیا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اُس نے فضائل میں ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو کسی نے نہیں کی اور اُسکو تو سب نے تشیع کی طرف نسبت کیا ہے *

(۱۷) عبدالرزاق وابی قلابہ - عبدالرزاق بن ہمام کان مشہور بالتشیع وعمی فی آخر وقته وقال ابن عدی حدیث باحادیث فی الفضائل لم یوافق علیہا احد ونسبوا الی التشیع (صف ۲۶۷)

ابو قتادہ کے حق میں ذہبی اور آویں نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ مدلس ہے اور اس حدیث کے راویوں میں سفیان سے بھی جو مدلس میں مشہور ہے اور ان دونوں نے یہ حدیث

ابو قتادہ ذکر الازہبی وغیرہ انہ مدلس وفیہ السفیان وهو مشہور بالتدلیس وعنہما ولم یصرحا بالسماع فلا تقبل (۲۶۷)

عن عن کر کے روایت کی ہے اور صاف اپنا سماع نہیں بیان کیا تو نہیں قبول کی جاسکتی *

ابن لہیعہ کی حدیث کو طبرانی نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف اُسی سے مروی ہے اور ہم پہلے حضرت علی کی حدیث میں جو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی ہے کہہ چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے *

(۱۸) ابن لہیعہ - قال الطبرانی تغرد بہ ابن لہیعہ وقد تقدم لنا فی حدیث علی الذی خرجه الطبرانی فی معجمۃ الاوسط ان ابن لہیعہ ضعیف (صف ۲۶۸) *

عبداللہ ابن لہیعہ کے ضعیف ہونے کمال تو مشہور ہے اور اس حدیث میں عمرو بن جابر بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور وہ

وعبداللہ بن لہیعۃ ضعیف معروف الحال وفیہ عمرو بن جابر الحضرمی وهو اضعف منه وقال احمد بن حنبل روی عن جابر منا گیر

اُس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور احمد بن حنبل نے کہا ہے وہ تو بہت منکر حدیثیں عام سے نقل کرتا ہے اور مجھ کو یہ دیدیا منت ہوا ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا ہے نسائی نے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابن اسیر ایک بوڑھا احمدی تھا اور یہ

وبلغني انه كان يكذب وقال النسائي ليس بثقة قال كان ابن لهيعة شيخنا احمق ضعيف العقل وكان يقول علي في السحاب وكان يجلس معنا فيبصر سحابة فيقول هذا علي قد مر في السحاب (صفحه ۲۶۶)

کہا کرتا تھا کہ علی مرتضیٰ ابراہیم میں ہیں اور ہمارے پاس بیٹھا تھا جب ابراہیم کو دیکھتا تو یہ کہتا کہ یہ علی تھے جو ابراہیم میں گئے +

جس وقت حدیث کے راویوں کی نسبت بحث ہوتی ہے اُس وقت یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کسی راوی کو ایک شخص نامعتبر قرار دیتا ہے اور دوسرا اسکو معتبر سمجھتا ہے مگر اصول حدیث میں سے یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا ہے کہ جرح نقدیل پر مروج ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو معتبر سمجھا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اُس میں کچھ نقص نہیں پایا پس گویا اس کی شہادت ایک نفی کی شہادت ہے اور جس نے اسکو نامعتبر قرار دیا ہے اُس نے اُس میں نقص پایا ہے اور اس لئے اُس کی شہادت ایک مثبت ہے جو منفی پر مقدم ہے پس جو لوگ اُن راویوں کو معتبر قرار دیتے ہیں اُس سے جو جرح کہ اُن پر کی گئی ہے وہ زایل نہیں ہو سکتی اور اس لئے اُن کی بیان کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہو سکتی +

ان راویوں میں سے بعض کی نسبت شیعوہ ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہوگا ہمارے نزدیک صرف شیعوہ ہونا وجہ کافی جرح کی نہ ہو لیکن ایسے موقع میں جس میں یہ حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان کی حدیث جو کسی فریق کے طرفدار نے اُس فریق کے حق میں شہرت دی ہو قابل اعتماد نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے ہمارے انست میں وہ حدیثیں جو شیعوں نے بنی فاطمہ و بنی عباس کی نسبت مشہور کی تھیں اعتماد کے لائق نہیں ہیں +

معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ میں بھی جب کہ سب واقعات ہو رہے تھے اور یہ حدیثیں پھیل رہی تھیں ایسے ہی لوگ تھے جو ہمدی کے منکر تھے کیونکہ اُس وقت ایک حدیث بنائی گئی کہ جو شخص ہمدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اُس وقت میں منکرین ہمدی موجود نہ ہوتے تو اُس حدیث کے بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور وہ حدیث

یہ ہے۔ فوائد الاخبار مصنف ابی بکر العسکاف
میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا
صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی جھٹلاوے مہدی کے
ہونے کو وہ کافر ہو گیا اور جو جھٹلاوے جلال
کے ہونے کو وہ جھوٹا ہو گیا ۵

عن جابر قال قال رسول الله صلعم من
كذب بالمهدي فقد كفر ومن كذب
بالرجال فقد كذب ۵
(فوائد الاخبار لابن بکر العسکاف)

مگر یہ حدیث بھی محض جھوٹی اور وضعی ہے ابن خلدون نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ یہی
بات کافی ہے کہ یہ نہایت غلو ہے اور خدا
ہی اس حدیث کی صحت کے طریقہ کو مالک
ابن انس تک جانتا ہوگا۔ علاوہ اس کے
یہ بات ہے کہ ابوبکر العسکاف اہل حدیث کے
نزدیک مہم ہے اور بہت بڑا جھوٹی حدیثیں
بنانے والا ہے ۵

وحسبك هذا علما والله اعلم بصحة طريقه
الى مالك ابن انس علي ابن ابی بکر العسکاف
عندهم مہم وضاع (صفحہ ۲۶۱)

یہ تمام جھگڑے تو بنی فاطمہ اور بنی عباس کے تھے جو اپنے تئیں متحق خلافت سمجھتے تھے
مگر اُس میں بعض اُستاد اور گود پڑے اور انہوں نے ایک لفظ حدیث میں بدل کر اُمتی کا
لفظ داخل کر دیا تاکہ مہدی کا پیدا ہونا صرف

بنی فاطمہ یا بنی عباس پر موقوف نہ رہے اور وہ
حدیث یہ ہے کہ ابو سعید خدری نے کہا کہ
ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا
حضرت نے فرمایا کہ میری اُمت میں مہدی
ہوگا وہ خروج کرے گا اور پانچ برس یا سات
برس یا نو برس جتنا رہے گا پھر اُس کے پاس
ایک شخص آویگا اور کہے گا اے مہدی
مجھے دو مجھے دو حضرت نے فرمایا کہ پھر
مہدی اُسکو دونوں پس پھر کر اُسکے کپڑے میں
ڈالے گا جس قدر وہ اٹھائے ۵

۱۹۔ (زید العمی) عن ابی سعید الخدری
قال سئلنا عن النبی صلعم فقال ان فی اُمتی
المہدی ینخرج بعیش خمسا و سبعا و تسعا
فیجئ الیہ الرجل فیقول یا مہدی
اعطني اعطني قال فیجسی لہ فی ثوبہ ما
استطاع ان یحملہ ۵

(ترمذی صفحہ ۳۷۱)

(ومثل هذا فی ابن ماجہ صفحہ ۷۳۹)

یہ حدیث توترندی کی ہے اور اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اُس میں بھی اُمتی کا لفظ ہے مگر ان دونوں حدیثوں میں زید العمی ایک راوی ہے جو نامعتبر ہے اور اسی سبب سے یہ حدیث مردود ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابو حاتم نے اسکے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیث ضعیف ہی لکھ لی جاوے اور سند نہ پکڑی جاوے اور یحییٰ بن معین نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ وہ

زید العمی۔ قال فیہ ابوحاتمہ ضعیف یکذب جیثہ ولا یحتم بہ وقال یحییٰ بن معین فی روایۃ اخری لاشی وقال مرة ینکب حدیثہ وھو ضعیف وقال ابو زھرۃ تلیس بقیہی و اھی الحدیث وقال ابوحاتمہ تلیس بذلک قد حدث عنہ شعبۃ وقال النسائی ضعیف (ص ۲۱۴ و ۲۱۵) اُس سے حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ۵

اس حدیث کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے کام ہوئے بہت سے لوگوں نے بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ بنی فاطمہ میں یا بنی عباس صرف اُمتی ہونے کی دلیل سے مہدیت کا دعویٰ کیا اور کبھی زیادہ اور کبھی کم لوگ اُن کے معتقد ہو گئے یہاں تک کہ ایک فرقہ مہدیہ قائم ہو گیا جن کا اعتقاد یہ ہے کہ مہدی موعود آیا اور گزر گیا شیخ مبارک ابوالفضل کا باپ بھی مہدویت فرقہ میں سے تھا ۵

مگر جبکہ عام لوگوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مہدیت کا دعویٰ کیا اُن کے آنے سے دنیا میں وہ تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں جن کے ہونے کی وہ توقع کرتے تھے اُنہوں نے مہدی موعود کا آنا دنیا کے خاتمہ ہونے کے قریب قرار دیا اور دجال کے پیدا ہونے اور حضرت مسیح کے آسمان پر سے اُترنے کے زمانہ سے مہدی موعود کے ہونے کا زمانہ ملا دیا اور اسی پر اُتبام مُسلمانوں کا اعتقاد ہے مگر ہمارے اس آرٹیکل سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مہدی کے آنے کی کوئی پیشین گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جیسے دجال اور مسیح کے آنے کی ۵

شیعوں نے اس سے بڑھ کر کام کیا وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوئے جبکہ وہ

روڈ حائی برس کے ہوئے تو فرشتے اُن کو اٹھالے گئے اور ایک غار میں چھپا رکھا ہے گو
سینکڑوں برس گزر گئے مگر وہ اس غار میں زندہ موجود ہیں اور چھپے ہوئے بیٹھے ہیں جب
دنیا اخیر ہونے کو ہوگی تو وہ نکلیں گے اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے اور اخیر زمانہ
کے امام احمد مہدی ہونگے +

امام کے معنی پیشوا کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اول اول یہ لقب ابراہیم بن محمد بن علی بن
عبد اللہ بن العباس نے اختیار کیا تھا کیونکہ اُس وقت اُن کو ملک پر کچھ حکومت نہ تھی اور سلطی
خلیفہ یا امیر کا لقب اختیار نہیں کر سکتے تھے پس بامید آئندہ امام کا لقب
اختیار کیا تھا جب ہی سے پیشوایان دین کو یہ لقب ملنے لگا۔

چنانچہ دوازدہ امام کا (جن میں سے بارصویشیوں

کے مذہب کے مطابق امام مہدی ہیں جو

غائب ہو گئے ہیں) اسی

وجہ سے امام

لقب ہوا

ہے

+



حصہ سوم

مضامین متفرق

ذکر ترکی یعنی روم کی مجلسوں کا

مسٹر ولیم ہوم ڈرسل صاحب کے روزنامہ میں سے کچھ تھوڑا سا حال پرنس آف ویلز یعنی ولیم سلطنت انگلستان اور پرنس آف ویلز یعنی ولیم سلیم سلطنت انگلستان کے روم میں جانے اور سلطان روم سے ملاقاتیں ہونے کا لکھتے ہیں + یہ دونوں شاہی خاندان انگلستان کے نگین تاج ۱۸۶۸ء میں دارالسلطنت قسطنطنیہ میں گئے تھے اور کئی روز تک سلطان عبدالعزیز کا سلطان روم کے ہاں مہمان رہے انہی مہمانوں کے جلسوں میں سے دو مجلسوں کا حال لکھتے ہیں +

ایک رات سلطان نے پرنس اور پرنس آف ویلز اور ان کے ساتھ کے افراد کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی دعوت کی ڈالہنجی محل جو بڑا عمدہ اور نہایت نامی محل ہے جلوس دعوت کے لئے

تجویز ہوا۔ قریب سات بجے کے پرس اور پرنس آف ویلز اس محل میں تشریف لائے علی پاشا وزیر عظم سلطان روم نے استقبال کیا اور طاقت کے بڑے کمرے میں بیگیا جہاں آؤر وزیرائے سلطنت روم بھی حاضر تھے چند لمحہ گزارے تھے کہ سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم بھی وہاں تشریف لائے اور پرنس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر کھانا کھانے کے کمرے میں لے گئے اور ان کے پیچھے آؤر تمام حمان درجہ بدرجہ اس کمرہ میں آئے۔ مینرجس پکھانا تناول فرمایا مستطیل تھی اور ایک سر اس کا گول تھا اس گول سرے کی طرف پچیس سلطان اور ایک طرف پرنس آف ویلز اور ایک طرف پرنس آف ویلز رونق افروز ہوئے :

پرنس آف ویلز کے بعد علی پاشا وزیر عظم سلطنت روم اور ان کے بعد مس الیٹ اور ان کے بعد جنرل اگناٹیف اور مسٹر الیٹ اور ان کے بعد دیگر وزراء سلطنت روم گرسیوں پر میز کیلپن بیٹھے اور پرنس آف ویلز کے بعد میڈم اگناٹیف اور ان کے بعد بم بوری اور ان کے بعد مس گرسے اور ان کے بعد آؤر وزراء اور امرائے سلطنت روم میز کے پاس گرسیوں پر بیٹھے : سلطان کے سامنے سوائے وزیر عظم کے اور کوئی وزیر بٹھیتا نہیں تھا یہ پہلا جلسہ ہے جس میں سلطان نے اپنے آؤر وزیروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھلایا :

مینر پر مسلمان اور عیسائی سب چوبیس آدمی تھے اور میز عمدہ برتنوں اور نفیس گلدستوں سے خوب سجی ہوئی تھی اور ڈالما بخشی محل کا کھانا کھانے کا کمرہ اپنی عمدگی اور راستگی میں اور نہایت عمدہ بلوری جھاڑو فانوس میں مشہور ہے :

سلطانی کھانے کا طرز نہایت عجیب تھا اور فرنج اور ترکش یعنی رومی دونوں قسم کے کھانے تھے کھانا کھانے میں سلطان نے پہلے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور علی پاشا (جو انگریزی خوب جانتا ہے) ان دونوں میں مترجم ہوا :

اس کے بعد سلطان نے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور عربی بھی جو سلطان کی گرسی کے پیچھے کھڑا تھا ان میں مترجم ہوا وہ اسی واسطے سلطان کی گرسی کے پاس کھڑا تھا کہ جب سلطان اور پرنس آف ویلز آپس میں باتیں کریں تو وہ ترجمان ہوں :

سلطان کا ایک خاص باجانہایت نفیس پاس کے کمرے میں بیج راتھا سب نے نہایت خوشی و خوبی سے کھانا کھایا اور جب مینر پر سے اٹھے تو سلطان پرنس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر زمانہ خان میں بیگیا اور آؤر لیڈیاں بھی اندر گئیں والدہ سی سلطان بیگم نے

اٹھکر استقبال کیا اور پرنس آف ویلز سے باتیں کرنے لگیں اور میدم مہرن اُن میں ترجمان بنیں اور پرنس آف ویلز اور اُورامار وروڈسار چرٹ پینے کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان بھی زمانہ خانہ سے باہر آئے اور ملاقاتی چھوٹے کمرے میں پرنس آف ویلز کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ جب پرنس آف ویلز اور اُورلیڈیاں بیگیت سے ملاقات اور بات چیت کر فارغ ہوئیں اور باہر تشریف لائیں اُس وقت سب مہمان سلطان سے رخصت ہوئے اور جلسہ ختم ہوا۔

دوسرے جلسہ برٹش امباساڈر کے اُن یعنی سفیر سلطنت انگلستان کے ہاں ہوا جو روم میں رہتا ہے سفیر سلطنت انگلستان نے پرنس اور پرنس آف ویلز کے لیے برٹش امباسی میں یعنی اُس مکان میں جہاں سفیر انگلستان رہتے ہیں بہت عالی شان شانہ بال دینا چاہا اور بنظر اظہار اپنے نہایت خوشی اور خاطر اور تواضع ایسے عالی شان عزیز مہمانوں کے سلطان نے برٹش امباساڈر کے اُن اُس بال میں تشریف لانا منظور کیا تمام بادشاہتوں کے امباساڈر وزراء اُس بال میں حاضر تھے اور چھ سو چھتیاں بلاوے کی اُمر اور وروڈسار اور افسران فوجی اور ملکی کو تقسیم ہوئی تھیں تمام لوگ وقت پر حاضر ہوئے۔ ہر ایک شخص نہایت عمدہ اور نفیس پوشاک پہنے ہوئے تھا فوجی کے بعد پرنس اور پرنس آف ویلز وہاں رونق افروز ہوئے۔ برٹش امباساڈر اس ایٹھ نے استقبال کیا۔ امباسی کے پچھانک میں سمندری فوجی لوگ کھڑے تھے انہوں نے سرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے خوشی اور تعظیم دونوں کا اظہار کیا وہ بڑا کمرہ جس میں بال تھا نہایت عمدہ آراستہ تھا اور کارڈ آف انز کا پراموجود تھا اور اندر وہاں ہر کمرے کے انواع انواع اقسام کے پھول و گل دستے سجے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سلطان عبدالعزیز خان بھی تشریف لائے اور بہت سے وزراء و اراکین سلطنت اُن کے ساتھ تھے پرنس آف ویلز اور برٹش امباساڈر نے استقبال کیا اور سمندری فوج نے سرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے تعظیم اور خوشی کا اظہار کیا پرنس آف ویلز اور سس ایٹھ پہلی سیر می پر استقبال کو کھڑی تھیں سب مہمان اور میزبان خوشی و خور می اُس بڑے بال میں جہاں بال تھا داخل ہوئے اور سلطان نے اپنی گوی پر تشریف رکھی اور اُس کی قبل میں ابھر اُدھر پرنس اور پرنس آف ویلز اپنی اپنی گریسیوں پر تشریف فرما ہوئے معمولی بال شروع ہوا آدمی ات کے بعد سلطان بال سے رخصت ہوئے گرداں وہ جلسہ صبح تک رہا۔

سلطان کالنڈن میں آنا اور ملکہ معظمہ سے ملنا اور ولیعہد سلطنت انگلستان کا اور ولیعہدِ بگم کا دہان ملنا ایک نہایت عمدہ تاریخی واقعات سے ہے اور تمام دنیا کی آنکھوں میں اُس محبت اور دوستی کا جو روم اور انگلستان یا یوں کہو کہ ایک مسلمان اور عیسائی سلطنت میں ہے بڑا ثبوت ہے۔

جب سلطان لنڈن میں تشریف لائے تھے اور انڈیا آفس میں اُن کی دعوت ہوئی تھی تو اُس ٹبرے ہال میں بطور یادگاری محبت اور دوستی عیسائی اور مسلمان سلطنت کے نقش کر سنت اور کراس کا ملا کر کھودا گیا ہے۔

کر سنت کہتے ہیں پہلی تاریخ کے چاند کو اور یہ ہال کی صورت چاند کا نشان مسلمان سلطنت کا ہے اور کراس کہتے ہیں صلیب کو جو عیسائی مذہب میں مقدس نشان ہے انڈیا آفس کے ہال میں ہال اہ اُس کے بچپن صلیب کا نقش کھودا ہے جو عیسائی اور مسلمان سلطنت کی دوستی اور محبت پر دلالت کرتا ہے۔

ہم کو امید ہے کہ ہندوستان کے لوگ بھی ان حالات اور واقعات سے عمدہ نصیحت پکڑیں گے اور اپنے حالات پر غور کر کر تہذیبِ خلاق اور حسن معاشرت کی ترقی میں کوشش کریں گے۔

مصر اور اُس کی تہذیب

مشہور ہے کہ مسلمان ریاستوں میں سے مصر نے تہذیب و شایستگی میں بہت ترقی کی ہے اُسے ہم اُس کا کچھ حال جو ہماری آنکھ کا دیکھتا ہے لکھتے ہیں۔
مصر کی تہذیب و شایستگی کا حال بیان کرنے کے لیے وہاں کے باشندوں کو چار فرقوں میں تقسیم کرنا چاہیے۔

اول۔ یورپین یعنی فرنج اور آتالین اور گریک اور کچھ انگریز جو بطور رعایا یا تجارت وہاں بسے ہوئے ہیں۔

دوم۔ مسلمان اُمراء و رؤساء و عمدہ دار جو اُس ملک میں رہتے ہیں یعنی اعلیٰ درجے کے مسلمان باشندے مصر کے۔

سوم۔ عیسائی مصری یعنی مصر کے رہنے والے جنہوں نے قدیم یا حال کے زمانہ میں عیسائی

اختیار کیا ہے اور جو اکثر قبلی نسل کے ہیں *

چہارم۔ متوسط درجہ اور ادنیٰ درجہ کے مسلمان باشندے مصر کے *

یورپ کی قومیں جو مصر میں ہیں اگرچہ وہ نسبت اُن یورپین قوموں کے جو خاص یورپ میں رہتی ہیں تہذیب و شائستگی میں گھٹی ہوئی ہیں لیکن پھر بھی نہایت مہذب اور شائستہ اور تربیت یافتہ ہیں اُن کے مکان نہایت صاف اور بخوبی بقدر اپنے اپنے مقدر کے آراستہ چھوٹوں اور چھوٹا درختوں اور بیلوں کو جایا مکان پر چڑھانے سے سیراستہ ہیں ہر ایک یورپین کا مکان اسی طرح پر بقدر اپنے مقدر کے آراستہ ہے الٰہیت مخلص یورپین جو قدیم شہر کے اندر عام لوگوں سے ملے ہوئے رہتے ہیں اور جن میں سے ایک شخص گریک کے گھر میں خود گیا تھا مثل عام مصریوں کے گھروں کے خراب ہیں *

یورپین کی عورتیں بھی نہایت خوبی اور صفائی سے رہتی ہیں نفیس نفیس لباس پہنتے ہوئے پھرتی ہیں بات چیت نہایت تہذیب اور شائستگی سے کرتی ہیں اور یورپین مرد عموماً صاف اور درست معمولی لباس کوٹ پتلون پہنتے ہوئے رہتے ہیں الّا یورپ کی ٹوپی سٹو میں دوچار پہنتے ہونگے ورنہ سب کے سب ترکی لال ٹوپی پھندے دار پہنتے ہیں اُن کا لباس اوڑن اور کھانا اور کھانے کے برتن پاک صاف اچلے اور درست رہتے ہیں۔ یورپین زنان مرد اپنی یورپ کی زبان بھی بولتے ہیں اور عربی بھی خوب بولتے ہیں جو بالفعل تمام مصریوں کی زبان ہے۔ بات چیت ان لوگوں کی نہایت شائستہ اور مہذب اور اچے گفتگو مثل مہذب آدمیوں کے لہجہ کے ہے *

مسلمان امراء و رؤساء و عمدہ داران نے بالکل اپنا قدیم طریقہ اور قدیم لباس اور پورا ناظر زندگی چھوڑ دیا ہے سب کے سب کوٹ پتلون پہنتے ہیں اور لال پھندے دار ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں شل یورپین کے اپنے مکانات کو صاف اور چھوٹوں اور چھوٹا درختوں سے آراستہ رکھتے ہیں میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں اکثر فریج اور عربی اوتار کی تینوں نہیں جانتے ہیں اُن کی نسبت مجھ کو کہنا چاہیے کہ اگر بالکل یورپین کی مانند مہذب نہیں ہو گئے ہیں تو انکی پوری پوری نقل تو ضرور کی ہے *

عیسائی مصری بھی تہذیب و شائستگی میں کم نہیں انھوں نے اپنے ہم مذہب یورپین بھائیوں کا سا برتاؤ اور طریقہ اختیار کیا ہے میں دو ایک عیسائی مصریوں سے ملا اور اُن کو تہذیب و شائستگی میں

اُراستہ پایا وہ سب قبطی نسل کے تھے اور اُن میں سے ایک شخص باوجودیکہ بحر عربی زبان کے اُرد کوئی زبان نہیں جانتا تھا مگر ہر بات اور عادات اور بات چیت میں مثل یورپین عیثلیں کے مہذب تھا۔ مصری عیسائی لڑکیوں کے پڑھانے کے لئے مشنریوں نے اسکول بھی بنائے ہیں اور اُن لڑکیوں کو عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور اُنہیں عربی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں۔

متوسط درجہ اور اُن کے درجہ کے مسلمان مصری جو بہت کثرت سے ہیں نہایت خراب اور ابتر حالت میں ہیں تیلے اور نہایت میلے اور لباس نہایت خراب اکثر نیلا کرتا جس کا گریبان کھلا ہوا ہے پہنے ہوئے ہیں اور ٹانگوں میں کوئی چیز نہیں بالکل نکلی اور کپڑا ایسا میلا کہ شاید پہننے کے بعد کبھی دھوئے کی نوبت نہیں آتی ہوگی۔ پاس بچھانے کو دل نہیں چاہتا۔ بدن کپڑوں میں سے بُری نکلتی ہے۔

متوسط درجہ کی عورتوں کی حالت نسبت مردوں کے اچھی معلوم ہوتی ہے مگر اُن کی درجہ کی عورت و مرد کی نہایت خراب حالت معلوم ہوتی ہے اور جو کہ یہی لوگ سب سے زیادہ کثرت سے ہیں اس لئے مصر باعتبار خلقت کے آنکھ میں نہایت بُرا اور خراب معلوم ہوتا ہے اگر مصر کے بازاروں میں جاؤ اور عام طور پر وہاں کی خلقت پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ہندوستان میں قحط کے دنوں میں بہمنیہ کی طرف کے لوگ عورت و مرد نیلے کرتے پہنے ہوئے اور تباہ حالت میں چلے آتے ہیں تلم یورپین کیا مرد اور کیا عورت اُن لوگوں میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اندھیر کی رات میں تارے یا کوڑے میں ہوتی۔

اس درجہ کے لوگوں کا لہجہ گفتگو ایسا ناشایستہ اور خراب ہے کہ اُن کی نکتہ آواز کی دل پر چوٹ لگتی ہے بہت بلند اور خلوت میں نکلنے والی اور نہایت درشت آواز سے جس میں گون کی گیس فن جاتی ہیں باتیں کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جانور آپس میں لڑتے ہیں اور باوجودیکہ وہاں مسلمان گورنمنٹ ہے تب بھی اس فرقہ کے لوگ یورپین کے سامنے بہت ناخوشایستہ اور نامہذب ہونے کے نہایت ذلیل ہیں اور جانوروں سے بدتر اُن کا حال ہے سلطنت اسلام ہے الا اسلام صرف ان مسلمانوں کے ناشایستہ اور ناتربیت یافتہ ہونے سے غیر قوموں کی آنکھ میں ذلیل ہے۔

پہلے پہل جب بنی نے مصریوں کو آپس میں بات چیت کرتے دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ سبب

عربی زبان ہونے کے جس میں حروف حلقی زیادہ ہیں اُن کا لہجہ ایسا خراب ہے مگر میں نے جب قطعی عیسائیوں کو دیکھا تو بریت یافتہ تھے اُن کا لہجہ نہایت سبک اور آواز نرم اور آہستہ بات کرنا سب سے عمدہ تھا اُن کے مونہ سے لفظ پیار سے معلوم ہوتے تھے اور عورتوں کے مونہ سے تو وہ عربی لفظ نہیں نکلتے تھے بلکہ پھول جھڑتے تھے ۔

مجھ پر میری عمر میں ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لئے مینے خیال کیا کہ شاید جین مہب حق ہے جبکہ میں نے تمام چیزوں کو آفت میں اور جینیوں کے مندر کو اس میں دیکھا اور مصر کی سیر میں مجھ پر ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لئے میں نے خیال کیا کہ شاید عیسائی مذہب حق ہے کیونکہ ہر مقام پر جو خوبی اور عزت اور برکت خدا نے عیسائیوں کو دی ہے وہ اور کسی کو نہیں دی پس کیا شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے نام مذہب اور ناشایستہ ہونے سے اسلام کو راجع لگا کر اور اسکو محبت اسلامی کے برخلاف نہ سمجھیں ۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتوں میں باہر نکلنے کا عام رواج ہے غریب عورتیں پیادہ پھرتی ہیں اور ذی قدر خاندان کی عورتیں بروم اور فٹن اور چرٹ پر سوار ہو کر پھرتی ہیں مگر باہر پھرنے کا ایک خاص قسم کا لباس ہے کُاس میں سبز آنکھوں کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا آنکھوں کے نیچے ناک پر سیاہ لک کا لٹکا ہوا کی سوئی کی طرح ایک کپڑا لٹکا ہوا ہے جس سے نہایت ہیبت ناک صورت ہو جاتی ہے اُن کی ہیبت مجموعی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا مسمی قبر میں سے نکل کر پھرتی ہے ۔

امیر عورتوں کے باہر نکلنے کا لباس اُن سے کسی قدر بہتر ہے خدیو مصر کی بلیات جو حرم کھلاتی ہیں ایک فوج سواروں میں مجھ کو ملیں نہایت عمدہ بروم میں کھلے میدان سوار تھیں چار گھوڑے بچتے ہوئے تھے اور گورے کوچوان انگریزی وردی پہنے ہوئے پشت پر گھوڑوں کو بانکتے تھے ایک یو پین فوجی افسر گھوڑے پر سوار آگے آگے تھا اور چار سوار مصری فوجی پیچھے تھے اور ایک حبشی خواجہ سر گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ تھا ۔

یہ بات خیال کرنی کہ مصری گورنمنٹ نے اپنے ملک کو مذہب اور شایستہ کرنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے ایک نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے اس ملک کے حالات سے نہایت واقفیت ہونی چاہئے تاہم باوجودیکہ عام لوگ ایسی خراب اور ذلیل و ناشایستہ حالت میں ہیں اس پر بھی تہذیب و شایستگی کی بہت ترقی معلوم ہوتی ہے ۔ شہر جو کہ

نہایت میلاد اور خراب اور بد وضع مردوں کے رکھنے کی بدبودار خانوں کی مانند تھا نہایت عمدہ ہوتا جاتا ہے۔ شہر کے غربی جانب بلاق تک ایسا عمدہ شہر آراستہ ہوا ہے کہ دیکھنے سے تعلق ہے نہایت نفیس سڑکیں اور جا بجا حوض و قوارہ اور چوکوں میں خوبصورت خوبصورت پھولوں کے باغچہ طیار ہو گئے ہیں تمام دوکانیں اور بالکل مکانات اور ہوٹلیں انگریزی طور پر تیار ہیں مصر کا شہر غربی جانب کا بلاق تک ہرگز افریقہ کا شہر نہیں معلوم ہوتا بلکہ یورپ کا عمدہ نفیس شہر معلوم ہوتا ہے صرف دو نقص عظیم پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ خوبی جس قدر ہوگی گورنمنٹ کی طرف سے ہوئی۔ رعایا ایسی مہذب نہیں ہے کہ وہ خود یہ سب کام کرے۔ دوسرے یہ کہ شہر کی اس نفیس طرف جس قدر آبادی ہے وہ اکثر یورپین کی ہے اور وہی رہتے ہیں اور عیش و آرام کرتے ہیں اور فرحت اور خوش حالی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان اب تک اکثر اسی نوشی خانہ میں بندھتے ہیں اور ذلت اور نکت سے نہیں نکلے ۛ

مصر میں اس کی گورنمنٹ کی کوشش سے تہذیب و شائستگی پھیلنے کا ایک اور بڑا نشان یہ ہے کہ تعلیم کے قواعد کسی قدر یلج ہوتے جاتے ہیں مصر کے مدرسہ کو جو خدیو کا مدرسہ کہلاتا ہے میں نے دیکھا نہایت عمدہ ہے اور وہاں صرف تعلیم ہی نہیں ہوتی بلکہ لڑکوں کو تہذیب و شائستگی بھی سکھائی جاتی ہے تمام لڑکے نو عمر نہایت عمدہ اور خوبصورت مدی پینے ہوئے تھے۔ انگریزی بوٹ اور کوٹ پتلون اور سرخ تکی ٹوپی بھندنے دار پینے ہوئے اور میز و کرسی پر اپنی اپنی جاعتوں میں بیٹھے ہوئے نہایت خوبصورت دکھائی دیتے تھے ہر ایک علم پڑھنے والوں کی مدی کی رنگت میں یکساں خاص وضع کے تمنے کا فرق تھا تمام علوم و فنون عربی زبان میں جو ان کے ملک کی زبان ہے پڑھائے جاتے ہیں علاوہ اس کے انگریزی اور فرنیچ اور جرمن زبان سکھائی جاتی ہے اور انجام کار لائق لڑکوں کو تکمیل علم کے لیے جرمن فرانس اور لٹن میں بھیجا جاتا ہے ۛ

ہر قسم کا ہنر مصریوں میں ترقی پر ہے تمام کام ریل کے چلانے کا مصری خود آپ کرتے ہیں دھوئیں کی گل سے کام لیتے ہیں دھوئیں کا پمپ اور دھوئیں کا ہل گنوار و مقانوں کو چلاتے ہیں نے دیکھا کاغذ بنانے کی کل جو دھوئیں سے چلتی ہے مصری چلاتے ہیں اور کاغذ بناتے ہیں۔ دھوئیں کی گل سے مصری چھاپے خانے کا کام کرتے ہیں یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے سبب مصریوں کو ہندوستان کے مسلمانوں سے باوجود یکہ ہندوستان کے مسلمان ان سے بہت زیادہ خوشحال ہیں

نوقت دیتے ہیں ۛ

میرزیم مصر کا یعنی عجایب خانہ ایسا عمدہ ہے کہ مصر کی پورانی چیزوں کے لئے اپنا نظیر نہیں رکھتا پورانی لاشیں جو مٹی کھلاتی ہیں اور پورانی صنایع مصر کی نہایت خوبصورتی اور عمدگی سے آراستہ ہیں اور بہت فائدہ بخش عبرت انگیز اور حیرت خیز ہیں ۵

ولیم ہوڈرسل صاحب نے جو ایک شہزادہ نامی گرامی قابل شخص ہیں اپنے روزنامہ میں مصر کی گورنمنٹ کی نسبت ایک رائے لکھی ہے جو کہ نہایت دلچسپ ہے ہم اُس کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

”اس بات کی نسبت رائے دینی کہ مصر ترقی کی حالت میں ہے یا متزلزل کی اُس وقت ہو سکتی ہے جب کہ اُس ملک کے حالات کا ایک خاص علم ہو۔ نامی لوگ جو مصر میں جاتے ہیں اُن کے ساتھ عمارات شکر نے میں اسماعیل پاشا کو یورپ کی شاپستہ اور مذہب قوموں سے کچھ سیکھنا نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی حیثیت کے لئے کسوٹی نہ ہو اور نہ میں اُس کے کسوٹی ہونے پر تزلزل کرتا ہوں مگر اس سے یہ مقصود ہے کہ انگلستان کے لوگ بے تیزی سے اُسکی نکتہ چینی نہ کریں بلکہ اُس قوم کی جبکی عزت اُس کے بادشاہ کی ذات میں ہے شکر گزاری کریں ۵

میں تمام ہندوستان میں پھرا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی اجنبی شخص گو کہ وہ فہم ہو لیکن ہندوستان کے حالات سے ناواقف ہو صرف رعایا اور ہتھالی اور قصبائی بازاروں سے ظاہری صورت دیکھ کر انتظام انگیزی کی نسبت اتمام لگائے اور اپنی رائے قائم کرے تو کیسی شکل کی بات ہے کلکتہ میں گورنر جنرل یا کسی صوبہ میں چیف کمشنر یا کوئی کلکٹر یا جج جگہ اور ادنیٰ عہدہ دار کو مو اُس کے ملازمین اور چارہاسیان اردلی اور جلوس سواری کے رعایا کی حیثیت سے متعامل کرے اور عور کو کر عمل کے رہنے والوں کی کیا کیفیت لکھائی دیتی ہے۔ خیال کرو کہ ہم نے ہندوستان کے لوگوں سے ڈوننگ اسٹریٹ میں سلطان کے بال کا ایک گونہ نعمت شمع دلایا ہے غور کرو کہ اس عملداری میں جو دنیا میں نہایت عمدہ ہے (یعنی انگریزی عملداری میں) کیا کیا ہوتا ہے تب مسلمان حکمران (یعنی خدیو مصر) پر پتھر پھینکے جو فی الحقیقت اپنی رعایا کو اُس حال میں رکھنا چاہتا ہے جس حال میں اُن کے باپ دادا رہتے تھے اور باوصف اس کے اُس نے اپنے ملک کو فرضی باتوں میں کیا بیانی بخشی ہے اور ترقی دی ہے اُس نے شرکیں اور پانی کے جھرنے بنوائے دارالسلطنت یعنی شہر قاہرہ کو آراستہ کیا بہتر اور محنت کو بڑھایا اور جملہ ملک اُس سے ہو سکا اُس نے اُس زنجیر کو توڑ ڈالا جو مسلمانوں کو میسائٹوں سے جھاڑتی ہے ۵

فرض کرو کہ اگر اسماعیل پاشا ہر آدمی کو جو اس کے ملک میں رہتے ہیں اُن کے گھر سے اور اُن کے پیشے سے چھوڑ کر چند سال کے لیے سرکاری خدمت پر مجبور کرے تو اُس حالت میں اُسکا حوالہ کی نسبت کیا سمجھنا چاہیگا +

فرض کرو کہ اگر اسماعیل پاشا کروڑوں اپنی رعایا سے کہے کہ تمکو محصول دینا پڑے گا اور جو میں حکم دوں گا وہی کرنا ہوگا لیکن تمکو کوئی جلیل عمدہ سلطنت میں نصیب نہ ہوگا اور فوجی اور جہازی اور رسول کے کاموں میں سبزا دینی کاموں کے اور کوئی کام تمکو نہ ملیگا تو ہلوگ کس قدر اُسکو لعنت ملاست کریں گے؟

مشرسل کی یہ رائے درحقیقت نہایت عمدہ اور مضفانہ ہے اور جس عالی رتبتہ اور فیاض طبیعت کے وہ ہیں اُسی رتبتہ کی یہ رائے ہے مگر نامہ مذہب گورنمنٹ اور نامہ مذہب قوم کو اُسکو پڑھ کر بھولنا اور خوش ہونا نہیں چاہیے مذہب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں اگر کوئی نقص ہوتا ہے تو ہزاروں بھلائیوں بھی ہوتی ہیں جیسی کہ اُن گورنمنٹوں میں جن کی طرف مشرسل صاحب نے اشارہ کیا ہے مگر نامہ مذہب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں یہ ہوتا ہے کہ اُس میں بُرائی بھی اُنی دکھائی دیتی ہے اور بھلائی اسی قلیل ہوتی ہے جو خیال میں نہیں آتی اگر یہ بات سچ ہو جیسا کہ مشرسل نے خیال کیا ہے کہ مسلمان حاکم یعنی خدیو مصر اپنی رعایا کو اُسی حالت میں رکھنا چاہتا ہے جس حالت میں اُن کے باپ دادا تھے تو حقیقت میں وہ حاکم کافراں اور ظالم فوجوں سے کچھ اور زیادہ درجہ نہیں رکھتا ہے اور جو بھلائی کر اُس نے کی ہو اُس بھلائی سے زیادہ نہیں ہے جو فرعون مصر رعایا کو ظلم سے بیکار میں پکڑ کر کام لیتے تھے اور پیاز اور سوکھی روٹی کھانے کو دیکر اُن کے ساتھ بڑی نیکی کرتے تھے۔ جو گورنمنٹ کہ اپنی رعایا کی ترقی کی دل سے خواہاں نہیں وہ حقیقت میں گورنمنٹ نہیں ہے بلکہ رعایا کی دشمن ہے +

مذہب قوم اور نامہ مذہب قوم میں بھی فرق ہوتا ہے۔ یہ گورنمنٹ نہیں ہوتا کہ مذہب قوم کوئی نقص یا عیب یا بُرائی نہ ہو مگر البتہ یہ ہوتا ہے کہ اُن بُرائیوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بھلائیوں بھی ہوتی ہیں مگر نامہ مذہب قوم میں سبب بُرائیوں کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ نامہ مذہب قومیں گناہ کو ایسے بُرے طور سے استعمال کرتی ہیں جس سے اُس گناہ میں بہت زیادہ عام اور تمام قوم کو غلام کر نیوالی ہو جاتی ہیں مذہب قومیں اگرچہ وہی یا اُسی قسم کا گناہ کرتی ہیں مگر وہ اس طرح پر وقوع میں آتا ہے کہ اُسکی بدی عام ہونے نہیں پاتی قوم کی قوم کو غارت و تباہ نہیں کرتی۔ سچ ہے۔

شرط سلیقہ ہے ہر ایک کام میں ۔ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
نامہ مذہب قوم کی بھی ایسی بُری طرح کرتی ہے کہ یا تو وہ نیکی نیکی نہیں رہتی یا غیر مفید اور
بے عمل ہو جاتی ہے مذہب قوم جو نیکی کرتی ہے وہ ایسے سلیقہ اور خوبی سے کرتی ہے کہ وہ نیکی زیادہ
عمدہ اور بہت مفید اور بڑی ہوتی ہے ۔

نامہ مذہب قوموں میں اعتدال نہیں ہوتا نیکی کی طرف اگر متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا کھینچتی ہیں
کہ ٹوٹ جاتی ہیں ۔ یہی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا بڑھاتی ہیں کہ شیطان کے بھی کان
کاٹتی ہیں ۔

اس زمانہ میں ہمارے بھائی ہندوستان صاحبوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی مذہب قوم کا ذکر
اُن کے سامنے کر دے تو اُس قوم کی بُرائیوں اور عیبوں کا ذکر کرتے ہیں اے صاحب یہ کون کہتا ہے
کہ مذہب قوموں میں کوئی عیب نہیں ہوتا مگر یہ تو دیکھو کہ اُن میں اُن عیبوں کے ساتھ بہت سی
بجلائیاں اور خوبیاں بھی ہیں ہم اُن کے عیبوں کو کیا تکلیف دے رہے ہیں عیب بھی عیب بھرے ہیں مثل
مشہور ہے کہ ”چھلچھلے تو بولے پھلنی کیا بولے جس میں نو سو بہتر جمید“ ۔

نظامیہ سلسلہ تعلیم

ہم مختصر طور پر اس سلسلہ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل ہندوستان کے مسلمانوں میں پھیل رہا ہے
اور جو سلسلہ نظامیہ کہلاتا ہے مقصود ہمارا اس کے بیان سے صرف اتنا ہے کہ لوگ اس بات
پر غور کریں کہ بلحاظ حالات اور علوم مروجہ زمانہ حال کے آیا یہ سلسلہ اور طریقہ حقیقت کافی اور مفید ہے
یا واقعی اس میں کچھ تغیر و تبدل کی ضرورت ہے ۔

ہم اس آرٹیکل میں اس پر کچھ بحث کرنی نہیں چاہتے اور صرف اُن علوم اور انجی کتابوں
کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل اس میں داخل ہیں تاکہ جو لوگ اُس پر بحث کر سکیں برآمدہ ہوں کہ کون کس قدر
مداوے ۔

علم صرف ۔ اس میں مفصل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ میزان ۔ منشعب پنج گنج ۔ زبدہ ۔
صرف میر ۔ فصول الکبریٰ شافیہ نقولہ صرف ۔ دستور الہندی ۔

علم نحو ۔ اس میں مفصل کتابیں دس میں ہیں ۔ مادہ عامل ۔ شرح مادہ عامل ۔ نحو میر ۔

ہدایتہ الخ۔ کافیہ۔ فضو شرح ملا *

علم معانی و بیان و بدیع۔ اس میں یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ مختصر معانی تمام۔ مطول
تأبخت ما انا قلت۔ ملا ناوہ مختصر *

علم ادب۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مقامات حریری چند مقالہ۔ دیوان چمنی
چند صفحہ۔ سبب معلقہ۔ حاشیہ العرب۔ نفعۃ الیمین۔ العجب العجائب *

علم منطق۔ اس میں فصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں۔ ایسا غوجی۔ قال اقول۔ میر

ایسا غوجی۔ شرح تہذیب ملا یزدی۔ بلیغ المیزان۔ قطبی۔ میر قطبی۔ تصورات۔ شرح سلم
لاحسن۔ تصدیقات شرح سلم ملا حمد لندہ۔ تصورات۔ شرح سلم قاضی مبارک۔ میرزاہد رسالہ غلام محی۔
حاشیہ بحر العلوم بر میرزاہد رسالہ ملا جلال۔ میرزاہد ملا جلال *

علم طبعی و الہی۔ اس میں تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میبذتہ کام۔ صدر افلاکیہ۔
شمس بازغہ تمام *

علم حساب۔ اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ خلاصۃ الحساب *

علم ہندسہ۔ اس میں تھریہ اقلیدس کا صرف پہلا مقالہ داخل درس ہے اور بعض طلبہ
چار مقالے اور بعض چار سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں *

علم ہیئت۔ اس میں یہ کتابیں داخل ہیں۔ تشریح الافلاک بامنیات (اور بعض تصریح
شرح تشریح الافلاک بجائے تشریح الافلاک بامنیات کے پڑھتے ہیں) توضیحیہ۔ سبوح شہادہ۔
شرح چمنی *

علم کلام۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ شرح عقاید نسفی۔ خیالی۔ شرح مراقف۔

میرزاہد امور عامہ۔ شرح عقاید جلالی۔ عقیدہ حافظ۔ حاشیہ فاضل قزلباغی بر شرح عقاید جلالی *

علم فقہ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ عبادات شرح وقایہ۔ معاملات ہدایہ۔

کنولہ قاتی تمام۔ مختصر وقایہ و قدوسی *

علم اصول۔ اس میں یہ کتابیں داخل ہوتی ہیں۔ شاشی۔ نور الانوار۔ توضیح تلویح۔

مسلم الثبوت۔ دایہ الاصول۔ حسامی *

علم تفسیر۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ جلالین۔ بیضاوی۔ چند جزو۔

کشاف۔ مدارک *

علم فرائض - اس میں صرف ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ فرائض شریفی +
 علم مناظرہ - اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ رشیدیہ +
 علم وضع آلات - اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ رسالہ اسطرلاب مسمی
 بست بابی محقق طوسی +

اصول علم حدیث - اس میں ایک کتاب نخبۃ الفکر پڑھتے ہیں اور بعض اُس کی
 شرح بھی پڑھتے ہیں +
 علم حدیث - اس میں منصف ذیل کتابیں ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ موطا۔ صحاح ستہ
 مگر ان کو صرف تینا و تبرکاتھوڑا پڑھ کر سند لے لیتے ہیں اور بعض سب کتابیں کامل پڑھتے ہیں
 صحاح ستہ ہیں۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع ترمذی۔ صحیح نسائی۔ سنن ابی داؤد۔
 سنن ابن ماجہ +

علم لغت میں۔ قاموس +
 علم طب میں۔ قانونچہ۔ موجز کلیات نفیسی۔ معالجات سدیدہ۔ شرح اسباب۔
 مہیات شیعہ +

سنی اور شیعہ کی تعلیم میں کچھ فرق نہیں فقط اتنا تفاوت ہے کہ مذہبی کتابیں جو فرست
 مذکورہ بالا میں مندرج ہیں سنیوں کی ہیں شیعہ مذہبی کتابوں مندرجہ بالا کی جگہ اور کتابیں پڑھتے ہیں
 اور مذکورہ بالا کتابوں میں سے بھی بعض کتابیں پڑھتے ہیں مثل مسلم الثبوت و شرح عقاید نسفی و
 میرزاہ امور عامہ اور بعض مشکوٰۃ شریف یا صحیح بخاری اور بیضاوی و کشاف میں سے بھی کچھ کچھ
 پڑھتے ہیں وغیرہ کتابیں اپنے مذہب کے لحاظ سے تفصیل ذیل ان کے دس میں ہیں +
 علم فقہ میں۔ حلیۃ المتعین۔ جامع عباسی۔ مختصر نافع شرح صنیر۔ شرح طحاوی۔ شرح مشکوٰۃ
 جواہر الکلام فی شرح شرایع الاسلام +

علم اصول فقہ میں۔ معالم الاصول۔ اساس الاصول۔ زبدۃ الاصول۔ قوانین +
 علم کلام میں۔ تجرید۔ شرح تجرید علامہ علی کشف الحق۔ شرح کشف الحق قاضی نور اللہ۔
 شرح باب حادی عشر +

علم حدیث میں۔ اصول کافی۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ تہذیب استنبصار +
 تفسیر میں۔ مجمع البیان +

یہ سلسلہ جو ہم نے بیان کیا سلسلہ تعلیم ہے۔ اس سے فریغ کے بعد جو کتابیں بڑے بڑے علماء کے استعمال میں آتی ہیں اور جن کے پڑھنے پڑھانے پر وہ نہایت ناز اور فخر کرتے ہیں یہ ہیں۔ کتب فارابی۔ فصول الحکم۔ جمع بین المراتب۔ رسالہ تحقیق عقل۔ کتب شیخ الرئيس شافعی۔ اشارات۔ عیون الحکمت۔ کتب شیخ معتزل۔ حکمۃ الاشراق۔ تلویحات۔ ہیماکل النور۔ شرح ابن کثیر ہیماکل النور۔ شرح علامہ شیرازی بر ہیماکل۔ کتب میر باقر۔ افق المبین۔ ایاضات۔ قبات تقدیسات وغیرہ۔ کتبہ تحقیق طلوسی۔ تحریر مجبلی۔ تذکرہ وغیرہ اور علیٰ ہذا القیاس ایسی قسم کی کتابیں ہیں جو بلحاظ شوق اور وقت پڑھنے میں آتی ہیں۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ ذی عقل اور دانشمند لوگ غور کر کر اس بات کی منقح فرمادیں کہ آیا یہ سلسلہ کافی ہے یا تبدیل کی اس میں ضرورت ہے +

امیر الامراء جناب سید خیر الدین صاحب دہلی وزیر مملکت ٹونس

چند روز سے ہماری خواہش اپنے مہتمموں سے یہ ہے کہ وہ تہذیب شایستگی میں ترقی کریں اور تعصب کو جس کا منشا جہل مرکب ہے چھوڑیں اور اچھٹی باتوں کو گو وہ کسی قوم کی ہوں اور جو شہریت اسلامیہ میں بھی مباح ہو اختیار کریں تاکہ مہذب قوموں کی نگاہ میں ذلیل و خوار نہوں۔ ہکوارسات کے بیان کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ صرف ہماری ہی یہ رائے یا یہ خواہش نہیں ہے بلکہ جو بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے ہیں ان کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ ہم اس دعوے کی سند پر جناب امیر الامراء سید خیر الدین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس کی رائے کا خلاصہ بہ مقام ہم مندرج کرتے ہیں +

ٹونس کنارہ افریقہ پر ایک چھوٹی سی خود مختار اسلامی سلطنت ہے وہاں کا بادشاہ بی آفا ٹونس کہلاتا ہے۔ اسکے وزیر سید خیر الدین صاحب نے نہایت عمدہ اور فصیح عربی زبان میں ایک کتاب یورپ کی سلطنتوں کے حال میں لکھی ہے اور اس کا نام اقوام المسالک فی احوال الممالک لکھا ہے وہ کتاب ٹونس میں چھپی ہے اور اس کی ایک جلد ہمارے پاس موجود ہے اس کتاب کے مصنف نے اس کے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اس کتاب کی تالیف کا بیان کیا ہے جو

اے لکھا جاتا ہے اور جس سے اس کی تہذیب اور عالم کی رائے واضح ہوتی ہے +
وہو ہذا۔

خطبہ کتاب اقوام المساک

اما بعد فيقول جامع هذه الورقات ارشده الله تعالى الى اقوام الطرقات التي
بعد ان تأملت تأملًا طويلاً في اسباب تقدم الامم وتاخرها جيلةً فجيلةً مستنداً
في ذلك لما أمكن تصفحه من التواريخ الاسلامية والافرنجية مع ما حصره المؤلفون
من الفرقين فيما كانت عليه وألت اليه الامّة الاسلاميّة وما سيؤول اليها
في المستقبل بمقتضى شواهد التي قضت التجربة بان تقبل التجات الى الجزم بملا
اظن عاقله من رجال الاسلام يناقضة او ينهض له دليل يعارضه من انا اذا
اعتبرنا سابق الامم في ميادين التمدن وتخرب عزرائتهم على فعل ما هو اعود
نفعا وادعون لا يتهماً لنا ان نميز ما يليق بنا على قاعدة محكمة البناء لا بمعرفتنا حول
من ليس من حزبنا لا سيما من حق بنا وحل بقربنا ثم اذا اعتبرنا ما حدث في
هذه الازمان من الوسائط التي قربت تواصل الابدان والاذهان ثم نتوقف ان
نتصور الدنيا بصورة بلدة متحدة تسكنها امم متعددة حاجّة بعضهم لبعض متكدة
وكل منهم وان كان في مساعيه المخصوصية غريم نفسه فهو بالنظر الى ما ينجر بها
من الفوايك العنومية مطلوب لساثر بني جنسه فمن لاحظ هذين الاعتبارين
الذين لا يتقي المشاهدة في صحتهما ادنى رين وكان بمقتضى ديانتهم من الدارين
ان الشريعة الاسلامية كافلة بمصالح الدارين ضرورة ان التنظيم الديني
اساس متين لاستقامة نظام الدين يسوده ان يرى بعض علماء الاسلام
المؤهل لاما نهم مراعاة احوال الوقت في تنزيل الاحكام معرضين عن استكشاف
الحوادث الداخلية واذهانهم عن معرفة الحاجة الحقيقية لا يخفى ان ذلك من اعظم العوائق
عن معرفة ما يجب اعتباره على الوجه اللائق فيحسن من اساسة الامّة الجمل
بامراضها والصرف الامة الى افتناء جواهر العلوم مجردة عن اعراضها كما انه يسوّ
بالجهل بذلك من بعض رجال السياسة والتجاهل من بعضهم رغبة في اطلاق الرئاسة

فلذلك هجس ببالي ما استذكيت لأجله ذبالي من اني لو جمعت بعض ما استنبحتة
 منذ سنين بأعمال الفكر والروية مع ما شاهدته أثناء اسفاري للبلدان الأوربية
 وريادية التي ارسلني الى بعض ودلها الفخام الطود الرفيع الاسمي والكهف المنيع الأحمي
 جناب ولي النعم وزكي الاخلاق والشيعر من لم تنزل عزائمه كاسمه صادقة
 والسنة الانام بالشناء عليه ناطقة لم يخل سعيي من فائدة خصوصها اذا صادف
 افئدة على حماية بيضية الاسلام متعاضدة واهم تلك الفوايد عندي التي في
 هذا التاليف مناط قصدي تذكير العلماء الاعلام بها يعينهم على معرفة ما يجب
 اعتباره من حوادث الايام وإيقاظ الغافلين من رجال السياسة وسائر الخواص
 والعوام ببيان ما ينبغي ان تكون عليه التصرفات الداخلية والخارجية وذكر
 ما تالك معرفته من احوال الامم الأفرنجية خصوصاً من لهم بنا فريد اختلاط وشديد علقته وارتباط مع
 ما اولعوا به من فقههم الى شيعا باحوال سائر الامم واستشعر ذلك بطي فاشا الذكرة الذي الحق شامها باية
 فجمعت ما تيسر حوت الله مستحداً ثاتم المتعلقة بسياستي لاقتصاد والتنظيم
 مع الاشارة الى ما كان عليه في العهد القديم وبيان الوسائل التي تزقوا بها في
 سياسة العباد الى غاية القصوى من عمران البلاد كما اشرت الى ما كانت عليه
 أمة الاسلام المشهود لها حتى من مورخي اوربا الاعيان يسابقة التقدم في
 مضماري العرفان والعمران وقت نفوذ الشريعة في احوالها ونسج سائر التصرفات
 بمنوالها والغرض من ذكر الوسائل التي اوصلت الممالك الاوربية الى ما هي عليه
 من المنفعة والسلطنة الدينية ان تخير منها ما يكون بحالنا لا يقا ولنصوص
 شريعتنا مساعداً وموافقاً عسى ان نسترجع منها ما اخذ من ايدينا ونخرج باستعماله
 من ورطات التفريط الموجود فينا الى غير ذلك مما تتشوق اليه نفس الناظر في
 هذا الموضوع المحتوي من الملاحظات العقلية والعقلية على ما نشره بطي فصوله
 يصنع وسميته اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك مرتباً له على مقدمة و
 كتابين يشتمل كل منهما على ابواب وبهلاية الله نستوضح منها هم الرشيد والعهود
 والحري في هذا المجال كان فوق طاقتي لكن اغضاء الفضلاء ما مول في جنب
 فاقتي وصدق النية بحفل انشاء الله تعالى ببلوغ الامنية +

المقدمة

لما كان السبب الحامل على الشيء متقدما عليه طبعنا سببا ان تقدمه وضعنا ولم
نكتف بلا ياء في الخطبة الى مادعانا لجمع هذا التأليف بل رأينا من المهم ان
نعود الى ايضا حه ههنا ونبنى عليه ما اردنا ايراده في المقدمة فتقول ان الياعث
الاصلي على ذلك امر ان آيلان الى مقصد واحد احدهما اغراء ذوي الغيرة والحزم
من رجال السياسة والعلم بالتماس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن حال
الامة الاسلاميه وتنمية اسباب تمدنها بمثل توسيع دوائر العلوم والعرفان و
تمهيد طرق الثروة من الزراعة والتجارة وترويح سائر الصناعات ونفي اسباب البطالة
واساس جميع ذلك حسن الامارة المتولد منه الا من المتولد منه الامل المتولد منه
اتقان العمل المشاهد في الممالك الاورباوية بالعيان وليس بعد بيان ثانيهما تحذير
ذوي الغفلات من عوام المسلمين عن تماديهم في الاعراض عما يجرد من سيرة الخير
الموافقة لشرعنا بمجرد ما انتقش في عقولهم من ان جميع ما عليه غير المسلم من لسيير
والتراتب ينبغي ان يهجروا ليقفم في ذلك يجب ان تنبذ ولا تذكر حتى انهم يشددون
الانكار على من يستحسن شيئا منها وهذا على اطلاقه خطأ محض فان الامرا اذا كان صادرا
من غيرنا وكان صوابا موافقا للدلالة لا سيما اذ كنا عليه واخذ من ايدينا فلا وجه لثنا
واهماله بل الواجب الحرص على استرجاعه واستتعاله وكل متمسك بديانته وان كان
يرى غيره ضالا في ديانته فذلك لا يمنع من الاقتداء به فيما يستحسن في نفسه من
اعماله المتعلقة بالمصالح الدنيوية كما تفعله الامة الا فرنجية فانهم مازالوا يقتدون
بغيرهم في كل ما يرونه حسنا من اعماله حتى بلغوا في استقامة نظام
دنياهم الى ما هو مشاهد وشان الناقد البصير تميز الحق
بمسبار النظر في الشيء المعروض عليه قولا كان او فعلا فان
وجد صوابا قبله واتبعه سواء كان صاحبه من اهل الحق او من
غيرهم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق تعرف الرجال والحكمة
ضالة المرء من ياخذها حيث وجدها +

ولما اشار سلمان الفارسي رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم بان عادة الفرس ان يطوقوا مدتهم بخندق حين يحاصروهم العدو واتقاء من هجومه عليهم اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برأيه وحفر خندقاً للمدينة في غزوة الاحزاب على فيه بنفسه ترغيباً للمسلمين وقال سيدنا علي كرم الله وجهه لا تنظر الى من قال وانظر الى ما قال واذا ساء للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل ملتهم وترجمته من لغة اليونان لما رواه من الآلات النافعة حتى قل الغزالي رحمه الله من لا معرفته بالمنطق لا يوثق بعلمه فاي مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التي نرى انفسنا محتاجين اليها غاية الاحتياج في دفع المكائد وجلب الفوائد وفي سنن المهتدين للعلماء الشايخ المراق المالكي مانعه ان ما نهينا عنه من اعمال غيرنا هو ما كان على خلاف مقتضى شرعنا اما ما فعلوه على وفق الندب والايجاب والابا فانا لا نذكره لاجل تعاطيهم اياه لان الشرع لم ينه عن التشبه بمن يفعل ما اذن الله فيه وفي حاشية الدما المختار للعلماء الشايخ محمد بن عابد بن الحنفى مانعه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا تضر على انا اذا تأملنا في حالة هؤلاء المنكرين لما يستحسن من اعمال الافرنج نجد هم يمتنعون من مجاراتهم فيما ينفع من التنظيمات ونتائجها ولا يمتنعون فيما يضرهم وذلك انا نراهم يتنافسون في الملابس واثاث المساكن ونحوها من الضروريات وكذا الاسلحة وسائر اللوازم الحربية والحال ان جميع ذلك من اعمال الافرنج ولا يخفى ما يلحق الامة بذلك من الشين والخلل في العمران وفي سياسته اما الشين فبالاحتياج للغير في غالب الضروريات الدال على تاخر الامة في المعارف واما خلل العمران فبعدم انتفاع صناعات البلا باصطناع نتائجها الذي هو اصل مهم من اصول المكاسب ومصداق ذلك ما نشاهد من ان صاحب اخضر منا ومستولدا الحريين وزارع القطن مثلاً يقتحم تعب ذلك سنة كاملة ويبيع ما ينتجه عليه للافرنجي بثمن يسير ثم يشتريه منه بعد اصطناعه في مدة يسيرة باضعاف ما باعه به وبالجمل فليس لنا الان من نتائج ارضنا الاقيمة مرادها المجردة دون انتظورات العلمية التي هي منشأ توفر الرغبات منا ومن غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما يخرج من المملكة وقايسناه بما يدخلها فان

و جلد ناہما متقاربین خف الضرر و اما اذا زادت قيمة الداخل على قيمة الخارج
فحينئذ يتوقع الخراب لا محالة .

ترجمہ خطبہ کا

حد و نعت کے بعد کہتا ہے مولف اس کتاب کا اللہ اُس کو سیدھی راہ بتا دے کہ جب میں نے
دنیا کی مختلف قوموں کی ترقی اور منزل کے اسباب کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مسلمانوں
اور انگریزوں کی تاریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کو نکالا اور جو کیفیت مسلمان
لوگوں کے اُن حالات کی جو اُن پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھے اور جو فی زمانہ طاری ہیں اور جو آئندہ
تجربہ کی رُو سے اُن پر طاری ہونیوالے ہیں انگریز اور مسلمان مورخوں نے لکھی ہے اُسکو بھی مینے
دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا (اور میرے اس یقین کا شاید کوئی مرد مسلمان مخالف نہ ہوگا
اور اُس کی مخالفت کے واسطے وجہ نہ ملے گی) کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظامِ مملکت کی خلی
کا خیال کریں اور اُس کی بہت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر حد سے زیادہ مائل پاویں تو اس صورت میں
ہم کو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھے طرح پر سمجھنے اور جانچنے کے لیے سب سے اس کے اُس کوئی طریقہ
نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کے حالات کو نظر تامل سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے
اور اُس کی ترقی کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اُس قوم کے حالات کو جو ہمارے قرب و جوار
میں ہی رہتی ہو اور پھر ہم اُن جدید ہنرمندیوں اور کمالات کو خیال کریں جو فی زمانہ علم و عمل کے
موافق ہونے سے پیدا کی گئی ہیں اور ان باتوں کا لحاظ کر کے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا
بمثل ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اس قسم کی رہتی ہیں جن کی ضرورتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور
ایک دوسری پر موقوف ہے اور یہ خیال کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی نفس
کا محتاج ہے مگر ملجا و اُن نوایند کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایک دوسرے کی محتاج
ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کرے گا جو ہمارے تجربہ کی رُو سے بلاشبہ صحیح ہیں اور یہ بھی
اپنی دیانت کی رُو سے جانتا ہوگا کہ شریعت اسلامیہ میں و دنیا دونوں کی مصالحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ
دنیاوی مصلحت کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بنیاد ہے اُس شخص کو یہ بات نہایت بُری معلوم ہوگی
کہ وہ ایسے علماء اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دیانت کے اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ احکام
شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت و وقت کا بھی ضرور لحاظ رکھیں غوامصر اور دقایق شرعیہ کے

کمونے اور مصالحہ دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلو تہی کرتا دیکھیے اور دانستہ اغراض کرتا
 پاوے یا ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصالحتوں کے گھبنے سے قاصر ہوں اور اُن کے نفس
 اُن سے خالی ہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام الناس کی
 بہتری اور ترقی کی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہے جو اُن کے لئے ضرور
 ہیں۔ بھلا اضافہ کر دیکھو یہ بات کچھ اچھی ہے کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہ بات
 کسی کو زیبا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کی اہلیت تو دریافت کر لے اور اُس کے لوازم اور عوارض
 سے جاہل ہے اور جیسی یہ بات بُری معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے کہ
 جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ
 چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ترقی کے سامان
 بغیر دریافت کرنے کسی ترقی یافتہ قوم کے حالات کے ہرگز ہم کو میسر نہیں آسکتے تو میرے دل میں
 یہ خیال آیا کہ اگر میں اُن سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کر کے لکھوں جو میں نے برسوں کی فکر
 اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو میں نے اپنی آنکھ سے یورپ کے اُس سفر میں دیکھا ہے جس پر
 مجھ کو میرے ایسے آقائے نامدار نے مامور کیا تھا جو نہایت منظم اور بلند رتبہ پاکیزہ اخلاق
 پسندیدہ خصلت ہے اور جس کے اہل اسے ہمیشہ اُس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور
 جس کی تعریف میں تمام دنیا رطب اللسان ہے تو شاید میری یہ محنت رایگان نہ جاوے گی خصوصاً
 اُس حالت میں جبکہ بہت سے لوگ یکدل ہو کر شریعتِ غراے اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد ہو گئے
 اور سب سے بڑا کام اس کتاب کے تالیف کرنے سے مینے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا کہ میں
 اُس کے ذریعہ سے بڑے بڑے نامی علماء کو اُن باتوں سے آگاہ کروں جن کی اطلاع سے اُن
 لوگوں کو اپنی باتوں کے دریافت کرنے میں مدد ملیگی جن کی حسب مقتضائے زمانہ اہمیت و اہمیت
 بہکونایت بُری ضرورت ہے اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زمانہ انسان کے جملہ حالات
 ظاہری اور باطنی کا مدار ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علمے العموم جو لوگ خوابِ غفلت میں ہیں
 وہ سب بیدار ہو جاویں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ کچھ حالات انگریزی قوم کے خصوصاً اُن لوگوں کے
 جن کے ساتھ بہکونیاہ خصوصیت اور ربط و ضبط اور سخت تعلق ہے بیان کروں اور اُن کے
 حالات کے ساتھ انگریزی قوم کی اُن عالی ہمتیوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت اُنہوں نے تمام
 دنیا کی قوموں کے حالات سے مفصل دریافت کر لیے ہیں اور اس کام کو اُنہوں نے اپنی سیرِ سیاست

اور تمام عالم کے سفر سے اپنے اوپر آسان کیا ہے پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس کتاب میں اُن سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدبیرِ ملکیہ سے متعلق نظم و نسق کی غرض سے ایجاد کی ہیں۔ جہاں تک کہ خدا نے مجھ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں میں نے اُن باتوں پر بھی ایسا کر دیا جو زمانہ سابق یعنی عہدِ قدیم میں انگریزوں کے ہاں رائج تھیں اور اُن طریقوں کو بھی بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم نے سیاستِ مدن میں ایسی ترقی حاصل کی ہے جس کے سبب سے وہ ترقی ملک کی صدر پہنچ گئی ہیں اور اسی طرح میں نے اس کتاب میں اُمتِ اسلامیہ کے اُن قدیمی حالات کو بیان کیا ہے جن سے اس قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اُس زمانہ میں تھی جب کہ احکامِ شریعہ اپنے موقع پر جاری تھے اور مجملہ معاملات اپنے اپنے طریقہ سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم کے تمام معاملات نظم و نسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو میں نے اس غرض سے بیان کیا ہے کہ مسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسبِ حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کر لیں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات کو حاصل کر لیں جو کسی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور شاید ہم اس فدیہ سے اپنے ہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آجکل ملوگوں میں پھیل رہی ہے اور عللاً ان باتوں کے اور بہت سی عقلی اور نقلی باتیں اس کتاب میں ایسی ہیں جن کو دیکھنے والا نہایت شوق سے دیکھے گا اور اس کتاب کا نام اقوام المسالک فی معرفتہ احوال الممالک رکھا ہے (یعنی نہایت سیدھی راہ ملکوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اس کتاب کو پہلے ایک مقدمہ اور دو حصوں پر منقسم کیا ہے اور اُس کے ہر ایک حصہ میں متعدد باب ہیں اور انتہی کی ہدایت سے مجھ کو توقع ہے کہ وہ سید سے راستے مجھ پر کھول دیگا اور چونکہ ایسے مشکل کام کا سر انجام میری بساط سے بڑھ کر تھا اس لیے مجھ کو علماء اور فضلاء سے اس بات کی اُمید ہے کہ وہ میری خطا سے چشم پوشی فرماویں گے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کام صدقِ نیت اور خلوصِ قلب سے کیا جاتا ہے اُس میں کامیابی عطا کرنے کا خود اللہ ہی کفیل ہو جاتا ہے۔

ترجمہ مقدمہ کتاب کا

جب ہر چیز کا اہلی سبب اُس کے وجود پر مقدم ہوتا ہے تو اُس سبب کو کتاب میں بھی بیان کرنا

زیرِ معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو یہ بات منظور نہیں ہے کہ میں اس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار
 صرف اُس قدر کافی سمجھوں جس قدر کہ میں نے خطبہ میں ایسا بیان کر دیا بلکہ میں اُس کی تصریح اس
 موقع پر بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ جو بات مجھ کو اس مقدمہ میں بیان کرنی منظور ہے اُسکی بناء
 یہی سبب تالیف ہے چنانچہ کہتا ہوں میں کہ اس کتاب کے تالیف کرنے اور اس میں مطالب
 مذکورہ بالا کے بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو دو وجہ سے معلوم ہوئی لہٰذا میں اُن دونوں وجہوں کا
 اہلِ احد ہی ہے ایک تو ان میں سے غیرت دلا کر برا گنجینہ کرنا غیرت دار غفلتِ عالم صاحبِ ثروت
 اہلِ سیاست مسلمانوں کا اس بات پر کہ وہ دہلیوشیار ہو کر اُن سیلوں کو دریافت کریں جن کے
 سبب سے مسلمانوں کی حالت آئندہ اصلاح پذیر ہو اور جن کے سبب سے اُن کے علم و فضل اور
 طریق تمدن وغیرہ میں ترقی ہو اور جن کی بدولت اُن کی ثروت اور عزت کے سامان متیا ہوں
 مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعی اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور ان سبکاموں کے
 اسباب اُن کے لئے پیدا ہو جاویں اور جن باتوں سے اُن پر ذلت اور افلاس چھا رہا ہے وہ
 سب رفع ہو جاویں اور ایسی بہبودی کی باتوں کی جو حقیقت میں انتظامِ ملکی اور طرقِ سیاست کی
 اصلاح ہے کہ اُس اصلاح سے امن پیدا ہوتی ہے اور امن سے دلوں کی آرزوئیں بڑھتی ہیں اور
 آرزو پیدا ہونے سے کام مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ ہم سب لوگ ممالکِ یورپ میں آنکھوں سے
 مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا بیان ہم نہیں کر سکتے اور دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے
 اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو بھی صرف اس خیال سے
 نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہر اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشاء یہ ہے کہ
 وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابلِ سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ
 باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدبیرِ ملکیہ سے متعلق ہوں اور وہ غافل لوگ غیر مذہب
 والے کی تالیفات کو پڑھنا بھی بڑا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب
 کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھی بڑا بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں
 حالانکہ یہ بات بالکل حقاقت کی ہے اور سرِ خطا ہے اس لئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہمارے عقل
 بھی اُس کو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جو کبھی بھلوگ ہی کیا کرتے تھے اوغیروں نے اُس کو ہم سے ہی
 اڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اُس کو چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ
 کام کسی مانہ میں ہاری ہی قوم کے علمبرآمد میں تھا تو ہمارے ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں

نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیے اور گویہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب اہل کی ذہنی باتیں بھی بُری ہو جائیں یا جو کام مصلحت ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہکو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتہار ممنوع ہو دیکھو انگریزوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُسکے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک بُرے پر کھینے دشمن کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُسکے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُسکو نظر امتیاز سے تار کر جانچے اور اگر اُسکو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور نزل سے اُسکو بہتر سمجھے گو اُس کا موجودین کے لحاظ سے سچا ہو یا جھوٹا اس لیے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمان کے لیے بمنزلہ ایک گمشدہ چیز کے ہے کہ جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً ملے ۵

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد و خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد و خندق کھودی تاکہ اُوہ مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قایل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطقہ کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اُس کے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا اُس کا علم کچا ہے تو ہمو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم بھی اس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کار آمد دیکھیں اُن کو نہ کریں اور جن باتوں کی طرف ہمو مکائد اعداء سے محفوظ رہنے اور محفوظ کے حامل کہنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں کتاب سنن المستدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ

موافق طریقہ مندوب یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں
 جھوٹ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر غلدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے
 ہمارے غیر قوم کے ساتھ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ
 قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابدین الحنفی نے تو
 یہاں تک تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں
 ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ بھی مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی
 بات یہ ہے کہ جو لوگ انگریزی قوم کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی
 کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں ضرر ہیں اُن میں کچھ اُن کو انکار نہیں
 ہے کیونکہ وہ لوگ انگریزی بننا ہو اکیڑا پس کر خوش ہوتے ہیں اور انگریزی اسباب گھروں میں
 رکھتے ہیں اور انگریزی تیار اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو
 انگریزی تدبیر سے کام میں لانے میں بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ ان باتوں سے اُن کے ملکی
 انتظام اور ملکی ترقی میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر
 ہے اور گویا اس سبب سے ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے
 سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی
 ملکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار و نیوہ کے ثمر سے نفع نہیں اٹھا
 سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اسکی ہمارے اس
 مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صنایع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل
 نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا کپڑوں کی اوٹ تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر
 اُس پر جان بارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روئی اور اوٹ وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت
 پر انگریزی قوم کے ماتھے بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اوٹ سے انگریز لوگ تھوڑے عرصہ
 میں اپنی صنایع کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنہوں
 نے اُن کو روئی دی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں عرض کہ ہمارے ملک کی
 صرف اہلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور مکی قسم کی ہنرمندی یا صنایع سے ہم اُس سے فائدہ
 نہیں اٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز جاتی
 ہے اور اس بات کا اندازہ کریں کہ انیوالی چیز کا نرخ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو

یہاں تک گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب بھوکو جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چار چند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا

حکایت

ایک نادان خدا پرست اور دانا دنیا دار کی

کیا عجیب بات ہے اُن ہوئی اور اُن سُنی۔ دو شخص پھیلی رات کو جنگل میں چلے جاتے تھے صبح ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سامنے روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے شعلہ میں آواز آئی کہ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تب تو یہ دونوں گھبرائے اور ننگے پاؤں ہٹ کر آگے بڑھے۔ قدموں کو ماتھ لگایا اور ماتھوں کو چوما اور کہا کہ اے پیارے خدا۔ ہم تو تجھے کوٹھکوں میں ڈھونڈ پھرے مگر تو تو ہمارے پاس ہی نکلا۔ اب ہم پر مہربانی کر۔ شعلہ سے آواز آئی کہ تمھاری دُعا قبول ہوئی۔ کل صبح کو نور کے تڑکے تم دونوں میں سے ایک میں پہاڑ پر اور دوسرا اس دوسرے پہاڑ پر جو دکھائی دیتے ہیں آ حاضر ہو جو تمھاری تمنا ہوگی دہی جاوے گی۔

سادان اور ساری رات دونوں کو بیقاری میں گزرا اور ہر ایک اپنے دل میں منصوبے کرتا رہا کہ کیا مانگوں کیا مانگوں۔ اتنے میں وقت آپہنچا اور یہ دونوں اپنے اپنے پہاڑوں پر جا حاضر ہوئے اتنے میں جھاڑی چکنے لگی اور خالی آواز آئی۔ دونوں بے تک بے تک کہہ کر چلا اُٹھے۔ جھاڑی میں سے آواز آئی جو مانگنا ہو مانگو۔ خدا پرست نے کہا کہ مجھ کو اپنی محبت اور چند روزہ دنیا کی مزخرفات سے نفرت دے۔ دنیا دار نے کہا کہ مجھ کو نیک کاموں کے لئے دُنیا دے۔ خدا کے ہاں کس بات کی کمی اور کا ہے کی دیر تھی۔ جو اُنھوں نے کہا وہی ہو گیا۔ وہ دونوں پہاڑ پر سے اپنے اپنے گھر آئے ایک خدا کی محبت سے نہال اور دوسرا دُنیا کی جاہ و شہمت سے مالا مال۔

خدا پرست خدا کی محبت میں چور تھا اور اپنے دوست دنیا دار کے حال پر افسوس کرتا تھا کہ کس طرح دُنیا کے کاموں میں مصروف ہے اور اُسکو خدا کی عبادت اور نہد و تقویٰ سے سوا اور کچھ کام نہ تھا مگر دُنیا کی طرف سے نہایت عاجزا و ذلیل۔ کبھی کبھی زکوٰۃ دینے کا جو ثواب ہے اُس کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی مگر مقدمہ نہ تھا کہ اُس دولت کو حاصل کرے۔ حج کرنے کا

شوقِ دل میں اُٹھتا تھا آدابے استطاعتی کے سبب سے مجبور تھا اپنی قوم کو خدا پرست ہونے کی راہ بتاتا تھا مگر بے استطاعت اور بے مقدور قوم کیا کرے۔ پر اگندہ روزی پر اگندہ دل۔ کسی سے کچھ بن نہیں آتا تھا۔

ان بیچارہ کا یہ حال کہ نانِ شبینہ کو محتاج۔ کپڑا بدن پر نہیں کہ جس سے ستر ڈھانکیں۔ روٹی کھانے کو نہیں کہ بدن میں عبادت کی طاقت آوے۔ چارنا چار شہر چھوڑنا پڑا۔ لوگوں سے کنارہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا۔ جنگل میں جا بسیر کیا۔ وحوش و طیور سے جا صحبت کو گرم کیا۔ دنیا اور دُنیا کے کاموں سے نفرت کی اور خدا اور خدا کی محبت سے اُلفت کی۔

فلتے پر فلتے ہوتے تھے مگر یہ شیر خدا کی محبت سے سیر تھے مگر جب تین تین دن کے فالتے گزرنے لگے تو مردار کھانے یا ایک ٹکڑا روٹی کا مانگنے پر مستعد ہوئے۔ لکڑی ٹیکتے ٹیکتے پاؤں لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے کسی گانوں گنوں میں جاتے بیتِ مبارک دھیکر گانوں کے گتے چھپے پڑتے یہ بیچارے خدا پرست گتوں سے بچتے بچاتے ہشت ہشت کرتے کسی کے دروازہ تک پہنچتے کسی نے دیا تو لے لیا ورنہ دوسرا دروازہ جادیکھا جب قہرِ لاموت جھولی میں آیا پھر اُس سے زیادہ سوال کرنا حرام سمجھا کسی گنوئیں کے کنارہ پر بیٹھے سوکھے بھدیک کے ٹکڑے چبائے کسی چلتے گنوئیں پر جا کھڑے ہوئے پانی کے دو چلو پی لیے خدا کے نور کے شعلے سینہ میں بھر کتے تھے مگر نکل نہ سکتے تھے جس سے دنیا روشن ہو۔

رفتہ رفتہ اُن کی بزرگی کا شہرہ پھیلا۔ دُور و نزدیک کے لوگوں نے زیارت کا قصد کیا۔ لوگ جھج ہونیکے منتیں ماننے لگے۔ ہر ایک نے اپنے مطلب کی حمانگوانی چاہی کسی نے بیٹے کی خواہش کی۔ کسی نے دولت چاہی کسی نے روزگار کی تمنا کی۔ کسی نے تجارت کی ترقی کی آرزو کی۔ ان کو تو دنیا کی باتوں سے نفرت تھی۔ لاشعری لے سامنے ہوئے۔ لوگوں کو سمجھانیکے دنیا چند روز ہے اگلے پلے کیوں ولولہ کرتے ہو۔ ولولہ کے لالچ تو دین کی باتیں ہیں۔ دُنیا کو چھوڑو اور دین کی باتیں کرلو۔ عقلمند اور نیک بخت آدمی اُن کو بہت بزرگ سمجھتے تھے۔ مگر اُن کی نصیحتوں سے متعجب ہوتے تھے کہ اگر سچ سچ دینداری ہی ہے تو دنیا کا کیا حال ہوگا اور دنیا کا کیوں نکر کام چلیگا۔ پیغمبر کا بھی نام گزرا صحابیوں کا بھی زمانہ گزرا کسی نے دنیا کو نہیں چھوڑا۔ مگر دنیا کو دین کے لیے برتا۔ وہ احکام شرعی کو بجالاتے تھے۔ کینہ و بغض و حسد سے دل کو صاف رکھتے تھے۔ دغا و فریب اور جھوٹ سے بچتے تھے اور اچھے خاصے دُنیا دار تھے۔ مولوی روم نے بھی یہی کہا ہے۔

محبت دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

لوٹے کی طرح اللہ اللہ جینا اور یا ہو کیو ترکی مانند غوٹر غوں غوٹر غوں کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے
بلکہ اُس نے جو چیزیں ہمو رحمت کی ہیں اُن کو اُسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے۔ عقل ہمو
خدا نے اس لیے دی ہے کہ اُس کی صفایع و بدایع پر غور کریں۔ اسکی عجایب قدرت کو دیکھیں اور
اُس کے وجود انبی و ابدی بے ضد و ندر یقین کریں آنکھ ناک حس و حرکت اس لیے بخشی ہے
کہ ہمارے عقل کے مصاحب اور مددگار ہوں نطق ہمو اس لیے دیا ہے کہ ہم آوروں کو اپنے خیالات
کا فائدہ پہونچاویں اُن متاع اس لیے ہمارے لیے ہتیا کیا ہے کہ ہم خود بھی اُس سے فائدہ اُٹھاویں
اور آوروں کو بھی فائدہ پہونچاویں یہ کیسا وحشیانہ طریقہ ہے جس میں اپنی ذاتی غرض کے سوا
اُور کچھ مد نظر ہی نہیں ۛ

گراں کلیم خویش بروں می برد ز موج
من سی می کنم کہ بر ارم غریق را

بعضے دس پانچ سو پچاس آدمی جو انہی سے بیوقوف تھے خدا پرست صاحب کے گرد ہوئے
دنیا کو اپنے خیال کے موافق چھوڑ چھاڑ دھونی راماسلمان جوگی جی کے ساتھ ہوئے اور دنیا کے
عیش و آرام اور اُس کے کاروبار کو ترک کر کر خدا کی خیالی محبت میں سرشار ہو گئے ۛ

اب خیال کرو ان بزرگواروں سے اسلام نے کیا عزت پائی اور اُن کے حال سے اسلام کی
صورت کیسی دیکھائی دی۔ اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیر و بزرگ پر کڑکھایا ہوا میلا
بدن ٹوٹے دانت ہڈی پر چڑا چڑا ہوا کنپٹیاں مٹھی ہوئیں پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا کمر کھجڑی ٹانگیں
ٹھٹھری۔ ہاتھ پانوں کا پتہ ہونے لگا کھڑا کھڑا لٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپ کپا کر
دو قدم پیچھے ہٹ گیا پھٹی گڈری پھی ہوئی ادھر سے ران کھلی اُدھر سے چوڑ کھلا جدمر گئے
اُدھر ہزاروں مکھیاں چٹ گئیں۔ اُدھر کتے بھوں بھوں کر کر پیچھے پڑ گئے جس قوم کے سامنے
سے نکلے اُس نے نفرت کی ہر طرف سے دُور دُور پرے پرے کی آواز سنی اور ذات کے لیے مسلمان
دنیا میں ضرب المثل ٹھہرے۔ سبحان اللہ ان نادان خدا پرست نے خوب اسلام کی صورت دیکھائی
اور نہایت اُس کی عزت بنائی ۛ

اب دنیا دار صاحب کا حال سنئے۔ جب وہ گھر آئے۔ دوست۔ آشنا۔ بھائی بند جمع ہوئے

لعنت ملاست کرے لگے کہ دنیا کا لالچی۔ دنیا کا کُتّا۔ ایمان اسلام سے بے بہرہ۔ دنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اُسی کا طالب دین کے بدلے دنیا لیکر آیا ہے۔

یہ بیچارہ چُپ اُن جاہلوں سے کیا کہے۔ اپنے دل میں کہتا ہے کہ مَیں تو نیک کاموں کے لیے دنیا لی ہے۔ اگر دنیا کو نیک کاموں کے لیے بڑا ناجا دے تو وہ تو ہزاروں زہد و تقویٰ اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا جینے سے بہتر ہے۔

خدا نے جو کچھ ہم پر فرض کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اگر ہم ”واللہ لا ازید ولا انقص“ کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرائض کے ادا کرنے سے قطعاً بستی ہیں۔ باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خدا پرست بننے سے حائل نہیں ہوتی۔ بہکو دینداری کے لیے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہیے۔ محرمات شرعیہ سے بچنا اور مباحات شرعیہ کے مزے اڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا بھی سب سے بُری نیکی اور اصلی خدا کی عبادت ہے۔

پھر وہ اس سوچ میں گیا کہ کسی قوم پر خدا کی خُشگی اور خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ہے۔ ہر چہ سوچتا تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لوگوں سے پوچھتا تھا پر شفی نہ پاتا تھا۔ آخر ایک دن قرآن مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہ آیت اُس نے پڑھی ”وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الدَّالَةَ وَالْمَسْکَنَةَ وَابَاؤُ الْغَضَبِ مِنَ اللّٰهِ“ یہ پڑھتے ہی وہ چلا اُٹھا کہ پالیا پالیا بے شک دنیا میں قومی ذلت خدا کے غضب کی نشانی ہے دنیا میں غریب مسکین۔ محتاج ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر جب قومی ذلت اور قومی سکنت دنیا میں ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کے لعنت کی ہوتی ہے۔

اب تو اس کا دل شیر موا اور ڈھارس بندھی اور کہا کہ بیسکین نے اُس نادان خدا پرست اچھا کام کیا ہے میں نے تو نیک کاموں کے لیے دنیا کو اختیار کیا ہے۔ اتنی باتیں دنیا ہی سے دین کو لے لوں گا اور ایسے ایسے لنگڑے۔ لولے۔ بوڑھے ٹھیکڑے نادان خدا پرستوں کو کوڑی کوڑی کوڑی پر فرید کر بھینک دوں گا۔ پر اُنے خدا جیسی کہ تو نے میری دُعا قبول کی ہے میرے ساتھ رہ اور نیک کاموں میں دنیا کو برتنے دے۔

اب وہ اس سوچ میں گیا کہ اس دنیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں۔ سب سے پہلے خیال کیا کہ بھوکوں کو روٹی اور تنگوں کو کپڑا دو۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ہے کرنی تو چاہیے پر اس سے قومی ذلت تو نہیں ملتی جو خدا کے غضب کی نشانی ہے۔

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھ کر قرآن بہت سے پڑھواؤ۔ لوگوں سے چلے کھنچو اور ختم خواجگان کرو اور۔ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ۔ پھر مہنا کہ اس سے کیا فائدہ۔ ایک کا کھایا دوسرے کے پیٹ میں کب آتا ہے ؟

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر ہیں تمت کے لئے روپیہ اکٹھا کرو اور جھارٹانوس روشن کرو پھر مہنا اور کہا کہ زندہ خدا کے زندہ گھر یعنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ہیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور ہو رہے ہیں مسجد کس کے لئے بناؤں اور چراغ کس کے لئے جلاؤں ؟

پھر سوچا کہ مگر شریف روپیہ بھیجو۔ وہاں کے غریبوں پر بانٹو۔ ایک ایک کے لاکھ لاکھ ملینگے روپیہ بھیج کر حاجیوں کے لئے رباطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کمادو۔ پھر مہنے لگا کہ کیا بیوقوفی کی بات ہے جہاں شدید ضرورت ہے وہیں روپیہ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ہے دیکھنا چاہیے کہ جو ضرورت ملک میں پہلے تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں ہمارے ملک اور ہماری قوم میں جو ضرورت ہے وہ اس سے زیادہ ہے۔ رباطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کر دینی بری نہ سہی مگر جب ہماری قوم کے گھروں پر چھپر نہیں ہیں تو ملک میں رباطیں بنوانے سے کیا منفعت ہے ؟ ایک صاحب اٹھے کہ اجمی سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ غریبوں کو جہاز کرایہ کروادو اور مگر حج کو بھیجو۔ اس نے کہا کہ ماں اپنی تو بڑی نیک نامی ہے مگر خدا کے نزدیک تو پشیمانی ہے۔ خدا نے جس پر جو بات فرض نہیں کی نہیں اس پر فرض کرنا بیلاہوں ؟

بڑے خیر خواہ اور عقلمند جو تھے وہ اٹھے کہ میاں عربی کا مدرسہ قائم کرو۔ قال اللہ وقال الرسول کا ذکر سنو۔ حدیث۔ تفسیر فقہ پڑھاؤ۔ ہمارے ماں کی معقول منطق حکمت۔ فلسفہ ڈوبی جاتی ہے اُسکو لے لگاؤ مگر شخص سوچا کہ علوم دینیہ قوم کے زیور ہیں مگر جب قوم ہی نہیں تو وہ زیور کون پہنے گا۔ پرانی حکمت اور فلسفہ کو اب کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اس سے قومی ترقی اور قومی عزت کی کیا توقع ہے ؟

غرض کہ سب کی باتیں اس نے سنیں اور کہا کہ یہ سب مگر کی باتیں یا شیطان کا نیکی کی تمہیں جلوہ افروز ہو کر دھوکے میں ڈالنا ہے ان سب کو چھوڑو اور نیک نیت سے خدا پر بھروسہ کہ قومی عزت اور قومی ترقی کی فکر کرو اور اصلی نیک کام میں دنیا کو برتو ؟

اس نے سمجھا کہ بھلا سب سے بڑا سب قومی ذلت کا آپس میں ہمدردی کا نہ ہونا ہے میری قوم

خود غرضی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اپنے فائدے کے لیے ہزاروں محنتیں کرتے ہیں اور چھپا کپڑا پہننے اور چٹن سے سونے اور منس ہنس کر میٹھی میٹھی باتیں بنا دینے کو تمام اخلاق اور لیاقت کا منہ تباہ سمجھتے ہیں۔ قوم کی بھلائی اور رفاه عام کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے اُس نے اس بیماری کو کھنچا چا اور فرض پنجگانہ ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت اور اوراد مندوبہ و اعمال مشائخ کے بدلے اپنی قوت لسانی اور مراقبہ قلبی کو اس طرف متوجہ کیا خلوت میں اس بات کی فکر کی کہ یہ بیماری کیونکر جاوے جلوت میں پسند و نصائح تقریر بیان سے اسی بات کا چرچا اگرچہ بہت سی ناامیدیاں اُسکو پیش آتی گئیں اُلاپنے ارادہ میں مستحکم اور ثابت قدم رہا اور سمجھا کہ اس کام میں جتنا میرا وقت صرف ہوتا ہے وہ اُس مندوب عبادت سے جس کو لوگ عبادت سمجھتے ہیں کچھ کمتر عبادت میں صرف نہیں ہوتا۔

اُس نے بقدر اپنی طاقت کے مسائل شرعیہ اور حقائق و معارف قرآنی حدیث پر غور کیا اُس نے دیکھا کہ علمائے سابق نے اپنے زمانہ کے علم کے موافق بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو زمانہ حال میں یقینی غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور تمام مسلمانوں نے اُن علماء کے غلط اقوال کو مثل احکام شریع سمجھ رکھا ہے اور اس سبب سے اسلام کو یہ ضرر پہنچا ہے کہ جو لوگ زمانہ حال کے علوم سے قفا ہوتے ہیں وہ مذہب اسلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ مذہب اسلام میں غلطی نہیں ہے بلکہ اُن علماء کے اقوال میں غلطی ہے چند روز تک تو اُس نے اُن علماء کا بڑا ادب کیا پھر وہ سمجھا کہ علماء کے اقوال کا غلط ہونا مذہب اسلام میں کچھ نقص نہیں لانا اگر بالفرض ابو بکر و عمر نے کسی بات میں غلطی کی ہو تو یہی مذہب اسلام پر کچھ داغ نہیں لگتا پھر آؤ بیچارے مولوی ملاکس شمار قطار میں ہیں۔ تب اُس نے علماء وقت کی خدمت میں رجوع کی اور ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی کہ خدا کے واسطے آپ ان غلطیوں کے رفع کرنے پر مستعد ہو جائیے۔ یہ بیچارہ خود جاہل صرف دوچار لفظ سے آشنا تھا خود کیا کر سکتا تھا۔ مگر جب کوئی توجہ نہیں ہوا تب اُس نے کہا کہ جو عقل خدا نے مجھ کو دی ہے اُسکو کام میں لانا اور اپنے خیالات کو دوسروں تک پھیلا نا خاص میری عبادت ہے۔ اُس نے ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا ڈرن کیا اور اسلام کی محبت کو ابو حنیفہ و شافعی مالک و حنبل کی محبت سے زیادہ سمجھا اور نیک نیتی اور صرف اسلام کی محبت سے جو کیا سو کیا اور اُس کے عوض اپنے ہم مذہبوں سے جو سنا اُسکو بخندہ پیشانی گوارا کیا۔

اُس نے بہادرانہ طور سے مذہب کو عقل کے سامنے ڈال دیا کہ جس طرح چاہو جانچو۔ پتا چلا ہی ہے

اُس نے مذہب کو حقایق موجودات سے موازنہ کیا اور دنیا کو یہ دکھانا چاہا کہ خدا کا قول اپنی مذہب اور خدا کا فعل یعنی فطرت موجودات دونوں ایک ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا مبداء ایک ہی ہے ۛ

اُس نے اپنی قوم سے تعصبات اور پابندی رسومات اور اوامام مذہبی کے جو حقیقتیں مذہب سے تعلق نہ تھے چھوڑنے پر کوشش کی تاکہ لغویات سے لوگوں کے دل پاک ہوں اُس نے لوگوں کو اس بات پر رغبت دلائی کہ اچھی باتیں جس میں ہوں اُن کو لو اور بُری باتیں جس میں ہوں اُن سے پرہیز کرو جو علوم غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں نے پیدا کیئے ہیں بلا تعصب سیکھو جس زبان کے ذریعہ سے وہ علم آسکتے ہوں خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی۔ یونانی ہو یا لاطینی۔ سب کو سیکھو اور اپنی قوم میں پھیلاؤ تاکہ اُن کو عجائبات قدرت الہی زیادہ تر معلوم ہوں اور دنیا حاصل کرنے کی بھی لیاقت ہو ۛ

صنائع و بدائع ہر قسم کے جو کسی قوم میں ہوں اُن کو اپنی قوم میں لانے کی کوشش کی تجارت کے اصول پر غیر قوموں نے عمدہ طور پر قائم کیئے ہیں اُن کی اپنی قوم میں مروج ہونے کی خواہش کی اور ان تمام باتوں سے یہ مقصود تھا کہ قوم کی مسکنت اور اُس کے باعث سے جو ذلت ہے وہ رفع ہو اور قوم آسودہ حال ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو سنبھالے اور شعار اسلامی کو بجالاسکے جس سے اسلام کو رونق ہو ۛ

اُس نے خیال کیا کہ طریقہ تمدن معاشرت اگر غراب ہے تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث ہے اُس نے اپنی قوم کے طریقہ معاشرت و تمدن کے اہل ذلیل درجہ سے اعلیٰ درجہ پر تبدیل ہونے کی کوشش کی تاکہ اسلام پر سے یہ جھوٹا دھبہ کہ خرابی معاشرت و تمدن کا باعث اسلام ہے مٹ جاوے ۛ

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ لباس اور اکل و شرب اور چال و چلن اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر ہے اُس نے اُن کی دُستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اجلا پن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقہ کو بہت اعلیٰ اور عمدہ درجہ پر پہنچانا چاہا جس کے سبب سے اُن قوموں کی نظرتحارت جو اسلامی قوم کے ساتھ تھی وہ نہ رہی اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک مٹی کا پتلہ بن کر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا وہ اُس کے پیروں کی خصلت اور افعال سے دکھائی دیتا ہے پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اصلی

صورت ہے دنیا کو نظر آوے +

فرض کرو کہ یہ سب خواہشیں پوری ہو گئیں تو ان کی بدولت اسلام کی کیسی صورت دکھائی دی۔ ایسی دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پڑ پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا ہے۔ پس ٹبری نادانی اور کم سمجھی کی بات ہے جو دنیا دار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور عین خدا کی عبادت نہ جانے +

عام تعلیم پر شیا میں

پر شیا واقعہ جرمنی کی عام تعلیم کی بابت ۱۸۶۱ء میں ایک رپورٹ چھپی تھی اس کا خلاصہ ہم اس لئے لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان جانیں کہ تربیت یافتہ قوموں میں کس وجہ تک تعلیم کی ترقی ہے +

۱۸۶۱ء میں پر شیا میں پچیس ہزار ایک سو چھپن سرکاری ابتدائی سکول تھے اور آٹھ سو تیرہ خانگی جن کی کل میزان پچیس ہزار نو سو اتر ہوئی +

سرکاری اسکولوں میں ستائیس لاکھ تتر ہزار چار سو تیرہ لڑکے و لڑکیاں پڑھتی تھیں اور خانگی اسکولوں میں اڑتالیس ہزار تین سو بیالیس جس کی میزان اٹھائیس لاکھ ایک ہزار سات سو پچپن ہوئی +

پر شیا کے ملک کی آبادی ایک کروڑ چارسی لاکھ اکیانوے ہزار دو سو بتیس آدمیوں کی ہے اس حساب سے فی سات سو بارہ آدمیوں میں ایک سکول ہوتا ہے اور اوسط لڑکوں کا فی سکول ایک سو دس کے قریب پڑتا ہے +

ان اسکولوں کے سو چار سو تینتالیس چھوٹے لڑکوں کے پڑھنے کے لئے کتب تھے جنہیں بتیس ہزار سات سو پینتالیس لڑکے پڑھتے تھے +

اعلیٰ تعلیم کے مدرسہ اس سے علاوہ ہیں مگر ۱۸۶۱ء میں کل طالب علم جو تمام مدرسوں اسکولوں اور مکتبوں میں پڑھتے تھے ان کی تعداد بتیس لاکھ چھیانوے ہزار پانسو چھیالیس تھی۔ اور کل مدرسہ پچیس ہزار تین سو چودہ تھے جن میں سے تینتیس ہزار تریسٹھ مرد اور تین ہزار دو سو اکیاون عورتیں تھیں اور متوسطہ مدرسوں میں نو ہزار نو سو تیرہ مدرسہ تھے +

اُسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۱ء میں اُن لوگوں میں جو فوج میں بھرتی تھے ہندو کا تخمینہ کیا گیا کہ اس قدر آدمی بن پڑے ہیں تو معلوم ہوا کہ فی صدی دو آدمی بن پڑے تھے مگر یہ زمانہ اب گیا۔ اس عرصہ میں اب اور زیادہ ترقی تعلیم کی ہو گئی ہے۔ جب میں ولایت میں تھا تو ایک جرمنی عالم سے میری بہت ملاقات تھی اور اُن سے جرمنی کی تعلیم کا بہت ذکر رہتا تھا وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اب پریشیا میں فی ہزار ایک آدمی بھی بن پڑھا ہوا مشکل نکلیگا +

اب ہندوستان کے مسلمانوں کے حال پر خیال کرو کہ اگر اُن میں پڑھے ہوئے آدمی تلاش کیے جاویں تو فی ہزار ایک آدمی بھی پڑھا ہوا مشکل نکلیگا پس غور کرنے کا مقام ہے کہ ہلوپنی قومی ترقی اور تربیت و شایستگی کے لیے کیا کچھ کرنا ہے +

جو حال کہ ہم نے اوپر بیان کیا اُس میں سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں کا نام آیا اُس سے یہ سمجھا جاوے کہ اُن اسکولوں اور کالجوں کا خرچ سرکاری خزانہ میں سے دیا جاتا ہے۔ نہیں تمام اسکولوں اور مکتبوں اور کالجوں کا خرچ رعایا دیتی ہے مگر وہاں تعلیم کے باب میں ایک خاص قانون ہے اُس کے مطابق جو اسکول یا مدرسے قائم ہیں وہ سرکاری کہلاتے ہیں اور باقی خانگی۔ ورنہ حقیقت میں وہ سب رعایا کی طرف سے ہیں +

جرمنی میں جو رعایا کی تعلیم کا قانون ہے نہایت ہی عمدہ ہے مگر وہ قانون ہندوستان سے جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا بلکہ انگنڈ اور ویلز میں بھی اُس کے مطابق عمل درآمد ہونا نہایت دشوار ہے چہ جائیکہ ہندوستان اور اس لیے ہماری یہ رائے ہے کہ جب تک کہ ہندوستان کی ہر ایک قوم خود آپ اپنی قوم کی تربیت کی طرف متوجہ نہ ہوگی اور خود آپ اپنی قوم کی تسلیم کا بندوبست نہ کرے گی اُس وقت تک قومی تعلیم کا ہونا غیر ممکن ہے +

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لغوی خیالات اور بیہودہ تعصبات میں مبتلا ہیں اور اپنی قوم کی بھلائی اور اُن کی تعلیم و تربیت کی کچھ فکر نہیں کرتے ہمارا دل جلتا ہے اور کمال بیخ ہوتا ہے اُس وقت ہمارا قلم نہیں رکتا اور زبان حال سے میسر کا یہ شعر پڑھتا ہے -

ضبط کروں میں کب تک آہ

چل رہے خامہ بسم اللہ

اور پھر کہتا ہے جو کہتا ہے وہ لکھتا ہے جو لکھتا ہے +

غیر مفید تعلیم

جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت نہ ہو وہ غیر مفید ہے۔ ایک معلمند آدمی کا قول ہے کہ اگر حسب احتیاج وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو اُس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ اول مجلس اور محتاج اور پھر نالایق اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور و بد معاش ہو جاتے ہیں ۛ

پچھلی حالت تو اب تک مسلمانوں کی نہیں پہنچی مگر اسی طرح زمانہ چلا گیا تو بہت جلد یہ نوبت بھی آجاوے گی مگر اور سب باتیں تو فضل الہی سے ٹھیک ٹھیک پوری ہو گئی ہیں اب یہ بات دیکھنی چاہیے کہ یہ حالت مسلمانوں کی درحقیقت اسی سبب سے ہوئی یا نہیں مفلسی کا اصلی سبب جاہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اس لیے کہ اُن سے نہ لوگوں کو کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں ۛ

بالفعل جو علوم کہ مسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہ غیر مفید ہیں اور حسب احتیاج وقت نہیں اور یہی باعث اُن کی مفلسی اور محتاجی کا ہے چنانچہ ہم اُن علوم کا مختصر ذکر اس مقام پر کرتے ہیں ۛ

علم دین۔ اہل مذہب کے لیے علم دین کسی وقت غیر مفید نہیں ہو سکتا اس لیے کہ خود اُس کی ذات کو ہر وقت اُس کی احتیاج ہے ہاں اُس کے مفید یا غیر مفید ہونے سے اس وقت بحث کی جاسکتی جبکہ اُس کے فائدہ کا متعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملہ سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں بالفعل رائج ہے وہ ان دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لیے بھی مفید نہیں یونانی فلسفہ کا تو زمانہ جس کے مقابلہ کے لیے علم کلام نہ نکلا تھا گیا مگر جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حال میں وارد کیے جاتے ہیں اُن کا جواب تو درکنار شاید اُن کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے ۛ

علم لسان۔ اس علم سے سات علم تعلق ہیں۔ لغت۔ صرف۔ نحو۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ انشاء۔ یہ سب علوم اکثر بزبان عربی اور کبھی بزبان فارسی مسلمانوں میں پڑھائے جاتے ہیں مگر یہ سب علوم فی نفسہ کچھ علوم نہیں ہیں بلکہ حصول علم اور اُس کی تدوین اور اُس کے بیان

کے لئے آداب ہیں اگر علم لسان ذریعہ حصول علوم مفیدہ نہیں ہے تو محض بیفایدہ ہے عربی زبان اس زمانہ میں بجز علم دین کی شق اول کے اور کسی قسم کے مفید علوم حاصل کرنے کے لئے ذریعہ نہیں ہے اور اس لئے سوائے ایک حالت کے اور تمام حالتوں میں وہ علوم محض غیر مفید ہیں *

علم منطق - یہ بلاشبہ مفید ہے مگر فی نفسہ کچھ مفید نہیں بلکہ جب اور علوم مفیدہ کے شامل استعمال کیا جاتا ہے جب مفید ہوتا ہے مگر مسلمانوں میں دو وجہ سے علم بھی غیر مفید ہو گیا ہے اول اس لئے کہ کسی علم مفید کی تعلیم ہی نہیں ہی جس کے ساتھ استعمال میں آنے سے اس علم کو مفید قرار دیا جاوے دوسرے اس لئے کہ اس علم کے اصول نہایت مختصر ہیں جو بکاؤد میں مسلمانوں نے اسکو استفادہ غیر مفید طول دیا ہے کہ ایک عمر تصور و تصدیق ہی کی بحث میں گزر جاتی ہے اور نہ کسی تصور ہوتا ہے نہ کسی کی تصدیق اور اس لئے اسکو خود غیر مفید کر دیا ہے **علم طبعی الہی** - ایک فقرہ ایک لفظ ایک حرف اس علم کا اس زمانہ میں مفید نہیں نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے بقول شخصے - نہ لینے کا نہ پوتنے کا *

علم حساب - علم ہندسہ - یہ دونوں علم بلاشبہ نہایت مفید ہیں مسلمانوں ان کی تعلیم جس قدر مروج ہے وہ کچھ بھی مفید نہیں - بڑے سے بڑے عالم و حلیہ اور فرید الدہر جناب مولوی صاحب و قبلہ کو لے لو - تحصیل مکتبوں کا ہوشیار لڑکا ان دونوں علموں کو اُن سے بہتر و مفید تر جانتا ہوگا پس جس قدر سے کہ یہ علوم مسلمانوں میں مروج ہیں اور عمل تقسیم تک خلاصہ الحساب پڑھ لینے اور تحریر اقلیدس کا مقالہ اول ختم کر لینے پر فضیلت کی گڑھی بندھائی جاتی ہے محض غیر مفید ہیں *

علم ہیئت - ایک اصول اور ایک مسئلہ اس علم کا جو عربی زبان میں ہے صحیح نہیں - من اولہ الی آخر غلط اور خلاف واقع ہے پس جو چیز کہ غلط اور خلاف واقع ہے وہ کبھی مفید نہیں ہو سکتی پس شرح چمنینی اور مجملی پڑھنے سے کیا نتیجہ مفید حاصل ہو سکتا ہے ہاں البتہ جمل مرکب ترقی پاتی جاتی ہے *

علم آلات - ہم کیوں اس کا تذکرہ کرتے ہیں اس لئے کہ مسلمانوں میں مروج ہی نہیں مگر دیکھنا چاہیے کہ یہ علم مسلمانوں میں ہے بھی یا نہیں جب بہت تلاش کرتے ہیں تو بڑے بڑے حاکم کے کتب خانے میں چند ورق کا رسالہ ہر ثقیل اور دو یا تین صفحہ کا رسالہ عمل کرتے اور

بیس باب کا رسالہ اسطراب پاتے ہیں اور جب اُور زیادہ تلاش کرتے ہیں اور ملکوں ملکوں میں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو ایک بڑی نام آور کتاب "آلات رصد بر جندی" پاتے ہیں مگر پھر چھپنا
پڑتا ہے کہ اسکو کوئی جانتا ہے تو اُس گھسیارہ کے منشی کی طرح جو دیکھتا ہے وہ روتا ہے بہ حال
اگر اُن کو کوئی جاننے والا دیکھے بھی تو زمانہ حال کے آلات کے مقابل میں محض لغو اور بیہودہ اور
غیر مفید خیال کرے ؟

علم طب۔ اس علم کا پردہ موت و حیات نے ڈھانک رکھا ہے۔ یعنی جتنے مجال ہیں
اُن کے علاج سے لوگ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں مگر جب زمانہ حال کی طب اور اُس کے کمال اور
اُس کی تحقیقات کا مقابل کیا جاوے تو ثابت ہوگا کہ علم طب جو مسلمانوں میں پائیے ہے اگر اس میں ترقی
نہ کی جاوے تو اُس کی کامل فائدہ مندی نہیں ہے ؟

اب مسلمانوں کے علوم کی ترقی تمام ہو گئی اور بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اُن میں کوئی علم مفید مروج نہیں
ہے اور یہی باعث اُن کی ذلت و مسکنت کا ہے پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ تعصب کو چھوڑیں
اور بعد تحقیقات اور مباحثہ کے سلسلہ تعلیم مسلمانوں کا ایسا قایم کریں جو اُن کے دین و دنیا دونوں
کے لیے مفید ہو ؟

تُرک

اسلام کا نتیجہ نیک چلن ہونا ہے اگر ہم دیکھیں کہ کسی ملک کے مسلمانوں میں نیک چلنی نہیں ہے
تو ہر کو یقین کرنا چاہیے کہ اسلام صرف اُن کے موغہ ہی موغہ میں ہے حلق کے نیچے ذرا بھی نہیں
اُتر آگوا انھوں نے اپنے تئیں کیا ہی جبہ اور عامہ سے مقدس بنایا ہو اور نمازیں پڑھ پڑھ کر اور
تسبیحیں ملال کر قدوس بتایا ہو ؟

اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔ نہیں نہیں جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی
نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اُسی طرح تمدن اور حسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے
پیروں کے بتاؤ میں ایسا مل جاتا ہے کہ کسی طرح اُس سے الگ نہیں ہو سکتیں اور بطور فطرتی
عادتوں کے دکھائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھ کر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں ؟

اخلاقی اور روحانی نتیجہ اُس کا خدا ہی کو ماننا اور اُسی پر بھروسہ رکھنا اور ہر حال میں اُسکی مرضی پر
شاگرد ہونا اور تمام مصیبتوں پر نیک لی سے صبر کرنا ہوتا ہے اور تمدنی نتیجہ اُس کا اپنے بھمنوں سے

محبت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نیکی اور سچائی اور پوری پوری صداقت سے پیش آنا ہوتا ہے۔
رحمد لی اور صدق تعالیٰ ہر بات میں سچ بولنا اسلام کا تائیل یعنی لقب ہے۔ دغا و فریب سے
بچنا اُس کی ڈگری یعنی اُس کا منصب ہے۔ اب دیکھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کتنے ہیں
جن کا ایسا برتاؤ ہے ؟

افسوس کہ ہم نے اپنی بد چلنی سے اسلام کو کیسا داغ لگایا ہے۔ شہادت زور گویا مغلّس مسلمانوں کا
پیشہ ہو گیا ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں میں جس وقت ہندو گواہ آتے ہیں تو منصف جج کو گواہ مسلمان
ہی کیوں نہ ہو اس بات پر غور کرنی پڑتی ہے کہ آیا اُس کی شہادت سچ ہے یا نہیں مگر جس وقت
مسلمان گواہ آیا اور اُس نے اپنا نام بتایا اور جج کو ظن غالب اُس کے جھوٹے ہونے کا ہو گیا جب تک
کسی اور قریبہ سے اُس کے سچے ہونے کا گمان نہ ہو۔ مسلمان سودا بیچنے والے بہ نسبت اور قوموں
کے بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور فریب کرتے ہیں کسی چیز کی اصلی قیمت ہرگز نہ کہینگے اور ہمیشہ
اس بات پر قصد رہیگا کہ مشتری سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ قیمت لیجاوے ؟

جب کہ ہم کسی قوم کے سودا گروں اور خوردہ فروشوں میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام اشیاء کی
ایک قیمت خاص میں ہے مہی کہتے ہیں اور وہی لیتے ہیں تو کچھ مسلمانوں کی خراب عادت یعنی
جھوٹ قیمت کہنے اور پھر چکاتے چکاتے نصف سے بھی بعض اوقات کم پڑ بیچنے سے کیوں نہ بچے اور
ہم کہیں نہ اس بات کا خیال کریں کہ اسلام نے کچھ بھی اُن کے دلوں پر اثر نہیں کیا ہے ؟
اگر تمام دُنیا کے مسلمان ایسے ہی ہوتے تو بڑی شکل پیش آتی اس لیے کہ خود اسلام کی نسبت بہت
شہ پر تا مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ اوٹ ملک کے مسلمانوں کا حال دیکھ کر یقین آتا ہے کہ اسلام
بلاشبہ روحانی اور اخلاقی اور تمدنی نیکیاں بخشنے والا ہے ؟

مشرطان رینل مہر بل صاحب نے ٹرکی کے حالات میں ایک تاریخ لکھی ہے اُس میں اُنھوں نے
جو کچھ حال ترکوں کا لکھا ہے اُس کا انتخاب اس تمام پر لکھتے ہیں تا کہ ہندوستان کے مسلمان اُنکو
دیکھ کر عبرت اور غرت پکڑیں ؟

دیکھتے ہیں کہ جس کسی نے ترکوں کے چال چلن کا حال لکھا ہے اُس نے ماں اور لڑکوں
کی محبت کا ضرور ذکر کیا ہے ماں کی شفقت اور لڑکوں کا ادب یہ دونوں باتیں طرفین کی طرف سے
نہایت تعظیم اور اذالہ ہوتی ہیں یہی کے ذریعہ سے عورتوں کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو فرنگستان
میں نہیں ہے عورت کو خانہ داری میں بالکل اختیار ہوتا ہے ہم لوگوں میں (یعنی اہل فرنگ میں)

اگر عورت تمام عمر اُس کے حامل کرنے کی کوشش و محنت کرے تو بھی وہ اختیار اُس کو حاصل نہیں ہو سکتا ۛ

وہ کہتے ہیں کہ کثرت از دواج ترکوں میں اس قدر زیادہ اور ایسی عام بلانہیں ہے جیسا کہ لوگ عموماً تصور کرتے ہیں ۛ

اُن کا قول ہے کہ ”اسلام عورتوں کی طرف نہایت رحمدل ہے۔ قرآن میں صاف لکھا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور خدا پر یقین رکھتا ہے مرد ہو یا عورت بہشت میں جاوے گا ۛ وہ لکھتے ہیں کہ ”مس پارڈہ جو ششہ اعر میں ٹرکی میں تھیں اور وہ ترکوں کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں ترکوں کے گھر کی چال چلن سے نہایت خوش تھیں اور ترکوں کی عورتوں کی نیکی اور پارسائی کی تصدیق کرتی ہیں ۛ

مسٹر سی ہواٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں امیروں کی عورتیں اپنے وقت کو اُسی طرح پر مرن کرتی ہیں جیسی کہ اُردو دارالریاست کی عورتیں۔ فرق یہ ہے کہ اُن کے خاندان میں اتفاق زیادہ ہوتا ہے۔ بڑے اپنے والدین کا ادب زیادہ کرتے ہیں اور بی بی شوہر کی زیادہ مطیع ہوتی ہے۔ عورتوں کا دل اور اصول چلن کا نہایت کم خراب ہوتا ہے۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا بڑا دستور جاری نہیں ہے اور نہ یہ کوئی قاعدہ کی بات ہے بلکہ اسی حالت مستثنیٰ ہے۔ رزبل اور اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی شاذ و نادر ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے دو عورتوں سے شادی کی ہو۔ نہایت درجہ کے امیر لوگوں میں بھی یہ دستور مستثنیٰ ہے ۛ

مسٹر حان کارنی صاحب کیمبرج والے یہ فرماتے ہیں کہ ”ترکوں کی عجیب ایمانداری کا کچھ ذکر کرنا عین انصاف ہے۔ جب کہ میں گلیٹیا میں وارد ہوا تو میرا سباب ایک مزدور نے اٹھالیا اور ہم آگے بڑھے۔ جب ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگوں کی بہت کثرت تھی تو وہ مزدور میری نظر سے غائب ہو گیا اور ہلوگ ایک قہوہ خانہ میں گئے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ وہ مزدور میرا سباب لیکر بھاگ گیا مگر سیوڈن کا رہنے والا کہتاں جہاز کا جو پہلے بھی اس بند میں آیا تھا کہنے لگا کہ ایسے کام کرنا یہاں کوئی جانتا بھی نہیں۔ تھوڑے عرصہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ غریب مزدور اُسی راہ سے پھر اچلا آتا ہے اور گجرا یا ہوا ہر چار طرف دیکھتا آتا ہے۔ بازاروں میں اکثر دوکاندار اپنی دوکان اور سباب کو گھلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ اندیشہ نہیں ہوتا۔ دین لین میں کئی شاذ و نادر قریب و پیش کی کوشش کرتا ہے۔ ٹرکی میں روم کی سلطنت کے مختلف حصوں میں میں نے سفر کیا

اور اثنائے سفر میں غریبوں کے جھونپڑوں اور امیروں کے مکانوں میں رہا مگر کبھی ایک غمزدہ کا بھی میرا نقصان نہیں ہوا۔

یونانیوں نے جبکہ تریپوٹ زامقام کی ٹرکی عورتوں پر ظلم کیا امیروں کی عورتوں کو زیل قوم کی عورتوں میں ملا دیا۔ اُن کے مرد رشتہ دار فریج کرڈالے تاہم جس صبر و قناعت کے ساتھ اُن عورتوں نے اُس تکلیف کو گوارا کیا نہایت قابلِ تعریف کے ہے۔ خدا کی شکایات یا بیغایدہ افسوس کبھی اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ وہ یہی کہتی تھیں کہ خدا کی یہی مرضی ہے اور سب تکلیفوں کو نہایت صبر و شکر سے گوارا کرتی تھیں۔ ترک مرد بھی ریخ و تکلیف کو نہایت صبر سے برداشت کرتے ہیں مگر ترک عورتیں تو گویا ریخ و محنت کی برداشت کی روحیں ہیں۔

اس مقام پر بھوکچہ ہندوستان کے شریف خاندانوں کی عورتوں کا بھی حال لکھنا مناسب ہے بلاشبہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مسلمان شریف خاندانوں کی عورتیں جیسی نیک اور ایماندار اور خدا شاکر اور ریخ و مصیبت میں صابر ہیں شاید تمام دنیا کی عورتوں سے سبقت رکھتی ہیں۔ خدا کی عبادت اور دل کی نیکی اور بے انتہا رحمہ لی۔ والدین کا ادب۔ شوہر کی محبت اور اطاعت۔ تمام رشتہ مندوں کی اُلفت اور ریخ و راحت میں اُن کے ساتھ شرکت۔ اولاد کی پرورش خانہ داری کا انتظام جس دلی نیکی اور خالص ایمان داری سے وہ کرتی ہیں بیان سے باہر ہے۔ نہایت خوشی میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں کہ او خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہم کو یہ خوشی دی اور نہایت مصیبت میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں۔ اُن کی زبان پر یہ ایک مثل ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی کو نہ پکاریں تو کیا کریں۔ دیکھو بچے کو ماں ہی مارتی ہے پر بچہ پاں ہی ماں پکارتا ہے۔ جو جو مصیبتیں ہماری یاد میں ہندوستان کی مسلمان عورتوں پر اتفاقات زمانہ سے پڑیں اور جس صبر و شکر و قناعت اور استقلال اور خدا پر بھروسہ رکھنے میں اُنھوں نے اُسکو سہا حقیقت میں دنیا کی عجائبات میں سے ہے۔ ہماری رائے میں اسلام کی عورت جس قدر کہ ہندوستان میں رکھی ہے صرف مسلمان عورتوں نے رکھی ہے اور جب اُس کے ساتھ کافر مسلمان مردوں کا چال چلن جو اُن کے ساتھ ہے خیال کیا جاوے تو عورتوں کی نیکی ایسے درجہ پر پہنچ جاتی ہے جو حد بیان سے خارج ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ صرف زبان سے مسلمان مگنے اور ٹھنوں سے اُدھچا پا جائے اور بیچ کے گریبان کا گڑنا اور گول عامر پہننے اور صف ناز پڑھ کر

دل خوش کر لینے اور صرف دن بھر کا فائدہ کر کر شام کو لذیذ چیزوں اور نفیس شربتوں سے افطار کرنے ہی کو اسلام نہ سمجھیں بلکہ اُس کے ساتھ اُن تمام نیکیوں پر بھی خیال کریں جو اسلام کے نتیجے ہیں اور جب تک کہ انسان کے افعال اور خواہش اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت میں اُن کا ظہور نہیں ہوتا اُس وقت تک ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے اُن میں کچھ اثر کیا ہے ۛ

گر مُسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گرد پس امروز بود فردائے

خدیو مصر کی مجلسِ ا

جبکہ ہم یہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو غیر قوم کے اُن خیالات سے مطلع کریں جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں تو ہم کو نہایت مشکل پیش آتی ہے اس لیے کہ تربیت یافتہ قومیں جس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اُن سے ہمارے بھائی بند واقف نہیں ہیں اور یہ بھی بڑے شکر کا مقام ہے کہ غیر قوم کے لوگ بھی بخوبی اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ہلوگ کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر واقف ہوتے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ وہ اور بھی کس قدر زیادہ حقارت اور ذلت کی نظر سے ہلوگ دیکھتے ۛ

ہم لوگ روپیہ خرچ کرنے میں مہذب قوموں سے بہت زیادہ فضول خرچ ہیں ہم کچھ روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہمارے اخراجات زندگی بسر کرنے کے اُن مہذب قوموں کے اخراجات سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کے کسی نواب یا راجہ یا مسلمان امیر یا مہتمم اُن مہذب قوموں کے اخراجات کا تخمینہ کریں تو بلاشبہ مہذب قوم کے اُسی درجہ کے امیروں سے زیادہ نکلیگا مگر افسوس! یہ آتا ہے کہ باوجود اُن سب باتوں کے مہذب قوم کے لوگ فرشتوں کی مانند صفائی اور لطافت اور خوبی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہم مانند ایک مٹی کے پھلے جانور کی بہت لوگوں کی میرائے ہے کہ یورپ کی قوموں کی طبیعت میں ایک قدر مٹی صفائی اور لطافت ہے اور ایشیا کی قوموں کی طبیعتوں میں قدرتی کثافت اور غلافت ہے یہ بھی ایک دلائل ہے کہ ایشیا کی قوموں کی رسومات مذہبی ایسی ہیں جو انسان کی طبیعتوں کو کثافت کا عادی کر دیتی ہیں ۛ

مگر یہ رائیں کسی طرح تسلیم نہیں ہو سکتیں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ انسان کے مذہب ہونے کے لئے آب و ہوا اور موقع ملک کو بہت بڑا دخل ہے مگر ایشیا کا ملک یا ہندوستان ایسا نہیں ہے جو وہاں کے باشندوں علی الخصوص مسلمانوں کو تہذیب میں ترقی کرنے کا مانع ہو۔ مذہب اسلام جبکہ وہ تعصبات اور توہمات سے جس نے ہندوستان میں اُسکو بہت اُفد ملکوں کے بھی زیادہ گھیر لیا ہے پاک صاف ہو تو وہ انسان کے مذہب ہونے کا خود ذریعہ ہے۔ چہ جائیکہ وہ باہر یا مزاحم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تربیت اور عادت کو بہت بڑا دخل ہے ہماری تربیت ایسے ناقص طریقہ پر ہوتی ہے جس کے سبب سے ہماری طبیعتوں میں صفائی اور نفاست نہیں رہتی۔

ابراہیم پاشا خدیو مصر کا بڑا بیٹا جبکہ چھوٹا تھا تو اُس کے باپ اسماعیل پاشا خدیو مصر نے یہ تدبیر سوچی کہ اُس کی پرورش یورپین عورتوں کے ذریعہ سے ہو تاکہ اُسکو بچپن ہی سے صفائی اور مذہب قوموں کی مانند زندگی بسر کرنے کی عادت پڑے۔ حقیقت میں یہ تدبیر نہایت عمدہ اور نہایت دانشمندی کی تھی چنانچہ اُس نے لندن سے ایک عورت کو جس کا نام ایلینا تھا اس کام کے لئے نوکر رکھ کر لایا اور وہ چند روز ابراہیم پاشا پر نوکر رہی جبکہ وہ اپنے ملک میں اس چلی گئی تو اُس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”حرم لیف“ رکھا ہے یعنی مجلسائے کی رہنے والی ہجرات کی زندگی بسر کرنے کا حال۔ ہم اُس کتاب سے بافعل مفصل ذیل مضمون منتخب کر لکھتے ہیں اور آئندہ انور بھی لکھینگے اور امید کرتے ہیں کہ ان حالات سے ہمارے بھائیوں کو غیر قوم کے خیالات کا کچھ حال جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں معلوم ہوگا۔

وہ لکھتی ہے کہ جب میں مجلسائے میں داخل ہوئی تو مجھ کو ایک کمرہ رہنے کو ملا مگر اُس کمرہ کا سامان ایسا خراب تھا جسے دیکھ کر مجھے کمال نفرت ہوئی وہ کمرہ خود بھی نہایت چھوٹا اور خراب تھا اور کچھ بھی سامان اُس میں نہ تھا۔ ہمارے ملک (یعنی لندن) کی اشراف بی بیوں کے پاس جو عورتیں مزدوری کرنے کو آتی ہیں وہ بھی ایسے کمرہ میں دو رات بھی بسر نہ کریں گی۔ اُس کمرہ میں قیٹھنے کے لئے کوئی کرسی تھی اور نہ لکھنے کے لئے کوئی میز تھی اور نہ کپڑا پہننے کے لئے کوئی علیحدہ جگہ تھی۔

مذکورہ بالا تفسیر سے یہ بات معلوم ہو گی کہ مذہب قوم کے لوگ کم صبر کے بھی اپنے رہنے کے کمرہ میں کن چیزوں کو اشد ضروری سمجھتے ہیں اور لکھنے اور پڑھنے کے سامان نہ ہونے سے

کیا تعجب کرتے ہیں ؟

وہ کہتی ہے کہ اُس کمرہ کے پتنگ کا بچھونا ایسا خراب اور سخت مثل تخت کے تھا کہ ہمارے وطن (یعنی انگلنڈ) میں اگر نہایت غریب گنوار کی چھوٹی سی جھونپڑی میں بھی ایسا بستر ہوتا تو اُس جھونپڑی کی بے عزتی ہوتی۔ مجھ کو اپنے وطن کے گھر کا خیال آتا اور خدیو مصر کے محل میں آنے کا نہایت ہی افسوس ہوتا۔ ہر دم یہی کہتی تھی کہ اگر نہ آتی تو بہتر ہوتا۔

اُس کمرہ میں نہ تو کوئی سنگار میز تھی اور نہ اُن لوازمات ضروری ہیں سے کوئی چیز تھی جو عورتوں کی خواہگاہ میں ہونی چاہیے۔ پھول بجانے کے لیے کوئی گلدان تک نہ تھا۔

مذکورہ بالا فقرہ سے تفادیت خیالات بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مذہب قوم کے ادنیٰ لوگ بھی جن چیزوں کو ضروری سمجھتے ہیں ہکوان کا کبھی خیال بھی نہیں آتا۔

وہ سمجھتی ہے کہ البتہ اُس کمرہ میں قالین بچھا ہوا تھا اور کھڑکی کے پاس شجر سے منڈ ہوئی ایک کوچ رکھی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی عجیب چیز جو اُس میں تھی وہ کپڑے رکھنے کی دما دار الماری فرانس کی بنی ہوئی تھی اور گویا یہ خاص خاطر داری کے لیے تھی کیونکہ روم اور مصر کی عورتیں پہننے کے کپڑے بخاریوں میں رکھتی ہیں جو دیواروں میں مثل طاق کے بنتی ہیں۔

وہ سمجھتی ہے کہ ”بیگیاٹ کے بیٹھنے کے دو کمرے تھے اُن میں نہایت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے مگر جا بجا سفید چربی کے داغ پڑے ہوئے تھے۔ سبب یہ تھا کہ بے تمیزی سے لونڈیاں تختوں میں شحمیں جلا کر لیٹے ہوئے ادھر ادھر پڑی پھرتی ہیں اور چربی کی بوندیں قالین پر ٹپکتی جاتی ہیں اور وہی بکپار رہتا ہے۔ دیواروں کے پاس شجر کپڑے سے منڈھی ہوئیں کوچیں بھی تھیں اور بیچ دیوار میں بہت بڑا آئینہ زمین سے چھت تک کا لگا ہوا تھا۔ چھت نقش و نگار سے آراستہ تھی۔ بچیں سنگ مرمر کی ایک میز جسکے پاؤں پر گِلٹ کا کام تھا رکھی ہوئی تھی اور اُس کے چاروں پاؤں پر آٹھ آٹھ بتی کے چار جھاڑ چاندی کے جن میں سبز رنگ کی فانوسیں چمچی ہوئی تھیں رکھے ہوئے تھے۔ تمام مکان میں تصویر رکھی نہ تھی کچھ سامان بے ترتیب رکھا ہوا تھا اور بہت سی چیزیں ہاں نہ تھیں جن کی حقیقت مکان کی آراستگی کے لیے ضرورت تھی۔ کافی رکھنے کی چھوٹی بقد رکابی کے گول میزوں پر سیپ کی سچی کاری بہت خوبصورت تھی مگر جبکہ میری نظر میں اپنے وطن کے امیروں کے ڈائیننگ روم کی سجاول

اور محمدؐ کی سامان کی سائی ہوئی تھی۔ اس لیے یہ سب چیزیں نہایت قیور معلوم ہوتی تھیں۔ غرض کہ
مجلسائے کا یہ حال تھا کہ کہیں کوئی چیز ہے اور کہیں نہیں ہے اور ایسا مکان معلوم ہوتا تھا
کہ جیسا چاہیے ویسا آراستہ نہیں ہوا۔

مجھے افسوس ہے کہ املین لاٹ نے ہندوستان میں اگر کسی ہندوستان کے نواب یا راجہ
کی نوکری نہیں کی اگر ہندوستان کی مجلسوں کا حال دیکھتیں تو اور بھی زیادہ خوش ہوتیں۔
یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اُس زمانہ سے جس کا حال املین لاٹ نے لکھا ہے مصر اب بہت
زیادہ ترقی پر ہے اور یورپ سے زیادہ اخلاط ہونے کے سبب تہذیب و شایستگی میں آٹھ
بہت ترقی کی ہے۔

مصلحان معاشرت مسلمانان

ہم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی طرز معاشرت و طریقہ تمدن
میں ترقی کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں ان کا
کچھ مختصر حال لکھنا مسلمانوں کی واقعیت کے لیے بہتر ہو گا۔

اول

سلطان محمود خاں مرحوم سلطان روم

یہ بادشاہ سنہ ۱۲۳۱ء میں تخت پر بیٹھا اور سنہ ۱۲۸۳ء میں فوت ہوا۔
ہماری رائے میں مسلمانوں میں سب سے اول یہ سلطان ہے جس نے مسلمانوں کے
اخلاق اور طریق معاشرت میں تہذیب شرعی کی۔ تعصبات مذہبی کو جو درحقیقت اخلاق محمدی
کے برخلاف تھے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے تمام مختلف مذہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق
اپنے مذہب کے اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جہائیں لگا دیں
تھے مرمت کرا دی جبکہ اُس نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پانچ سو روپے ایک ٹرکی سکہ
چاندی کا ہے) بانٹے تو گر یک اور بیسی چروں کو بھی برابر حصہ دیا۔
اپنے ملک میں سکول مقرر کیے اور کل مذہب کے لوگوں یہودی عیسائی مسلمان سب کو

برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی ۔

سیتلکی سیاری موقوف ہونے کے لئے ٹیکا لگانے کا نہایت خوبی سے رواج دیا تھا۔ مقرر کیے جس میں فریج ڈاکٹر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈس گالیر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور سلطان حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی ان کا لکچر سننے کو حاضر ہوا کریں ۔

۱۸۷۸ء میں اس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف کر دیا اور تمام گر کیے جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے چھوڑ دیا اور غلام آزاد کر دیئے کیونکہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق اور خصوصاً آیت انما المومنون اخوة فاصلحو ابین اخیکم اور آیت فاما مناجد واما فداۃ کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسی کا غلام نہیں ہو سکتا ۔

اسی بادشاہ کے عہد میں کی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر ۱۸۷۸ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام تقویر وقایع رکھا گیا تھا ۔

ترک ایسے جاہل اور بیجا تعصب مذہبی میں مبتلا تھے کہ علم تشریح انسان سمجھنے کو بھی تصویر کا بنانا جائز نہ سمجھتے تھے۔ سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سر جرجی اسکول قائم کیا جو دوسری جنوری ۱۸۷۸ء کو کھولا گیا تھا اور حکم دیا کہ تشریح موصوفہ تصنیف کی جاویں اور چھاپی جاویں اور پڑھائی جاویں ۔

اس سلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ خوب جانتا تھا کہ مذہب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر کی ملاقات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے کہ لباس اور طریقہ زندگی درست کیا جاوے بالکل ناممکن ہے ۔

اس نے وقتاً اپنی سپاہ کی وردی اپنی اور بالکل انگریزوں کی ہی کر دی صرف ٹوپی کا فرق تھا۔ ڈاکٹر ولش صاحب لکھتے ہیں کہ ترکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میں نے دیکھی اور جس نے مجھ کو حیران کر دیا وہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں کی تھی اور لفسر فوج کے وولنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے ۔

اس سلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دسترخوان پر پاپائیدار خوان پر کھانا رکھ کر ہاتھ سے کھانا ترک کر دیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سرخ ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے پہننی شروع کی ۔

مینر و گرسی پر چمچ اور چھری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا ڈاکٹر ولس صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا کہ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان کی یورپین پوشاک اور یورپین طریقہ تناول طعام اور خوبی اوصاف اور شایستگی عادات میں آؤتر کوں کی قدیم جہالت اور ناشایستگی میں آسان و زمین کا فرق ہے ۛ

اس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر ملکیت اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑی تھی وہ یہ ہے کہ سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان پہچانے جاویں اور لوگوں سے صرف مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سنیکا میں ۛ

یہ تھے اصلی اصول سلام کے جس پر سلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندوستان کے عالموں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان نے یہ سب کام علما و پایہ تخت کے فتوؤں سے کیئے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب تھے اس سلطان کی پورے قد کی تصویر میں نے وائیل کے بلیس میں دیکھی تھی جو پیرس دارالسلطنت فرانس میں ہے اسکو یورپین لباس اور سرخ ٹوپی نہایت ہی سونا تی تھی۔ خدا سپر رحمت کرے کہ اُس نے مسلمانوں کو مہذب و شایستہ بنانے کے لیے سب سے اول کوشش کی ۛ

دوم

سلطان عبدالمجید خان مرحوم سلطان روم

یہ سلطان پہلی جولائی ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا اور ۱۸۶۲ء میں فوت ہوا ۛ اس سلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی۔ بالکل یورپین کوٹ و پتلون اور تمام یورپین لباس پہنتا تھا صرف ٹوپی سرخ ترکی کی ہوتی تھی۔ مینر پر چھری کانٹے چمچ سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصبات کو جو مذہب اسلام کی رو سے لغو تھے چھوڑ دیا تھا اور روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا جاتا تھا ۛ

سب سے اول در عمدہ کام جو اس بادشاہ سے بن آیا اور جس کے سبب مسلمان ہمیشہ اُس کے احسان مند رہیں گے تمام یورپ کی اعلیٰ سلطنتوں سے اور خصوصاً انگریزوں سے خاص محبت اور اخلاص پیدا کرنا تھا جس کے سبب سلطنت روم کی منجانب یورپ کی سلطنتوں کے شمار ہوئی

اور جو عہد نامہ ۱۸۵۷ء میں یورپ کی سلطنتوں میں ہوا اس عہد نامہ میں مسلمانوں کی سلطنت بھی شامل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریمیا کی لڑائی میں جو اس بادشاہ سے اور روسیوں سے ہوئی تھی انگریز اور فرینچ نے سلطان کی مدد کی اور اس مسلمان سلطنت کو بچا لیا ورنہ آج دنیا میں مسلمان سلطنت کا نام بھی نہ ہوتا۔ پس حقیقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر انگریزوں اور فرینچوں کا مگر با تخصیص انگریزوں کا اس قدر احسان ہے کہ جب تک مسلمان سلطنت قائم ہے بلکہ جب تک مسلمان دنیا میں ہیں اُس کے شکر اور مراسم احسانندی کو ادا نہیں کر سکیں گے۔ سلطان کی خوش قسمتی سے سلطان کو ایک نہایت لائق اور جامع جمیع صفات وزیر تھا آیا تھا جس کا نام مرشد پاشا تھا۔ اگر ہم سلطان عبدالعجید خاں کے ادب کا پاس نہ کرتے تو اُن لوگوں کی فہرست میں جنہوں نے مسلمانوں کے حالات معاشرت میں اصلاح و ترقی کی سلطان محمود خاں کے بعد رشید پاشا کا نام نامی اور نقب گرامی لکھتے۔ اُس نے ترکوں کے تمام لغو اور بیہودہ تعصبات کو جن کو اُنھوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا اور جو دراصل مذہب اسلام سے کچھ علاوہ نہیں رکھتے تھے اور جو حقیقت مسلمانوں کے تربیت یافتہ اور مہذب ہونے کے باعث تھے بخوبی غور کیا اور قرآن مجید کے استدلال و سند سے اور نہ زید و عمرو کی تقلید سے اُن تمام تعصبات کی تردید کی اور یورپ کے طریقوں کے اختیار کرنے کا جواز لکھا اور سلطان عبدالعجید خاں نے اُسکو پسند کیا اور تمام علماء اور مسلمانوں میں و تمام رعایا میں اُس کے مشترک کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام تحریر بطور فرمان لکھی گئی جو ترکی زبان میں "ہت شریف" کے نام سے ملقب ہے۔

۳۔ نومبر ۱۸۵۷ء کو ایک بہت بڑے عالی شان مکان میں خود سلطان اور اُس کے تمام وزراء اور علماء اور سول و فوج کے افسر اور تمام سلطنتوں کے سفیر جو آئنا ستر کھاتے ہیں اور شیخ و مشائخ کبار اور ہر درجہ کے امام اور گرگاہ اور ارنی چرچ کے بشپ جو پیٹر بارک کھاتے ہیں اور علماء یہود جو بیبی کھاتے ہیں اور تمام اہل حل و عقد جمع ہوئے اور رشید پاشا نے وہ بہت شریف پڑھا اور سب نے آمنا و صدقہ کیا۔ یہ دن سلطان عبدالعجید خاں کی سلطنت میں ایسا مبارک دن تھا جس پر سے ہزار عید قربان ہونی چاہئیں۔ یہ دن نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی قوم کی جان تھا اور حقیقت میں رشید پاشا مسلمانوں کی قوم کی زندگی کا سبب تھا۔ خدا اُس پر رحمت کرے۔

سُلطان عبد الحمید نے جو اس زور شور سے مسلمانوں کے حالات کی بہتری چاہی اور ان کے لغو تصبیات کو جو غلط دینداری کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے دفعتاً توڑ دیا تو عام جاہل لوگوں اور ان کٹ ملاؤں نے جن کی مثال ایسی تھی کہ چار پائے بروکتا بے چند۔ اُمّتوں کی بہت خل مچایا اور عوام میں ایک ناراضی پیدا ہوئی اور اُسکو کرستان کہنے لگے۔ مگر جب رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوا گیا کہ سُلطان نے کیا کچھ بھلائی اور بہتری اسلام کی اور مسلمانوں کے ساتھ کی ہے تو سب کُٹل سے سُلطان کو چاہنے لگے ۛ

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک فوج سُلطان کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور لال ٹرکی ٹوپی اور ہونے گھوڑے پر سوار نماز کے لیے بائید کی مسجد کو جاتا تھا راستہ میں عورتوں کے غول نے بادشاہ کو گھیر لیا اور دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ کیا ہمارا بیٹا خوب نہیں ہے۔ اب اس بات سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سُلطان کو کس قدر لوگ عزیز سمجھنے لگے تھے ۛ

اس سُلطان نے اپنی سلطنت میں نہایت عمدہ کام کیے۔ انگریزوں اور فرینچ سے نہایت استحکام اور سچائی سے دوستی قائم کی۔ عدالتوں کے لیے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قائم کیا لکسمبرگ میں سیلک نشر کشن کی کونسل بنائی۔ نئی یونیورسٹی قائم کی۔ تارل اسکول قائم کیے اور اُس کے وقت میں اتنی ترقی ہوئی کہ قسطنطنیہ میں تیرہ اجا فرینچ اور ترکی اور گریک زبان میں چھپنے لگے تھے ۛ

ماشرافیہ بینی صاحب ایک فرینچ مؤرخ نے اس سُلطان کے زمانہ کے حال میں لکھا ہے کہ ترک نہایت بہادر اور ذہین آدمی ہیں اور نہایت ایماندار مسلمان جو نہایت عجیب طرز پر اپنے مذہب کے ذریعہ سے اپنے چال چلن درست کرنے پر متوجہ ہیں ۛ

سوم

سُلطان عبد العزیز خاں سُلطان روم

یہ اس عہد کا بادشاہ ہے جس کی ذات مبارک سے روم کا تخت سلطنت مزین ہے خدا اُسکو اور اُس کی سلطنت کو سلامت رکھے یہ سُلطان بھلائی ہے سُلطان عبد الحمید خاں کا

۱۸۶۲ء میں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا۔

اس سلطان نے سب سے زیادہ مسلمانوں میں تربیت و شایستگی پھیلانے میں قدم بڑھایا ہے اور انگریزوں اور فرینچ اور آسٹریا سے اور بھی زیادہ دوستی و اخلاص پیدا کیا ہے۔ لباس میں اور طریقہ زندگی میں اپنے سابقین کی صرف پیروی ہی نہیں کی بلکہ روز بروز اُس میں تبدیلی کرتا گیا۔ بے تعصبی اور سچی دوستی اور محبت کا جو اُس نے فرینچ اور انگریزوں سے پیدا کی ہے شہداء میں بخوبی ثبوت ہو گیا جب کہ سلطان پیرس اور السلطنت و انس میں بطور مہمان کے آیا اور امپریز نیپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہا اور وہاں کی سیرو سیاحت کر کر لندن میں صرف دوستی اور اخلاص کے سبب ملکہ معظّمہ و کٹوریہ دام ظلّہا سے ملاقات کر آیا اور کھانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رہا۔

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لندن میں کمائی بلکہ مسلمانوں کی قوم کو بلکہ ان کے اخلاق مذہبی کو دی وہ صرف یاد رکھنا اُس احسان کا تھا جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تھا وہ عالی ہمت فیاض لارڈ جو زمانہ جنگ کریمیا میں وزیرِ عظم سلطنتِ ملکہ معظّمہ و کٹوریہ کا تھا مر گیا تھا مگر اُن کی بی بی لیڈی پالمرسٹن زندہ تھی سلطان خود لیڈی پالمرسٹن کے پاس اُن کے شوہر عالی قار کا شکر ادا کرنے گیا اور جتنی بڑی عزت کا یہ کام سلطان سے ہوا شاید آئندہ تمام عمر اُس کو ایسا دوسرا کام کرنا نصیب نہیں ہونے کا۔

اس مقام پر ہم ہندوستان کے مسلمانوں سے سرسٹافورڈ نارتھ کوٹ اُس زمانہ کے سکریٹری آف سٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر ہندوستان کے اُس احسان کا ضرور ذکر کریں گے کہ جب سلطان لندن میں تشریف رکھتے تھے تو انھوں نے ہندوستان کی طرف سے سلطان کو انڈیا آفس میں بلایا اور ہماری طرف سے دعوت کی۔ جب میں لندن میں گیا تھا تو میں نے انڈیا آفس کے اُس خوبصورت بڑے ہال کو جس میں ہماری طرف سے سلطان کی دعوت ہوئی تھی دیکھا تھا۔ سرسٹافورڈ نارتھ کوٹ کا بہت بہت شکر کیا تھا۔

پھر اُسی دوستی اور اخلاص کا استحکام شہداء میں اور زیادہ روشن ہوا کہ پرنس آف ویلز اور پرنس آف ویلز یعنی ولیعہدِ ملکہ معظّمہ اور ولیعہدِ بیگم قسطنطنیہ میں سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور باہم دوستی اور محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک رہے۔ اُس کے بعد امپریز آف فرانس یعنی فرانس کے بادشاہ بیگم سلطان کے ہاں مہمان تشریف

لیکٹیں اور اسی طرح کھانے اور پینے اور دعوتوں کے جلسے رہے ۛ

پھر امپریز جوزف یعنی شہنشاہ آسٹریا سلطان کے ہاں مہمان تشریف لیگئے اور جو کہ سلطان کے ملک کی اور آسٹریا کی حد بالکل پویستہ ہے اور جارحانہ صق ہے اس لئے سلطان نے حق ہمتاً کو جس کا ادب بموجب مذہب اسلام زیادہ تر ہے زیادہ عزیز سمجھا اور خاص اسی محل میں جس میں خود رہتا تھا اپنے ساتھ شہنشاہ آسٹریا کو اتارا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ کھانے پینے میں شریک رہے۔ سب ایک میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے صرف سلطان کا ناز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا اور اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا ۛ

گریک اور ارمینی چرچوں کے لئے بشب اور پیٹریارک اسی طرح سلطان مقرر کرتا ہے جس طرح کہ اگر خود انہی مذہبوں کا کوئی بادشاہ ہوتا اور وہ مقرر کرتا اس کے ہاں تمام عہدہ دراصل سے اعلیٰ بھی بلحاظ مذہب کے عہدوں پر مقرر ہیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اعتماد ہے کہ سفارت کے عہدوں تک جس میں ہزاروں رانہ کی باتیں ہوتی ہیں عیسائی اور مسلمان سب مقرر ہیں۔ یہ کیسی عمدہ اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمان سلطان کی طرف سے دربار حضور ملکہ معظمہ میں جو سب سے بڑا دربار ہے اور سلطان کو سب سے زیادہ تعلق اور غرض اس عالی شان دربار سے ہے مونس پاشا جو گریک ہے انبا سٹریٹن سفیر مقرر ہے ۛ

ترکوں کی تربیت اور شایستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ ان کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیص و اسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے ایک قسم کا فواک کوٹ ہے جو وہ استعمال کرتے ہیں اور تمام اُمراء اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے صرف ترکی ٹوپی جدا ہے سب نے زمین پر کا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ میز پر چھری کاٹوں سے کھانا کھاتے ہیں ان کے مکان کی آراستگی اور طریقہ زندگی بالکل یورپین کا سا ہو گیا ہے ۛ

علی پشاویر سلطنت نہایت عمدہ انگریزی پڑھا ہوا ہے لندن میں اس نے تعلیم پائی ترکوں کا لباس نہایت عمدہ اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خوش وضع پتلونیں اور پاتوں میں سیاہ نفیس انگریزی بوٹ اور سیاہ سیاہ نفیس بات کے کوٹ اور سر پر لال ٹوپی جو نفیس کہلاتی ہے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ صفائی اور نفاست اور آراستگی مکانات بالکل یورپ کی مانند ہے۔ جب لوگ اپنی ہمسایہ قومیں فرنج اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ہجولی معلوم ہوتے ہیں اور اُمید ہے کہ روز بروز ان زیادہ مذہب ہوتے جاویں گے پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی ہم ہی چاہتے

ہر کی اپنے تعصبات اور خیالات خام کو چھوڑیں اور تربیت اور شایستگی میں قدم بڑھائیں ۔

ترقی علوم

مسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلہ سے ہوئی ہے۔ سب سے اول بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی کہ انھوں نے زید ابن ثابت کو متعین کیا کہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک یکجا جمع کر کر بطور ایک کتاب کے لکھ دیں چنانچہ انھوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے ۔

دوسری فوج مسلمانوں کے علوم کو اُس وقت ترقی ہوئی جبکہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اول اول لوگ سلوک بڑا جانتے تھے (اور شاید اُن کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اُس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اول کس نے اس کام کو شروع کیا بعض کہتے ہیں کہ سب سے اول امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج بصری نے جنہوں نے شام ہجری میں وفات پائی کتاب تصنیف کی اور بعض کہتے ہیں کہ ابو نصر سعید ابن عروبہ نے جنہوں نے شام ہجری میں انتقال کیا کتاب تصنیف کی اور بعض کہتے ہیں کہ ربیع ابن مہجج نے جو شام ہجری میں مر گئے سب سے اول کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب میں سفیان بن عیینہ اور مالک ابن انس کی تصنیفات مدینہ میں اور عبداللہ ابن مہب کی تصنیفات مصر میں اور عمر اور عبدالرزاق کی تصنیفات یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کی کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسطہ اور عبداللہ ابن مبارک کی خراسان میں شایع ہوئیں ۔

تیسری فوج مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی میں اختلاف کیا اور فرق بیع و اہواء کا شیوع ہوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوئیں پھر اسی علم کلام کو اور زیادہ ترقی ہو گئی جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اس میں شامل کیئے گئے۔ سب سے اول اس علم میں حادث محاسبی نے کتاب تصنیف کی جو حضرت امام احمد حنبل کا ہمصر تھا۔ اول اول علماء اور نقیاء اس علم کو زندہ رکھا

سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ اہلکسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایہ تک نوبت پہنچ گئی ۔
چوتھی دفوسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفاء عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے
علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں رائج ہوئے ۔ اول اول ان
علوم کے پڑھنے والوں پر بھی کفر و ارتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد ہی علوم مذہبیت
و کمال قرار پائے ۔

پانچویں دفوسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ مسلمان عالموں نے معقول و
منقول کی تطبیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان
کامل نہیں ہو سکتا ۔

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کیا ۔ اُن کی کتاب
احیاء العلوم گویا سرچشمہ اس فن کا ہے ۔ اگرچہ ابتداء میں امام غزالی کی نسبت بھی کفر کے
فتوے ہوئے اور اُن کی کتاب کے جلا بینے کے اشتہار کیے گئے مگر آخر کو حجتہ الاسلام اُن کا
لقب ہوا اور اُن کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا ۔

اُس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجتہ اللہ البالغہ لکھی جو لمحاظ اُس زمانہ کے
دقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھی ۔

مگر اب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہم نے بیان کی گذر گئے اور اب بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں
میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو ۔

اول جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ و
حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہو گئی ہے
اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور متحکم بنیاد پر قائم ہوئے ہیں ۔

دوسرے یہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کی مطابقت میں
کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیم کی تطبیق میں کوشش
کی جاوے تاکہ جو نتائج بہو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں ۔

اس کام کے کرنے میں بلاشبہ بہت سے نادان برا کہیں گے اور زبان طعنہ دہاڑیں گے مگر ہم کو اس پر
کچھ خیال کرنا نہیں چاہیے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا ان کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو

سب لوگ اُسی کی قدر کریں گے ۔

علوم جدیدہ

ہماری تحریروں میں اکثر لفظ ”علوم جدیدہ“ آتا ہے۔ غالباً اُس کی مراد میں لوگوں کو شبہ رہتا ہوگا اس لیے اُس کی تفسیر کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے ۔
 واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے میں قسم کے علوم مراد ہیں ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تھے اور اب حال میں ایجاد ہوئے ہیں۔ مثلاً جیا لوجی اور الیکٹریسیٹی وغیرہ دوسرے وہ علوم جن کا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہو کر متروک ہو گئے اور اب نئے اصول قائم ہوئے جنکو اصول قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں اور بجز اتحاد نام کے اور کچھ باقی نہیں با۔ مثلاً علم ہیئت اور کسٹری وغیرہ۔ تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور ان کے اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا مگر اب ان کو کمال وسعت ہو گئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعنی علم آلات جو ہمارے ماں بلفظ علم جو ثقیل مستعمل ہے اور علم حساب جو مقابلہ علم ہندسہ وغیرہ۔ پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا سے اُسید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماری تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اُس سے ہماری مراد ان تینوں قسموں سے کسی قسم کو یا کل کو مجبوراً و منفرداً تصور فرماویں ۔

مقاصد تہذیب الاخلاق

ہمارے اس پرچہ کی غرض سوا برس کی ہوئی اور تریٹھ مضمون اس میں چھپے اب ہم کو سوچنا چاہیے کہ ہم کو اس سے قومی تہذیب اور قومی ترقی حاصل ہونے کی کیا توقع ہے ۔
 انسان ایک ایسی ہیبتی ہے کہ آئندہ کی خبر اُس کو نہیں ہو سکتی مگر گزشتہ زمانہ کے تجربہ سے آئندہ زمانہ کی اُسیدوں کو خیال کر سکتا ہے۔ پس ہم کو اس پرچہ کی بابت آئندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لیے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاہیئے ۔
 جب ہم کچھ اوپر پچھلے ڈیڑھ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ لندن میں بھی

وہ زمانہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہندوستان میں ہے اور وہاں بھی اُس زمانہ میں اسی قسم کے پرچے جاری ہوئے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شایستگی پیدا ہوئی تھی۔ پس اقل ہم اُن پرچوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور پھر اس پرچہ تہذیب و اخلاق کو اُن سے متبادل کریں گے اور پھر آئندہ کی حالت ہندوستان کا اُس پر قیاس کر کر اپنی قومی ترقی کی نسبت پیشین گوئی کریں گے۔ جب کہ یورپ میں باہمی ملکی لڑائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع ہو گیا تھا اور خاص لٹرن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا مگر اپنی قوم کی روزمرہ کی زندگی اور اُن کے مزاج اور عادات اور خصلت پر نکتہ چینی کرنے اور اُس میں سے بُرائیوں کے نکلانے اور عمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی ملک میں خیال نہ تھا تاں البتہ فرینچ لوگوں نے اس پر کچھ خیال کیا تھا اور سولہویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرینچ عالم تھے خصلت و عادت پر کچھ مضمون چھپوائے تھے۔ اُس کے بعد لابرڈے صاحب نے جو ایک فرینچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں لوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طرح نہی سے بیان کیا تھا لیکن کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد جلد ایک مناسب میعاد پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اور لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلانا ہے مگر خدا نے یہ کام لٹرن کے پیغمبروں اور مؤرخین کے دیوتاؤں سرچرڈ اسٹیل اور مشرڈین کی قلمت میں لکھا تھا۔

سرچرڈ اسٹیل صاحب نے سنہ ۱۷۸۹ء میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ٹیبلو تھا اس کے اصلی ایڈیٹر تو اسٹیل صاحب تھے مگر اُدین صاحب بھی کچھ بھیجے ہوئے تھے۔ یہ پرچہ ہفتہ میں تین دفعہ چھپتا تھا۔ پہلا پرچہ اس کا بارہویں اپریل ۱۷۸۹ء کو نکلا تھا۔

سرچرڈ اسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ اُن کی غرض اس پرچہ کے نکلنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو جھوٹی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اُسے بے عیب کریں اور مکاری اور جھوٹی شیخی کو مٹا دیں اور بناوٹی پوشاک کو اتاریں اور اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں۔

اس پرچہ کے صرف دو سو اکثر (۲۵۱) نمبر چھپے چنانچہ اخیر پرچہ اس کا دوسری جنوری ۱۷۹۰ء کو چھپا اور پھر بند ہو گیا۔

اس کے بعد سرچرڈ اسٹیل اور مشرڈین صاحب نے ملکر ایک اور پرچہ نکالا اور اُس کا نام

”اسپیکٹڈ“ رکھا تھا۔ یہ پرچہ ہر روز چھپتا تھا اور دُوبی دونوں صاحب اخیر تک اُس میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ پہلا پرچہ اس کا یکم مارچ ۱۹۱۷ء کو چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اس کے چھپے تھے۔

یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ٹیٹلر ہی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں اُن سب پر فضیلت رکھتا تھا۔ عمدہ عمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے۔ خویش و آقارب کے ساتھ سلوک کرنے کے عمدہ قاعدے اُس میں بیان ہوتے تھے اس بات کا کہ انسان اپنی اُس قوت کو جس کا نام شوق ہے کس طرح دیکھ بجال اور سوچ بچار کر کس بات میں صرف کرے نہایت عمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب و غریب مذاق سے بھرا ہوا تھا۔

یہ پرچہ اس لئے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے طرز تحریر لوگوں کو سکھادی اور لوگوں کی گفتگو کو جو بُرے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں سے خراب ہو رہی تھی درست کر دیا۔

ہر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت تک لوگوں کے پاس آجاتا تھا۔ اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اُس کو پڑھا کرتے تھے ۱۹۱۷ء میں اس کا چھپنا موقوف ہو گیا۔

اُس کے بعد سر چرڈ اسٹیل نے مسٹر آدین صاحب کی مدد سے ایک اور پرچہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو پچتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہو گیا۔

اس کے بعد اٹھارہویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد سے نکلے مگر اُن میں سے راجندر اور ادو پنچنہ اور ایدلہ اور فرالد اور مرہا اور لونجہ نے کچھ شہرت پائی اور ان کے سوا اور کسی کو کچھ فروغ نہ ہوا۔

ان پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دینداری کو نہایت فائدہ پہونچا اور ہر ایک کے دل پر اُن کا اثر ہوا جس زمانہ میں کہ پہلے پہل ٹیٹلر نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جہالت اور بد اخلاقی اور ناشائستگی نفرت کے قابل تھی وہ ضد ہر لوگ کیا مرد و کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے کو خود زوشی و بد زوشی مکتے تھے اور کینوں کا

کام سمجھتے تھے۔ علم جو اب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے شاذ و نادر کہیں کہیں پایا جاتا تھا علم کا دعویٰ تو درکنار جسالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا اُس کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا۔ اشرافوں کے جلسوں میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں۔ قسموں پر مبنی کھانا اور خلافت تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی وضع داری گنی جاتی تھی۔ قمار بازی اور شراب خواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی۔ چارلس دوم کے عہد میں جو خرابیاں تھیں وہ شریف شریف اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہو گئی تھی۔ بیلوں دریا بچپوں کو گتوں سے پھڑوانا۔ لوگوں کو انعام دیکر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھ کر خوش ہونا گویا ہر ایک میر کے شوق کی بات تھی۔

ان تمام خرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیس نہایت ہی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے اُس میں مصروف ہوئے ویسی ہی کاسیابی بھی اُس میں اُن کو ہوئی۔ اسپیکٹیلٹ میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ”میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان لونا کا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤں گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُس کے پڑھنے والے دونوں باتوں میں نصیحت پاویں اور تا وقتیکہ لوگ ان تمام خرابیوں سے جن میں اس زمانہ کے لوگ پڑے ہیں منجملہ جاویں ہر روز اُن کو نصیحت کی باتیں یاد دلاتا رہوں گا کیونکہ جو دل ایک دن بھی بیکار پڑا رہتا ہے اُس میں بے شمار عیب جڑ کھڑے جاتے ہیں جس کے ریشے بہت ہی شکل سے دُور ہوتے ہیں۔ سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اُس نے فلسفہ کو آسمان سے اُتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہلانا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور جلسوں اور چار و قہوہ پینے کی مجلسوں تک میں پھیلا دیا اور ہر ایک دل میں بسایا۔“

اسٹیل اور اڈیس کی ایسی عمدہ تحریریں ہوتی تھیں کہ اُن کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی نشاۃ ثانی ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس زمانہ کے مصنفوں پر بھی اُس کا نہایت عمدہ اثر ہوا تھا۔

ڈاکٹر دریک صاحب کا قول ہے کہ عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اُسی وقت سے ہوا جب کہ ٹیلیگراف چھپنا شروع ہوا اور اسپیکٹیلٹ اور گارڈین نے اس شوق کو اُکثر زیادہ بھڑکا دیا۔ ان پرچوں کی تاثیر صرف لمحہ دو لمحہ کے لیے نہ تھی بلکہ انگلستان میں ہر فرقہ کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے

پھیل گئی تھی۔ ان پرچوں سے علم کو جو فائدہ ہوا وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان پرچوں نے اول اول نہایت خوش سلوبی سے گزشتہ و حال کے زمانہ کے عمدہ اور لائق مصنفوں کو بتلایا اور ان کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا۔ مشہور ہے کہ ملٹن صاحب کی پاریدریات لاسٹ کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے انہی پرچوں کی بدولت فروغ ہوا۔ ان پرچوں کے مذاقِ تحریر اور خیالات کے رنگ و دھنگ نے بڑی تحریروں کے اسباب کو بتلایا اور چھٹی عبارتِ آملی اور خوانشا پر داری کو جو کسبوں کے بناؤ سنگا کی مانند تھی اور رندیوں کے سے طعنے مینے یا لونڈوں کی سی گالم گلاچ کو تحریروں میں سے بالکل دور کر دیا۔ اچھی دُبری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین نمکتہ چینی اور اُور تحقیقات کا شوق پیدا کیا۔ ذہانت اور متانت دونوں کو ترقی دی اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل میں بٹھا دیا۔ ان باتوں سے ان پرچوں کے پڑھنے والے لُئیق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے حظ اٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ ان کی قدر کرنے لگے۔

اڈیس صاحب کی تحریروں سے بالخصوص طرزِ عبارت نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دلچسپ ہو گئی اور تحقیقت اڈیس صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علمِ انشاء میں ایک انقلابِ عظیم واقع ہو گیا۔ باوجودیکہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اس پر بھی اڈیس صاحب کی تحریر پر بجز تعریف کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

علاوہ ان باتوں کے اسپیکٹیر کے پرچوں میں انسان کے خیالات کے مخرج اور ان خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں ان کی تفریق نہایت خوبی اور خوش سلوبی سے بتلائی گئی اور اس سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کے خیالات اور ان کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہو گئی۔ نحو اور بے سر و مضمون اشعار میں سے خارج ہو گئے اور ان کی جگہ پُر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی۔ ہر ایک کو لُئیق اور قابلِ مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور ان کی قدر کرنے اور ان سے مزہ اٹھانے کی لیاقت پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالمِ ادبِ محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی۔ اسپیکٹیر کے پڑھنے والوں کو علمِ انشاء کی وہ خوبی جو اڈیس کے ذہن میں تھی معلوم ہوئی سب لوگ اُس کی تحریر کے لطف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علمِ انشاء میں ناموری کے خواہاں

ہوتے تھے لیاقت حاصل ہو گئی ؟

ان پرچوں سے صرف علم ادب اور علم انشاء ہی میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور خصلت کو بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش اور اقربا۔ دوست آشنا۔ یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی تہذیب حاصل ہوئی اور خود تہذیب و شایستگی کو ایسی عمدہ صیقل ہوئی جس کی آج تک کوئی نظیر نہیں۔ ملکی امورات کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے وہ تھوڑے سے عرصہ میں نہایت کم ہو گئی اور جو لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوشگوار پانی کی مانند خوبصورت نہروں میں بہنے لگی جنہوں نے اخلاق اور علم و ادب کو سیراب کر کر لوگوں کے دلوں کے بُرے اور خراب جوش کو پاک و صاف کر دیا ۔

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اُس زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چنداں مشکل نہ تھی مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جس کے تکبر اور غرور سے ہر ایک بھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکار آمد نہیں۔ خلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کیے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر اُن پر فرضی بحثیں مٹھالتے جانا اور دوسری بات کو گودہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہونہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دار مدار ہونا اُن کا نتیجہ ہے ۔

علم ادب و انشاء کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور مہوزن اور قریب التلفظ کلموں کے ٹھک ملانے اور دُور از کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے رقعوں میں بھی یہ سب بُرائیاں بھری ہوئی ہیں۔ کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو حقیقت میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو۔ خطوط رسمہ کے پڑھنے سے ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ حقیقت میں اس خط کا لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا عموماً رواج پڑ گیا ہے۔ پس ایسی طرز تحریر نے تحریر کا اثر ہمارے دلوں سے کھو دیا ہے اور ہمارے جھوٹی اور بناوٹی تحریر کا عادی کر دیا ہے ۔

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اُس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہ ہوگی

مضمون تو بجز عاشقانہ کے اور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُن بد جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو صدیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں :

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اُس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اُس انسانی جذبات میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور اُن کی جلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے۔ ملٹن کی پاریدیزات لاسٹ کچھ چیز نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت کی تصویر ہے جس کا ہر ہر شعر دل میں گھر کرتا جاتا ہے شکسپیر کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بناوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت موثر انسان کی طبیعت پر ہے :

علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے۔ اُس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سداھاوٹ و صفائی و بے تکلفی سے جاہل اُن پڑھ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اُس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفہ اور دلائل منطقیہ ملائی گئیں کہ اُس میں اُس صفائی اور سداھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا۔ مجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و متحدہ حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمر کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی :

علم مجلس اور اخلاق اور برتاؤ دوستی کا ایک ایسے طریقہ پڑ گیا ہے جو عفاق سے بھی بدتر ہے اخلاق صرف مونچھ پر میٹھی میٹھی باتیں بنانے اور اوپری تپاک جتانے کا نام ہے۔ آپس میں دو شخص ایسی محبت اور دل سوزی کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے اُن دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجھتے ہیں مگر جب اُن کے دل کو دیکھو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل ہیں صرف مکاری اور ظاہر داری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور بے ایمانی اور دغا بازی کا نام شکاری ہے گفتگو پر خیال کر دو تعجب ہی کھٹک دھائی دیتا ہے اگرچہ اکھر لفظ تو نہیں ہوتے مگر زار و اکھر مضمون زبان سے نکلتے ہیں۔ نہایت جذبات اور مقول و ثوق نیک و دیندار آدمی بھی اپنی گفتگو میں تہذیب و شائستگی کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ دوست کی بات کو جھوٹ کہہ دینا۔ دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کر دینا یہ تو ادنیٰ ادنیٰ روزمرہ کی بات ہے۔ ایک نہایت نیک آدمی اپنے

بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عیدِ حالتِ تپاک اور خوشِ اخلاقی اور خوشِ محبت کی باتوں میں کہہ با تھا کہ تمہارے باپ تو چھوٹوں کے بادشاہ ہیں وہ تو دن رات سینکڑوں غیپوں میں غمگین دیتے ہیں۔ اُن کی بات پر کیا اعتبار ہے۔ پس افسوس ہے کہ خود اپنے پر کہ ہمارے ایسے دوست ہیں۔

اگر اشرافِ جوان دوستوں کی مغل میں جاؤ تو سنو کہ وہ آپس میں کسی گلم گلوج اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ہیں۔ ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحبِ تصانیف ہیں اور اردو کے علم ادب میں مشہور ہیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور میں نے خوب خیال کر کر گنا کہ اُن کے موعظ سے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جس میں سے کچھ اپنی نسبت تمہیں اور کچھ اُس کتاب اور اُسکے مصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھ ادھر ادھر بیٹھنے والوں اور سننے والوں کی نسبت۔

امیروں کا حال دیکھو تو اُن کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کہو تراوٹانے اور اُور سطحِ تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھ کام و دھندا نہیں۔ نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اُسکو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بد مزہ ہو جاتی ہے اور جب بدی پڑاوتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں۔

غرض کہ جو کچھ اُس زمانہ میں فرنگستان میں تھا وہی کچھ بلکہ اُس سے بھی زیادہ اب ہندوستان میں موجود ہے اور بلاشبہ ایک ٹیٹلر اور اسپیکٹیر کی یہاں ضرورت تھی سو خدا کا شکر ہے کہ یہ سچہ اُنہی کے قائم مقام مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں جاری ہوا۔ مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیس نہیں ہے۔

اسٹیل اور اڈیس کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ اُن کی تحریر اور اُن کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیبِ شایستگی و حسنِ معاشرت پر محدود تھے۔ مذہبی مسائل کی چھیڑ چھاڑ اُن میں کچھ نہیں تھی۔ ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے اُن تمام رہیں اور عادتیں مذہب سے ایسی مل گئی ہیں کہ بغیر مذہبی بحث کیے ایک قدم بھی تہذیب و شایستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے۔ جس بات کو کہو کہ چھوڑو فوراً جواب ملیگا کہ مذہباً ثواب ہے۔ اور جس بات کو کہو کہ سیکھو اسی وقت کوئی بولے گا کہ مذہباً منع ہے۔ پس ہم مجبور ہیں کہ تہذیبِ شایستگی اور حسنِ معاشرت سکھانے میں کہو مذہبی بحث کرنی پڑتی ہے۔

مذہبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے سے بڑے بڑے مسائل اور اصول مذہب بحث میں آجاتے ہیں اور اس لیے اچار کبھی کہو فتوے سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول فتوے سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے۔ پس ہندوستان میں صرف اسٹیل اور اڈیسن ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقدس لوہے کی بھی بہت بڑی حاجت ہے +

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کے زمانہ کے لوگ اُن کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے اور ہماری یہ ذہنی سی ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے برخلاف کہا جاتا ہے اور اُن کا پڑھنا باعث عذاب سمجھا جاتا ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچہ کے شہر ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سُنے سے اپنی محنت و مشقت۔ فکر و خیال کی کلفت کو دور کرتے ہوں گے اور ہم اپنی تحریروں کے شہر ہونے کے بعد بجز لعنت و ملامت سُنے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں۔ اسٹیل اور اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے اُن سے بھلا سُنتے۔ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں اُن سے بُرائی پاتے ہیں۔ جن کے حق میں بھلاکتے ہیں اُن سے بُرا سُنتے ہیں۔ اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کر لینے کچھ مشکل نہ تھے اور ہکو ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہکو یہ مشکل ہے کہ دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم ہی کو اُس کا جھکانا ہے +

لوگ ہمارے ان خیالات کو جنوں اور مایو لیا بتاتے ہیں مگر دیوانہ بکار خود ہوشیار۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اسی قلیل زمانہ میں مجھے کیا کچھ کیا ہے اس لیے ہم آئندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں اور اچھے دن آنے والوں کی پیشین گوئی کرتے ہیں گو اُن کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے مگر یقین کرتے ہیں کہ ضرور بیشک آئیوا لے ہیں +

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس مسکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں وہ کچھ کریں گے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہے ہو سکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں واللہ درمن قال السعی منی والامام من اللہ تعالیٰ +

طریقہ تعلیم مسلمانان

کمپٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے جو ایک سلیکٹ کمیٹی اس لیے مقرر کی تھی کہ وہ کمیٹی بعد غور و فکر و مباحثہ باہمی کے ایک رپورٹ لکھے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کونسا عمدہ طریقہ ہے اور کون کون سی زبان اور کون کون سے علوم اور کس طرح پران کو پڑھائے جاویں چنانچہ اس مطلب پر کمیٹی مذکورہ نے رپورٹ لکھی ہے۔ اُس میں انیس ممبر تھے اور سب کی رائے اُس طریقہ تعلیم پر متفق ہوئی۔ اول سید احمد خاں سکریٹری نے ایک تمہیدی تقریر کی اور پھر طریقہ تعلیم بیان کیا اور پھر ممبروں نے اُس پر رائے دی چنانچہ اُس سب کو ہم اس مقام پر مندرج کرتے ہیں :

گفتگو تمہیدی

سید احمد خاں نے ممبروں سے یہ بات کہی کہ اس امر سے جس کی نسبت ہم رپورٹ تحریر کرتے ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ ہلوگ صرف وہی بات لکھیں جو زمانہ حال کے مناسب ہو اور جو اس وقت انجام بھی ہو سکے بلکہ یہ مقصد ہے کہ حالات اور حیثیات موجودہ سے قطع نظر کر کے ہمو وہ تجویز کرنی چاہیے جو پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک اعلیٰ درجہ پر مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تاکہ ہمو معلوم ہو جاوے کہ ہمو حقیقت کیا کرتا ہے اور بالفعل ہم کس قدر کر سکتے ہیں :

سید احمد خاں نے ممبروں سے کہا کہ تجویز اور عمل ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تجویز ہمیشہ ہمو پوری اور کامل کرنی چاہیے اور اُس تجویز پر عمل اُس قدر جتنا کہ ہم وقتاً فوقتاً کر سکتے ہوں فرض کرو کہ ہمو ایک بہت عالی شان مکان بنانا ہے جب ہم اُس کا نقشہ تجویز کریں گے تو اُس عام مکان کا پورا کامل نقشہ تجویز کریں گے اور جب اُس کی تعمیر شروع کریں گے تو اُس قدر کرنے کی تعمیر شروع کریں گے جس قدر کی تعمیر کا بالفعل ہمو مقدور ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ وہ مکان عالی شان مطابق نقشہ مجوزہ کے طیار ہو جاوے گا اور اگر ہم بلا پورا اور کامل نقشہ سوچے تعمیر شروع کر دیں گے تو ہم نے اُس مکان میں سے کچھ نہ بنایا ہوگا بلکہ اُس مکان کے بنانے کے لیے پھر کُشد عمارت کا بھی ڈھانا پڑے گا جو بے نقشہ سوچے تعمیر کی تھی۔ میرا مقصد اس تقریر اور پیشل سے

یہ ہے کہ اس وقت طریقہ تعلیم مسلمانوں کا پورا اور کافی تجویز کیا جاوے اور اس بات کا خیال نہ ہو کہ آیا اس وقت ہم اُسکو کر بھی سکتے ہیں یا نہیں ؟

سید احمد خاں نے کہا کہ اس وقت دو ایک باتیں اُور عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لیے نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصد ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں سے مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے اور یقینی مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہیں پس اس وقت ہم کو ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہیے جو مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو کافی ہو۔

سید احمد خاں نے اس مطلب کو دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی کہ مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں کے حاصل کرنے اور انتظام گورنمنٹ میں شامل ہو کر دنیاوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُسکو گورنمنٹ کے عہدوں کے حاصل کرنے کا کچھ خیال نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجرائے کارخانجات کے اپنی محاش پیدا کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ صرف اپنی جائداد اور اپنے علاقجات کی دہستی اور اپنے روزمرہ کی زندگی کے امور کو بخوش اسلوبی انجام دینے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ علوم و فنون کو حاصل کرنا اور اُن میں واقفیت کامل حاصل کرنا پسند کرتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُس کو ان تمام چیزوں سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ وہ بلحاظ اپنی معاد کے علوم دین میں دستگاہ کامل حاصل کرنا اور اُسی میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور ایک جماعت عوام الناس کی ہے جن کے لیے کسب قدر عام تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ بائیمہ ہر ایک کو اپنی اولاد کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اُس کے عقاید مذہبی بھی درست رہیں اور وہ ادائے ذرایع مذہبی سے بھی غافل نہ ہو جاوے پس جبکہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہم کو ایسی تجویز کرنی چاہیے جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور نیز دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں +

سید احمد خاں نے یہ بھی کہا کہ جب آپ سب صاحبان مقاصد پر غور و خواہش کریں گے جنہیں ہم امور عظمیٰ کو میں نے ابھی بیان کیا تو آپ یقین کریں گے کہ کسی قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ

وہ خود ان مقاصد کے حامل کرنے پر مستعد نہ ہو حال نہیں ہو سکتے پس ہکواپنے تمام مقاصد کے انجام کو صرف گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہیے بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ ان تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور ناممکن بالذات کے ہے۔ پس اس وقت ہکو دو قسم کی تجویزیں کرنی چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کر سکیں اور جن میں ہکو گورنمنٹ سے اُسکی تعمیل کرانے کی کچھ خواہش نہ ہو بلکہ ہکو خود اپنی سعی اور کوشش سے آپہنٹس کا انجام کرنا مدنظر ہو +

دوسری تجویز ہکو اس بات کی کرنی چاہیے کہ جب تک کہ ہم اُس اول تجویز کو انجام دیں یا اُسکے انجام دینے کے لائق ہوں اُس وقت تک اُرا اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے مقرر کیئے ہیں کیونکر فائدہ اٹھاویں اور ہمارے متعدد مقاصدوں سے جو جو نامقصد تعلیم معینہ گورنمنٹ سے حاصل ہو سکتا ہے اُسکو ہم کیونکر حاصل کریں +

سید احمد خاں نے کہا کہ ایک بات یوں اور کہنی چاہتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ میری یہ بات میرے شریک ممبروں کو بُری معلوم ہوگی اگرچہ افسوس ہے کہ میں اپنے شریکوں کو رنجیدہ کرتا ہوں مگر جو کہ میری رائے میں وہ بات بالکل سچ ہے اس لیے میں اُس کے کہنے پر مجبور ہوں اور وہ بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہوتی ہے تو ان کی سعی ہمیشہ اسی بات پر مقصور ہوتی ہے کہ وہی پورا نامور و ثنی طریقہ تعلیم کا اور وہی ناقص سلسلہ نظامیہ س کتب کا اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اُسی پورے طریقہ پر مسلمانوں نے کئی مدرسہ تعلیم کے لیے جو نہ پورے علی گڑھ۔ کانپور۔ سہانپور۔ دیوبند۔ دہلی۔ لاہور میں جاری کیئے ہیں مگر میں نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ محض مفاہیدہ اور محض لغو ہیں۔ ان سے کچھ بھی قومی فائدہ ہونے کی توقع نہیں ہے +

زمانہ اور زبان کی طبیعت اور علوم اور علوم کے نیا سب تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں کی قدیم کتابیں اور ان کا طرز بیان اور ان کے الفاظ مستعملہ ہکو آزادی اور رستی اور صفائی اور دہ پن اور بے تکلفی اور بات کی صلیت تک پہنچنا اور اچھی تعلیم نہیں کرتے بلکہ برخلاف اُسکے دھوکہ میں پڑنا اور پیچیدہ بات کہنا اور بہ بات کو لون مرچ لگا دینا اور ہر امر کی نسبت خلط اور خلاف واقع الفاظ شامل کر دینا اور مجھوٹی تعریف کرنا اور زندگی کو غلامی کی حالت میں رکھنا اور تکبر اور غرور کو خود پسندی کا بیج بنانا اور اپنے ابنائے جنس سے نفرت کرنا۔ ہمدردی کا نہ رکھنا۔ مبالغہ آمیز باتوں کا عادی کرنا

گزشتہ زمانہ کی تاریخ کو بالکل نا تحقیقی ہیں انا اور واقعات واقعی کو مثل قصہ و کہانیوں کے بنا دینا سکھاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حال کے زمانہ اور حال کے زمانہ کی طبیعت کے مناسب نہیں ہیں اور اس لئے بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو ان سے کچھ فائدہ ہو مضرت حاصل ہونے کی توقع ہے اول تو یہی کہ قدر بڑی مضرت ہے کہ ان کی عمر مفایدہ چیز میں ضائع کی جاتی ہے۔ پس نہیں چاہتا ہوں کہ میرے معزز شریک ممبر میری اس گفتگو سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ بروقت تجویز طریقہ تعلیم کے ان باتوں پر بھی محاذ رکھیں خواہ اُسکو پسند کریں خواہ نا پسند کریں۔

لارڈ میکالی صاحب نے جبکہ وہ ہندوستان کی عام تعلیم کی بورڈ کے میر مجلس تھے اور اُس زمانے میں گورنمنٹ کالجوں میں ایشیائی طریقہ تعلیم جاری تھا گورنمنٹ کالجوں کی نسبت ایک بورڈ لکھی تھی اُس کا منتخب میں اس مقام پر بیان کرتا ہوں۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ اگر گورنمنٹ کی رائے بند و بست موجودہ کو (یعنی ایشیائی تعلیم مروجہ اس وقت کو) غیر مبدل رکھنے پر ہو تو میری عرض یہ ہے کہ میرا میر مجلسی سے استعفا منظور ہو۔ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ میں اُس میں کچھ کام نہیں آ سکتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس شے کو مجھ کو اپنی تقویت دینی ہوتی ہے جس کی نسبت مجھ کو خوب یقین ہے کہ وہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ موجودہ بند و بست سچ کی جلدی ترقی کرنے کی طرف نہیں بلکہ معدوم ہونے والی غلطیوں کی طبعی موت کے توقف کرنے پر رجوع کرتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہم کو تعلیم عام کے بورڈ کے معزز نام کا بالفعل کچھ حق نہیں ہے ہم ایک بورڈ یعنی مجلس میں واسطے اُڑانے سرکاری روپیہ کے اور واسطے چھاپنے ایسی کتابوں کے جو کم قیمت ہیں۔ اُس کاغذ سے جس پر وہ چھاپی جاتی ہیں جب کہ وہ کورا تھا اور واسطے جھوٹی دیرری دینے نا معقول تواریخ اور نامعقول الہیات اور بیہودہ طبابت اور بیہودہ علم مذہبی کے اور واسطے تیار کرنے ایک فرقہ ایسے طالب علموں کے جو اپنی طالب علمی کو اپنے اوپر ایک بوجھ اور عیب پاتے ہیں۔

لارڈ میکالی صاحب کے الفاظ جو نسبت مذہب کے ہیں ان کو چھوڑ دو باقی مطلب پر غور کرو کہ بالکل سچ ہے پس اب ہکو اپنا سلسلہ تعلیم ایسا قائم کرنا چاہیے کہ جو تمام عیبوں سے پاک ہو اور جس سے حقیقت مسلمانوں کے دین دنیا کی بہتری اور ترقی متصور ہو۔

ایک اور بات بھی قابل اطلاع کے ہے کہ میں اکثر مستغنی سالوں کی بھی رائے دیکھتا ہوں اور مسروں کی بھی رغبت پاتا ہوں اور لوگوں کی رائے کا بھی رجحان اس طرف دیکھتا ہوں کہ

انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی اور ان علوم کی بھی جو عربی میں ہیں تعلیم دی جاوے مگر یہ رائے اس سبب سے قائم ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ انگریزی اور عربی کی تحصیل میں کس قدر محنت اور کس قدر وقت درکار ہوتا ہے اگر اس بات کو جاری کیا جاوے گا اور کوئی حد و تمیز اس کے لیے مقرر نہ ہوگی تو دونوں میں سے کوئی حاصل نہیں ہونے کا۔ لڑکے نہ ادھر کے رہینگے نہ ادھر کے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ تمام جذبات انسانی کو جن میں سے پرانی رسم کی باندی سب سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور انسان کو ٹھیک بات تک پہنچنے نہیں دیتی ذرا دل کو ٹھنڈا کر کر تجویز کیا جائے کہ درحقیقت کون بات دین و دنیا کے لیے مفید ہے جو ہم کو کرنی چاہیے۔

بیان طریقہ تعلیم

ممبران شریک نے اس تقریر کو باکراہ سنا اور اس میں سے اس بات پر متفق آرائے ہوئے کہ بلاشبہ تعلیم مسلمانوں کا طریقہ دو قسم کا تجویز کرنا چاہیے۔ ایک وہ جو خود مسلمان اس کو قائم کریں جس سے ان کے تمام مقاصد دینی و دنیوی انجام پادیں۔ دوسرے وہ جن مسلمان ان اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے مقرر کیے ہیں فائدہ اٹھادیں۔ پس امور مذکورہ حسب تفصیل ذیل پیش ہو۔

اول قواعد تعلیم مسلمانان جن کا قائم کرنا اور جاری کرنا خود مسلمانوں کو لازم ہے۔ سید احمد خاں نے کہا کہ میں نے ان امور کے سوچنے اور سمجھنے اور غور کرنے میں شاید بہ نسبت اور ممبروں کے زیادہ وقت صرف کیا ہے اور زیادہ فکر کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو طریقہ تعلیم میں نے خیال کیا ہے اسکو میں بہ ترتیب بیان کر دوں۔ پھر ممبروں کو اس کے منظور کرنے یا تبدیل کرنے کا بخوبی موقع ہوگا۔

ذکر علوم

مسلمانوں کی تعلیم دو قسم پر تقسیم ہونی چاہیے۔ ایک تعلیم عام اور دوسری خاص۔
تعلیم عام مسلمانوں کی علوم مفصلہ ذیل میں ہونی چاہیے۔

اول مینیات

فقہ - اصول فقہ - حدیث - اصول حدیث - تفسیر - علم سیر - علم عقاید *

دوم علم ادب

زبان دانی اور دانشا پر داری اُردو - فارسی - عربی - انگریزی - ولین - علم تاریخ - علم جغرافیہ - علم اخلاق - میٹل سائنس یعنی علم قوائے انسانی - علم منطق - علم فلسفہ - علم سیاست مدنی یعنی اصول گورنمنٹ - علم انتظام مدنی یعنی پولیٹکل اکونمی *

سوم علم ریاضی

علم حساب - علم جبر و متقابلہ - علم ہندسہ فروعیات اعلیٰ علم ریاضی کی *

چہارم علم طبیعیات

علم سکون - علم حرکت - علم آب - علم ہوا - علم مناظر - علم برق - علم ہیئت - علم آواز - علم حرارت - نیچر الفاسفی *

تعلیم خاص مسلمانوں کی ان علوم میں ہونی لازم ہے جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے -

انجینیئر - اینیل فزئی لوجی یعنی علم حیوانات - اینالومی یعنی علم تشریح - ذوالوحی حسب اینیل فزئی لوجی - بائنی یعنی علم نباتات - جیالوجی یعنی علم طبقات الارض - منرالوجی یعنی علم معادن کسٹری یعنی علم کیمیا *

یہ وہ علم ہیں جن میں مسلمانوں کی تعلیم ہونا چاہیے۔ ان کی تفریق اور ان کی مقدار کی تعیین ہر ایک درجہ تعلیم کے لیے جدا جدا ہوگی اور جس کا اندازہ ہر ایک درجہ کی تعلیم کے لیے کیا جاویگا

طریقہ تعلیم و تربیت

امداد اللہ اہل مقدمہ اور ذی دولت مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کے لیے نہایت ضروری ہے

کرائے کی عمر دس برس تک نہ پہنچنے پاوے کہ وہ اپنے گھر سے جدا رکھے جاویں اور انکی فاضل ہو

اور خاص نگرانی میں تعلیم ہو اور اس لیے ضرور ہے کہ کسی شہر کے قریب جس کی آب و ہوا عمدہ ہو اور شہر بھی چھوٹا ہو ایک پُر فضا میدان تجویز کر کے مکانات تعمیر کیے جاویں اور پھول باغ لگایا جاوے ۛ

اُسی عمارت کے شامل ایک مسجد بنائی جاوے جس میں مؤذن و امام مقرر ہو اور ایک کتب خانہ بنایا جاوے اور ایک بڑا کمرہ کھانا کھانے کے لیے اور ایک بڑا کمرہ ایسے کھیلوں کے کھیلنے کے لیے جو مکان کے اندر کھیلے جاتے ہیں اور باقی مختصر و مناسب کمرہ اس طرح پر کہ ہر ایک لڑکے کو ایک مناسب کمرہ پیشینے اور پڑھنے کو ملے ۛ

کسی لڑکے کے ساتھ کوئی خاص خدمتگار نہ رہے بلکہ تمام خدمتگار اُنھیں مکانات کے متعلق نوکر ہوں اور ہر ایک خدمتگار کو کمرے تقسیم کیے جاویں۔ لیس اُن کمروں کے رہنے والے لڑکوں کی خدمت اور کمروں کا جھاڑنا اور آراستہ کرنا اور پلنگوں اور بچھونوں کا درست کرنا سب دُہی لوگ کیا کریں گے ۛ

اِن تمام لڑکوں کو ضرور ہوگا کہ مسجد میں ہر روز کی نمازیں جماعت سے پڑھیں اور صبح کی نماز کے بعد کسی قدر قرآن مجید بوجہ اُس قاعدہ کے پڑھ لیا کریں جو تجویز کیا جاوے اور ہر ایک کو ایک قسم کا یکساں لباس پہنایا جاوے اور سب ملکر ایک جگہ وقت معین پر کھانا کھائیں اُن کے اوقات پڑھنے اور کھیلنے کے اور جہانی و دُش کے سب مقرر کیے جاویں اور ہر ایک لڑکے کو ہر ایک وقت پر جو کام مقرر ہے اُس کا کرنا واجب لازم ہو ۛ

اس مکان پر ایک نہایت لائق اور عمدہ شخص بطور تالیق یا گورنر کے مقرر ہو تاکہ وہ تمام نگرانی اور سب طرح کا بند و بست کرتا رہے اور لڑکوں کی صحت و تندرستی کا نگران رہے اور اس کی خبر داری اور نگرانی کرے کہ تمام لڑکے اوقات معینہ میں دُہی کام کرتے ہیں جو اُس وقت کے لیے معین ہے یا نہیں ۛ

لڑکوں کو اپنے گھر جانے اور ماں باپ اور عزیز اقارب سے ملنے یا اُن کو لڑکوں سے ملنے اور اُن کا آرام و آسائش کا حال دیکھنے کو آنے کے لیے قواعد مقرر ہوں اور ہمیشہ اُن قواعد کی پابندی رہے ۛ

اتفاقہ بیماری یا اتفاقہ ضرورت کے واسطے ایک طبیب ملازم رہے اور اُس تمام کے بول چال سے بھی بند و بست کر لیا جاوے تاکہ اتفاقہ اور دفعتاً کی بیماری کی حالت میں طبیب یا ڈاکٹر کا

علاج جیسا کہ ان لڑکوں کے مرثیوں نے اجازت دی ہو ہو سکے۔ یہ بندوبست صرف اتفاقیہ
اضانگامانی بیماری کے لئے ہے ورنہ بحالت بیماری زاید اس کے مرثی اس کے گھر پر لجا دینگے
اور خود جس طرح چاہینگے معالج کریں گے +

یہ مکان عالی شان اُمر اور اہل دُوال کے چندہ سے تعمیر ہونا چاہیئے اور اخراجات ماہواری کا
اوسط لگا کر چلو کا اُس میں دخل ہو اور سکونت اختیار کرے اُس کے مرثیوں سے وہ خرچ لیا
جاوے +

خوب یاد رہے کہ جب تک ہمارے لڑکے گھروں سے علیحدہ ہو کر اس طرح پر تربیت نہ پائیں گے
ہمیشہ خراب اور نالایق اور جاہل اور کمینہ عادتوں کے عادی رہینگے +

مدیر العلوم

اُسی شہر میں جہاں یہ مکان تعمیر ہوا ایک بہت بڑا عالی شان مدرسہ تعمیر کیا جاوے اور اُس کا نام
انگریزی زبان میں ”دی محمدن اینکلو اوپریٹنٹل کالج“ اور عربی زبان میں
”مدرسة العلوم“ رکھا جاوے۔ اس مدرسہ میں وہ لڑکے امراء اور ذی مقدور
لوگوں کے جو ان مکانات میں رہتے ہیں اور نیز اور مسلمانوں کے جو ان میں نہیں رہتے عموماً
تعلیم پادیں گے +

یہ مدرسہ حقیقت میں مدرسوں پر مشتمل ہوگا۔ اول انگریزی۔ دوم اردو۔ سوم عربی فارسی۔
چوتھہ انگریزی کا ہوگا اُس میں بالکل انگریزی پڑھائی جائیگی اور تمام علوم و فنون اور جو کچھ کہ
اُس میں تعلیم ہوگا وہ سب انگریزی میں ہوگا۔ الٹھ طالب علم کو سکند لینگو ج بھی پڑھنی ہوگی۔
لیٹن و اردو یا لیٹن و فارسی۔ یا لیٹن و عربی۔ اور اسکو بشمول اپنی تعلیم کے کچھ مختصر کتب میں
فقہ و حدیث و عقاید کی اُردو زبان میں پڑھانی ہوگی +

اس مدرسہ کے تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اب زمانہ ایسا آتا جاتا ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے
اعلیٰ ائمہ دُوال کے پائے کی تمنا رکھتے ہیں اور دنیا میں نہایت اعلیٰ درجہ کی عورت جو رعایائے
گورنمنٹ حاصل کر سکتی ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کمال انگریزی زبان میں
حاصل نہ کریں گے اُس وقت تک یہ بات مسلمانوں کو نصیب نہیں ہونے کی اور ایسا کمال انگریزی
میں بغیر اس کے کہ اُسی کو خوب حاصل کریں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو لوگ کہ اس قسم کے

عہدوں اور عزتوں کے خواہاں ہیں اُن کے لیے یہ تجویز کی گئی ہے ۔
 علاوہ اس کے ضرور ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک جماعت اس قسم کی ہو کہ وہ نہایت اعلیٰ
 درجہ کا کمال انگریزی میں حاصل کرے کیونکہ اُس جماعت سے ملک کو اور ملک کے لوگوں کو اول
 ترقی تعلیم کو بہت فائدہ ہوگا اور وہ ذریعہ اور منبع شیوع علوم کے بن جاویں گے ۔ اُنکی بدولت
 تمام علوم انگریزی زبان سے اردو زبان میں آجا دیں گے اور اُن کی ذات سے ملک کو منفعات
 عظیم ہونے لگی ۔

اُس دو مدرسہ ۔ اس میں تمام علوم و فنون بزبان اردو پڑھائے جاویں گے اور جو کچھ
 تعلیم اس میں ہوگی وہ سب اردو میں ہوگی ۔ البتہ ہر طالب علم کو تین زبانوں میں سے کوئی زبان
 بطور سکند لینگویج کے اختیار کرنی ہوگی ۔ انگریزی ۔ فارسی ۔ عربی میں اُمید کرتا ہوں کہ جو
 لڑکا دس بارہ برس کی عمر میں اس مدرسہ میں داخل ہوگا وہ ضرور اٹھارہ برس کی عمر تک تمام
 سینئر یعنی علوم کو اردو زبان میں اس قدر تحصیل کر لے گا جس قدر کہ درجہ بی اے کے لیے مقرر ہیں
 اور سکند لینگویج میں اُس کو اس قدر لٹریچر آجادیگی جیسے کہ انٹرنس کلاس تک کے پڑھنے
 والوں کو آتی ہے ۔

پس اس عمر کے اور اس قدر تحصیل کے بعد طالب علم اُس سکند لینگویج میں سے اُس زبان
 کی لٹریچر کو جو اُس نے اختیار کی ہے تکمیل کرنی شروع کرے اور تین برس اُس کو اُس کی تکمیل
 کے لیے بہت کافی ہوں گے ۔ پس اگر اُس نے ان تین برس میں انگریزی زبان کی تکمیل کی ہے
 تو اُسکو تین برس کی اور مہلت اس لیے سبھی ملے گی کہ وہ عدالت کے قوانین سیکھے اور مختلف
 عہدوں کے لیے جو امتحان مقرر ہیں اُن میں امتحان دے اور نوکری گورنمنٹ کی تلاش کرے
 اور اُسکو حاصل کرے یا اور کسی کاروبار میں جس میں وہ چاہے مشغول ہو ۔

اور اگر اُس نے ان تین برس میں فارسی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے یقینی گورنمنٹ
 کی نوکری سے توقع نظر کر لی ہے کیونکہ وہ تو بغیر انگریزی پڑھے حاصل نہ ہوگی پس اُسکو مہلت ہے
 کہ جہاں تک چاہے فارسی میں کمال ہم پہنچائے اور شاعر و منشی و ادیب ہو کر دنیا میں اپنا
 نام یادگار چھوڑ جائے ۔

اور اگر اُس نے ان تین برس میں عربی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے بوجہ مذکورہ بالا نوکری
 نوکری سے توقع نظر کر لی ہے پس اُس کو بھی عربی زبان میں اور نیز اُن علوم میں جو عربی زبان میں

ہیں اور نیز علوم و فنون میں مثل فقہ و حدیث و تفسیر و کلام وغیرہ میں جہاں تک کہ وہ چاہے ترقی کرنے اور کمال ہم پہنچانے کا موقع حاصل ہے +

یہ مدرسہ جو اس قسم کا تجویز کیا گیا ہے جس میں اول تمام علوم اردو زبان میں پڑھائے جائیں گے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی مدرسوں میں کافی لیاقت لڑکوں کو نہیں آتی ایک شکل اُن کو غیر زبان کا سیکھنا اور دوسری شکل غیر زبان میں علوم کا سیکھنا ہوتا ہے پس اس تدبیر سے ہم نے اُن کی ایک شکل کو موقوف کر دیا ہے تاکہ وہ بسبب اپنی زبان کے علوم و فنون سے نہایت جلد بخوبی واقف ہو جاویں اور بعد اُس کے دوسری زبان کے لٹریچر میں محنت کر کر جہاں تک اُن سے ہو سکے ترقی کر لیں +

اس تدبیر سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بہت کم طالب علم علوم و فنون سے گو کہ وہ اردو ہی زبان میں کیوں نہ ہوں ناواقف رہیں گے اور نسبت حال کے لٹریچر پر محنت کرنے کی زیادہ مہلت ملیگی اور اُن کو اُس زبان کی لٹریچر نسبت حال کے بہت زیادہ آجائیگی +

اس بات پر اکثر بحث ہوتی ہے کہ سرکاری کالجوں کی تعلیم سے لیاقت کامل نہیں ہوتی اور کیوں وہ تعلیم انگلستان کے کالجوں کی تعلیم کے برابر نہیں ہے۔ پس میری رائے میں اس کا سبب یہی ہے کہ انگلستان میں تعلیم اُمیدواروں کی زبان میں ہوتی ہے اور تمام علوم و فنون انہیں کی زبان میں ہیں اور ہر وقت اور ہر محل پر اُن کو اپنے علم کی ترقی کا موقع ہوتا ہے برخلاف ہندوستان کے کہ اُن کی تعلیم اُن کی مادری زبان میں نہیں ہے اور اُن کو دوسری زبان پر قادر ہونے میں نہایت مشکل پیش آتی ہے اور اُس پر قادر ہونے تک تمام وقت تحصیل علوم و فنون کا گزر جاتا ہے پس اس تبدیل سے جو اس مدرسہ کے تقرر میں کی گئی ہے اُمید ہے کہ وہ نہ کاوٹ نہ رہیگی +

جو طالب علم کہ بذریعہ عربی زبان کے علوم تحصیل کرنے پر مستوجھ تھے اُن میں بھی نقصان نہ ہوتا تھا کہ وہ ان علوم و فنون سے جو نہایت ضروری ہیں ناواقف محض رہتے تھے اور اس تبدیل سے جو طریقہ تعلیم میں کی گئی ہے اُمید یہ ہے کہ وہ بھی ناواقف نہ رہیں گے اور عربی زبان میں بھی کمال حاصل کرنے کا اُن کو موقع حاصل رہیگا +

عربی فارسی مدرسہ۔ اس میں ابتداء کسی علم کی تعلیم نہیں ہونے کی بلکہ جو انگریزی اور اردو پڑھنے والوں نے الہی بانوں میں سے جسکو بطور سکند لینگو ج کے اختیار کیا ہوگا اور اردو میں علوم و فنون پڑھ لینے کے بعد عربی یا فارسی زبان کے لٹریچر و علوم میں کمال حاصل کرنے کا

ارادہ کیا ہوگا تو اُن کی پڑھائی فارسی عربی میں اعلیٰ درجہ تک کی اس مدرسہ میں ہوگی +
 تینوں مدرسہ ملکر حقیقت ایک مدرسہ ہوگا اور جو کہ ہر قسم کے یعنی انگریزی کے اور اردو و
 فارسی و عربی کے اس میں موجود ہوں گے تو سلسلہ تعلیم ہر ایک مدرسہ کا جو قائم کیا گیا ہے وہ
 اُستادوں کی تقسیم اوقات سے بخوبی تکمیل پاتا رہیگا +

مدارس

یہ چھوٹے چھوٹے مدرسے ہونگے اور ہر شہر و قصبہ و ضلع میں جہاں ان کا قائم ہونا ممکن رہتا
 ہو قائم ہونے چاہئیں گے۔ ان میں تعلیم صرف اُن قواعد کے مطابق ہوگی جو اردو مدرسہ کے لیے
 ہیں اور اُسی طرح اس مدرسہ کے طالب علموں کو ایک سکند لینگویج مقرر انگریزی یا فارسی یا
 عربی اختیار کرنی ہوگی +

اس مدرسہ میں اور پہلے مدرسہ اردو میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ اس مدرسہ میں ایک حد معین تک
 علوم پڑھائے جادیں گے اور جب اُس حد تک طالب علم پہنچ جادیں گے تو اس مدرسہ سے خارج
 ہو جادیں گے اور اُن کو اختیار ہوگا کہ اُس سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم اگر چاہیں تو مدرسہ العلوم میں
 داخل ہوں۔ یہ مدرسہ اس مراد سے ہوں گے کہ مدرسہ العلوم کے لیے بڑے تیار کریں۔ انکی
 مثال بعینہ ایسی ہوگی جیسے گورنمنٹ ضلع اسکول کالجوں کی بھرتی کے لیے طالب علم تیار
 کرتے ہیں +

مکتب

ہر گائوں اور قصبہ میں جہاں جہاں ہو سکے مکتب قائم ہونے چاہئیں۔ ان میں قرآن شریف
 بھی پڑھایا جاوے اور اردو زبان میں کچھ کتابیں اور حساب وغیرہ سکھایا جاوے اور اُردو میں
 لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاوے اور اس مکتب میں بھی کسی قدر فارسی اور کسی قدر انگریزی سکند
 لینگویج ہو۔ فارسی تو صرف اس قدر ہو جس سے اُردو کو مدد پہنچے اور انگریزی نہایت قلیل
 صرف اتنی کہ حرف پہچان لے۔ چھاپے کے حروف میں لکھا ہوا نام پڑھ سکے اور انگریزی
 ہند سے جو کلموں اور اوزاروں پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو پہچان سکے تاکہ اگر کسی کلمے
 کا کام لینا ہو تو کام لے سکے +

اس مکتب میں قرآن مجید نئے قاعدہ سے پڑھایا جاوے جس میں کل قرآن شریف چھ
ہینے میں بخوبی ختم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے قرآن مجید کے کل لفظ بحذف الفاظ مکرر جدا
چھانٹ لیے ہیں اور ان کو بہ ترتیب دو حرفی و سہ حرفی ترتیب کر لیا ہے اور الف بے کے بعد صرف
ان لفظوں کے پڑھا دینے سے کل قرآن مجید ناظران پڑھنا بخوبی آ جاتا ہے +
اس مکتب میں نماز پڑھنا بھی بتایا جاوے گا اور چھوٹی چھوٹی اُردو کتابیں مسئلوں کی بھی
جیسے کہ راہِ نجات - حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں ان کو کون کو پڑھائی جاوے گی +

حفاظی مکتب

جوڑکے مسلمانوں کے قرآن مجید حفظ کرنا چاہیں یا اشخاص نابینا جو قرآن مجید حفظ کرنے کی
زیادہ رغبت رکھتے ہیں ان کے لیے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مناسب مقاموں پر
مکتب مقرر ہوں جن میں وہ لوگ قرآن مجید حفظ کیا کریں مگر اس مکتب کو بالکل علیحدہ رکھنا چاہیے
اور کسی مدرسہ یا مکتب کے شامل کرنا نہیں چاہیے +

عمر تعلیم

اگرچہ ابتداء جب مدرسے مقرر ہونگے ان میں عمر کا چنداں لحاظ نہ ہوگا بلکہ مستفان کی رائے ہو
اور ان کو کون کی حالت پر ان کا داخلہ منحصر ہوگا مگر جبکہ انتظام بہ خوبی ہو جاوے اس وقت ہر ایک
قسم کے مدرسہ کے لیے عمر کی تعین ضرور ہوگی۔ پس ان کو کون کی تعلیم میں ان کی عمر کا حسب تفصیل
ذیل لحاظ رکھنا چاہیے گا جس کے لیے پانچ درجہ قرار دیئے جاتے ہیں +

اول چھ برس سے دس برس تک - اس میں چاہیے کہ ان کا قرآن مجید پڑھ لے اور کچھ
اُردو کتابیں بھی اور رسائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جیسی راہِ نجات و حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں
پڑھ لے اور کچھ کچا پکا لکھنا بھی سیکھ لے اور اُس کو اس قدر استعداد ہو جاوے کہ اُردو عبارت
باسانی پڑھ لکھ سکے اور انگریزی حروف اور ہندسوں کو پہچاننا اور نام پڑھ لینا سیکھ لے۔ یہ
وہ تعلیم ہے جس کا مکتبوں میں ہونا چاہیے +

دوم - گیارہ برس سے تیرہ برس تک - اس عمر میں اس قدر پڑھ لینا چاہیے جو روزمرہ کے
کاموں اور امور متعلقہ زندگی اور محاش کے کام میں مددگار ہیں۔ سیدھے سادے رسائل مذہبی

و عقاید مذہبی سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ یہ وہ تعلیم ہے جو مدارس مجوزہ میں تجویز کی گئی ہے۔
 اہل پیشہ اور غریب آدمی بھی جو اپنے لڑکوں کو اپنے پیشہ میں مصروف کرتے ہیں اس قدر
 عمر تک لڑکوں کو تعلیم میں رکھنے سے کچھ اپنا ہرج نہیں سمجھتے اور اگر اہل پیشہ کے لڑکے اتنا
 درجہ تک کی تعلیم پا جاویں اور ہمارے ملک میں عموماً اس قدر درجہ تک علم پھیل جاوے تو ہندوستان
 ہندوستان نہیں رہنے کا بلکہ قلعہ جنت ہو جاوے اور ٹھیک ٹھیک ہندوستان جنت نشان
 کا لقب اس پر صادق آویگا۔

سوم۔ چودہ برس سے اٹھارہ برس تک۔ اس عمر میں مجملہ علوم و فنون سے جو دین دنیائیں
 بکار آمد ہیں واقفیت کلی حاصل ہونی چاہیئے۔

چہرہ نکلم۔ انیس برس سے اکیس برس تک۔ اس عمر میں خاص علوم اور خاص زبان جس میں
 طالب علم کمال حاصل کرنا چاہے حاصل کرنے ہوں گے۔

پنجم۔ بائیس برس سے پچیس برس تک۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں طالب علم بعد فراغ تعلیم
 ان چیزوں کو پڑھنے اور امتحان دینے میں مشغول رہیگا جن کے ذریعہ سے سرکاری نوکریاں ملنے
 آتی ہیں اور اسی قسم کے حصول معاش کے ذریعوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہوگا۔
 یہ پچھلی تینوں قسم کی تعلیمیں وہ ہیں جو مدرستہ العلوم سے علاوہ رکھتی ہیں۔

سلسلہ تعلیم

انگریزی مدرسہ کے لئے ہکو سلسلہ تعلیم کے معین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیمرے اور
 آکسفورڈ کی دیو نیورسٹیاں ہماری ہدایت کے لئے موجود ہیں۔ پس ہمیشہ ہکو ان کی ہی تقلید اور
 پیروی سے سلسلہ کتب درسیہ معین کرنا اور اسی طریق پر تعلیم دینا کافی ہوگا۔

اردو مدرسہ کے لئے البتہ ہکو کتابیں تلاش کرنی اور ان کا سلسلہ تعلیم قائم کرنا پڑے گا مگر یہ
 بات کچھ مشکل نہیں ہے۔ سلسلہ کتب درسیہ علوم و فنون معینہ وہی قائم رہے جو انگریزی میں ہو
 انہیں کتابوں کا جو انگریزی میں علوم و فنون کی پڑھائی جاوے اردو میں ترجمہ ہو اور اردو میں
 پڑھائی جاوے پس ان دونوں مدرسوں میں پڑھائی تو ایک سی ہوگی صرف یہ فرق ہوگا کہ جو کتاب
 انگریزی مدرسہ میں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہے وہ اس مدرسہ میں اردو میں پڑھائی
 جاوے گی۔

عربی و فارسی مدرسہ کے لیے بھی کتابوں کے متعین کرنے میں چنداں وقت نہ ہوگی فارسی زبان کے علم انشاء کی کتابیں نہایت آسانی سے بہت عمدہ اور سادہ منتخب ہو سکتی ہیں جو سلسلہ مناسب سے درس میں داخل ہوں۔ عربی زبان میں جو سلسلہ تعلیم جاری ہے بلاشبہ اُس میں تبدیلی عظیم کرنی پڑے گی۔ سلسلہ نظامیہ جو بالفعل جاری ہے محض لغو ہے اور حال کے زمانہ کے مطابق نہیں بلاشبہ اسکو ترک کرنا اور سلسلہ جدید قائم کرنا پڑے گا۔

طالب علموں کو لغو مباحث میں ڈالنا اور الفاظ کی بحث پر اُن کی عمر کو ضائع کرنا محض مفید ہے بعض اُس کے یہ بات چاہیے کہ سید سے سادے اور صاف مسائل صرف و نحو اُن کو پڑھائے جاویں بغیر کسی بحث کے تاکہ وہ بخوبی بموجب قواعد صرف و نحو عربی کی عبارت پڑھ سکیں۔ چند رسالہ منطق خالص کے جو بہت صاف اور سید سے ہوں اُن کو پڑھانے چاہئیں اور علم معانی بیان کے سید سے مسئلہ سکھانے چاہئیں اور عربی لکھنے کی مشق کرانی چاہیے پس اس قدر تعلیم متعلق علم ادب کو کافی سمجھنا چاہیے۔

اس تعلیم کے لیے بھی کتابوں کی چنداں مشکل نہیں پڑنے کی گتیب موجودہ میں سے ایسی صاف کتابیں آسانی منتخب ہو سکتی ہیں در بعض کتابوں پر ایک عالم نظر ثانی کر کر اور اُن میں نقصان مباحث کو حذف کر کر کتابوں کو مناسب طرز پر کر دے سکتا ہے۔

باقی بھی تعلیم کتب مذہبی کی بالفعل ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ کتب مذہبی میں سے ابتداء سے آخر تک کسی کتاب کے پڑھنے کا رواج نہیں ہے بلکہ مقامات معینہ ہر ایک کتاب کے پڑھ کر باقی کتاب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ میری دانست میں اس طریقہ کو تبدیل کرنا چاہیے ایک آدھ متن جو عمدہ اور مفید ہو وہ تمام پڑھایا جاوے اور باقی کتابوں میں سے اُن مقامات کا جو اس میں نہیں مفید اور بیکار آمد ہیں انتخاب کر کر ایک چھوٹی سی کتاب بنائی جاوے مثلاً ہدایہ اُس میں سے عمدہ اور مفید مقامات کا انتخاب کر کر تلخیص الہدایہ اُس کا نام رکھا جاوے جو چند جزو پر ہو اور وہ بتمام پڑھایا جاوے۔ اسی طرح کتب صحاح ستہ حدیث میں سے احادیث عمدہ و مستند و مفید و ضروری کا انتخاب کر کر تلخیص البخاری و تلخیص المسلم و علیٰ ہذا القیاس چھوٹی چھوٹی کتابیں بنالیا جویں اور وہ تمام پڑھائی جاویں تفسیر میں جلالین شاید نہایت عمدہ ہے اور انتخاب کی بھی ضرورت نہیں کھتی مگر وہ نہایت آسان ہے اور اُس نے زیادہ قابلیت کے لیے دوسری تفسیر جو بی چاہیے پس وہ تفسیر پھر ضاوی ہے اُس کی بھی تلخیص کی جاوے اس طرح ہر کہ جہانگیر

کراس میں مباحث عربیت سے متعلق ہیں وہ انتخاب کر لیں جاویں اور باقی امور چھوڑ دیے جائیں
غرض کہ اسی طرح کتابوں کے انتخاب اور تلمیخ سے ایک سلسلہ کتب درسیہ عربیہ کا قیام کر لیا
جاوے پس یہ وہ طریقہ ہیں جن سے میری دانست میں تعلیم مسلمانوں کی اس طریق پر جو دین و
دنیا کے لیے مفید ہو جاری ہو سکتی ہے اور محبت اور جمل جو مسلمانوں میں پھیلتا جاتا ہے
اُس کا علاج ہو سکتا ہے مگر شخص یہ بات بخوبی اور آسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کا سطح
گورنمنٹ اختیار کر سکتی ہے اور نہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں جاری ہو سکتا ہے خود مسلمان
البتہ بخوبی جاری کر سکتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کے اجراء کا مقدور بھی رکھتے ہیں صرف
ہست اور محنت اور توجہ درکار ہے *

دوم وہ طریقہ جس سے گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم زیادہ تر مسلمانوں کے مناسب
ہو جاوے اور اُس سے مسلمان فائدہ اٹھائیں *

مسلمانوں کو چاہیے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کو ایسا تصور کریں کہ صرف انگریزی زبان
کی تعلیم کا اس قسم کا مدرسہ ہے جیسا کہ اُن کے لیے اوپر تجویز ہوا ہے اور تمام علوم و فنون اُس میں
بزبان انگریزی تعلیم دیئے جاتے ہیں اور اردو - فارسی - عربی صرف بطور سکند لینگو ج کے ہے اور
صرف ان مدرسوں کو زیادہ تر مناسب اور مفید کرنے کے لیے مفصل ذیل باتوں پر توجہ کریں *

اول - گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ جس قدر انگریزی کی تعلیم اب دی جاتی ہے اُس میں
ترقی کی جاوے اور ہر ایک درجہ کی تعلیم بالکل یونیورسٹی کیمرج اور اسکورڈ کی بل پر کر دی جائے *

دوم - یورپ کے طالب علموں کو لٹریچر میں قدرتی دستگاہ ہوتی ہے کہ وہ اُن کی مادہ
زبان ہے اس لیے اُن کو تھوڑی تحصیل میں آ سکتی ہے مگر ہندوستان کے لیے کالجوں میں
لٹریچر کی پڑھائی زیادہ تر کیجاوے تاکہ لیاقت تحریر و تقریر بخوبی آ جاوے *

سوم - ہر کالج میں بہت انتظام پرنسپل کے ایک کلب مقرر ہو جس کا پریزیڈنٹ پرنسپل
ہو اور ہر ہفتہ اُس میں اعلیٰ کلاسوں کے طالب علم اسپیس مضامین میں کیا کریں اور
اگر چھوٹے کلاسوں میں اُسکو وسعت دی جاوے اور ہر کلاس کے ماسٹر کے اہتمام میں اُسکے
طالب علم ہر ہفتہ اسکی مشق کیا کریں تو ترقی لٹریچر کے لیے نہایت مفید ہوگا *

چہرہ لکم - مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کر کہ مشمول ڈائریکٹر سپیک انسٹرکشن ایک کمیٹی
مقرر کریں جو اُن کتابوں کو منتخب کرے گی خواہ خود تالیف کرے یا تالیف کریں جو سکند لینگو ج

کی تعلیم کے لئے درکار ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اردو و فارسی و عربی کی تعلیم کی کتابوں میں جو بطور سکندربینگو ج کے پڑھائی جاتی ہیں کچھ درستی کی جاوے اور کتابیں عمدہ و مفید و اصلاح کیٹیجی اُس میں داخل کی جاویں تو مسلمان طالب علموں کو رغبت بھی ہوگی اور بہ نسبت حال کے اُن زبانوں کی تعلیم کی بھی ترقی ہو جاوے گی اور جب عربی و فارسی کی تعلیم ایک عمدہ قاعدہ پر ہوگی تو مسلمان طالب علموں کو کسی وقت پڑا سکوا جائے درجہ تک ترقی دینے کا قاعہ حاصل رہیگا +

پنجم۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے مسلمان ہمنظوری گورنمنٹ ایک کمیٹی مقرر کریں جو اس بات کی تحقیقات کیا کرے گی کہ کس قدر مسلمان لڑکے شہر یا قصبہ میں ہیں اور وہ کہاں کہاں پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں اور کیا کرتے ہیں اس تحقیقات کی کتابیں اور فہرستیں مرتب ہوں اور ہمیشہ ساتھ ہی پرائن کی جانچ پرتال ہوا کرے اور جو لڑکے پڑھتے نہیں ہیں اُس کا سبب بھی دریافت کر کر اُس کتاب میں مندرج کیا کریں +

اس کمیٹی میں محض مسلمانوں کے اور کوئی شخص اور نہ کوئی یورپیہین جاکم شریک ہو مگر اسکی اطلاع و کیفیت ڈائریکٹر سپاک انسٹرکشن پاس جایا کرے اور خرچ اس کمیٹی کا مینوسل فنڈ سے دیا جاوے +

ششم۔ ہر کالج اور اسکول کے لئے کمیٹی ہو جس میں مسلمان بھی شریک ہوں اور اُن کو کچھ وقت اور اختیار بھی دیا جاوے اور اُس کا بائی لاز خود انھیں سے بنوایا جاوے اور گورنمنٹ بعد اصلاح و ترمیم اُسکو منظور کرے تاکہ گورنمنٹ کالج و اسکول مسلمانوں کے لئے بطور ایک مبنی کے متصور ہوں نہ بطور ایک خوفناک چیز کے جیسکہ اب تک رہے ہیں +

تخصیص و حلقہ بندی مکتبوں کو بھی اپنے مفید کرنے کے لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ اُن کے اہتمام اور نگرانی میں زیادہ تر مداخلت کریں اور سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ اپنی طرف سے او باہمی چندہ سے ایسے ایسے چھوٹے مکتب خود قایم کریں اور گورنمنٹ سے اُس میں نصف روپیہ ملنے کی درخواست کریں +

غرض کہ جیسا کہ اب تک گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم سے مسلمان علیحدہ علیحدہ رہے ہیں بڑا غرض کے جہاں تک ممکن ہو اُس میں اعانت و مدد کریں اور سررشتہ تعلیم کو ایک اپنی ضروریات سے سمجھیں تاکہ وہ اُس سے فائدہ اٹھا سکیں اور جو نقصان اُس میں ہوں اُس کے رفع کرنے پر

قادر ہوں ۛ

یہ تمام باتیں جو اوپر بیان ہوئیں مسلمانوں کو گورنمنٹ کالجوں واسکولوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ آؤد کچھ گورنمنٹ سے درخواست کرنی یا توقع رکھنی محض یہودہ بات ہے بلکہ اس میں سے بھی بعض باتیں ایسی ہیں کہ گورنمنٹ بشکل اسکو قبول کریگی ۛ

رائے ممبران

اس تجویز کی نسبت کل ممبران سلیکٹ کمیٹی سے صلاح اور مشورہ کیا گیا جو ممبر کہ بنارس میں موجود تھے انھوں نے بالمشافہ اپنی رائیں ظاہر کیں اور جو لوگ کہ بنارس میں موجود نہ تھے ان کے پاس یہ تجویز بھیجی گئی اور انھوں نے بذریعہ تحریر کے اپنی رائیں ظاہر کیں جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ۛ

سید احمد خاں۔ مولوی محمد عارف صاحب۔ مولوی سید عبداللہ صاحب۔ محمد یار خاں صاحب۔ مولوی سید زین العابدین صاحب۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب۔ مولوی اشرف حسین خاں صاحب۔ مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب۔ اونٹنی محمد اکرام حسین صاحب نے بلا کسی اختلاف کے مذکورہ بالا تجویز کو پسند اور منظور کیا اور تمام مراتب مذکورہ بالا سے اتفاق رائے ظاہر کیا ۛ

مولوی سید امداد علی صاحب اور مولوی قطب الدین جن صاحب اور مولوی حمید الدین صاحب اونٹنی محمد سبحان صاحب نے بھی بالکلیہ اس تجویز سے اتفاق کیا مگر ان چاروں ممبروں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ تلخیص کتب بذریعہ علماء کامل اور متدین کے عمل میں آوے ۛ

مولوی محمد اسماعیل صاحب نے بھی جملہ مراتب مندرجہ بالا سے دلی اتفاق کیا اور یہ لکھا کہ سلسلہ تعلیم میں جو کمی بیشی کی خواہش کی ہے نہایت عمدہ اور مناسب ہے لیکن چونکہ اس رپورٹ میں ان کتابوں کے انتخاب کا پورا ذکر نہیں ہے جو اس طریقہ میں پڑچائی جاوینگے اس لئے میں اسباب میں بھی کچھ رائے نہیں دیتا جہاں کا موقع آوے گا کتابتیں بالتفصیل رائے دوں گا ۛ

مولوی عبدالرحمن صاحب اور مولوی حفیظ الدین احمد صاحب اور میر بادشاہ صاحب نے بھی تجویز مذکورہ بالا سے اتفاق کیا مگر کتب فقہ و اصول فقہ اور کتب حدیث کی تلخیص کرنے سے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ وہ بدستور سابق تعلیم میں رہیں ۛ

مولوی سید فرید الدین احمد صاحب نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ میں اپنے لائق فائق مسیح عہد کریم

روشن ضمیر عالی دماغ سید احمد خاں صاحب بہادر تھی۔ اسی۔ آئی عمدہ ممبر کی رائے سے بالکل اتفاق
 نہیں کر سکتا۔ اس سخت مرض ہلک اور مرزمن مرض جہالت کا کہ جو آج کل ہم اسلامی کو لاحق ہو گیا
 ہے اور جس نے اُن کے سارے دین دنیائے امور کو نہایت فتور اور نقصان میں ڈال رکھا ہے
 جو علاج تجویز کیا ہے وہ محض ایک تصویر خیالی ہے جو حالت موجودہ مسلمانوں سے اس بات کی
 توقع وہی بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ اُس عمدہ علاج کے اجرائے نافع کو ہم پہنچا کر استعمال کریں یں
 اس بات کو نہایت سچائی سے قبول کرتا ہوں کہ وہ نسخہ مجوزہ نہایت بے نظیر دلاجواب ہے اگر
 اُس کے استعمال کا امکان ہوتا تو وہ بالکل اُس مرض ہلک کی بیخ و بنیاد کو توڑ ڈالتا اور جسم
 اسلامی کو اعلیٰ درجہ کی صحت و طاقت کو پہنچا دیتا اور یقین ہے کہ آئندہ نسلوں میں کوئی وقت
 ضرور ایسا آویگا کہ اہل اسلام بخوشی اُس نسخہ کو استعمال کریں گے اور خدا کرے کہ جلد وقت آوے۔ میرے
 خیال میں اُس حکیم حاذق کو ضروری تھا کہ وہ دولت اور بہت اور توفیق موجودہ مسلمانوں پر لحاظ فرما کر
 مطابق اُس کے کوئی نسخہ تجویز کرتے کہ جس سے زیادتی اُس مرض کی توڑک جاتی اور کسی قدر آثار صحت
 کے نمایاں ہوتے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً بلحاظ حالت موجودہ کے اُس نسخہ میں تبدیل عمل میں لانے کہ
 یہی طریقہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے اگر حکیم مدوح بنظر مہربانی پھر دوبارہ توجہ فرما کر کوئی ایسی
 تدبیر تجویز فرما دیں کہ جس کا خارج میں موجود ہونا کو بدقت ہو مگر ممکن ہو تو نہایت مناسب و بہتر ہے
 اور جب میری رائے یہ قائم ہوئی کہ فی الحال وہ تدبیرات محض خیالی ہیں اور کسی طرح وہ وجود پذیر نہ ہوں گی
 تو اُن تدابیر کی نسبت مفصل رائے لکھنا محض فضول و بیفایہ ہے تاہم استقدر کہ سنائیں ضروری
 جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے امور معاد کے لحاظ سے اُن کی اعلیٰ اور عمدہ تعلیم میں زبان عربی کو
 دوم درجہ قرار دینا نامناسب ہے نہیں بلکہ مضر ہے جب ہم ایک ایسا خیالی منصوبہ قرار دیں کہ جو
 عمدہ حالت ترقی تعلیم مسلمانوں کی ہو تو اُس میں حیف ہے کہ زبان عربی درجہ دوم میں قرار پاوے
 اور چند ممبروں نے جو رد باتیں تلخیص کتب دینیہ اہل اسلام کے رائے دی ہے اور سید احمد خاں صاحب
 سے اختلاف کیا ہے میں اُس میں سید احمد خاں سے بالکل متفق ہوں یں خیال کرتا ہوں کہ
 وقتاً فوقتاً علمائے اہل اسلام اس کے درپے رہے ہیں اور بنظر مصالح وقت اور حالت موجودہ
 اہل زبان تبدیل عبارت یا اختصار و تلخیص مقامات کتب تالیف کرتے آئے ہیں اور مجھ کو اُسید
 ہے کہ ہمارے یہاں کے لائق آدمی ہمیشہ اسی عمدہ رائے پر چلتے رہیں گے۔ بخاری کی تلخیص کے
 یہ معنی نہیں ہیں کہ کس کے بعض اجزاء کو ہم اپنی سمجھ کے موافق قایم رکھیں اور بعض نکال دیں

بلکہ تخصیص کے معنی ہیں کہ اُس کے جو مقامات کہ مفید اور مناسب وقت ہیں اُس کو نکال کر کے درس میں داخل کریں اور اس میں کوئی قباحت اور نقصان نہیں ہے اور تیس اس میں بھی کوئی قباحت اور نقصان نہیں سمجھتا کہ جو غلطی یا خطا کسی کتاب میں واقع ہے اُسکی گرفت کیمائے اور بلا اندیشہ غلطی ظاہر کر دی جاوے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اول طبقہ صحابہ سے لیکر آج تک ہمارے یہاں کے علماء یہی کام کرتے چلے آئے ہیں۔ صحابہ۔ تابعین۔ مجتہدین۔ فقہاء۔ محدثین۔ شایخ کرام سب کی غلطی و خطاؤں کو بہت مراحت سے علماء نے لکھا ہے اور اس بات کو بھی بہت احتیاط سے ملحوظ رکھا کہ اگر کسی پر سچا اعتراض یا ناجائز غلطیاں لگائی گئی ہیں تو اُسکو بدلائل مقول رد کیا اور یہ بھی اسی تمام پر نہیں لکھنا نہایت مناسب جانتا ہوں کہ ہمارے سچے مذہب کا عمدہ اصول یہ ہے کہ کوئی عالم اور کوئی مجتہد اور کوئی صلحا سے بلکہ کوئی انسان ہوگا انبیاء علیہم السلام کے ایسے درجہ میں نہیں ہیں کہ جن کے کلام میں خطا و خلل واقع نہ ہوا ہو اگر آج ہم کسی بڑے سے بڑے عالم کے کلام کی غلطی ظاہر کریں اور اُس کو عمدہ دلائل سے سچیت سے بغرض ہوا خواہی اسلام ثابت کر دیں تو کچھ ہم پر اعتراض نہیں ہے۔

منشی محمد اکبر حسین صاحب نے یہ رائے لکھی کہ مجھ کو جناب سید احمد خاں صاحب بہادری آپس آئی کی اعلیٰ اور عمدہ اور حکیمانہ تجویز سے بدل اتفاق ملی ہے۔ ہر چند مولوی فرید الدین صاحب کا خیال اُس کی تصویر خیالی ہونے کی نسبت مسلمانان ہند کی عادت و عقاید و حالات موجودہ پر نظر کر نیسے کسی وجہ تک صادق آتا ہے اور اس تدبیر بے نظیر کی تکمیل اجرا کی تمام حلا اُمید و بیم میں معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم اُس تشریح اور توضیح پر نظر کرتے ہیں جو جناب سید احمد خاں صاحب مدوح نے تجویز اور غسل ان دونوں پسینوں کے امتیاز کے باب میں فرمائی ہے تو ہم بے تامل متفق آرائے ہو کر خدائے عز و جل سے اپنے عمدہ ارادوں کے پورا ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔ السعی منی ولا تمام من اللہ۔

جورائے ممبروں کی اوپر بیان ہوئی اُس سے ظاہر ہے کہ جو طریقہ تعلیم کا تجویز ہوا اُس سے تمام ممبروں نے اتفاق رائے کیا ہے پس اب میں نہایت خوشی سے اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں اور جو جب ہمت ممبران ہلیکٹ کمیٹی کے تمام ممبران کمیٹی خواہ سنگار ترقی تعلیم مسلمانان کے سامنے اس اُمید سے پیش کرتا ہوں کہ ممبران کمیٹی مدوح دیات تکمیل اور اجااس طریقہ تعلیم کے بتدبیر مناسبی اور کوشش فرمائی شروع کریں۔

اختتام سال ۱۲۸۹ھ ہجری

و شروع سال ۱۲۹۰ھ ہجری

شکر خدا کا کہ نواسی سنہ نوے ہو گیا۔ ہمارے اس پرچہ کو جاری ہوئے سوا دو برس ہوئے۔ ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ پچھلے سال میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تہذیب میں کیا کچھ ہوا اور ہمارے اس پرچہ نے کیا کیا اور لوگوں نے اس کو کیا کہا اور ہم نے اپنی قوم سے کیا سہاوا

حال خود و یاران خود

ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے۔

بدم گفتی و خور سدم عفاک اللہ نیکو گفتی

جواب تلخ می زید لب لعل شکر خارا

پرانے دل بعضے تو ہم کو بُرا کہتے کتے ٹھنڈے ہو گئے اور بعضے مہربان اب آؤرنے دل چاہش پر ہیں اور ہم کو بُرا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے ہم کو وہی چاہش محبت و ہمدردی اپنی قوم کے ساتھ ہے اُن کی دین دنیا کی بھلائی اور تہذیب و شائستگی کی دنیاں فکر ہے اُن کے غصہ سے ہم کو بچ نہیں۔ اُن کی سخت کلامی کا ہم کو غم نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے۔ جو کچھ کہہ کرتے ہیں ہم جب ہی سے جانتے ہیں جب کہ وہ مکر تے تھے۔

من عمد تو سخت سست مید انستم

بشکستن آں درست مید انستم

ہر دشمنی اے دوست کہ با من کردی

آخر کردی سخت مید انستم

ہم کو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے دادا محمد رسول اللہ صلعم کے حالات بالکل تسلی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی اور عام بُرائی کا دُکھ کرنا

چاہا اور اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی میں کوشش کی تو ان کو دنیا کے ہاتھ سے اور بے تحاشہ
 اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا۔ کوئی سولی دیا گیا۔ کوئی آ رہ سے چیرا گیا۔ کوئی جلا وطن کیا گیا۔
 پس ہکو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا اُس کا کورواں حصہ بھی ابھی نہیں ہوا۔
 ہکو دیکھنا چاہیے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا۔ بہت کیا تو یہ کیا کہ
 دو چار خط گنام سب و دشنام کے لکھ کر بھیجے۔ ہم نے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا اور ان کا دل
 ٹھنڈا ہو گیا۔

اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے اُن کا دوست ہو رہا
 دوپتھر اور ایک کاٹ کی گُل اُن کے ہاتھ میں ہوئی تو اُنھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ
 سچ باتیں چھاپ کر یا چھپو کر ٹھنڈا کیا۔ ہم تو اسپر بھی راضی ہیں مگر اُس دن کا ہکو افسوس ہے
 جبکہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کریں گے اور جھینگے جو جھینگے۔

ہکو ملحد اور زندق اور لاندہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم نے خدائے واحد
 ذوالجلال کے سوا باپ دادا کی رسم و رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور پیغمبر
 آخر الزماں محمد رسول اللہ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کیے ہیں کتاب اللہ کے سوا انسانوں
 کی بنائی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے اور ہم اُس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور
 جعلی قرآنوں کو ایسے ہی برباد کر نیوالے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراہیمؑ اپنے باپ آذر
 کے بتوں کے توڑ نیوالے تھے ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر محمدؐ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ
 کی طاعت دُنیا میں قائم کرنی چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہکو ملحد و زندق و لاندہب نہ کہیں اور
 نہ جھیں تو کیا کہیں اور کیا جھیں کیونکہ ہم اُن کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو
 نہیں مانتے۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ ہکو کرسٹن بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم
 عیسائی ہو گئے اور ایک گرجا میں جا کر بیٹھنا یعنی اصطباغ لیا۔ ہکو اپنی قوم کے حال پر
 نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہو گیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے
 میں کچھ شرم و غیرت و حیا نہیں آتی۔ قومی بہرہ رومی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے خدانے
 ہماری قوم کے دل سے کیسی مٹا دی ہے کہ اُس شخص کو یہ بھی غیرت نہیں ہوئی کہ میں ایک سلطان
 شخص کی نسبت کس دل اور سیر سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں۔ ان باتوں سے ہکو بھانپا

اپنی ذات کے کچھ بھی بچ نہیں رہتا مگر جو بچ اور غم اور افسوس ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ افسوس
ہماری قوم پر خدا کی کیسی خلی ہے جو ایسی حالتوں میں گرفتار ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ
لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ •

کانپور سے ہکو مختلف صورتوں میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں جناب جی مولوی سید
امداد الحق صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نے جو رسالہ مطبوعہ ہمارے پاس بھیجا ہے اُس میں یہ مضمون
بظور نصیحت لکھا ہوا ہے :

”بعض اہالیان ہند نے واسطے دھوکا دینے حکام وقت کے اپنا طریقہ مذہبی اور لباس ملکی
اور وضع قومی چھوڑ کر برخلاف اپنے ہم مذہبوں اور ہوطنوں اور ہم قوموں اور ہم پیشوں کے
جاکٹ اور پتلون پہننا اور میز و کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا اور وہ ہیئت جو نصرانیوں
کی ہے بنانا اس مادے اختیار کیا ہے کہ ہکو حکام وقت جن کے لباس و طعام کی یہ وضع ہے
اپنا مخلص اور طبع اور پیر و جانیں اور اُن کے محکومین ہکو حکام کا ہمسرا نہ صاحب لوگوں کے
سمجھیں نتیجہ اُن کی خبیث طینت کا کہ مکر و دغا ہے یوں ظاہر ہے کہ اکثر حکام سوا فریبی دغا باز
سمجھنے کے اُن کو کچھ اچھا نہیں جانتے ہیں اور اُن کی وضع اور چلن کو بالکل پسند نہیں کرتے
ہیں اگرچہ بعض حکام ظاہر میں پادری نش اُن کی ڈانٹ گنی اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ خیال اُنکا
یہ ہے کہ شاید اُن کے ذریعہ سے اہل اسلام کے عقاید میں کچھ فتور آسکتا ہے اور اُن کے دلوں میں
ہمارے مذہب کی طرف کچھ رغبت پیدا ہو سکتی ہے حالانکہ اس خیال کا وقوع میں آنا ہرگز ممکن
نہیں ہے اس لیے کہ ان صاحبوں کی بے اعتباری نے اہل اسلام کی طبیعتوں میں اس طرح
سوخ نہیں پایا ہے کہ کوئی بات ان کی نکالی ہوئی یا کسی ہوئی یا لکھی ہوئی وہ قبول کر سکیں ہوں
بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں
سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ اہالیان ہند کسی طرح اپنی مراد اس طریقے سے نہیں پاسکتے ہیں بلکہ اپنی
بدیہی سے خسرالدنیا والآخرۃ ہو سکتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون“

اگرچہ اس تحسیر کی وجہ لوگ اُور ہی کچھ خیال کرتے ہیں مگر ہم اُن کی اسی بات کا کہ انھوں
نے ہکو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں میں شمار کیا شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ ۔

عُمرت دراز باد کہ این ہم غنیمت است

مگر حسب ہم فتویٰ دُور اور اُس رسالہ کو پڑھتے جاتے ہیں تو پھر یہ فقرہ اپنی نسبت پاتے ہیں۔

”منفی سعد اللہ صاحب کا فتوے تکفیر میں جناب سید احمد خاں صاحب کے جو ترجمہ تاریخ پر مرتب ہوا ہے راقم کے پاس موجود ہے معلوم نہیں کہ سید احمد خاں صاحب کے حواری میں اُس فتوے پر بھی ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟“

پہلے تو ہم گھبرائے کہ یہ منفی سعد اللہ صاحب کون ہیں وہی ہیں جن کو ہم نے دلی میں بکھا ہے۔ اور یہ وہی مفتی سعد اللہ صاحب ہیں جنہوں نے لکھنؤ میں ایک نیک بخت مسلمان آل رسول ابن علی اولاد نبی کے کفر اور قتل کا فتویٰ دیکر عشرہ محرم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنؤ میں لانا چاہا تھا تو ہمارا دل ٹھنڈا ہو گیا اور سمجھے کہ آل رسول کے قتل و کفر پر فتویٰ دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے۔

مگر جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت اُن کو حج اکبر نصیب ہوا اُن کے لئے ہوئے فتووں کے دیکھنے کے ہم مشتاق ہیں۔

یہ میں کرامتِ بُخاندہ مرا اسے شیخ

کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

سُبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے واللہ درمہن قال۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغِ لالہ روید و در شور بوم خس

توانم آنکہ نیازم اندرون کسے

حسود را چکنم کو ز خود برنج دست

اُبھ ہمارے محبوب مہدیؑ اور ہمارے عزیز مشتاق حسینؑ کا حال سنو۔ یہ ہمارے دونوں دوست ایسے ہیں جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے۔ مولوی مہدی علی کا علم اُس کی ذاتی خوبیاں۔ اُسکی پیاری پیاری باتیں۔ اُس کی سچی ایمانداری۔ اُس کی فصیح تقریر اُس قابل ہیں کہ اگر ہمارے قلم کے دل کی آنکھیں اندھی نہ ہوتیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے۔

منشی مشتاق حسین کی ذاتی نیکی اور نہایت سخت دینداری جبے یا عبادت سچی خدا پرستی۔
غایت تشدد سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی جو حقیقت بے مثل ہے اس لائق تھی کہ اگر
ہماری قوم پر خدا کی تخلیق نہ ہوتی تو اس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے ؟

مگر خدا نے ایسا اپنا غضب ہماری قوم پر نازل کیا ہے کہ ایک رائے یا ایک مسئلہ یا ایک لٹائی
رسم و رواج کے اختلاف کے سبب ایک کو نہایت حقارت سے عاری جس سے اشارہ عیسائی
کار رکھا ہے اور دوسرے کو ملحد کا خطاب دیا ہے کبریت کلمتہ تخرج من افواہم ان يقولون
الاکذب یا۔ مگر ہمارے ان دونوں دوستوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اُن کو بعض سچائی اور
دینداری کے یہ خطاب انہی کی قوم سے ملے ہیں جن کی وہ بہتری چاہتے ہیں ؟

نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ بد باشی و نیکت گویند

بایں ہمہ ہم خود اپنے مخالفوں کے نہایت مزاح و شناخواں ہیں اور دل سے اُن کی تعریف
کرتے ہیں کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر صرف حمیت اسلامی کے سبب اور بعض اپنی
جبت اور اپنی خلقی سخت مزاجی اور کجرائی کے سبب ہماری مخالفت کرتے ہیں پس ہمارا اور ہمارا
اکثر مخالفوں کا مطلب واحد ہے۔ ہم دونوں اسلام کے خیر خواہ اور اپنی قوم کی ترقی چاہنے والے ہیں
صرف ہم میں ہمارے اُن مخالفوں میں اتنا فرق ہے کہ جو کچھ ہم نے سمجھا اور سوچا اور دیکھا ہے
وہ انہوں نے سوچا سمجھا دیکھا نہیں۔ جب اُن کے دل کو بھی خدا وہ باتیں سوچا دیکھا جو ہم کو
سوچائی ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہو جائیگی۔ زید ابن ثابت۔ ابو بکر صدیق اور عمر ابن
خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع قرآن پر مخالفت ہی کرتے رہے جب تک کہ خدا نے زید ابن
ثابت کے دل کو وہ باتیں نہیں سوچائیں جو ابو بکر و عمر کو سوچائیں تھیں لیکن جب سوچائیں
تو انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ واللہ خیر۔ پس ہم اپنے مخالفین کے لیے یہی دعا خدا سے مانگتے
ہیں کہ اللہم اشرح صدورہم للذی شرح لہ صدري۔ آمین ؟

ذکر پرچہ تہذیب الاخلاق

گزشتہ سال میں سبب خاص ضرورتوں کے حالات مدرسۃ العلوم مسلمانان زیادہ تر اس پرچہ میں چپکے
کئے اس پر بھی بہت سے وہ مضامین بھی جن کے لیے یہ پرچہ موضوع ہے مندرج ہوئے ؟

ہم نے اپنی قوم کی موجودہ بُرائی اور اُن کی آئندہ کی بھلائی جہاں تک کہ ہوسکی اُن کو دکھائی۔ مذہبی تقایص جو انھوں نے یہود و نصاریٰ کی روایتوں سے اور ہندوؤں کے میل جول سے اختیار کیے ہیں۔ بد رسم و رواج جو اُن میں شامت اعمال سے پڑ گئے ہیں۔ اخلاق کی بُرائیاں جو اُن میں خرابی تربیت سے آگئی ہیں اُن کی کتب مردِ جبہ تعلیم کی خرابیاں جس سے وہ کتابیں بے سود ہو گئی ہیں سب کچھ اُن کو بتلایا ہے۔

علم ادب اور علم انشاء سے بھی ہم نے غفلت نہیں کی کیونکہ ہم نے اپنے آرٹیکلوں کو اُس طرزِ جدید صاف و سادہ پر لکھا ہے جو دل میں سے نکلنے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے اُس طرز پر لکھنے سے اپنی قوم کو موجودہ علم انشاء کی بُرائی کا بتلانا اور اُس میں تبدیل کی ضرورت کا ہونا سمجھایا ہے۔ اور اگر ہمارا خیال غلط نہ تو ہم نے اپنی قوم میں اُس کا کچھ اثر بھی پایا ہے۔ ہم نے نامی یورپ کے عالموں آڈین اور اسٹیل کے مضامین کو بھی اپنی طرز اور اپنی زبان میں لکھ لیا ہے جہاں کہ ہم نے اپنے نام کے ساتھ اسے۔ ڈی اور آئیں۔ ٹی کا اشارہ کیا ہے اور اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اُردو زبان میں اُن خیالات کے ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے اور اگر ہماری قوم اسپر متوجہ ہو تو کس قدر اُردو زیادہ خوبی اور صفائی اور سادگی اُس میں پیدا کر سکتی ہے۔

یہ تو ہم نے سنا کہ بعض لوگوں نے ہمارے پرچہ کا نام تخریبِ اخلاق اور تخریبِ الآفاق رکھا ہے جس طرح کہ ایک پُرانی قوم نے قولوا حطّٰة نَعْفٰ لکم خطایا کم و سنزیدوا المحسنین کی جگہ حنطّٰة پڑھا تھا مگر ہم نے کوئی تحریر بطور ربوبیہ کے اسپر نہیں لکھی جس میں بطور ایک عادل حاکم کے اُسکی بھلائی بُرائی پر مفصل رائے دی ہو۔

بعض دوستوں نے ہمارے پاس خط بھیجے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری تحریر کو اور سادگی عبارت کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے مضمونوں کو بھی عمدہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک انگریز دوست نے ہم کو لکھا کہ تہذیبِ الاخلاق نے یہ ثابت کر دیا کہ اُردو زبان میں بھی ہر قسم کے مضامین اور خیالات عمدگی اور سادگی سے ادا ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا کہ مذہبِ اسلام ایسا تنگ و تاریک رستہ نہیں ہے جیسا کہ اب تک سمجھا جاتا تھا۔

ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے بھی بڑی خوشی ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے دوستوں سے بھی زیادہ اس پرچہ کے مشتاق رہتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہے کہ لوگ

اس کے مضامین پر بحث کرتے ہیں اور بد وقت پر متوجہ ہیں بعض اخبار نویسوں نے ہمارے مضامین کے رد کرنے کا پیشہ اختیار کیا ہے اور بعض حکم ہمارے مضامین پر بنظر تردید بحث کرنے کو مجلسین مقرر ہوئی ہیں بعض صاحب اس بات پر متوجہ ہیں کہ اپنی پُرانی ہی کلمی کو ہر مجلس کے لائق ثابت کریں۔ کانپور و گورکھپور و مراد آباد سے اُن مضامین کی تردید میں رسالے نکلے ہیں اور نکلنے والے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے لیے نہایت مبارک آثار ہیں کیونکہ اگر یہ سب باتیں معرض بحث میں آتیں تو ہمارے اپنی تحریروں کے مؤثر ہونے کا کچھ بھی یقین نہ ہوتا جو عمارت بغیر گہرا کھودے بنتی ہے وہ جلد ڈھس جاتی ہے۔ وہی مسائل انجام کو ہر دلعزیز ہوتے ہیں جو بعد مباحثہ قائم رہتے ہیں۔ سونا اگر آگ میں نہ پتیا جاوے تو کبھی ٹکڑوں کے گلے کا مار نہ ہو۔ ہمارا قول ہے کہ ”سچ میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے دلوں میں بیجھا جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ یہی ہے کہ مباحثہ کا اُسے خوف نہیں“ ۛ

ہم کو اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پرچہ کا ایک مضمون ہمارے ملک کے نامی عربی اخبار النفع العظیم لاهل هذا الاقلمیر مطبوعہ ۱۴ ذیقعدہ میں بڑا عربی ترجمہ ہو کر چھپا ہے۔ اور مسٹر اڈلین کا ایک مضمون اُمید پر جو ہم نے اپنی زبان اور اپنی طرز پر چھپا تھا وہ دوسری طرح پر بطور ترجمہ پٹیلہ اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۸ء میں چھپا ہے اور اس سے ہم کو اُمید ہوتی ہے کہ جو راہ ہم اپنے بھائیوں کو دکھانی چاہتے ہیں وہ اُسکو پسند بھی کرتے ہیں۔

در دلش تسلیم و بر لب حرف انکار وصال
گوش گو بد بشنود چوں دل ز اندازش خوش است

اثر تہذیب الاخلاق کا دلوں پر

اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پرچہ نے لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کیا مگر اتنا تو ضرور کہتے ہیں کہ کچھ تو اثر کیا ہے۔ ہماری قوم کے دل جو مرہ ہو گئے تھے اُن میں ایک تھریک تو ضرور آگئی ہے۔ ہر ایک دل میں کسی نہ کسی بات کا جوش ہے۔ کوئی اُس کے مضامین ہی کی تردید کی فکر میں ہے۔ کوئی ہماری تکفیر کی دُھن میں ہے۔ کوئی ہماری تحریروں کو سراہتا ہے۔ کوئی اُن

مراہنے والوں کو لعنت و ملامت کرتا ہے۔ مگر ایک نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ بہت لوگوں کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ بلاشبہ ہماری قوم خراب ہوتی جاتی ہے اُس کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ اگر حقیقت ہماری تحریروں نے ایسا اثر کیا ہو تو ہکویقین کرنا چاہیے کہ ہماری مراد حاصل ہو گئی۔

ہمارے ایک دوست نے مجھے نقل کی کہ ضلع سہارنپور میں ہمارے حال پر بحث ہو رہی تھی ایک شخص نے کہا کہ اُس کے مسلمانوں کے دوست ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر نادان دوست ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہے تو وہ کرٹان مگر ہماری قوم کی بھلائی اور ترقی اگر ہوگی تو اُسی کرٹان سے ہوگی۔ یہ نقل سنکر میں نہایت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ اگر حقیقت مجھ سے ایسا ہو تو اس کرٹانی کے خطاب پر ہزار مسلمان تیار ہے۔

قسمت نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

صائب نے خود ایک ناواقف شاعر سے پوچھا کہ صائب کیسا شعر کہتا ہے۔ اُس نے نہایت دلی جوش سے کہا کہ آں قمر مساق ہم خوش میگوید۔ صائب کہتا ہے کہ جیسی عزت مجھ کو قمر مساق کے لفظ سے حاصل ہوئی اعلیٰ سے اعلیٰ خطاب سے بھی ممکن نہیں۔ یہی طرح خدا کرے کہ یہ لفظ کرٹان کا میرے لیے عزت قومی کا باعث ہو۔

اس کا اثر تعلیم و تربیت پر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری کوششوں نے مسلمانوں کی تعلیم پر اثر نمایاں کیا ہے اب جس مسلمان مدرسے میں جاتے ہیں اور جن طالب علموں سے ملتے ہیں اتنی بات تو ضرور سنتے ہیں کہ جو طریقہ تعلیم بالفعل مقرر ہے وہ بلاشبہ تبدیل کے لائق ہے۔ بہت سی کتابیں ایسی درس میں داخل ہیں جن سے عمر ضائع ہوتی ہے بعض علوم ایسے پڑھائے جاتے جو نہ دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے۔ جو شخص کہ فارغ التحصیل ہو گیا ہو اگر اُس کے حال پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ دین کے کام کا ہونا تو معلوم دنیا کے بھی کسی کام کا نہیں ہوا۔

بہت سے لوگوں کی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح علوم و فنون جدیدہ چمکے سے اُن کے ماتھے آجاویں مگر شرماتے ہیں اور حلائیہ اُن کی خواہش کرنے میں اپنی مولویت اور قدوسیت کی کساد بازی سمجھتے ہیں۔

جایجا مسلمانوں کے مدرسے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر جگہ اُن کے قائم کرنے کا چرچہ ہے۔ مولوی محمد سخاوت علی صاحب نے جن کی برکت سے قصبہ انجمنہ ضلع سہارن پور میں ایک مسلمانی مدرسہ قائم ہوا ہے ہمارے ایک دوست سے فرمایا کہ ”اگرچہ پہلے بھی ہیکو اپنی قوم کی بھلائی کی فکر تھی مگر کوئی تقاضا کرنے والا اور بار بار جگانے والا نہ تھا۔ اب پرچہ تہذیب الاخلاق نے یہاں تک چوکتا اور آگاہ کیا جس کے سبب اس قصبہ میں بھی ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ خدا اس پرچہ تہذیب الاخلاق کو ہمارے لئے ہمیشہ مبارک رکھے اور شیخ نظام الدین صاحب مہتمم مدرسہ کی نیت میں بھی ترقی ہو جو میرے ساتھ بدل متفق ہیں“

یہ بھی اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے مدرسہ انجمنہ کو اور ہمارے ضلع کے کل مدارس - دیوبند - سہانپور - گنگوہ کو بڑی تسلی ہے کہ یہ سب مدرسے اُس مدرسہ العلوم مسلمانان سے جس کے قائم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مستفیض ہوں گے گویا علیگڑھ ہمارے مدرسوں کے طلباء کا قصر امید ہے۔ اگر درحقیقت ہم اپنی ترقی کریں گے تو وہ قصر ہمارے ہی لئے ہے پس کس قدر ہیکو اُس کے بانیوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔“ سب سے اخیر مدرسہ جو ہماری تحویروں کے اثر سے قائم ہوا وہ مدرسہ یانیہ لکھنؤ ہے جس میں شہول دیگر علوم معینہ کے مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور اس سے خیال ہوتا ہے کہ ہماری کوششوں نے شیعہ اور سنی دونوں کے دل کو جگادیا ہے۔

اگرچہ ہم اپنی رائے میں ان مدرسوں سے ان نواید کے حامل ہونے کی توقع نہیں رکھتے جنگی ہم خواہش رکھتے ہیں۔ اس لئے ہیکو اُن کے قائم ہونے سے چنداں خوشی نہیں ہے مگر تاہم اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ لوگوں کو اس طرف توجہ تو ہوئی وہ کچھ کرنے تو لگے کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اُس راہ پر بھی جا پڑیں جو فی تحقیق سیدھی اور ٹھیک ہے اور جس راہ سے منزل مقصود پر پہنچنا ممکن ہے ناہ سے ہاں تو شروع ہوئی۔

یہی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان مدرسوں کے اخراجات میں بھی نہایت دل سے مدد کرتے ہیں اور اُن کا قائم رہنا دل سے چاہتے ہیں گو ہم اُن کے اس شوق اور اس فیاضی کو نقشِ بر آب اور ایک نہایت حقیر خصلت انسانی سمجھتے ہیں جبکہ ہم خود غرضی کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بسبب اُن مقدس لایوں کے جو اُن مدرسوں میں مصروف ہیں اور اُن کی قدوسیت کا خیال لوگوں کے دلوں میں جما ہوا ہے اور نیز اس خیال سے کہ مذہبی کتابوں اور قرآن و حدیث اور عربی نثر چلنے میں رہ رہے

روٹی ناج بھسن پینے میں بڑا ثواب ہوگا اُن مدرسوں میں روپیہ دیتے ہیں اور ملد کرتے ہیں
 یہ کرنا کچھ کرنے میں داخل نہیں ہے اور اس سے قومی عزت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اس سبب
 سے ہم اُس کی نہ کچھ زیادہ قدر سمجھتے ہیں اور نہ خوش ہوتے ہیں ہاں اُس من خوش ہوں گے جبکہ
 ہماری قوم خدا کے واسطے اور نہ اپنے ثواب کے لیے بلکہ صرف اپنی قوم کے لیے کوشش
 کرے گی اور کسی کی نہیں اپنے ماتھے۔ اپنے پانوں۔ اپنی جان۔ اپنی محنت۔ اپنے روپیہ کے بدلے
 نہ خدا کو فریدنا چاہتا ہوں نہ بہشت کو بلکہ اپنی قوم کو۔ جبکہ اس طرح بلا خیال اپنے ذاتی نفع دینی و
 دنیوی کے لوگ اپنی قوم کی بھلائی پر متوجہ ہوں گے اُس وقت البتہ ہم کو خوشی ہوگی۔ لیکن یہ بھی
 غنیمت ہے جو ہوا ہے اور اُمید ہے کہ آئندہ آؤد بھی اچھا ہو ۛ

اثر مذہبی خیالات پر

اس پر چھپیں ہم عقاید و مسائل مذہبی سے بحث کرنا مقصود اصلی نہیں ہے مگر جو کہ مسلمانوں
 نے مثل ہندوؤں کے مذہب اور شمن و معاشرت کو متحد سمجھ رکھا ہے اس لیے جو جو مذہبی اُن
 مسائل مذہبی سے بحث اُٹھاتی ہے جو ہمارے مقصود سے علاوہ رکھتے ہیں ۛ
 مگر ہماری قوم عجیب حالت مذہبی میں گرفتار ہے۔ ہم اہل سنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے
 دونوں اقاب وہابی و بدعتی سے ملقب ہیں۔ پہلے حضرت بلاشبہ عقاید میں نہایت درست
 اور قریب حق کے ہیں لاکھ ظاہری خیالات اور سختی اور سنگدلی اور قسارت قلبی اور تعصب پر استقامت مگر
 ہیں کہ اندرونی نیکی ایک بھی اُن میں نہیں رہی اور ٹھیک ٹھیک فہمی حال ہے جو علماء یہود کا
 تھا جو دنیا کی ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے اور دوسرے حضرت اگرچہ اندرونی نیکیوں
 کی جانب بے مقصد متوجہ ہیں لاکھ رسوم آسانی کے اس قدر پابند ہیں اور بدعات محدثہ کے استقامت پر
 ہیں کہ دامن کھینچنے کے قدم بہ قدم ہو گئے ہیں بلکہ اُن کو بھی فائدہ گریہ ہے پس یہ دونوں باتیں
 ہمارے مقصود کی خارج ہیں اور ہم ان دونوں باتوں کو اپنے سچے دل سے مذہب اسلام کے بھی
 برخلاف سمجھتے ہیں اور ترقی تہذیب مسلمانوں کا بھی مانع قوی جانتے ہیں اور اس لیے مسلمانوں میں
 جہاں تک کہ یہودیت اور رومن کیتھولکیت آگئی ہے اُسکو مٹانا اور ٹھکانا چاہتے ہیں اور یقیناً
 کرتے ہیں کہ بغیر سچا اسلام بے میل اختیار کیے کسی چیز کی بھلائی ممکن نہیں ۛ
 رسومات کو اور خصوصاً مذہبی رسومات کو مٹانا کچھ آسان کام نہیں ہے البتہ کچھ تو ہے

کہ ہم اس میں کچھ کر سکتے ہیں مگر تاہم لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے جاتے ہیں اور کیا عجیب ہے کہ کوئی نل نرم بھی ہوا ہو یا آئینہ ہو۔

ہم کو ہمارے شفیق نچر لاسٹ یاد ہے کہتے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو مذہب نیچے کے برخلاف ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اسی کے ساتھ اپنا یہ یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ ٹھیٹھ مذہب اسلام جبکہ وہ بدعات محدثہ سے پاک ہو بالکل نیچے کے مطابق ہے اسی لیے کہ وہ سچا ہے اور اس لیے وہ سچا ہے۔ اگر یہی وہ ہمارے دہریہ ہونے کی ہوتو ہم کہتے دہریہ سہی۔ بلاشبہ ہمارا بدلی عقیدہ ہے کہ جو خدا کا فعل ہے اور مذہب اس کا قول اور سچے خدا کا قول و فعل کسی مخالف نہیں ہو سکتا اس لیے ضرور ہے کہ مذہب اور نیچر متحد ہو اور بلاشبہ یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان پر سب ذہنی عقل ہونے کے احکام مذہبی کا مکلف ہوا ہے پس اگر وہ احکام عقل انسانی سے خارج ہوں تو معلول خود اپنی علت کا معلول نہ ہو گا ہاں یہ بات ممکن ہے کہ وہ احکام ہماری تمہاری عقل سے خارج ہوں آقا عقل انسانی سے خارج نہیں ہو سکتے اور زمانہ جوں جوں انسان کی عقل و علوم کو ترقی دیتا جاوے گا وہوں ووں کی خوبی زیادہ منکشف ہوتی جائیگی مگر یہ سبقت ہو گا جبکہ تعلیم کی ٹی آنکھوں سے کھلی ہوگی ورنہ کو اس کے تیل کی طرح بجز دن رات بھرنے اور کچھ نہ جاننے کے اور کچھ نہ ہو گا۔

کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی ہل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہرہ وجہ ثابت کر دے مگر یہ رہنہ صرف اسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جسکو میں ٹھیٹھ اسلام کہتا ہوں اور جو بدعات محدثات سے اور غلط خیالات و جماع سے اور خطا اجتہادات سے اور ڈھکوسلہ قیاسات سے اور شکنجہ اصول فقہ مختصر سے مبرا و پاک ہے۔ پس میں تو اپنے تئیں بڑا حامی اسلام سمجھتا ہوں گو سارا زمانہ مجھ کو دہریہ کہیوں سمجھے۔

نیکیم دریں گلشن گل و باغ و بہار ازمن
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار ازمن
نمیدانم ز منہ گریہ مطلب چیست ناصح را
دل ازمن ویدہ ازمن استن ازمن کتا ازمن

ذکر مدرستہ العلوم مسلمانان

اس سے زیادہ عجیب بات کونسی ہوگی کہ ہم نے جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تربیت کے لیے مدرستہ العلوم کی بنا ڈالی ہے اُس میں بھی ہمارے چند ہوطنوں نے ہم سے مخالفت کی ہے۔ ہمارے مخدوم مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کے مرسلہ رسالہ میں لکھا ہے کہ ”میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے (یعنی مجھ گنہگار کے) ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا۔“ اگر حقیقت مسلمانوں کا یہی حال ہو تو وائے بر مسلمانوں و وائے بر مسلمانان۔ نیک طینت آدمیوں کا یہ کام نہیں ہے وہ تو بدوں میں بھی جو نیک بات ہوتی ہے اُنکو پسند کرتے ہیں بلکہ درود دیوار سے نصیحت لیتے ہیں۔ کیا قال

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

و رنوش است پند بردیوار

ہمارے مکرم معظم جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور غل آتہ الکرسی کا اُس سے سکھایا (نعموذ باللہ منہا) پس اے میرے بھائیو۔ میں تمہارے مرتد۔ زندیق۔ کافر۔ کرشان۔ شیطان ہی مگر جو اچھی بات بتاؤں اور تمہارے قایدہ کی بات کہوں۔ دل ہوزی سے تمہاری ہدر دی کروں میری وہ بات تم کیوں مانو۔ حضرت ابو ہریرہ نے تو نعموذ باللہ منہا شیطان سے بھی نیک کام کھینچے میں عار نہیں کی۔ سبحان اللہ کیا شان اسلام رہ گئی ہے کہ جو شخص ان باتوں پر یقین کرے وہ تو پکا مسلمان اور جو یہ کہے کہ میاں وہ حدیث ثابت نہیں ہے یا وہ کوئی چور شیاطین الانس میں سے ہو گا تو نیچرل سٹ کافر کرشان۔

گر مسلمان ہیں است کہ واعظ دارد

وائے گرد پس امروز بود فردائے

کیا اس سے زیادہ قہرستی اور بد اقوالی۔ کم نصیبی مسلمانوں کی ہو سکتی ہے جو ایسے عمدہ کام یعنی مدرستہ العلوم کے قایم ہونے میں مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اُن کی مخالفت میری ذات کے سبب سے ہے تو کیسی نادانی ہے کہ ایک شخص کے سبب جو یقینی ایک دن نابود ہو نیوالا ہے ہمیشہ کے لیے اپنی تمام قوم کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ مگر انتظامی امور اور فروعی باتوں میں مجھ سے مختلف فکر

ہیں تو اپنی رائے کی غبی اور ٹھگنی ثابت کر کے غلبہ رائے ممبران کیٹی میری رائے کو معدوم کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اس کام کے انجام کے لائق ہیں تو مجھ کو اُس سے علیحدہ کر کر خود آپ تمام کام اپنے اختیار میں لے سکتے ہیں اور میں بخوشی و مسرت و احسانندی اس بوجھ سے سبکدوش ہو سکتا ہوں بشرطیکہ اُد کوئی اُسکو انجام دے پھر مخالفت منی چہ حقیقت میں یہ نشان بد اقبالی اور ہماری قوم سے خدا کی ناراضی کا ہے کہ نہ خود آپ اپنی قوم کے لئے کچھ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں اور نہ اسکی سمجھ رکھتے ہیں اور جو دوسرا کوئی کرتا ہے تو اُس میں دوسرے ڈالتے ہیں ۛ

اُن مخالفت کرنے والوں کو اگر ہم یہ دیکھتے کہ اپنے ذاتی امور اور روزمرہ کے برتاؤ میں نہایت پابند شریعت اور متبع سنت ہیں تو جو کچھ وہ کہتے ہم سہجہ کا کُسنے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے ذاتی معاملات میں تو سب کچھ روا ہے تو پھر ہم ایسے عمل اور بے مغز گندم نا دو جو فروش باتوں کو پسند نہیں کرتے ۛ

اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مخالف قومی ہمدردی اور قومی عزت کے جوش میں سرگرم ہیں اور درستیِ معلوم مسلمانان کے قائم ہونے میں عرق ریزی کر رہے ہیں مگر درستیِ لال ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنانے سے ناراض ہیں ہم خود شرمندہ ہوتے اور کہتے کہ گو وہ غلطی پر ہیں مگر اُن کی کوشش اور ہمدردی قومی اسکی مقتضی ہے کہ اُن کی خاطر سے طالب علموں کو تہ بند باندھنے اور غلیں پہننے کا مدرسہ میں حکم دیا جاوے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی کا ان میں نشان نہیں۔ قومی عزت کا اُن کو خیال ہی نہیں بجز مخالفت مجسم کے (نہ کسی کینہ و عداوت سے بلکہ بمقتضائے طبیعت کے) اور کچھ نہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ بولیاں ہمارے مخالف نہیں بولتے بلکہ مسلمانوں کی باقبالی اور اُن کا ادب و چہار ما ہے ۛ

ہم ان تمام مخالفتوں سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور خدا سے اپنی استقامت چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہمکو استقامت بخشی تو ہم ضرور انشاء اللہ العزیز اس کام کو پورا کرینگے ۛ اے ناخدا ترس مسلمانو۔ تم اتنی ہی بات پر غور کرو کہ اگر ہماری قومی سہی سے ہمارا قومی دارالعلوم قائم ہو جاوے تو پھر دُاس کے قائم ہونے کے بلا انتظار اُس کے فوائدِ عظیمہ کے تمام دنیا میں اور تمام دنیا کی قوموں میں اور خصوصاً سولیز و قوموں اور سولیز و ملک میں ہماری قوم کی کس قدر عزت قائم ہوگی اور ہماری قوم کو اس کام کے انجام پر کیسا کچھ فخر ہوگا ورنہ وہی انڈین ایبزرور میں آٹریکل لکھنے والے کا قول صادق آویگا کہ سُر کے بالوں سے کوئی ریشم نہیں

نہا سکتا۔ اور خدا تو ہماری مدد کر۔ آمین +

اے بھائیو۔ ابھی پچھلے پرچہ میں طریقہ نظام و سلسلہ تعلیم مسلمانانِ مشرق ہمارے تم اُس پر بخوبی غور کرو اور سمجھو کہ کیا بغیر اُس طریقہ کے ہماری قوم میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پھیل سکتی ہے اور کیا بغیر اُس طریقہ کی تعلیم کے قومی عزت حاصل ہو سکتی ہے اور کیا ان ٹیپو نجیوں عربی مدرسوں سے جو جا بجا قائم ہوئے ہیں جن کے طالب علم مسجدوں میں پڑے ہوئے مانگ کر ٹکڑے کھاتے ہیں ہماری قوم کو کچھ فائدہ اور ہماری قومی عزت ہونیوالی ہے۔ حاشا وکلا۔ میری عرض اس تقریر سے اُن مدرسوں کی جو کرنا نہیں جن کو نیک آدمیوں نے اپنی نیک دلی اور سچی نیت سے قائم کیا ہے اور نہ میری یہ خواہش ہے کہ اُن میں کچھ فتور آوے بلکہ اس تقریر سے میرا مطلب اپنی قوم کو اس نیت سے آگاہ کرنا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اور کرتے ہو اُس سے بہت کچھ زیادہ تم کو کرنا ہے۔ خدا ہم سب کو اُس کے انجام کی توفیق دے اور پھر خود اسکو انجام دے۔ آمین +

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں ہے کہ ہمارے ملک کے بعض اخباروں نے بھی (خصوصاً جن کے ایڈیٹر مسلمان تھے) ادب جن کا فرض اپنی قومی ترقی میں کوشش کرنا تھا اس درستہ العلوم سے کافی مخالفت کی ہے گو اُس کا کچھ اثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر انھوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لیے ایک ترشیر ہونے میں بلاشبہ بلند نامی حاصل کی ہے۔ یا اینہم ہمارے ملک کے بہت سے نامی اخباروں نے ہمارے ساتھ صرف اپنی قومی خیر خواہی اور پیٹریاٹزم کے جوش سے ہمدردی بھی کی ہے پس ہم اُن اخباروں کا ادماُن کے ایڈیٹروں کا جن میں سے ہکو پنجابی اخبار لاہور اور گلشنِ اردو کا ایڈیٹر اور پنجاب اخبار اور علیگڑھ سین ٹیفک سوسیٹی اخبار اور آودھ اخبار کا نام لینا چاہیے دلی شکر یہ ادا کرتے ہیں +

حقیقت ہم آودھ اخبار کے اُس آرٹیکل کے جو اُس کے ایڈیٹر عالی قد نے نہایت نیکی اور صاف دلی محبت قومی سے اپنے اخبار مطبوعہ ۱۱ جنوری ۱۸۷۳ء میں چھاپا ہے بہت کچھ ممنون ہیں +

ہم اپنے ملک کے اسٹیٹ پیپر پرائیویر الہ آباد کی مرانیوں کو کبھی فہول نہیں سکتے جس نے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہمارے درستہ العلوم کے حالات شہر کرنے سے ہماری بڑی مدد کی ہے +

ذکر ترقیات دیگر

جو کچھ گچھیلے برسوں میں کمیٹی مسلمانان نے کوشش کی اُس کا بڑا نتیجہ خاص مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ مدراس و بنگال و بیٹی نے نسبت ترقی تعلیم مسلمانان خاص خاص احکام جاری کیئے ہیں جس کے لئے تمام مسلمانوں کو شکرا دار کرنا چاہیئے چنانچہ تینوں گورنمنٹوں نے اپنی سرکاری سے تمام کاغذ جو اُس سے متعلق ہیں ہلکے و سہل فرمائے ہیں چنانچہ ہم آئندہ کسی پرچہ میں وہ سب حال چھاپینگے۔ علاوہ اسکے جو عام نتیجہ کمیٹی مسلمانان کے مباحثہ سے ہندوستان کو ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کہ جو تعلیم ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی تھی وہ کافی نہ تھی اہل ہند کو اور زیادہ تعلیم دینی چاہیئے چنانچہ اس کے لئے خاص کمیٹی بیٹی ہے جو اُس کا تصفیہ کریگی پس ہمارے ہر وطن بھائی ہندو بھی ہماری کمیٹی کے ممنون احسان ہیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا فائدہ ہماری کوششوں کا یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا جن کی فہرست ہم نے مشترک تھی دیسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ہے اور امید ہے کہ ہمارا ملک آئندہ نسلوں تک ان کوششوں کے فائدوں کو یاد رکھینگا +

مہذب قوموں کی پیروی

چھوٹا بچا اپنے سے بڑے لڑکے کی باتوں کی پیروی کرتا ہے اور کم سمجھ والا اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا ہے اور ناواقف اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ واقف کار جانتا ہے اسی طرح نامہذب قوم کو تہذیب یافتہ قوم کی پیروی کرنی ضرور پڑتی ہے۔ مگر بعض دفعہ یہ پیروی ایسی اندھا دھندی سے ہوتی ہے جس سے بچائے اس کے کہ اُس پیروی سے فائدہ اٹھا دیں اُلٹا نقصان حاصل ہوتا ہے اور جس قدر ہم نامہذب ہوتے ہیں اُس سے اور زیادہ ناشایستہ ہو جاتے ہیں +

نامہذب آدمی جب تربیت یافتہ قوم کی صحبت میں جاتا ہے تو ان لوگوں کو بہت عمدہ پاتا ہے اور ہر بات میں ان کو کامل سمجھتا ہے۔ ہر جگہ ان کی تعریف سنتا ہے مگر ان میں جو خراب عادتیں ہیں ان کو بھی دیکھتا ہے۔ مثلاً شراب پینا جو اُکھیلنا وغیرہ پس شخص ان باتوں کو بھی ان کے کمالوں ہی میں تصور کر لیتا ہے۔ ان میں جو خوبیاں اور کمالات و حقیقت ہیں ان کو تو وہ حاصل نہیں کرتا اور نہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جو بری باتیں ان میں ہیں ان کو

بہت جلد یکھ لیتا ہے ۔

ایسا کرنا دھقیقت اس آدمی کی غلطی ہے کہ اُس نے اُن کے نقصوں کو اُن کا کمال سمجھا ہے ۔ وہ لوگ سبب کسی دوسرے کمال لیاقت اور خوبی کے جو اُن میں ہے اور بسبب دوسری عمدہ خصلتوں کے جو اُنھوں نے حاصل کی ہیں مہذب شایستہ کہلاتے ہیں بسبب اُن باتوں کے جن کو اُس نے سیکھا ہے ۔ بلاشبہ مہذب آدمیوں کی بُرائیاں اُن کی بہت سی خوبیوں اور کمالوں کے سبب چھپ جاتی ہیں اور لوگ اُن پر بہت کم خیال کرتے ہیں تاہم وہ بُرائیاں کچھ بُہتر نہیں ہو جاتیں بلکہ جو بُرائی ہے وہ بُرائی ہی رہتی ہے گو کہ ایک مہذب قوم ہی میں کیوں نہ ہو ۔

ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو بُرائیاں اُس میں ہیں وہ اُس کے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہم کو کرنی نہیں چاہیے ۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے مونہ پر ایک مسہ ہو تو ہم کو خوبصورت بننے کے لیے ویسا ہی مسہ اپنے مونہ پر نہ بنانا چاہیے کیونکہ وہ مسہ اُسکی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اُس کی خوبصورتی کا نقصان ہے ۔ یہی حالت میں ہم کو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسہ بھی اُسکے مونہ پر نہ ہوتا تو کتنا اُوڑ خوبصورت ہو جاتا ۔

ہم بلاشبہ اپنی قوم کو اپنے ہوطنوں کو سولیزڈ قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں مگر اُن سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزز اور قابلِ ادب سمجھے جاتی ہیں اور سولیزڈ شمار ہوتی ہیں ان کی پیروی کریں نہ اُن کی اُن باتوں کی جو اُن کے کمال میں نقص کا باعث ہیں ۔

اسی سبب سے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم نے کسی سولیزڈ قوم کی عمدہ خصلتوں اور عادتوں میں پیروی کی تو ہم کو بہت خوشی ہوتی ہے اور جب یہ سُنتے ہیں کہ اُس نے اُن کی بُرائیوں کی پیروی کی اور شراب پینی شروع کی اور پکا متوالا ہو گیا اور جوا کھیلنا سیکھا اور بے قید ہو گیا تو ہم کو ہنایت افسوس ہوتا ہے ۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری قوم عمدہ باتوں کو سیکھے گی اور بُری باتوں کو ہمیشہ بُرا سمجھے گی ۔

مسائل متفقہ

باوجود اتحاد قلبی کے پیارے ہمدی کو ہمیں متعدد مسائل میں اختلاف ہے جیسا کہ ہمارے
پرچہ تہذیب الاخلاق کے ناظرین کو ان کی تحریروں سے ظاہر ہوا ہوگا مگر مفصلہ ذیل وہ مسائل ہیں
جن میں ہمارے مخدوم مولوی ہمدی علی صاحب کو بھی ہم سے اتفاق ہے۔ شیطان کا موجد کالا
انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اؤ مسائل میں بھی بعد تحقیق و تدقیق وہ متفق ہونگے *

- (۱) لا تحریف فی الکتاب المقدسة الامعنویا *
- (۲) لیس الاسترقاق فی الاسلام *
- (۳) کا وجود للسموات جسمانیاً *
- (۴) ما کان الطوفان عاماً *
- (۵) الاجماع لیس بحجة *
- (۶) التقلید لیس بواجب *
- (۷) کل الناس مجتہدون لانفسهم فیما لم ینصص فی الکتاب والسنة *
- (۸) کل ما نزل من القرآن فهو ما بین الدفتین *
- (۹) ما نسخت تلاوة ایتہ من آیات القرآن *
- (۱۰) لیس النسخ فی القرآن *
- (۱۱) لیس خلافة النبوة بعد التبیی سلم *

اختتام سال ۱۲۹۰ھ ہجری

و

شروع سال ۱۲۹۱ھ ہجری

از بندہ خضوع و التجامی زبید
بخشایش بندہ از خدامی زبید

گر من کم آنکہ آں مرانا زیباست
تو کن ہمہ آنکہ آں ترامی زبید

الحمد ربہ کہ سنہ فوتے پورا ہوا اور سنہ الیا نوے شروع ہو گیا۔ ہمارے اس پرچہ کو جاری
ہوئے سوائتین برس ہو گئے۔

پچھلا سال بھی خندہ گل و نالہ بلبل سے خالی نہیں گیا۔ ہمارے آہ و نالہ نے بدستور غلغلہ
رکھا اور ہمارے اصحاب شفیق کا بھی شور و ضعف کم ہوا۔

حسن شہرت عشق رسولی تقاضا می کند

جرم معشوق و گناہ عاشق بیچارہ نیست

ناصر شفیق نے ہکو کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ۔ آخر کار ہکو کا فرو ملحد ٹھہرا ہی دیا۔ دُور و نزدیک
کے مولوی صاحبوں سے کفر کے فتوے پر تمہریں چھپوا ہی منگو اٹیں اور ہمارے کفر پر ہمارے
ناصر شفیق جناب مولوی حاجی سید امداد اعلیٰ صاحب نے ایک سالہ چھاپ ہی لیا اور امداد اعلیٰ
اس کا نام رکھا۔ بھلا آؤ کچھ ہوا یا نہ ہوا بیچارے غریب چھاپے والے کو تو فائدہ ہو گیا۔

اسی سال میں ہماری تحریرات کی تردید میں مولانا علی بخش خاں بہادر نے (جو امید ہے کہ
آج تک حاجی بھی ہو گئے ہوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سے اُن کو بھی حاجی لکھا کر نیکی)
دور سے لے کر فرمائے ہیں جن میں سے ایک کا نام شہادتِ ثقب ہے اور دوسرے کا نام
تائید الاسلام۔

اخبارِ دین میں فوجِ الانوار تو اپنا نورِ عالم میں برساتا ہی تھا مگر اُس سے ایک اور پرچہ
اُن کے گھر کا اوجالاسمی بہ نورِ آفاق لدخم ظلمتِ اہل النفاق پیدا ہوا ہے جو نہایت
ہی چسپ ہے اور ہمارے اس پرچہ تہذیبِ اخلاق کے جواب میں نکلا ہے اُس کے مضامین
ظاہر تو جناب حاجی مولوی سید امداد اعلیٰ صاحب بہادر کے طبعِ امداد معلوم ہوتے ہیں مگر بعض لوگ
اُن مضامین کو لے پا لک بتاتے ہیں۔ بھلا ہکو اس سے کیا کہ وہ میاں ندیم کے ہیں یا
بیشیر کے کسی کے ہوں مگر چسپ ہیں۔ خدا اُسکی بھی عموماً کرے۔

ہم نے بھی اپنے مضامین لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کمی نہیں کی اگرچہ پچھلے سال میں
کارِ دولتی مدرسہ العلوم مسلمانان کی اکثر چھپتی رہی الا مضامینِ دل نشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں
رہا۔ ہمارے غمزدہ دل شکستہ دوست مولوی سید مد علی کا کچھ مسلمانوں کی تہذیب پر جو اس سال

کے پرچوں میں چھپا دہ خفیت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو اُس کی قدر جانتے ہیں۔ ہمارے ہمسرا ڈیٹر اودھ اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدر دلائی ہے جہاں وہ مستحق ہے۔ ہکو نہایت فخر ہے کہ ایسا عالمی مضمون ہمارے اس چہرے پرچہ کے ذریعہ سے شہر ہوا ہو جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور پچھلی حالت بتا کر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آئندہ کی بہتری کی توقع سے دل جان کو تقویت دیتا ہے +

بڑی مبارکی اس سال میں ہمارے پرچہ کو یہ ہوئی ہے کہ جناب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اس میں مضمون لکھنے شروع کیے ہیں۔ ایک آدھ مضمون اُن کا پچھلے سال میں چھپا ہے اور آئندہ اور بہت سے عمدہ مضامین کے چھپنے کی توقع ہے +

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں کے سمجھنے میں جو کبھی کبھی نسبت مسائل مذہبی لکھی جاتی ہیں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اُصول کیا ہیں اور کن اصولوں پر ہماری تحریریں مبنی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کے شروع میں ہم اپنے اُن اُصول کو لکھ دیں تاکہ لوگ اُن اُصول کی صحت و سقم پر غور کریں اگر وہ اُصول صحیح ہیں تو اُمید ہے کہ جو تحریریں اُن پر متفرع ہیں اُن میں بھی کچھ غلطی نہ ہوگی۔ باایں ہمہ یہ قول نہایت صحیح ہے۔
کہ یہ سچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اور وہ اصول یہ ہیں :-

اَوَّلُ - خدائے واحد ذو الجلال ازل وابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے +

دَوَم - اُس کا کلام اور جس کو اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت

اور خلاف واقع نہیں ہو سکتا +

سَوَم - قرآن مجید بلاشبہ کلام الہی ہے۔ کوئی حرف اُس کا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ

خلاف واقع +

چہارم - قرآن مجید کی اگر کوئی آیت ہو بظاہر خلاف واقع یا خلاف حقیقت معلوم ہو تو

دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس آیت کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جبکہ ہم نے

حقیقت اور واقعہ سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے۔ اس کے برخلاف کسی مفسر یا محدث کا قول

ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے +

پنجم - جس قدر کلام الہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ سب بین الیقین

موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا مانا جاوے تو کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید کی بطور یقین قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ میں الذہن کے برخلاف ہو۔

نہ ملنا کسی ایسی آیت کا اُس کے عدم وجود کی دلیل نہ ہو سکیگا۔

ششم۔ کوئی انسان سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل بلا سند صحیح قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو۔ اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا شرک فی النبوت ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُمت و پیغمبر میں تفاوت درجہ ہے اسی طرح اُن کے قول و فعل میں بھی جو دینیات سے متعلق ہیں درجہ و رتبہ کا تفاوت ہے۔

ہفتم۔ دینیات میں سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دنیاوی امور میں مجاز۔

اس مقام پر سنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہے۔

ہشتم۔ احکام مخصوصہ حکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی اور وہ جن کی بنا امر ظنی پر ہے سب ظنی ہیں۔

نہم۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا۔ پس اگر وہ ایمان پر کلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج ہوں۔ مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اُس کی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں۔

دھم۔ افعال مامورہ فی نفسہ جن میں اور افعال منوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کی خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسے کہ طب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کر دے۔

اس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو۔

یا نہ دھم۔ تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں دیکھنا اور سوجا کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا۔

دوازدهم۔ وہ قومی جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیے ہیں اُن میں وہ قومی بھی جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے ان تمام قومی کے استعمال پر انسان مختار ہے۔ مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قومی کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا۔ اُس کے علم کے برخلاف ہرگز نہوگا مگر اس سے انسان اُن قومی کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قومی قابل استعمال کے اُس میں ہیں مجبور نہیں تصور ہو سکتا۔

تسیز دہم۔ دین اسلام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی منبت ہیں۔
چہما دہم۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور باطل فطرت کے مطابق ہیں۔ دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر طاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے۔

پانزدہم۔ تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصالحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے۔
مصالحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصالحت کے معنی سمجھے ہیں کہ دل میں کچھ اور کہنا یا کرنا کچھ یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو حقیقت بجا تھا مگر بندہ وقت بنکر اُس کو کہہ دیا یا کر لیا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اصول پانزدہ گانہ ایسے ہیں جن سے کوئی مسلمان انکار اور اختلاف نہیں کر سکتا اور جب وہ لوگ جو ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان اصولوں پر غور کریں گے اور یہ بھی سمجھیں گے کہ ہماری تحریریں ایسے سچے اصولوں پر مبنی ہیں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ہم سے متفق ہو جاویں۔

تہذیب قومی

اصلی مقصود تو ہمارے اس پرچہ کا تہذیب قومی ہے۔ مسائل مذہبی کی بحث پر مجبور آجاتی ہے۔ اس سال میں بھی جہاں تک ہو سکا ایسے مضامین جو قومی تہذیب سے علاقہ رکھتے ہیں اس پرچہ میں لکھے گئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُن مضمونوں نے کسی کے دل پر اثر بھی کیا ہو مگر ہم کو ہنس نہت اس کے کہ ہمارے مضمونوں نے کسی دل کو نرم کیا ہے اس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ ہم

اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیے کیونکہ بندہ کا کام صرف سچی کرنا ہے اور اسکو پورا کرنا اور اثر دینا خدا کا کام ہے التسعی منی والا تمام من اللہ تعالیٰ ایک مشہور مقولہ ہے پس شکوہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں ۛ

مگر نہایت افسوس ہے کہ ہماری قوم ایسے جمل مرکب میں گرفتار ہے کہ اسکو اپنا بھلا یا بُرا مطلق نہیں سوچتا۔ جو بات قومی بھلائی کی ہو اسکو اٹٹا سمجھتے ہیں۔ قومی بھلائی پر کوشش کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ تقدیر پلٹ گئی ہے ادا بار چھار رہا ہے بھلائی کی بات کیونکر خیال میں آسکتی ہے مگر توقع نہیں توڑتے۔ خدا کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتے لہٰذا تقضوا من رحمۃ اللہ پر بھروسہ کر کر کوشش کیئے جاتے ہیں ۛ

انہی دو تین ہفتوں میں پاپونیر نے ایک نہایت عمدہ آرٹیکل میں ایک مضمون قریب قریب اس مضمون کے لکھا تھا کہ قومی باتیں جب ہی ترقی پر ہو سکتی ہیں جبکہ قوم میں قومیت کی شرطیں بھی موجود ہوں یعنی

۱۔ عام لوگوں میں وہ قوت موجود ہو جس سے کسی عمدہ بات کی قدس کی جاتی ہے ۛ

۲۔ آپس کے میل جول میں آزادی اور ہمہ سری ہو ۛ

۳۔ خیالِ ماب کے آزاد ہوں ۛ

۴۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ بہت سے ایسے دل موجود ہوں جن سے اُس ترقی اور

ایجاد کرنے والی قوت کے جواب میں جو نمانہ کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے صدائے نکلے ۛ

ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہماری قوم میں نہیں ہے پس ترقی ہو تو کیونکر ہو مگر خدا سے

اُمید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آدینگا جو لوگ ان باتوں کو سمجھیں گے اور اپنی قوم کو قوم بنا دیں گے اور اُس کی بہتری و ترقی میں کوشش کریں گے ۛ

العلوم

ابن سب باتوں کو قوم میں پیدا کرنا اور اچاری دانست میں مدرستہ العلوم ہوگا جس کے قائم کرنے پر

نہایت دل سے کوشش ہو رہی ہے ۛ

ہم کو اس بات کے کہنے سے نہایت غرضی ہے کہ بہت سے دل رفتہ رفتہ مدرستہ العلوم کا

کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خیال کہ ایسے مدرستہ العلوم کی باشبہ نہایت

ضرورت ہے پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جن بزرگوں کو ہمارے ذاتی افعال و اقوال کے سبب مدرسہ العلوم سے نفرت تھی وہ بھی برسر انصاف آتے جاتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہمارے ذاتی افعال و اقوال کو مدرسہ العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ کسی دلی ہماری قسمت ایسی بھی یاد ہو جاوے کہ جناب مولوی حاجی سید امداد اہلی صاحب بھی ہماری شامت احوال سے قطع نظر فرما کر مدرسہ العلوم مسلمانان کے حامی اور سرپرست بن جاویں۔ آمین +

ہماری ان کوششوں نے ہمارے ہ وطن بھائی اہل ہندو کے دل میں بھی بہت بڑا اثر کیا ہے باوجودیکہ سرکاری مدارس اُن کی تعلیم کے لیے نامناسب نہیں ہیں اس پر بھی اُن کو اپنی پاک بان اور قدس کتابوں کے چرچے کا دل میں شوق اُٹھا ہے اور وہ بھی مثل ہمارے مدرسہ العلوم کے ایک قومی مدرسہ جاری کرنے پر آمادہ و مستعد ہوئے ہیں۔ جابجا نہایت سرگرمی اور ہڑی کامیابی سے چندہ جاری ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ جس قدر چندہ بچنے ایک سال میں ہزاروں محنتوں سے جمع کیا ہے انہوں نے اُس سے زیادہ ایک مہینے میں اکٹھا کر لیا ہے۔ ہماری نہایت خوشی ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاویں۔ ہمارے ہ وطن ہندو صاحبوں کی کامیابی میں ہکو شبہ نہیں ہے۔ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ ہم سے فوراً اندیش زیادہ ہیں۔ ہم سے دولت مند زیادہ ہیں۔ ہماری مانند پُرفساد نہیں ہیں۔ مثل ہمارے عہد و بعض و تعصب نہیں رکھتے تعلق قومی اُن میں ہے۔ ہندوستان میں اُن کی قوم کے بڑے سردار و الیان ملک موجود ہیں۔ ہماری قوم کے اول تو سردار ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ کچھ پردا تک نہیں کرتے۔ گویا ہندوؤں کے مربی و سرپرست زندہ و سلامت ہیں۔ اور ہمارے مربی و سرپرست دنیا سے تشریف لیگئے ہیں۔ وہ باس ہیں اور ہم بے سر۔ پس اُن کی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہکو اپنی کامیابی میں شبہ ہے۔ ہاں اگر ہماری قوم کو بھی غیرت آوے اور خدا اُن کے دل کو سیدھا کرے اور پُرفساد خیالات کو اُن کے دماغ سے نکالے اور قومی ہمدردی اُن کے دل میں ڈالے تو ہکو بھی اپنی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

اے براہمن دینی۔ اب یہ وقت نہیں ہے کہ ہم آپس کی تکرار و فساد میں پڑیں تو تو میں میں گر کر کیو کافراور کسی کو لحد بنا دیں اسکم و بیش جو کوشش وسیع کیم ہے ہو سکتی ہے اُس کو بھی آپسکے اختلافوں سے بیکار دیں پس اُمید ہے کہ ہماری قوم میری اس مدار کو توجہ سے سنیگی اور مدرسہ العلوم کی مدد میں دل و جان سے سعی و کوشش کریگی۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ +

مسلمانانِ یارقند

مسٹر رابرٹ شا صاحب یارقند اور اُس کے گردنواح کے ملکوں کا حال دریافت کرنیکو ۱۸۶۸ء میں اُس طرف گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے سفر کا حال ایک کتاب میں لکھا ہے جو شائع شدہ میں لندن میں چھپی ہے۔ ہم اُس کتاب سے اُس نواح کے مسلمانوں کا حال انتخاب کر کر ذیل میں لکھتے ہیں اور اس انتخاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد اپنی قوم کو دو باتوں سے متنبہ کرنا ہے۔ ایک یہ کہ ہماری قوم جو ہندوستان میں رہتی ہے وہ سمجھے کہ اُس نے کس قدر عادتیں ہندوؤں کی سیکھ لی ہیں اور کھائے اور پیئے اور غیر قوموں سے ملنے میں ایک خیالی وہم اور جھوٹ جس کی اصل نہ شرع میں ہے اور نہ آؤر ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں میں ہے احتیاس کی ہے۔ دوسرے اس بات پر افسوس دلانا ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کیا ہندوستان کے رہنے والے اور کیا آؤر ملکوں کے رہنے والے کیسے بے علم اور واقعات تاریخی سے جو دنیا میں گزرے ہیں کس قدر بخیر اور رواہیات زطل اور یہود کہانیوں پر یقین اور اعتبار کرنے والے ہیں جس سے اُن کی نادانی۔ بے علمی بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

انتخاب سفر نامہ رابرٹ شا صاحب

صاحب موصوف نے کانگرہ سے اپنا سفر شروع کیا اور جب وہ شہر لہیہ میں پہنچے جو لداخ سے آگے جانب شمال میں واقع ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اُنھوں نے اس طرح پر لکھا ہے :
 وہ لکھتے ہیں کہ جب میں لہیہ میں پہنچا تو میں نے تربت کے باشندوں کے چال چلن اور رسم رواج کو نو متحقیق کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب کہیں پہلے پہل شہر کی سیر کو نکلا تو وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کرنے کا جو جوش تھا وہ سب جاتا رہا اور اُس کے عوض میں ایک دوسری بات کا شوق ل میں اٹھا کیونکہ جو لوگ اُس ملک میں تھے یعنی تبتی اُن سے بالکل مختلف قسم کے لوگ ترکی باز میں چلتے پھرتے یا خاموش قطاروں میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اُن کے سروں پر ٹمے ٹمے سفید عامر تھے۔ لہیہ ڈاڑھی اوپر چنچہ زمین تک لٹکا سامنے سے کھلا ہوا نیچے صدسی پینے تھے اور پاؤں میں کالے چمڑے کے موٹے موٹے بوٹ تھے۔ ان سب باتوں سے اُن کا ایک رُوحانی معلوم ہوتا تھا اور اُن کا بڑا خونامیت شستہ مخاصم سے لوگوں کے دل میں اُن کا ادب پیدا ہوا

اُن میں ہندوستانیوں کی سی خوشامد تھی اور نہ تبتیوں کی سی نقالی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا بندروں کے چھپیل آدمی ہیں۔ جب میں اُن سے ملا تو اُن کا مزاج بالکل خوفناک نہ پایا جیسا کہ اُن کے ہوطنوں کا سنتا تھا۔ وہ لوگ ہمارے خیر میں لگے بیٹھے اور ہندو مت پر حرج کے دوستانہ بات چیت کرتے تھے اور نہایت نرمے سے ہماری چار ٹھونک ٹھونک کر جو جو جرح کر رہے تھے برخلاف ہمارے ہندوستان کے ڈرپوک مسلمانوں کے جو اس قدر ہندو ہو گئے ہیں کہ ایسا کرنے سے اُن کی ذات جاتی رہتی ہے۔ ہمارے وہاں دراصل بہت اچھے لوگ تھے۔ ہنسی مذاق سے خوش ہوتے اور جواب بھی مذاق کے ساتھ دیتے تھے۔ ہندو آدمی کے ساتھ گفتگو کرتے مگر کبھی حد مناسب سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھی عزت کرتے ہیں اور جس سے گفتگو کرتے ہیں اُس کی بھی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ جب رخصت ہوتے تو مودب طو پر سلام کہہ کے رخصت ہوتے۔ رنگ میں اہل یورپ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ لال ہونٹ اور نگلاب کے رنگ کا سا چہرہ ہوتا ہے جب ہم پہلے پہل وہاں پہنچے تھے تو ایک شخص عہدہ پوشاک اور اونچی اڑھی کا جو تہ پہنے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ اُس کی ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بھورے تھے اور چہرہ بہت گورا اور صاف تھا۔ اُس نے مجھ کو اس طرح سے دیکھا جیسے انگریز دیکھتے ہیں۔ میں نے اُس کو انگریز سمجھ کر اُس سے بات کرنا چاہا تھا کہ اتنے میں وہ مٹر کر میرے مسلمان نوکروں کے پاس جا بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ یار قند کا رہنے والا ایک حاجی تھا۔ جب ہم روکشین میں پہنچے تو وہاں کے مسلمانوں سے قرآن و مذہب کی نسبت بہت سی گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں کو وہ نصاریٰ کہتے ہیں اور مسلمانوں کی نسبت کچھ ہی کم سمجھتے ہیں کیونکہ عیسائی اہل کتاب ہیں اور اُن کے لئے توریت موسیٰ اہد زبور داؤد اور انجیل عیسیٰ بھیجی گئی ہے اور اُن کے خاص منبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام درجیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ہیں ہندو اور اُور بُت پرستوں کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اسی مقام پر محمد نذر جے یا قند کا ایلچی ہندوستان میں آیا تھا ملاقات ہوئی۔ اُس نے اور اُس کے ہمراہیوں نے میرے ساتھ چاوپلی اور رخصت ہوئے۔

جب مٹر شا صاحب جنگ چمپون میں پہنچے تو وہاں یہ بات دریافت ہوئی کہ گردنواح کے ملک میں جس قدر چانول ایک بکرے پر لے سکتے ہیں اُن کی قیمت میں آٹھ تولہ سونا یعنی بارہ پونڈ کے برابر ملتا ہے جس کے ایک سو میں روپیہ چہرہ شاہی ہوتا ہے۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے مقام شہیدانہ پہنچے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اور شا صاحب کے آنے کی خبر سن کر

شاہ یارقند نے چند سپاہی اور افسر ایک مہینہ پہلے سے وہاں متعین کر رکھے تھے وہ لوگ مسٹر شاہ صاحب سے نہایت دوستانہ طور پر ملے۔ اُن کے ساتھ چار پلے کھانا کھایا۔ شاہ صاحب نے بھی ایک روز اُن کی دعوت کی۔ اُن لوگوں نے شاہ صاحب کے آنے کی خبر یارقند کو بھیجی اور جب تک یارقند سے روانگی کی اجازت نہ آئی وہیں ٹھہرے رہے مگر اُس قیام کے عرصہ میں اکثر آدمی یارقند سے شاہ صاحب کی مدارات کے لیے آتے جاتے رہے اور نہایت خاطر داری کے ساتھ اُن کو وہاں رکھا۔ آخر کار جب اجازت روانگی کی آئی تو سب لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہلکار شاہ صاحب کے استقبال کے واسطے آئے تھے۔ جبکہ یارقند کے قریب پہنچے تو ایک اہلکار جس کو مہانداری کہتے ہیں پیشوائی کو آیا اور تعظیم و تواضع کے ساتھ ملا۔ مہانداری نے اپنے ہمراہیوں کو سواری پر سے اتار کر شاہ صاحب کے ملازموں کو جو پیادہ تھے سوار کرایا اور نہایت تپاک سے شاہ صاحب کی مزاج کی خیر و عافیت پوچھی اور مصافحہ کیا اور اُن کے گھوڑے کے برابر اپنا گھوڑا کر کے ساتھ ساتھ آگے کو چلا۔ ایک سواری سے آگے گھوڑا دوڑا تا اور بندوق چھوٹا جاتا تھا۔ یہ گویا شاہ صاحب کی تعظیم کے لیے سلامی کی شلغ ہوتی جاتی تھی۔ کچھ تھوڑے سے آگے بڑھنے پر ایک اور جماعت ملی جو شاہ صاحب کے استقبال کے لیے ٹھہری ہوئی تھی اُن سے ہلکار اور اُن کے ساتھ چار پانی پی کر آگے بڑھے تب یوزباشی وزیر یارقند کا بھائی آکر ملا اور شاہ صاحب سے راستی کی خیر و عافیت پوچھی۔ مقام شہیدانہ میں جہاں کو بہت دنوں تک ٹھہرنا پڑا تھا اُسکی محنت کی۔ آخر کار اُسی روز سپہر کو شاہ صاحب یوزباشی کے خیمہ میں اُس سے ملنے کو گئے اور بہت اعزاز کے ساتھ قالین پر بٹھایا۔ چار رنگوئی۔ دسترخوان بچھوایا۔ جب شاہ صاحب اُس سے رخصت ہو کر اپنے خیمہ میں آئے تو تھوڑی سی دیر بعد یوزباشی اُن سے ملنے کو آیا۔ اُنھوں نے زرد رنگ کی ریشمیں کشمیری گچھڑی یوزباشی کی نندگی +

انٹارواہ میں ایک روز وزیر نے یوزباشی کے پاس ایک خط بھیجا اور اُس میں وہاں یعنی شاہ صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی اور لکھا کہ اُن کے لیے کسی بات کی دقت یا کوتاہی نہ ہو سی طرح ہر روز قاصد آتے جاتے رہے جو ہر مرتبہ عمدہ اور نیا خلعت پہن کر آتے تھے۔ شاہ صاحب اپنی لہری عزت اور توقیر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ حقیقت یہ تھی کہ والی ملک اپنے مہمان کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر اس قدر خوش ہوتا تھا کہ قاصدوں کو انعام اور خلعت دیتا تھا۔ جب کسی قدر آؤر یارقند کے قریب پہنچے تو ایک جماعت سواروں کی ملی جن کا سردار سپاہ پوشاک پہنے

ایک مشکلی گھوڑے پر سوار تھا۔ یوزباشی نے شا صاحب سے کہا کہ یہ سیگ یعنی حاکم سبجراپ کے استقبال کے واسطے آیا ہے۔ جب نزدیک پہنچے تو یوزباشی نے شا صاحب اور بیگ سے ملاقات کر لی۔ دونوں باہم گلے ملے اور نہایت تعظیم اور تواضع کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ بیگ کی سیاہ پوشی کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی بی بی نے وفات پائی تھی۔ اُن کے ماتم میں سیاہ پوش تھے۔

یارقند کے قریب سڑکوں اور پُرائے پلوں کی مرمت کرائی گئی تھی اور نہروں اور چھوٹی چھپٹی ندیوں پر نئے پل بنائے گئے تھے۔ شا صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ کو اس قدر قدرت و منزلت کی ہرگز امید نہ تھی۔ یارقند والوں نے میرے منشی دیوان بخش سے پوچھا تھا کہ جب کوئی معزز آتا ہے تو اُس کی آمد میں کیا اہتمام ہوا کرتا ہے منشی نے معمولی تیاریاں سڑکوں کی مرمت وغیرہ جو یہاں ہوا کرتی ہیں بیان کی تھیں۔ اس پر انہوں نے ایسی تیاریاں کہیں کہ پلوں کے پرانے شتیر بھی بدلوا دیئے تاکہ شا صاحب کے ساتھ جو سوار آویں تو اُن کے گھوڑوں کے ٹاپوں کے صدر سے وہ پورے شتیر ٹوٹ نہ جاویں۔ شا صاحب اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ سب طایاں جو اُن کے لیے ہوئیں اور اس قدر اُن کی قدرت و منزلت جو ہوتی تھی اُس کا اُن پر بار گذرتا تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ ہر سب سے اُس ضلع کا حاکم میرے استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب مقام کار غلی تہن میل کے فاصلہ پر رہا تو وہاں کا بیگ مجھ سے ملنے آیا اور نہایت خاطر داری سے ملا چند زخموں کے سایہ میں فرش بچھو کر دسترخوان بچھایا گیا اور اُس پر شوربا اور پکاؤ اور ٹہری ٹہری روٹیاں اور میوے چنے گئے۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعد کھانا کھانے کے لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی اُسی جگہ ایک بخارا کے حاجی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے ہندوستان عرب اور روم تک کا سفر کیا تھا۔ اُس سے فارسی میں بہت گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹہ تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ چارپیتا جاتا تھا اور سفر کا حال کہتا جاتا تھا۔

شا صاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ مقام نکلا کے ریگستان میں پہنچے تو یوزباشی نے داں کی ایک روایت اس طرح بیان کی کہ یہاں کا فر آباد تھے۔ ایک بزرگ سہمی شاہ جلال الدین صاحب نے اُن کے روبرو اسلام کا وعظ کیا۔ اُنہوں نے اس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ اُن کے مکان سونے کے ہو جاویں۔ شاہ جلال الدین نے کچھ دُعا پڑھی۔ اُن کے سب مکان سونے کے ہو گئے مگر وہ سب اپنے اقراب سے پھر گئے اور کہا کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ ہمیں مل گیا۔ اب ہم کہیں

مسلمان ہوں وہ بزرگ یسٹن کر چلے گئے۔ زمین سے ریت اُٹا اور کافروں کے تمام مکان وغیرہ اُس میں غرق ہو گئے۔ یہاں کے غزانوں کی بہت جستجو کی گئی۔ مگر کوئی ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس ریگستان میں پھرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے ♦

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میں اطمینان ہوتا تو اس سے کچھ زیادہ میری خاطر داری نہ ہوتی بلکہ میں اُن لوگوں کا دوست اور مہوطن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ مجھ پر مہربانی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک یوز یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ اے شاہ صاحب اگر آپ فرنگی نہوتے تو ہم اور آپ بھائی ہوتے اور یہ گستاہتے۔ یارقند سے تین میل دور سے دوسرا یوزباشی نہایت زرق برق پوشاک پہنے ہوئے تیس سواروں کے ساتھ مجھ سے ملنے کو آیا۔ میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سے اترے اور شرفی ملکوں کی رسم کے موافق گلے ملے۔ یوزباشی صاحب نے اس زور سے میرا گلہ دیا کہ میرا دم گھٹنے لگا اور خیر و عافیت مزاج کی پوچھی۔ پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوئے۔ دونوں یوزباشی میرے دونوں پہلوؤں میں چلتے تھے جب شہر کے اندر پہنچے تو ایک ایسے مکان میں جس کو قالین اور فرش بچھا کر خوب آراستہ کر رکھا تھا اور آگ روشن کر رکھی تھی مجھ کو اتارا اور یوزباشی نے کہا کہ یہ مکان آپ کا ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اُس کے بعد دسترخوان بچھا کھانے کے بعد شاہ خاں یعنی وزیر کا بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی خاطر داری کی نسبت ممنونی ظاہر کی۔ اُس نے جواب دیا کہ بادشاہ کے ہمان کی ہم کتنی ہی تعظیم اور توجہ کیوں نہ کریں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی۔ اُس کے واپس جانے پر تھوڑی دیر بعد میں شاہ خاں یعنی وزیر سے ملنے کو گیا۔ جب اس کے مکان پر پہنچا اور وزیر سے آنکھیں چار ہوئیں میں نے مجھ کو سلام کیا۔ وزیر وہاں سے اُٹھ کر روانہ ہو گیا اور مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور آتش خانہ کے قریب اپنے مقابلے میں مسند پر بٹھایا۔ نہایت خاطر کی۔ اور بہت سی باتیں پوچھیں۔ میرے آنے کی خوشی ظاہر کی۔ اور کہا کہ سلطان روم اور انگریزوں کے باہم جو محبت اور دوستی ہے اُسکو میں جانتا ہوں اور انگریزوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ آپ نے جو استقدر دُور و دراز سفر اختیار کیا اور ہمارے بادشاہ سے ملنے کے واسطے ایسی تکلیف گوارا کی یہ ایک عمدہ ثبوت اُس دوستی کا ہے۔ دوستی سے ہر ایک چیز ترقی پاتی ہے اور دشمنی سے ملک ویران ہو جاتے ہیں میں نے ان سب باتوں کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ میرا یہاں آنا دونوں ملکوں کے باہم دوستانہ برتاؤ اور آمد و رفت کا باعث ہو گا کیونکہ انگریزوں کا ترکوں کی نسبت نیک خیال ہے اور ایک اس تمام خاطر داری اور ہمان نوازی کا حال جو میری نسبت

ترکستان میں ہوئی ہے ہماری ملکہ سنیگی تو نہایت خوش ہوئی گی۔ اسی گفتگو میں دسترخوان بچھا اور چار میرے رو برو پیش کی گئی۔ اُس کے بعد میں نے اٹھنا چاہا مگر شاغوال نے میرے شانہ پر اتھار کھکھرچھ بٹھالیا اور اُن کے ایک ملازم نے ایک عمدہ ریشمین چھ میرے شانوں پر ڈال دیا تب میں رخصت ہوا۔ شاغوال بھی میرے ساتھ اٹھا اور مجھے دروازہ تک پہنچا گیا۔

میرے یار قند میں پہنچنے سے پہلے میرے واسطے میز اور کرسی طیار کر لی گئی تھی۔ کئی دن کے بعد میں پھر شاغوال کی ملاقات کے لئے گیا اور وہ اُسی طرح عزت اور خاطر سے پیش آیا۔ ایک ریشمین چھ عنایت کیا۔ اُس کے بعد پھر کئی مرتبہ چھ اور ٹوپیاں وغیرہ مجھ کو بھیجیں۔

یار قند میں کافروں کے لئے حکم ہے کہ کپڑی نہ باندھیں اور کمر میں ایک سیاہ ڈوڑھی باندھے رہا کریں مگر میرے ہندو نوکروں کو مسلمان پوشاک پہننے کی اجازت تھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے حال پر نہایت بُری مہربانی ہونے کے سبب سے تھی۔

ایک روز میرا منشی شاغوال کا ایک قہ لیکر آیا جس میں اس بات کی شکایت تھی کہ تمہارے نوکروں نے ہومیہ کے لئے کچھ جنس بازار میں فروخت کی ہم سے روپیہ کیوں نہ طلب کیا اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ بدخواہ لوگ کہیں گے کہ ایک مہمان انگریز کی مہمانداری کی نسبت مناسب توجہ نہیں ہوتی تب میں نے اپنے منشی کو اُن کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کچھ کپڑا میں نے نوکروں کے لئے خریدا تھا۔ اس پر وزیر نے کہا اگر یہ بات بادشاہ کے کان تک پہنچ جاوے تو مجھ پر حد سے زیادہ عتاب ہو۔

ایک روز رمضان کے دنوں میں میں وزیر کی ملاقات کو گیا اُس روز وزیر صاحب نے اپنے ہاتھ سے میرے لئے چار طیار کی ایک دن یوز باشی لے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں کوئی چیز ہرگز نہ خریدیں میں نے کہا کہ تھوڑی تھوڑی ہی چیزوں کے مانگنے میں مجھ کو شرم آتی ہے۔ یوز باشی نے کہا کہ جو چیز آپ کو دکار ہو خواہ وہ ہزار طلا کی ہو خواہ ایک پھول کی اُس کے مانگنے میں ہرگز شرم نہ کیجئے۔

شاغوال کو میں نے ایک ملاقات میں ایک بندوق رائفل اور ایک سربو الوما اور ایک ریشمین کپڑی اور کچھ کپڑا اور ایک نو بیس پونڈ چار نذر دی جس کو انھوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

جب ہالہ بٹرا دن قریب آیا تو میں نے اپنے نوکروں کو گوشت خریدنے کا حکم دیا مگر شاغوال کے ماں سے پیام آیا کہ آپ باندہ کے کچھ نہ خریدیں۔ سب چیزیں مہیا ہو جاوے گی۔ شہرے دن کو شاغوال نے ایک بڑا بھاری دسترخوان اصفہ ریشمین چھ اور ایک ٹوپی بھی بھیجی۔ وزیر نے میری تحریک کے لئے

کھانے بجانے والے بھی متین کیے تھے :

ایک روز اپنے دوستوں کی دعوت کی جس میں میرا منشی دیوان بخش اور یوزباشی اور
مہاندہ اور چار پنجاباشی شریک ہوئے۔ اُن لوگوں نے پہلی روٹی کا ٹکڑہ مک کے ساتھ کھا کر روزہ
کھولا پھر کھانا کھایا۔ کھانے میں کچھ انگریزی اور کچھ اُن کا کھانا تھا۔ یوزباشی کو اس بات کی بڑی
تشویش تھی کہ کون سی چیز کھائیں اور کون ہی نہ کھائیں کیونکہ سخت کشمیری اور ہندوستانیوں نے
جوشاہ یا رقند گلے ملازم تھے ترکوں سے ہماری شکایت کی تھی اور یہ کہدیا تھا کہ سوائے سور کے
گوشت کے یہ اور کچھ نہیں کھاتے ہیں کسی مسلمان کو اُن کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہیے اس لیے
یوزباشی نے میرے اور مہاندہ سے کہہ رکھا تھا کہ منشی پر نظر رکھیو جس چیز کو وہ لے اُس کو ہاتھ
نہ لگائیو۔ مجھ کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی بعد کو خبر ہوئی۔ پھر میرے منشی نے اُن کو سمجھا دیا کہ رزیل انگریز
کبھی کبھی سور کا گوشت کھاتے ہیں شاہ صاحب کو میں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا اس بات سے
سب خوش ہو گئے :

شاہ یا رقند کا شغریں تھے وہاں میرے آنے کی خبر بھی گئی اور جب تک مجھے وہاں آنے کی
اجازت نلی میں یا رقند میں نہ تھی۔ جس وقت اجازت آئی وزیر صاحب نے مجھ سے دریافت کر لیا کہ
بادشاہ کی نذر کے واسطے اگر کچھ چیزیں دے سکتے ہوں تو ہم پر پونجا دی جاویں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ
سب آپ کی نوازش ہے میں بادشاہ کے حضور میں بھی چیزیں نذر گزارنا چاہتا ہوں خواہ
میری اور میرے نمک کی ہیں اس پر بھی وزیر نے یوزباشی کی معرفت کچھ روپیہ اور چند خلعت
میرے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے اہلکاروں کو دینے کے لیے لیتے جائیے۔ اتفاق
سے میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا تو میں نے ایک شیشہ منگوایا تھا مگر وزیر صاحب نے بجائے
شیشہ کے اپنی گھڑی میرے پاس بھیج دی تھی۔ اب جو میں کا شغری کو جانے لگا تو وہ گھڑی میں نے
اُن کے پاس لے لی تھی۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ گھڑی مجھے پھر دیکھاؤ گے تو میں سخت
ناراض ہوں گا جو چیز میرے پاس سے جاتی ہے وہ پھر کر نہیں آیا کرتی اگر شاہ صاحب اس کو اپنے
لائق نہ سمجھیں تو نقد کسی کو دیدیں۔ آخر کار یا رقند سے کا شغری طرف روانہ ہونے کا سامان درست
ہو گیا اور شیشہ کے وقت نہایت عمدہ خوبصورت گھڑا دو خواہ یعنی وزیر کے صطبل سے میری گھڑی
کے پیچھے آیا اور میرے سب کچھ اور اسباب کی واسطے بھی گھوڑے لے اور وہاں سے روانہ ہوئے۔
محمد احمق جان برادر وادخواہ شہر کے دروازہ تک مجھے رخصت کرنے کو میرے ساتھ آیا کا شغری

پہنچنے کے بعد میں نے اُن سب چیزوں کی دستی کی جو بادشاہ کی نذر کے لیے پیش لیگیا تھا اور اُن کو کشتیوں پر رکھا۔ قریب اوجھ مچھکے بہت سے اہلکار مجھے بلانے آئے اور میں اُن کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کے لیے چلا۔ میرے ہمراہ دو یوزباشی اور محرم باشی وغیرہ تھے اور تیس یا چار آدمی نذر کی چیزیں لیے ہوئے تھے۔ میں جس مکان میں فروکش تھا اُس کے دروازہ سے بادشاہی محل کے دروازہ تک ایک چوتھائی میل کا فاصلہ ٹرک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے مختلف رنگوں کی پوشاک کے باعث سے زندہ تصویروں کی مانند معلوم ہوتے تھے دروازہ کے اندر پہونچ کر کئی بڑی بڑی ڈیوڑھیوں میں سے گندا سہرلیک ڈیوڑھی پر عمدہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے پرہ کے سیاہی موش بیٹھے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اُس عادت کے جزو ہیں اُنکے سوا اور لوگ قطار کی قطار ریشمین لباس پہنے بیٹھے تھے۔ اُن میں جو لوگ کچھ اعلیٰ درجہ کے تھے اُن کی پوشاک اُوروں سے زیادہ عمدہ تھی۔ پہلے پہل میں نے کالک قوم کے سپاہی دیکھے جنکے پاس تیر و کمان و ترکش تھا۔ اندر کے محن میں چند چیدہ مصاحب نظر آئے۔ یہاں سوائے ایک یوزباشی کے جو کُل میرے پاس گیا تھا اور کوئی میرے ہمراہ نہ رہا میں ایک ٹالان میں سے گزر کر ایک دروازہ میں گیا پھر ایک کوٹھڑی میں سے ہو کر دبا کے کمرہ میں پہونچا۔ اس کمرہ میں دیکھ کے قریب ایک شخص کو تنہا بیٹھا پایا۔ میں نے قیاس سے جانا کہ یہی بادشاہ ہے۔ تب میں اکیلا آگے بڑھا اور جب قریب پہونچا تو بادشاہ اپنی مسند سے گھٹنوں تک اٹھے اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھائے میں نے ترکوں کے دستور کے موافق مصافحہ کیا اور اُن کی اجازت سے اُن کے روبرو بیٹھ گیا۔ پھر حسبِ عہد مزاج پُرسی کے لیے اٹھا مگر بادشاہ نے اٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور زیادہ تر اپنے قریب کر لیا۔ پھر میری مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ اُمید ہے کہ سفرِ آرام ہو سو گا اسکے جواب میں میں نے حذر کیا کہ میں فارسی زبان بہ خوبی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے ہنس کر فرمایا کہ بہ خوبی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ خاموشی رہی۔ میں منتظر تھا کہ بادشاہ کچھ فرما دیں اور بادشاہ منتظر تھے کہ یہ کچھ کہے۔ آخر کا بادشاہ نے انگریزوں کی طرح موسم کی گفتگو شروع کی۔ میں نے اُس کا مناسب جواب دیا اور یہ کہنا کہ میرے ہموطنوں کو اس بات کے سننے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے دوست سلطان روم ہمدان کی رعایا کے بھائیوں نے اہل چین کو نکال کر جن کے ساتھ ہماری تین لڑائیاں ہو چکی ہیں ترکستان میں ایک نئی سلطنت قائم کی ہے اور اپنی نسبت میں نے یہ کہا کہ مجھے لاٹ صاحب نے نہیں بھیجا ہے اور نہ کوئی خط دیا ہے میں صرف آپ کے نام کی شہرت

سُکرا اپنی خوشی سے آیا ہوں۔ بادشاہ میری باتیں سن کر سر ہلاتے جاتے تھے۔ پھر فرمانے لگے کہ جیہ میں نے یہ خبر سنی کہ شاہ صاحب دوستی کی نظر سے میری سلطنت میں آتے ہیں مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ لاٹ صاحب تو بہت بڑے شخص ہیں میں اُن کے مقابلہ میں حقیر اور ناچیز ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ لاٹ صاحب تو بڑے ہیں مگر ہماری ملکہ جو اُن کی آقا ہیں اُن سے بھی بہت بڑی ہیں۔ اِس پر بادشاہ میری طرف دیکھنے لگے تب میں نے کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ اِن دونوں قوموں کے باہم دوستی اور محبت مستحکم ہو جاوے گی اور دوستوں کے درمیان بڑائی چھٹائی کی کچھ بحث نہیں ہوتی پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ انگلستان کی چند بند و قیں بطور نمونہ حضور کی نذر کیواسطے لایا ہوں اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائی جاویں۔ بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ ہم تم تو دوست ہیں ہمارے تمہارے بھی پس نذر نذر ان کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا خیریت سے پہونچنا ہی بڑی خوشی کی بات ہے اسی کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو جو ڈکڑیڑھی کر کے اظہار دوستی کیا اور میرے نصحت ہونے کے وقت بادشاہ نے فرمایا کہ چند روز آرام کر کے سنبھالو کہ وہ دیکھو اس جگہ کو اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اپنا سمجھو۔ اِن باتیں سیرے روز پھر ہم سے اور آپ سے ملاقات اُن بات چیت ہوگی۔ پھر خد متکار کو اشارہ کیا اُس نے ایک ساٹن کا پتھر میرے شانہ پر ڈالا اس کے بعد نہایت مہربانی سے بادشاہ نے مجھ کو رخصت کیا۔

پچیسویں جنوری کی شام کو مجھ سے یوزباشی سے ملاقات ہوئی۔ یہیں کا شہر میں محرم بھی ہوا۔ یہاں کے لوگوں نے حضرت سکندر یعنی سکندر اعظم کی نسبت عجیب واقعات بیان کیے یعنی اُن کی دارالسلطنت سمرقند میں تھی اور اُنہوں نے ملک چین پر اس غرض سے کہ وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف پھیریں فوج کشی کی۔ راہ میں ایک مقام پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ شہر شخص اس جگہ ایک ایک پتھر رکھ دے۔ وہاں ایک بڑا دھیر پتھروں کا ہو گیا۔ جب چین میں پہونچے تو شاہ چین نے اُن کی اطاعت قبول کی اور بغیر مقابلہ خراج گزار ہو گیا۔ سکندر کے سپاہیوں نے اُس ملک کی عورتوں سے شادی کی اور حضرت سکندر نے اس ہم کے مطلب کو پورا کر کے اللہ اکبر کہا اور وہاں سے کوچ کیا۔ جب پتھروں کے اُس انبار کے پاس آئے جو سپاہیوں سے جاتے وقت جمع کرایا تھا تب حکم دیا کہ شہر شخص ایک ایک پتھر اٹھالے۔ سب نے ایک ایک پتھر اٹھالیا لیکن ہزار پتھروں پر باقی رہ گئے اُن پتھروں کے شمار کرنے سے تعداد اُن سپاہیوں کی معلوم ہوئی جو چین میں اپنی چینی سپاہیوں کے ساتھ رہ گئے۔ اُن لوگوں سے دو قومیں پیدا ہوئیں ایک ٹینگانی جو مسلمان ہیں (ٹینگانی ترک)

ہے اس کے معنی ہیں رہ جانا) دوسری کالک جو اب بھی ہیں کے راستے کے قریب ملکوں میں
بستی ہیں بٹیں خیال کرتا ہوں کہ حقیقت میں یہ داستان تاتار کے فحیابوں میں سے کسی کی ہے
لیکن عام غلطی سے سکندر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ شمالی تاتار میں ایک میدان ہے جو منشا
کے نام سے مشہور ہے اور اُس میں اب بھی ایک بہت بڑا انبار پتھروں کا موجود ہے اور اُسکی نسبت
یہی یا اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ ٹینگانیوں کی روایت سے بھی بیان مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے
وہ لوگ کہتے ہیں کہ تیمور لنگ کے کچھ سپاہی اُس ملک میں رہ گئے اور ہم اُنہیں کی اولاد ہیں لیکن
تیمور لنگ کبھی اُس ملک میں نہیں گیا (جب مشرقی ترکستان کا تذکرہ چلا تو لوگوں نے بیان کیا کہ
چار ہزار اسی برس اب سے پیشتر اس ملک کے باشندے کافر یعنی بُت پرست تھے حضرت سلطان
نامی ایک بادشاہ پیدا ہوا اور اُس نے سب کو مسلمان کیا۔ میرے منشی نے اُن لوگوں سے پوچھا
کہ اُسکو کس نے مسلمان کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ خود مسلمان ہوا۔ منشی نے کہا نہ میں نہیں
کوئی استاد اُس کا ہوگا۔ میں نے منشی سے کہا چُپ رہو۔ یہ لوگ جس طرح پر کہتے ہیں کہنے دو جب
تم نے ان لوگوں سے یہ سنا کہ تین ہزار برس تمہارے پیغمبر صاحب سے پیشتر مسلمان بادشاہ حکومت
کرتے تھے تو ان سے تاریخ و واقعات کی صحت کی کیا اُمید ہے۔ اسپر یوز باشی اور اُس کے محرم
نے اپنی یادداشت کا مقابلہ کیا اور دیکھا تو منشی کی بات صحیح تھی۔ اور پھر بیان کیا کہ حضرت سلطان
کافر بادشاہ تھا اُسکو عبدالنصر سامانی بخدا کے ایک مولوی صاحب نے مسلمان کیا ہے۔ جب
سلطان بچہ تھا اُس وقت میں اُس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگا۔ اس پر اُس کا
ارادہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ہوا لیکن حبیبی بی بی سے مشورہ کیا تو اُس نے کہا کہ ابھی قتل
مست کرو پہلے اس کا امتحان کر لو یعنی بُت کدہ میں لجاؤ۔ اگر وہ ہمارے طریق پرستش کو قبول کرے
تو زندہ رہنے دو ورنہ قتل کر ڈالو۔ آخر لڑکے یعنی سلطان کو بُت کے سامنے لے گئے وہ اُس کی
پرستش میں شریک ہوا اس لئے اُسکو قتل نہیں کیا گیا۔ لیکن جب مسلمان اُستاد کی تعلیم اُس کو خفیہ
ہوئی تو وہ اپنے دل میں بہت متروہ ہوا اور جب اُس کے باپ نے ایک مندر بنانے کا اُسکو
حکم دیا تو وہ اُس بھی زیادہ متروہ ہوا۔ اُس نے اپنے اُستاد سے مشورہ کیا۔ درویش نے کہا کہ اپنے
باپ کی اطاعت کرو مگر دل میں سمجھو کہ مسجد بنوا رہے ہیں۔ جبکہ تمہارا مقصد نیک ہوگا تو صرف
بتخانہ کے نام سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب وہ مندر بنوا چکا تو ایک اڈر بھی بڑی مشکل پیش آئی
یعنی اُس کے باپ نے اُسی مندر میں ایک بُت نصب کیا اور اُس کی پرستش کا اُس کو حکم دیا

اُس درویش نے مثلِ شیر کے پھر اُس نوجوان مسلمان کو سمجھا دیا کہ کاغذ کے دوپروں پر اللہ کا نام لکھ کر اپنے ہاتھوں کی گٹھائیوں میں کھوجب بُت کے سامنے ہاتھوں پر سر رکھ کر سجدہ کرو گے تو وہ خدا کی عبادت ہوگی نہ اُس بُت کی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور ان تدبیروں سے اُس کا نیا عقیدہ بھی درست رہا اور اُس کے والدین کے دل میں بھی کسی طرح شک نہ آیا اسی عرصہ میں چالیس لاکھ امیروں اور سرداروں کے اُس نے اپنے ساتھی کر لیے اور ان کے ساتھ تیر اندازی اور فنونِ سپہ گری کی مشق کی جب یہ سب سیکھ سکھائے آدمی اُس کے قابو اور اختیار میں ہو گئے تو وہ دفعتاً اپنے باپ کے روبرو آیا اور اُس کو حکم دیا کہ مسلمان ہو۔ بادشاہ نے انکار کیا تب اُس کے ساتھیوں نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اُس کا مونہ آسمان کی طرف کیے ہوئے پکڑے رہے اس پر بھی وہ انکار کرتا رہا۔ پھر اُس کو زمین پر کھڑا کیا۔ اُس کے پاؤں تلے زمین پھٹنے لگی اور وہ فتر رفتہ جھٹنے لگا تب بھی اُس کے بیٹے نے دینِ اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی مگر اُس نے انکار ہی کیا یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں غائب ہو گیا اور اس کا بیٹا یعنی سلطان بادشاہ ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مقامِ ارٹاش میں یہ جگہ اب بھی نمک کے غار کی مانند نظر آتی ہے۔ ارٹاش کا شہر سے بیس میل شمال کی طرف واقع ہے اس نمک کا وہی مشیر دار الخلافت تھا۔

پہلی فروری کو یوزباشی اور محرم باشی نے دوپہر کے وقت میرے ساتھ پلاؤ کھایا اُس کے بعد میرے ملازم سہمی کبیر نے نماز پڑھی اس لیے لوگوں نے اُس کو ملامت کی اور محرم باشی نے کہا کہ جو کوئی شخص سبقت کی نماز قضا کرے تو چوری اور جھوٹ اور قتل سے اس کا کچھ بچ نہیں ہوتا کبیر نے نماز قضا کرنے پر عدمِ فرصتی کا عذر کیا لیکن محرم باشی کے اس مثل پر کہ نماز سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بحث کی۔ دونوں میرے منشی کے پاس گئے۔ منشی نے محرم باشی کے دعویٰ کے برخلاف تصفیہ کیا اور وہ مسئلہ اسلام کا بیان کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے تمام گناہ مثل شراب خواری، تقاربِ بلی وغیرہ اس شخص کے معاف ہوں گے جو برابر بلا ناغہ نماز پڑھتا رہے گا اور مکہ شریف کے حج کو جاوے گا لیکن انسان کے مقابلہ کے گناہ مثلاً چوری، زبردستی، بی رحمی وغیرہ حج کرنے سے بھی معاف نہ ہونگے جب تک گنہگار حتیٰ الوسع اُس کا عارضہ دیکر مظلوم سے معافی نہ حاصل کر لے پس صرف نماز سے ایسے گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ اُسی منشی نے متوجہ ہو کر مجھ سے کہا کہ ترکِ لوگ غیر مذہب والوں سے نہایت آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں میں نے کہا ہاں یہ لوگ دنیا کے اور سب لوگوں کی مانند ہیں منشی ہنس اٹھا مجھ سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے

میں نے جواب دیا کہ تم ہندوستان کے لوگ اپنے ملک کے پہاڑوں کے اندر بند رہتے ہو اور باقی دنیا کے انسانوں کی نسبت تمہارے خیالات بالکل مختلف ہو رہے ہیں صرف تم ہی لوگ خواہ ہندو خواہ مسلمان اور لوگوں کے ساتھ کھانے پینے میں تعصب رکھتے ہو۔ سوائے ہندوستان کے آؤ کہیں یہ بات پائی نہیں جاتی اور ہندوستان میں جب انگریز تم سے یہ بات کہتے ہیں تو تم اعتبار نہیں کرتے۔ مگر دیکھو ہندوستان سے نکل کر پہلے ہی قدم پر ایک سخت مسلمانی ملک میں خود تمہیں کو ایسے تعصبات کے نہو نے تعجب ہوتا ہے۔ یہی حال تمام دنیا کا ہے۔ منشی نے اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ میں بھی ہندوستان میں جا کر اپنی رائے تبدیل کروں گا :

کاشغر میں پانچویں اپریل کو بادشاہ سے دوسری ملاقات ہوئی جس کا میں مدت سے منتظر تھا یعنی سپر کے وقت سرکار نے آکر کہا کہ یا تو کوئی بڑا سردار تم سے باتیں کرنے کے لیے آویگا یا تم ہی بادشاہ کی ملاقات کے لیے بلائے جاؤ گے۔ میں نے جواب دیا کہ جو کچھ اتالیق غازی کا حکم ہو اس پر میں راضی ہوں۔ بعد چند منٹ کے پھر سرکار نے آکر کہا کہ طیارہ اور آمادہ رہو شام کو بلائے جاؤ گے اس کے جانے کے بعد دو بندوقین میں نے صاف اور درست کپیں آٹھ بجے شام کو میری طلبی ہوئی چنانچہ مجھ کو لوگ محل کے سامنے سے بڑے پھاٹک میں لے گئے وہاں تو پیس لکھی ہوئی تھیں پھاٹک کھول کر ہم لوگ چوک میں پہنچے جہاں چین کی لالٹینیں روشن تھیں اس کے مقابلہ میں دیوان خانہ تھا جس میں نہایت عمدہ روشنی ہو رہی تھی۔ میرا رہنا مجھ کو دیوان خانہ کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر چلا گیا میں کیا کہہ سے اندر گیا۔ اتالیق غازی ایک گوشہ میں بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر ماتھے پر ہاتھ دیا اور یہ کہہ کر کہ آرام سے بیٹھو اپنے روبرو بٹھایا۔ بعد مزاج پرسی کے ایک ہندوستانی مجدد ارترخان بنایا گیا تمام گفتگو لفظ بلفظ تو میں نہیں بیان کر سکتا کیونکہ گھنٹہ بھر سے زیادہ میں بیٹھا رہا اور گفتگو ہوتی رہی تھی۔ خلاصہ یہ کہ گفتگو کا یہ ہے :- بادشاہ نے فرمایا کہ اس ملک میں آپ کے آسنے سے میں اپنی بڑی عزت سمجھتا ہوں اور میں انگریزوں کے مقابلہ میں طاقت اور تربیت بہت کم ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ نے ادا انگریزوں کے باہم ایسی ہی دوستی ہو جانے کی مجھے امید ہے جیسی کہ سلطان روم اور انگریزوں کے درمیان میں ہے اور دوستوں کے درمیان میں کمی بیشی کا کوئی خیال نہیں کیا کرتا۔ بادشاہ نے کہا خدا ایسا ہی کرے اور مجھ کو بھائی کہہ کر فرمایا کہ میری رعایا سب تمہاری غلام ہے جب قرب و جوار کی قومیں تمہارے یہاں آنے کا حال سنیں گی تو میری اور بھی عزت بڑھ جائیگی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے کو ملکہ نے بھیجا ہے نہ لاٹ صاحب نے میں آپ کی نامور مجلس

خود آیا ہوں۔ مجھ سے آپ کو صرف اس قدر فائدہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کا حال بتا دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور بہت سے اور بھی قلمی کلر کئے اور فرمایا کہ میں نے اس سے پیشتر کبھی کسی انگریز کو نہیں دیکھا تھا گو ان کی طاقت اور چال کا حال سُنتا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں سے سوائے بھلائی کے کوئی مضر بات ظہور میں نہ آوے گی میں تمکو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ جو کچھ تم صلاح دو۔ وہ میں کروں۔ میرا ارادہ تمہارے ملک میں ایلچی بھیجنے کا ہے۔ تمہاری کیا صلاح ہے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کا ارادہ نہایت عمدہ ہے اور ایلچی بھیجنا بہت مناسب ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ میں ایلچی بھیجوں گا اور اُس کے ساتھ ایک خط اُس رخت سے بھیجوں گا کہ وہ اُسکو ملکہ کی خدمت میں روانہ کر دیں میں نے عرض کیا کہ یہ بہت بہتر تدبیر ہے بادشاہ نے پوچھا کہ کب بھیجنا چاہیے۔ میں نے کہا جب آپ کی مرضی ہو۔ میرے ساتھ خواہ مجھ سے پہلے یا میرے بعد روانہ فرمائیے مگر میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہو جلد کیجئے۔ تب بادشاہ نے فرمایا کہ میرا ایلچی بے شک تمہارے ساتھ جاوے گا اب میں یہاں پر تین دن اور ٹھہراؤں گا پھر یا رقتہ کو چلنا پڑے گا اور ایلچی کو میں یا تو یا رقتہ میں یا یا نگ حصار میں تمہارے سپرد کروں گا۔ میں نے کہا بہت اچھا اگر ارشاد ہو تو جو کچھ باتیں اُس سے پوچھی جاویں گی وہ سب میں اُسکو بتا دوں گا اور پھر وہ ایلچی ان سب امور کی نسبت حضور کی اجادت حاصل کر لیا کہ وہ جب وہ ہمارے حاکموں کے روبرو جاوے تو گفتگو کرنے میں شاید اُس کو دقت پیش آوے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہاں سب باتیں اُسکو بتا دیجیو اور کل شام کو اور پھر یا نگ حصار میں ہم سے تم سے گفتگو ہوگی اور کہا کہ ملکہ انگلستان مثل آفتاب کے ہیں جس پر ان کی شعلہ پڑتی ہے اُسکو گرمی پہنچتی ہے میں سردی میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان کی کچھ شاعیں مجھ پر بھی پڑیں میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں چند برسوں میں خداوند کریم نے اتنا بڑا ملک عطا کر دیا ہے تم آئے میری بڑی عزت ہوئی مجھ کو اُمید ہے کہ تم اپنے ملک میں میری اعانت کرو گے جو کچھ مجھ سے تمہاری خدمت ہونی ممکن ہو اُس کے لئے ارشاد کرو اور اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آنا اب کو واپس جا کر میرا کیا حال بیان کرو گے۔ میں نے کہا میں کہوں گا کہ جو کچھ آپ کی شہرت ہندوستان تک پہنچی ہے وہ اصل حقیقت سے نصف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ ہنسے اور مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے آدمی ترکستان میں تجارت کے لئے بھیجا کرو ملکہ اپنا ایلچی یہاں بھیجیں یا نہ بھیجیں مگر خاص تمہارے آدمی آیا جا یا کریں۔ پھر پوچھا کہ سال بھر میں ایک آدمی بھیجے گئے ہیں نے عرض کیا کہ اگر حضور کی

اجازت ہے تو ضرور بھیجوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا سب قسم کی سوداگری کی چیزیں بھیجا اور ہمارے نام خط لکھنا اور جو کچھ تمہیں درکار ہو تمہیں طلب کرنا۔ تمہارے بخیریت پہنچنے کا خط ہمارے واسطے ایک نعمت ہو گا۔ میں نے جواب دیا کہ بے شک اس ذریعہ سے آپ کی خیر دعائیت کا حاصل مجھے معلوم ہوتا رہیگا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوگی میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کی سلطنت صد با برس قائم رہے۔ الحاح اسی قسم کی گفتگو کے بعد میں نے چارپائی اور مجھ کو خلعت مرحمت ہوا جس کے بعد کچھ تھوڑی سی دیر ٹھیکر میں رخصت ہوا۔ ایک ٹھنڈا مہزادہ مجھ کو صدر دروازہ تک پہنچا گیا سب لوگوں نے مجھ کو مبارکباد دی ۛ

چھٹی اپریل کو بادشاہ کے ہاں سے روپیہ اشرفیاں اور کچھ سونے کے یزنے کاغذ میں لپٹے ہوئے سرکار لایا اور کہا کہ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لیے ہیں۔ وہ سب مالیت تحفہ چھ سو نوے پونڈ یعنی چھ ہزار نو سو روپیہ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص بھڑایا اور پینتالیس پونڈ یعنی چار سو پچاس روپیہ منشی کے لیے لایا۔ اور پھر ایک زر دوزی سرخ ساٹن کا چھڑا اور ایک اونچی محل کی ٹوپی میرے لیے اور کچھ کپڑے منشی اور میرے ملازموں کے لیے آئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک گھوڑا نہایت عمدہ اسباب سے سجا ہوا آیا اور اس کی باگ میرے ماتھے میں سی گئی اور دعائیں پڑھی گئیں شام کو میں پھر بادشاہ کی ملازمت کے لیے گیا۔ معمولی گفتگو کے بعد بادشاہ نے پھر یہی کہا کہ مقابلہ ملک کے جو ہفت اقلیم کی حکماں میں میری کچھ حقیقت نہیں۔ اس کے بعد انگلستان کے ساتھ دوستی کا تذکرہ کیا خصوصاً میری دوستی کا بادشاہ نے فرمایا کہ جب میں تمہارا موغہ دیکھتا ہوں میرے دل میں ایک نیک تنگوں کا خیال پیدا ہوتا ہے میں نے عرض کیا کہ آپ کی بے انتہا نوازش ہے میں اس کا مستحق نہیں ہوں اور مجھ پر کیا منحصر ہے آپ میری تمام قوم اور ملک پر بھی ایسی ہی مسرت فرماتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بادشاہ نے سمجھا کہ جو چیزیں صبح کے وقت مجھے عطا فرمائی تھیں ان کی نسبت گویا میں نے یہ کہا کہ وہ میری قوم اور ملک کو واسطے ہیں چنانچہ فرماتے لگے کہ نہیں نہیں وہ سب چیزیں خاص تمہارے لیے ہیں تمہاری ملک کے لیے مناسب تحفہ میں تمہارا کروں گا میں تمہارے ملک کے دستور سے ناواقف ہوں مگر تمہارے دوست ہو ہوں تو بتاؤ گے کہ ملک کے لیے کیا چیزیں بھیجنی مناسب ہوں گی۔ ملک کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے میں بے حقیقت ہوں میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا تم میرے ملک کے حال سے واقف ہو یہاں اونی کپڑا اور سی قم کی آنڈ چیزوں کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا پس تم کو چاہیے کہ تم مجھ کو صلاح دو۔ میں نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے لیے

دوستی اور اتحاد ایک بہت بیش بہا تحفہ ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں لیکن اگر میری صحت کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر تمہیں پر چھوڑتا ہوں جب یا نگ حصار میں ملاقات ہوگی تب اس کا انتظام کریں گے۔ یہاں کام کی کثرت ہے روس اور قوقان اور بخارا وغیرہ سب طرف سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن یا نگ حصار میں سب کام چھوڑ کر تم سے مشورہ کروں گا۔ جو کچھ تم صلاح بتاؤ گے وہ کروں گا خواہ خط لکھیں گے یا لہجی بھیجیں گے یا آؤ جو کچھ تم کہو گے سو کریں گے۔ میں نے کہا کہ ایلچی بھیجنے کی رائے بہت عمدہ ہے اس کی تعمیل میں جو کچھ تائید مجھ سے ممکن ہے اُس کے لیے میں حاضر ہوں۔ پھر بادشاہ نے انگلیوں پر شمار کر کے فرمایا کہ کل چار شنبہ ہے پرسوں پنج شنبہ اور اترسوں جمعہ کو میں اپنے لڑکے کو یہاں چھوڑ کر یا نگ حصار کو روانہ ہوں گا دو دن تم یہاں ٹھہرو میرا ملک اور میری سب رعایا تمہاری ہے اور مجھ کے روز یا نگ حصار میں مجھ سے ملو۔ مجھ کو اُس جگہ سے نہایت اُسن ہے کیونکہ اس ملک میں میں نے پہلے پہل اسی شہر کو فتح کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ جمعہ کی نماز وہیں جا کر ادا کروں۔ اُس کے بعد سب بندوبست ہوگا اور میں دوبارہ تین عیلمند رئیس بھی تمہارے ساتھ کر دوں گا وہ لوگ تم کو ہاتھوں ہاتھ آرام سے میرے ملک میں سے لیجا دیں گے اور تمہارے ملک میں تمہارے ہمراہ جاویں گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ میں نہایت محبوب اور شرمندہ ہوں کہ اس سے پیشتر اس ملک میں ایک انگریز آیا تھا اُسکو ولی خاں ڈاکو نے مار ڈالا میں نے جواب دیا کہ ہلوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ کا اُس میں ایسا نہ تھا اور نہ ہم آپ پر اُس کا الزام لگاتے ہیں وہ مسافر انگریز نہ تھا جرمنی تھا مگر پھر بھی ہلوگوں کو اُس کے مارے جانے کا بڑا رنج ہے کیونکہ وہ ہندوستان میں ہمارا مہمان تھا اور وہیں سے ترکستان میں آیا تھا۔ پھر بادشاہ نے چھ انگلیاں اٹھا کر فرمایا کہ اتنے برس سے میرا اختیار اس ملک پر ہے اس سے پیشتر میں کچھ بھی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو بادشاہ باستان سورانی بادشاہت حاصل کرتے ہیں اُس میں اُن کی کچھ لیاقت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ مثل تیبور اور سکندر کے اپنی قوت بازو سے بڑی بڑی سلطنتیں حاصل کرتے ہیں وہی قابل تعریف ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا خدا تمہارا قول سچا کرے اور یہ بھی کہا کہ ایک اور انگریز یار قند میں آیا تھا تم اُسکو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ایک انگریز مجھ کو تبت میں ملا تھا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو اپنے ساتھ لیچلو مگر میں نے انکار کیا کیونکہ میں نے صرف اپنے لیے حضور سے دعا کی تھی۔ بادشاہ نے کہا خیر لیکن جو کوئی انگریز یہاں آوے میں اُس سے خوش ہوں اس کے بعد میں

رخصت ہوا نیچے اور تین بھاری بھاری چوہا بادشاہ نے عطا فرمائے تھے پہنے ہوئے تھا اس گرمی کے مارے میں گھبرا گیا تھا۔

میں نے چاہا کہ اُس سرکار کو جو بادشاہ کے حضور میں سے میرے لیے نقد و جنس لایا تھا کچھ دوس مگر اُس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں ہمان سے ذرا سی بھی کوئی چیز لے لوں تو بادشاہ میری گردن مارے گا۔ اپریل کی بارہویں تاریخ صبح کو بادشاہ سے رخصت ہونے کو گیا۔ ملازمان شاہی مجھ کو قلعہ میں لے گئے جس کے اندر جا کر ایک صحن کی حد پر بادشاہ کو بیٹھے پایا حسب معمول میں رو برو بٹھایا گیا اور تہ جہان طلب ہوا۔ باہم مزاج پُرسی کے بعد لمبی گفتگو ہوئی جس کا پورا پورا لکھنا ممکن نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ نے فرمایا ایک معزز ستہ کو میں بطور ایچی تمھارے ساتھ روانہ کرنا چاہتا ہوں جب اپری کاٹ میوہ کی فصل آوے تب تم روانہ ہو کیونکہ اُسی وقت راہ کھلی رہتی ہے اور یار قند اور شہید اللہ و کشمیر اور تبت سے اپنی خبر بھیجو پھر فرمایا کہ ہمارا جہ کشمیر کے نام بھی کوئی خط لکھو یا نہیں اس میں تمھاری کیا صلاح ہے۔ یہ کہہ کر میرے مونہ کی طرف دیکھنے لگے مینے چاہا کہ اس کا کچھ جواب نہ دوں لیکن جب بادشاہ نے مکر پوچھا تو میں نے کہا کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو باجگزار رئیسوں سے خط کتابت کرنا مناسب نہیں۔ بادشاہ نے کہا میں ہی جاننا چاہتا تھا میں تمھارے ساتھ ایک شخص ایسا بھیجوں گا جو بالکل تمھارے حکم کے تابع رہے اُس کو تم کشمیر سے جب جی چاہے واپس کر دیجو۔ پھر پوچھا کہ کشمیر میں کوئی ایسا تاجر مقرر کر دوں جو وہاں کے حالات لکھتا رہے میں نے کہا بیشک رکھنا چاہیے اور اُسید ہے کہ آپ لاہور میں اپنا ایک وکیل رکھنے کا بہت جلد اہتمام فرمائیے۔ یہ سب باتیں میں نے بہت رُک رُک کر کہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ایسے امور میں صلاح دینا میرا کام نہیں ہے آپ اپنی تجویز سے کام کیجئے مگر بادشاہ سب باتوں میں دوستی کا حوالہ کر کے کہتے تھے کہ تم ہندوستان کے حال سے واقف ہو اور جبکہ تم سا دوست ایسی باتوں میں بھی صلح مندے جن سے وہ واقف ہے تو اُس سے اور کیا ہونا ہے۔ پھر ملکہ کی عظمت اور بزرگی کا تذکرہ ہوا اور بادشاہ نے کہا کہ ملکہ شل آفتاب کے ہیں جس کی کرنوں سے ہر چیز کو گرمی پہنچتی ہے ایسے بڑے بادشاہ کی دوستی کے لائق تو میں نہیں ہوں مگر یہ اُسید رکھتا ہوں کہ مجھ کو بھی اُن کی شاموں کی دھوپ کھانے کی اجازت ملے اور یہ بات میں اس لیے چاہتا ہوں کہ میرے چاروں طرف دشمن ہیں۔ اس کے بعد پھر میری دوستی کا ذکر ہوا اُس پر میں نے عرض کیا کہ میرا دل آپ کے دل کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپ نے جو کچھ لطافت اور نوازش میرے حال پر فرمائی ہے اس کا مال

میں اپنے ملک کے لوگوں سے کہوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کئی منشی کو یا کسی اور ملازم کو میرے پاس بھیجا کیجیو اور اپنی خیر و عافیت کا حال لکھتے رہو میں بھی اپنا حال تمکو لکھوں گا اور اس ملک کی جو چیز مطلوب ہو وہ طلب کیجیو یہ سب تمہارا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس گفتگو میں بہ نسبت پیشتر کے بادشاہ کی طرف سے مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا بات چیت ہنس منہس کر نہایت آسان فارسی میں کرتے تھے اور ہر جگہ پر جھک کر یہ کہتے۔ شاہ صاحب سمجھے آخر کار چار کے بعد مجھ کو خلعت مرحمت ہوا اور میں رخصت ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا خدا حافظ اور پھر ہاتھ اٹھا کر عربی میں میری خیر و عافیت کے لیے دُعا پڑھی اور چہرہ پر سے ڈاڑھی تک ہاتھ پھیر کر کہا اللہ اکبر ۛ

یارقند کو واپس آتے ہوئے پندرہویں اپریل کو ہم ایک گائون میں ناشتہ کے لیے اترے وہاں ایک عجیب و غریب پیش آیا یعنی میں یوزباشی اور پنجا باشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور چوارو نام میرا ملازم میرے لیے کوئی چیز لایا۔ یوزباشی میرے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا تھا۔ اُس نے پنجا باشی سے ہنس کر کہا کہ دیکھو یہ ایک ہندو ہے ہندو کسی دوسری قوم کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ پنجا باشی کی طبیعت ذرا آزاد کم تھی۔ اُس نے حقارت کے ساتھ چوارو کی طرف دیکھ کر ترشی سے کہا کہ تو ہندو ہے۔ چوارو نے یا تو جلدی میں یا یوزباشی کی مہربانی کے خیال سے ہنس کر جواب دیا۔ نہیں میں مسلمان ہوں۔ اُس پر دونوں شخص اُچھل پڑے اور بولے کہ دیکھو اُس نے اپنے منہ سے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ہم دونوں آدمی اس بات کے گواہ ہیں۔ میں چپ رہا۔ پھر ہنس کر جواب دیا کہ میں نے بھی سنا لیکن خیر اب اس بات کو جانے دیجئے آئیے کھانا کھائیے کھانا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ لوگ تعجب ہو کر بیٹھ گئے مگر وہی تذکرہ کرتے رہے میں نے دو ایک باتیں منہسی کی کہ کمر اُس بات کو ٹالا لیکن زیرک میں بھی مشوش ہو گیا کیونکہ وسط ایشیا کے معتقبت مسلمانوں کی سختی کے حال سے میں واقف تھا یہ مسلمان کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اتفاق سے بھی ایک مرتبہ یہ کہدے کہ میں مسلمان ہوں یا صرف یا اللہ کے تو ہم اُسکو پھر قہر پرستی نہیں کرنے دیتے یا وہ اسلام اختیار کرے یا موت۔ یوزباشی نے پھر مجھ سے کہا کہ چوارو خوب بچا کلاس موقع پر میرے اور پنجا باشی کے سوا اور کوئی نہ تھا ہم آپ کے سبب سے اس بات کو بدلے دیتے ہیں تاکہ قاضی کے کان تک نہ جائے ۛ

شام کے وقت مجھ سے اور پنجا باشی دواخان سے ایک پرانی عمارت کا تذکرہ ہوا۔ یہ عمارت

کاشغر اور توقان کی راہ پر مقام ارواں میں جو اُس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے واقع ہے اور اُس میں سے ایک پہاڑ میں کوپورانی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ایک ایسے درہ کی راہ ہے جس کا دروازہ نہایت تنگ اور چھوٹا ہے اور درہ بہت وسیع ہے۔ یہ سیڑھیاں اور عمارت چل ستون کہلاتی ہے یہاں کے لوگ اس عمارت کی نسبت جبرائیل کی عمارت قدیم ہے اور کوئی روایت نہیں رکھتے۔

شہر یارقند کی کل آبادی میرے اندازہ سے پچتر ہزار آدمیوں سے کم نہیں ہے نیا شہر یعنی قلعہ بہت چھوٹا قریب ہزار گز مربع کے ہے۔ اُس کی آبادی پانچزار سے کم نہ ہوگی پس کل آبادی شہر اور قلعہ کی اسی ہزار آدمیوں کی ہوگی گو تعلیم ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر انتظام تعلیم بہت اچھا ہے۔ جہاں مسجد ہے وہاں اُس کے ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے۔ زیادہ عمر کے طالب علموں کے لیے یعنی پندرہ برس سے بیس برس کی عمر کے طالب علموں کے لیے پچاس یا ساٹھ مدرسہ ایسے ہیں جن میں بے حساب اوسط سوتو طالب علم تعلیم پا سکتے ہیں اور ان مدرسوں کے لیے زمین عطا ہوئی ہے ہر ایک طالب علم بھی تھوڑی سی نفیس دیتا ہے مگر تعلیم وہاں صرف اس قدر ہوتی ہے کچھ لکھنا پڑھنا آجائے اور قرآن شریف پڑھ سکے بعض اوقات قرآن شریف با معنی بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اس تعلیم کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو ملا لکھتے ہیں۔ اہل چین کے زمانہ کی نسبت اب مدرسوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ بالفعل اتالیق غازی نے بھی دو مدرسے جدید یارقند میں تعمیر اور قائم کیے ہیں جن کے ساتھ بڑے بڑے تالاب بھی سایہ دلہنٹے ہیں۔ اندجان والوں اور اتالیق غازی کے حمد سے اسلام کا قیام ہی سختی اور تشدد کے ساتھ برتاؤ ہے جیسا کہ بخارا میں تھا محتسب علی گوجوں میں پھرتا ہے اور جس مرد کو بلا دستار اور جس عورت کو بغیر برقعہ کے دیکھتا ہے سزا دیتا ہے۔ جہاں کہیں گذرتا ہے ہر شخص سستہ چھوڑ کر اس خوف سے کھڑا ہو جاتا ہے کہ کہیں میری کوئی خطانہ نکل آوے نہیں سنا ہے کہ اتالیق غازی مولے ایشیہ کے جو ملک میں فساد برپا کرے لڑائی کے قیدیوں کو کبھی قتل نہیں کرتا۔ چوروں کی عام سزا بھانسی ہے اور بدکاروں کی گردن مار دی جاتی ہے۔

گیارہویں مئی کو دلوخواہ نے میرے لیے یوزباشی کی معرفت ایک گھوڑا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ خرید لینے تو میری میزبانی میں بٹہ لگ جاوے گا یہ وہی عمدہ گھوڑا تھا جس کی میں نے ایک مرتبہ تعریف کی تھی۔ پھر یوزباشی نے مجھ سے پوچھا کہ دلوخواہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو اور بھی گھوڑے کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ میری تو زبان

بند ہے کیونکہ جب میں گھوڑا خریدنے کی اجازت چاہتا ہوں دادخواہ اپنے پاس سے عنایت کرتے ہیں۔ بہت سی چیزیں مثل خچر اور ریشم وغیرہ کے میں خریدنا چاہتا ہوں لیکن اگر بلا اجازت خریدوں تو دادخواہ ناراض ہو جاویں گے اور جو اجازت چاہتا ہوں تو وہ خود ہی عنایت کر دیں گے۔ پس شرم کے سبب سے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا چپ ہوں ۛ

بارہویں مئی کی صبح کو دادخواہ کا ایک رقومنشی لیکر آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے لیے چیزیں خرید کرتے ہیں اس سے دادخواہ بہت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو کیوں نہیں اطلاع دیتے جو میں سب چیزیں مہیا کر دوں یہ بات دوستی کے برخلاف ہے۔ تب میں نے منشی سے اُس رقوم کے جواب میں لکھوایا کہ دادخواہ کی نوازش میرے حال پر اس قدر ہے کہ وہ مجھ کو صرف وہی چیزیں نہیں عنایت کرتے جن کی میں درخواست کرتا ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی مرحمت فرماتے ہیں جن کی میں دل میں خواہش کرتا ہوں پس میں نے اب اپنے دل میں بھی کسی چیز کی خواہش نہ کرنا ترک کر دیا ہے۔ میں اُن کے بارِ احسان سے دبا جاتا ہوں اور مجھ کو بڑی شرم آتی ہے ۛ

بیسویں مئی کی صبح کو یوزباشی دادخواہ کے پاس سے یہ خبر لایا کہ اب وقت روانگی کا قریب آگیا سامان سفر گھوڑے وغیرہ تیار کرنا چاہیے اور جو چیزیں درکار ہوں وہ خرید لینی چاہئیں اور مجھ سے پوچھا کہ دادخواہ آپ کے دوست ہیں آپ اُن سے کیا تحفہ لیمیے گا۔ میں نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں دوست سے تحفہ لینے کا رواج نہیں ہے۔ اُس نے کہا آپ اپنے ملک میں نہیں ہیں جہاں ہمیں مان کا دستور برتنا چاہیے اور اگر آپ کسی تحفہ کے لیے اپنی خواہش ظاہر کریں گے تو دادخواہ ناراض ہو جاویں گے ۛ

بائیسویں مئی کی صبح کو میں یوزباشی کے ساتھ دادخواہ سے ملنے گیا وہاں موسم کی گرمی کا تذکرہ ہوا۔ دادخواہ نے کہا پانی نہیں برستا جو ہوا ٹھنڈی ہو۔ اندجان میں گرمی بہت ہوتی ہے لیکن وہاں کثر پانی برستا ہے اس لیے وہاں کی گرمی برداشت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا شاید اندجان کی آب و ہوا ہمارے ملک انگلستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اندجان میں جاڑے کے موسم میں بہت کثر تسے پڑتی ہے اور گرمی میں پانی افراط سے برستا ہے یہی حال ہمارے ملک کا ہے۔ دادخواہ نے کہا ناں یہی حال ہے شاید اندجان کے ٹھیک مغرب اور مقابل میں انگلستان ہے جس کے سبب سے دونوں کی آب و ہوا یکساں ہے۔ تب میں نے سمجھایا کہ انگلستان اندجان سے شمال کی طرف واقع ہے اور قطب کے قریب ہے نہایت یہاں کے

انگلستان سے وہ ستارہ آسان پر زیادہ بلند نظر آتا ہے۔ دادخواہ نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ ہفت اقلیم میں سے کس اقلیم میں آپ کا ملک ہے اور وہاں کتنے گھنٹہ کا ہوتا ہے کیا سولہ گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم دنیا کو ہفت اقلیم پر تقسیم نہیں کرتے۔ ہمارے دنیا کے پانچ حصے ہیں۔ پس میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ملک کس اقلیم میں ہے لیکن سب سے بڑے نوں میں دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں سے اٹھارہ یا انیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ دادخواہ نے ماتھاٹھا کر کہا کہ تم تو اقلیم پنجم کے کنارہ پر ہو۔ میں نے کہا کہ اُس سے بھی اُور شمال کی طرف جہاں ہمارے جہاں بڑی بڑی مچھلیاں کپڑے جاتے ہیں وہاں گرمی کے موسم میں آفتاب شب و روز اُفق سے نیچے نہیں اُترتا۔ دادخواہ نے پوچھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور کہا کہ ہمارے قاعدہ کے موافق ایسی آب و ہوا سے جسم میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ میں نے وہاں کے باشندوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ اُن کے قد ہمارے سینے سے اُوچے نہیں ہوتے اُسپر دادخواہ نے کہا کہ وہ سردی سے ٹھٹھکے ہوئے ہیں نے پھر کہا کہ ہمارے ملک سے اکثر جہاز اور ذی علم لوگ ملکوں کی تحقیقات کے لئے جایا کرتے ہیں۔ دادخواہ نے کہا کہ عقل مند گورنمنٹ کا یہی طریقہ ہے کہ سب باتوں سے مطلع رہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے ملک اور آب و ہوا کا تذکرہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے لکھا ہے کہ دادخواہ ذہین اور عالم شخص ہے کیونکہ ایشیا کے رہنے والوں کو جو یورپ کے علوم سے ناواقف ہیں اس بات کی واقفیت نہیں ہوتی کہ جس قدر شمال کی طرف جائیں اُسی قدر دن اور رات میں فرق ہوتا جاتا ہے گوئیں نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ قطب کے قریب کے ملکوں میں گرمی کے موسم میں ہر وقت آفتاب موجود رہتا ہے اور اس بات کو میں کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ رقی میں آفتاب طلوع نہیں ہوتا تاہم دادخواہ نے فوراً سمجھ لیا کہ وہ ملک سرد ہو گا۔

اٹھائیسویں مئی کو یوزباشی نے آگریہ بخودی کہ پرسوں کی تلخ آپ کی روانگی کی فراہمائی۔ ملہر کی نماز کے بعد میں دادخواہ سے ملنے کو گیا اور اُن سے پوچھا کہ ہندوستان سے میں آپ کے لئے کیا چیز بھیجوں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں سپاہی ہوں سوائے بندوق کے اور کس چیز کی مجھے خواہش ہے مگر میں تمہاری خیر و عافیت چاہتا ہوں اور پھر بندوق کے لئے درخواست کرتا ہوں جو اعلیٰ میرے ساتھ روانہ ہو نہیو لاکھائیں نے اُس کا حل دریافت کرنا چاہا مگر دادخواہ نے بال لا علمی ظاہر کی اور کہا کہ اب آپ نے دروازہ آمد و شد کا کھولا ہے آپ کی دوستی اور آپ کا نام میرے

دل پختہ کا لہجہ ہے جو جو موت کے مرث نہیں سکتا۔ اس کے بعد میں سب سے زحمت ہوا :

علامات قراءت

اس مقام پر لفظ قراءت سے ہماری مراد قرأت مصطلکہ قرآن مجید نہیں ہے بلکہ اس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی پڑھنے کے نشان ؛ انگریزی میں چند علامتیں مقرر ہیں جن کو پنگو پختہ کہتے ہیں۔ انگریزی عبارت میں وہ نشان ہمیشہ لگائے جاتے ہیں ؛ ان سے فائدہ یہ ہے کہ عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ان نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جگہ کہاں ختم ہوا کہاں شروع ہوا ، کون سے لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ، کون سے علیحدہ ہیں ، عبارت پڑھنے میں کس جگہ ٹھہرنا چاہیے ، کس جگہ ملا کر پڑھنا چاہیے ، تاکہ مطلب پڑھنے والے اور سننے والے کی سمجھ میں بخوبی آتا جاوے۔ اس کے سوا ان نشانوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کونسا جملہ معروضہ ہے اور کونسا استفہامیہ ، کونسا اقتباسیہ اور کونسا دائیہ کس مقام پر مصنف نے کوئی بات تعجب انگیز لکھی ہے ، اور کس مطلب پر مصنف نے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ چاہی ہے ، علیٰ ہذا القیاس ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علامات قرأت نہایت عمدہ چیز ہیں اور علم ادب کی ترقی کے لئے نہایت مفید ہیں ۔ تمام ملکوں میں جہاں علوم و فنون ، علم ادب و انشاء ، تہذیب و شائستگی کی ترقی ہے ان علامات کا استعمال ہوتا ہے ۔ ہم مسلمانوں نے اپنی تحریروں میں کوئی علامتیں اس قسم کی نہیں لکھیں ؛ صرف قرآن مجید میں جس کو ہم نہایت عزیز و قابل ادب سمجھتے ہیں ، اور جس کی تلاوت میں ہم کو بڑا اہتمام ہے ، بعض ایسی علامتیں ، جو قرأت قرآن مجید سے مخصوص ہیں ، مقرر کی تھیں ۔

سندرت زبان کی تحریر میں بھی کچھ علامتیں اس قسم کی مقرر نہ تھیں ، لیکن اس زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی زبان کی ترقی اور درستی کی فکر کی ہے انہوں نے اپنی اپنی تحریروں میں ان علامتوں کا رواج شروع کیا ہے ۔ بنگالی زبان کی تحریر میں تو یہ علامتیں نہایت خوبی سے مروج ہو گئی ہیں ، اور اُردو اور گجراتی اور ناگری میں بھی مروج ہوتی جاتی ہیں ، مگر اُردو زبان کی تحریر میں اس کا بہت کم رواج ہے کبھی کبھی ہم اپنے تہذیب الاخلاق میں کوئی کوئی علامت اس قسم کی لگا دیتے ہیں ، یا آکر اخبار کے ایک صاحب معاون اپنے آرٹیکلوں میں نہایت خوبی اور اسلوبی سلیقہ علامتوں کا استعمال کرتے ہیں ۔

کچھ کم دوبرس کا عرصہ ہوا ہو گا کہ جناب نشی غلام محمد صاحب متوطن بمبئی نے اس پر بہت توجہ کی اور اردو زبان کی تحریر میں بھی ان علامتوں کا مروج ہونا ضرور سمجھا اور اسباب میں ایک رسالہ موسوم بہ نجوم العلامات، تحریر فرمایا جو درحقیقت اپنی خوبی اور حسن بیان میں بے نظیر ہے۔ اس سال میں جناب موصوف نے ہر قسم کی علامتیں مقرر کی ہیں جو علامات قرأت قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہیں۔ اور اکثر حروف مغرہ تہجی باضافہ ایک لکیر مثل زیر کے ان علامتوں کے لیے مقرر کیے ہیں، اور ہر ایک علامت کا بیان نہایت خوبی اور غرض بینی اور وضاحت سے کیا ہے۔

ہم جناب مدفع کی تمام تجویزوں سے دل سے اتفاق ہے، مگر جو علامتیں انھوں نے مقرر کی ہیں ان سے جو بات مفصلہ ذیل ہو اختلاف ہے۔

اولیٰ۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ جو علامتیں مدت سے قرآن مجید کی تحریر میں مخصوص ہو گئی ہیں وہ اردو تحریروں میں مروج کی جاویں، اور آیت اور مطلق جو خاص قرآن مجید کی اصطلاحات ہیں، اور تحریروں پر بولی جاویں، گو شرعاً و عقلاً اس میں کچھ قباحت نہ ہو، الا تعظیماً للقرآن المجید ایسا کرنا ہم پسند نہیں کرتے۔

دویم۔ علامتیں جو حروف مغرہ تہجی سے مقرر کی گئی ہیں وہ اردو زبان کی تحریر میں حروف عبارت سے مشتبه ہو جاتی ہیں، اور پڑھنے میں شبہ پڑتا ہے کہ وہ حرف بھی منجملہ حروف عبارت ہے، اس لیے ضرور ہے کہ علامات مذکورہ صرف نقوش ہوں حروف نہ ہوں۔

سولیم۔ علامات مذکورہ ایسی ہونی چاہئیں کہ جو پتھر اور ٹیپ دونوں قسم کے چھاپہ میں مستعمل ہو سکیں۔ پس اگر ہم ایسی علامتیں مقرر کریں جو ٹیپ میں بنی ہوئی مروج نہ ہوں تو بالفعل ہو نہایت مشکل پڑے گی۔ اور کسی طرح ہو نہ ان علامتوں کا ماتہ آنا سیر ہو گا نہ ان کو بنا سکیں گے، اس لیے نہایت مناسب ہے کہ جو علامتیں انگریزی میں مروج ہیں وہی ہم اردو تحریر میں بھی اختیار کریں۔ ان علامتوں کا ٹیپ ہر قسم کا بنا ہوا دستیاب ہوتا ہے۔ پتھر کے چھاپہ میں نہایت آسانی سے تحریر میں آسکتی ہیں، اور ان کی شکل ایسی ہے کہ کسی حرف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے، صرف ایک علامت ہے جو حرف واؤ کے مشابہ ہے، لیکن اسکو الٹ دینے سے وہ التباس بالکل زایل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تہذیب الاخلاق میں ان علامتوں کا رواج دیں۔ اگر اردو لوگ بھی اسکو پسند کریں گے تو امید ہے کہ اردو زبان میں بھی اس کا رواج ہو جاوے گا۔ اب ہم مناسب

سمجھتے ہیں کہ جناب منشی غلام محمد صاحب کے رسالہ کی خوشہ چینی سے اُن علامتوں کا اس مقام پر کچھ بیان کریں *

مفصلہ ذیل علامتیں ہیں جو اردو زبان کی تحریر میں مستعمل ہو سکتی ہیں

(۱) کاما یعنی علامت سکتہ۔ انگریزی میں اس کی یہ شکل ہے (د) مگر یہ حرف واؤ کے مشابہ تھا اس لیے اُس کو اُلٹ دیا تاکہ حرف مفرد تہجی سے مشابہت نہ رہے *

(۲) سمبیکول یعنی علامت سکون۔ انگریزی میں اسکی صورت یوں (و) ہے۔ اس کو بھی اُلٹ دیا ہے *

(۳) کولن یعنی علامت وقفہ *

جہاں علامت سکتہ ہو اُس لفظ پر پڑھنے میں ذرا ٹھہرنا چاہیے، اور جہاں علامت سکون ہو وہاں ذرا اُس سے زیادہ، اور جہاں علامت وقفہ ہو وہاں ذرا اُس سے بھی زیادہ *

(۴) فلسٹاپ یعنی علامت وقفہ کامل۔ یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں فقرہ پورا ہو گیا *

(۵) نوٹ آف انٹرو گیشن یعنی علامت استغناء یا علامت سوال *

(۶) نوٹ آف اسکالہ میشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت۔ اگر ہی نشان برابر دو (۱۱) کر دیئے جاویں یا تین (۱۱۱) کر دیئے جاویں تو زیادہ تعجب و حیرت یا مسرت پر دلالت کرتے ہیں *

(۷) ہائی فن یعنی علامت ترکیب *

(۸) ڈیش یعنی خط یا لکیر *

(۹) پرنٹسز یعنی علامت جملہ معترضہ *

(۱۰) کو ٹیشن یعنی علامت اقتباس۔ انگریزی تحریر میں یہ علامت اس طرح پر لکھی جاتی

ہے، " " (دو) مگر ہم نے دونوں کو اُلٹا رکھنے دیا ہے *

لفظوں کے اوپر لکیر کر دینا، یہ قدیم علامت نقل یا اقتباس کی ہے، جیسے کہ شرح میں متن کی

عبارت پر لکیر کر دی جاتی ہے *

— اندر لین مینی علامت توجہ۔ جن لفظوں کے نیچے لکیر کر دی جاتی ہے وہ اس بات کا نشان ہے کہ پڑھنے والا اس پر زیادہ توجہ کرے +

(*) اسٹائن یعنی نجم۔ کسی جملہ یا عبارت منقولہ کے ہمیں دو یا تین نجم لگا دینا اس بات کا نشان ہے کہ اس مقام پر سے کچھ لفظ یا عبارت جو مطلب سے متعلق نہ تھا یا اس کی نقل ضروری نہ تھی چھوڑ دی گئی ہے، اور ایک نجم علامت حاشیہ کی ہے +

(*) ‡ ‡ ‡) ان میں سے ہر ایک حاشیہ کی علامت ہے و

علامت سکتہ

اس علامت سے جملہ کے ایسے جتنے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں جو مطلب میں تو ملے ہوئے ہیں مگر ٹپھنے میں اُن متماثل پر ذرا سکتہ کر کر ٹپھنا چاہیے +

۱۔ جب کسی مفرد مجملہ میں مبتدا اور خبر مرکب ہوں، تو اُن کے بیچ میں علامتِ مسکتہ لگانی چاہیئے۔

مثال۔ کسی چیز کی طرف مستقل اور پوری توجہ۔ اعلیٰ طبیعت کی نشانی ہے •

۲۔ جملہ مرتبہ کے اجزاء مفردہ بذریعہ علامت سکتے علیحدہ کرنے چاہئیں، تاکہ پڑھنے میں الگ الگ پڑھے جاویں +

مثال۔ جب اچھائی نہیں رہتی، تو لوگوں کی توجہ بھی نہیں رہتی۔

بہادروں نے جب دشمنوں کا حال سنا، تو ان پر نہایت دلیری سے حملہ کیا۔

مگر جب مجاہد کے اجزاء ایسے ہوں کہ خود انہی سے اُن میں ترکیب پائی جاتی ہو، تو وہاں علامت
سکتہ کا لگانا کچھ ضرور نہیں ہے :

مثال۔ خود ہمارا دل کہہ جاتا ہے کہ اصلی نیکی کیا ہے ؟

۴۔ معطوف و معطوف علیہ میں جب حرف عطف موجود ہو، تو وہاں بھی علامت سکتہ لگانے ضرور نہیں +

مثال۔ زمین اور چاند دونوں سیارے ہیں۔

عقل و آدمی وقت کی قدر کرتا ہے اور اُس کو ضایع نہیں کرتا۔

کامیابی اکثر ہوشیاری اور بہت سے کام کرنے پر منحصر ہوتی ہے +
 مگر جب معطوف و معطوف علیہ میں حرف عطف موجود نہ ہو،
 تو وہاں علامت سکتہ لگانا ضرور ہے +

مثال۔ عقل، ہوش، علم، ہنر، سب وقت پر کام آتے ہیں +
 وہ تو سیدھا، سادھا، ایمان دار، آدمی ہے +

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں بھی علامت سکتہ کا لگانا ضرور ہے +
 مثال۔ وہ شخص ایماندار ہے، مگر مست +

بہت بڑا عالم ہے، مگر بے عمل +

پہرہ نگار ہے، مگر ظاہری باتوں میں +

جب متعدد صفتیں کسی اسم کی بغیر حرف عطف کے بیان کی جاویں تو وہاں علامت سکتہ
 لگانا ضرور ہے +

مثال۔ زید نہایت دانا، ہوشیار، عالم، فاضل ہے +

مگر جب دو یا دو سے زیادہ ایسی بیان کی جاویں کہ ایک صفت دوسری صفت کی تشریح
 کرتی ہو، تو ان میں علامت سکتہ لگانا نہیں چاہیئے +

مثال۔ بھورا سیاہی لیل کپڑا +

لہکا زردی لیل سبز رنگ +

اگر حرف عطف موجود ہو، مگر جملہ کے اجزاء لنبے لنبے ہوں، تو بھی ان میں علامت سکتہ
 لگانا چاہیئے +

مثال۔ بے اہت الی ہمارے جسم کی قوت کو ضائع کرتی ہے، اور ہمارے دل کی
 جرأت کو +

۴۔ جب کتین یا تین سے زیادہ الفاظ ایک ہی جزو کلام میں ہوں، اور اُس میں حرف

عطف ہو خواہ نہ ہو، ان لفظوں کے اخیر میں بھی، سوائے اُس لفظ کے جو سب سے اخیر ہو،

علامت سکتہ لگانا چاہیئے، لیکن اگر وہ اخیر کا لفظ اسم ہو تو اُس کے بعد بھی علامت سکتہ

ہونی چاہیئے +

مثال۔ نظم، موسیقی، مصوری، عمدہ ہنر ہیں +

نوم ایک لیر، دانا اور دُر اندیش شہزادہ تھا :

جیکہ جملہ میں دو دو لفظ ساتھ ساتھ ہوں، تو ہر دو کے بعد علامت سکتہ ہونی چاہیے :

مثال۔ بے بندوبستی اور بدانتظامی، مُغلسی اور محتاجی، تکلیف اور مصیبت، ویرانی و

بربادی، آپس کی نا اتفاقیوں کا نتیجہ ہے :

۵۔ جملہ بذاتیہ کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیے :

مثال۔ میرے پیارے، میری بات سُن :

او جانے والے، ادھر ہوتا جا :

جاگنے والو، جاگتے رہو :

۶۔ جملہ بیانیہ فقرہ مفرد کے شروع میں ہو، خواہ پچیس، خواہ اخیر میں، اس کے ساتھ بھی

علامت سکتہ ہونی چاہیے :

مثال۔ اُن کی نیکی، احسانندی سے، مجھے یاد ہے :

اُن کی نیکی مجھے یاد ہے، نہایت احسانندی سے :

احسانندی سے، اُن کی نیکی مجھے یاد ہے :

۷۔ جیکہ کسی جملہ میں دو اسم آویں، اور پچھلا اسم، مع اپنے متعلقات کے، اُسی

شخص یا چیز پر دلالت کرے جس پر پہلا اسم دلالت کرتا ہے، تو اُن کے درمیان میں بھی علامت

سکتہ لگانی چاہیے :

مثال۔ احمد، خیر خواہ معاندان :

مگر جب کئی لفظ ملکر ایک مرکب اسم بنے، تو اُن لفظوں کے درمیان میں علامت سکتہ

نہ ہونی چاہیے :

مثال۔ شاہجان آباد۔ اکبر آباد۔ الہ آباد۔ چتور گڑھ۔ مشکل کشا۔ بنی آخر الزمان۔

مشکل کشا علی :

۸۔ اگر اسماء موصول کے بعد بھی جملہ بیانیہ ہو، تو اُس کے پہلے علامت سکتہ لگانی

چاہیے :

مثال۔ وہ، جو خم ہو کر پھر سیدھی ہو جاوے، اصل تلوار ہے :

مگر جیکہ اسماء موصولہ اسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، تو اُس وقت اُن کے پہلے علامت سکتہ

کا لگانا ضرور نہیں *

مثال - جو تلو اور خم ہو کر سیدھی ہو جاوے، اسیل ہے *

۹ - جب کسی جملہ کی ترکیب اُلٹ دی جاوے تو اُس کے بچھیں علامت سکتہ لگانی

چاہیئے *

مثال - خدا کے نزدیک کوئی چیز مشکل نہیں ہے *

اس مثال میں علامت سکتہ کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اس کی ترکیب اُلٹ دو تو علامت

سکتہ کی ضرورت ہوگی *

مثلاً - کوئی چیز مشکل نہیں ہے، خدا کے نزدیک *

۱۰ - جب کوئی فعل محذوف ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال - پڑھنے سے آدمی پورا انسان ہوتا ہے؛ اور اچھی گفتگو سے، لایق؛ اور

لکھنے سے، قابل *

۱۱ - کاف بیان یا تردید کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال - ذوالفقار خاں آویٹکے، کہ نہیں *

نیک ہو، تاکہ خوش رہو *

علامت سکون

یہ علامت فقرہ کے ایسے اجزاء علیحدہ کرنے کو لگائی جاتی ہے جو، بہ نسبت اُن اجزاء کے

جن میں علامت سکتہ لگاتے ہیں اس میں کم مناسبت رکھتے ہیں *

۱ - جبکہ پہلا حصہ فقرہ کا پورا کلام ہو، مگر اُس کے بعد کا حصہ ایسا ہو کہ اُس سے کوئی نتیجہ پایا

جاوے، یا پہلے حصہ کا مطلب بتاوے، تو اُن میں علامت سکون لگانی چاہیئے *

مثال - ایذا دہی سے اپنا کام کرو؛ کیونکہ اس سے تمہاری عاقبت سُورگی *

۲ - جب کئی پھوٹے چھوٹے جملے ایک دوسرے کے بعد آویں، اور باہم اُن کے کچھ ضروری

مناسبت نہ ہو، تو اُن میں بھی علامت سکون لگانی چاہیئے *

مثال - ہر چیز پرانی ہوتی ہے؛ وقت گزر جاتا ہے؛ ہر چیز فنا ہونیوالی ہے *

۳ - جب کسی فقرہ میں کچھ تفصیل ہو، تو اُس کے اجزاء علامت سکون سے الگ

کرنے چاہئیں ؟

مثال - حکیموں کا قول ہے کہ بچہ کے بے انتہا کام ہیں ؛ اُس کا خزانہ معمور ہے ؛ علم ہمیشہ ترقی پر ہے ؛ اور آئندہ نسل کے لوگ ایسی باتیں دریافت کریں گے ، جو ہمارے دہم و گمان میں بھی نہیں ۔

علامت وقفہ

اس علامت سے فقرہ کو دو یا زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ جو حصے علامت سکون سے علیحدہ کیے جاتے ہیں ، نسبت اُن کے ان حصوں میں جو علامت وقفہ سے علیحدہ ہوتے ہیں ، اور بھی کم مناسبت ہوتی ہے ، مگر ایسی بھی نہیں ہوتی کہ اُن پر مطلب ختم ہو گیا ہو ۔
۱۔ جب کوئی جزو فقرہ کا اپنی ترکیب اور معنی بتانے میں پورا ہو ، مگر اُس کے بعد کا جملہ بیانیہ ہو ، تو ایسی جگہ علامت وقفہ لگانی چاہیئے ۔

مثال - غور کرنے کی عادت ڈالو ؛ کہ اس سے زیادہ عمدہ کوئی تعلیم نہیں ۔
۲۔ جب کہ ایک فقرہ کے کئی جملے علامت سکون سے علیحدہ کیے جا دیں ، اور اُن کا نتیجہ اخیر فقرہ یا فقرہ پر منحصر ہو ، تو اخیر فقرہ سے پہلے علامت وقفہ لگانی چاہیئے ۔
مثال - نیکی سے صدا خوش ہوتا ہے ؛ بُرے کاموں سے خُدا ناراض ہوتا ہے ؛ نیکیوں کو عاقبت میں جزا دیگا ؛ بدکاروں کو قیامت کے دن سزا دیگا ؛ یہ ایسے خیالات ہیں کہ دنیا کو خوف ورجا میں رکھتے ہیں ، نیکی پر رغبت دلاتے ہیں ، گناہوں سے باز رکھتے ہیں ۔

علامت وقفہ کامل

۱۔ جب کوئی مفرد جملہ چھوٹا ہو ، تو اُس کے اخیر میں علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ۔
مثال - زندگی کی کوئی حالت تکلیف سے خالی نہیں ۔

۲۔ جب کوئی فقرہ ترتیب معانی میں پورا ہو جاوے ، تو وہاں بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ۔

مثال - نا اسی سے ، اور آرزائش میں پُرنے سے ہمارے دلوں کا جوش کم ہو جاتا ہے ۔

۳۔ جب کسی لفظ کو اختصار کر لکھیں، تو اُس کے بعد بھی علامت وقفہ کامل لگانی

چاہیے +

مثال۔ الخ۔ جو اختصار ہے اِلے آخر کا، ہف۔ جو اختصار ہے ہذا خلف کا۔

تبی آئے جو اختصار ہے بچل آف آرٹ کا۔ ایم۔ آئے۔ جو اختصار ہے

ماسٹر آف آرٹ کا۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جو اختصار ہے کمپین آف دی

آرڈر آف دی شار آف انڈیا کا +

علامت استفہام یا سوال

یہ علامت ایسے فقرہ کے اخیر میں لگائی جاتی ہے جس میں کوئی بات پوچھی گئی ہو +

مثال۔ تم اپنے کام سے کیوں غفلت کرتے ہو ؟

آپ کا مزاج کس طرح ہے ؟

کیا جتنے تم سے نہیں کہا تھا ؟

علامت تعجب

جبکہ فقرہ میں کوئی ایسا کلمہ جس سے دفعتاً جوش، یا مسرت، یا خوف، یا تعجب وغیرہ

پیدا ہوتا ہو تو، اُس کے اخیر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے +

مثال۔ او انلی وابدی خدا !

اور خوش کرنیوالے اور خوف دلانے والے خیال !

میں نے شیخ کلو سے پوچھا کہ تم کون ہو، اُس نے کہا کہ گئیڈر !!

علامت ترکیب

جب دو لفظ مرکب کیے جاویں تو اُن کے درمیان میں یہ علامت لگادیتے ہیں، تاکہ کوئی

اُن کو جدا جدا نہ سمجھے +

مثال۔ کتب۔ خانہ + شراب۔ خانہ + فیل۔ خانہ + منشی۔ خانہ +

خط یا لکیر

کبھی تو اس خط سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ میں فرق ہو جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہوتا؛ مگر اصل اس کا استعمال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں دفعتاً فقرہ ٹوٹ جاتا ہے یا دفعتاً خیال بچر جاتا ہے ۛ

مثال - خدا نے کہا - کیا؟ - اے زمین نکل جا اپنا پانی؛ اور اے آسمان تھم جا برسنے ۛ

کبھی اس علامت کا بطور کنایہ کسی محذوف لفظ کے استعمال ہوتا ہے ۛ
مثال - وہ تو — سے بھی بدتر ہے؛ یعنی وہ تو شیطان سے بھی بدتر ہے ۛ
پیش جاتا تھا — مجھ سے ملا ۛ

اس مقام پر کسی ایسے شخص سے کنایہ ہے، کہ جسکو پڑھنے والا جانتا ہے، یا لکھنے والے کو اُس کا نام ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے ۛ

علامت جملہ معترضہ

جب کسی فقرہ میں کوئی جملہ معترضہ آ جاوے، تو اُس جملہ معترضہ کے شروع و اخیر میں یہ علامت لگانی چاہیے، جس سے معلوم ہو کہ وہ ایک علیحدہ جملہ ہے جو مطلب کے بیچ میں آگیا ہے ۛ

مثال - اس بات کو بخوبی جان لو (اور سمجھنا ہی جاننا کافی ہے) کہ انسان کے لئے صرف نیکی ہی اہلی خوشی ہے ۛ

علامت اقتباس یا نقل

جبکہ تحریر میں کسی دوسرے کا قول آ جاوے، یا کسی دوسرے صنف کی بعینہ عبارت اپنی تحریر میں ملا دی جاوے، تو اُس کے اول و آخر میں یہ علامت لگا دینی چاہیے ۛ
مثال - باغ کی تعریف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی " تو گویا خوردہ مینا بر خاکش ریختہ و عقد ثریا بر خاکش آویختہ "

جب تک آدمی خود اپنا کام آپ نہ کرے، بخوبی کام نہیں ہوتا؛ مشہور قول ہے کہ "آپ کام مہا کام" ۛ

رسول خدا صلم نے فرمایا ہے کہ ”عل نیت پر منحصر ہیں“ حدیث کے یہ لفظ ہیں
”اعمال الاعمال بالنیات“

علامت توجہ

جس لفظ یا عبارت کے نیچے لکیر کی جاتی ہے اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس پر زیادہ توجہ
درکار ہے +
مثال۔ ذوالفقار خاں کشتی پر جاتے تھے، کتاب ہاتھ میں تھی، نادانی سے گر پڑی، اور
دوب گئی +

علامت نجم

اس بات کی نشانی ہے کہ نقل کرنے میں بیچپس سے غیر ضروری عبارت چھوڑ دی
گئی ہے +
مثال۔ ”شبے تامل ایام گذشتہ میکروم، و بر عمر تلف کردہ تاسف منوردم، و سنگ لاذل را
بالماس آب دیدہ می ختم * * * تا کیے از دوستان کہ در کجا وہ غم انیس من بود،
و در حجرہ ہم جلس، بر رسم قدیم از در درآمد“

علامت حاشیہ

شخصے نزدیک سے آمد و پرسید کہ اُن کد ام زن * مجوسی + بود، کہ دخترش ‡ را
گرگاں خورده بودند || ؟ فقیہ جواب داد، کہ بابا تو تماشہ غلط گفتی، من کد ام کد ام غلط ترا
صحیح کنم از پیش من برو +

* اُن زن نہ بود بلکہ مرد بود +

+ مجوسی نہ بود بلکہ حضرت یعقوب نبی بنی اسرائیل بودند +

‡ دختر نہ بود بلکہ سپر بود +

|| گرگاں خورده بودند بلکہ برادرانش غلط گفتے بودند +

مسلمانوں کا افلاس

”الشیطان يعدكم الفقر ويامرکم بالفحشاء
والله يعدكم مغفرة منه وفضلاً“

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمکو محتاج اور فقیر کر دینے کا تو شیطان وعدہ کرتا ہے اور ٹھپنے کے کام کرنے کو حکم دیتا ہے، اور خدا اپنی بخشش کا اور نعمت دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس زمانہ میں یہ ٹھیک مثل ان لوگوں کی ہے جن کا پیشہ بقولون مالا یفعلون ہے۔ یعنی خود تو دنیا کے بند ہیں اور کسی مرید و معتقد کی نذر تک نہیں چھوڑتے، مگر زبان سے دنیا کی بے ثباتی اور دنیا کا ہیچ ہونا کہتے ہیں؛ اپنی جیب میں دنیا بھرتے ہیں اور لوگوں کو اُس کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو کام مسلمانوں کی بھلائی و بہتری اور ترقی کا سوچا جاتا ہے، یا کیا جاتا ہے، عیقل کے دشمن، خدا کے دشمن، رسول کے دشمن، مسلمانوں کے دشمن، ایک نہایت مسکینی سے ٹھنڈے سانس بھر کر کہتے ہیں، ہاں نیا چند روز ہے؛ دولتمند ہوئے تو کیا غریب ہوئے تو کیا؛ محل میں بھی گزر جاتی ہے درخت کے سایہ میں بھی گزر جاتی ہے؛ موٹے کپڑے سے بھی بدن ڈھک جاتا ہے مہین بھی پھٹ جاتا ہے؛ اچھا کھانے سے بھی پیٹ بھرتا ہے جو کی روٹی سے بھی بھرتا ہے؛ ایسی بات کرو جو دماغ کام آئے؛ دنیا تو گزر ہی جاتی ہے۔ ہاں جتنی دنیا ہوگی اتنا ہی زیادہ حساب نیا پڑے گا؛ تقدیر پر شکر رہو؛ انسان کو خدا بھوکا اٹھاتا ہے پر بھوکا سلاتا نہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں اُس آیت کے مصداق ہیں، اور وہ ٹھیک ٹھیک وہی وعدہ کرتے ہیں جس کا اُس آیت میں ذکر ہے۔

مگر ہم تمام مسلمانوں کی دین و دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں؛ یہ خواہش کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت حق کے بجا لادیں، ممنوعات و محرمات سے بچیں، مباح کے مزے اڑادیں؛ نیک طریقہ اور اچھے پیشہ اور مباح وسیلوں سے دنیا کمائیں؛ اور پھر جس طرح خدا کی مرضی ہے نیک کاموں میں اُسکو صرف کریں؛ کہ یہی مرضی خدا کی اور یہی حکمِ شریعتِ مصطفیٰ کا ہے۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کا حال روز بروز بدتر ہوتا جاتا ہے؛ مفلسی ان کو گھیرتی جاتی

ہے ؛ جہاں میں وہ مبتلا ہوتے ہیں یا جلیغیا نے اُن سے بھرے جاتے ہیں ؛ بیدیں اُن کے چوڑوں پر لگتی ہیں ؛ ڈگریوں میں وہ پکڑے جاتے ہیں ؛ جائیدادیں اُن کی فروخت ہوتی جاتی ہیں ؛ مگر وہ بے رحم اُن کے حال پر رحم نہیں کرتے ، اور اُن کو بہکانے سے باز نہیں آتے ۔ وہ اپنے اس قول پر ” فبجز تک لا غویہم الی یوم الدین “ جیسے ہوئے اور ثابت قدم ہیں ۔ حال کے ایک انگریزی اخبار انڈین پبلک آپینین لاہور میں ، مسلمانوں کا حال چھپا ہے ، اُس کا حاصل اس مقام پر لکھتے ہیں ، شاید مسلمان متنبہ ہوں ۔

اخبار مذکور نے مسلمانوں کے حالات پر غور کر کر یہ اصول قائم کیا ہے ” کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو ضرور غفلت ہونا چاہیے ۔ مسلمان کسانوں کا بتدیج مفلس ہونا ، جسکو ہم اس ضلع میں یادتی مقدمات کا ایک سبب قرار دے چکے ہیں ، قابلِ لحاظ و غور کے ہے ۔ جو رپورٹیں اور حالات کہ اخبار میں چھپے ہیں ، اُن سب سے پایا جاتا ہے کہ عام ہندوستان میں یہ افلاس ترقی پر ہے ۔ اس ضلع میں سٹیشنر میں ختنی نالشیں نقدی کی مہاجران و دوکانداران نے کیں اُن میں سٹیشنر نصف نالشیں مسلمان کسانوں پر ہوئیں اور بمقابلہ کل مقدمات قسم مذکورہ کے بحساب اوسط فی صدی چونتیس مقدمے ہوتے ہیں ۔ جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ منجملہ آٹھ شخصوں کے ایک شخص بحساب اوسط عدالت کی لڑائی میں مشغول رہتا ہے ، تو تعداد اُن کسانوں کی خیال کرنی چاہئے کہ کتنے لوگ روپیہ پیسہ کے معاملات میں مبتلا ہو کر عدالت کی لڑائی میں حیران پریشان رہتے ہیں ۔ رجسٹرار جنرل پنجاب کی اخیر رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ لاکھ اسی ہزار پونڈ ، یعنی ایک کروڑ اڑتیس لاکھ روپیہ کی جائیداد غیر منقولہ مسلمانوں کی سٹیشنر میں بیع و رہن ہوئی مسلمانوں کا مذہب صرف لڑائی اور لٹ مار کے مناسب ہے ؛ تقدیر پر اندھا دھندی سے اعتبار و تکیہ کرنا جیسا یہ مذہب سکھلاتا ہے ، اور اُس کے مقصدوں کو خوش خوش ایسے موقع کی طرف لیجاتا ہے جس میں یقینی بربادی کا سامان ہوتا ہے ، اور کوئی مذہب نہیں سکھلاتا مگر وہی خیال کہ تقدیر کبھی نہیں ملتی تمام جرأت اور بہت کو کھودیتا ہے ، اور ترقی و بہبودی کو پڑمردہ کر ڈالتا ہے ۔ “

تقدیر کے مسئلہ کی نسبت جو کچھ صاحبِ اخبار نے لکھا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ حالت مسلمانوں کی ایسی ہی ہے اور خود غرض لالچی سولویوں نے درحقیقت ایسا ہی اُن کو سکھلایا ہے ، ” الا مذہب اسلام کا یہ مسئلہ نہیں ہے ، خود قرآن میں خدا فرماتا ہے ” لیس لافسان لا ماسعی “

ایک دوسرے اخباردار اس ٹائیز نے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے، اُسکو بھی ہم لکھتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ مسلمان بوریوں کے بادشاہوں کے مشابہ ہیں، جو گذشتہ بات کو بھولتے ہیں اور نہ کسی بات کو جو آئندہ اُن کے لیے مفید ہو سیکھتے ہیں؛ یہ لوگ ہر بات میں ساکن رہتے ہیں؛ حرکت کرنے کی کبھی اُن کو خواہش نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دُور میں پیچھے پڑ گئے، اور گو ممکن ہے کہ بڑی کوشش سے اُوروں کے برابر چلیں؛ مگر وہ کوشش کرنے کی خواہش اُن کو معلوم نہیں ہوتی، اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بلحاظ قومیت اور مرتبہ اختیار کے، مسلمان بالکل گم ہو جائیں گے۔ اب یہ لوگ گویا اپنے امتحان پر ہیں، اور اگرچہ کہ تو ممکن نہیں کہ دوسرا موقع اُن کو مل سکے۔ تیسلم کرنا چاہیے کہ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ یہ لوگ سابق میں اس ملک کے فتح کرنے والے تھے، اور اب اُن کو مفتوحوں میں اپنا شمار ہونے کا بلطج بچ رہا ہے۔ مذہبی تعصب اور غرور، اور تعلیم کا جھوٹا خیال مسلمانوں کو اپنی ترقی کے اُس میدان میں پیر رکھنے سے باز رکھتا ہے جس میدان کو اُنھیں ملے کرنا ضرور ہے۔ پشتیں اس کے کہ مقابلہ اپنے ہوشیار ہمسائیہ ہندوؤں کے نوکری یا اپنی روٹی پیدا کرنے کی اُمید کریں۔ جو قوم کہ تقوٰۃِ اعرصہ گذرا اُن کے تابع تھی اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اُن کے فخر کو سخت ضرر پہنچتا ہو، مگر اُن کو چاہیے کہ اپنی حالت کو قبول کرنے کے لیے کافی ہمت اور اُس مقابلہ میں سخت کوشش کرنے کے لیے کافی جرات اور اپنی ذات کی عزت کا خیال رکھنے کے لیے پوری ہمت کریں اگر تجربہ کی نصیحتوں کو صحیح صحیح نہیں پڑھ سکتے، یا نہ پڑھیں گے، تو ضرور تکلیف میں پڑیں گے۔ منجملہ اُن بڑے بڑے اسباب کے جن سے مسلمانوں کی خرابی ہوئی ہے، روزینہ داری اور لاخراج داری بھی، جس کے وہ بہت گردیدہ ہیں، ایک بڑا سبب ہے۔ یہ طریقہ کاہلی پیدا کرتا ہے، اور کاہلی سے افلاس ہوتا ہے، اور افلاس موجب ہے ناخوشی کا۔“

بلاشبہ ملکی ہونا اور روزینہ دار ہونا انسان کے لیے بہت بڑی آفت ہے۔ اس زمانہ میں ملکی معافیہ دار و روزینہ دار سب سے زیادہ خراب و بُری حالت میں ہیں، مگر میری دانست میں ایک آفہ فرقہ بھی ایسا ہی ہے، یعنی وہ لوگ جو پیدر بن کر شہر نشہرا اپنے مریدوں سے ٹیکس وصول کرتے پھرتے ہیں، یا منبر پر بیٹھ کر جھوٹے سچے قصہ سُنا کر اور داعِ غن کر لوگوں سے روپیہ لیتے پھرتے ہیں، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں کسی پیر فقیر کے خاندان کا بیان کر کر، کسی دغا کا خادم کسکر، یا کہ معتزلہ کا مطوف اور مدینہ منورہ کا زیارت کرنے والا بتا کر روپیہ مانگتے پھرتے ہیں

جو مسلمان کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، حقیقت اپنی قوم کے یعنی مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ نامتنب خیرات نہایت بُری چیز ہے، اس سے قوم میں غلشی اور ناشایستگی، بے حیائی اور بے غیرتی پھیلتی ہے۔

سراب حیات

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

کیوں کس خیال میں ہو آج آپ کی طبیعت کچھ متفکر معلوم ہوتی ہے؟
نہیں کوئی بات نہیں ہے یوں ہی سست ہے آدمی کو کبھی کچھ خیال ہوتے ہیں کبھی کچھ
انہی خیالات سے کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے کبھی آپ ہی آپ متفکر ہوتا ہے؟
بھلا کیسے تو سہی کر کن خیالات نے آپ کو متفکر کیا ہے ہم بھی تو سنیں؟
چند روز ہوئے کہ میں نے ایک گھنٹہ اپنے کمرہ میں لگایا ہے اُس کا لنگر ٹوٹ گیا تھا وہ بند تھا
نچلتا تھا نہ آواز دیتا تھا۔ ایک دوست نے مہربانی سے اُس کو بنا دیا وہ چلنے لگا اور آواز دینے لگا
میں دیکھتا ہوں کہ وہ دن رات چلتا ہے۔ ایک سے اپنا دُورہ شروع کرتا ہے اور بارگاہِ پر ختم کر دیتا
ہے۔ اُسکی ایک اُلٹ پھر میں دن رات ختم ہو جاتا ہے۔ جب ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا۔ تو
معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں۔ یہی دھن کئی دن سے مجھے لگی ہوئی تھی۔ اور یہی خیال میں غلط چچاں
تھا کہ یکا یک ہمارے دوست پادری رجب علی صاحب نے ایک کتاب بھیجی جس کے سر پر
لکھا تھا ”سراب حیات“۔ میں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ شاید اس سے کچھ فائدہ
حل ہوگا۔

یہ کتاب دراصل انگریزی میں ہے اور جانسن نے بُری فصاحت و بلاغت سے لکھی ہے
اُس کا ترجمہ پنڈت بشمبہ ناتھ صاحب نے کچھ کُشی بیشی کے ساتھ نہایت قابلیت سے اردو زبان
میں کیا ہے۔

اس کتاب میں صنف نے نہایت لائق اور شہور اور عقلمند اور دولتمند اور فصیح و ظریف
و شاعر فیاض و بخیل آدمیوں کا جو ہمارے زمانہ سے تھوڑے ہی دن پہلے اسی دنیا میں موجود
تھے، ذکر کیا ہے اور پھر دیکھا ہے کہ کس طرح حسرت و افسوس سے اس دنیا سے گئے تامل و دلالت

چھوڑ گئے۔ نہ وہ عقلمندی کام آئی اور نہ وہ متاع دنیا زبانِ چال سے یوں کہتے کہتے مر گئے۔

کس لیے آئے تھے کیا ہم کر چلے

تمہیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

اس کتاب نے بعض سلجھانے کے میرے خیالات کو اور الجھا دیا اور یہ سوال دل میں پیدا ہوا کہ "کس لیے آئے تھے؟" اسی سوچ میں تھا کہ میں نے اپنے کرہ کاروانہ کھولا ایک خوش نمادی اور سرسبز درخت اور شاداب کھیتی پر میری نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ندی کا پانی بہا چلا جاتا ہے۔ پھچلا آتا ہے اور اگلا چلا جاتا ہے۔ درختوں کو میں نے دیکھا کہ پرنے جاتے ہیں اور نئے آتے ہیں۔ کئی کھیتی کاٹی جاتی ہے اور نئی بوئی جاتی ہے۔ یہی آواگون لگتا ہے۔ یہ کس لیے آئے تھے اور کس لیے گئے کیا یہ بھی حسرتیں لے گئے؟

کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر میں نے غور کیا کہ شاید یہ مسئلہ کہ "کس لیے آئے تھے اور کیا کرنا" متحرک جانداروں سے متعلق ہوگا۔ میں نے سب کی حالت پر اپنا خیال دوڑایا۔ میں نے شیر کا خیال کیا جو سب سے زیادہ خوبصورت۔ سب سے زیادہ شان دار۔ سب سے زیادہ جماع۔ سب سے زیادہ غیور ہے۔ مگر سب میں موزی اور زندبار آزار مشہور ہے۔ جب اُس کی مردہ لاش کا میں نے دھیان کیا تو دیکھا ایک بے حرکت لاش پھول کر پیٹ پھٹا ہوا انتڑیاں کیدڑوں کی کھائی ہوئی سنہری کھال خاک میں ملی ہوئی گوشت ٹکڑی زمین پر پڑا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا ہی ڈھانچا تھا اور غالباً وہ بھی چند روز کو۔

میں سمجھا۔ کہ یہ تو اُسی قسم کا جانور تھا جس قسم کے آدمیوں کا سراب حیات میں جانسنے ذکر کیا ہے۔ کسی اس سے عمدہ جانور کو دیکھو۔

اتنے میں کتنے کا مجھے خیال آیا۔ میں سمجھا کہ سب جانوروں میں ہی خدا رسیدہ ہے۔ قناعت محبت۔ رفاقت۔ دوستی۔ وفاداری۔ اپنے مالک کی اطاعت اور سب سے زیادہ کسر نفسی اسی پر ختم ہے۔ سب دُور دُور کرتے ہیں۔ مثلاً مولوی تو نجس العین بتاتے ہیں مگر یہ غریب بکے سلمنے عاجزی اور کسر نفسی سے دم ہلاتا اور سر جھکاتا ہے۔ مگر جب وہ بھی مرا تو ایک لاش بے حرکت تھا نہ وہ دم کا ہلانا تھا نہ سر کا جھکانا۔ نہ وہ رفاقت تھی نہ وہ اطاعت۔ چند روز میں اُسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ موندھ کھلا۔ جیرانگہ۔ دانت اور کچلیاں کھلی ہوئیں۔ اور ہزاروں چوینٹیاں اُس میں گھسی ہوئی۔ میں نہایت تعجب ہوا اور کہا کہ میاں! انجام تو

دونوں کا ایک سا ہی ہوا ۵

میں نے کہا نہیں کسی مقدس جانور کو لو۔ میں نے کیوتر کا خیال کیا جو دنیا میں سب مقدس شمار ہوتا ہے۔ بھولی بھولی صورت۔ پیاری پیاری باتیں۔ جو روحِ خصم میں نہایت محبت۔ دونوں کا سوشیل برتاؤ نہایت میٹھا تقدس میں بھی سب سے بڑھا ہوا۔ نوح کے لیے زیون کی مبارک ٹہنی لانیوالا۔ مسیح کے لیے روح القدس بن کر اترنیوالا۔ مکہ معظمہ میں کعبہ کا طواف کرنے والا۔ تمام خانقاہوں کا مجاور ہو کر رہنے والا۔ اپنے پروں کی ہوا سے بیاروں کو شفا بخشنے والا۔ تمام ہندوؤں اور بودھست لوگوں کو جی کے بچاؤ کی ہدایت کرنے والا۔ مگر جب اُس کا بھی انجام دیکھا تو اس سے زیادہ کچھ نہ پایا کہ پرچے ہوئے کہیں پڑے ہیں۔ چونچ کہیں اور پنچے کہیں۔ چند روز تک سینہ کا ڈھاچا پڑا ہے۔ پھر وہ بھی نہیں ۵

میں نے اپنے خیال کو انسان کی طرف پلٹا کہ یکایک میرے سامنے سلطان عبدالعزیز خاں کا ماجرا آسجود ہوا جو نہایت مشہور اور بہانہ شخص تھا۔ لڑائیوں میں نہایت دلیری و دانائی سے لڑا تھا۔ پندرہ برس سے قسطنطنیہ کے تخت شاہی پر جلوس کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہایت فضل و فرج تھا۔ عورتوں پر بہت فریفتہ تھا۔ تریپن کشتیاں عورتوں کی بھری ہوئی اُسکی حرم سرا میں تھیں۔ ملک میں روپیہ کی کمی تھی۔ شاہی خزانہ خالی تھا۔ باغیوں کی سلطنت میں آفت برپا تھی۔ مگر اُس نے کئی کروڑ روپیہ اپنے خزانہ میں عباشی کے لیے چھپا رکھا تھا۔ اپنی پیاری جوڑ کی خوشی کھے بیٹے ترکوں کی ولیعهدی کی پُرانی رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اُس جوڑو سے جو بیٹا تھا اُسکو ولیعهد بناتا تھا۔ اور ملک کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کر اس کام کے پورا ہونے کو ملک کے دشمن آدمیوں کو اپنا دوست بناتا تھا۔ کیا دیکھا ہوں کہ اپنے جرموں میں اُسی کی سلطنت کے لوگوں نے اُس پرپورش کی۔ تخت سے اتار دیا اور محل سے نکال ایک چھوٹے سے مکان میں قید کر دیا۔ سلطنت جانے کی حسرت نے اُس کے دل کو بیتاب کر دیا اور اپنے تئیں آپ مار مارا میرے خیال نے جھٹ مارتہ دوڑایا۔ پہلے تو ماتھے پر رکھا پھر نقتنوں کے سامنے لے گیا کہ شاید کچھ سانس چلتی ہو۔ سینہ کو ٹیٹولا۔ ماتھ کو دیکھا۔ پاؤں کو دیکھا۔ چاروں طرف غور کی۔ بھو ایک لاش کے کچھ نہ پایا۔ سینہ پر کان لگایا کہ شاید وہ ہڈیاں اچھل رہی ہوں مگر کچھ پتا نہ لگا۔ میں سمجھا کہ اب اس میں کچھ نہیں۔ چند روز نہیں یہ گوشت و پوست بھی نہوگا صرف ہڈیاں کا ڈھاچا رہ جاوے گا اور چند روز بعد وہ بھی نہوگا۔ مجھے جانسن کی سرب حیات یاد آئی اور سمجھا

کہ دنیا کی حسرت میں مرا اس لیے اس کا یہ حال ہوا +

مجھ کو اشتیاق ہوا کہ کسی بڑے خدا رسیدہ دنیا کی طرف سے پرمردہ مرے ہوئے کا حال دیکھوں۔ پنجاب کا ایک نہایت متبرک شخص میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اُس کے دیکھنے سے تیس بہت خوش ہوا۔ خدا کے سوا اور کچھ کلام نہ تھا۔ عبادت کے سوا اور کچھ کام نہ تھا۔ دنیا اور سکا عیش محض بے حقیقت تھا۔ جو لو تھی وہ خدا سے وعقی سے لگی ہوئی تھی۔ اتفاقات سے اُن کا بھی آخری وقت آپہنچا۔ اپنی اول منزل کی اُنھوں نے وصیت کی اور اپنے دوستوں کو نصیحت۔ نہایت شاداں و فرحاں سفر کی تیاری کی اور بغیر کسی ارمان و حسرت کے جان دی۔ میرے خیال نے جھٹ مارتھ بڑھایا۔ ماتھے پر رکھا۔ نتھنوں کے سامنے کیا۔ دل ٹٹولا۔ سینہ ٹٹولا۔ ماتھ دیکھا۔ پانوں دیکھا۔ کچھ نہ تھا۔ سینہ پر ٹٹٹکی باندھی کہ اُس کے اندر سے ضرور کچھ نشانی جھلکتی ہوگی پر کچھ نہ تھی۔ میں گھبرا یا اور بے اختیار بول اٹھا کہ اُجی حضرت کچھ بولو تو سہی میں کیا تھا۔ سانس بھی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ یہ تو ویسا ہی معاملہ ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلوں کے ساتھ ہوا تھا۔ دنیا کی حسرت لیجانے اور عبادت کے شوق میں مرجانے میں تو اب تک کچھ فرق نہیں دکھائی دیا +

اتنے میں لوگ اُن کی تجنیز و تکفین کرنے لگے۔ قدیم خانقاہ میں اگلے سجادہ نشینوں کی قبروں کے برابر قبر کھودنے لگے۔ میں نے گھبرا کر کہا کہ دو چار دن رہنے تو دو۔ مجھے سمجھ تو لینے دو کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا باولا ہوا ہے۔ کوئی مُردوں کو رکھتا بھی ہے تمام کھال بکس جاوے گی گوشت گل پڑیگا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ نکل آویگا۔ کوئے اور چلیں منڈلانے لگیں گی۔ ہڈیوں کے ڈھانچے سے لوگ ڈر کر بھاگنے لگیں گے۔ یہ سن کر تو میں ششدر رہ گیا۔ تمام اگلے لاشے میری آنکھوں میں پھر گئے۔ میں نے کہا کہ میاں آؤ سب کا بھی تو یہی حال ہوا تھا۔ کیا یہی بات سچ ہے۔

چو آہنگِ رفتن گند جان پاک
چہ بر تختِ مُردن چہ بروئے خاک

میں نہایت متروک و متفکر حیران و ششدر وہاں سے اُٹھا اور دل بہلانے کے لیے اپنے باغ میں گیا جو ایک بہت بڑا باغ تھا اور جوانی اور ولولہ کے زمانے میں میں نے اُس کو از سر نو نہایت خوبصورت و خوش نما آڑستہ کیا تھا اور ماں اکثر دوستوں کا اور بڑے بڑے نامی اور

بالکل لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ غالب کی دلکش و محبت آمیز نثر گانہ باتوں سے۔ آزدہ کی دلچسپ و دلربا فصاحت سے۔ رشیدہ کی متین و نیم خذہ زن وضع سے۔ صہبائی جان نواز کے میخانہ محبت سے دل شاد و ہمتا تھا۔ ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ ایک چین میں پہنچا جس کی بچی کھڈائی ہوئی تھی مٹی میں ایک ہڈی کھائی دی جس کو میں کبرے کی سری سمجھا۔ میں نے ٹھوکر مار کر پر سے پھینک دیا جب وہ نکلی تو کبرے کی سری نہ تھی بلکہ آدمی کی کھوپری تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ ایک اس طرح کوئی شخص میری کھوپری کو بھی ٹھوکر مارے گا۔ میں نے دوڑ کر اُسے اٹھالیا اور دیکھا کہ صرف ہڈیاں جوڑی رہ گئی ہیں۔ پیشانی کی ہڈی پر خط خط میں شاید وہی نوشتہ تقدیر ہو پر پڑھی نہیں گئی۔ آنکھوں کی جگہ ایک گڑھا اور حلقہ تھا۔ انگلی ڈالو تو کچھ نہیں ناک کی خوبصورتی بالکل نہ تھی ایک شکستہ تھوڑی سی اونچی نہایت بد نما ہڈی کا نشان تھا اور اُس کا سورج نہایت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ دانت جن کو موتی اور اولوں کی باڑ کہتے تھے ایسے ہیبت ناک دکھائی دیتے تھے کہ دل کانپتا تھا +

میں نے اپنی بے ادبی کی جو نادانستہ ہوئی۔ معافی چاہی اور پوچھا کہ تم کون ہو کیا مذہب تھا؟ عالم تھے۔ فقیر تھے۔ دنیا کی حسرت میں مرے یا خدا کی عبادت میں۔ ہر چند پوچھا۔ کچھ جواب نہیں ملا۔ پھر مٹی سکواٹ پکٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید کچھ نشان بھلائی بُرائی کا ملے۔ کچھ نہ ملا۔ ایک بُڑھا باغبان میری ان سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کہ میاں کیا دیکھتے ہو۔ اچھے بُروں کا۔ گیدڑ بھیرے کا۔ کامرے پر سب کا ایک ساحل مہ جاتا ہے۔ میں سخت متعجب ہوا۔ اور جانسن کی سراب حیات کو یاد کیا کہ پھر اُس نے کیا کہا؟

میرے دوست نے کہا کہ تمہارے خیال بھی نہایت خام ہیں اور تمہارے متفکر ہونے پر بھی نہایت افسوس ہے۔ تم اس مٹی کے ڈھیر اور مٹرنے والے گوشت اور گلنے والی ہڈیوں میں کیا ڈھونڈتے تھے۔ جو چیز دیکھنے کی تھی وہ تو اُس میں تھی ہی نہیں +

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کہاں تھی۔ اُس نے کہا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیسی تھی۔ بولا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ دیکھائی دیتی تھی۔ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کہاں گئی۔ کہا معلوم نہیں + اس جواب سوال سے میں اور بھی متحیر ہوا کہ جس چیز کا کسی طرح پر علم نہیں اُسی نسبت کہتا ہے کہ تھی۔ بولا کہ خدا نے کہا ہے۔ میں نے کہا سچ ”ولکن لیطمئن قلبی“ یہ سنا اور سُنا کہ خاموش ہو رہا میں نے کہا کہ یہ سب تمہارے خیالات ہیں کہ وہ شخص دنیا کی حسرت میں مرا اور وہ شخص

خدا کی عبادت میں مرے۔ پر سب برابر ہیں۔ جو بات سچ ہے وہ آپس کی ہمدردی۔ قومی اعانت۔ قومی بھلائی ہے۔ جبکہ ہماری قوم کا دنیا میں چال ہے کذلت و خواری زبکت و جہالت میں مبتلا ہے تو اگر کوئی دنیا کی حسرت میں مگر جہنم میں گیا تو ہماری جوتی سے۔ اور عبادت کر کر بہشت میں گیا تو ہماری بلا سے۔ اُن کا کیا رونا ہے۔ جیتوں کو روؤ جو مردوں سے بھی بدتر ہیں +

خود غرضی

اور

قومی ہمدردی

پہلا لفظ تو بہت پرانا ہے منت سے ہم سنتے چلے آئے ہیں مگر یہ پچھلا لفظ شاید چند روز کے پیدا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محم شوال ۱۳۳۸ نبوی کے بعد اس کی پیدائش ہوئی ہے مگر غرض ہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی اس کی جگہ کوئی اور لفظ بولا جاتا ہوگا +

پچھلے زمانہ پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو قومی ہمدردی کی بہت سی نشانیاں پاتے ہیں۔ جہم جاؤ اور دھرم ہزاروں کھنڈرات مسجدوں اور گنٹھوں اور گنٹھوں اور گنٹھوں کے پاؤں کے ہزاروں لاکھوں روپیہ لگا کر لوگوں نے قوم کے آرام کے لیے مہمان سراہیں بنوائی تھیں۔ مسجدیں بنوائی تھیں۔ گنٹھیں کھدوائے تھے۔ پل بنوائے تھے جن کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ سنہری مسجدیں بنوائیں جن کے بڑے بڑے برج سونے کے کام سے مغرق تھے۔ نرے سنگ مرمر کی مسجدیں بنوائیں جو موتی مسجدوں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ چینی کی کالدار سراہوں کے دروازے مسجدوں کے گنبد طیار کرائے جو آج تک اُسی آب و تاب سے موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کیسی بڑی بڑی عالی شان خانقاہیں تعمیر کیں۔ اُن کے بنانے میں لاکھوں روپیہ خرچ کیئے۔ دیہات معافی کے جاگیر میں دیئے جن کی لاکھوں روپیہ کی آمدنی قومی ہمدردی میں صرف ہوتی تھی۔ ہاں مدرسہ وغیرہ بنانے کا اُس قدر خیال تھا مگر پھر بھی مدرسہ سے جاری کیئے تھے۔ جب تاریخ کی کتابوں کی بہت تلاش کرو تو معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کے وقت میں کوئی مدرسہ تھا اور کچھ زیادہ نشان نہیں ملتا۔ دلی کے پرنے کھنڈرات میں تلاش کرو تو اکبر کے عہد میں ماہم سنگ کی بنائی ہوئی مسجد اور اُس کے گرد کوٹھریاں پائی جاتی ہیں جس کو لوگ ماہم سنگ کا مدرسہ مشہور کرتے ہیں۔ غالباً اُس میں ہند اندسے قرآن حفظ

کرتے ہوں گے۔ نہایت مشہور اور پُر رونق شاہجہان کے عہد میں بھی چند لداؤ کی کوٹھڑیاں شاید پچیس تیس ہوں جامع مسجد کے نیچے بنی ہوئی تھیں جو دارالبقا کے نام سے مشہور تھیں اور لوگ کہتے ہیں کہ شاہجہانی مدرسہ تھا اور غالباً جس قدر ختم ادعیہ مثل ختم خواجگان و ختم بخاری اور ختم دلائل الخیرات واسطے سلامتی شاہجہان کے ہوتے تھے وہ سب اسی میں ہوتے تھے۔ اس سے زیادہ مدرسوں کے بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سے طالب علم متفرق مسجدوں میں رہتے تھے۔ تیل پتی اُن کو مطالعہ کے لئے ملتی تھی سندر نیاز مُردوں کی فاتحہ سویم چسپم کے بیاروں کے صدقوں کی بہت روٹیاں مسجدوں کے طالب علموں کو مل جاتی تھیں۔ اس کا نمونہ ہمارے زمانہ تک بھی موجود تھا۔ فقہپوری اور پنجابی کٹھہ اور کشمیری کٹھہ کی مسجدوں اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں سے بہت سے طالب علم مُردوں کی روٹیاں کھانے اور فاتحہ درو پڑھنے کو ملتے تھے۔ اُنہی قومی ہمدردی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ دیکھو اس گئے گزے زمانہ میں بھی مسلمانوں نے کیسی محنت کی ہے۔ کس قدر وہ پیہ فرج کر کر جامع مسجد دہلی کی مرمت کی ہے۔ دلی کی بُرائی عید گاہ کا چوترا بڑھایا جاتا ہے اُس کا فرش درست کیا جاتا ہے تاکہ قوم کو نماز پڑھنے میں مین کی اُچان نیچان تکلیف نہ دے۔ سہارنپور میں دیکھو کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد نئی بنائی ہے اور بُرائی جامع مسجد کو چھوڑ دیا ہے۔ دیوبند میں دیکھو کیسی عالی شان مسجد بنائی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں لگے زبانوں سے بھی زیادہ مدرسہ جاری ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو پنجاب میں کتنے مدارس اسلامیہ جاری ہوئے۔ دہلی میں اسلامی مدرسہ جاری ہوا۔ لکھنؤ میں مدرسہ اسلامیہ قائم ہوا۔ دیوبند کے مدرسہ تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ افتخار العلام و فخر الکلام اعظم عہد شیخ زمان صاحب دین و نیران مدرس ہتم ہیں۔ پھر سہارنپور میں انبیٹہ میں مدارس اسلامی موجود ہیں۔ غرض کہ بہت سی جگہ مدارس طاری ہیں۔ پھر قومی ہمدردی کے لفظ کو نیا لفظ کہنا صحیح نہیں ہاں شاید یہ ترکیب لفظی نئی ہو مگر اسی مضمون کا پہلے بھی ضرور کوئی لفظ ہوگا جو ہماری یاد سے جاتا رہے۔ جبکہ ہم یہ باتیں سُنتے اور خیال کرتے ہیں تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک ہلوگوں میں قومی ہمدردی قدیم سے چلی آتی ہے اور اب بھی بہت پائی جاتی ہے۔ مگر جب زیادہ غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہ سب دھوکا ہی دھوکا پایا جاتا ہے (قطع نظر اس بحث کے کہ یہ کام قوم کو مفید ہیں اور قوم کو اُس کی ضرورت ہے یا اس سے زیادہ اُور چیزوں کی ضرورت ہے) جب اُن لوگوں کے جنہوں نے یہ کام کیے اور کر رہے ہیں اُن سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ وہ یہ تمام کام اُس

خیالی خوش میں کر رہے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کے کام میں مصروف ہیں اور ثواب کی گٹھریاں باندھ کر رہے ہیں۔ مرتے ہی یہ سب کام ہم کو بہشت میں لیجا دیں گے اور بہشت میں بڑے بڑے درجے پاویں گے۔ تاج ہمارے سر پہ ہوگا اور ایک موتی کا محل جنت میں ملیگا۔ حوریں صرف کو ہونگی جن کو ہمارے سوا کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا۔ پھر اُن کی تعداد چار پر بھی محدود نہ ہوگی۔ بے انتہا جتنی چاہو غلمان بھی نہایت خوبصورت معلوم نہیں صرف یا خدمت کو ملیں گے۔ باغ ہوگا۔ میوہ ہوگا۔ نہریں ہونگی۔ شراب ہوگی۔ پیشیں گے اور چنیں کریں گے اور کہا کریں گے کہ حافظ نے کیسا غلط یہ شعر کہا تھا۔

بدہ ساقی مئے باقی کہ درجنت نحو اہی یافت
کنار آب رُکنا باد و گل گشت مُصلّے را

ہم بھی نہایت ادب اور صدق دل سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ خدا ہم کو بھی نصیب کرے مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ سب کام خود غرضی کے ہیں یا قومی ہمدردی کے۔ کوئی کہے۔ میں تو غمانوں کہ یہ کام قومی ہمدردی کے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسے ہی کام ہیں جیسے ایک رند مشرب دنیا میں انہی عیشوں کے حامل کرنے کو کرتا ہے۔ اُس میں اور اُن میں اتنا فرق ہے کہ اُنہوں نے نقد کو نسیہ پر چھوڑا ہے اور دوسرے جہاں میں ان عیشوں کے حامل کرنے کی لالچ سے یہ کام کیے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ باغبانوں سے اپنے چین کے لیے مزدوری دیکر باغ لگوانا۔ مزدوروں کو مزدوری دیکر اپنے آرام کے لیے محل چھنانا۔ کلال کو دام دیکر اپنی عیاشی کے لیے شراب کھچوانا۔ اور علاوہ اس کے روپیہ خرچ کر کر سامان عیش اور لذائذ نفسانی کا جمع کرنا کیا قومی ہمدردی گنی جاوے گی۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں یہ تو عین خود غرضی ہے۔ پھر وہ باتیں جو ثواب کے لالچ سے کی جاتی ہیں کیوں قومی ہمدردی گنی جاویں گی۔ اور اگر ہم سے پوچھو ثواب بھی نہیں۔ گدے کھایا کھیت جس کا پاپ نہ پُٹن ۛ

اسلام کا صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اُسی کام کے کرنے میں ثواب ہے جس کی ضرورت ہے۔ دیکھو کوئی اجر ہجرت سے زیادہ نہ تھا جس کی اُس وقت بڑی ضرورت تھی۔ فتح مکہ کے بعد کچھ بھی نہ تھا۔ جیش اسامہ کی تہذیر کے لیے جو چار ٹکے کا اسباب ابوبکر صدیق نے حاضر کیا جسکی ضرورت تھی مگر اب اُس کی برابری کوہ احد کے برابر سونا بھی نہیں کوسکتا۔ یہ تھا اصول مذہب اسلام کا ہے مگر کئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا ۛ

قوم کی حالت اور اسلام کی حرمت کیسی ہی خراب ہوتی جاوے اُس کے اسباب پر غور کرنے اور اُسکے رفع کرنے کا کسی کو خیال نہیں ہے۔ اپنے خیالات کے موافق جو اپنے ثواب اور دوسرے جہاں میں اپنے چین کرنے کے کام سمجھتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ پھر کس طرح خیال ہو سکتا ہے کہ وہ قومی ہمدردی کے کام میں بلکہ ٹھیکیت خود غرضی ہے اور اُمید ہے کہ وہ بھی حاصل نہ ہوگی +

شروع سال

سنہ انبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۳ھ ہجری

عرب میں بزمانہ جاہلیت بہت سے سنہ مروج تھے۔ اولاً سنہ بنائے کعبہ یلح تھا۔ پھر عمر بن ربیعہ کی ریا۔ پت سے سنہ شروع ہوا۔ اصحاب الغیل کے واقو تک ہی سنہ جاری رہا۔ پھر عام الغیل سے نیا سنہ شمار ہونیکا۔ عرب کے قبیلوں میں بھی متعدد سنہ یلح تھے۔ جس قبیلہ میں کوئی بڑا واقو پیش آتا تھا اُسی واقو سے نیا سنہ شمار کرنے لگتے تھے۔ آن حضرت صلعم کے وقت میں کسی سنہ کے مقرر کرنے کا خیال نہیں ہوا کیونکہ یہ ایک امر تمدن سے متعلق تھا۔ کوئی مذہبی بات نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے وقت میں اسکی ضرورت پیش آئی۔ ابو موسیٰ اشعری حاکم مین نے لکھا کہ فرمان مورخہ شعبان جو آیا ہے اُس سے نہیں معلوم ہوتا کہ کون ہی شعبان کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر خیال ہوا کہ کوئی سنہ مقرر کرنا چاہیے جو کہ تمام مہاجرین و انصار مدینہ منورہ کے باشندے ہو گئے تھے اور مہاجرین پر ہجرت سے بڑا کوئی واقو نہیں گذرا تھا اور مدینہ منورہ میں آں حضرت صلعم کے تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے سے بڑھ کر کوئی واقو نہ تھا اس لیے عرب کی عادت کے موافق ہجرت سے سنہ کا شمار ہونے لگا۔ درحقیقت یہ سنہ نہایت عام امت محمدیہ کے خاص مہاجرین اور انصار سے اور ساکنین مدینہ منورہ سے زیادہ تر تعلق رکھتا تھا۔ مگر جوں جوں اسلام کو اور حکومت اسلامیہ کو وسعت ہوتی گئی اور دور دور ملکوں میں پھیلنا گیا اسی سنہ کا رواج ہوتا گیا تھا کہ اب یہی سنہ مسلمانانہ تصور کیا جاتا ہے +

ایک زمانہ کے بعد ملکی انتظام کے لیے یہ سنہ مناسب نہ معلوم ہوا اور جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں آئی تو کسی طرح ملکی انتظام بنانوں سے نہ ہو سکا، اکبر کے عہد سے پہلے جب قدر مسلمان

گذرے اُنھوں نے سنہ تو ہی قائم رکھا مگر ملکی سنہ کو دو ہجری سنوں سے ترکیب دیکر بنایا اور نصف
 مہینہ ایک سنہ کے اور نصف مہینہ دوسرے سنہ کے لیکر ایک برس قائم کیا اور کاغذات ملکی میں
 اس طرح پر تحریر ہوئی گا۔ مثلاً خریف ۱۱۱۱ ہجری و ربیع ۱۱۱۲ ہجری +

یہ کارروائی بھی ملکی انتظام کے لیے کافی نہ تھی اس لیے کہ ہجری سنہ کے مہینہ قمری تھے اور
 ملکی پیداوار شمسی مہینوں پر موقوف تھی۔ قمری سال میں ۱۲ کم تھے اور شمسی سال میں ۱۲ دن زیادہ تھے
 اور ماہ محرم جو ہجری سال کا پہلا مہینہ تھا کبھی ربیع میں آجاتا اور کبھی خریف میں اس لیے اکبر کے
 عہد میں یہ کارروائی ہوئی کہ سنہ تو وہی ہجری قائم رکھا مگر اُس کے مہینہ بجائے عربی کے جو
 قمری تھے ہندی قمری کر دیئے جو تیسرے سال کبھی یعنی لوند کا مہینہ بڑھنے سے شمسی ہو جاتے
 تھے اور اُس کا فضلی سنہ نام رکھ دیا۔ اور ملکوں میں بھی اسی طرح کچھ کچھ تبدیل ہوئی مگر مذہبی امور
 میں جیسے ہی سنہ اور وہی مہینے قائم رہے +

اُن نے غور سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ سنوں کے حساب پر کوئی مذہبی امر متعلق نہیں ہے۔
 صرف مہینوں کے حساب سے امور مذہبی متعلق ہیں۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے ہوں گے
 اور ذی الحجہ میں حج کرنا ہوگا۔ اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ کون سے سنہ کا رمضان یا ذی الحجہ ہے +
 پس ہجری سنوں سے بجز اس کے کہ زمانہ کا شمار قائم کیا جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہے۔
 جبکہ ثابت ہو کہ ہماری مذہبی کارروائی صرف قمری عربی مہینوں پر منحصر ہے تو ہکو نہایت اچھا
 معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کا شمار بھی ہم اپنی خاص مذہبی کارروائی سے کریں یعنی اُس وقت سے جبکہ
 آنحضرت مسلم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا۔ اور جبریل اہیں نے خدا کی طرف سے کہا "اقرء
 بسم ربك الَّذي خلق الانسان من علق اقرء وربك الاكرم الَّذي علم
 بالقلم علم الانسان ما لم يعلم" +

اگر اس خیال پر ہم زمانہ کا شمار قائم کرنا چاہیں تو اول یہ کوئی تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ نیت غلطی کیے
 شروع ہوئی اور کس مہینہ سے اُس کے سال مبارک کا آغاز ہوتا ہے تو ہکو قرآن مجید سے اس کا
 صاف پتہ ملتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے "شہر رمضان الَّذي انزل فيها القرآن" یعنی رمضان
 وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے "انا انزلناہ فی ایامہ القدیمہ"
 یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا شب قدیمہ + ان دونوں آیتوں سے دو باتیں عین ہو گئیں۔ ایک
 یہ کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ جن بات قرآن نازل ہوا اور اسی کے سبب شب قدیمہ

اُس کا نام پڑا وہ شبِ رمضان میں تھی پس اگر تحقیق ہو جاوے کہ شبِ قدر کب تھی یعنی شبِ نولِ قرآن کب تھی تو شروع سالِ نبوی بھی تحقیق ہو جاوے گا :

شبِ قدر کی نسبت جو روایتیں کتبِ احادیث میں مندرج ہیں وہ نہایت مختلف ہیں۔ اول ایسا میں بحث ہے کہ شبِ قدر ایک نوحہ ہو چکی یا ہر رمضان میں پھر پھر کراتی ہے۔ اہل سنت و جماعت و شیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر سال پھر پھر کراتی ہے اور سنی و شیعہ امامیہ دونوں اُس کی تلاش میں راتوں کو جاگتے اور اوراد و وظائف پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ہم بھی بہت راتوں جاگے ہیں مگر ہماری بد بختی سے ہلکو تو نہیں ملی :

قسطانی شرح صحیح بخاری میں امام فاکہانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شبِ قدر صرف

ایک ہی برس جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ ہم اتنا اور اس پر زیادہ کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تھا اور ہم بھی امام فاکہانی کی تحقیق کو صحیح و درست سمجھتے ہیں :

وحكي الفاكهاني انها خاصة بسنة واحدة وقعت في زمنه عليه السلام
(قسطانی جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

غیر اس بحث کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس باب میں کہ وہ رمضان میں کب ہوئی تھی تو وجہ کرنی چاہیے تمام روایتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ تو بخوبی نکل آتا ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں ہوئی تھی اور بعضی روایتوں میں آ یا ہے کہ شبِ اخیر رمضان میں ہوئی تھی اور اگر وہ مہینہ انتیس کا سمجھا جاوے تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر پہلے خلاف سے ہمارے قصد میں کچھ سچ نہیں پڑا کیونکہ جب مذہبی امور کا انجام قمری مہینہ پر ہے جو چاند دکھائی دینے سے شروع ہوتا ہے تو بعد رمضان جو پہلا چاند دکھائی دے گا وہی شروع سال ہوگا مگر شبِ اخیر رمضان کو شبِ جمعہ میں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور یکم شوال روزِ عید للمومنین کو شروع سالِ نبوی :

ہجرت واقع ہوئی تھی پہلے الاول سئلہ نبوی میں یعنی نبوت سے بارہ برس پہلے یعنی بعد مگر تاریخِ ہجری دو مہینے قبل سے شروع ہوتی ہے۔ پس یکم محرم سنہ ایک ہجری مطابق تھا یکم محرم سئلہ نبوی کے۔ اور یکم شوال سئلہ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ایک ہجری کے اور یکم شوال سئلہ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ایک ہجری کے جس روز ہم نے تہذیب الاخلاق جاری کیا :

ابتدا ہی سے ہمارا ارادہ تھا کہ ہمارا تہذیب الاخلاق سالِ نبوی کے حساب سے جاری رہے

اور شوال ہی سے اُس کا شروع سال ہو مگر ہم اُس زمانہ میں نسبت اجرائے پرچہ تہذیب لاطلاق کے اپنے ایک مقدس سرگھٹے ٹخنے کھلے ماتھے پر گٹھ پڑے دوست کے دست بیع ہو چکے تھے۔ انہوں نے نہ مانا اور کہا اچی حضرت یہ بھی کوئی بات ہے جو سند صحابہ کے وقت سے متفق علیہ چلا آتا ہے اور جس پر اجماع اُست ہو چکا ہے اُسی کو رکھنا چاہیے نئے سال کی کیا ضرورت ہے۔ لاچار ہمارا کچھ بس چلا اور انہوں نے تہذیب لاطلاق کی جلدوں کے ٹکڑے کر دیے۔ پہلی جلد صرف تین جہینے کی رہ گئی۔ ہم بھی وقت تک رہے تھے۔ اب کہ تمام امور پرچہ تہذیب لاطلاق کے ہمارے ہاتھ میں ہیں اس لیے ہم اپنا قدیم ارادہ پورا کرتے ہیں اور یکم شوال روز عید سعید سے نئی جلد شروع کرتے ہیں :

یکم شوال ۱۳۸۶ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۵ھ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان ۱۳۸۶ھ نبوی مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۸۵ھ ہجری ایک جلد پوری ہوئی :

یکم شوال ۱۳۸۷ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۶ھ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان ۱۳۸۷ھ نبوی مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۸۶ھ ہجری دوسری جلد پوری ہوئی :

یکم شوال ۱۳۸۸ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۷ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۸۸ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۷ھ ہجری تیسری جلد پوری ہوئی :

یکم شوال ۱۳۸۹ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۸ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۸۹ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۸ھ ہجری چوتھی جلد پوری ہوئی :

یکم شوال ۱۳۹۰ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۹ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۹۰ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۹ھ ہجری پانچویں جلد پوری ہوئی :

یکم شوال ۱۳۹۱ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۰ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۹۱ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۹۰ھ ہجری چھٹی جلد پوری ہوئی :

یکم شوال ۱۳۹۲ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۱ھ ہجری سے یہ ساتویں جلد شروع ہے اور خدا سے امید ہے کہ بغیر غولبی انجام پاوے اور اُس کے ذریعہ سے حقیقت دین محمدی و اسرار

دین احمدی علیہ صلوٰۃ والسلام لوگوں کے دلوں پر نقش ہوں اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں ترقی ہو۔ آمین :

سُلطان

جدید روم بھی ہندوستان کے مقدسوں

کے نزدیک

بحکم حدیث

من تشبہ بقوم فہو منہم

کافر نکلے

اب تو مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں رہا۔ نئے سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکیم بھی من تشبہ کی لپیٹ میں آ ہی گئے۔ بچارے مسلمانوں پر کیسی مشکل آنی ہے۔ آج عید کا دن ہے مگر معطر اور مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جو کو خدا بہت ہی عید پر نصیب کرے) وہ تو من تشبہ بقوم کی جھپیٹ میں آ گیا۔ اور نفوذ باللہ کافر ہو گیا *

مدرسہ کاشمیر الاخبار مطبوعہ ۲۹۔ شعبان ۱۲۹۳ھ ہجری لکھتا ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں کو ۱۲۹۶ھ میں اُن کے باپ (چچا) پیر (دار الخلافہ فرانس) میں واسطے دکھلانے نمائش گاہ کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نمائش گاہ نے عبدالحمید خاں کی آنکھیں کھول دیں۔ اُن کو کمال شوق فرانس کی زبان سے پیدا ہوا اور اُنھوں نے وہ زبان کیسی اور اُن کو یورپین قواعد اور لباس بھی نہایت پسند ہوا۔ لہذا اُس نے اُن سے اور اب تک اُن کا ویسا ہی برتاؤ ہے یعنی یورپین پوشاک پہنتے ہیں اور یورپین قاعدوں کا برتاؤ کرتے ہیں * * * اور اشیاء منشی سے اُن کو کچھ شوق نہیں (جو ہمارے نزدیک ایک معزز تمغہ مسلمانوں کا ہے) * * * اُن کی بی بی بھی ایک ہی ہے جس کے ساتھ یہ ایک عذگی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں (جو ہمارے نزدیک ٹھیک ٹھیک تپا مسئلہ ٹھیک اسلام کا ہے)

کیا دارالاسلام کے شیخ الاسلام بھی کافر ہو گئے ہیں جو کالا بوٹ اور بٹن لگی پتلون اور انگریزی فرنیچر سی کوٹ اور لال پھندے دار ٹوپی پہننے والے میز کرسی پر بیٹھنے والے چھری کانٹے سے کھانیا لے کو امیر المومنین اور سلطان حرمین شریفین بنایا ہے یا اب مکہ معظمہ میں بھی کوٹ پتلون اور پھندے دار لال ٹوپی پہننے والوں کا خطبہ پڑھایا جاتا ہے۔ خدا بھجیں کُند، چکفر از کعبہ بنیز کجکامد مسلمان! سفلت بدولت اولوالعبار !!!

مبارک باد عید

السلام علیکم وعلیکم السلام۔ حضرت مبارک باشند! مل تو لیجئے۔ معاف تو فرمائیے، آئیے آئیے تشریف رکھیے۔ دل ملے ہوئے ہیں۔ معاف کیا ہے، کیا آپ معاف عید کو جائز نہیں سمجھتے؟ جناب میں کوئی مولوی ٹماں، مفتی تو ہوں نہیں کہ جائز نا جائز سے بحث کروں۔ اس جھگڑے کو جانے دیجئے۔ بیٹھئے مزے مزے کی دل خوش کن باتیں کیجئے، نہیں صاحب پہلے اسی بات کا تصفیہ کر لیجئے کہ عید کا معافہ جائز و متحب ہے یا نہیں، حضرت میری رائے جب آپ سُنیگے تو چونکیں گے اور متحب ہونگے اور فرماویں گے کہ یہ تو سب سے انوکھی بات ہے، خیال کیجئے کہ جائز و نا جائز متحب و غیر متحب یہ سب میں افعال مذہبی کی ہیں۔ عید کا معافہ کوئی مذہبی افعال میں سے نہیں ہے جس پر جائز یا نا جائز کا اطلاق ہو سکے، یہ بات صرف باہم معاشرت کی ہے۔ مگر اسپر بحث ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ آیا یہ طرز معاشرت قابل پسند اور مذہب ہے یا نہیں، اُس کا حال یہ ہے کہ جب تک قوم کے خیالات نہیں بدلتے اور عقوبت دُور نہیں ہوتا اُس وقت تک جو میں اُس قوم کی ہیں گو وہ کیسی ہی مذہب ہوں مذہب ہی معلوم ہوتے ہیں، اُس کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے اُس مذہب کا مذہب یا نا مذہب ہونا ناپ لیا جاوے۔ اگر کوئی پیمانہ اس کے لیے ہو سکتا ہے تو صرف ترقی علوم و فنون سے ہو سکتا ہے، گویا مثل شہر ہے کہ ”لیے راجپش مجھوں بایہ دید“ ہر ایک شخص اپنے معشوق کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتا ہے مگر خوبصورتی بھی حقیقت کوئی شے ہے جو فی الواقع حق ہے۔ اُس کے تصفیہ کا پیمانہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ بن لوگوں نے علم مستوری میں کیا الہم پر پوچھا ہے اور انسان کے اعضا اور چہرہ کی مناسبتوں پر کامل غور کیا ہے اُس کے لیے اصول اور معیار تین قائم کی ہیں اور اُس کی ساخت و خط و خال کے قواعد مقرر کیے ہیں

وہ جس نقشہ کو خوبصورت بتا دیں وہ خوبصورت ہے جبکہ بد صورت بتائیں وہ بد صورت ہے
گو کہ حبشی اپنے کالے چکول رنگ اور ناند کے کناروں سے موٹے ہونٹ اور پستہ کی سی چھوٹی
زرد آنکھوں کو خوبصورت سمجھا کریں، اسی طرح حسن معاشرت نتیجہ ہے تمام دنیا کے علوم و فنون
کے نیلج کے مجموعہ کا، پس اگر حسن معاشرت کے اچھے یا بُرے ہونے کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے
تو اسی قوم کی معاشرت سے ہو سکتا ہے جن میں ہر قسم کے علوم و فنون اعلیٰ درجہ کی ترقی پر
ہوں۔

یہ پیمانہ کچھ آج کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ ہمیشہ سے حسن معاشرت کا یہی پیمانہ رہا ہے۔ ایک زمانہ
میں یہ پیمانہ مصریوں کے گھر میں تھا پھر یونانیوں اور ہندوؤں کے گھر میں آیا۔ چند روز
مسلمانوں کے گھر میں، اب ان لوگوں کے گھر میں ہے جو ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کیلئے
ہوئے ہیں۔ اگر آپ میرے اس اصول کو صحیح تصور فرماتے ہوں تو خود ہی اس طرز معاشرت
کے حسن و قبح کا فیصلہ فرمائیوں۔ کسی طرز معاشرت پر عیب نکالنا (مثلاً سائنس کی نسبت
یہ کہنا کہ یہ تو دو سانپوں کا سا گھٹنا یا دو کھڑے نیلوں کا آپس میں لڑنا سا ہے) میں پسند نہیں
کرتا کیونکہ ہم ایک طرز کی حسن معاشرت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے مگر جب ہمارے پاس سب سے اچھا
کے جو نہ کو رہا اور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے تو ہمارے اسی طرز معاشرت کے اچھا کہنے میں مجبوری
ہے جو اس پیمانہ کے مطابق ہے۔

یہ بات کہ ہر ایک ملک کے لئے حسن معاشرت جداگانہ ہے میری سمجھ میں ایک محض غلط
خیال ہے۔ معاشرت بشرطیکہ اُس کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرو تو ایک امر حقیقی ہے امر نسبتی
نہیں ہے۔ پس وہ کسی ملک میں مختلف نہیں ہو سکتا اگر وہ اُس کے حصول کے ذریعے مختلف
ہوں اسی غلط فہمی کے سبب لوگوں کے خیال میں ہے کہ یہ رسم فلاں ملک کی ہے ہمارے ملک
کی نہیں۔ اگر یہ اصول تسلیم نہ کیا جاوے تو ایک ہی شے کا ایک ہی حیثیت سے ایک جگہ اچھا
اور ایک جگہ بُرا ہونا لازم آتا ہے۔ دیکھیے دیکھیے معاشرت کے معنی سمجھنے میں کچھ غلطی نہ کیجئے گا۔
پہلے اُس کے معنی خوب سمجھ لیجئے پھر اگر کچھ کہنا ہو تو کہیئے۔

بہت اچھا آپ معاذہ نہ کیجئے مصافحہ تو کیجئے یہ تو سنت ہے۔ دیکھیے پھر آپ نے دو بھاسی
بات کہی۔ اگر فطرت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی
اپنے اصحاب اور احباب سے مصافحہ فرمایا ہے۔ اور اس لئے یہ سنت عادی یا رسم

ملک عرب کی ہے تو تو میں اسکو تسلیم کرتا ہوں اور اگر آپ نے اُس کو کسی مذہبی خیال سے سُنت نہ فرمایا ہے تو میں مصافحہ کو داخل مذہب نہیں سمجھتا بلکہ اُس کو حق معاشرت میں داخل سمجھتا ہوں مگر آپ مذہبی خیال سے عید کا مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے میں ماتہ نہیں بڑھاتا آپ مہربانی سے معاف فرماویں +

خیر صاحب اس کو جانے دیجئے۔ آپ تو جھاڑ ہو کر اوجھ گئے۔ یہ تو فرمایئے کہ آپ نے عید کی نماز کہاں پڑھی؟ مسکرائے! اور کہا کہ حضرت میں تو کہیں نہیں گیا۔ دلی میں جب تھا جب بھی کچھ التزام نہ تھا۔ کبھی عید گاہ اور کبھی جناب مولانا مولوی محمد مخصوص اہل مدرعہ کے سب سے قاضی دائرہ کی مسجد میں چلا جاتا تھا۔ غدر کے بعد سے بلکہ برس دو برس پہلے سے مجھے یاد نہیں آتا کہ عید کی نماز کو کہیں گیا ہوں +

آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ جناب میں تو عید گاہ میں گیا تھا۔ جب تک میں نجاتا نماز کیسے ہوتی۔ امام کو گیارہ روپیہ اور دو سالہ۔ متولی کو سات روپیہ اور گرٹھی۔ موذن کو پانچ روپیہ اور دو پیٹہ کون دیتا۔ میں تو گیارہ ہی بچے چلا گیا تھا۔ اگر میں شام تک نجاتا تو نماز نہ ہوتی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ اس قصبہ کا میں ہی رئیس گنا جاتا ہوں جب میں امام کو گوگردی باندھ لیتا ہوں تب آدھرمہ شرمہ گرٹیاں باندھتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں۔ امام کو متولی کو موذن کو خدا کے فضل سے بہت کچھ مل جاتا ہے +

افسوس اگر ہم بھی امام ہوتے تو آج خوب کاتے!

بھلا صاحب۔ دماں آؤر کیا کیا ہوا۔ حضرت بڑا ارذہام خلائق کا تختہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ مجھ کو جانے میں ذرا دیر ہو گئی تھی۔ دھوپ میں ذرا تیزی آگئی تھی۔ عید گاہ میں پورا فرش تو ہے نہیں۔ لوگوں کو اتنا مقدور نہیں کہ بھٹے خریدیں۔ ہزاروں آدمی زمین پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ میں بھی ہلاکی تیزی تھی۔ گرد بھی اڑنی شروع ہو گئی تھی۔ اُس وقت میرا ہونچنا لوگوں کو غنیمت ہو گیا۔ معلوم نہیں اتنے آدمی کہاں سے اُمنڈائے تھے +

حضرت اُن میں ہندو بھی تو بہت ہوں گے۔ واہ کیا آپ کا بھی ذہن سا ہے۔ اشارہ عید کی نماز میں اور کہتے ہیں کہ ہندو بھی ہوں گے۔ اے جناب سب مسلمان تھے اور مسلمانوں ہی کی کیشرت تھی ہاں دو چار نوجوان ہندو بھی نہایت عمدہ گھوڑوں پر سنہری روپلی ساز لگائے ہوئے کار چلی غاشیہ گھوڑوں پر ڈالے ہوئے نہایت عمدہ ونغیس کپڑے پہنے زمرود یا قوت

اور موتیوں کی مالائیں اور کنٹھے گلے میں ڈالے ہوئے نہایت نفیس سُرخ رنگ اور طلائی ہلکا
 کا چمرو باندھے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔ دو چار رنگ بنگالی بھی نظر پڑتے تھے۔ سیاہ نفیس
 دواشرنی کا ولایت کا بنا ہوا بوٹ۔ سفید پتلون اور کالا کوٹ اور دفلیا ٹوپی ہاتھ میں خوبصورت
 پتلی سی پھوندنا پٹری چھری لئے انگریزی میں غٹ پٹ کرتے لوگوں کو دیکھ کر مسکراتے پڑے
 پھرتے تھے۔

جناب حقیقت میں بڑا بھاری میلہ تھا۔ آپ نے خوب سیر کی۔ ثواب کا ثواب کمایا اور تماشے
 کا تماشہ دیکھا۔ آپ کا دل بہت خوش ہوا ہو گا۔ آہ۔ ایک ٹھنڈی لہبی سانس بھری۔ اور کہا کہ
 ہاں صاحب ثواب تو ہوا خدا تیسوں روز سے اور دونوں دوکانیں اور فطرہ کے گیسوں اور آنے
 جانے کی ڈوکیں سب قبول کرے مگر دل تو خوش نہیں ہوا۔

کیوں خیر باشد۔ کیا امام نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھا۔ خطبہ اچھا نہیں پڑھا۔ نہیں
 صاحب یہ تو کچھ بات نہیں۔ امام کجبت تو ہمیشہ کا بد آواز ہے۔ جاہل الحمد بھی تو سمجھ نہیں پڑھتا
 نماز پڑھانے میں ادھر ادھر کرنا انھوں سے دیکھتا جاتا ہے کہ کتنے آدمی پگڑیاں لائے ہیں
 میرے خدمتگار کو ملتا جاتا ہے کہ دوشا بھی اگیا یا نہیں۔ خطبہ وہ نہیں پڑھتا متوالی صاحب
 پڑھتے ہیں وہ تو عالم آدمی ہیں اور نہایت خوش آواز ہیں۔ دُور تک آواز جاتی ہے مگر سمجھ میں
 نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں۔ کبھی اونچی کبھی نیچی۔ کبھی موٹی اور کبھی تیلی آواز تو آتی تھی مگر کچھ سمجھ میں
 نہیں آتا۔ تو بہ تو بہ خدا صاف کرے کبھی ماگ رس خان آلاپتے تھے جس میں صرف آواز ہی آواز
 ہوتی تھی ویسا ہی سا معلوم ہوتا تھا۔

ارے میاں تو بہ کر تو بہ کرو۔ خطبہ میں تو خدا کے اوصاف نماز رونہ کے حکام۔ علم و اخلاق
 کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں۔ یہ تم نے کیا کہا۔ جناب خدا کسوں کو سمجھ میں آتا ہو لوگ
 کہتے تھے خطبہ پڑھا جاتا ہے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں پڑھنا
 ثواب بتاتے تھے۔ میں نے کہا کہ ثواب کیا خاک پتھر ہے سمجھ میں تو ایک حرف بھی نہیں آتا
 لوگوں نے کہا چپ چپ گناہ ہوتا ہے۔ میں چپ ہو رہا اور تعجب ہوا کہ کہوں سچی بات اور
 ہووے گناہ۔ ایسے گناہ سے بھی خدا کی پناہ۔ مگر جناب مسلمان کی بات میں کون دم مارے۔ جو
 بولے دُسی کافر ہو۔

پھر آپ کا دل کیوں خوش نہیں ہوا؟ ارے میاں ہاں ہزاروں مسلمان تھے مگر ایک مسلمان

بدتر حالت میں آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں عید کا دن بڑی خوشی کا ہے۔ ہر ایک مسلمان اپنے مقدور بھراچھے سے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ پسہاری بھی دودو کوڑی جمع کر کر عید کے لئے اپنے بچے کو نیا جوڑا بنا دیتی ہے لیکن اگر تم جانے اور مسلمانوں کے غول کو دیکھتے تو انہی تباهی کا حال جانتے۔ میاں میں نے ہزاروں پر نظر ڈالی۔ کسی کے گلے میں سبز گزری اور ادھوتر کے اذکچھ نہیں دیکھا۔ کپڑے تو سب کے دھوئے اور اُجالے تھے مگر ہزاروں آدمیوں کے انگرکھے میں پونڈ لگے ہوئے تھے اگر کسی کے گلے میں گزری کا نیا انگا تھا تو یقین جانیے کہ پورا نا پیجامہ تھا جس میں تھلنی کے سے چھید تھے۔ جو تے تو کسی کے پاؤں میں ثابت نہ تھے۔ بہتوں نے رستی یا چیتھڑے سے باندھ لئے تھے کیونکہ پاؤں سے نکل نکلتے تھے۔ بھلا بڑے بوڑھوں کا کچھ ذکر نہیں بچوں کو عید کے دن اچھے اچھے کپڑے پہننے کا کھلونوں کے لینے کا بڑا شوق ہوتا ہے کسی بچے کا یکساں لباس تھا۔ اگر سر پر جھوٹے گونٹے کی ٹوپی ہے تو پاؤں میں جوتہ نہیں پیجامہ نیا ہے تو انگا پُرانا ہے۔ رنگ لٹ کا پیجامہ اور ادھوتر کا انگرکھا نینوں کا انگا اور گزری کا پیجامہ ہر ایک پر ایسے مبارک اور خوشی کے دن میں بھی نہایت افلاس اور مصیبت برستی تھی۔ کسی کا دل اندر سے خوش نہ تھا۔ ہر ایک غلین۔ روتی صوت۔ بسورتی شکل۔ تیوری چڑھی ہوئی۔ ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی۔ پیادہ پا چلنے سے پسینہ میں شوربور۔ نہایت پریشان و مستغرق نظر آتے تھے۔ چند قصائی جو چمڑا چربی بیچتے ہیں اور چند ملانے جو وعظ کہہ کہہ کر لوگوں کا مال کرتے ہیں اور دو ایک ڈپٹی کلکٹر اور صدر الصدور اور وکیل جو انگریزوں کے صدقہ سٹے لکھاتے ہیں آسودہ حال دکھائی دیتے تھے۔ ہاتھ میں چار مسلمان جو گھوڑوں کے آگے دوڑتے جاتے تھے وہ بھی آسودہ حال معلوم ہوتے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو معلوم ہوا کہ لالہ چھنائل کے بیٹے سیر کو آئے ہیں ان کے سائیں ہیں۔ انھوں نے عید سے پہلے کہا تھا کہ ہمارا ج ہمارا تہوار ہے اگر تنخواہ پیشگی مل جاوے تو بڑی پرورش ہوگی۔ ہمارا ج نے روکڑیے کو کہا تھا کہ یہ مسلمان تہوار تہوار نکار رہا ہے آئے روپیہ بیاج کا کاٹ کر اس مسئلے کو پیشگی تنخواہ دیدو۔ سن بے اگر تو دوسرے ظلمی تہوار کو کچھ مانگنے آیا تو ناک کاٹ لوں گا۔ میں نے سنا ہے کہ آئی کے ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خستہ حالی پر بڑی مہربانی کی ہے اور یہ ٹھہرایا ہے کہ گھوڑوں پر تمام مسلمان سائیں رکھے جائیں +

عید گاہ کے باہر جو پیش نکلا تو ایک غول بھیک منگوں کا نظر پڑا جو دودو کوڑی مانگتے تھے

اور پچھانیں چھوڑتے تھے۔ بیسیوں مسلمان شرک پر کڑا بھجائے بیٹھے تھے اور پکار رہے تھے کچھ خیرات دیتے جاؤ تیسوں روز سے قبول۔ ایک طرف سینکڑوں عورتوں کا غول تھا اور ان میں بیسیوں بڑوقہ اوڑھے ہوئے چلا رہی تھیں کہ اسے بیٹا ہم سیدانی ہیں فاطمہ زہراؑ کی کا دانہ کھانیوالی ہیں۔ اشراں گھراتے کی ہیں۔ ہم پر مصیبت پڑی ہے۔ اپنے بال بچوں کا صدقہ۔ خاتونِ جنت کا صدقہ کچھ دیتا جا۔ جب تمام قوم کا یہ حال تھا تو مجھ کو عید اور عید میں جانے کی کیا خوشی ہوتی ؟

بھائی اُس وقت تو میری آنکھوں میں آنسو بھرائے اور اُس کا فرزند سید احمد کی جو علیگڑھ میں آن کر بیٹھا ہے بات یاد آگئی۔ بھائی خدا مار سے یا چھوڑے۔ وہ مسلمان ہو یا کرستان۔ مگر کتنا سب سچ ہے۔ میرے دل میں تو اُس کی سب باتیں بیٹھتی جاتی ہیں۔ میرا تو کئی دفعہ دل چاہا کہ اُس کے پاس جاؤں اور اُس کے کاموں کی جو مسلمانوں کی قومی ترقی کے لیے کر رہا ہے مدد کروں۔ مگر جناب مولوی محمد یعقوب آٹھویں خاتم النبیینؑ پاس حضرت جبرائیل خدا کے پاس سے وحی لائے ہیں کہ وہ تو دجال ہے۔ میرے دل سے پوچھو تو ایسے نبیوں سے تو دجال ہی بہتر ہے ؟

اجی یہ آٹھویں خاتم النبیینؑ کیسے ؟ آپ نے نہیں سنا کہ مولوی یعقوب صاحب اور اُن کے ساتھی سات خاتم النبیینؑ تو زمین کے اوپر اور اندر بتلاتے ہیں اور اب اُن پر وحی آتی شروع ہوئی ہے پھر آٹھویں ہوئے کہ نہیں ؟

حضرت آپ اتنے کیوں رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے اپنے مسلمان نندگوں کی اور فاعظ مولویوں کی نصیحتیں نہیں سنیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہی لیے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں بھگتیں۔ آپ نے سنا ہے کہ دنیا مسلمانوں کے لیے دفن ہے اور کافروں کے لیے بہشت۔ پس جس قدر مسلمان مجلس محتاج تباہ ہوتے جاویں اُسی ہی خوشی کی بات ہے کہ اب پورے مسلمان ہوئے ؟

یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور دھشتی سے بولے کہ میاں یہ کون کہتا ہے ؟ حضرت مولوی۔ خفا ہو کر بولے کہ تجھ بٹے ہیں۔ تمام دھننے جلاصوں قصاہوں سے ندیوں لے لیکر مال مارتے ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ چار چار جو روٹیں کرتے ہیں۔ اُن کے لیے گھنے پر گھنا بناتے ہیں مگھاتہ تمیر کرتے ہیں۔ دن رات پلاؤ تو روزہ خیرات کی روٹیاں کھاتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ

مسلمانوں کے لیے دنیا و فرخ ہے۔ جھوٹے مکار یہ قولوں مکار یہ فعلوں۔ مگر یہ تو بتلائیے کہ آپ نماز کو تو گئے نہیں مگر عید کے دن آپ نے اپنا مکان تو خوب سجایا ہے۔ جناب یہ تو خدا کی عنایت سے ہمیشہ یوں ہی رہتا ہے۔ یہاں تو دن عید و رات شب برات رہتی ہے ؟ کیا آپ کے نزدیک عید کے دن کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہے ؟ جناب کیوں نہیں مگر جس طرح آپ سمجھتے ہیں اُس طرح نہیں ؟

یہ اور ہوئی ہے۔ ہم کس طرح سمجھتے ہیں ؟ حضرت آپ تو عید کو یہی سمجھتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان تشریف لیگئے۔ خدا خدا کر تیسوں روز سے پورے ہوئے۔ دن کو نہ حقہ پی سکتے تھے نہ پان کھا سکتے تھے۔ سستی سے جان تنگ تھی۔ کچھ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جہائیوں پر جہا ئیاں آتی تھیں۔ ہاتھ پانوں میں غوث و ابدال کا مرتبہ تھا۔ خدا خدا کر کہ وہ دن کٹے لو اب عید کرو ؟

جو حضرات مقدس و خدا پرست ہیں انہوں نے ماہ مبارک کو غنیمت سمجھا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے تھے رات کو تراویح پڑھتے تھے۔ شب قدر کی تلاش میں راتوں جاگتے تھے ملے یا نہ ملے دو گانہ پر دو گانہ پڑھ کر ایک ایک کے ستر ستر گنتے تھے۔ ثواب کی گٹھر لگایا باندھ باندھ رکھتے جاتے تھے جیسے تجارت کے موسم میں سوداگر اپنا مال بچکر دو گنے چو گنے کما لیتا ہے۔ جب خوب مال یا ثواب جمع ہو لیا تو اب برس بھر کو نچنت ہو لیئے اور عید منائی۔ سارے دن کہیں فطرہ کے گیموں بٹ رہے ہیں کہیں اُس کے عوض نقد بھیجا جاتا ہے کہیں سیوایاں بٹ رہی ہیں۔ پیروں کو۔ سولویوں کو۔ واعظوں کو نذرین دی جاتی ہیں۔ یہ تو آپ کی عید ہے۔ ایام جاہلیت میں بھی رمضان آتا تھا۔ اسی مہینہ میں تیس روزے رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح چاند دیکھ کر روزوں کے ختم ہونے کی خوشی ہوتی تھی۔ پس آپ کی عید میں اور زاد جاہلیت کی عید میں تقصیر محاف ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا ؟

بھلا صاحب آپ کی عید کس طرح کی ہوتی ہے ؟ طرح کیا میاں سوچ نکلا یکم شوال اُئی عید ہوئی۔ بھلا اپنا خیال تو بتلائیے کہ عید کیا ہے ؟ میاں یکم شوال کا نام عید ہے۔ اہی حضرت آپ نے کہا تھا کہ عید خوشی کا دن ہے وہ کیسی خوشی ہے ؟ ہاں آپ یہ پوچھتے ہیں۔ جناب رمضان کے روزوں کا حکم ہے جس نے روزے رکھے اُس نے خدا کے حکم کی اطاعت کی۔ رمضان کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہوا اس خیال سے تو عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر بہکویہ خیال ہو کہ برس میں کا یہ وہ پہلا دن ہے جس میں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ

میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ تمام دنیا کے لیے خدا نے میرے پاس رحمت بھیجی ہے۔ مجھ پر وحی نازل کی ہے اور قرآن اتارا ہے۔ ایک خدا کو مانو اور اُسی پر ایمان لاؤ۔ خدا کے سوا کسی کو ست پوجو تو بلاشبہ یہ اُس اصلی دن کی یادگاری کا جو سنہ ایک نبوی میں آیا تھا دن ہے۔ اُسکی یادگاری میں ہجو خدا کا شکر کرنا اور اپنا نیا زبذریعہ دوگانہ نماز کے اُس کی جناب میں ادا کرنا لازم ہے۔ مگر ابھی تک خوشی کی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ یہاں تک جو خیال میں نے بتایا وہ تو صرف شکر کا تھا نہ خوشی کا۔ اب ہجو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس پچھلے برس میں اُس گروہ کا جس نے اُس پیغمبر رحمۃ اللعالمین کی بات کو مانا تھا کیا حال رہا۔ اُس کی امانت کو اُنھوں نے کس طرح برتا۔ اُس کے مقاصد کو کس طرح پورا کیا۔ رحمت اور شفقت اور محبت۔ سچائی۔ نیکی۔ خدا ترسی۔ ہمدردی۔ قومی ہمدردی۔ رحم۔ کرم۔ صبر۔ تحمل نے کس طرح اُن کے دلوں میں ترقی کی۔ تہذیب و شایستگی میں کس طرح اُنھوں نے قدم بڑھایا۔ علوم و فنون میں جو سب سے اعلیٰ ذریعہ قدرت کا ملہ صانع حقیقی پر یقین کرنے کا ہے کیا ترقی کی۔ اُنھوں نے اپنی حالت۔ اپنی عادت اپنی عبادت سے کس طرح دنیا میں اسلام کی صورت کی تصویر بنا کر دکھائی۔ اگر اس طرح پر گذشتہ سال کا ریویو کرنے سے قوم کی حالت اچھی معلوم ہو تو وعید کا دن خوشی کا دن ہے ورنہ محرم سے بدتر ہے *

ظاہری حالت قوم کی جو جتنی وہ تو خود آپ نے ہی بتادی۔ اگر باطنی حالت قوم کی تو چھوٹا تو شیطان بھی پناہ مانگیگا۔ کینہ و نخوت اپنے تقدس و بزرگی و خدا پرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں گٹ گٹ کر بھرا پائیے گا۔ اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈتے پھر تو جو جسے مقدسین کے جبہ و دستار مبارک کے اُور کمیں پتہ نہیں ملیگا۔ اُن سے اُتر کر جو لوگ ہیں اگرچہ اُن کے پاس شیطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سب کو کذب و افترا۔ دغا و نفاق میں بھرا پائیے گا۔ ہم بچا رہے دنیا کے گتوں۔ کافر۔ مرتد۔ دجالوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ پس جب کہ یہ حالت ہے تو وعید کے دن کو خوشی کیسی۔ ہر ایک کو جو خدا اور اُس کے رکول کو اور اُس کی اُمت کو دوست رکھتا ہے اپنے اپنے گھر میں بیٹھ کر رونا چاہیے۔ خوشی منانا کیسی *

یہ سن کر میرے خیالی دوست آنسو بھلائے اور کہا کہ کیا تم کہتے تو سچ ہو پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ والسلام *

ایک تدبیر

یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش کی

ہندوستان میں قحط کی بلا اکثر آتی ہے اور خصوصاً اس بلا میں اور نیز دیگر واقعات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے صغیر السن بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کی پرورش کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتی نہ ایسا خراج اختیار کر سکتی ہے جس کے ذریعہ سے اُن کی پرورش اور نیز اُن کی تعلیم ہو اور اس لئے گورنمنٹ ایسے یتیم لاوارث بچوں کو اُن لوگوں کے سپرد کر دیتی ہے جو اُن دونوں باتوں یعنی اُن کی پرورش اور اُن کی تعلیم ضروری کے ذمہ دار ہوں +

پادری صاحبان جو ہمارے ملک میں ہر جگہ موجود ہیں اور عیسائی قومیں اپنے مذہب کی ترقی کے لئے لاکھ روپیہ چندہ کر کر اُن کو دیتی ہیں۔ اُن کو ایسے یتیم لاوارث بچوں کے عیسائی بنالینے کا خوب موقع ملتا ہے اور وہ اُن کی پرورش اور تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں۔ اور فی الفور اُس معصوم بچے کو اصطباغ دیکر عیسائی بنا لیتے ہیں اور اب یہ سبب حادثات پے درپے کے اس امر کا واجب اور نامناسب کی ایسی کثرت ہو گئی ہے کہ قحط کے یتیم اور لاوارث عیسائی کیے ہوئے بچوں سے گاؤں کے گاؤں آباد ہو گئے ہیں +

اگر جوان عاقل و بالغ آدمی کسی مذہب کا عیسائی ہو جاوے یا مسلمان ہو جاوے تو کوئی الزام یا افسوس کی بات نہیں ہے مگر صغیر السن یتیم لاوارث بچوں کو ایسی مصیبت و مصحک کی حالت عیسائی کر لینا جس کے سبب سے وہ اپنی تمام قوم و برادری اور مشرتہ مندوں سے شل ہو کر منقطع ہو جاتے ہیں اور تمام عمر کے لیے اُس خوشی سے جو اپنی قوم میں شامل رہنے سے ہوتی ہے محروم ہوا اپنی مرضی کے محروم ہو جاتے ہیں نہایت افسوس اور نہایت نفرت کے لایق بات ہے کہ ہم انسانی اور نیکی اور نیک نیتی سے نہایت بعید ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ہرگز یتیم بچوں پر رحم نہیں کرتے بلکہ خود غرض متصور ہوتے ہیں اور درحقیقت اُن یتیم بچوں پر اُن کی بلکسی کی حالت میں ظلم کرتے ہیں جو بغیر اُن کی مرضی جائز کے اُن کو ہمیشہ کے لیے اُن کی قوم سے منقطع کر دیتا ہے +

جو شخص رحمدل ہوگا اور یتیم بچوں پر بیکسی نفسانی خواہش کے صرف اس وجہ سے رحم کرتا ہوگا کہ مقتضائے انسانیت اُن پر رحم واجب ہے وہ ایسے فعل کو جیسا کہ اب ہو رہا ہے اور جس پر پادری صاحبوں کا غلغلہ آمد ہے اور جس کا غلو ایک نہایت سختی اور بے رحمی کے ساتھ مدرہاں کے قوط میں پادری صاحبوں کی جانب سے ہوا ہے جو اخباروں میں مندرج ہے نہایت بیرحمی تصور کرتا ہوگا اور جو لوگ ہر ایک کام کو بہ نظر ثواب عقیبی کیا کرتے ہیں وہ بھی اس بات کو نہایت ناپسند کرتے ہونگے کیونکہ کوئی مسلمان یا ہندو اس بات سے خوش نہ ہوگا کہ یتیم لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ایسی بیرحمی سے عیسائی بنائے جاویں۔ پس میں نہایت عجوز و انگسار اور دلی جوش حب وطنی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے رام جی کے واسطے اپنی قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں پر رحم کرو اور اُن کی پرورش کے لیے اُن تدبیروں میں سیکے ساتھ شریک ہو جو مدت ہائے دراز سے میں نے سوچی ہیں اور جن کے پورا کرنے کی میری کمال آرزو ہے اور وہ تدبیریں حسب مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ ضلع علیگڑھ میں جس کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے کسی مقام پر جو شہر سے فاصلہ پر ہو اور کسی قصبہ یا گاؤں کے قریب ہو زمین لیجاوے اور وہاں مکانات مناسب یتیم بچوں کے رکھنے اور پرورش پانے کے لیے بنائے جاویں :

۲۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس کام میں شریک ہوں اور ہر قوم کے یتیم و لاوارث بچوں کے پرورش پانے کے لیے وہ مکان متصور ہو :

۳۔ یتیم بچے جو اس میں پرورش پائیں وہ ایسی تدبیر سے پرورش پائیں کہ کسی بچے کی ذات میں اور کسی بچے کے مذہب میں جو اُس کے ماں باپ کا ہو نہ فرق نہ آئے پاوے مسلمان بچوں کی پرورش کے لیے مسلمان مرد عورتیں مقرر ہوں اور ہندو مذہب کے بچوں کی پرورش کے لیے بلحاظ اُن کی ذات و مذہب کے برہمن وغیرہ مقرر ہوں :

۴۔ اُسی مقام پر جہاں وہ بچے پرورش پائیں ایک کتب ہو جس میں اردو ہندی کی ضروری تعلیم لڑکوں کو دی جاوے اور اُسی مقام پر کچھ کام سکھانا یا کاشل درسی باقی۔ قالین بافی یا نجاری کواری وغیرہ پیشوں کا کارخانہ ہو اور وہ لڑکے اُس کارخانہ میں کوئی پیشہ سیکھ لیں اور جب وہ جوان ایک صدیع تک پہنچ جاویں اور خود اپنے لیے آپ کمانے کے لائق ہو جاویں جب مال حاصل کر کے اپنے ماں باپ کو دیں :

۵۔ اسی طرح اور اسی فائدہ پر یتیم لڑکیوں کی بھی پرورش و تعلیم و تربیت ایک جدا مکان میں جو اسی جگہ ہو گیا دے۔ لڑکیاں جب جوان ہو جاویں تو وہ دفعتاً خارج نہ کر دی جاویں بلکہ اُن کے نکاح بیاہ شادی کی کوئی تدبیر کر دی جاوے تاکہ نیکی اور نیک بختی سے وہ اپنی زندگی بسر کریں۔

۶۔ اس کام کے لیے ایک کمیٹی مقرر ہو جس میں ہندو و مسلمان سب شریک ہوں اور اسی کمیٹی کے ذریعہ سے اُن سب چیزوں کا انتظام اور عمدہ آمد کیا جاوے۔
۷۔ تمام لوگ ہندو و مسلمان اس کام کے لیے چندہ دیں اور جو ذی نقد و رہیں وہ کچھ مہینہ مقرر کر دیں۔ جو زمیندار و تعلقہ دار ہیں وہ غلہ سے لکڑی سے۔ برتنوں سے ہمیشہ اس یتیم خانہ کی مدد کیا کریں اور یتیم خانہ ایسا مستحکم اور مستقل ہو جاوے جس کے قیام پر بخوبی بھروسہ ہو اور ہم گورنمنٹ کو بتلا سکیں اور کہہ سکیں کہ اس کے قیام کی تدبیریں ایسی مستحکم ہو گئی ہیں جن کے قیام رہنے اور بخوبی چلنے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

۸۔ اگر یہ تدبیر جیسا کہ میں نے کہا کامل ہو جاوے تو اُس وقت گورنمنٹ کے سامنے نہایت ادب اور عاجزی سے درخواست پیش کیجاوے گی کہ ہمارے کمیٹی یتیم و لاوارث بچوں کی پرورش کو ملحق اُن کی ذلت و مذہب کے موجودہ آئندہ سے جو یتیم و لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ہوں وہ اس کمیٹی کے سپرد کیئے جاویں اور پادری صاحبوں کو اُن کی سپردگی جو صرف بغرض اُن کے عیسائی بنانے کے لیتے ہیں نہ حقیقتاً یتیموں پر رحم کرنے کو بند ہو جاوے۔

۹۔ میں نہایت اعتماد اور نہایت بھروسہ اور اپنے یقین کامل سے جو مجھ کو گورنمنٹ کے عدل و انصاف پر ہے اور اس یقین کامل سے کہ گورنمنٹ کی مرضی کسی قسم کی مداخلت مذہبی کی نہیں ہے اور اس امر کے یقین سے کہ مجبوراً یتیم بچے پادریوں کے سپرد ہوتے ہیں گورنمنٹ کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ وہ یتیم بچے عیسائی بنائے جاویں میں یقین رکھتا ہوں کہ فی الفور گورنمنٹ اس درخواست کو منظور کرے گی اور پادریوں کو یتیم بچوں کا سپرد ہونا قطعاً بند کر دیگی بشرطیکہ ہم دوستی سے اُن کی پرورش کا سامان تیار کر لیں۔

۱۰۔ میں دوبارہ اپنے ہموطنوں کو یقین لاتا ہوں کہ درخواست کے منظور ہونے میں کچھ عرصہ نہیں ہے اور یہ بھی قرار کرتا ہوں کہ اس امر کی پیروی میں جہاں تک ذاتی پیروی و کار ہے میں کون کام میں جہاں تک اقرار کرتا ہوں کہ اس درخواست کو ملکہ معطرانہ گنگا نائی فیہر ہندوؤں کے

پایہ تخت پر رکھنے کی ضرورت ہو تو میں خود لندن جا کر حضور مہج کے پایہ تخت پر رکھوں گا مگر کبھی خیال کرنا نہیں چاہیے کہ ایسی ضرورت پڑے گی *

۱۱۔ پس میں اس کمیٹی کا قیام ہونا چاہتا ہوں اور ضلع علیگڑھ کے تمام ہندو مسلمان میسوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس تجویز کو پسند کرتے ہوں وہ علیگڑھ میں بتاریخ میسویں مئی ۱۸۷۷ء وقت سات بجے صبح کے سین ٹیفک سوسائٹی ہال میں تشریف لائیں اور اس تجویز کو کامل جاری کرنے کے مقصد سے جو قواعد و تجویزیں اور ابتدائی تدبیریں کرنی مناسب ہوں ان کو تجویز کریں اور کمیٹی قرار دیدیں اور اس کے ممبر مقرر ہو جاویں تاکہ آئندہ کارروائی شروع ہو۔ اور جو صاحب شہر رائے دور دراز کے رہنے والے ہوں اپنی تحریریں اس باب میں بتاریخ مذکورہ سے پہلے رقم آٹھ پانس بھیج دیں تاکہ وہ سب تحریریں اس مجلس میں پڑھی جاویں *

نورالآفاق

ہکو نہایت رنج و افسوس ہے کہ ہمارا ناصح مشفق جس سے ہمارے خیالات کو زیادہ عمدہ ہونے کا موقع ملتا تھا اور ہمارے نفس امارہ کی اس سے سرکوبی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے دلی اخلاق اس سے وسعت پاتے تھے دنیا سے جانا رہا یعنی نورالآفاق جو جواب مضامین تہذیب الاخلاق کانپور میں چھپتا تھا اس کے متمم نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ رجب ۱۲۹۲ھ ہجری مطابق ۱۴ جولائی ۱۸۷۷ء کے مشہر کر دیا کہ آئندہ سے نورالآفاق کا چھپنا موقوف ہوا۔ وجہ موقوفی یہ لکھی ہے کہ نورالآفاق کے جواب دینے پر کوئی مستوجہ نہیں ہوا اور یہ کہ دربار دہلی میں تھی۔ ایس۔ آئی سید احمد خاں صاحب بہادر نے سید احمد اعلیٰ خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر مراد آباد سے بصدق دل یہ اقرار فرمایا کہ اب ہم کسی کوئی مباحثہ مذہبی تہذیب الاخلاق میں نہ چھاپینگے۔ جب بفضل اللہ سید صاحب موصوف یہ خیال آیا اور ان کا دل جانب حق نکلیاں پایا پس اب ہم بھی اس اخبار نورالآفاق کو موقوف کرتے ہیں کہ مقصود اعلیٰ ہا مایہی تھا کہ حق ظاہر ہو جاوے اور حق تعالیٰ اہل اسلام کو ان غولائی فریقہ پر یہ سے بچا دے۔ خیر سبب موقوفی کچھ ہی ہو مگر ہکو اپنے ناصح مشفق کے نہ رہنے کا افسوس ہے *

مولوی سید احمد اعلیٰ خاں بہادر تھی۔ ایس۔ آئی ہمارے قدیم دلی دوست ہیں گو ان کے

مزاج میں ذرا غصہ ہے مگر ہم نہایت صدق دل سے بیان کرتے ہیں کہ ایسے کیزنگ دوست
 ظاہر و باطن۔ حاضر و غائب یکساں جیسے کہ ہمارے مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی ایس
 آئی ہیں ویسے بہت کم دنیا میں ہیں گو انھوں نے ہمارے عقاید کو یا ہمارے مسائل کو یا ہمارے
 اجتہاد کو یا ہمارے خیالات کو ناپسند کیا ہو اور کیسا ہی غصہ اُن کو ہم پر آیا ہو مگر کبھی ہمارے
 خیال میں بھی یہ بات نہیں گزرتی کہ ہماری اور اُن کی دوستی میں کچھ بھی فرق ہوا ہو اور جو دوستانہ
 محبت اُن کو ہمارے ساتھ ہے اُس میں کچھ کمی ہوئی ہو۔ اور ہم نے کبھی کسی مجلس و موقع میں
 حاضر و غائب بجز اُن کے ادب و تعظیم کے اور کوئی کام نہیں کیا ہم نے ہزاروں آدمیوں کے
 سامنے کہا اور شاید لکھا بھی کہ اگر مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی ہم پر اس لیے
 غصہ ہیں کہ ہم اُن کی دانست میں کوئی بات خلاف مذہب سلام کرتے یا کہتے ہیں تو اُن کا غصہ
 ہونا نہایت قابل تعریف و توصیف ہے اور ہم کو اُس سے خوشی ہونی چاہیے اور اُن کا احسان بابتنا
 چاہیے نہ رنجیدہ ہونا لیکن اُسی کے ساتھ ہم کو خدا کا شکر بھی کرنا چاہیے کہ ہم اپنی دانست میں وہیں
 کرتے جو ہمارے شفیق دوست نے تصور کیا ہے ۛ

ہم کو نہایت آرزو ہے کہ تمام مسلمان قومی بھلائی کے کاموں میں ہر قسم کے تفرقہ کو اٹھا ڈالیں
 اور قومی کام میں مدد کریں کیونکہ جب تک قوم قوم نہ ہوگی اُس وقت تک کوئی بھلائی کی صورت
 نظر نہیں آنے کی بہتے اپنی دانست میں مدرسہ العلوم قومی بھلائی کے لیے قائم کیا ہے اور اگر ہماری
 قوم اُس پر متوجہ ہوگی اور اُس کی پوری کھیل کر دیگی تو ضرور فواید عظیمہ ہماری قوم کو اُس سے حاصل ہونگے
 پس ہماری آرزو یہ ہے کہ تمام قوم کے اعلیٰ و ادنیٰ درجہ کے لوگ اُس میں مدد کریں ۛ

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر جو فضیل الہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ فہر
 ور رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں مدرسہ العلوم میں اُن کے شریک بنونے
 سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب اُن سے ملتے ہیں
 مدرسہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دیارِ دہلی میں بھی ہم نے اُن سے التجا کی
 انھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے۔ اول یہ کہ تہذیب و اخلاق کا چھاپنا بند
 کر دیا اُس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقاید و اقوال سے جو
 برخلاف علمائے متقدمین ہیں تو بکرو۔ پچھلی بات تو میرے اختیار سے باہر تھی کیونکہ جس بات پر
 میں یقین رکھتا ہوں جب تک وہ یقین زایل نہ ہو کیونکہ اُس کو دل سے کھوسکتا ہوں پس صریح

دل پر یقین نہ ہونے کی توبہ کے لفظ بے سود ہیں ہاں پہلی بات میرے اختیار میں ہے اگر آپ
مدرسۃ العلوم کی تائید میں دل سے شریک ہوں میں آج ہی تہذیب الاخلاق کو بند کر دوں گا
کیونکہ میری رائے میں جناب مولوی سید امداد العالی خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی کا دل سے
مدرسۃ العلوم کی تائید کرنا بہ نسبت جاری رہنے تہذیب الاخلاق کے قوم کے لیے بہت زیادہ مفید
ہے پس ہم اسی اپنے اقرار کو تحریراً موکد کرتے ہیں اور خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے پرنے
دوست مولوی سید امداد العالی خاں بہادر کا دل خدا مدد رستہ العلوم کی طرف مہربان کر دے وہ ہمارے
ساتھ شریک ہوں اور مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لیے چندہ جمع کریں جس طرح کہ ترکی کے چندہ
میں انھوں نے ثواب کمایا اسی طرح اس میں بھی کمادیں ہم آج تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند
کر دیں گے وما ابرہ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء ولا ما رحم ربی ہکو کچھ نفاست
نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں قوم کی بھلائی کے لیے جو بات آتی ہے وہ کرتے ہیں شاید اس میں
غلطی ہو مگر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بات کے ترک ہونے سے دوسری بات زیادہ مفید قوم کو
میسر ہوتی ہے تو ہکو اس کے ترک میں کیا عذر ہے۔ تامل ہے تو یہی ہے کہ ایسا نہ کہ وہ ہاتھ
نہ آوے اور یہ بھی جاتی رہے اور وہی چوبے کی نقل ہو جاوے کہ چھپی ہونے لگے تھے دو بے
رو گئے۔

اختتام سال ۱۲۹۱ھ ہجری

و شروع سال ۱۲۹۲ھ ہجری

سوا چار برس بخیریت گزر گئے۔ اب پھر نیا سال شروع ہوا۔ گذشتہ برسوں میں جو کچھ ہنگامے
ہونے تھے ہو بیٹھے۔ اب دُوم باقی نہ گئی ہے۔ چاند کی بڑھیا کی کمائی ہے کہ ہاتھی نکل گیا پر دُوم باقی
ہے۔ آج اگر ہم اپنی قسمت پر فخر کریں تو بھی بجا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی فصل بہار کی آمد آمد کی
خوشیاں منائیں تو بھی زیبا ہے۔ جو کچھ کہ اس سوا چار برس میں ہوا۔ کیا ایسے قلیل زمانہ میں اس کے
ہونے کی ہکو توقع تھی۔ توبہ۔ توبہ۔ کیا ہکو ایسا جلد ان ناچیز برچوں سے اپنی قوم کے جگانے اور
اٹھانے کی جرأت دوازہ غفلت کے تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی ہے غبر سو ہی تھی تھی

تھی۔ استغفر اللہ

وہ عید کا مبارک دن۔ یعنی یکم شوال ۱۳۸۷ھ ہجری جبکہ ہمارا پہلا پرچہ نکلا۔ اُسید
ہے کہ ہماری قوم کی تاریخ میں کبھی ٹھوکانا دے گا۔ ہماری قوم کی جو کچھ بد اقبالی تھی وہ یہی تھی کہ
کچھ نہ تھے۔ اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں۔ اس غفلت کے داردے بیہوشی نے اُن کے کانوں
کو بہا کر دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کو پتھر ادا کیا تھا۔ دل پتھر ہو گئے تھے۔ دماغ قابو میں نہیں رہا تھا۔
ہاتھ پاؤں سُست ہو گئے تھے۔ زندہ تھے پر مُردوں سے بدتر تھے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے
تھے۔ پر کچھ نہ کرتے تھے۔ اسی تھوڑے عرصہ میں وہ حالت بہت کچھ بدل گئی۔ کچھ لوگ بخوبی
ہوشیار ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ ہماری کیا حالت ہے۔ اور ہم پر کیا مصیبت ہے۔ لبوں پر جان ہے۔
پھر اگر جان نہیں تو جہان نہیں۔ کچھ لوگ ہوشیار ہوئے۔ پر ابھی آنکھیں ملتے ہیں۔
بہت سونے اور اندھیرے میں پڑے رہنے سے آنکھوں میں چھپر جا رہا ہے۔ کچھ کھلتی
ہیں مگر روشنی سے چندھیا جاتی ہیں۔ کچھ لوگ ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں۔ کچھ حرکت تو اُن میں
آئی ہے مگر ابھی انگڑائی لیکر اور کمر وٹ بدل کر پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ چپ پھر جھنجھوڑ تو اُن۔
اچھا کہ کہ دوسری کروٹ لیتے ہیں اور پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ابھی بدستور
غافل پڑے سوتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ ہوشیار ہوئے ہیں مگر بد مزاجی اور تند خوئی سے
ضد میں آکر کُل تانے پڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ ماں ہم نہیں اُٹھنے کے۔ تمہارا کیا چارہ ہے۔
ہم یوں ہی پڑے رہیں گے۔ بعضے اُن میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ہیں کہ تم بھی پڑے ہو
مت اُٹھو۔ سید احمد کون ہے جو جگاتا پھرتا ہے۔ ہم اسی بات کو سن کر خوش ہوتے ہیں۔ اور
دُور ہی سے کھڑے کہتے ہیں کہ وہ اُٹھے۔ وہ گلابائے۔ خدا نے چاہا تو اب سمجھدار بھی ہوا بیٹے
یہی رُست و خیز ہماری قوم کے اقبال کی نشانی ہے۔ پتھر پسچا تو سہی۔ اب کسی نہ کسی طرف
یہ نکلیگا۔ لوہا پگلا تو سہی۔ اب کچھ نہ کچھ ڈھل رہیگا۔ بند پانی سے بجز نہ جانے کے اور کچھ نہیں
ہوتا۔ پانی کو بہنا چاہیے۔ پھر کوئی نہ کوئی اپنا رستہ بنا لے گا۔ اس وقت ہماری ساری قوم میں
اس بات کا غلط ہے کہ ہماری حالت اچھی نہیں۔ قوم کے لئے کچھ کرنا چاہیے۔ کیا یہ صدا اُن
لوگوں کے دلوں میں جو قومی بھلائی چاہنے والے ہیں جان نہیں اُل دیتی ہے؟ سولزیشن جس کے
نام سے لوگوں کو نفرت تھی کیا اب اُس کا چرچا ہو چکا ہے؟ کیا نیچر کا فانیہ پھر کہتے
ہوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے (معافیہ اُن ضدی سونیوالوں کا ذکر نہیں ہے) کیا

قومی ہمدردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ہر ایک کے دل میں نہیں ہے۔ کیا چار دانگ ہندوستان کے اخباروں میں تہذیب - تہذیب - سولزیشن سولزیشن - قومی ہمدردی قومی ہمدردی پیٹریاٹزم پیٹریاٹزم کا غلطہ نہیں ہے۔ کوئی اخبار ٹھٹھاؤ اُس میں۔ ان میں سے کسی نہ کسی پر کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا آرٹیکل دیکھ لو۔ جس گلی گوجہ میں جاؤ سید احمد کے تہذیب الاخلاق کا جھگڑا سن لو۔ مکہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ بُرا کہو خواہ بھلا کہو۔ مگر ہم دُعا گوؤں کو مت بھولو۔

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو خداوتی ہی

یہ دلولہ اور غلطہ اور ہر ایک بات کا چرچا دراصل ہماری قوم کی بھلائی کی نشانی ہے۔ اسپر ہکو ذرا بھی خیال نہیں ہے کہ کسی کی کیا رائے ہے اور کسی کی کیا۔ کیونکہ جو بات ٹھیک نہیں ہے وہ آج نہیں کل۔ کل نہیں برسوں سب کو معلوم ہو چاؤسے گی۔ اور سب اُسی پر یقین کرینگے۔ اور اُسی پر متفق ہوں گے۔ ضرور ایک نئے آویگا جو قوم کے کی کہاں سید بھی کوئی دیوانہ تھا۔ پر بات ٹھکانے کی کہتا تھا۔ اگر ہمارے خیال صحیح ہو اور حقیقت ہماری قوم میں ایسی تحریک آگئی ہو۔ تو ہمارے اس ناچیز پرچہ نے اپنا کام پورا کر لیا اور اُس کی مراد پوری ہو گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ مگر ہمارے بعض مُحب وطن جو دل سے اپنی قوم کی بھلائی اور قومی ترقی چاہتے ہیں کبھی غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ جب کبھی ان کو کسی سولیزڈ یعنی مہذب و تربیت یافتہ شایستہ قوم میں سے کسی کی کوئی وحشیانہ حرکت معلوم ہوتی ہے تو اُسکو بہت طعشق سے بیان کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب اُس قوم میں ایسی وحشیانہ حرکتیں ہوتی ہیں تو ہماری قوم کو کیوں بُرا کہا جاتا ہے۔ مگر ان کو سمجھنا چاہیے کہ اگر ہم کسی دوسرے کی آنکھ کی پھٹکی کو ٹوکیں تو اُس سے ہماری آنکھ کا ٹینٹا نہیں چھپتا۔ ہمارے اپنی آنکھ کے ٹینٹ کا علاج کرنا چاہیے۔ دوسرے کی آنکھ میں پھٹکی ہو یا نہ ہو یا نہ وہ لوگ اس باب میں ذرا انصافانہ بھی نظر نہیں کرتے۔ قوم کی محبت انصاف کو چھپا دیتی ہے۔ جس قوم کے کسی شخص کی وحشیانہ حرکت کی ہم گرفت کرتے ہیں اُس وقت اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُس قوم میں خوبیاں کتنی ہیں۔ ہماری قوم میں وہ عیب تو ہیں اور وہ خوبیاں کسی میں نہیں۔ اصلی محبت اوستی خیر خواہی قوم کی ہی ہے کہ اُس کے نقصانوں کو دیکھے اور اُن کے مٹانے کی فکر کرے۔ جو لوگ نہایت ہمدردی اور قومی محبت سے اپنی قوم کے عیبوں اور

نقدانوں سے مطلع کرتے ہیں اُن کا دل اپنی قوم کی حالت پر نسبت اُن کے جو قوم کی طرف دیکھ کر کرتے ہیں اور اُس کے عیبوں کو چُھپاتے ہیں بہت زیادہ جلتا ہے اور حقیقت میں وہی لوگ مُحب وطن و مُحب قوم ہیں۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۛ

ترقی علم انشاء

جہاں تک ہمے ہو سکا ہم نے اُردو زبان کے علم ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج معجز زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور تجارت خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اُس کا کُچھ اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانہ میں مغفل عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اُٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ نطف ہو وہ صرف مضمون کے ادار میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی۔ اور ہمارے موطونوں نے اُسکو کس قدر پسند کیا۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیل آگئی ہے اور اُس کی طرف لوگ متوجہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اخباروں کی عبارتیں نہایت عمدہ اور صاف ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پہلا ناپسند طریقہ ادائے مضمون کا بالکل چھوڑتا جاتا ہے۔ بھاری بھاری لفظوں اور موٹے موٹے لغتوں سے اُردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا۔ صفائی اور سادگی روز بروز عبارتوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں۔ بہت کم اخبار ایسے ہوں گے جن میں ہر صفحہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عمدہ و سلیس عبارت میں کسی کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو۔ صرف ہر بات کی کمی ہے کہ وہ سامان ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے ہمارے معلومات زیادہ ہوں اور ہمارے خیالات کو وسعت ہو۔ جو مضمون ہم لکھنا چاہیں اُن کے ماخذ اور اُن کے حالات اور جو بحثیں کہ اُن پر ہو چکی ہیں اور جو اس اُن کی نسبت متحقق ہو چکے ہیں اُن سے آگاہی ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ بعض دفعہ ہماری قوم کے آرٹیکلوں میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اور جہاں مور کا تصفیہ ہو چکا ہے اُنہی کو پھر کہتے جاتے ہیں۔ یہ نقص اُنسی وقت نفع ہو گا جبکہ انواع و اقسام علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں موجود ہو جاویں گی۔ اور ہماری قوم کو عموماً اُن پر دسترس

ہوگی۔ سین ٹیفک سوئیٹی علیگڈ حد نے اس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قوم کو اس طرف توجہ نہیں ہے اور اسی سبب سے اُس کا کام اُدھوا پڑا ہے +

نئی اُردو نے حقیقت ہماری ملکی زبان میں جان ڈال دی ہے۔ تیر و درد و ظفر نے اُردو اشعار میں جو کچھ بحرِ بیانی کی ہوئی ہو۔ میر و من و ہوی نے کوئی کہانی شستہ بول چال میں کہدی ہو کہدی ہو۔ جو اُس سے زیادہ فصیح و دلچسپ و بامحاورہ نہ ہوگی جو ایک پوپلی بڑھیا بچوں کے سلاتے وقت اُن کو کہانی سُنتی ہے۔ مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اُردو زبان میں نہ تھی۔ یہ اسی زمانہ میں پیدا ہوئی اور ابھی نہایت بچپن کی حالت میں ہے۔ اگر ہماری قوم اس پر توجہ دے گی اور ادبیاتی خیالات کو نہ ملائے گی۔ جو اب حد سے زیادہ اجین ہو گئے ہیں تو چند روز میں ہماری ملکی تحریریں بھی میکیالی واڈسین کی ہی ہو جاوینگی +

بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ جو لوگ اس زمانہ میں اُردو لکھتے ہیں وہ انگریزی لفظ اپنی تحریروں میں ملاتے ہیں مگر اُن کو غور کرنا چاہیے کہ زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے ہیں۔ اور جب کوئی زبان محدود ہو جاتی ہے مُردہ کہلاتی ہے۔ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر لینا اہل زبان کا کام ہے مگر اُن کا مل لینا آسان کام نہیں۔ اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی عملگی سے ملا لیتے ہیں جیسے تلج گنج کے روضہ میں سنگ مرمر پر حقیق و یا قوت و زبرد کی مچھ کاری ہے۔ بے شک دوسرا پتھر ہے۔ مگر ایسا وصل ہوا ہے کہ غور سے دیکھنے پر بھی اوپر سے جڑا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ اُسی میں سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات اہل زبان کے سوا دوسرے سے نہیں ہو سکتی اور نہ سب اہل زبان سے۔ بلکہ صرف اُس سے جسے خدا نے ایسا ملکہ دیا ہو +

یہ بات بھی غور کرنی چاہیے کہ اہل زبان کو دوسری زبان کے لفظوں کے لئے لینے کی کیوں ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی ملک کی تاریخ لکھتا ہے اُس کو ضرور ہوتا ہے کہ اُس ملک کے تاریخی الفاظ یعنی جو تاریخ سے تعلق ہیں اور ملکوں کی تقسیم اور مباحثہ اُسی ملک کی زبان میں قائم رکھے کیونکہ اگر اُن کے لئے اپنی زبان کے الفاظ اور مباحثہ بدل دے تو وہ تاریخ نہایت ٹکٹی اور غیر مفید ہو جاوے گی۔ ٹونس میں جو تاریخیں غیر ملکوں کی عربی زبان میں ترجمہ تھیں تصنیف ہوئی ہیں۔ اُن کو دیکھو کہ کس قدر غیر زبان کے الفاظ معرب و غیر معرب اُن میں شامل ہیں۔ عربی اخبار الجواشب کو دیکھو اُس کا کیا حال ہے۔ قرآن مجید کو پڑھو اور دیکھو اُس میں کس قدر الفاظ دوسری زبانوں کے داخل ہیں۔ اگر عربی زبان کے علم ادب اور علوم و فنون میں الفاظ جدیدہ شامل

ہونے بند ہو جاتے تو وہ زبان بھی مثل عربی و سنسکرت و ژند کے مُردہ زبان ہو جاتی ہے۔
 علوم و فنون پر کتابیں لکھنے والا بعضی دفعہ مجبور ہوتا ہے کہ جن زبان سے اُس علم کو لیا ہے
 اُسی زبان کے بعض الفاظ اور اصطلاحات پرستور قائم رکھے۔ دیکھو یونانی زبان سے جو علم طب
 عربی میں ترجمہ ہوا کس قدر یونانی الفاظ اُس میں شامل ہیں۔ اگر کسی ویشرغس نہ ہو تو ضرور اسکو
 تسلیم کریگا۔ عربی زبان سے کسٹری انگریزی میں گئی۔ آج تک بہت سے عربی لفظ انگریزی زبان
 کی کسٹری میں شامل ہیں۔

پوچھو کہ اس مقام پر میں نے کیوں لفظ کسٹری بولا۔ اور کیا کالفظ جس سے خود انگریزوں
 نے لفظ کسٹری بنایا ہے کیوں نہ بولا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہلوگوں میں کیمیا کے لفظ کے ساتھ
 چاندی سونا بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو ایک محض غلط خیال ہے۔ اب وہ شخص جو اپنی قوم
 کی بہرہ روی رکھتا ہے اور اُن غلط خیالات کو مٹانا چاہتا ہے کسی جگہ کسٹری ہو کسی جگہ کیمیا
 کا لفظ بول جاتا ہے تاکہ کسٹری کا لفظ اُس غلط خیال کو نہ آنے دے اور کیمیا کا لفظ کسٹری اور
 کیمیا کے ایک ہونے کا خیال پیدا کرے۔

لٹریچر یعنی علم ادب اہل زبان کے لیے نہایت وسیع جولان گاہ ہے۔ اُس میں وہ اپنی طبیعت
 کا زور دکھاتا ہے۔ اُسی کے ذریعہ سے وہ اپنے دل کی بات دوسرے کے دل میں ڈالتا ہے
 اپنی شستہ تقریر اور مناسب مناسب الفاظ سے لوگوں کے دلوں کو جس بات پر چاہتا ہے بہاتا
 ہے۔ انہی لفظوں سے کبھی ہنسا دیتا ہے اور کبھی رولا دیتا ہے۔ پُرلے دقیقہ نوسی خیالوں کو مٹاتا
 ہے اور نئے نئے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے کبھی واحد کے بدلے جمع اور جمع کے بدلے واحد
 کے صیغے بولتا ہے۔ کبھی حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کہہ دیتا ہے۔ کبھی ترکیب مجملہ کی دوسری
 زبان کی ترکیب پر گھر دیتا ہے۔ اور اس سب میں ایک لطف اور ایک قسم کا مزار رکھتا جاتا ہے۔ اگر
 وہی چال وہ چلے جو اہل زبان نہیں ہے تو سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے
 کہ اہل زبان جو کچھ سوچتے ہیں اور غیر اہل زبان وہ چال چلے تو غلط ہے۔ نہیں درحقیقت
 اُس کا کتنا بیچ اور اس کا بولنا غلط ہوتا ہے اور اہل زبان ہی اُس میں تیز کر سکتا ہے۔

دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی زبان میں بولنا کبھی عبارت کا لطف بڑھانے کے لیے ہوتا
 ہے کبھی اپنی زبان کو وسعت دینا اور نئے لفظوں کو اُس میں اخل کرنا مقصود ہوتا ہے کبھی معین کر
 مطلب کی طرف توجہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے کبھی اُس مطلب کی عظمت جاننے کو کھانا

ہے جو غمت اُس مرادف لفظ سے جو اُس زبان میں متعل ہے دل میں نہیں ٹھکتی۔ مثلاً بعض اہل زبان اپنی تحریر و تقریر میں مناسب موقع پر جس کی مناسبت کو اہل زبان ہی جان سکتے ہیں جنٹلمین کا لفظ بولتے ہیں۔ اگر وہ اُس کی جگہ شریف یا شریفوں کا لفظ بولیں تو اُس لفظ یا مطلب کی غمت خاک میں مل جاتی ہے۔ اس لیے کہ ہماری زبان اور عام استعمال میں لفظ شریف کا ذلیل ہو گیا ہے۔ اُس سے بجز اس خیال کے کہ اُس کی حسبِ نسب میں کچھ نقصان نہیں ہے شیخ۔ سید۔ نعل۔ پٹھان ہے اور کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا مگر اُس لفظ کے بولنے والا اُس خیال سے زیادہ توسیع اور اعلیٰ خیال دل میں بٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اس لفظ سے ایسا شخص بتانا چاہتا ہے جو ذلیل آدمیوں کی نسبت خاندان میں۔ تعلیم میں۔ حیثیت میں۔ اطوار میں افضل ہو۔ اُس کی تعلیم و تربیت۔ اُس کا چال چلن اچھا ہو۔ نیک اور خوش اخلاق ہو۔ وہ ہر بات میں جو اُس سے متعلق ہو حلیم ہو۔ چال چلن میں۔ حوصلہ و مزاج میں۔ خواہش اور ارادہ میں سلیم ہو۔ ایسا ہونا تعلیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور پڑھے کو گنا اور نیک صحبت میں مٹھنا اُسکو پورا کرتا ہے۔ اگرچہ شریف کے بھی یہی معنی ہونے چاہئیں مگر جو کہ اُس کا استعمال ایک خاص بات پر ہو گیا ہے تو یہ پورا پورا خیال اُس لفظ سے دل میں نہیں آتا۔ پس ایک محبت قوم اہل زبان ان خیالوں کو دل میں ڈالنے کے لیے اپنی زبان کو وسعت دیتا ہے۔ اور دوسری زبان کا نیا لفظ اپنی زبان میں ملاتا ہے تاکہ نئے لفظ کے ساتھ نیا خیال دل میں پیدا ہو یہی حال اس قسم کے اور لفظوں کا ہے۔ اگر ہم اُن سب کی تفصیل لکھیں تو ہمارا یہ آئیکل لغت یا اصطلاحات کی ایک کتاب ہو جاوے۔ اسی نمونہ سے ہمارے ہر وطن خیال کر سکیں گے کہ ہماری قوم کو اپنی زبان کی نسبت بھی کیا کیا کرنا ہے۔ اور ان لغوی خیالات کو چھوڑینگے کہ وہ شخص تو انگریزیت پر مڑتا ہے۔ انگریزی ہی لفظ بولتا ہے۔ اپنی واقعہ کاری انگریزوں کی جتا ہے۔ کیونکہ کسی جنٹلمین کو ایسے ذلیل خیالات کسی جنٹلمین کی نسبت کرنے زیب نہیں آتے۔

اردو نظم

ہم نے جو ہجر کی بہت بے پکار کی تو اب اُس کا قافیہ کیچڑ تو نہیں بنا۔ بلکہ شاعروں نے اُس کی طرف توجہ کی۔ ہماری زبان کے علم ادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔ شاعروں نے اپنی تمہت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ و کہانی کی مشنویوں میں صرف کی تھی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اُن مضامین کو چھوڑنا نہیں چاہیے تھا۔ نہیں وہ بھی بنایا

عہدہ مضامین ہیں۔ اور جو دت طبع اور تلاش مضمون کے لئے نہایت مفید ہیں۔ مگر نقصان یہ تھا کہ ہماری زبان میں صرف یہی تھی۔ دوسرے دوسری قسم کے مضامین۔ جو حقیقت وہی اہلی مضامین ہیں اور نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں نہ تھے۔ نظم کے اوزان بھی وہی معمولی تھے۔ ردیف و قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی۔ رجز اور بے قافیہ شعر کوئی کارواج ہی نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ہوا۔ ان باتوں کے ہونے سے حقیقت میں ہماری نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر منصفیہ بھی تھی۔ مگر نہایت خوشی کا مقام ہے کہ زمانہ نے اس کو بھی رفاہ کیا۔ اور اہل پنجاب اس نقص کے رفع کرنے پر متوجہ ہوئے۔ اردو زبان کے علم ادب کی تاریخ میں سٹشٹ گورنر کا وہ دن جب لاہور میں نیچرل پوئٹری کا مشاعرہ قائم ہوا ہمیشہ یاد رہے گا۔

ہزار لفٹ گورنر بہادر پنجاب اور سٹرٹ لارڈ ڈائریکٹر پبلک انٹرکشن پنجاب نے اس مشاعرے قائم ہونے پر بڑی توجہ کی ہے۔ جس کی شکرگزاری ہماری قوم پر واجب ہے۔ ہماری قوم کے لائق و فائق لوگوں نے بھی اس پر بخوبی توجہ کی ہے۔ مولوی محمد حسین آغا اور فیض عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اس مشاعرہ کے بقا اور قیام میں سب سے زیادہ ہمت مصروف کی ہے۔ انہی طبیعت کے زور اور پاکیزگی مضامین اور شوکت الفاظ اور طرز آواز سے ہم لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی مثنوی خواب میں جو آفتاب پنجاب میں چھپی ہمارے دلوں کو خواب غفلت سے جگاتی ہے۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسٹشٹ ٹرانسلیٹر محکمہ ڈائریکٹر پنجاب کی مثنویوں نے تو ہمارے دلوں کے حال کو بدل دیا ہے۔ ان کی مثنوی حب الوطن اور مثنوی مناظرہ رحم و انصاف جو پنجابی اخبار میں چھپی ہیں حقیقت ہمارے زمانہ کے علم ادب میں ایک کارنامہ ہیں۔ ان کی سادگی الفاظ صفائی بیان عمدگی خیال ہمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ہے۔ وہ مثنویاں آب زلال سے زیادہ خوشگوار ہیں۔ بیان میں۔ زبان میں۔ اند میں۔ الفاظ کی ترکیب میں۔ سادگی و صفائی میں۔ یہی عمدہ ہیں کہ دل میں بیٹھی جاتی ہیں۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ ہمارے ان باعث افتخار شاعروں کو ابھی نیچر کے میدان میں پہنچنے کے لئے آگے قدم اٹھانا ہے۔ اور اپنے اشعار کو نیچرل پوئٹری کے ہمسر کرنے میں بہت کچھ کرنا ہے۔ مگر ان مثنویوں کے دیکھنے سے اتنا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خیالات میں کچھ تبدیل دینی ہے۔ اور اس کا بھی تصور ہو سکتا ہے کہ اگر ہماری قوم اس عہد مضمون نیچر کی طرف متوجہ رہے اور چلائے اور شکسپیئر کے خیالات کی طرف توجہ فرمائے اور مضامین عشقیہ اور مضامین خیالی اور مضامین مہمان واقع اور مضامین نیچر میں جو تفرقہ ہے اس کو دل میں بٹھالے تو ان ندرگوں کے سبب ہماری قوم

کی طرح کسی عمدہ ہو جاوے گی اور ضرور وہ دن آویگا کہ ہم بھی اپنی قوم کے کسی نہ کسی پرہیسا ہی فخر کریں گے جیسے یورپ کے لوگ ملٹن اور شکسپیئر پر ناز کرتے ہیں۔ مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر ایسے پاس پاس ہیں کہ ان میں دھوکا پڑ جانا ہے۔ مگر درحقیقت پہلا دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے۔ پہلا تو ایک بیرونی حالت ہے اور دوسرا اندرونی۔ اسی پھیلے میں وہ طاقت ہے جو دل میں اثر کرتی ہے۔ ابھی تک ہماری قوم کا کلام بیرونی حالت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ مگر ہکو آئید ہے کہ بہت جلد وہ اندرونی حالت تک بھی پہنچ جاوے گا۔

ہماری حالت

ہمارا حال تو اُس کج رہیا کا سا ہو گیا ہے جس کو باند کے لونڈے چھیڑا کرتے تھے۔ اور جب وہ چھیڑنے والے نہ ہوتے تھے تو بڑھیا کہتی تھی کہ کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے۔ ہمارے کاموں کی برنسبت ہماری ذات اور ہمارے ذاتی خیالات سے لوگوں نے بہت بحث کی لیکن اب بھی وہ بہت ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ بہت لوگ سوائے چند متعصبین کے سمجھ گئے ہیں کہ ہم اسلام کی اور مسلمانوں کی کیسی خیر خواہی کرتے ہیں۔ آفتاب اسلام کو جس کی شاعیں گردوغبار کے سبب دھونڈ لی ہو گئی ہیں اور جس کی کرنیں ہم تک نہیں پہنچتیں کس طرح روشن اور چمکتا ہوا کرنا چاہتے ہیں۔ اہلی سرچشمہ حیات جاودانی کو جو بہت سے نالے نڈیوں کے لمبانے سے گدلا اور تیرا ہو گیا ہے کس طرح پاک صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اسلام جس کا مزاحرف لوگوں کی زبان پر نہ گیا ہے اور حلق سے نیچے نہیں اُترتا اُس کا اثر دل تک پہنچایا جاوے۔ ہماری آرزو ہے کہ اسلام جسکو ہم سب سے زیادہ عزیز اور سب سے عمدہ سمجھتے ہیں اُس کا اثر مسلمانوں کے دلوں میں۔ اُن کے اخلاق میں۔ اُن کے چال چلن میں۔ اُن کے معاملات میں۔ اُن کے برتاؤ میں سب میں پایا جاوے۔ اسلام کو صرف زبان ہی سے نیک نیک نہ کہا جاوے بلکہ مسلمانوں کو اُس نیکی کا نمونہ کر دکھایا جاوے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی حاجی کھلانے کے لئے حاجی بنے۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ حج کا جو اثر دل میں ہونا چاہیے اُس کو حاصل کرے۔ اندھے والا حاجی بننے سے تو اسلام کو کچھ عزت نہیں ہو سکتی۔ اُن کے لئے تو یہی کہنا پس ہے۔ کہ رحمت براخلاق تجلیج باد۔

نماز سے مگر صرف ماتھے پر گٹا ڈال لینا مقصود ہے تو وہ تو پوری ٹوسیا ہی ہے۔ نماز سے نیاز پیدا کرنا چاہیے۔ دل پر اُس کا اثر بٹھانا چاہیے۔ مگر ہمارے کو صرف ہاتھ پاؤں دھونے پر منحصر سمجھا

تو اسلام کی کچھ پیروی نہیں کی۔ ظاہری طہارت تو باطنی طہارت کا اشارہ کرتی ہے۔ پھر اگر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوئی تو یہ ظاہری طہارت نہایت سے بدتر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کے جو روحانی نتیجے ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل ہوں ورنہ بکرے کی سی ڈاڑھی اور بکرے کی طرح ظیفوں کی جگالی اور بٹی کی سی طہارت اور مکاری کے سے فریب سے کچھ فائدہ نہیں۔ وَاللّٰهُ مَتَمُّ فَرَحًا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْكَرُونَ *

مدرستہ العلوم اسلامی

مدرستہ العلوم کے کاروبار کی ترقی اور آپس کی موافقت میں جہاں تک ممکن تھا اس سال میں بھی کافی کوشش ہوئی اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں میں کسی قدر کامیاب ہوئے۔ مدرستہ العلوم کا چندہ اس سال قریب دو لاکھ روپیہ کے پہنچ گیا۔ کمیٹی اس کی تعمیر کے شروع کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہے۔ اس کا پہلا درجہ جس کا نام صرف مدرستہ ہے جاری کر دینا بالکل تجویز ہو گیا ہے جو انشاء اللہ العزیز بہت جلد ظہور میں آتا ہے۔ اور یہ حالتیں ایسی ہیں جن کے ایسے جلد ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ اور جو جدید امیدیں اس کالج کی تائید کی اس سال پیدا ہوئی ہیں اور جن کا ذکر ابھی مناسب نہیں ہے وہ بھی نئی تسلی بخش ہیں۔ اور سب سے زیادہ ہم کو ہمارے خدائی رحمت تسلی دینے والی ہے جسکی رحمت سے ہم کو دعویٰ ہے کہ وہ ضرور ہمارے کاموں کا مددگار ہو گا۔ آمین *

ہم نے اپنے موطنوں اور اپنی قوم کے بزرگوں سے بھی انتہا کرنے میں کچھ دریغ نہیں کیا۔ غایت التجا ہماری یہ تھی کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ جن امور کی خرابی کا ہمارے ہاتھ میں رہنے سے اندیشہ ہے اُن کو آپ اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ اُس کے جواب میں ہمارے قدیم مخدوم جناب حاجی مولوی سید امداد علی صاحب نے لکھا کہ تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس امر کو اس بات سے جو پیشتر کی تھی کچھ تعلق تھا مگر اب اس مہم میں اُسکو قبول بھی کر لیتا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محبت قلبی منشی چراغ علی صاحب مجھ سے کہیں کہ تم ہم سے جڑو تو ہم شریک ہوتے ہیں تو پھر میں کیا کروں گا۔ بقول شخصہ کہ ”گوری کا جو بن چٹکیوں میں ہی جائے“ میرا تو یوہیں تکا بوٹے ہو لیگا۔ میرے افعال و اقوال سے اور مدرستہ العلوم سے کیا تعلق ہے۔ مدرستہ العلوم میں تعلیم مذہبی بلاشبہ اہل سنت و جماعت کو موافق مذہب حنفی کے۔ اور شیعہ امامیہ کو موافق اُن کے مذہب کے اصول مسلمہ کے ہونی چاہیئے۔ اس باب میں جہاں تک کوئی شخص طمانیت چاہے اور

پختگی کرے سب بجا ہے۔ مگر کئی شخص کے ذاتی مذہب یا اُس کے خاص خیالات سے کیا بحث ہے ؟

جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو متعصبانہ جواب دیا اُس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت قومی اور خُتبِ یانی دی ہوگی نفرت کرتا ہوگا۔ شیعہ مذہب کی تعلیم کا سلسلہ بالکل علاحدہ ہے جس سے اہل سنت و جماعت کو کچھ تعلق نہیں پس یہ کہنا کیسا بجا تعصب ہے کہ ہر گاہ اُس مدرسہ میں شیعہ بھی ہوں گے اس لیے ہم شریک نہیں ہوتے۔ خدا کرتے کہ وہ یہ خیال فرما کر کہ ہندوستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں مکہ معظمہ کو سدھاریں مگر افسوس ہے کہ میں سُنتا ہوں کہ حج و طواف میں بھی شیعہ موجود ہوتے ہیں ؟

افسوس ہے کہ شیعہ دُستی میں اس زمانہ میں نسبت اُس زمانہ کے جبکہ امام محمد اسماعیل بخاری شیعوں سے روایت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں فرماتے تھے نفاق اور شقاق بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ مگر حالتِ زمانہ کی ایسی ہے کہ اگر شیعہ اپنے تعصب سے سُنیوں کو چھوڑیں اور سُنی اپنے تعصب سے شیعوں کو چھوڑیں تو دونوں غارت اور برباد ہو جاویں گے۔ ہندوستان میں مُسلمان تعداد میں کم ہیں۔ دولت میں کم ہیں۔ خُندوں میں کم ہیں۔ اگر پھر اُن میں بھی شیعہ و سُنی و خاجی و ناصبی اور وہابی و بدعتی کا تفرقہ پڑے تو بجز برباد اور غارت ہونے کے اور کیا نتیجہ ہے۔ ارے کبھوت متعصبو ! تم آپس میں لڑا کرنا اور ایک دوسرے کو کا فر کہا کرنا۔ مگر جو بات سب کے فائدے کی ہے اُس میں کیوں ایک لہر کر شریک نہیں ہوتے۔ عالمگیر نے ایک عامل کی بددیانتی کا ذکر نظیر کسی دوسرے عامل سے کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ایک ماتہ میں پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں۔ عالمگیر نے کہا۔ بلے مگر بوقتِ خوردن ہمہ برابر می شوند۔ پس اسے بزرگو اُس بات میں کیوں تعصب کو کام فرماتے ہو جب میں سب کا فائدہ مشترک ہے ؟

جناب مولوی محمد علی صاحب مراد آبادی کی خدمت میں بھی التجا کی۔ مگر کچھ جواب نہ پایا۔ ردِ الشقاق فی جواز الاسترقاق لکھنے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ قومی بھلائی و قومی ہمدردی کے کاموں میں شریک نہ ہونا البتہ مضائقہ ہے ؟

جناب سید الحاج مولانا حاج علی بخش خاں صاحب سے جو معاملہ پیش آیا وہ تو طشتِ اربابام ہے اُن کی وہماری تو وہی مثل ہو گئی ہے۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

یعنی وہ ہجو بد عمد کہتے ہیں ہم اُن کو بد عمد کہتے ہیں۔ بہر حال کسی نے بد عمدی کی ہو۔ وہ بات جس سے کھنڈت پڑ گئی اس قدر ہے کہ تمام امور تعلیم مذہبی تنہا جناب ممدوح کے کیوں نہ سپرد کیئے گئے۔ دیگر بزرگانِ دین کو کیوں شریک کیا۔ وما هذا الا لشقاق مبین +

مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی جس طرح پر ہوا طے ہو گیا۔ یعنی ساتویں جنوری ۱۹۷۷ء کو علیگڑھ میں بہت اعزہ اسلام جمع ہوئے۔ اور اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ تعلیم مذہبی کا کلی نظام اُن سات بزرگوں کے اختیار میں رہے یا جاوے جن کے نام نامی حاشیہ پر ثبت ہیں۔ اور وہی اس بات کے مجاز ہیں کہ اُوں جس کو

چاہیں اپنے ساتھ شریک کر کر کمیٹی مدبرانِ تعلیم مذہبِ اہل سنت و جماعت مقرر کر لیں۔ اور جس طرح چاہیں تعلیم مذہبی کا انتظام کریں۔ ان ساتوں بزرگوں نے اس کام کو منظور کیا اور ظاہر اب کسی کو کوئی مقام کلام باقی نہیں رہا گو کہ کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔ اس تجویز کو کمیٹی خزانۃ البضاعۃ نے بلا عذر تسلیم کیا اور جو خط کہ کمیٹی کی جانب سے بنام

محمد عنایت اللہ خاں صاحب رئیس بہیم پور +
محمد عبدالشکور خاں صاحب رئیس بہیم پور +
محمد مسعود علی خاں صاحب رئیس دانا پور +
مولوی محمد اسماعیل صاحب رئیس علیگڑھ +
سید فیض حق صاحب رئیس علیگڑھ +
محمد اسماعیل خاں صاحب رئیس دناولی +
مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب رئیس ملوہی +

اُن ساتوں بزرگوں کے لکھا گیا ہمارے اس اٹیکل کے اخیر میں بعینہ مندرج ہے جس سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ نسبت تعلیم مذہبی کے بنیان مدرستہ العلوم کی کیسی نیک نیتی ہے اور اُن کے مخالفوں نے جو یہ امّ مشہور کیا تھا کہ مدرستہ العلوم میں تعلیم مذہبی میں غرابی ڈالی جاوے گی وہ محض جھوٹ اور افتراء تھا۔ اور ملکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جو لوگ فتوے لائے تھے اور ہندوستان میں جو ساداتِ استفتاء علماء کے سامنے پیش ہوئے تھے وہ کیسے اتہامات کے بھرے ہوئے تھے۔ اب ہماری دُعا خدا سے یہ ہے کہ سب کے دل میں قومی ہمدردی کا درد پیدا ہو اور سب متفق ہو کر اُس کام میں مدد کریں جس میں کل قوم کی بھلائی متصور ہے۔ ومن اللہ التوفیق +

شکریہ عانت اخبارات

شکر خدا گاہ ہمارے اس قومی کام کی مدد ہمارے ملکی اخبارات نے بھی کی ہے جن کا شکر ادا کرنا

ہم پر واجب ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب صرف تین اخبار ہمارے مخالف رہ گئے ہیں۔ نورالافاق۔
نورالانوار جو کانپور میں چھپتے ہیں۔ اور اگر اخبار جو اگرہ میں چھپتا ہے۔ نورالافاق کو ہم نے مدت
نہیں دیکھا اور نورالانوار کو تو آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں۔ اگر اخبار البتہ ہمارے دیکھنے میں آتا
ہے۔ اس اخبار کو دل لگی کی عادت ہے۔ وہ ہمارے افحال اقوال کا مخالف اور ہمارے شامت
اعمال کا ناصح شفیق ہے۔ ایسے اخبار کو ہم اپنے کام کا یعنی مدرسۃ العلوم کا مخالف نہیں سمجھتے بلکہ
ہم کو خیال ہوتا ہے کہ شاید مدرسۃ العلوم کو وہ بھی اچھا جانتا ہے اور اس کی ضرورت بھی تسلیم کرتا
ہے۔ جو اندیشہ کہ تعلیم مذہبی کی خرابی کا تھا غالباً اب وہ نہ رہا ہوگا۔ ہاں جو عظیم الشان تدبیر سچی
گئی ہے اور جس میں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اس کے انجام میں اگر اخبار کو شبہ ہے اور ایسے
وہ کبھی اسکی ہنسی اڑا دیتا ہے۔ اور خیالی مدرسہ یا شیخ حلی کا سامنہ صوبہ کہتا ہے۔ مگر اگر اخبار کا ایسا
کنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جو بد اقبالی مسلمانوں کی ہے اور خدا کی جو مہربانی ان پر ہے اور مقتدر
نفاق آپس میں ہے اور قومی ہمدردی جو ان میں مطلق نشان نہیں ہے۔ اگر ان سب پر نظر کیا جائے۔ تو
ہماری اس تدبیر کی اگر شبہ نہ اڑائی جاوے تو اذکر کیا کیا جاوے۔ ہم مسلمانوں کی بد بختی کی یہی ایک نشانی
کیا کہ ہے کہ اگر اخبار جو ایک قومی اخبار ہے اور جس کے دو ایڈیٹر نہایت لائق مولوی ومنشی مہر خوجہ دہلی
قوم کے کام کی اس وجہ سے کہ ایسے عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لائق ہماری قوم نہیں ہے ہنسیاں
اڑا دے۔ اور مثال ان دو بھائی طالب علموں کے جو ایک دوسرے کی ماں کو من حیث اذہ تیری ماں
ہے گالی دیتا تھا یہ خیال نہ کرے کہ میں ہی کسی کی اڑائی جاتی ہے۔ اگر کام حقیقت قومی بھلائی کا تھا اور
بے صرف کثیر وہ انجام نہیں پاسکتا تھا۔ تو اس پر ہنسی سے زیادہ بہتر تھا کہ اس کی امداد میں کوشش کی جاتی۔
اگر اس کے انتظام اور اسکی کارروائی میں کچھ اندیشہ تھا تو ہم اپنی قوم کے لئے نہایت مبارک فیہ سمجھتے
کہ جناب مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کا ایک عنایت نامہ کمیٹی میں آتا اور وہ کمیٹی میں اس لیے شریک
ہونا چاہتے کہ جو خرابیاں اس کے انتظام اور اسکی کارروائی میں ہوں ان کو دور کریں اور اصلاح فرمادیں
ورنہ بولی ٹھٹھولی کسکو نہیں آتی جس کے ہونہ میں بان ہے کچھ نہ کچھ کہہ ہی لیتا ہے۔ مگر ہم خدا کا
شکر کرتے ہیں کہ اب ہم ان کو بھی مدرسۃ العلوم کی نسبت مہربان پاتے ہیں۔ اور بالخصوص ان کے اس
آرٹیکل کا جو انھوں نے اخبار مطبوعہ ۲۰۔ جنوری ۱۹۱۷ء میں اقام فرمایا ہے دل جان سے شکر ادا
کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو اخلاق ذمیرہ و افحال قومی ہمارے ہیں ان کو ہمارے ہمارے
کالائے بد بربیش خاوند۔ مگر جو بات اچھی اور قومی بھلائی کی ہے اس میں شریک ہو۔ اور جو باتیں

اُس میں ہوں اُن کی اصلاح کرو ۛ

پنجابی اخبار لاہور۔ کوہ نور۔ تین ٹیک سوئیٹ علی گڑھ۔ اردو گائیڈ بلکٹہ کاتو ہار ابال ابال احسانند
ہے کہ انھوں نے ابتداء سے ہمارے برقی کام کی جدت تائید کی ہے اُس کا شکریہ ہم کسی طرح ادا نہیں کر سکتے
اُس جڑے شہر کے اخباروں کا بھی جس کا نام لیتے دل بھرتا ہے ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں بیوموبیل گڑھ
نے ہمدردی قومی کے سوائے حُب وطنی بھی برتنی شروع کی ہے۔ جو آریکل کہ انھوں نے مدرسۃ العلوم
کی نسبت اپنے کلمہ کو پیش کیا ہے ہم اُس کے نہایت شکر گزار ہیں ۛ

ناصر الاخبار دہلی کی عنایتوں کو اور بالخصوص اُس عنایت کو جو خاص محاکمہ کے ایک آریکل لکھنے میں
کی ہے ہم مجبور نہیں سکتے۔ ہمارے وطن کے اخبار ہم سے اس بلتے ناراض ہیں کہ مدرسۃ العلوم ملی میں
کیونکہ مقرر ہوا۔ بھائی کہاں ہے وہ دلی اور کہاں ہیں وہ دلی والے۔ جو نقش کہ سٹ گیا اُس کا اب کیا
نام لینا ہے۔ مرثیہ پڑھا کرو اور دلی اور دلی والوں کو رویا کرو ۛ

اودھ اخبار اور اُس کے مالک اور شفیع اڈیٹر صاحب تو دل جان سے مدرسۃ العلوم کے حامی ہیں
اُن کے شکریہ میں ہی کہنا بس ہے کہ ہم اُن کا شکر ادا نہیں کر سکتے ۛ

مرقعہ تہذیب لکھنؤ نے جو کچھ اعانت ہمارے قومی کار بار میں کی ہے وہ حقیقت لکے قہ عنایت
ہے اور یہی نہیں ہے کہ صرف اخبار ہی میں چند کلمہ انخیر لکھنے پر بس کی ہو۔ بلکہ اُس طلبہ کے بعض زبرگوں
نے قلم و قدم و دم سے بھی کوشش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ جو مضمون کہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو ضمیمہ
اخبار مذکور میں چھپا اُس کے لئے کمیٹی خزانۃ البصاعت حد سے زیادہ ممنون ہے ۛ

ہم اپنے دکھنی دوستوں یعنی متیسور اخبار کے اُس آریکل کے لئے جو چھٹی۔ اگست ۱۹۰۷ء کے
پرچم میں چھپا۔ اور قاسم الاخبار کے اُس آریکل کی بابت جو شہرہ طویر اگست کے پرچم میں چھپا دل سے شکر گزار
ہیں۔ مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جب تک دور و نزدیک کے سب مسلمان شریک ہو کر مدد نہ کریں۔ ایک
خزانہ اب حیات کا نہ جمع کر لیں جس کی نہریں بہ کر تمام ملک کو سیراب کریں۔ اُس وقت تک قومی بھلائی اور
قومی ترقی ناممکن ہے۔ اور اگر لوگ یہ خیال کریں کہ ہم اپنے اپنے لئے جدا جدا گڑھا کھو دیں اور گو اُس میں
پانی کا کچھ رساؤ ہی ہونے لگے۔ مگر یقین جان لیں کہ وہ رساؤ بہت جلد خشک اور بند ہو جاوے گا۔ جب تک
کہ ہم ایک سرچون چٹہ نہ بنالیں جس کی سوتوں میں کمی کمی نہ ہو۔ اُس وقت تک قوم کی سرسبزی جو بمنزلہ ایک
نہایت وسیع باغ کے ہے غیر ممکن ہے ۛ

شمس الاخبار مداس کا شکریہ بغیر ہم نہیں دے سکتے کہ وہ بھی اس قومی بھلائی میں کلمہ انخیر کے بغیر

نہیں رہتا۔ اس ہماری مختصر شکرگزاریں سے استعد ثابت ہو سکتا ہے کہ اب تمام ہندوستان کے اخبار ہمارے قومی بھلائی کے کام میں مدد و معاون ہیں اور بالاتفاق تمام ہندوستان کو اس بات کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ان کی صلاح و فلاح میں کچھ کرنا چاہیے۔ اور اس بات کو بھی سمجھئے۔ دوست اور دشمن نے۔ یار و اغیار نے۔ مخالف و ملوفق نے تسلیم کیا ہے کہ اس کام کے لئے مدرسۃ العلوم سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے۔ مگر جو کہ ہم مسلمانوں کی بدبختی سے چند باتوں کی ہم میں کمی ہے اس لئے اب تک یہ کام پورا نہیں ہوا۔ قومی کام میں ہماری قوم کو توجہ کم ہے۔ روپیہ فضول کاموں میں خرچ کرنے میں اندھے ہیں۔ آقا قومی بھلائی میں خرچ کرنے کی عادت نہیں۔ ایک کام کا ولولہ اٹھتا ہے وہ قائم نہیں رہتا اور اس کے پورا کرنا بہت جلد خیال جاتا رہتا ہے۔ محنت کی اور جو کام شروع کیا ہے اُس پر کد و کاش کرنے کی عادت نہیں ہے۔ مگر ہمارے خدا سے اُمید ہے کہ آئندہ کو بہ نسبت گزشتہ کے ہماری قوم اس قومی کام کے پورا کرنے میں زیادہ ترقی کرے گی۔

اس مقام پر جہاں اخباروں کا شکریہ مننے ادا کیا یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے ملک کے بے نظیر اخبار النفع العظیم لاهل هذا اقلیم کو بھول گیا۔ وہ اخبار ہمارے ہندوستان کا فخر اور ہمارے اخباروں کا سرتاج ہے۔ اس کی زبان سے ہمارا دل جان زندہ ہوتا ہے۔ اُس کے شیریں الفاظ اور سوز و نغمہ ہمارے دل پر چلی باتیں سب یاد آتی ہیں۔ اُس نے جو کچھ ہمدردی اس قومی بھلائی کے کام میں کی ہے اُس کو سب سے اخیر اس لئے بیان کیا ہے کہ ہمارے انجام مقاصد کے لئے تنگن نیک ہو۔ جو آریکل یکم دسمبر کے پرچم میں چھپا ایسا درد آمیز و محبت خیز ہے جس کے اثر کا نقش ہر صاحب کے دل پر ہوتا ہے۔ ہم ہزار ہزار زبان سے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اُس آریکل کو جینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارا یہ ناچیز پرچم بھی اُس محل درخشاں کی روشنی سے منور ہو۔

وہو هذا

الکلام فی حالۃ المسلمین الہندیین ولیقاظہم عن نعل الغفلۃ فی ہذا الحین

لما نزل الاسلام ضعیفا و اہلہ فی حقیض المذلۃ و ضیعا کان لوشیقا فیاخذنا الاسف الشدید واللہف المزید و كذلك یعارضنا الغبطۃ اذ نشوف الحضور (ای صلی اللہ علیہ وسلم) عابر علی المعارج العظیمۃ من حیث الثرۃ والرخاء وما کان ذلک لہم الا بید ترقیم و سعیم فی

اخذ العلوم وتحصيل الفنون فلما لا نجد في المدارس من اطفال المسلمين الاعداد اليسيرة ^فبجلاء
 الحنود فان اطفالهم بالرغبة والكثرة يتعلمون العلوم الحكيمة والفنون الرياضية بلغة
 انكليزية فيكيدنا احوال جميع المسلمين لاسيما حالة الهنديين فانهم مصرون على اخذ
 للزنايل وترك الفضائل لا يجاملون بانفسهم واولادهم فكيف بالاغيار ولا يعبرون بشيء
 من الحوادث الكاشنة في هذا العصر لا يعلمون اطفالهم الا البطالة ولا يرغبون الا ادم
 الا الى السفاهة او الجهالة فتعودوا على ترك الاشغال والحرف الجيدة واستعمال الملاهي
 والملاهب وانما في المعاصي والمعائب ونبد الرغائب وادخار العيوب ولا عوارس
 والمثالب لا يرون الى عبادة الاصنام كيف يبالغون في الاحترام وتحصيل الحرف والصنائع
 يتعلمهم لسان الحكم حتى انهم يصعدون على المشارف العالية العظيمة دوما ويصلون الى القمم
 الفخيمة من الغر والتكين والثروت يوما فيوما - واهل الاسلام مالم وقع عند الحكم
 ولا عزة بين الانام وهذا العصر يحسرو وترقى العلوم ودهور اشاعة العمل على المعلوم
 واهل الاسلام في هذه الايام ايضا اقدون في رقة الخفلة والبطالة او ما يشهد هو كثر
 النائمون في فاس الجاهلية ان امه انكليزية كيف بالغوا في اختراع الآلات العجيبة والادوات
 الغريبة المساعدة على التمدن والعمران في هذه الاوان فاشرت مملكتهم باشراف شواق
 العلم والكمال وبرعت اتمهم في ايجاد العجايب وابداع الغرائب بانما هم في تلك الاعمال فسبق
 الامم السالفة في العلم والعمل وفكروا فورا عاليا في الفطانتة والفضل وقد كانت امه انكليزية
 في العصر الغالية والدهور الماضية هائمتة في فيافي السفاهة والهمج والهوان و
 غائصين في البحار الجاهلية ولا متهان حتى اخذوا من العلوم ما اخذوا وعلوا على ما
 عملوا الى ان برعوا واخترعوا اشياء كثيرة باذهان صافية وعقول وافية فيا لهم من عقول
 واذهان استولوا بها على البلاد الفسيحة اعني هندوستان وقد مضت مدت من
 الازمان على ان امه انكليزية استولت على البلاد الهندية وبالغت في اشاعة العلوم
 والفنون في هذه البلاد فقلدهم عبادة الاصنام واخذوا في تحصيل العلوم حتى انتمزوا
 الى المناصب الجليلة ولكن مسلمي الهند لا يفتنون الى تعلم العلوم يخجروا من ظلمات
 التل والجهل الى نور العقل والعلم والفضل فلورغبوا الى تحصيل العلوم والفضائل
 فافادوا الى المشارف العظيمة والمناصب الجليلة الضخيمة وحصل لهم العز

والاعتبار والتكين ومن وقهم لئان على الناس وقع الاسلام فالمسلمون الهنديون
قد استهتوا الاسلام بامتهانهم وصغروا الايمان بهوانهم وانا نتيقن على انهم ان مالوا الى
تحصيل العلوم والفنون في هذا الحين فيظهر فضلهم في قلائل الايام على العالمين اذها
اصفى وقلوبهم اذكى من اذهان الهند وقلوبهم فلا بد لهم ان يقلدوا امته انكليزية في
اخذ العلوم واستعمال الصنائع وامته انكليزية انما تريد تعليم رعيتهما قاطبة لا خصوصية
فيه للهند ولكن نحن لا نجد الى ذلك سبيلا اذ المسلمون لا يجتمعون على امر يكون فيه
صلاحهم واصلاحهم ولا يرغبون الى شئ يوجد فيه فلاحهم ونجاحهم ولا يتفكرون
في انه قد حان زمان انكاسهم وطلاحهم وقربت ايام ذلهم وهوانهم وكسر طماحهم - قد
استيقنوا عليهم الحق والطيش فضاق عظيم العيش وصار العجز دليلا وسد سبيلهم
حتى انهم من ينديهم خيرا يزعمونه معاندا وذلك الخير كانفسهم شر وضييرا - واعظم
الشواهد على ذلك احوال الجبابر نجم الهند السيد احمد خان بهادر الذي بالغ في حايته
بالاسلام والمسلمين واراد ان يوصلهم الى الامه ناصبا للجليلة والمرتبة الجليلة بتعليم
العلوم الدينية والفنون الدنيوية على طرقة مستحسنة فاستجمع المسلمين على ان
يحشدوا واهازوا وافرا من المصاريف لم يهتدوا لئلا يفتشوا خسوا في هذا
اشاخصا كثيرا منهم من قام لتكفيره ومنهم من سجي في قطار تدبيره - ابراهيم من غير تدبير
حتى وقع الشغب العظيم في المسلمين وبعض مخالفيه اشتهر وافي البحر نالات مطاوع الجهاد
اليه الى ان تاخر كثيرا من الناس من نصرته المدهر سنة الموصوفة بل اسره ولفي تعذيب بانها
هدم مياينها ولم ينظر والى عوايدها ولم يفهموا قوايدها واقامت تلك المدهر سنة في
هذه الزمان من الواجبات اذ الدهر العسوف قد استصعب على المسلمين في ذلك زمانهم -

ليس البلية في ايامنا عجبا + بل السلامة فيها اعجب لعجب
ليس الجمال باثواب يزينها + ان الجمال جمال العلم والادب
ليس اليتيم الذي قد مات والده + ان اليتيم يتيم العقل والحسب
ايها الفاخرة جهلا بالنسب + انما الناس لام واب
هل تزييم خلقوا من فضته + ام حديد ام نحاس ام ذهب
هل تزييم خلقوا من فضلهم + هل سوى عظم ولحم وعصب

انما الفخر لعقل ثابت + و حیا و عفاف ادب

وانا لا نشك في ان اقامة المدرسة الاسلامية الموصوفة انفع للمسلمين من شغبهم
هذا اذ لا طائل تحت شغبهم وكدمهم الى تكفير الباني وتفسيقه ابدا لا انهم يخرجون بالقولهم
الباطلة الفاسدة وارايم الكاسدة عن النفع العظيم والريح الجسيم الذي يحصل لاطفالهم
بتعلم العلوم الجديدة في المدرسة الموصوفة فيا ايها المسلمون ادركوا زمانكم هذا
واجتهدوا والتعليم اطفالكم واحشدوا المصاريف لاقامة المدرسة الاسستمية رافقه
على اولادكم لكي يبلغوا بعد تعلم العلوم والفنون الى المشارف العالية والمناصب
الجزيلة ولا فتندمون بعد قلائل الا زمان حيث لا ينفعكم الندم +

العلم زين فكن للعلم مكتسبا + وكن له طالبا ما كنت مقتسبا
واركن اليه وثق بالله واغن به + وكن حليما راضيا العقل محترسا
لا تسامن فاما كنت منهمكا + فالتعلم يوما واما كنت منغما
وكن فتى ناسكا محض التقى ورعا + للدين مقتسنا للعلم مفترسا
فمن تخلق بالا داب ظل بها + رئيس قوم اذا ما فارق الروا
واعلم هديت بان العلم خير من + اضحى لطالبه من فضله سلسا

واما الذين يكفرون الباني فلا يد له ان لا يبال اليهم اذا اسفها ولا محالة اعداء الكمال
وهذه عادت جارية من قديم الزمان تراب على راس الزمان فانه زمان عقوق
لا زمان حقوق فكل رفيق فيه غير موافق بكل صديق فيه غير صديق +

نقل خط

جو کیٹی خزینۃ البضاعۃ سے ان بات بزرگوں کے نام جاری ہوا جنہوں نے
اہتمام تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا اپنے ذمہ لیا ہے۔

مقدم و مکرم معظم و محترم مطاع بندہ سلامت -

۱۸۷۵ء

بعد سلام سنون التماس یہ ہے کہ روئے ادا اجلاس کیٹی خزینۃ البضاعۃ مقدمہ لاہور

بندہ یونیا نامہ بناد خدمت عالی میں بھیجا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ جو تجویزیں ۱۷ جنوری ۱۳۷۵ء کو
بمقام علیگڑھ آپ نے بشمول دیگر مسلمانان کی تحقیر یہ سب حسب ضابطہ روئے ادا میں مندرج ہو گئیں۔

اور جن لوگوں کو آپ نے کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا ممبر ہونا تجویز فرمایا تھا اُن کے نام نامی حسبِ رابطہ رویداد میں مندرج ہو گئے۔ منجملہ اُن صاحبوں کے سات بزرگوں نے اپنی منظوری ممبر ہونے کی ظاہر کر دی تھی۔ مگر نواب محمد محمود علی خاں صاحب رئیس جھتاری اور حاجی محمد فیض احمد خاں صاحب رئیس دتاؤلی اور محمد ارشاد علی خاں صاحب اور مولوی محمد لطف اللہ صاحب اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمد علی صاحب دُعاں موجود نہیں تھے۔ اُن بزرگوں نے جنہوں نے ممبر ہونا منظور کر لیا تھا یہ بات فرمائی تھی کہ ہم بطور خود بخود تحریر آخواہ تقریر اُن لوگوں سے منظوری حاصل کر لینگے۔ پس اُمید ہے کہ آپ بزرگان مذکورہ بالا سے نسبت منظوری ممبری کے طے فرمائیں اور اُن سے جو صاحب ممبر ہونا منظور کریں اور جو نام منظور کریں اُن کے اسماء مبارک سے مطلع فرماویں۔ تاکہ بنظرِ اطلاع دیگر ممبرانِ مندرج روئداد کیئے جاویں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ بموجب تجویز مذکورہ بالا کے یہ امر بھی طے ہو گیا ہے کہ اُن سات بزرگوں کو جنہوں نے ممبر ہونا منظور کر لیا ہے اس بات کا بالکل اختیار ہے کہ جس جس کو چاہیں کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا ممبر مقرر کریں پس آپ ساتوں صاحب باہم صلاح اور مشورہ کر کر جس جس کو کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت میں داخل کرنا چاہیں داخل فرماویں۔ کسی کو اس میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ اور اپنی کمیٹی کی کارروائی کے لئے بھی جو قواعد مناسب ہوں تجویز فرماویں۔ صرف اتنی بات چاہیے کہ جو قواعد آپ تجویز کریں اُسکی ایک نقل اور اپنے اجلاس کی روئداد ہمیشہ دفتر کمیٹی خزانہ البضاعتہ میں ارسال فرماتے رہیں تاکہ بنظرِ اطلاع ممبرانِ کمیٹی خزانہ البضاعتہ کے وہ کاغذات بھی چھپتے رہیں۔

دوسرا امر قابلِ عرض یہ ہے کہ علیگڑھ میں جو یہ گفتگو ہوئی تھی کہ ممبرانِ کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی کمیٹی کے کسی ممبر کو جس وقت چاہیں کثرتِ رائے سے موقوف کر سکیں اُسکی نسبت یا التماس ہے کہ آپ اپنی کمیٹی جمع کر کے اس امر پر اور اُسکے نیک و بد پر برہنہ غور فرمائیں اور جو تجویز قطعی اور خیر نسبت امر مذکورہ کے ٹھہرے اُس سے مطلع فرمائیے۔ تاکہ اُس کی تعمیل کے لئے حسبِ ضابطہ کار روائی کیا دے۔

تیسری عرض یہ ہے کہ تمام معاملہ تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا اُن ساتوں بزرگوں جنہوں نے ممبر ہونا قبول کر لیا ہے اور اُن کے جن کو کہ آئندہ وقتاً فوقتاً آپ پناشر یک کرینگے سپرد ہے۔ اور انھیں کو اُسکی نسبت اختیارِ کامل حاصل ہے۔ وہی لوگ مدرسانِ تعلیم مذہبی تجویز کریں گے اور وہی لوگ سلسلہ کتب مذہبی مقرر کریں گے پس اُمید ہے کہ آپ سب صاحب متوجہ ہوں اور جو امر کہ آپ نے

اپنے ذمہ اختیار کیے ہیں اُن کا انتظام اور انصاف فرمادیں +
 چوتھی عرض یہ ہے کہ سلسلہ کتب درسی مذہبی کا جو آپ مقرر فرمادیں اُس کے چار درجے حسب
 تفصیل ذیل ہونے چاہئیں۔ اول سلسلہ عام ضروری درسی کتابوں کا۔ یہ سلسلہ صیفہ مدرسہ سے متعلق ہوگا
 جس کا ذکر طریقہ تعلیم کی دفعہ ۸ میں مندرج ہے۔ اس درجہ میں جوڑ کے تعلیم پادیں گے اُن کی مدت تعلیم
 جملہ علوم کے لیے پانچ برس مقرر ہے۔ اس درجہ میں ہر طالب علم کو مذہبی کتابوں کا پڑھنا ضرور ہوگا۔
 اس درجہ کے طالب علموں کی استعداد اس درجہ تک پہنچنے کی کہ وہ عربی اور فارسی عبارت معہ قواعد
 صرف و نحو بخوبی پڑھ سکتے ہوں گے اور عربی و فارسی عبارت کے معنی اور مطلب بخوبی سمجھ سکتے ہوں گے۔
 پس اس صیفہ کے لیے ایسے درجہ کی کتابیں عربی زبان کی تجویز کی جاویں جو رفتہ رفتہ اُس قدر
 استعداد کے طالب علموں کے مناسب ہوں۔ اور یہ بھی تجویز کیا جائے کہ صرف اور نحو کے کس کس
 تک پہنچ جانے کے بعد عربی سلسلہ مذہبی کتابوں کا پڑھنا شروع کرایا جاوے گا +

علاوہ اس کے اسی درجہ کی لیاقت کے موافق ایک دوسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا فارسی زبان کا
 منتخب ہونا چاہیے تاکہ جو لوگ عربی زبان کی تعلیم اختیار نہ کریں گے اور فارسی زبان میں تعلیم ہونا چاہیں گے
 اُن کو وہ سلسلہ مذہبی تعلیم کا پڑھنا پڑے گا +

اس کے سوا اسی قسم کا ایک تیسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا اردو زبان میں مرتب ہونا چاہیے تاکہ جن
 لوگوں نے یورپ کی زبانیں اختیار کی ہوں گے اُن کو اُس اردو سلسلہ کے ذریعہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنی
 ضرور ہوگی +

دوم سلسلہ اُس سلسلہ سے اعلیٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ سلسلہ مدرسہ العلوم
 کے اعلیٰ درجہ سے علاوہ رکھیگا جس کا ذکر دفعہ ۱۰ طریقہ تعلیم میں ہے اور اس درجہ میں بشمول دیگر علوم
 کے چار برس تک تعلیم ہوگی +

اس درجہ میں دینیات کی ایسی کتابیں عربی کی منتخب ہونی چاہئیں جو ایک مستعد طالب علم کے
 پڑھنے کے لائق ہوں اور جو عموماً اعلیٰ درجہ کے طالب علموں کے درس تدریس میں داخل ہوں گے
 اس درجہ کے لیے فارسی زبان کی کتابوں کا بھی کوئی سلسلہ منتخب ہو تو نہایت مناسب ہوگا
 بلکہ اس درجہ کے لائق اردو زبان میں بھی کوئی سلسلہ پیدا کیا جاوے تو مسلمانوں کے حق میں نہایت
 مفید ہوگا۔ اور اگر آپ کی کیٹی توجہ فرمائے گی تو بذریعہ تصنیف اور ترجمہ کتب زبان اردو ایسا سلسلہ
 مرتب ہو جائے کہ مشکل نہ ہوگا +

تیسرا سلسلہ اس سلسلہ سے بھی اعلیٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیے کیونکہ یہ سلسلہ مدرستہ العلوم کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے علاقہ رکھتا ہے جس کا ذکر دفعہ ۱۱ طریقہ تعلیم میں ہے۔ اس سلسلہ میں ایسی مشکل اور دقیق کتابیں داخل ہونی چاہئیں جو ایک پورے اور کامل فاضل ہونے کے لئے درکار ہیں اور اگر اس درجہ کے لئے بھی فارسی اور اردو زبانوں کا سلسلہ بھی مرتب کیا جائے تو نہایت عمدہ بات ہوگی +

چہارم۔ یقینوں سلسلے اس لحاظ سے مرتب ہوں گے کہ طالب علموں کو اور علوم کے پڑھنے کا بھی جس کے ساتھ یہ سلسلہ مذہبی پڑھایا جائے گا موقع رہے۔ لیکن بعض طالب علم ایسے ہونگے جن کی خواہش یہ ہوگی کہ صرف دینیات ہی میں اعلیٰ اور کامل درجہ کی تعلیم پاویں پس ان کے لئے ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسی قدر زیادہ اور نسبت کتب سلسلہ نامے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پاویں پس ان کے لئے ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسی قدر زیادہ اور نسبت کتب سلسلہ نامے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں۔ کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم چاہینگے ان کو پوری کامل درجہ کی اور دقیق تعلیم ہونی چاہیے +

یہ تمام سلسلے جن کا اوپر مذکور ہوا مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق حنفی مذہب کے منتخب ہونے چاہئیں کیونکہ تمام اہل ہندوستانی حنفی مذہب میں اور مدرستہ العلوم میں حنفی مذہب کی تعلیم ہوگی۔ تعلیم دینیات میں علوم مفصلہ ذیل داخل ہیں۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اصول تفسیر۔ علم عقائد۔ علم کلام۔ پس انہیں علوم کی کتابیں سلسلہ تعلیم علوم مذہبی میں جس طرح کہ مناسب ہوں داخل کیا دیں۔ یہ سب تفصیل میں نے اس لئے التماس کی ہے کہ جو درجات تعلیم مدرستہ العلوم میں مقرر ہوئے ہیں ان سے آپ کو بلا تکلف اطلاع رہے۔ اور ایسی مناسبت سے سلسلہ کتب درسیہ مذہبی کا قیام دینے میں آسانی ہو +

اس امر کی اطلاع کرنی بھی مجھ کو ضرور ہے کہ آپ بہت جلد اور سب سے اول جن لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا منظور ہو ان کو شامل کر کے اپنی پوری کمیٹی کر لیجئے اور سب سے اول اور نہایت جلد وہ کتابیں جن کا ذکر سب سے پہلے سلسلے میں ہوا ہے منتخب اور تجویز فرمائیے۔ اور ان کی فہرست سے کمیٹی عزیزانہ البضاعتہ کو مطلع فرمائیے تاکہ یہ کمیٹی ان کے ہم ہونچا نہیں

سہی دکو شمش کرے۔ کیونکہ جب تک یہ سلسلہ مرتب نہ ہو جاوے گا اور سب کتابیں ہم
نہیں پڑھائی جاویں گی تعلیم شروع نہ ہو سکیگی۔ والسلام +

آخری پرچہ

تہذیبِ نفاق

ستوں کو جھنجھڑتے ہیں تاکہ جاگ اٹھیں۔ اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہو گیا۔
اور اگر نیند میں اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے اور کچھ جھنجھلائے۔ ادھر ہاتھ جھٹک دیا ادھر پتھر
پھٹک دیا اور جھنجھلاہٹ میں اینڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ غصوڑی دیر بعد
جاگ اٹھیں گے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے۔ اگر
یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہیے اور تہذیبِ الاخلاق کو بند کر کر دُور
سے نیند کے اُن خسار آلودوں کا جواب صرف جھنجھلاہٹ سے اینڈے پڑے
ہیں اٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہیے۔ بچے اٹھاتے وقت کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کو
اٹھائے جاؤ گے تو ہم تھر پڑے رہیں گے تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہونگے۔
بچہ کڑوسی دوا پیتے وقت بسور کرماں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شیش بیٹا
پی لے پی لے تم چپ ہو رہو میں آپ ہی پی لوں گا۔ لو بھائیو۔ اب ہم بھی نہیں کہتے
کہ اٹھو اٹھو پی لو پی لو۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو ناصح مشفق سمجھتا
ہوں بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہماری قوم کی ہے اُس کو جتلانا چاہتا ہوں +

ایک دن تھا کہ ہم بھی اُسی رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ
رشتوں کے بھی اٹھانے نہ اٹھتے تھے۔ اب ہماری بیل ہے۔

لو آج میرے مسجد جامع کے میں امام
طیغ شراب دھوتے تھے کل جانا زکا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے۔ اور کیسی کیسی کالی گھٹائیں ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں۔ جب رند تھے تو فریاد سے بڑھ کر تھے۔ جب زاہد خشک تھے تو نہایت ہی اکڑ تھے۔ جب صوفی تھے تو رومی سے برتر تھے۔ اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غمخوار۔ تنکو کس نے جگایا؟ دل اور زمانہ نے۔ دل کی گھڑت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غمخواری تھی۔ پر سوتا تھا۔ زمانہ نے جھٹکا دیا اور جگایا۔ دفعۃً دیکھا کہ دنیا اُلٹ گئی اور رنگ برنگ کی پھلواری سب اُجڑ گئی۔ قوم کی حالت وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کا فر بھی پائے۔ اس بربادی کے سبب کا غیر قوم کو تو اور ہی خیال ہوا۔ پر غلط ہوا۔ اور ٹھجہ کو جو ہوا وہ خود اپنی قوم کی حالت کا ابرہ ہوتا تھا۔ قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ ادھر ادھر کی چیزیں تو مدکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔ پھر میرا دل ہی تھا پتھر نہ تھا جو نہ پگھلتا اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا۔ ایک مدت تک اسی غم میں پڑا سوچتا رہا کہ کیا کچھ ہے۔ جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھیں۔ جتنی اُمیدیں کرتا تھا سب ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے۔ کرو جو کچھ کر سکو ہو یا نہ تو اسی بات پر دل ٹھہرا ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا اور اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا۔ اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے۔ مگر قوم کی طرف کا بدلہ اُسی وقت سے معلوم تھا جو اب ظاہر ہے۔ کافر۔ مرتد۔ لحد۔ زندیق۔ اسلام کا دشمن۔ مسلمانوں کا ناجی۔ قوم کا عیب جو۔ دین دنیا سے آزاد۔ کہنا اور نام پر دو چار صلواتیں سُنا دینا۔ اور ہم پر اس مثل کا صادق آنا کہ دھوبی کا لُٹا گھر کا نہ گھاٹ کا۔ مگر شکر ہے کہ اُن کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا۔ اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی آیا کہ اے خدا اُن پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

انہی قومی بھلائی کے ولولوں میں سے تہذیب الاخلاق کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصد قوم کو اُس کی دینی اور دنیاوی ابرہ حالت کا جھٹلانا اور سوتوں کو جھٹکانا بلکہ مُردوں کو اُٹھانا اور بند مٹے ہوئے پانی میں عریک کا پیدا کرنا تھا۔ یقین تھا کہ مٹے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو زیادہ پھیلے گی۔ مگر حرکت آجائے سے پھر خوشگوار

ہو جانے کی توقع ہوتی تھی۔ پس کیا ہم نے جو کچھ کرنا تھا۔ اور پایا ہم نے جو کچھ کرنا تھا۔ مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر ہم نے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہ تو ہی کرے جو اُس کو کرنا ہے۔

از بندہ خضوع و التواضعی زبید
بخشایش بندہ از خدا می زبید
گر من کنم آنکہ آن مرا نازیباست
تو کن ہمہ آنکہ آن ترا می زبید

سات برس تک ہم نے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی مذہبی بھلا
جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اُس سے خبردار کیا۔ دنیاوی باتوں
میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اُس میں اُن کو روشنی دکھلائی
مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اُن کو ہٹایا اور اُس کے اصلی
نور کو جہاں تک ہم سے ہو سکا چمکایا۔ اُردو زبان کا علم ادب جو بد خیالات اور موٹے
و بھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اُس میں بھی جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اصلاح
چاہی۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اس میں کچھ کیا۔ مگر اُن یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے
اپنی دانست میں ان باتوں میں بقدر اپنی طاقت کے کوشش کی۔ قومی ہمدردی
قومی عزت۔ سلف از یعنی اپنے آپ عزت کا خیال اگر ہم نے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا
تو ان لفظوں کو تو ضرور اُردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا۔ ہم نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو
مگر ہر طرف سے تہذیب و شائستگی کا غلغلہ سنا۔ قومی ہمدردی کی صدا اُن کا ہمارے
کانوں میں آتا۔ اُردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا۔ یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہم نے
بھرا پایا۔ اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو نکارتے ہیں گو اس وقت ٹھٹھی مٹری
لہریں کھاتے ہیں مگر بانی میں حرکت ہی آجانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پینال میں آپ
چرخ ہو رہیگا۔ اس لئے مناسب ہے کہ فٹ ہم میں کریں اور پانی کو آپ ہی آپ
چرخ ہونے دیں۔

ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دُور از کار نہ خیالی کریں گے
اور نہ اُس پر تنقید کریں گے جو ہمارے ناصح نورالافاق نے اپنے اخیر پرچہ میں

حاتھا بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہونگے
 جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "ما ننسف من آیتہ
 او ننشہانا کت بخیر منها او مثلہا" اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے
 دوست ہیں جو اس پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہوں گے۔ مگر
 ہم اُن سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو اُن سے رخصت کرتے ہیں اور وہ
 دن بھی اب آنے والا ہے کہ ہم خود ہی اُن سے رخصت ہوں گے +
 ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا۔ اور جب اُن کو معلوم
 ہو گیا کہ ہم نے یہ ارادہ معکم کر لیا ہے تو اُنہوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے
 بیویوں کیسے ہیں جن کو ہم نہایت احسانمندی و شکرگزاری سے اس اپنے اخیر پرچہ میں دج
 کرتے ہیں۔ والسلام +

